عوارف المعارف

مصنف: شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ

مترجم: حضرت شمس بریلوی

پروگریسیو بکس

عوارف المعارف

مکتبہ سخی سلطان رحمۃ اللہ علیہ
ڈاکٹر ہارون والی گلی چھوٹکی گٹی حیدر آباد
Ph # 022-2912275, Mob # 0321-3025510

مصنف:۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی

از: ادیب شہیر
حضرت شمس بریلوی علیہ الرحمہ
مصنف اور رنگ زیب خطوط کے آئینے میں اور مترجم غنیۃ الطالبین

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔
فون:7352795-7124354

نام کتاب .... عوارف المعارف

تصنیف .... شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم .... ادیب شہیر حضرت شمس ریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ .... فراز کمپیوٹر

مطبع .... زاہد بشیر

تاریخ اشاعت .... ستمبر 1998ء

ناشر .... چودھری غلام رسول

میاں جواد رسول

تعداد اشاعت .... ایک ہزار

قیمت .... 275/- روپے

ملنے کے پتے

اسلام بک ڈپو: 12 گنج بخش روڈ لاہور P.P: 7229665

پروگریسو بکس فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111

E-mail: millat_publication@yahoo.com

پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 7352795-7124354

عرض ناشر

ادارہ پروگریسو بکس نے بلند پایہ تصانیف کو اعلیٰ طباعت سے مرصع کر کے تشنگانِ علم کی خدمت میں پیش کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اس عظیم منصوبے کے پیش نظر اب آپ کی خدمت میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصانیف "عوارف المعارف" (مترجم) پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ترجمہ "عوارف المعارف" پاک و ہند کے معروف مترجم حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ندرت نگار قلم کا شاہکار ہے۔ اس سے قبل ہم آپ کی خدمت میں مترجم کی کتب نفحات الانس اور تاریخ الخلفاء پیش کر چکے ہیں اور اب عوارف المعارف اور غنیتہ الطالبین حاضر خدمت ہیں۔

مترجم سے اجازت اشاعت کتب کے وقت کئے گئے وعدہ کے پیش نظر ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ پروف ریڈنگ اور پرنٹنگ میں کوئی خامی نہ رہنے پائے۔ تاہم اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسے دور کیا جائے۔ ادارہ ہذا کے سرپرست کے والدین کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آمین

شکریہ

چوہدری غلام رسول

میاں جواد رسول

پروگریسو بکس

اردو بازار لاہور

حوالہ نمبر ______ تاریخ ۹ ستمبر ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترمی میاں شہباز رسول صاحب مسلمہ، مالک پروگریسو بکس

۴۰ - بی اردو بازار، لاہور کو میں بطیب خاطر اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ وہ میرے تراجم (مع تعلیقات) کو شائع کر سکتے ہیں، ان تراجم کی مد حسب ذیل ہے

۱- [illegible] مع مقدمہ

۲- سفینۃ الاولیاء مع مقدمہ

۳- تاریخ الخلفاء (مصنفہ سیوطیؒ) مع مقدمہ

۴- عوارف المعارف مع مقدمہ

۵- نفحات الانس حضرت جامیؒ مع مقدمہ۔

۶ مقدمہ [illegible] کا تحقیقی جائزہ۔

محترم ناشر سے مستدعی ہوں کہ صحت کا خصوصی التزام فرمائیں۔ فقط

ناچیز

شمس الحسن شمس بریلوی

(دبستانِ شمسان)

۱۵۷/۱۳ گلشن اقبال، کراچی

سخن ہائے گفتنی

اپنے قارئین کرام کا شکر گزار ہوں اور میں ان کے ادبی ذوق اور مذہبی رجحان کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کی پسندیدگی اور پذیرائی کے باعث میرے تراجم کے بفضلہ تعالیٰ کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، میری نظر میں ان تراجم کی پسندیدگی کا اہم موجب وہ مقدمات ہیں جو میرے تراجم کا مایہ الامتیاز ہیں، میں کسی کتاب کے ترجمہ کو اس وقت تک ایک مکمل ترجمہ نہیں سمجھتا جب تک کتاب کے عہد تصنیف، مصنف کا ماحول، اس وقت کے تمدنی اور عمرانی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث نہ کی جائے اور یہ نہ بتایا جائے کہ وہ کون سے عوامل تھے جو مصنف کے خیال و بیان پر کار فرما رہے تھے۔

اسی طرح کتاب جس موضوع پر ہے اس موضوع کی اہمیت اس کا مالہ و ماعلیہ، اس موضوع سے عوام و خواص کی دلچسپی اور ادب یا مذہب میں اس موضوع کا مقام۔ مصنف کا اسلوب بیان، خصوصیات زبان اور اس کی تصانیف کا تفصیلی جائزہ پیش کرنا میں اپنے ترجمہ کے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔ الحمد للہ کہ غنیتہ الطالبین کے ترجمہ کی کامیاب اشاعت و پذیرائی کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یا ترجمہ تاریخ الخلفاء (از علامہ سیوطی قدس اللہ سرہ) اپنے دلچسپ اور بصیرت افروز مقدمات کے باعث آپ کی پسندیدگی کا شرف حاصل کر چکے ہیں، یہ ایک اظہار حقیقت اور تحدیث نعمت ہے، خودنمائی اور خود ستائی میرا شیوا نہیں اور نہ میں سستی شہرت کا طالب ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے ان سے بمراحل دور رکھا ہے، میں صرف اپنے تراجم کی خصوصیات کے سلسلہ میں بیان کی ان حدوں تک پہنچ گیا تھا۔

اب میں دنیائے تصوف کی مشہور و معروف کتاب "عوارف المعارف" کا اردو ترجمہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، کتاب "عوارف المعارف" کسی تعارف کی محتاج نہیں، مشائخ عظام اور ارباب طریقت نے اس گنج گرانمایہ کی قرار واقعی عظمت کی ہے۔ عقیدت و ارادت نے ہمیشہ اس کو اپنا ہادی طریقت سمجھا اور آج تک سمجھ رہے ہیں اور عزت و احترام کی آنکھوں سے اسے لگایا ہے، میں نے اپنے مقدمہ میں اس کی اہمیت پر بہت کچھ لکھا ہے یہاں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کتاب کے ترجمہ سے میں ماہ ستمبر 1976ء میں فارغ ہو گیا تھا چلئے فرصت ملی، کتاب چھپ جاتی، جی نہیں! میں جس اصول پر تراجم کے سلسلہ میں کاربند ہوں اس کے پیش نظر عوارف المعارف کے ترجمہ پر بھی ایک مقدمہ لکھنا تھا!

موضوع تصوف پر مقدمہ لکھنا تو تحصیل بے حاصل ہوتا کہ "عوارف معارف" اس موضوع پر خود زبردست جامعیت کی حامل ہے اور اپنی خصوصیت میں بے عدیل و بے نظیر ہے، میں اسی سوچ میں تھا کہ فکر کار جو نے مقدمہ کے لیے ایک ایسا اچھوتا موضوع تلاش کر لیا جس میں قارئین کرام کی دلچسپی اور تعلق خاطر کا بھرپور مواد موجود تھا اور انفرادیت بھی (بایں معنی کہ اب تک اس موضوع پر اردو زبان میں قلم نہیں اٹھایا گیا تھا) یعنی آپ میں آپ کے سامنے مقدمہ میں ایک ہزار سالہ دور میں عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں تصوف کے وقیع اور گرانمایہ موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا تعارف پیش کر رہا ہوں۔

بظاہر بھی اس اچھوتے موضوع پر قلم اٹھانا مشکل تھا لیکن جب قلم اٹھایا تو اس کی مشکلات کا اندازہ ہوا مگر جو ارادہ کر لیا تھا اس پر سختی سے کاربند رہا۔ الحمد للہ کہ چھ ماہ کی شب و روز کاوش کے بعد موضوع مذکورہ پر مقدمہ مرتب ہو سکا' آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ مقدمہ بجائے خود ایک اوسط حجم کی تصنیف ہے' اگر میں اس موضوع کو عصر حاضر تک لاتا اور تصوف کے موضوع پر منظوم تصانیف کا بھی ذکر کرتا تو مزید پچاس صفحات درکار ہوتے۔ اس لیے میں نے اس کو حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے عہد تک محدود رکھا۔ اب آپ مقدمہ کے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ فرمائیں گے کہ اس خصوصیت میں مجھے کہاں تک انفرادیت حاصل ہے اور مقدمہ دلکش و دلچسپ اور پر از معلومات ہے یا نہیں۔

انشاء اللہ العزیز اب جو ترجمہ اس ناچیز کے قلم سے زیر تکمیل ہے اور جس کا میں نے اپنے مقدمہ میں آپ سے وعدہ کیا ہے اس پر جو مقدمہ ہو گا وہ اس مقدمہ کا تتمہ اور تکملہ ہو گا۔ یہ جو کچھ میں نے عرض کیا اس کا مقصد اور مدعائے نگارش صرف یہ تھا کہ اگر مترجم چاہے تو ترجمہ کی دلچسپی کے لیے بشرط بصیرت و آگہی بہت کچھ سامان متن کتاب میں کسی قسم کے تصرف کے بغیر' فراہم کر سکتا ہے اور میں کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔'

میں نے اس دلچسپ اور بصیرت افروز' مقدمہ کی نگارش کے سوا بھی اس امر کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ ترجمہ کا انداز بیان دلکش اور دلچسپ ہو' الفاظ کا دروبست ' روانی اور تسلسل بیان میں مانع اور مزاحم ہونے کے بجائے ممد و معاون ہو' چست بندشیں برجستہ و نفیس اور برمحل الفاظ کا دروبست' عبارت کو زور بخشنے والے عناصر ہیں' میں نے اسی انداز کو اپنایا ہے اور میں اپنے دوسرے مطبوعہ تراجم میں بھی اسی اسلوب نگارش پر کاربند رہا ہوں' آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

واضح رہے کہ عربی کی قواعد صرف و نحو اور علم معانی کی خصوصیت اور اس کے مقتضیات اور ان کی پابندیوں اپنا ایک مخصوص انداز رکھتی ہیں اگر ترجمہ میں عربی زبان کے انہی قواعد کو اپنایا جائے تو ترجمہ کی روانی و سلاست بیان اور اس کی دلکشی مفقود ہو جائے گی اور زور بیان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے لہٰذا میں نے سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے لفظ بہ لفظ نہیں۔ ہاں الفاظ کے معانی استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا ہے کہ پھر وہ ترجمہ نہ رہتا بلکہ ترجمانی ہوتی' جب کہ عوارف المعارف کا اسلوب بیان اور انداز مسجع اور مقفیٰ ہے۔ پس جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ میرے ترجمہ کی بندشیں ' الفاظ کے معانی کا انتخاب اور ان کا دروبست اردو زبان کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور بس! ہاں ایک امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے کہیں کہیں برمحل اشعار سے بھی اپنے بیان کو دلکش اور دلچسپ بنایا ہے' میری طبع سخن سنج ایسے مقامات پر مچل گئی اور مجھے مجبور کیا کہ شمس جب نثر کا ترجمہ نثر میں پیش کیا جا رہا ہے تو نظم کا ترجمہ نثر میں کیوں! چنانچہ ترجمہ کی مذکورہ بالا پابندیوں کو برقرار رکھتے ہوئے نظم کا ترجمہ نظم میں یا شعر کا ترجمہ شعر میں پیش کیا ہے تاکہ قارئین محظوظ ہو سکیں' ایسے مقامات پر صرف اتنا ملحوظ خاطر رہے کہ عربی شاعری کا مزاج جدا ہے اور اردو شاعری کا جدا اور میں عربی الفاظ کے معانی ایراد کرنے سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔ عربی اشعار کے منظوم ترجمہ سے مقصود صرف یہ ہے کہ زور کلام میں خلا پیدا نہ ہو اور قارئین کرام کسی حد تک عربی اشعار سے بھی محظوظ ہو سکیں۔ بہت کم ایسے مقامات ہیں جہاں یہ پابندی نہیں کر سکا ہوں اس کا سبب سوائے سہل انگاری کے اور کچھ نہیں!

ترجمہ کے سلسلہ میں ایک امر خاص کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا از بس ضروری ہے کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے شریعت و طریقت کے فرق کو ذہنوں کی دور کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے شریعت و طریقت دو جداگانہ راستے نہیں ہیں اپنے کلام یا موضوع کا نص قرآنی او آثار و اخبار سے استدلال کیا ہے اور ہر موضوع کی مناسبت سے حدیث نبوی ﷺ کو اس کے طرق کی قید کے ساتھ (بتمامی رواۃ) بیان کیا ہے لیکن یہ اسناد زیادہ تر ان کے مشائخ سلسلہ یا اکابر صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں اور یہ کہیں چھ چھ سات سات تک پہنچ جاتی ہیں اب اگر میں ان اسناد کے بیان کا التزام ترجمہ میں رکھتا تو ترجمہ کی خصوصیات یعنی زور بیان اور طرز ادا کی دوسری تمام خصوصیات درہم و برہم ہو کر رہ جائیں اس لیے میں نے ایسے مقامات پر صرف آخری سند کے بیان کرنے کو کافی سمجھا ہے قارئین کرام اس سلسلہ میں مجھے معاف فرمائیں۔

عوارف المعارف کے ترجمہ کی تصحیح کتابت بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ اس سلسلہ میں جناب محترم مولوی حافظ ابراہیم صاحب فیضی فاضل درس نظامی و فاضل ادب (کراچی) کا شکریہ ادا کرنے میں مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ انہوں نے بڑی کاوش اور ژرف نگہی کے ساتھ اپنی علمی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے تصحیح کتابت کا کام انجام دیا۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء اپنے محب و مخلص بزرگ جناب مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنی محبت و خلوص کے پیش نظر ایک قطعہ تاریخی اس ترجمہ کے لیے لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت دیا۔

میں کارپردازان مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، عزیزان گرامی قدر محمد فرید الدین و محمد مبین سلمہا اللہ تعالیٰ کے تعاون پر جتنا بھی اظہار تشکر و امتنان کروں وہ کم ہے کہ انہوں نے مقدمہ اور کتاب کے حسن صوری کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور یہی اس ادارہ کی کامیابی کا راز ہے کہ یہ حضرات مصنف کے ساتھ پورا پورا تعاون فرماتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کتاب اپنے حسن معنوی اور صوری دونوں پہلو سے لاجواب ہو۔ پیش نظر کتاب "عوارف المعارف اردو" کا مقدمہ اور متن میرے اس بیان پر شاہد ہیں، ان حضرات نے خاص طور پر مقدمہ کو جس قدر حسن ظاہری سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے آپ خود ملاحظہ فرمائیں!

یہ چند سطور رقم کرتے ہوئے۔ میں اپنے محترم جناب حکیم محمد تقی صاحب دہلوی کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لیے دعاگو ہوں اور اپنے قارئین کرام سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ دین کے اس حقیقی خادم اور ادب کے سچے مخلص کو (جس نے قوم میں دینی کتب کے مطالعہ کے ذوق کو بیدار کیا) جلد صحت کامل عطا فرمائے تاکہ ان کی زیر ہدایت یہ ادارہ زیادہ سے زیادہ دینی اور ادبی خدمات میں سرگرم عمل ہو سکے اور حکیم صاحب کی دلی آرزو بر آئے (آمین) والسلام

آپ کا مخلص

شمس بریلوی

فہرست - عنوانات مقدمہ ترجمہ "عوارف المعارف"

عہد عالمگیری

مغلیہ سلطنت کے عہد زوال کا ایک ماہ کامل

حضرات مشائخ کے ملفوظات کے مجموعے!

حضرات صوفیہ کرامؒ کے گرانقدر و گرانمایہ مکتوبات

شیخ الاسلام امام السالکین شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر قدس اللہ سرہ کی سوانح حیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موضوع تصوف پر ایک ہزار سالہ گرانقدر و گرانمایہ علمی سرمایہ

عربی' فارسی اور اردو زبانوں میں

مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اس گرانقدر تصنیف کو جس پر انہوں نے کافی محنت کی تھی اور اپنا کافی وقت بھی اس پر صرف کیا تھا بصورت مسودہ زمین میں دفن کر کے کہا "نعم الدلیل انت والاشغال بالدلیل بعد الوصل محال" لیکن اس کے باوجود کہ "وصول کے بعد دلیل کو سمجھنے یا پیش کرنے کی فرصت کہاں اور ان میں اشتغال ایک امر محال ہے"۔ حضرات صوفیہ کا یہ معمول رہا ہے کہ انہوں نے اپنے اپنے دور میں علوم متداولہ کے درس و تدریس کی طرف پوری پوری توجہ کی ہے اور ان مساعی کو وصول مطلوب سے پہلے ضروری اور مفید سمجھتے تھے اور صرف درس و تدریس ہی نہیں بلکہ تصوف و طریقت کے موضوع پر ان حضرات نے قلم اٹھایا' چنانچہ عربی' فارسی اور اردو زبانوں میں بصورت نثر و نظم بزرگان سلوک و طریقت اور مشائخ عظام (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم) جو ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں وہ بہت ہی گرانمایہ اور گراں بہا ہے۔

اکثر و بیشتر ارباب تصوف اور مشائخ عظام و کاملین راہ سلوک ظاہری پر پوری پوری بصیرت اور قدرت رکھتے تھے لیکن بایں ہمہ دور اول کے اکثر حضرات درس و تدریس کی مشغولیتوں سے محترز رہے وہ ان مشاغل کو اپنے اذکار و اشغال میں حائل سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قدم رکھنے سے اکثر اعراض فرمایا۔ البتہ تیسری صدی ہجری سے انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور ان کے نظم و نثر کے آثار جو دستبرد زمانہ خصوصاً فتنہ مغول و ہنگامہ تیمور سے محفوظ رہ گئے تھے وہ آج ہمارے لیے دلیل راہ ہیں اور ان کی گراں مائیگی کا یہ عالم ہے کہ یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ اس سے زیادہ سرمایہ نثر و نظم تلف ہو چکا ہے' میں ان صفحات میں آپ کے سامنے اس ایک ہزار سالہ سرمایہ تصانیف تصوف کو پیش کرنا چاہتا ہوں اگر میں ہر ایک کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کروں تو یہ صفحات سینکڑوں کی حد سے تجاوز کر جائیں گے اس لیے مجبوراً قرن وار اولاً نثری تصانیف کو پیش کروں گا اور اس کے بعد منظومات کو لیکن منظومات میں صرف بہت ہی اہم کتابوں کا ذکر کروں گا کہ منطق الیطر مثنوی مولانا روم' حدیقہ حکیم سنائی جیسی اہم کتابوں کا اگر تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ مقالہ تشنہ رہ جائے گا اور یہ مجھے منظور نہیں ہے۔

میں نے جن کتابوں کا انتخاب کیا ہے وہ صرف ایسی تصنیفات ہیں جو خالصاً موضوع تصوف پر لکھی گئی ہیں یعنی محبت الٰہی قربت الٰہی اور اس کی منازل وغیرہ اور قرن بہ قرن تصوف کے نظریات میں جو تبدیلیاں اور وسعت پیدا ہوتی گئی ہے۔ اور ان تصانیف کے مضامین سے نمایاں ہیں اور میں بھی مختصراً ان تبدیلیوں کو آپ سے روشناس کراؤں گا۔ آپ یوں سمجھیں کہ ہر قرن کی تصانیف اس قرن کے نظریات تصوف کی آئینہ دار ہیں اور جو کچھ عہد بہ عہد تغیرات اور پھیلاؤ تصوف میں رونما ہوئے ہیں وہ اپنے اپنے وقت پر ان تصانیف میں جگہ پاتے چلے گئے ہیں آئندہ اوراق میں آپ کو میرے اس قول کی وضاحت مل جائے گی۔

ابن ندیمؒ المتوفی 383ھ نے اپنی وفات سے صرف دس سال پہلے اپنی پراز معلومات اور گراں بہا تالیف "الفہرست" مرتب کی یہاں موقع نہیں ہے کہ میں "الفہرست" پر وضاحت سے کچھ لکھوں' صرف اتنا کہوں گا کہ "الفہرست" کی بدولت علمائے کرامؒ اور صوفیائے عظامؒ' مفسرین علام' و محدثین فہامؒ کی کاوشوں کے نام باقی رہ گئے ورنہ ہم ان علمی شاہپاروں کے ناموں سے بھی محروم رہ جاتے' جس طرح حضرت محدث اعظم علامہ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء کے ذریعہ ہم کو صدہا علمائے عظام کے زمانہ حیات' سال وفات اور سیاسی عہد سے آگاہی کی ایک مستند دستاویز ہاتھ آ گئی ہے۔ کہ حضرت علامہ مبرور نے ہر سلطان یا امیرالمسلمین (بنو امیہ و بنو عباس و فاطمیان مصر) کے ذکر کے بعد اس دور کے تمام مشاہیر کے ناموں کا بیان فرما دیا ہے' اس طرح تاریخ الخلفاء "وفیات الاعیان" سے آگہی کا ایک بہترین ذریعہ بن گئی ہے اسی طرح اگر ابن ندیم کی کتاب الفہرست نہ ہوتی تو خدا معلوم کتنے مشاہیر اور ان کی تصانیف کے نام اور مختصر تعارف تاریخ کے حافظے سے نکل جاتے۔

بہرحال چوتھی صدی ہجری کے اس عظیم مورخ اور بالغ نظر مفکر نے "کتاب الفہرست" کی شق پنجم کے تحت جو مقالہ پنجم کی ایک فصل ہے ان متعدد صوفیہ کرام کی بیش بہا کتابوں کے نام تحریر کر دیئے ہیں جو "صاحب الفہرست" کے معاصرین میں سے تھے یا ان سے قبل گزر چکے تھے اور اپنی کاوشوں کے نتائج یادگار چھوڑ گئے تھے ورنہ فتنہ مغول اور فتنہ تیمور میں جس طرح ہزاروں کتابیں جلا ڈالی گئیں اور آج ان کے نام بھی کوئی نہیں جانتا یہی کچھ صورت ان کتابوں کے ساتھ ہوتی!

اب میں ترتیب زمانی کے ساتھ ان حضرات گرامی کے نام ہائے نامی ان کے آثار قلمی کے ساتھ پیش کر رہا ہوں' مجھے اس اعتراف حقیقت میں کوئی عار نہیں کہ باوجود سعی بلیغ مجھے ان قدیم کتب تصوف کے سلسلہ میں اتنی وضاحت بھی کہیں میسر نہ آسکی کہ میں مختصر تعارف کے رسم ہی ادا کر دیتا' بس میں ان کتابوں کے مصنفین اور ان کے عہد ہی سے آپ کو روشناس کرا سکوں گا اس کے بعد انشاء اللہ جن کو پیش کروں گا ان کی مختصر رسم تعارف سے بھی عہدہ برآ ہو سکوں گا۔

مصنف کا اسم گرامی	زمانہ	تصانیف یا تصنیف	زبان
شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ	اوائل قرن سوم ہجری	کتاب المریدین	عربی
شیخ عمرؒ بن محمد بن عبدالحکیم المعروف ابو حفص		قیام اللیل والتہجد	عربی

شیخ حارث بن اسد المعروف محاسبی بغدادی	متوفی 273ھ	کتاب التفکر والاعتبار	
شیخ ابوالسریؒ منصور بن عمارؒ		مجالس	
شیخ ابو جعفر محمد بن حسینؒ برجلانی	او آخر قرن سوم	کتاب الصحبت، کتاب المتمین، کتاب جود والکرم	
		کتاب الہمہ، کتاب البصر، کتاب الطاعۃ	
محدث عظیم وصوفی کبیر شیخ عبیداللہ بن محمد المعروف بہ ابن ابی الدنیا	متوفی 280ھ	کتاب مکائد الشیطان، کتاب الاخلاق کتاب التقوی - کتاب المکارم الاخلاق	
شیخ المشائخ حضرت جنیدؒ بغدادی	متوفی 297ھ	کتاب امثال القرآن، کتاب الرسائل	عربی
شیخ ابن الجنیدؒ بغدادی		کتاب الخوف، کتاب الورع - کتاب الرہبان کتاب المحبت	عربی
شیخ ابوالحسنؒ علی بن احمد مصری	قرن چہارم متوفی 328ھ	کتاب الکبیر	
شیخ سہلؒ بن عبداللہ تستریؒ	383ء	وقائق المحبین - مواعظ العارفین	
شیخ ابو حمزہ صوفیؒ	289ھ	کتاب المتمین من السیاح والعباد المتصوفین	
شیخ محمد بن یحییٰ المعروف بہ ہشام القاری	292	کتاب التوکل	
شیخ حسین بن منصور حلاجؒ	309ھ	طاسین الازل، علم البقاوالفنا کتاب الیقین - کتاب التوحید	عربی

مذکورہ بالا کتب کا ابن ندیم نے اپنی تالیف کتاب الفہرست میں ذکر کیا ہے، یہاں اس حقیقت کا انکشاف ضروری ہے کہ صوفیہ کرامؒ کی تمام تصانیف کو ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک سادہ تصانیف کا دور اور دوسرا علمی تصانیف کا دور، دور اول یعنی سادہ تصانیف کا دور اس دور کے صوفیہ کرام کی زیادہ تر تصانیف ایسے رسائل پر مشتمل ہیں جن میں حضرات مشائخ عظام کی تمام تر تعلیمات طالبان طریقت یا مریدان راہ سلوک کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے ہیں، تصوف کے موضوع، تاریخ تصوف یا اسرار و رموز تصوف سے بحث نہیں کی گئی، یا یہ رسائل ان تقاریر کے مجموعے ہیں جو انہوں نے حلقہ مریدان میں کی تھیں اور مریدوں نے ان کو تحریر کر لیا تھا، یہ رسائل جو حقیقت میں مبتدی مریدوں کی رشد و ہدایت کے لیے تحریر کئے گئے تھے تمام تر آیات قرآنی، احادیث نبوی، اخبار اور صوفیانہ تفسیرات اور ان توضیحات پر مشتمل ہیں جو صوفی کی تربیت اور سیرو سلوک کی اصلاح کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھیں اور مریدوں نے ان کی روشنی اور رہنمائی میں مدارج و منازل سلوک کو طے کیا، یہ دور اولین چند صدیوں پر پھیلا ہوا ہے یہ حکیمانہ افکار و آرا سے بالکل خالی ہے اس وقت تصوف میں یہ افکار دخیل نہیں ہوئے تھے اس لیے یہ رسائل اور کتابچے محض علمی مسائل، محاسن اخلاق اور اکتسابی موضوعات تک محدود ہیں ان میں صوفیانہ مجاہدات، ریاضت، توبہ، صبر، شکر، اخلاق، صدق اور دوسرے مکارم اخلاق، مقامات احوال، کرامات اور خرق عادات کے تذکرے بھی ہیں، ان رسائل کی تالیف کا مقصد واحد یہ تھا کہ مریدین ان کے ذریعہ اور ان کی رہنمائی میں اپنی سیرو سلوک

کے مراحل طے کریں اسی مقصد کے پیش نظر عارفان کامل اور مشائخ سلف کے پندو نصائح حکم و امثال جمع کر دیئے گئے تھے اور بس ان تمام نظائرو امثال' پندو حکم کی تائید میں نصوص قرآنی اور احادیث نبوی کو پیش کیا گیا تھا-

اس دور اول کی تمام تر کتابیں جن کے نام آپ کے مطالعے سے گزر چکے ہیں عربی زبان میں تھیں' ان میں سے سوائے ان چند کتابوں کے جو صوفیہ مابعد کو حاصل ہو سکیں باقی تمام کتابیں ایک مدت سے نایاب ہیں اور مشائخ مابعد کی تصانیف کی بدولت ان کے نام باقی رہ گئے ہیں' تیسری صدی ہجری سے گیارھویں صدی ہجری تک جوع الارض کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں ان میں ہزاروں کتابیں ضائع ہو گئیں' فتنہ مغول و فتنہ تاتار کے ہاتھوں سینکڑوں کتب خانے نذر آتش ہو گئے' ظاہر ہے کہ لاکھوں کتابیں جل کر خاکستر ہو گئی ہوں گی-

حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب کی بدولت بھی تصوف کی بعض کتابوں کے نام زندہ رہ گئے' حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب میں اپنے معاصرین اور اسلاف کرام کی چند تصانیف تصوف کی نشاندہی فرمائی ہے- الغرض مذکورہ بالا تمام تصانیف میں فقہاؒ اور علمائے کرامؒ نے "خطرات اور وساوس" کے موضوعات کو ان کا مابہ الامتیاز قرار دیا ہے یعنی صوفیہ کبارؒ نے اس دور اول میں جو تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں ان میں اور فقہاؒ اور علمائے امت کی تصانیف فقہی اور اخلاقی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اگر ہے تو بس اتنا کہ انہوں نے وساوس و خطرات نفس کو ایک موضوع قرار دے کر اس پر تفصیل سے لکھا ہے' ورنہ ان کے یہاں بھی تمام تر مباحث اصلاح نفس و اخلاق اور ارکان اسلام و ایمان کے وہی ہیں جو فقہا اور علماء کے یہاں ہیں اور یہ خصوصیت میں سمجھتا ہوں کہ صرف اس دور کی ہی نہیں بلکہ بعض مشائخ عظام اور پیران طریقت نے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں بھی ایسی تصانیف تصوف کے موضوع پر یادگار چھوڑی ہیں جن میں شریعت اور فقہ اسلامی ہی کے تمام تر موضوعات ہیں- (ہاں جزئیات آپ کو ان میں نہیں مل سکیں گے) پانچویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند کے عظیم مصلح اور پیر طریقت حضرت علیؒ بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کی مشہور کتاب "کشف المحجوب میں از کشف اول تا کشف ہشتم اصول دین و ارکان اسلام کو تفصیل سے بیان کیا ہے' چھٹی صدی ہجری کے مبلغ و مصلح اعظم حضرت پیران پیر' غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گراں مایہ کتاب "غنیتہ الطالبین" ملاحظہ کیجئے' اس میں حضرت والا نے ارکان اسلام بیان فرمائے ہیں' ارکان دین پیش کئے ہیں اور ہر ایک پر تفصیل سے بحث کی ہے- 600 صفحات کی ضخیم کتاب تمام تر انہی مسائل پر مشتمل ہے صرف آخر میں ایک باب "آداب المریدین" کے عنوان سے خالصاً تعلیمات تصوف پر رقم فرمایا ہے' بہرحال ارباب طریقت اور ارباب شریعت میں کوئی نظریاتی یا عقائد سے متعلق فرق نہ تھا اور یہی رنگ ان حضرات کی تصانیف میں جلوہ فرما تھا' شریعت طریقت سے کوئی جداگانہ چیز نہ تھی اور طریقت شریعت کا دوسرا نام تھا میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ بعد میں تصوف اور شریعت میں کوئی تعارض اور تصادم کا پہلو نکل آیا ہے' جی ایسا بالکل نہیں ہوا اور ہو تا بھی کیسے کہ تصوف کی روح تو شریعت ہی ہے' بلکہ میرے کہنے کا یہ مقصد ہے کہ دور اول کی تصانیف تصوف بالکل فقہی تصانیف معلوم ہوتی ہیں-

البتہ جب تصوف ایک علمی اور فکری نظریہ بن گیا اور فلسفیانہ مباحث کو اس میں جگہ مل گئی تو اس کے مباحث

میں تنوع اور تعمق پیدا ہو گیا اس وقت جن صوفیائے کرامؒ اور ارباب طریقتؒ نے تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا تو ان نظریاتی مباحث کے باعث اس قدر کثیر مباحث ان کے سامنے آ گئے کہ ایک اوسط درجہ کی ضخامت کی کتاب میں بھی ان مباحث علمیہ پر سیر حاصل بحث نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے دوسرے مباحث کے بیان کی ان میں گنجائش و وسعت پیدا کرنا دشوار تھا، یوں تو چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں ہی بہت سے نظریاتی سلاسل یا مکاتیب فکر تصوف میں پیدا ہو گئے تھے جن کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف "کشف المحجوب" میں اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے اور اُس فرق کی بھی وضاحت کردی ہے جو ہر طبقہ کا طرہ امتیاز تھا لیکن بایں اختلاف خدانخواستہ ان کا قدم کبھی جادہ شریعت سے باہر نکلا اور نہ بعد میں ایسا ہوا! .

آپ پیش نظر کتاب ہی کو لے لیجئے یہ چند صفحات جس پر بطور مقدمہ شامل ہیں یعنی عوارف المعارف جو چھٹی صدیٔ ہجری کی ایک گراں مایہ اور ممتاز کتاب ہے اور ایسی قابل اعتماد کہ ہمیشہ صوفیہ کرام نے اس کا درس دیا اور اس کی سماعت کو اپنے لیے موجب امتنان و تشکر سمجھا، اس کتاب کے تمام مباحث بھی نصوص قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے زیب عنوان ہیں اور ضمناً ہزاروں فقیہانہ مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن صوفیانہ انداز بیان میں نہ کہ فقیہانہ طرز و استدلال کے ساتھ لیکن کیا مجال کہ قدم کہیں جادہ شریعت سے باہر آ جائے اور آج بھی ماشاء اللہ سہروردی سلسلہ، نقشبندی سلسلہ کی طرح کمال درجہ اتباع شریعت کا صرف حامی ہی نہیں بلکہ اس کا مظہر بھی ہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے جو کچھ میں نے عرض کیا ہے حد درجہ اختصار کے ساتھ عرض کیا ہے کہ میں اصل میں کتب تصوف کا مختصر سا جائزہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک ایسا پہلو سامنے آگیا تھا جس کی وضاحت ضروری تھی۔

بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ دور اول کی تصوف کے موضوع پر زیادہ تر کتابیں، عربی زبان میں لکھی گئی تھی بعد کو بھی یہ سلسلہ جاری و ساری رہا لیکن پھر عربی زبان کے بجائے فارسی زبان کو اظہار خیال کے لیے پسند کیا جانے لگا، اس کے اسباب و علل پر میں نے حضرت حجتہ الاسلام امام غزالی (سرآمد صوفیہ روزگار) کی محترم اور قابل تقلید سوانح عمری میں قلم اٹھایا ہے، میرے قارئین کرام، "کیمیائے سعادت اردو" کا مقدمہ اس ہیچمیرز کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں ان کے اس تجسس کی تشنگی کچھ دور ہو جائے گی، تیسری، چوتھی او پانچویں صدی ہجری میں عربی زبان میں لکھی جانے والی تصانیف تصوب بہت ہی نایاب ہیں بہت سی تو دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں اور بعض ہماری عدم توجہی کا شکار ہو گئیں، ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ لاہور کے ایک ناشر نے چوتھی صدی ہجری کے یگانہ روزگار عارف باللہ یعنی حضرت شیخ ابو نصر عبداللہ بن علی سراج (متوفی 378ھ) کی مشہور زمانہ تصنیف "کتاب اللمع" کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے، ہم کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے! اسی طرح ابن ندیم نے جن کتابوں کے نام "الفہرست" میں درج کئے ہیں ان میں سے اکثر کتابیں ناپید ہیں بس اس قدر باقی رہ گئیں کہ ان کا تذکرہ قدیم صوفیہ کرامؒ نے اپنی تصانیف میں کر دیا ہے ورنہ دنیا ان کے ناموں سے بھی بے خبر رہتی!

ہاں تو میں دوسرے دور کی تصانیف کے بارے میں عرض کر رہا تھا، یہ دوسرا دور صوفیہ کرام کی علمی تصانیف کا دور ہے یعنی ان حضرات نے تصوف کو بطور ایک نظریہ اور ایک فکری رجحان کے پیش کیا، یہ وہ دور ہے جب کہ فلسفہ و حکمت نے

تصوف میں اپنے ریشے پہنچا دیئے تھے اور مباحث دینی میں بھی ان کا نفوذ ہو چکا تھا اور یہ کام علمائے اسلام، مفکرین اسلام اور ارباب حکمت و فلسفہ کی متفقہ کوششوں سے سرانجام پایا۔ علم الکلام نے بعض عجیب و غریب مسائل کو سیدھے سادھے دین میں کھپا کر فتنوں اور کج بحثیوں کا ایک دروازہ کھول دیا، تاریخ بنی عباس کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مسئلہ "خلق قرآن" نے کتنے فتنوں کو پیدا کیا اور مظالم و جفا کشی نے کیسی کیسی عظیم ہستیوں کو مبتلائے کربت کیا اور اپنا نشانہ بنایا۔ اس دور میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں فلسفہ و حکمت نے اصول دین میں علم الکلام کی طرح ڈالی اور فروع دین میں قیاس و رائے کے دروازے واکر دیئے۔ تصوف کو جو محبت الٰہی، اتباع رسول خدا ﷺ حکمت الٰہیہ کے تحت لے آئے وہ تو غنیمت ہوا کہ تصوف کی دنیا میں صرف اس کے چند مسائل ہی اپنا نفوذ کر سکے ورنہ اگر یہ فلسفہ بالکلیہ اس پر چھا جاتا تو خدا معلوم قرون سابقہ میں تصوف کی صورت کیا سے کیا ہو جاتی۔ فلسفہ و حکمت کے اس اثر و نفوذ کے بعد اس لائق احترام موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بعض کتابوں میں اس کی جھلکیاں ملتی ہیں لیکن صرف علمی حد تک! تصوف کی عملی زندگی پر حکمت کا یہ حربہ کارگر نہ ہو سکا۔

عرب و عجم میں تصوف کے موضوع پر تیسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک جو کتابیں تصوف پر تصنیف یا تالیف کی گئیں اور وہ اب بھی موجود ہیں خواہ وہ مخطوطات کی شکل میں یا مطبوعات کی شکل میں، ان کو میں یہاں بہت اختصار کے ساتھ یعنی کتاب کا نام، زبان، مصنف اور زمانہ تصنیف یا تالیف کی صراحت کے ساتھ پہلے پیش کر رہا ہوں، پھر ہر ایک کتاب پر کچھ تفصیل سے عرض کرونگا یہ تمام تر کتابیں سوائے چند کے عربی زبان میں ہیں لیکن آپ کو حیرت ہو گی کہ ان کے مصنفین حضرات عجمی ہیں! میں سب سے پہلے اس فہرست کو شیخ حارث محاسبیؒ سے شروع کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے

---

(۱) زیر طبع باہتمام مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

مصنف	تصنیف کانام	زبان	زمانہ	صراحت
شیخ حارث محاسبیؒ	کتاب الرعایۃ الحقوق کتاب التوھم	عربی	متوفی 273ھ	نایاب ہے
شیخ ابو نصر عبداللہ بن علی سراج طوسی	کتاب اللمع	عربی	378ھ	قدیم صوفیہ کی سب سے زیادہ معتبر اور عظیم کتاب ہے، پروفیسر نکلسن کے مقدمہ کے ساتھ لندن سے شائع ہوئی ہے
شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاریؒ	کتاب التعرف	عربی	متوفی 380ھ	بعض صوفیہ کبارؒ کا ارشاد ہے اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو ہم تصوف کو نہیں جان سکتے تھے۔
شیخ الشیوخ ابو طالب (محمد بن علی بن عطیہ حارثی المکی)	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	عربی	متوفی 386ھ	1310ء میں مصر میں طبع ہوئی
شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمی نیشاپوری	طبقات الصوفیہ	ہروی زبان	412ھ	تصوف کی جامع اور مشہور ترین کتاب
محدث و شیخ المشائخ ابو النعیم بن عبداللہ اصفہانی	حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء	عربی	متوفی 430ھ 422ھ	تصوف کی مشہور کتابوں میں سے ہے شائع ہو چکی ہے۔
شیخ ابو القاسم عبدالکریمؒ بن ھوازن قشیری النیشاپوری	رسالہ قشیریہ	عربی	متوفی 465ھ	آج بھی یہ کتاب بڑی بلند پایہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے، مصر سے شائع ہو چکی ہے۔
حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویری داتا گنج بخش قدس اللہ سرہ	کشف المحجوب	فارسی	متوفی تقریباً 470ھ	فارسی زبان میں لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے اور آج بھی مسلمانان ہندو پاک اس کتاب اور مصنف پر نازاں ہیں
شیخ ابو اسماعیل عبداللہؒ بن محمد انصاری ھروی	طبقات الصوفیہ	فارسی	متوفی 481ھ	مولانا جامی نے اس کو مبسوط اضافہ کے ساتھ فارسی مروجہ میں ترجمہ کیا، "نفحات الانس" نام رکھا

مصنف	تصنیف کا نام	زبان	زمانہ	صراحت
خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ	منازل السائرین	عربی	481ھ	اس کی شرح شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشانی نے فارسی میں لکھی اور کتاب شرح کاشانی کے نام سے مشہور ہو گئی۔
حجتہ الاسلام ابو حامد بن محمد غزالی	احیاء العلوم	عربی	متوفی 505ھ	تصوف و اخلاق پر ایک گرانمایہ اور ہردلعزیز کتاب
	کیمیائے سعادت	فارسی		ہر پڑھا لکھا شخص اس کی بلند مانگی کا متعرف ہے
شیخ احمد بن محمد غزالیؒ (برادر شیخ حجتہ الاسلام غزالیؒ)	الذخیرۃ فی العلم البصیرۃ	عربی	متوفی 520ھ	
	لباب الاحیاء العلوم (تلخیص احیاء العلوم)	عربی		
	سوانح العشاق			
	تازیانہ سلوک	فارسی		
	مکتوبات شیخ احمد غزالیؒ	عربی		یہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی کے نام سے مشہور ہیں۔
امام ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی المعروف بہ ابن جوزی	صفوۃ الصفوہ	عربی	وفات 505ھ	
شیخ عبداللہ بن محمد ابو الفضائل مقتول المعروف بہ عین القضاۃ ہمدانی	زبدۃ الحقائق	عربی	وفات 525ھ	
شیخ محمد بن المنصور بن ابی سعیدؒ	اسرار التوحید فی			
	مقامات شیخ ابو سعید	عربی	وفات 558ھ	پہلی سوانح حیات
شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	فتوح الغیب			
	غنیتہ الطالبین	عربی	وفات 561ھ	غنیتہ الطالبین کا آخری باب "آداب المریدین" پر مشتمل ہے
	الفتح الربانی			
	کتاب الانوار فی			
شیخ الطائفہ روزبھان بقلیؒ	کشف الاسرار	عربی	وفات 606ھ	

مصنف	تصنیف کا نام	زبان	زمانہ	صراحت
شیخ عزیز بن نسفی	زبدۃ الحقائق			
	مقصد الاقصیٰ	عربی	وفات 618ھ	
	مقصد الاقصیٰ			
شیخ فرید الدین عطارؒ (شہید)	تذکرۃ الاولیاء	فارسی	شہادت 620ھ	فارسی زبان کا مشہور ترین تذکرہ
				صوفیہ
شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ	عوارف المعارف	عربی		مشہور زمانہ کتاب ہے دستیاب ہے
(عمر بن محمد سہروردیؒ)	وشف النصائح		وفات 632ھ	نایاب ہے
	جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب			نایاب ہے
شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن العربی	فتوحات مکیہ			مشہور زمانہ کتاب ہے اور دونوں
اندلسی المعروف بہ شیخ اکبرؒ	فصوص الحکم	عربی	وفات 638ھ	کتب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں
شیخ سعد الدین حمویؒ	علوم الحقائق حکم الاقائق		650ھ	
شیخ نجم الدین رازی المعروف بہ	مرصاد العباد من المبداء	فارسی	664ھ	
شیخ نجم الدین دایہؒ	الی المعاد'			
مولانا جلال الدینؒ رومی	فیہ مافیہ		672ھ	
	مکتوبات رومی			
	مجالس سبعہ رومی			
شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق	مفتاح الغیب	عربی	673ھ	
قونوی	نصوص			
	فکوک			
شیخ فخر الدین عراقی	لمعات	فارسی	688ھ	طبع ہو چکی ہے
شیخ عز الدین محمدؒ بن علیؒ کاشانی	مصباح الہدایت		وفات 735ھ	
	نقد النصوص	عربی	898ھ	
شیخ مولانا نور الدین جامیؒ	نفحات الانس	فارسی		
	لوائح			
	لوامع (شرح قصیدہ تائیہ ابن فارضؒ)			

اشعۃ اللمعات (شرح لمعات عراقی) فارسی

ابو الغازی سلطان حسین بائقرہ مجالس العشاق فارسی لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔
والی ھرات

پیش کردہ تفصیلات اور کتب تصوف کے ایک سرسری تعارفی مطالعہ سے ایک خاص بات آپ کے ذہن میں آئی ہوگی اور وہ یہ کہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں موضوع تصوف پر لکھی جانے والی کتابیں بہت ہی کم ہیں آٹھویں صدی ہجری میں صرف شیخ عزالدین کاشانی کی "مصباح الہدایت" اور نویں صدی ہجری میں حضرت جامی علیہ الرحمتہ اور شیخ عبد الکریم الجیلی (صاحب انسان کامل) کی چند تصانیف کے علاوہ تصوف کے موضوع پر مزید کتابوں سے روشناس نہیں کرایا گیا' ایسا بے سبب نہیں ہے' آٹھویں' نویں اور دسویں صدی ہجری میں حجاز' مصر و شام و ایران میں اس موضوع پر بہت ہی کم کتابیں لکھی گئیں! قبل اس کے کہ میں ان اسباب و علل پر بحث کروں جس کے باعث موضوع تصوف پر تصنیف و تالیف کا کام یکبارگی رک گیا۔ میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ سے مذکورہ بالا تصانیف سے اہم ترین اور ان تصانیف سے تعارف کراؤں جو اس وقت موجود ہیں یا وہ بطور ماخذ پیش کی جاتی رہی ہیں اور آج بھی ان کی شہرت اسی طرح قائم ہے ان اہم کتب میں سے بعض کے تراجم اردو میں ہو چکے ہیں اور جن کے تراجم نہیں ہوئے ان کو بھی دنیائے ادب خصوصاً ارباب تصوف میں ایک بلند مقام حاصل ہے اور ان کتابوں کا ذکر عظمت و تقدیس کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کتابوں کا آپ سے اب تعارف کرا رہا ہوں وہ کچھ زیادہ بسیط اور مفصل نہیں ہے بس اس کو بقدر ضرورت سمجھ لیجئے یا اپنے قارئین کی اہتزاز خاطر اور نشاط روحانی کے لیے میں نے اس کو ضروری سمجھا ہے۔ اس تعارف سے اگر کچھ زیادہ نتائج مرتب نہ ہوئے تو کم از کم اتنا ضرور ہو گا کہ ان کے اسالیب' مضامین مندرجہ اور اہم خصوصیات سے آگاہی حاصل ہو جائے گی اور ایک دوسرا بڑا فائدہ یہ بھی پیش نظر ہے کہ یہ درر منثور ایک لڑی میں پرو دئے جائیں گے تاکہ تاریخ تصوف میں ان کو جو مقام حاصل رہا ہے وہ اس مقام سے گرنے نہ پائیں اور تاریخ تصوف ان کو فراموش نہ کر سکے۔

الحمد للہ کہ برصغیر پاک و ہند میں اس موضوع پر میں نے سب سے پہلے قلم اٹھایا ہے اگرچہ جناب محترم مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے اس سلسلہ میں کچھ کام کیا ہے اور ان کی کتاب "تصوف اسلام" تصوف کی 9 کتابوں پر ایک اجمالی تبصرہ ہے لیکن فاضل موصوف نے باوصف اختصار ان کتابوں کے تعارف سے بہترین نتائج مرتب کرکے قارئین کے سامنے پیش کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ اس مقدمہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ سو سے زیادہ کتابوں کا تبصرہ پیش کر سکوں خواہ وہ اجمالاً ہی کیوں نہ ہو۔

جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ مشہور عالم و صاحب قلم "ابن ندیم" نے عربی زبان میں اپنی تالیف "الفہرست" مرتب کرکے ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور ان کی اس علمی و ادبی اور دینی خدمت کی بدولت بہت سی کتابیں تاریخ کے حافظہ سے مٹنے سے محفوظ رہ گئیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی فہرست کی مذکورہ بہت سی کتابیں انقلابات زمانہ کی نذر ہو گئیں اور آج ان کے ناموں کے سوا ان کے آثار باقی نہیں ہیں' علامہ ابن ندیم سے کئی صدیاں بعد علامہ حاجی خلیفہؒ نے اس

موضوع پر زیادہ بہتر طریقے سے لکھا اور انہوں نے کتاب اور مصنف پر قدرے تفصیل سے لکھا اور "کشف الظنون" کی صورت میں وہ اسما کتب اور اسماء الرجال و مصنفین کا ایک وقیع ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑ گئے' آج بھی اسلام کرام کی تحقیقات پر قلم اٹھانے والے حضرات کے لیے "کشف الظنون" ایک معتبر و مستند ماخذ ہے- ابن ندیم نے "کتاب الفہرست" 375ھ میں تالیف کی تھی اور اس کے آٹھ سال بعد 383ھ میں انکا انتقال ہو گیا لیکن عربی ادب اور دوسرے علوم و فنون عربیہ ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے- چھٹی صدی ہجری کے فتنہ مغول اور اس کے بعد فتنہ تاتار نے عمرانیات پر عظیم تباہی ڈھائی اور سینکڑوں کتب خانے نذر آتش کر دیئے' اگر کتاب "الفہرست" نہ ہوتی تو ان ناموں سے کون واقف ہو سکتا تھا اور صرف چند منابع اور ماخذ کی حد تک نام باقی رہ جاتے' ورنہ اکثر کتابیں تو وہ ہیں جن کے مخطوطات بھی محفوظ نہیں ہیں' جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں- ابن ندیم چوتھی صدی کے ربع آخر تک کی تصانیف کو ضبط تحریر میں لائے ہیں-

جس طرح ابن ندیمؒ نے اپنے مقالہ پنجم کے تحت تصوف کے دور اول کی کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام ضبط کئے ہیں اسی طرح ان کے بعد ابن الجوزی (صاحب تلبیس ابلیس و الصفوہ متوفی 505ھ) نے باوجودیکہ انہوں نے تصوف پر سخت لہجہ میں تنقید کی ہے لیکن بہت سے مشائخ کی بزرگی اور ان کی پاکیزہ زندگی کا احترام بھی کیا ہے- اور انہوں نے متعدد کتب تصوف کا ذکر کیا ہے اور ان کو قابل اعتنا سمجھا ہے اور "صفوۃ الصفوہ" میں ان کا ذکر کیا ہے- ہرچند کہ ابن جوزی کی یہ کتاب تصوف کے رد میں لکھی گئی ہے لیکن ایک دیانت دار مصنف کی طرح انہوں نے حقائق سے چشم پوشی نہیں کی ہے مثلاً شیخ حارث محاسبیؒ - شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی نیشاپوریؒ' شیخ ابو نصر سراجؒ' شیخ ابو طالبؒ مکی' محدث عظیم ابوالنعیمؒ اصفہانی' امام عبد الکریم ہوازنؒ القشیری' شیخ محمد بن طاہرؒ مقدسی' حجتہ الاسلام ابو حامدؒ غزالی' شیخ ابو سعیدؒ بن احمد بن عیسیٰؒ الخراز (رحمتہ اللہ علیہم) کا ذکر انہوں نے صوفیہ کرام کے گروہ میں کیا ہے اور ان کی تصانیف کی نشاندہی کی ہے' اس لیے یہ یقین کرنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ بالا حضرات کی تصانیف علامہ ابن جوزیؒ کے زمانہ میں معروف اور موجود تھیں اور ان کی گراں مائیگی کا یہ عالم تھا کہ ابن الجوزیؒ جیسے ناقد کو بھی ان کی اہمیت تسلیم کرنا پڑی-

کتاب رعایتہ لحقوق اللہ

مصنفہ شیخ حارث محاسبی! کتاب رعایتہ لحقوق اللہ' تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے' شیخ محترم کی اور بھی چند تصنیفات تصوف کے موضوع پر ہیں لیکن ان میں صرف ایک یہی کتاب دستیاب ہے' اس کو ایک مشہور مستشرق (مارگات اسمتھ) نے 1940ء میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے' اس کتاب میں شیخ نے عبادات و اخلاقیات کی وضاحت کی ہے اور صوفیہ کے اخلاق صبر و رضا' توکل' قناعت' تحمل وغیرہ کی تشریح صوفیانہ انداز میں کی ہے اور معاصرین و اسلاف کبار صوفیہ کے واقعات و حالات سے شہادتیں پیش کی ہیں- کتاب عربی زبان میں ہے-'

کتاب اللمع فی التصوف

تصوف کی مشہور زمانہ معتبر اور مستند کتاب ہے' اس کے مصنف ابو نصر عبداللہ بن علی السراج طوسی ہیں' آپ

انتقال 388ھ میں ہوا(1)، کتاب کی زبان عربی ہے اور یہ چند ابواب پر مشتمل ہے، کتاب اللمع تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے اور چوتھی صدی ہجری کے وسط کی تصنیف ہے۔ تصوف کی حقیقت، مقام عرفاء صوفیہ، عارفوں اور صوفیوں کی اہمیت، سالک طریقت کے مقامات، عرفاء کے اقوال، مقامات صوفیہ کرام کا اثبات قرآن و حدیث سے، مشائخ کے مناقب اور احوال صوفیہ کی تشریح، کرامات و خوارق عادات صوفیہ کا ثبوت، مصطلحات صوفیہ کی تشریح، شطحیات صوفیہ کی توجیہ و تصریح، پر یہ مقالات مشتمل ہیں، اس کے علاوہ تقریباً دو سو صوفیہ کرام کا تذکرہ ہے جو قرون اول سے تعلق رکھتے ہیں، ضمناً بہت سے تاریخی واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔، توحید الٰہی، اتباع سنت اور صحابہ کرام ﷺ کی پیروی پر خاص زور دیا ہے،

یہ گراں مایہ کتاب انیسویں صدی عیسوی تک نایاب تھی، متقدمین حضرات صوفیہ کے یہاں اس کے حوالے ضرور ملتے تھے بیسویں صدی عیسوی کے عظیم مستشرق نے جن کو صوفیہ کرام سے والہانہ تعلق تھا یعنی پروفیسر نکلس کی تلاش اور کاوش سے یہ کتاب ان کے بیش قیمت مقدمہ کے ساتھ جو انگریزی زبان میں ہے مخطوطات سے تصحیح و مقابلہ کے بعد 1914ء میں شائع کرکے ایک قابل قدر کارنامہ انجام دیا(2)۔

کتاب التعرف

لمذہب التصوف المعروف بہ "التعرف"! یہ گراں مایہ کتاب شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری الکلابادی کی تصنیف ہے اس کتاب کی اہمیت اور گراں مائیگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحب کشف الظنون "حاجی خلیفہ" اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ مشائخ صوفیہ نے اس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ لولا التعرف لما اعرف التصوف" یعنی اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو تصوف کو کس طرح پہنچانا جا سکتا تھا۔" یہ گراں قدر کتاب بھی شائع ہو چکی ہے اور بڑی مسرت کا مقام ہے کہ مکتبہ "المعارف" لاہور نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ یہ کتاب زیادہ مبسوط اور ضخیم نہیں ہے، اس کی زبان عربی ہے اور اس میں صوفیہ کرام کے عقائد و احوال کو تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود مصنف کا شمار طبقہ صوفیہ میں کیا جاتا ہے اور ان کی یہ کتاب تصوف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کا سال تالیف تو نہیں معلوم ہو سکا البتہ چونکہ مصنف شیخ ابوبکر محمدؒ کا سال وفات 380ھ اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب "للمع" کی طرح "تعرف" بھی چوتھی صدی ہجری کی تصنیف ہے اور اس طرح اس کو قدیم ترین کتابوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

قوت القلوب فی معاملتہ المحبوب

المعروف بہ "قوت القلوب" مشہور زمانہ صوفی شیخ ابو طالب مکی (محمد بن علی بن عطا الحارثی) کی ایک بہت ہی جامع

(1) عام طور پر آپ کا سال وفات 388ھ بتایا جاتا ہے لیکن مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی گرانقدر کتاب "تصوف اسلام" میں سال وفات 378ھ بتایا ہے

(2) اگر آپ کی کتاب اللمع کے سلسلہ میں کچھ زیادہ آگہی کے خواستگار ہیں، تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی کتاب "تصوف اسلام" ملاحظہ کیجئے انہوں نے اس پر اجمالی تبصرہ کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے صرف 9 کتابوں پر تبصرہ کیا ہے۔ یعنی للمع، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، فتوح الغیب، عوارف المعارف، فوائد الفواد، منطق الطیر، لوائح اور فقر محمدی۔

تصنیف ہے، حضرت جامی "نفحات الانس" میں اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں، طریقت اور سلوک کے دقیق مسائل اسلام میں کسی نے اس سے قبل پیش نہیں کیئے ہیں۔ یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور 1310ھ میں کسی معتبر مخطوطہ سے اس کو مصر میں شائع کیا گیا ہے۔ متوسطین اور متاخرین صوفیہ کرامؒ کی تصانیف میں اس کے متعدد جگہ حوالے دیئے گئے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارباب تصوف اور اکابرین صوفیہ کی نظر میں یہ کتاب بہت مقبول تھی، حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے کشف المحجوب اور عوارف المعارف میں متعدد جگہ آپ کے اقوال اور قوت القلوب کے حوالے دیئے ہیں۔ شریعت کی اتباع کو صوفی کے مسلک کا جزو لاینفک قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اتباع سنت کے بغیر یہ راستہ طے کرنا ناممکن ہے۔ عوارف المعارف میں آپ حضرت شیخ ابو طالب مکی کے متعدد ارشادات ملاحظہ کریں گے شیخ ابو طالب مکی کا سال وفات 386ھ ہے،

طبقات الصوفیہ

یہ مشہور زمانہ شیخ طریقت ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی نیشاپوری کی تصنیف ہے جو عربی زبان میں ہے، شیخ ابو عبدالرحمٰن دنیائے تصوف میں حضرت سلمی نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا سال وفات 413ھ ہے، طبقات الصوفیہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر کی تصنیف ہے، حضرت شیخ سلمٰی نیشاپوری اور آپ کی کتاب طبقات الصوفیہ کی قدرو منزلت اور بلند پائیگی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔ مسلک تصوف کے مشہور ناقد ابن الجوزی نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور حضرت سلمی نیشاپوری کو سراہا ہے۔ ابن الجوزیؒ نے اپنی مشہور کتاب "تلبیس ابلیس" میں طبقات الصوفیہ کا ذکر شیخ حارث محاسبیؒ کے بعد کیا ہے اور آپ کو قدیم ترین صوفی مصنفین میں شمار کیا ہے۔ شیخ طریقت خواجہ عبد اللہ انصاریؒ ہروی، طبقات الصوفیہ کے مباحث کی توضیح و تشریح اپنی مجالس میں فرمایا کرتے تھے اور ان مباحث کے ثبوت و اسناد میں دوسرے بزرگان طریقت کا اضافہ بھی اکثر فرماتے رہتے تھے، پیر ہروی کے مریدین و معتقدین ان مباحث و تصریحات بالفاظ دیگر ان مواعظ کو جو پیر ہرویؒ کی مادری زبان یعنی ہروی فارسی میں ہوتے تھے، قلمبند کر لیا کرتے تھے، ہروی زبان اس وقت کی مروجہ زبان فارسی سے قدرے مختلف تھی اور عام فہم نہ تھی۔ ان ملفوظات یا توضیحات کے مجموعہ کو "طبقات الصوفیہ" ہی کے نام سے شیخ ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاریؒ نے تالیف کیا تھا، شیخ اسماعیل عبد اللہ ہروی نے 481 میں وفات پائی یہ تالیف شیخ سلمی نیشاپوریؒ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد کی ہے!

چونکہ یہ شیخ سلمی نیشاپوری کے فرمودات و ملفوظات تھے اس لیے ظاہر ہے کہ اس کی زبان بھی ہروی تھی، حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے عوام کے افادہ کے پیش نظر شیخ اسماعیل عبد اللہ ہرویؒ کی اس تالیف کو مروجہ فارسی میں منتقل کیا اور "نفحات الانس" نام رکھا۔ نفحات الانس کے دیباچے میں حضرت جامیؒ نے اس کی صراحت کی ہے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ "نفحات الانس" صرف ہروی سے فارسی میں ترجمہ ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں بہت کچھ ایزاد کیا ہے اور متاخرین صوفیہ کرام کے تراجم حال کا اس میں اضافہ کیا ہے[1]، اس طرح وہ ایک مستقل تصنیف کی بھی حیثیت

(1) میں اپنی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ڈر رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کی طبع پر بار گزرے اور مجھے مورد الزام و ہدف علامت بنایا جائے یہ ایک تاریخی حقیقت تھی اس کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ کیا کیا جائے کہ بقول اقبال" اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

رکھتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نفحات الانس کا اصل ماخذ "طبقات الصوفیہ" ہے۔ میں حضرت جامیؒ کا اس سلسلہ میں ارشاد گرامی "نفحات الانس" کے ذکر میں پیش کرونگا۔

حلیتہ الاولیاء

مشہور زمانہ عالم، محدث حضرت ابوالنعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (متوفی 430ھ) کی تصنیف ہے گویا یہ پانچویں صدی ہجری کی تصوف کے موضوع پر گرانقدر اور مشہور تصنیف ہے، عربی زبان میں صوفیہ کرامؒ کا ایک مستند اور قدیم تذکرہ ہے۔ شیخ و محدث ابوالنعیمؒ نے اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے 422ھ میں اس تذکرہ کا تکملہ کیا یہ کتاب نایاب بعض مخطوطات سے مقابلہ اور تصحیح کے بعد 1350ھ میں مصر میں طبع ہو چکی ہے، جہاں تک میں جستجو اور تفحص کر سکا ہوں میں اس کا اردو ترجمہ نہیں[1] ہوا ہے

حلیتہ الاولیاء میں 686ھ صوفیہ کرامؒ کا تذکرہ ہے، حالات اگرچہ مختصر ہیں لیکن مستند طریقہ پر منضبط کئے گئے ہیں، صدر اسلام سے قرن چہارم تک زہاد و عباد، ارباب طریقت کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، حلیتہ الاولیاء ان تراجم (سوانح حیات) کے علاوہ مواعظ و حکم و آداب طریقت، و قصص الصالحین پر بھی مشتمل ہے، یہ پانچویں صدی کے آغاز تک صوفیہ کرام کے حالات میں تالیف ہونے والی سب سے جامع تالیف ہے۔ مورخین مثلاً علامہ ذہبیؒ، علامہ بیہقیؒ، علامہ سیوطیؒ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے لیے حلیتہ الاولیاء ایک ماخذ رہی ہے خصوصاً علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں اس کے متعدد جگہ حوالے پیش کئے ہیں اور روایات کی سند حلیتہ الاولیاء سے پیش کی ہے اس لیے کہ اس کے مستند اور دقیع ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ محدث علام ابوالنعیم اصبہانیؒ نے حلیتہ الاولیاء کے ذریعہ صوفیہ کرامؒ کے حالات اور افکار سینہ کو ضبط کیا ہے اور صوفیہ کرامؒ کے اصل مقام اور ان کی ارفع و اعلیٰ شان کی نشان دہی کی ہے۔

رسالہ قشیریہ

یہ شیخ طریقت ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیریؒ نیشاپوری (متوفی 465ھ کی) مشہور تصنیف ہے چونکہ بہت مبسوط اور ضخیم نہیں ہے اس لیے "رسالہ" کے نام سے موسوم ہے اور مصنفؒ کے نام کی رعایت سے "رسالہ قشیریہ" کے نام سے متعارف ہے، دوسری کتب تصوف کی طرح یہ بھی 1342ھ میں مصر سے طبع ہوئی ہے اور عام طور پر دستیاب ہے، میرے محب مفتی سید شجاعت علی صاحب قادری کے کتب خانے میں جدید مطبوعہ نسخہ موجود ہے، میرے مطالعہ سے گزرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس "رسالہ" کو بڑی مقبولیت بخشی، دوسرے ممالک کے علاوہ برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ، سہروردیہ اور قادری سلاسل میں اس کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ ہمیشہ سے یہ کتاب صوفیہ کرامؒ کے مطالعہ میں رہی اور مریدان با اخلاص کو اس کے مطالعہ کی تاکید کی جاتی رہی ہے اور بزرگان طریقت اس کا درس دیتے رہے ہیں، بعض ارباب طریقت نے اس پر تعلیقات تحریر فرمائے ہیں اور بعض حضرات نے اس کی شروح بھی لکھی ہیں، رسالہ قشریہ کی زبان عربی ہے۔

[1] انشاء اللہ بہت جلد مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے گا۔

رسالہ قشریہ تصوف کی اہم کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے ہرچند کہ یہ اوسط تقطیع کے چند جزو کا رسالہ ہے لیکن اس کی جامعیت کا کیا کہنا' رسالہ قشیریہ میں اولاً صوفیہ" کے عقائد بیان کئے گئے ہیں اس کے بعد 83 معروف و مشہور مشائخ کے حالات مختصراً ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں اس کے بعد مصطلحات صوفیہ" کی تشریح ہے' اس کے بعد اہل سلوک کے احوال' آداب و مقامات کو بیان کیا ہے۔ ضمناً کرامات اولیاء بھی مذکور ہیں۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور 13 ابواب پر مشتمل ہے اور دوسرا باب اتباع کتاب اللہ پر مشتمل ہے' اس کتاب کا ترجمہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے' رسالہ قشریہ پر ایک مختصر تعارف "تصوف اسلام" (از عبد الماجد دریا آبادی) میں موجود ہے۔'

کشف المحجوب

پانچویں صدی ہجری کی تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں مشہور عالم کتاب ہے خصوصاً ایران اور برصغیر ہند و پاک میں بہت مقبول ہے اور ہر پڑھا لکھا شخص اس کتاب سے واقف ہے جو شیخ طریقت حضرت ابوالحسن علی بن رحمۃ اللہ علیہ عثمان بن علی جلابی والہجویری الغزنوی (متوفی 470ھ بمقام لاہور) کی ایک گرانمایہ تصنیف ہے اور پاکستان کے خطہ لاہور کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس گرانمایہ کتاب کا تکملہ لاہور میں ہوا اس طرح یہ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب (بغیر قید زبان) ہے۔ دنیائے تصوف میں جو قبولیت اس کتاب کو حاصل ہوئی بہت کم دوسری کتابوں کو حاصل ہو سکی۔ کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب ہے' اب تک جتنی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان کی زبان عربی تھی۔ اس کتاب سے عامتہ المسلمین کی دلچسپی تو ظاہر ہے' مستشرقین نے بھی اس کتاب کی بلند پائیگی کے باعث اس کی طرف خاص توجہ کی۔ مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے 1914ء میں اس کا انگریزی کا ترجمہ کیا اور ایک محققانہ مقدمہ اس پر تحریر کیا' بلاد مغربی میں یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اس کے بعد 1920ء میں روسی پروفیسر ژوکوفسکی نے متعدد مخطوطات سے اس کی تصحیح کی اور اس کے منابع اور ماخذوں کا پتہ چلایا اور اپنے مقدمہ کے ساتھ لینن گراڈ اس کو شائع کیا۔ روسی مستشرقین نے تصوف کی صرف چند کتابوں ہی کو اپنا مرکز تحقیق بنایا ہے' کشف المحجوب انہی چند کتابوں میں سے ایک ہے۔ مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے باک نہیں کہ روسی مستشرق کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس کی کاوش و تحقیق کے نتیجہ میں بہت سے تحقیقی اور ادبی مباحث اور حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی زندگی کے نئے رخ ہمارے سامنے آئے ہیں اور اس برگزیدہ ہستی کی بہت سی تصانیف سے ہم آشنا ہوئے ہیں۔ اگرچہ کشف المحجوب (فارسی) اور اس کے تراجم متعدد بار ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں لیکن اس مقدمہ کے بعد جب کشف المحجوب ایران میں شائع ہوئی تو اس مقدمہ سے استفادہ کے بعد اردو تراجم اور حضرت داتا گنج بخش" کے سوانح حالات میں ایک ندرت اور نئی شان پیدا ہو گئی!

اس روسی زبان کے مقدمہ کو طہران کے مشہور ادیب نے عصر حاضر کی فارسی میں منتقل کر کے شائع کیا اور اس نے بہت قبولیت حاصل کی' کراچی میں مکتبہ زوار کے یہاں سے جو صاحب چاہیں پروفیسر ژوفسکی کی مرتبہ کشف المحجوب کو حاصل کر

سکتے ہیں' اردو زبان میں کشف المحجوب کے متعدد ترجمے اب تک شائع ہو چکے ہیں' 1975ء میں کراچی کے مشہور ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی نے بھی اس کا ترجمہ خوبی کے ساتھ شائع کیا ہے اور اس ناچیز نے اس پر ایک مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے۔

کشف المحجوب پانچویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب تصوف میں جامع ترین کتاب ہے' کشف المحجوب میں مصنف نے صوفیہ کرام کے اہم عقائد اور قرن اول سے قرن چہارم تک کے صوفیہ کرام نیز اپنے معاصرین کے حالات باختصار قلمبند کئے ہیں۔ تصوف و طریقت کے مختلف فرقوں' سلاسل اور ان کے متبعین کے حالات ضبط تحریر میں لائے ہیں' آداب صوفیہ کو مقامات صوفیہ اور مصطلحات تصوف کے ساتھ بیان فرمایا ہے' سرزمین پاکستان کے مسلمان اس کتاب پر جس قدر بھی نازاں ہوں وہ کم ہے کیونکہ یہ بلند کتاب لاہور میں لکھی گئی گویا تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں لکھی جانے والی کتاب کا تعلق پاکستان سے ہے۔ چونکہ یہ کتاب عام طور پر دستیاب ہے اور پاکستان کے ہر بڑے ادارۂ نشرو اشاعت نے اس کو شائع کیا ہے اس لیے کتاب کے مباحث کے سلسلہ میں اختصار کو میں نے پیش نظر رکھا ہے اور مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی!

طبقات الصوفیہ

مصنفہ شیخ ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاریؒ ہروی (المعروف بہ پیر ہروی) شیخ عبداللہ ہرویؒ نے 482ھ میں وفات پائی یہ کتاب طبقات الصوفیہ سلمیؒ نیشاپوری سے ماخوذ ہے' یہ ہروی زبان میں شیخ عبداللہؒ انصاری ہروی کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو شیخ سلمیؒ نیشا پوری کے ارشادات کی توضیحات و تشریحات پر مبنی ہوتے تھے' اس سلسلہ میں مزید وضاحت میں "طبقات الصوفیہ سلمی نیشاپوری کے سلسلہ میں کرچکا ہوں اب یہاں اس کا اعادہ عبث ہے۔

احیاء العلوم الدین معروف احیاء العلوم

حجتہ الاسلام ابو حامد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی معرکتہ آلارا مشہور زمانہ گراں قدر مبسوط و ضخیم تصنیف ہے' حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کی تصانیف کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے' ان میں سے بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں' لیکن جو شہرت تصوف کے موضوع پر آپ کی "احیاء العلوم" اور کیمیائے سعادت کو میسر آئی اور مشہور زمانہ ہوئیں ایسی شہرت آپ ہی کی تصانیف کو نہیں بلکہ دوسرے مصنفین کی تصانیف کو بھی میسر نہ ہو سکی۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الغزالی" میں کافی تلاش اور جستجو کے بعد بقید حروف تہجی آپ کی تصانیف کی صراحت کی ہے۔

تصوف کی دنیا میں حضرت حجتہ الاسلامؒ کو ایک غیر فانی عظیم مقام حاصل ہے' آپ کی دونوں کتابیں یعنی احیاء العلوم (بزبان عربی) چہار جلد اور کیمیائے سعادت (بزبان فارسی) دنیائے تصوف کی لاجواب کتابیں ہیں' اب میں یہاں ان دونوں کتابوں کا ایک اجمالی تعارف آپ سے کراتا ہوں۔'

احیاء العلوم الدین المعروف بہ احیاء العلوم اور فارسی زبان میں اس کی تلخیص یعنی کیمیائے سعادت میں امام صاحب

نے شریعت اور عرفان و تصوف میں تطبیق کی کامیاب کوشش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے جداگانہ کوئی چیز نہیں ہے حجتہ الاسلام نے تصوف کے تمام مسائل و احوال و مقامات کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے اور آپ کے استدلال کا انداز اس قدر متین' استوار' اور برحمل ہے کہ منکرین و ناقدین تصوف کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ تصوف اسلام' شریعت سے جداگانہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ابن الجوزی "تلبیس ابلیس" میں حجتہ الاسلام کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"حیرت ہوتی ہے کہ علامہ غزالی نے کس طرح اپنے تفقہ' فہم و فراست کو پامال کر کے اور اپنے مقام سے بہت نیچے آکر اپنا وقت اور اپنے فہم و دانش کو آراء صوفیہ کے بیان پر صرف کیا ہے' لیکن دنیا نے ان کی اس رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی" "(تلبیس ابلیس)"

بہرحال دنیا یہ تسلیم کر چکی ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ "احیاء العلوم" اور کیمیائے سعادت" اسلامی اخلاق اور تصوف پر بے نظیر کتابیں ہیں۔' احیاء العلوم چار ارکان (اپنی وضاحت کے باعث چاروں جلدوں) پر مشتمل ہے'یعنی عبادات' عادات' مہلکات' منجیات' ہر ایک رکن دس دس ابواب پر مشتمل ہیں اور ہر باب چند فصول پر مبنی ہے۔ یہاں مختصراً اس کی تقسیم فصول کا آپ سے تعارف کراتے ہیں۔

رکن اول یا جز اول یعنی عبادات: یہ جز یا رکن ان دس ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب العلم۔ کتاب العقائد۔ کتاب اسرار طہارت۔ کتاب اسرار صلوۃ۔ کتاب اسرار زکوۃ۔ کتاب الصیام۔ کتاب الحج۔ کتاب آداب تلاوت قرآن۔ کتاب الاذکار والدعوات۔ کتاب الاورادنی الاوقات!

رکن دوم یا جز دوم: یہ رکن دوم یعنی احیاء العلوم کا دفتر دوم ان ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو علامہؒ نے رکن اول کے ابواب کی طرح کتاب سے موسوم کیا ہے۔ کتاب الآداب الاکل۔ کتاب آداب النکاح۔ کتاب احکام الکسب۔ کتاب الحلال و الحرام' کتاب آداب الصحبتہ والمعاشرہ۔ کتاب العزلت۔ کتاب آدابُ السفر۔ کتاب السماع والوجد۔ کتاب امربالمعروف والنہی عن المنکر اور کتاب آداب المعیشت و الاخلاق النبوت۔

جزؤ سوم (جلد سوم) یعنی مہلکات:۔ اس جز یا رکن کے تحت زیادہ تر ان مباحث کو بیان کیا ہے جن کا تعلق اخلاقیات سے ہے یعنی شرح عجائبات قلب' ریاضت نفس' آفات شہوت' آفات زبان' آفات غضب (حقد و حسد) آفات مال و بخل' مذمت جاہ وریا' مذمت کبر و عجب اور مذمت غرور۔

جز چہارم (جلد چہارم) منجیات: سے موسوم ہے اور اس کے ذیلی عنوانات یہ ہیں: (یہ حصہ اخلاق صوفیہ اور صفات صوفیہ سے متعلق ہے) یعنی توبہ۔ شکر و صبر۔ خوف۔ دعا۔ فقر۔ زہد۔ توکل۔ محبت۔ شوق۔ انس۔ رضا۔ صدق۔ اخلاص۔ مراقبہ۔ محاسبہ۔ تفکر اور ذکر موت!

امام حجتہ الاسلام غزالیؒ نے مذکورہ بالا ہر ایک باب پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ نصوص قرآنی و احادیث نبوی و اخبار سے سند پیش کرتے ہوئے لکھا ہے اور ہر باب کے تحت احکام الٰہی اور فرمودات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش فرمایا ہے

حقیقت یہ ہے۔ کہ احیاء العلوم الدین علامہ غزالیؒ کی ایک فقید المثال اور زندۂ جاوید تصنیف ہے 'کتب تصوف اور اخلاق میں اس کتاب کو جو شہرت حاصل ہوئی اس کا باعث اس کتاب کی جامعیت ہے' وہ ارباب نظر جو تصوف و طریقت کو شریعت سے جداگانہ طریقہ اور ایک مکتبہ فکر خیال کرتے ہیں ان کے نظریہ کے ابطال کے لیے احیاء العلوم ایک لاجواب ثبوت ہے۔ احیاء العلوم' اخلاقیات کا ایک مکمل دستور ہے' یہ کتاب مصر کے بعض مطابع نے شائع کی ہے اور ایک ناشر نے اس کے حاشیہ پر عوارف المعارف کو بھی شائع کیا ہے۔

اس کتاب کی بہت سے شرحیں لکھی جا چکی ہیں' تعلیقات و تراجم اس کے علاوہ ہیں۔ عہد شمسی میں مولانا جرجانی نے احیاء العلوم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اردو زبان میں مولوی احسن نانوتوی کا ترجمہ اس کا پہلا ترجمہ ہے' پاکستان میں اسی نو لکشوری ترجمہ کو بعینہٖ کئی ناشروں نے اپنے اپنے ادارے کے نام سے شائع کر دیا ہے جس کی زبان آج سے ستراسی سال پرانی ہے۔ احیاء العلوم کے صرف اردو ہی میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمے ہو چکے ہیں' اصل متن مصر سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ احیاء العلوم مدتوں سے تصوف کی درسی کتب میں شامل ہے' مرشدان کامل اپنے مریدوں کو اس کا درس بھی دیتے ہیں اور اس کے مطالعہ کی ان کو تاکید بھی کرتے رہے ہیں۔[1]

کیمیائے سعادت

بقول مولانا شبلی نعمانی مرحوم "کیمیائے سعادت"' فارسی زبان میں احیاء العلوم کی ایک دلکش تلخیص ہے۔ کیمیائے سعادت احیاء العلوم کی تصنیف کے بعد لکھی گئی' یہ کتاب بھی امام صاحب کی فارسی تصنیفات میں بھی بہت اہم ہے اور فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ امام صاحبؒ نے اس کو اپنی تصانیف میں ایک مستقل تصنیف کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس کو تلخیص احیاء العلوم کے طور پر ذکر نہیں کیا ہے یہ کتاب بھی ایک مبسوط دیباچہ کے علاوہ (جو حصول کیمیائے سعادت ابدی' خود شناسی اور معرفت دنیا و آخرت پر مشتمل ہے) چار حصوں یا چار ارکان پر منقسم ہے ہر ایک حصہ کو امام صاحبؒ نے رکن سے موسوم کیا ہے اور ہر ایک رکن دس اصلوں پر مشتمل ہے اور ہر اصل چند فصلوں پر مبنی ہے۔ کیمیائے سعادت کے ارکان چہار گانہ یہ ہیں۔

رکن اول عبادات' رکن دوم' معاملات' رکن سوم' درپیدا کردن عقبات راہ دین (مہلکات) اور رکن چہارم منجیات' کیمیائے سعادت کو فارسی دان طبقہ میں آج بھی بڑی قبولیت حاصل ہے' ایران اور برصغیر پاک و ہند میں متعدد بار اصل کتاب طبع ہو چکی ہے میرے پاس 1872ء کا نو لکشوری نسخہ موجود ہے' میرے خیال میں برصغیر کا یہ قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ہے جو میرے محب صادق جناب مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی سے مجھے دستیاب ہوا ہے' اس برصغیر میں عامۃ الناس کے افادہ کے لیے اس کے متعدد اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں اور ان تراجم میں سب سے قدیم ترجمہ "اکسیر ہدایت" کے نام سے مطبع نو لکشور لکھنؤ میں کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے' امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کا انداز بیان اور اسلوب نگارش

---

[1] احیاء العلوم کے سلسلہ میں مزید وضاحت آپ مولانا شبلی کی "الغزالی" میں مطالعہ کر سکتے ہیں جو اردو زبان میں حجۃ الاسلام امام غزالی ایک عمدہ سوانح حیات ہے۔

عربی زبان میں بھی نہایت سلیس اور شگفتہ ہے احیاء العلوم میں انہوں نے اپنے اسلوب نگارش پر عالمانہ طرز کو غالب نہیں آنے دیا ہے' کتنا ہی دقیق اور باریک مضمون ہو وہ اس کو سادہ سے سادہ طریقہ ادا کرتے ہیں یہی طرز کیمیائے سعادت میں نمایاں ہے۔ نہایت ہی آسان اور سادہ فارسی میں انہوں نے کیمیائے سعادت کے مطالب کو بیان کیا ہے۔

ہر عنوان کے تحت امام صاحب نے بزرگان سلف اور مشائخ عظام کے واقعات' روایات اور اقوال کو پیش کرکے اس کی دلکشی اور دلچسپی میں خاصہ اضافہ فرمایا ہے' احکامات الٰہی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جگہ جگہ کلام کو آراستہ کیا ہے اور اپنے بیان کو مستند بنایا ہے' منطقیانہ استدلال سے گریز کرتے ہوئے آثار و اخبار سے استدلال کرتے ہیں اور یہی کیمیائے سعادت کی قبولیت کا راز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احیاء العلوم کی طرح کیمیائے سعادت بھی سعادت ابدی کا ایک دستور العمل ہے اور نجات اخروی کا سرمایہ اور سعادت دنیاوی کی ایک دستاویز ہے' اپنے اختصار کے باعث احیاء العلوم کے برخلاف کیمیائے سعادت ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہے اور 30x20 کے تقریباً 800 صفحات پر محیط ہے!

موضوع تصوف پر امام صاحب کے چند رسائل اور بھی ہیں لیکن تصوف کے موضوع پر آپ کی گرانقدر اور مبسوط کتابیں صرف یہی دو ہیں اس لیے ان بعض رسائل کا میں ذکر نہیں کروں گا۔

الذخیرہ فی العلوم البصیرۃ

مصنفہ شیخ احمد غزالیؒ برادر حضرت حجتہ الاسلام غزالیؒ - آپ کا نام احمد بن محمد موسیٰ ہے اور شیخ مجد الدین ابو الفتوح آپ کا لقب ہے' بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہوں گے کہ۔ حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کے یہ چھوٹے بھائی شیخ احمد غزالی بھی ایک عظیم المرتبت شیخ اور صاحب تصنیف بزرگ تھے' آپ کا نام نامی بھی تصوف کے موضوع پر قلم اٹھانے والے حضرات میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے' اولاً آپ نے حضرت حجتہ الاسلام غزالیؒ کی مبسوط اور ضخیم کتاب "احیاء العلوم الدین" کی تلخیص "لباب الاحیاء" کے نام سے ایک جلد میں پیش کی لیکن "لباب الاحیاء" سے زیادہ مشہور آپ کی کتاب عربی زبان میں "الذخیرۃ فی العلوم بصیرۃ" ہے۔ دنیائے تصوف میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی' اس کے علاوہ آپ نے "رسالہ سوانح العشاق" بھی تصنیف کیا سوانح العشاق کو "الذخیرہ" سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اس رسالہ میں شیخ احمد غزالیؒ نے لفظ اور معناً لفظ عشق کی تعبیر ایک اچھوتے انداز میں پیش کی ہے اس موضوع پر شیخ احمد غزالیؒ سے قبل "عشق" پر اس قدر تفصیل سے کسی نے قلم نہیں

اٹھایا تھا' مدتوں بعد شیخ فخرالدین احمد عراقیؒ (خلیفہ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) نے لمعات' تصنیف کی' لمعات کو شیخ عراقیؒ نے رسالہ' العشاق کے طرز پر تصنیف کیا ہے اور انی طرز کو سلطان ابو الغازی سلطان حسین بالقراوائی ہرات نے "مجالس العشاق" میں اپنایا ہے لیکن مؤخر الذکر تذکرہ زیادہ ہے اصل موضوع پر کم لکھا گیا ہے اور "رسالہ العشاق" تذکرہ کم ہے موضوع پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے "رسالہ العشاق" مصر میں کئی بار طبع ہو چکا ہے' اس کا اردو یا فارسی ترجمہ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ شیخ احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات بھی ہیں جو مکتوبات

"عین القضاۃ" کے نام سے مشہور ہیں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ تمام مکتوبات شیخ عین القضاۃ ہمدانی کے نام لکھے گئے ہیں، یہ تمام مکتوبات ذوق محبت اور کیف قلب سے معمور ہیں، ان مکتوبات سے شیخ غزالیؒ کے باطنی کیف اور حال کا پتہ چلتا ہے۔ دنیائے تصوف میں جہاں تک میری نظر نے کام کیا ہے اور مطالعہ نے آگاہی بخشی ہے، دنیائے تصوف میں آپ کے مکتوبات کا مجموعہ پہلا مجموعہ ہے، برصغیر پاک وہند میں مکتوبات شیوخ بھی زبردست اہمیت کے حامل سمجھے جاتے رہے ہیں مثلاً مکتوبات شرفؒ، مکتوبات مجدد الف ثانیؒ۔ مکتوبات محدث عبد الحق دہلوی وغیرہم۔ عرب و عجم کے شیوخ کے یہاں اس قسم کے مجموعہ ہائے مکتوبات بہت کم ہیں، آپ کے بعد مولانا رومیؒ کے مکتوبات پیش کیے جاسکتے ہیں، شیخ احمد غزالیؒ کے یہ تمام مکتوبات عربی زبان میں ہیں۔ تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں آپ کی واحد کتاب ایک رسالہ ہے۔ یہ رسالہ "عنیہ یا تازیانہ سلوک" ہے یہ رسالہ آپ کے مکتوبات اور دوسری کتابیں طہران میں طبع ہو چکی ہیں۔ شیخ طریقت احمد غزالیؒ نے طوس میں بسال 520ھ انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

فتوح الغیب

سرحلقہ اصفیا واجل صوفیہ، شیخ المشائخ حضرت سید عبدالقادر الجیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ جس طرح تقریر کی دنیا میں ایک آتش نفس مقرر تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح تحریر کی دنیا میں بھی آپ کا ایک منفرد مقام ہے، جو زور و شور اور اصلاحی نظریہ اور دعوت حق آپ کی تقاریر میں کار فرما ہوتا تھا وہی انداز وہی کیفیت اور وہی زور آپ کی تصانیف میں ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ آپ نہ کسی کے درباری تھے اور نہ کسی سلطان کے وظیفہ خوار! دولت دنیا سے بیزار، خلق خدا کے غمگسار ان کی فلاح و بہبود کے لیے، ان کو کج روی سے محفوظ رکھنے کے لیے جو کچھ ضروری اور درست ہوتا وہ بے دھڑک بیان فرما دیتے اور اگر تحریر کی ضرورت ہوتی تو تحریر فرماتے، فتوح الغیب آپ کے 78 مقالات کا مجموعہ ہے ان مقالات میں آپ کا بندگان خدا کی اصلاح نفس، تزکیہ قلب کے لیے پر زور انداز میں نصائح کی ہیں اور اتباع شریعت اور پیروی سنت پر کاربند رہنے کی بار بار تاکید کی ہے، غنیتہ الطالبین کی طرح فتوح الغیب بھی آپ کا ایک لافانی شاہکار ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ غنیتہ الطالبین فقہ حنبلی کا ایک عظیم مجموعہ ہے جو 600 سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور صرف آخر کتاب میں ایک باب "آداب المریدین" کے نام سے ارباب تصوف کے لیے ایک لائحہ عمل ہے لیکن یہ باب بہت اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لیے غنیتہ الطالبین کو تصوف کی کتاب کے مقابل میں ایک فقہی تصنیف کا عظیم درجہ حاصل ہے اس کے برعکس فتوح الغیب فقہ کی تعلیمات سے زیادہ سلوک و طریقت کے مباحث پر مبنی ہے اور تصوف اور سلوک کا اس کو ایک عظیم دستور العمل سمجھا جاتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غنیتہ الطالبین کو جو شہرت حاصل ہے اتنی شہرت فتوح الغیب کو عوام میں حاصل نہیں، ارباب تصوف غنیتہ الطالبین کے مقابلے میں فتوح الغیب کو عقیدت کی آنکھوں سے لگاتے ہیں،

میرے نزدیک غنیتہ الطالبین اور فتوح الغیب کا مابہ الامتیاز وصف یہ ہے کہ غنیتہ الطالبینؒ کا مطالعہ فرمائیں اور اگر حضرت کا خلیسانہ رنگ اور اعلا کلمتہ الحق میں آپ کی صدق مقالی اور ایک مرد حق پرست کی تہدید کا انداز عالمانہ ہے۔ اگر آپ سرکار غوثیت کا عالمانہ انداز دیکھنا چاہتے ہیں اور دقیقتہ سنجی اور نکتہ رسی کا رنگ دیکھنا چاہتے ہیں تو غنیتہ الطالبین اور ترہیب کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو فتوح الغیبؒ کا مطالعہ کریں۔

فتوح الغیب میں آپ کے مخاطب وہ دنیا پرست ہیں جو اس میں مستغرق ہو کر احکام الٰہی سے روگرداں ہیں' خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو یا امیر' واعظ ہو یا خطیب' صوفی ہو یا زاہد آپ نے ہر ایک کو للکارا ہے اور احکام دین کی بجا آوری اور پیروی سنت کی دعوت دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ طریقت و سلوک کے رموز و حقائق بھی بتائے ہیں۔

فتوح الغیب 78 مقالوں پر مشتمل ہے' اول کے چند مقالات تعمیل اوامر واجتناب نواہی' اتباع سنت اور رضا بالقضا پر مشتمل ہیں باقی مقالات میں تمام تر سلوک و طریقت کے مسائل اور رموز پر بحث کی ہے اگر میں یہاں اس کی فہرست پیش کروں تو طوالت ہوگی۔ فتوح الغیب کی تصنیف و ترتیب کے سال کا تعین کرنا دشوار ہے اور یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ یہ کتاب پانچویں صدی ہجری کی تالیفات و تصنیفات میں شمار کی جائے یا چھٹی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں میں اس کا شمار کیا جائے اس لیے کہ حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کا سال 470 ـ 471ھ اور سال وفات 561ھ ہے ہو سکتا ہے کہ فتوح الغیب آپ نے 500ھ سے قبل تصنیف فرمائی ہو اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ 500ھ کے بعد اس کو تحریر فرمایا ہو' بہرحال فتوح الغیب کو بھی دنیائے تصوف میں ایک بلند مقام حاصل ہے اور عوام و خواص دونوں ہی غنیتہ الطالبین کی طرح اس کو بھی بصد ذوق و شوق پڑھتے ہیں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام تصانیف عربی میں ہیں۔

فتوح الغیب کے بھی اس برصغیر میں غنیتہ الطالبین کی طرح متعدد ترجمے اور شروح فارسی اور اردو میں چھپ چکے ہیں مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے بھی اس کا ایک ترجمہ شائع کیا ہے اور اس سے پہلے بھی متعدد ترجمے ہو چکے ہیں۔ جناب عبدالماجد دریا آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی "فتوح الغیب" کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا جو آج کل بالکل نایاب ہے۔"

---

(1) راقم الحروف ناچیز شمس بریلوی نے 1974ء میں اس کا ترجمہ پیش کیا تھا جس کو مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اب تک اس اردو ترجمے کے دس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور الحمد للہ کہ اب جب کہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں اس کا گیارھواں ایڈیشن شائع ہو رہا ہے' میں نے اس ترجمہ میں حضرت غوث اعظم ؓ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں شہر جیلان سے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ "گیلان" نام کا اب کوئی شہر ایران میں موجود نہیں ہے' مجھے بڑی مسرت ہے کہ میرے فرزند عزیز سرتاج احمد خاں سلمہ' جو آجکل بہ سلسلہ ملازمت تہران میں مقیم ہیں انہوں نے شہر رشت میں اپنے ایک دوست کے پاس یہ ترجمہ دیکھا اور جب کراچی آئے تو مجھے اس طرف توجہ دلائی کہ ایران میں اس وقت بھی گیلان نام کا صوبہ ہے اور رشت اس کا صدر مقام ہے اس موقع پر میں نے چاہا کہ اپنی اس فروگزاشت کی تصحیح کردوں۔

(2) فتوح الغیب کا ترجمہ بھی مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

الفتح الربانی!

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ بھی مشہور زمانہ کتاب ہے' یہ بھی فتوح الغیب کی طرح آپ کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو متعدد مجالس میں تقسیم ہے' ان مجالس کے موضوعات بھی نہی عن المنکر اور امر بالمعروف ہے بعض مجالس اخلاق اور تصوف کے مصنوعات پر بھی مشتمل ہیں اسی وجہ سے الفتح الربانی کو تصوف کی کتاب میں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے جو رشد و ہدایت کا ایک دستور العمل ہے ان تمام مجالس کا انداز خطیبانہ ہے اور بیان میں بڑی شدت ہے لیکن ایسی شدت جس کا اثر انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

الفتح الربانی کی تمام باسٹھ (62) مجلسیں اسی رشد و ہدایت کا مجموعہ ہیں۔ آپ نے اپنے وقت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ دلوں کے چور آپ نے ظاہر کر دیے تھے۔ اس لئے آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ دلنشین ہوتا تھا آپ کا انداز بیان اس قدر موثر اور پر ہیبت ہوتا تھا کہ دل لرز اٹھتے تھے جسموں پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا اور ان پر در توبہ کھل جاتا تھا۔ آپ کے بیان میں ایک والہانہ جوش ہے جو ہر نقطہ میں موجزن ہے۔ بیان میں ایک عجیب و غریب دبدبہ اور طنطنہ ہے!

غنیتہ الطالبین!

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے انفاس گرامی ہمیشہ ترویج شریعت اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ہوئے۔ فتوح الغیب اور الفتح الربانی میں آپ نے جس شدت کے ساتھ اتباع شریعت پر زور دیا ہے ان دونوں گرانمایہ اور بلند پایہ کتابوں سے ظاہر و باہر ہے' آپ کا ہر خطبہ اور ہر وعظ حدود شرع سے قدم باہر رکھنے والوں کے لئے خواہ وہ عوام ہوں یا خواص' امیر ہو یا سلطان ایک تہدید اور ایک ایسی نہیب ہوتا تھا کہ لوگ لرزہ براندام ہو جاتے تھے' آپ جس تصوف کے علمبردار تھے وہ عین شریعت تھا' آپ کے یہاں طریقت اور شریعت میں نہ کوئی فرق تھا اور نہ بعد! احکام شریعت کی بجا آوری اور سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی آپ کا ظاہر تھا اور محبت رسول و عشق الہی آپ کے پاکیزہ صفات باطن کا مشغلہ اور اس میں محویت تھی' آپ کی تمام تصانیف میں یہی رنگ رچا بسا ہے اور غنیتہ الطالبین اس کا حسین امتزاج ہے۔

غنیتہ الطالبین عربی زبان میں ایک مبسوط تصنیف ہے جس میں احکام شریعت' طہارت' نماز' روزہ' حج زکوۃ کے بنیادی مسائل' ماہ رجب' شعبان اور رمضان کے فضائل اور ان کے احکام' بعض نصوص کی تفسیر و تشریح' اور اد صبح و شام' ادعیہ ماثورہ کو حضرت والا نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے بعد ایک باب آداب المریدین پر قلم بند کیا ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ مرید (حقیقی) ان تعلیمات پر کاربند ہو کر حلقہ ارادت میں اپنا قدم رکھے' اس طرح یہ کتاب آپ کی اس تعلیم کا بہترین مرقع ہے جو آپ کے روز و شب کا محبوب مشغلہ اور آپ کے مواعظ و خطاب کی روح ہے' حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے غنیتہ الطالبین کے دیباچہ میں اس کتاب کی تصنیف کی وجہ اور ضرورت پر خود اظہار خیال فرمایا ہے یہ کہنا دشوار ہے کہ آپ نے کس سال اس تصنیف پر قلم اٹھایا۔ اور کب اس سے فراغت پائی۔ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اس تصنیف کی قبولیت کے بارے میں کیا عرض کروں کہ محتاج بیان نہیں' اس بر کوچک میں حضرت محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے عوام کے

افادہ کے لئے اس کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا' جو حضرت شیخ محدث دہلوی ہی کے زمانے میں متعدد نقول کے ذریعہ اطراف و اکناف ہند میں پہنچ گیا تھا اور طباعت کا شرف نو لکشور پریس لکھنؤ کے حصہ میں آیا- اس سلسلہ میں مزید وضاحت میں حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصانیف کے سلسلہ میں کروں گا-

کتاب اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابو سعید

اب تک جن کتابوں کی نشاندھی کی گئی ہے ان کا موضوع تصوف اور صوفیہ کرام کی اجتماعی زندگی' ان کے اخلاق اور ان کے اذکار و افکار پر مشتمل تھا- تصوف کے اسرار اور رموز طریقت کو عمومی حیثیت اور نوعیت سے بیان کیا جاتا تھا لیکن کتاب اسرار التوحید جیسا کہ اس کے پورے نام سے ظاہر ہے شیخ طریقت حضرت شیخ ابو سعیدؒ کے حالات پر لکھی گئی ہے اور اس طرح کسی ایک شیخ طریقت کے حالات و سوانح پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے گویا یہ "تذکرۃ الاولیا" کا بنیادی نقطہ ہے- جس نے کچھ مدت بعد "تذکرۃ الاولیا" کی تالیف کی طرف مصنفین اور مؤلفین کو متوجہ کیا- اور مشائخ عظام اور صوفیہ کبارؒ کے حالات پر ضخیم کتابیں مرتب ہونے لگیں جیسے حضرت عطار کا تذکرہ الاولیا حضرت جامی کا مشہور تذکرہ' "نفحات الانس" وغیرہ!

اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف سے چند سال بعد شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر فارسی زبان میں بھی ایک کتاب لکھی گئی جس کو آپ سے متعارف کراؤں گا- اس کتاب کو روسی مستشرق نے تصحیح و مقدمہ کے ساتھ پیٹربرگ سے 1892ء میں شائع کیا تھا- کتاب اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابو سعیدؒ نبیرہ شیخ یعنی محمد بن منور بن ابی سعیدؒ نے مرتب کی ہے اس کا سال تالیف 580ھ ہے اسی لئے ہم نے اس کو چھٹی صدی ہجری کی تالیف صوفیہ میں بیان کیا ہے' یہ کتاب حواشی اور مقدمہ کے ساتھ 1317ھ میں تہران سے شائع ہو چکی ہے! اول الذکر کتاب کے مصنف شیخ کمال الدین محمد بن ابی لطف اللہ ہیں-

جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کرچکا ہوں' اس عہد میں سوانح نگاری کی ابتدا ہو چکی تھی' شیخ طریقت کی سوانح مریدان باصفا کے لئے ایک نادر روزگار تحفہ ہوتا تھا' عقیدت و احترام سے اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے' حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ اپنے دور کے دنیائے تصوف کے یگانہ روزگار فرد تھے' اسی لئے آپ کی متعدد سوانح لکھی گئیں-

اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابو سعید

مرتبہ محمد بن منور بن ابی سعیدؒ تین ابواب پر مشتمل ہے- باب اول میں شیخ طریقت کی زندگی کے ابتدائی حالات ہیں- باب دوم چار فصلوں پر مشتمل ہے' پہلی فصل ان حکایات پر مبنی ہے جو شیخ طریقتؒ کی کرامات کے سلسلہ میں مشہور ہیں- دوسری فصل میں ایسی حکایات بیان کی گئی ہیں جو شیخ ابو سعیدؒ سے متعلق ہیں اور اس سے حکمت و معرفت کے فائدے اخذ کئے جاسکتے ہیں- تیسری فصل میں حضرت شیخ ابو سعیدؒ کے اقوال طریقت آموز و حکمت آگیں ضبط کئے گئے ہیں اور چوتھی فصل میں شیخ قدس سرہ کے مکتوبات' ابیات اور کچھ ملفوظات ہیں- یہ باب شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے وسط عمر سے متعلق ہے-

باب سوم:- یہ باب شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی پیری یا آخری عمر کے حالات پر مبنی ہے اور یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے فصل اول میں پیر طریقت کی وصایائے گرامی ہیں، فصل دوم میں ان کی وفات کے حالات مرض کی کیفیت وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے اور فصل سوم میں شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی ان کرامات کا تذکرہ ہے جو ان کی وفات کے بعد ظہور میں آئیں۔

کتاب اسرار التوحید اس حیثیت کے علاوہ کہ وہ ایک مشہور زمانہ عارف کامل کے سوانح حالات کا عظیم مرقع ہے، اس اعتبار سے بھی قابل قدر ہے کہ ضمناً اس کتاب میں حضرت شیخ کے بہت سے معاصرین کرامؒ کا ذکر آگیا ہے جغرافیائی اطلاعات بھی اس سے بہت کچھ حاصل ہو سکتی ہیں اور خصوصاً اس دور کی اجتماعی زندگی کا اس کتاب سے اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے علاوہ ازیں چھٹی صدی ہجری کی فارسی نثر کے اسلوب بیان کا بھی اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، بہرحال ایک اعلیٰ پیمانہ کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ کتاب اسرار التوحید فارسی نثر کا ایک بہترین نمونہ بھی ہے جو اپنی زیبائی، سادگی اور شیرینی بیان کے باعث فارسی نثر کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

آداب المریدین

یہ عربی زبان میں ایک معمولی حجم کا رسالہ ہے جس میں شریعت و طریقت کے احکام مریدین کے لئے مرتب کئے گئے۔ یہ رسالہ بانی سلسلہ سہروردیہ شیخ عبدالقاہر المعروف بہ شیخ ابو النجیب سہروردی کی تصنیف ہے۔ ساتویں صدی ہجری کے مشہور صوفی اور مصنف شیخ عزالدین محمود کاشانی (متوفی 735ء) نے جو حضرت شیخ ابو النجیب رحمتہ اللہ علیہ کے عہد کے بعد قریب ترین مصنف ہو سکتے ہیں اور آپ ہی کے سلسلہ میں بیعت تھے اپنی مشہور تصنیف "مصباح الہدایہ" میں آپ کی مختصر سوانح حیات تحریر کی ہے اس کی تلخیص ذیل میں پیش کر رہا ہوں۔

شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عمویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین چھٹی صدی ہجری کے مشہور صوفیائے کرام سے ہیں، آپ نے بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں علوم دینی کی تحصیل کی اور بعد تکمیل علوم مدرسہ نظامیہ ہی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اس کے بعد سلوک و طریقت کی طرف متوجہ ہوئے اور طالبان طریقت کو رہ ہدایت دکھاتے اور ان کی رہنمائی کرتے رہے آپ نے بغداد میں ایک خانقاہ قائم کی اور وہاں وعظ و ہدایت کی مجالس گرم رہتی تھیں۔

558ھ میں ممالک اسلامیہ کی سیاحت کی۔ علامہ سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ میں آپ کی تاریخ ولادت ماہ صفر 490ھ لکھی ہے۔ آپ کا مولد سہرورد ہے آپ کی وفات باتفاق اکثر مورخین 17 جمادی الاخر 560ھ شہر بغداد ہے اور بغداد ہی میں آپ کا مرقد ہے"۔

(مصباح الہدایت مطبوعہ ایران 28)

کتاب آداب المریدین کے سلسلہ میں کوئی ہمعصر شہادت نہیں، ملتی صرف شرح آداب المریدین کے قدیم ترین نسخہ پر اعتماد کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے بڑی شہادت حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کی ہے جنھوں نے کسی معتبر عربی نسخہ سے اس کا ترجمہ مع اضافہ و تعلیقات کیا ہے اور میری نظر میں یہ ایک بڑی معتبر سند ہے۔

تذکرۃ الاولیاء

مصنفہ حضرت شیخ المشائخ فرید الدین عطارؒ (متوفی 620ھ) چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں لکھی جانے والی تصوف کی کتابوں میں مشہور زمانہ تصنیف ہے، 7 سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے پر بھی حضرت عطار کے "تذکرہ" کی شہرت اسی طرح قائم ہے، طبقات الصوفیہ کے بعد عرفاء و صلحاء کا یہ سب سے زیادہ جامع تذکرہ ہے جس کے اردو تراجم مدتوں سے اس برصغیر میں شائع ہو چکے ہیں، تذکرۃ الاولیاء جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے 97 صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کے حالات، سوانح اور اقوال پر مشتمل ہے یہ دنیائے تصوف میں سب سے پہلا تذکرہ الاولیاء ہے جو فارسی زبان میں تصنیف کیا گیا اس سے قبل حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی گئی تھی جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں یا طبقات الصوفیہ کو تقدم حاصل ہے لیکن وہ ہروی زبان میں تھی تذکرۃ الاولیاء کو یہ تقدم اور شرف حاصل ہے کہ وہ فارسی زبان میں صوفیہ کرام کا پہلا تذکرہ ہے۔ خواجہ صاحب نے اس تذکرۃ الاولیاء میں دقائق و مقامات تصوف اور اسرار طریقت بیان نہیں فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان منظوم تصنیف یعنی مبسوط و ضخیم مثنوی "منطق الطیر" ہادی طریقت سے کم نہیں! تذکرۃ الاولیاء کا انداز بیان بڑا دلکش اور دل پذیر ہے بلکہ اکثر مقامات پر شعریت پیدا ہو گئی ہے۔ طرز بیان میں سوز و گداز جگہ جگہ نمایاں ہے۔

یہ کتاب صرف عجم و ہند میں ہی مقبول نہیں ہوئی بلکہ اس کی عظیم قبولیت نے مستشرقین کو بھی اس کی طرف متوجہ کیا اور 1905ء میں پروفیسر نکلسن نے ایک مبسوط مقدمہ انگریزی زبان میں تحریر کیا جس میں شیخ فرید الدین عطارؒ کے حالات پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے اور ان کی نثر نگاری، صوفیانہ مذاق اور ان کی دل گداختی پر بھی بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور فتنہ مغول میں ایک وحشی سپاہی کے ہاتھوں آپ کی شہادت (620ھ) پر بھی بحث کی ہے، پروفیسر نکلسن کے اس تصحیح شدہ نسخہ کو جناب محمد قزوینی نے اپنے ایک مقدمہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء کی قبولیت کی سب سے روشن دلیل یہ ہے کہ بعد کے مشائخ نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ان کی تصانیف میں جا بجا اس کے حوالے ہیں، تذکرہ کی اثر آفرینی اور تاثر کے بارے میں شیخ عطارؒ خود دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وتواں گفت کہ ایں کتابے است کہ مخنثاں رامرد کند و مرداں راشیر مرد کندو شیر مرداں رافرد کند و فرداں راعین درد کند کہ ہر کہ این کتاب راکہ شرط است برخواند، آگاہ گردو کہ آں چہ درد بودہ است کہ درجان ہائے ایشاں کہ این چنیں کارہا وایں چنیں شیوہ سخن باازدل ایشاں بصحرا آمدہ است "مقدمہ تذکرۃ الاولیاء"

اس کتاب کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نامردوں کو مرد، مردوں کو شیر مرد اور شیر مردوں کو مرد کامل اور مردان کامل کو سراپا درد بنانے والی ہے، کہ جو شخص اس کتاب کا مطالعہ اس شرط کے ساتھ (جو صاحبان حق کے لئے لازمی ہے) کریگا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسا درد محبت ان کی جانوں میں موجزن ہے جس نے ان کے قلوب سے اس قسم کے الفاظ (سوز و گداز سے بھرپور) ادا کرائے ہیں۔

برصغیرپاک و ہند میں اس کا اردو ترجمہ سب سے پہلے نو لکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا اور اس کے بعد قیام پاکستان سے قبل اور بعد متعدد ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور یہی اس تذکرہ کی قبولیت کی دلیل ہے۔

عوارف المعارف

حضرت شیخ المشائخ بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین سہروردی (ابو حفص عمر بن محمد متوفی 632ھ) کی مشہور زمانہ کتاب ہے اور دنیائے تصوف میں اس کو ایک بہت ہی اعلیٰ اور بلند مقام حاصل ہے اور موضوع تصوف پر چھٹی صدی ہجری میں تصنیف کی جانے والی کتابوں میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ حضرت شیخ ابو طالب مکی کی قوت قلوب اور کشف المحجوب کے بعد علم تصوف اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر ایک جامع اور مبسوط کتاب ہے ہرچند کہ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت عوارف المعارف سے پہلے تصنیف کی گئی ہیں لیکن ان دونوں کتابوں میں صوفیانہ اخلاق پر بڑی سیر حاصل اور مکمل بحث کی گئی ہے اس لئے اسلامی اخلاق میں مذکورہ دونوں کتابیں آپ اپنا جواب ہیں لیکن عوارف المعارف میں موضوع تصوف یعنی کلیہ صوفی' تصوف کی حقیقت' تصوف کے مقامات و احوال پر شیخ المشائخ نے بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے' گویا یہ علم تصوف پر ایک ایسی جامع تصنیف ہے جس میں طریقت و حقائق معرفت پر بحیثیت ایک علم خاص کے بحث کی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اعمال صوفیہ کا دستور العمل پیش کیا گیا ہے۔

جس طرح حجتہ الاسلام امام غزالیؒ اپنے بیان کی تائید میں نص قرآنی اور آثار و اخبار سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح حضرت شیخ المشائخ نے جس عنوان کو شروع کیا ہے اس پر نص قرآنی اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کی ہیں اس طرح انہوں نے ان تمام اعتراضات کو رفع کر دیا ہے کہ "تصوف" کوئی غیر اسلامی چیز ہے انہوں نے بڑے قوی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اگر شریعت روح ہے تو طریقت جسم ہے اور اگر طریقت روح ہے تو شریعت اس کا جسم ہے انہوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شریعت اور طریقت میں مابین کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ طریقت نام ہے کامل اتباع شریعت کا! حدود شرعیہ میں رہ کر کامل تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس سے اس منزل پر قدم رکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ میں "عوارف المعارف" کے عنوانات آپ کے سامنے پیش کرکے اپنے قول کی وضاحت کروں کہ یہ مقدمہ جو چند صفحات پر مشتمل ہے "عوارف المعارف" ہی کا مقدمہ ہے' اس مقدمہ کے قارئین عوارف المعارف کے مطالب و موضوعات سے خود استفادہ کریں گے اور ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔

عوارف المعارف 560ھ میں تصنیف ہوئی ہے (حضرت شیخ المشائخ کا عالم شباب تھا لیکن آپ کمالات باطنی کی بلندیوں پر بہت پہلے پہنچ چکے تھے) عوارف المعارف عربی زبان میں لکھی گئی ہے' انداز بیان میں بڑی شگفتگی اور اثر آفرینی ہے لیکن زبان مسجع اور مقفیٰ ہے' یہ کتاب مصر و بیروت سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے' مصر میں تو اس کو ایک خاص انداز سے شائع کیا ہے یعنی وہ احیاء العلوم کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے' بیروت سے "دارالکتاب عربی" نے بڑی صحت اور خوبصورتی کے ساتھ اعلیٰ اور عمدہ کاغذ پر اس کو شائع کیا ہے اور میرے پاس وہی نسخہ ہے اسی نسخہ سے اس کا ترجمہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے' جیسا کہ میں

ابتدا میں عرض کر چکا ہوں "عوارف المعارف" تصوف کی جامع ترین کتاب ہے یہ 63 ابواب پر مشتمل ہے' ان ابواب میں علم تصوف کا نشوونما' ماہیت تصوف' صوفیوں کے مختلف فرقے' خرقہ مشائخ کی حقیقت' آداب سفر' آداب حضر' سماع' چلہ نشینی' صوفیہ کے اخلاق' عبادات و معاملات' آداب صحبت' اخوت' مکاشفات' خطرات خاطر' مقامات و احول' نظام خانقاہی' فتوحات وغیرہ کے خالص صوفیانہ مباحث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے' یہی اس کی قبولیت کا راز ہے' قرنوں سے یہ کتاب قدر و منزلت سے دیکھی گئی اور مشائخ کرام کے مطالعہ میں کشف المحجوب اور رسالہ قشریہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی شامل و داخل رہی ہے۔ عربی و فارسی میں اس کی متعدد شروح لکھی گئیں' فارسی میں اس کی دو شرحیں بہت مشہور ہیں۔ ایک مترجم ظہیرالدین عبد الرحمن بن علی شیرازی ہیں اور دوسرے شیخ عزالدین محمود بن علی نطنزی کا شانی (متوفی 735ء) ہیں۔ ترکی زبان میں بھی عوارف المعارف کا ترجمہ عارفیؒ نامی بزرگ نے کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں فارسی کے مترجمین حضرات میں حضرت سید بندہ نواز گیسو درازؒ بہت مشہور ہیں' اردو زبان میں سب سے پہلا ترجمہ نو لکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا اور مولوی محمد احسن نانوتوی اس کے مترجم ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد بھی اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا جو آجکل نایاب ہے' اب یہ ہیچمداں شمس بریلوی آپ کی خدمت میں اس مقدمہ کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہے!

فتوحات مکیہ

عارف کامل شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (اندلسی) متوفی 638ھ کی مشہور زمانہ کتاب ہے' اس کتاب کی قبولیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ کہ مشائخ مابعد نے اس کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھا اور مریدان با اخلاص کو ہمیشہ اس کا درس دیا کرتے تھے اور نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ "فتوحات مکیہ" کا مطالعہ کرو! نصاب تصوف میں تین کتابوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے' رسالہ قشیریہ' عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ! یہ کتابیں ارباب تصوف' مشائخ عظام اور پیران طریقت (رحمتہ اللہ علیہم) کی نظر میں اتنی اہم' گرانمایہ اور بلند مرتبہ رہی ہیں کہ ان مشائخ عظام نے جن کو ارباب قلم بھی کہا جاسکتا ہے یعنی جو تصنیف و تالیف کا شوق رکھتے تھے' اس گرانمایہ کتاب "فتوحات مکیہ" کی شرحیں' تلخیص اور تعلیقات تحریر کی ہیں اور ان کے ترجمے دوسری زبانوں میں کئے ہیں۔

فتوحات مکیہ عربی زبان میں تصوف کی بہت ہی بلند پایہ کتاب ہے اور اس میں نظریہ وحدت الوجود کو عارفانہ انداز کے ساتھ ساتھ حکیمانہ طرز استدلال کے ساتھ بھی پیش کیا ہے' فتوحات مکیہ تصوف کے تمام مباحث پر مشتمل ہے اور مقامات و احوال پر قرآن و احادیث سے استدلال لائے ہیں' یہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے چونکہ حضرت شیخ اکبرؒ سراپا سوز و گداز تھے لہٰذا جابجا ان کے سوز و گداز نے نثر کے بجائے شعر کی صورت اختیار کرلی ہے چونکہ طرز استدلال اور اسلوب بیان پر فلسفیانہ رنگ غالب ہے اس لئے کتاب کا سمجھنا بغیر کسی رہبر کامل اور صاحب حال کے ممکن نہیں ہے جس طرح اس برصغیر ہندو پاک کے مشہور محدث' متکلم' مفسر' فقیہ اور عظیم صوفی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی بعض تصانیف جیسے الطاف قدس ہمعات' سطعات' لمعات کا کسی رہبر' مرشد اور پیر طریقت صاحب معرفت کامل کی تشریحات و توضیحات کے بغیر حیطہ ادراک و فہم

میں لانا مشکل ہے اسی طرح فتوحات مکیہ کے نکات عام فہم نہیں ہیں بلکہ گمرہی کا اندیشہ ہے' اسی وجہ سے مشائخ عظام نے مریدان حقیقت جو کو اس کا خود درس دیا ہے اور ان کے مشائخ نے فتوحات مکیہ کے نکات کی توضیح و تشریح میں جو حقائق معرفت ان پر منکشف کئے تھے اسی طرح انہوں نے اپنے مریدوں کے دلوں کو ان حقائق کی روشنی سے معمور و منور کر دیا! یہ کہنے میں باک نہیں کہ فتوحات مکیہ جیسی ضخیم کتاب خالصاً احوال و مقامات تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود پر اب تک کوئی دوسری شائع نہیں ہوئی اور مشائخ کرام کو اس سے جو تعلق خاطر رہا ہے اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ یہ چار ضخیم جلدیں (اصل متن) بار بار شائع ہو چکی ہیں اور آجکل بھی دستیاب ہے' 1322ھ میں قاہرہ سے اس کا بہت ہی دیدہ زیب نسخہ شائع ہو چکا ہے۔

حیدر آباد دکن سے "دارالترجمہ" کے زیر اہتمام اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا تھا لیکن وہ آجکل نایاب ہے ممکن ہے کہ بعض کتب خانوں میں وہ اردو ترجمہ موجود ہو' جیسا کہ عرض کر چکا ہوں موضوع کی ندرت وگراں مانگی اور خیالات کی رفعت اور مصطلحات علمیہ کے اعتبار سے اس کا عام طور پر سمجھنا بہت مشکل ہے' کاش کوئی صاحب دل بزرگ اس کا عام فہم اردو ترجمہ کر کے طریقت کی ایک اہم خدمت انجام دیں۔

فصوص الحکم

حضرت شیخ اکبرؒ کی یہ دوسری مشہور و معروف کتاب ہے' اس کو بھی فتوحات مکیہ کی طرح قبول عام حاصل ہے بلکہ اس اعتبار سے یہ فتوحات مکیہ سے بھی زیادہ درخور اعتنا سمجھی گئی کہ اس کی متعدد شروح اور تراجم' عربی' فارسی' ترکی اور اردو زبانوں میں ہو چکے ہیں ترکی زبان میں بولاق سے اس کی شرح 1252ھ میں شائع ہوئی ہے عربی زبان میں اس کی مشہور ترین شرح المعروف بہ "شرح کاشانی" ہے جس کے شارح شیخ عبدالرزاق کاشانی ہیں' یہ شرح قاہرہ سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ بھی فصوص الحکم کی متعدد شرحیں اور تراجم ہوئے ہیں۔ عربی شارحین میں شیخ سیدید الدین محمد الجندی' شیخ صدرؒ الدین قونویؒ' مولانا نور الدین عبدالرحمن جامیؒ' شیخ عبدالغنی نابلوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور فارسی شارحین میں سب سے زیادہ شہرت حضرت شاہ نعمت اللہؒ ولی سہروردی کی ہے' برصغیر ہندو پاکستان میں سب سے پہلے شارح حضرت سید محمد المعروف بہ گیسوؒ دراز ہیں جنہوں نے عربی زبان میں یہ شرح تحریر فرمائی ہے اور فارسی زبان میں مولوی احمد حسین صاحب کانپوری نے جو شائع ہو چکی ہے لیکن کمیاب ہے' اردو میں مولوی عبدالقدیر صدیقی حیرت مرحوم نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ہر فص کے ترجمہ سے پہلے اس فص کی تلخیص بھی پیش کر دی ہے۔

حیرت صاحب کا یہ ایک کارنامہ ہے۔ یہ ترجمہ 1360ھ میں شائع ہوا ہے لیکن یہ بھی دوسرے تراجم کی طرح کمیاب ہے' فتوحات مکیہ کے مقابلہ میں اس کا ترجمہ نسبتاً آسان ہے اس لئے کہ فصوص الحکم' فتوحات مکیہ سے نسبتاً آسان انداز بیان اور زبان میں تحریر کی گئی ہے' ہر چند کہ موضوع دونوں کا تصوف ہی ہے لیکن فصوص الحکم میں شیخ اکبرؒ نے انبیا علیہم السلام کے قصص اور ان کے حالات سے بطور اعتبار کے توجیہہ کی ہے اور تصوف کے مسائل کا استنباط کیا ہے اور فتوحات مکیہ میں فلسفہ الٰہیات ہے اور اس کی توجیہات سے صوفیانہ مسلک اور مقامات کی تاویل کی گئی ہے!

---

(۱) شیخ صدر الدین قونویؒ شیخ اکبرؒ کے فلسفہ کے سب سے بڑے مبلغ اور شارح سمجھے جاتے ہیں۔

فصوص الحکم

27 فصوص پر مشتمل ہے آپ ہر ایک فص کو باب کہہ لیجے یا فصل، فصوص الحکم فص آدمیہ سے شروع ہو کر فص محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ علوم متداولہ شریعہ پر چونکہ عبور کامل رکھتے تھے اس لئے علوم نقلی و عقلی کی مصطلحات سے جگہ جگہ کام لیتے ہیں اور کوتاہ بیں اور کوتاہ بصر ایسے مقامات کی کنہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں، مختصراً یہ عرض کروں گا کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصانیف کے مطالعہ سے وہی حضرات بہرہ اندوز اور مستفید ہو سکتے ہیں جو علمی اور دینی بصیرت سے تہی داماں نہیں ہیں۔ فصوص الحکم ایک اوسط حجم کی کتاب ہے یوں سمجھ لیجئے کہ فتوحات مکیہ کی ایک جلد کے بقدر اس کی ضخامت ہے۔

مواقع النجوم

یہ بھی شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے، فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کی طرح یہ بھی عربی زبان میں ہے۔ (شیخ اکبرؒ کی تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں) مواقع النجوم کا موضوع بھی تصوف ہے یہ کتاب بھی مصر میں کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ فارسی یا عربی میں اس کی شرح یا ترجمہ شائع ہوا یا نہیں، اردو زبان کا دامن ضرور اس کے ترجمہ سے تہی ہے۔

نقش النصوص

شیخ رحمتہ اللہ کی یہ کتاب بھی تصوف کے موضوع پر ہے۔ دسویں صدی ہجری میں مولانا عبدالرحمن جامی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی شرح عربی زبان میں "نقد النصوص" کے نام سے لکھی! نقش النصوص کی ایک اور شرح تیرھویں صدی ہجری میں بمبئی سے بھی شائع ہوئی تھی، آجکل یہ شروح کمیاب ہیں، بعض کتب خانوں میں یہ نایاب ذخیرہ محفوظ ہے، ان مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی شیخ اکبرؒ کی چند اور تصانیف ہیں جن میں سے بعض مخطوطات کی شکل میں ہیں اور بعض مطبوعہ ہیں۔ میں نے شیخ کی صرف ان ہی کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے جو خواص و عوام دونوں میں بہت مشہور ہیں اور دستیاب ہو جاتی ہیں۔

مرصاد العباد

مرصاد العباد من المبداء الی المعاد، شیخ محترم حضرت نجم الدین رازی معروف بہ نجم دایہ" (المتوفی 654ھ) کی تصنیف ہے آپ کا نام نامی ابوبکر عبداللہ بن محمد بن شاہاور اسد رازیؒ ہے لیکن آپ نجم الدین دایہؒ کے نام سے دنیائے تصوف میں مشہور ہیں۔ آپ کا شمار ساتویں صدی ہجری کے مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ مرصاد العباد آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے جو نہایت بلیغ انداز میں فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب شیخ نجم الدین دایہؒ نے شہر سیواس میں 620ھ میں تصنیف کی اور مرصاد العباد کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ یہ کتاب میں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی تعمیل ارشاد میں تصنیف کی ہے، شیخ نجم الدینؒ دایہ نے مرصاد العباد کے مقدمہ میں اپنی خانہ بربادی اور دودمان سلجوقی کی قدردانیوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ فتنۂ مغول میں کیسی تباہیوں اور بربادیوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا (اس طویل داستان کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مرصاد العباد تصوف موضوع پر ساتویں صدی ہجری کی ایک گرانمایہ کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ پانچ ابواب اور چالیس فصلوں پر ایک اوسط درجہ کی ضخامت کی کتاب ہے، مصنفؒ نے تمام مسائل تصوف کا اس میں احاطہ کیا ہے اور بڑی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آیات قرآنی سے ان کی تطبیق کی ہے یا یوں کہئے کہ آیات کی تاویل و تفسیر اس طرح کی ہے کہ تصوف کے مسائل ان کے ضمن میں آگئے ہیں، احادیث نبوی اور اخبار و آثار سے جابجا استدلال کیا ہے۔ مصنف علیہ الرحمتہ اپنے ہر قول کا استدلال نص قرآنی اور حدیث شریف سے کرتے ہیں انہی خوبیوں کے باعث صوفیہ مابعد نے، اس کے اپنی تصانیف میں حوالے دیئے او مریدوں کو اس کے مطالعہ کی تاکید کی۔ ہندوستان میں بھی کتاب بہت مقبول رہی ہے مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اپنی مشہور زمانہ تاریخ "تاریخ فروز شاہی میں اس کتاب کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عہد بلبن میں ہندوستان میں یہ کتابیں تصوف میں مشہور تھیں اور صوفیہ کے حلقوں میں ان کی درس و تدریس ہوتی تھی۔ احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ اور "مرصاد العباد" - مرصاد العباد کے ابواب کی صراحت یہ ہے:۔

باب اول :۔ دیباچہ کتاب جس میں حمد و نعت و خلفائے راشدین کی منقبت کے بعد بتایا ہے کہ ارباب طریقت و بیان طریقت و سلوک پر اس کتاب کی بنیاد رکھنے کا مقصود اور فائدہ کیا ہے اور میں نے اس کو فارسی زبان میں کیوں لکھا ہے یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

باب دوم :۔ اس باب میں مبداء موجودات پر بحث کی ہے، فطرت ارواح، اس کے مراتب، ملکوتیات کی شرح، اس کے مدارج عوالم مختلفہ کا ظہور، قلب انسانی کی تخلیق، روح اور قالب کے تعلق کے آغاز کے مباحث پر مشتمل ہے۔ اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

باب سوم :۔ خلق کی معاش کے بیان میں ہے اور اس میں بیس فصلیں ہیں۔ یہی باب اس کتاب کی اصل روح ہے اور اس باب میں تصوف و طریقت کے بہت اہم مباحث بیان کئے گئے ہیں۔

باب چہارم :۔ سعید و شقی ارواح کے انجام اور اس کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس باب میں چار فصلیں ہیں۔

باب پنجم :۔ مختلف طوائف کے سلوک کے بیان میں ہے یہ باب بھی بڑی اہمت کا حال ہے اس میں 8 فصلیں ہیں[1]

اس کی تلخیص بنام تلخیص مرصاد العباد کے نام سے 1301ء میں اور کامل کتاب 1352ھ میں تہران سے شائع ہو چکی ہے۔ جس پر ایک دو ورقی دیباچہ شمس العرفاء حسین الحسینی نعمت اللہی کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ شیخ نجم الدین دایہؒ کا مولد شہر رے ہے،

---

(1) یہ کتاب بڑی کاوش و تلاش کے بعد فرزند عزیز سرتاج احمد خان سلمہ نے میرے لئے تہران سے حاصل کی ہے۔ انشاء اللہ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو 1977ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے تعاون سے اس کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ (شمس)

لیکن آپ کا وصال بغداد میں ہوا اور بغداد کے باہر اس مقبرہ میں جس میں شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں' آپ کو دفن کیا گیا۔

فیہ مافیہ

قارئین کرام' عام طور پر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی 672ھ) اپنی مثنوی موسوم بہ "مثنوی مولانا رومی" یا "مثنوی معنوی" کے اعتبار سے پہچانے جاتے ہیں' دنیائے علم و ادب میں آپ کی شہرت کا موجب آپ کی مثنوی ہی سمجھی جاتی ہے' اور صوفیانہ افکار و خیالات کی بنا پر اکابرین صوفیہ میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے' آپ کی یہ منظوم تصنیف جس میں تصوف کے تمام مقالات' احوال اور اسرار طریقت کو حضرت مولاناؒ نے شعر کے لباس میں اپنے قلبی سوز و گداز کے ساتھ پیش کیا ہے اسی طرح نثر فارسی میں بھی آپ نے ارباب طریقت او سالکان معرفت کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ بہت کم حضرات اس بات سے آگاہ ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے نثر فارسی میں بھی تین کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں یہاں ان ہی کتب کا تعارف آپ سے کراتا ہے! ان تینوں کتابوں میں آپ کی مشہور ترین کتاب فیہ ما فیہ ہے! فیہ مافیہ مولانا رومؒ کی ان گرانمایہ معارفت سے بھرپور اور سوز و باطن سے مملو تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس پر اخلاص میں مریدان باصفا کے سامنے کیا کرتے تھے مریدان عقیدت کیش ان تقاریر کو ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔ مولانا رومیؒ کی یہ تمام تقاریر تصوف کے موضوع پر ہیں اور اخلاقیات و تعلیمات تصوف پر مشتمل ہیں' نہایت شستہ اور شگفتہ فارسی زبان میں یہ تقاریر کی گئی ہیں تاکہ عوام بھی اس فہم سے قاصر نہ رہیں' ضخامت کے اعتبار سے یہ مجموعہ اوسط درجہ کا ہے۔ یہ مجموعہ ایران سے کئی بار شائع ہو چکا ہے' 1318ھ میں شیراز سے اور 1333ھ میں تہران سے طبع ہوا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں بھی اصل کتاب اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے جو ملفوضات رومی کے نام سے موسوم ہے اور آپ کی ان تقاریر کو ملفوظات کے عنوان سے معنون کیا گیا ہے۔

میرے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے اس میں پروانہ نامی امیر کو خطاب کیا گیا ہے بعض دوسرے عقید کیشوں سے بھی خطاب ہے لیکن ناموں کی صراحت نہیں ہے صرف امیر پروانہ کا نام متعدد جگہ آیا ہے۔

مکتوبات مولانا جلال الدین رومیؒ

یہ کتاب آپ کے 135 مکتوبات کا مجموعہ ہے یہ مکتوبات پیر رومیؒ نے اپنے معاصرین کو جن میں امراء بھی شامل ہیں اور مریدان باصفا بھی' تحریر کئے ہیں' یہ تمام مکتوبات اسرار و رموز تصوف اور طریقت کی تعلیم و تشریح پر مبنی ہیں ان مکتوبات کے مجموعہ کو ڈاکٹر فریدوں نافذ بک نے مرتب کیا ہے اور 1352ھ میں استنبول سے شائع ہوا۔ صوفیہ عظام کے قلم سے نکلنے والے مکتوبات کا یہ دوسرا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل صرف شیخ طریقت امام احمد غزالیؒ کے مکتوبات موسوم بہ مکاتبات "عین القضاۃ ہمدانی" کسی صوفی بزرگ کا مجموعہ مکتوبات ہے جو کتب تصوف میں بلند مقام کا حامل ہے مکتوبات رومی مکتوبات کا دوسرا مجموعہ ہے

جو دنیائے تصوف میں احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں- قرون اولیٰ اور عراقی و عجمی حضرات صوفیہ و مشائخ کے یہاں ایسے مکتوبات کی نگارش کا معمول بہت کم تھا جو تعلیمات تصوف پر مبنی ہوں- برصغیر ہندوپاک میں اس نہج اور طریقے کو بہت پسند کیا گیا اور مکتوبات و ملفوظات کے جس قدر مجموعے یہاں شائع ہوئے عجم و عراق سے شائع نہیں ہوئے-

مجالس سبعہ مولاناؒ

یہ کتاب حضرت پیر رومیؒ کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپ نے معین و مخصوص ایام و تواریخ میں ہزاروں افراد کے سامنے کی تھیں، ان تمام تقاریر کا موضوع بھی تصوف اور رموز طریقت کو توضیح و تشریح ہے یہ مجموعہ تقاریر ڈاکٹر فریدون نافذ بک کے اہتمام سے 1355ھ میں استنبول سے شائع ہوچکا ہے، فیہ مافیہ، مکتوبات اور مجالس سبعہ مولانا روم کی زبان فارسی ہے-

فکوک، فصوص، مفتاح الغیب تفسیر سورہ فاتحہ، شرح حدیث اور نغمات الہیہ

جیسی نادر روزگار کتابیں جن کا موضوع تصوف ہے اس لئے خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ ان کتب کے فاضل مصنف شیخ طریقت مولانا صدر الدین قونوی (متوفی 672ھ) شیخ اکبر حضرت محی الدینؒ ابن اکبرؒ اندلسی کے نامور خلیفہ اور ان کے نظریہ وحدت الوجود کے بہترین اور اولین شارح ہیں- آپ کی یہ تمام کتابیں اس نظریہ کی توجیہات و تشریحات کی مختلف صورتوں پر مبنی ہیں، آپ کی ان تشریحات نے شیخ اکبرؒ کے نظریہ وحدت الوجود کو بہت عام کیا اور لوگوں میں اسے مقبول بنایا بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ نظریہ وحدت الوجود کے رائج اور شائع کرنے میں شیخ صدر الدین قونویؒ کا بڑا حصہ ہے اور یہ نظریہ وحدت الوجود موضوع تصوف کا ایک نظریہ علمی بن گیا- شیخ صدر الدین قونویؒ کی بعض تصانیف حیدر آباد دکن کے دار الترجمہ سے شائع ہو چکی ہیں- شیخ مذکور کی دو کتابیں یعنی نصوص اور فکوک "منازل السایرینؒ[1] کی شرح کے حواشی پر شائع ہو چکی ہیں، یہ دونوں کتابیں ضخیم نہیں ہیں بلکہ معمولی ضخامت کے رسائل ہیں جو بصورت حاشیہ طبع پذیر ہوئے ہیں حضرت مولانا جامی قدس سرہ نفحات الانس میں تحریر فرماتے ہیں کہ "شیخ صدر الدین قونویؒ نے فصوص الحکم اور مواقع النجوم کی مبسوط شرحیں بھی لکھی ہیں اور زمانہ مابعد میں فصوص الحکم کی جو شروح لکھی گئی ہیں ان کی بنیاد شیخ قونویؒ کی شرح فصوص الحکم ہے-

لمعات

شیخ فخرالدینؒ عراقی (متوفی 788ھ بغداد) خلیفہ و خویش حضرت شیخ الشیوخ بہاالدین زکریا ملتانیؒ بانی سلسلہ سہروردیہ (درہند) کی مشہور زمانہ تصنیف ہے یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے یہ ایک رسالہ ہے لیکن طالبان معرفت کی آنکھوں کا سرمہ ہے، لمعات آٹھویں صدی ہجری کی تصوف کے موضوع پر ایک مشہور کتاب ہے- شیوخؒ مابعد نے ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھا ہے اور مریدان باصفا کو اس کا درس دیا ہے- شیخ فخرالدین عراقی کا نام نامی فخرالدین ابراہیم ابن شہریار صمدانی رحمۃ اللہ علیہ ہے- حضرت عراقیؒ شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے مرید تھے اور مدت دراز تک آپ کی صحبت میں رہے

(1) منازل السائرین اور شرح منازل السائرین!

پھر ہندوستان میں اپنے ماموں اور خسر شیخ طریقت حضرت بہا الدین ؒ زکریا ملتانی کے پاس چلے آئے اور 25 سال تک شیخ بہاو الدین زکریاؒ ملتانی کی صحبت میں رہ کر روحانی مدارج طے کئے- ان کی وفات -(661ھ) کے بعد آپ ہندوستان سے نکل کر شہر قونیہ (ارض روم) میں شیخ طریقت شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت میں رہے اور اس صحبت میں شیخ اکبر شیخ محی الدین ؒ ابن عربی کے مشہور نظریہ وحدت الوجود سے متاثر ہوئے اور اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ آپ نے قونیہ میں رسالہ لمعات لکھا' لمعات میں عشق و محبت کے مراتب اور احوال بیان کئے گئے ہیں اور شیخ عراقیؒ نے عشق و محبت کا جو مفہوم سمجھا اس کو وحدت الوجودی رنگ میں بزبان عشق و عاشقی بیان کیا ہے' لمعات موضوع سے قطع نظر سلامت بیان' جزالت کلام اور طرز ادا کی رنگینی کے باعث صوفیہ قرن ہفتم کے گرانمایہ آثار میں سے ہے!

شیخ عراقیؒ نے لمعات کے دیباچہ میں خود اس کے موضوع پر اس طرح روشنی ڈالی ہے' فرماتے ہیں کہ :-

"این کلمہ ایست چند در بیان مراتب عشق کہ بہ سنن سوانح بزبان وقت املا کردہ بیاید تا آئینہ 'معشوق نمائے ہر عاشق آید-[1]

متاخرین صوفیائے کرامؒ میں لمعات کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی اور متعدد مشائخ نے اس کو اپنے مریدوں کے لئے اس کا درس تجویز کیا- اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں' ان تمام شروح میں حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ کی اشعتہ اللمعات بہت مقبول اور مشہور شرح ہے' حضرت جامیؒ کے علاوہ بھی اس کی شرح چند اور بزرگوں نے لکھی ہے لیکن سب سے زیادہ معروف شرح یہی ہے' لمعات تصوف کے نظریہ وحدت الوجود میں بہت ہی بلند پایہ کتاب ہے-ب لمعات متعدد بار ایران سے شائع ہو چکی ہے اس کا پاکستانی یا ہندوستانی نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا-

مصباح الہدایت

شیخ ابن فارضؒ کے مشہور قصیدہ فارضیہ یا تائیہ کے شارح شیخ عز الدین محمود بن علی کاشانی (متوفی 738ھ) کی تصنیف ہے' شیخ عز الدینؒ محمود کاشانی سلسلہ سہرودیہ کے مشہور ترین ایرانی مشائخ میں سے ہیں' آپ شیخ نور الدین عبد الصمد بن علی اصفہانیؒ نطنزی کے شاگرد تھے اور مرید بھی! شیخ نور الدین عبد الصمد شیخ نجیب الدین علی بن بزغشؒ شیرازی متوفی 678ھ کے مرید تھے جو شیخ المشائخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف کے مرید تھے گویا صاحب مصباح الہدایت کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت شیخ المشائخؒ تک پہنچتا ہے-

---

(1) مولانا جامی کے قدردان علم پرور علم دوست صاحب ذوق سلطان ابو الغازی سلطان حسین بالقرا والی ہرات نے بھی ممکن ہے کہ اسی رسالہ لمعات یا مولانا جامی کی شرح اشعتہ اللمعات سے متاثر ہو کر عشق ومحبت کے موضوع پر ایک مبسوط کتاب تصنیف کی جسکا نام مجالس العشاق ہے اسکی زبان فارسی ہے. نو لکشور پریس لکھنؤ سے مجالس العشاق شائع ہو چکی ہے- اشعتہ اللمعات کے نام سے فاصل جلیل محدث نبیل علامہ عبدالحق علامہ عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوۃ شریف فارسی زبان میں ہے رفع اشتباہ کیلئے یہ صراحت کر دی گئی ہے-

مصباح الہدایت کے بارے میں بعض ناقدین و مبصرین کا خیال ہے کہ یہ عوارف المعارف کی فارسی زبان میں ایک جامع اور مفصل شرح ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے بات صرف یہ ہے کہ بعض ناقدین نے ہر دو کتب کی فہرست مضامین کی جزوی مماثلت سے یہ قیاس کرلیا کہ یہ عوارف المعارف کی شرح ہے بعض ناقدین و مبصرین کے خیال اور رائے کی تغلیط اس سے ہو جاتی ہے کہ عوارف المعارف 63 ابواب پر مشتمل ہے اور مصباح الہدایت کے صرف دس ابواب ہیں اور اس میں بھی چند ابواب ایسے ہیں جن کے عنوانات کی عوارف المعارف کے عنوانات سے مطابقت نہیں ہوتی پھر یہ کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ چند ابواب کی مماثلت کے باعث ہم اس کو شرح قرار دیدیں اگر مصباح الہدایت' عوارف المعارف کی شرح ہوتی تو یہ بھی 63 ابواب پر مشتمل ہونا چاہیے تھی اور ایسا نہیں ہے' اس اشتباہ کا ایک اور سبب بھی ہے کہ ایسے ہم مثل عنوانات میں اکثر جگہ عبارتیں عوارف المعارف کی منقول ہیں جن کو صاحب مصباح الہدایت نے فارسی میں پیش کردیا ہے اور وہاں یہ صراحت نہیں کی کہ یہ قول میرے پیر طریقت صاحب عوارف کا ہے اسی بنا پر مبصرین حضرات کو دھوکا ہوا- عوارف المعارف کی مشہور فارسی شرح کے بارے میں عوارف المعارف کے سلسلہ میں عرض کرچکا ہوں-

مصباح الہدایت کا بہترین مطبوعہ نسخہ تہران میرے پاس موجود ہے' میں نے عوارف المعارف اور مصباح الہدایت کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ مختصراً آپ کے سامنے پیش کردیا ہے' بہرحال یہ مسلمہ ہے کہ مصباح الہدایت آٹھویں صدی ہجری کی تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں ایک بہترین تصنیف ہے جس میں تصوف و طریقت کے تمام اہم مباحث و موضوعات کو انہوں نے اپنی کتاب کے ابواب قرار دیا ہے مصباح الہدایت کے تمام مباحث پر انہوں نے بھی اپنے شیوخ اور متقدمین صوفیہ کی طرح نص قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے-

مصباح الہدایت کو دانشمند پروفیسر جلال الدین ہمائی نے کئی مخطوطات سے مقابلہ کرکے کامل تصحیح کے بعد تہران سے شائع کیا ہے یہی نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن افسوس کہ پروفیسر جلال الدین ہمائی بھی اس کے سال تصنیف کا کھوج نہیں لگا سکے! تہران کا یہ مطبوعہ نسخہ اس مخطوط کی نقل ہے جو 776ھ میں لکھا گیا تھا اور اصل مسودہ سے جس کی نقل کی گئی تھی-

مصباح الہدایت کی زبان (فارسی) آسان ہے لیکن عربی الفاظ و مقولات کی بہتات ہے' قرآنی آیات و احادیث کے بکثرت استعمال اور استدلال نے طرز بیان میں بڑا زور اور دلکشی پیدا کردی ہے[1]' حضرت شیخ عزالدین کاشانی اہلسنّت و جماعت میں شافعی' مسلک کے پیرو تھے- مصباح الہدایت میں جہاں جہاں انہوں نے فقہی مسائل بیان کئے ہیں وہ شافعی مسلک کے مطابق ہیں!

شیخ عزالدین کاشانیؒ (قاشانی) کی دوسری مشہور کتاب شیخ ابن فارضؒ کے مشہور زمانہ قصیدہ تائیہ کی شرح ہے جو عربی زبان میں ہے اس شرح سے بھی ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے' قصیدہ تائیہ ابن فارض کا ایک بہترین عاشقانہ متصوفانہ قصیدہ ہے جس میں تصوف کے نکات' محبت الٰہی کے تقاضے اور عشق کے مراتب و احوال ایک عجیب سرمستی او جوش کے ساتھ بیان کئے گئے

----

(1) انشاء اللہ اگر زندگی نے قلم کا ساتھ دیا تو 1977ء میں مرصاد العباد اور مصباح الہدایت دونوں کتابوں کا ترجمہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کروں گا-(شمس)

ہیں، اس کی شرح ان تمام رموز و اسرار محبت کی ایک دلنشین تفسیر ہے، یہ شرح بھی متن سے عاری اور متن کے ساتھ دونوں صورتوں میں شائع ہو چکی ہے لیکن اس برصغیر میں قصیدہ ابن فارضؒ کی طرح یہ شرح مشہور نہیں ہے۔ شیخ عزالدین کاشانیؒ نے اس شرح کا نام "نظم الدرر" رکھا ہے!

مجالس العشاق

حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ سہروردی کی مشہور تصنیف "لمعات" کے طرز پر علماء و فضلا کے مربی اور قدر دان علم پرور اور علم دوست ابو الغازی سلطان حسین بالقراوائی ہرات نے (جس کی علم دوستی اور جشن کے دربار میں علماء فضلا و حکماء کے اجتماع پر بابر جیسے سخن سنج و صاحب سیف و قلم بادشاہ کو بھی رشک آیا تھا) یہ ایک ضخیم کتاب عشق و محبت کے موضوع پر تصنیف کی اور عشق مجازی و عشق حقیقی کے عجیب و غریب واقعات کو تحریر میں ضبط کیا ہے، مجالس العشاق کا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ موضوع عشق ہے اور عشق کی مختلف توجیہات کو پیش کیا ہے، کتاب کا اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور دل پذیر ہے اور مروجہ زبان یعنی فارسی میں ایک اوسط درجہ کی ضخامت کی تصنیف ہے، سلطان حسین (دودمان تیموریہ کا چشم و چراغ) کا دور اگرچہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک قابل ذکر زمانہ ہے، حضرت شیخ مولانا نور الدین جامی قدس سرہ، ملا حسین واعظ کاشفی صاحب سیف و قلم میر علی شیر نوائی جیسے فضلا و حکما اور صوفیہ کے وجود سے اس کا دربار علم و ادب کا ایک تابندہ دور ہے لیکن اس دور میں تصوف کے موضوع پر تصانیف کے رجحان میں وہ شدت اور شغف باقی نہیں رہا تھا، اس دور کی صرف ایک مشہور ترین کتاب حضرت جامی قدس سرہ کی نفحات الانس اور آپ ہی کے قلم سے حضرت فخرالدین عراقی کی لمعات کی شرح، اشعۃ اللمعات، مشہور زمانہ تصنیف ہے حضرت جامی قدس سرہ کی نفحات الانس کو اسی زمانے میں اس قدر شہرت اور قبولیت حاصل ہو گئی تھی کہ ابو الغازی سلطان حسین بالقرا کی تصنیف "مجالس العشاق" کی شہرت دب گئی اور حق بھی یہ ہے کہ مجالس العشاق حضرت جامی قدس سرہ، کی نفحات الانس کے معیار کی تصنیف نہیں ہے اب میں نفحات الانس کا آپ سے تعارف کراتا ہوں اور اس کے بعد آپ کو ان اسباب و علل سے روشناس کراؤں گا جن کے باعث تصوف کے موضوع پر ارباب قلم کی توجہ مبذول نہیں رہی یا وہ اس امر پر مجبور کر دیئے گئے کہ اس موضوع پر قلم نہ اٹھائیں۔

نفحات الانس

نویں صدی ہجری کی تصوف پر ایک گرانمایہ، مشہور زمانہ تصنیف ہے، کافی ضخامت ہے، ایران میں تصوف کے موضوع پر یہ آخری تصنیف ہے، بعض مبصرین و ناقدین نے شیخ ابراہیم جیلی (منسوب بہ جیل) کی تصنیفؒ "انسان کامل" کو بھی تصوف کی کتابوں میں شامل کیا ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کامل میں بعض مباحث طریقت کے بھی زیر بحث آگئے ہیں لیکن اس کا موضوع فلسفہ نبوت ہے۔

نفحات الانس کا سال تالیف 881ھ ہے، صوفیہ کرام کا یہ گرانمایہ مبسوط تذکرہ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کے

تذکرۃ الاولیاء کے بعد فارسی زبان میں بہت ہی جامع اور مبسوط تذکرہ ہے جو ابو الغازی سلطان حسین بالقراء والی ہرات کے علم دوست وزیر میر علی شیر نوائی کی فرمائش پر تالیف کیا گیا جیسا کہ خود حضرت مصنف علیہ الرحمتہ نے نفحات الانس کے مقدمہ میں اس کا اظہار کیا ہے اس میں 614 نفوس قدسیہ یعنی ارباب تصوف کا تذکرہ ہے بعض حضرات کے حالات بہت مختصر ہیں اور بعض حضرات کے حالات تفصیلی ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں- میرے عام قارئین اس امر کی صراحت پر مجھے مورد ملامت نہ بنائیں کہ ایک حقیقت کا اس موقع پر اظہار ضروری ہے ہرچند کہ اس مقام پر قلم بار بار رکتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ "تاریخ الخلفا اردو" کے دیباچہ میں جس طرح ایک حقیقت کا اظہار طبائع پر گراں گزرا اسی طرح کہیں اس موقع پر بھی ایسا نہ ہو ہرچند کہ ارباب علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے او وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت جامی کہ یہ مشہور تصنیف اصل میں شیخ الطریقت محمد بن حسین سلمیؒ نیشا پوری (متوفی 412ھ) کی کتاب "طبقات الصوفیہ" کا (جو عربی زبان میں ہے) فارسی زبان میں ترجمہ ہے لیکن اس کو مطلقاً ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کہنا حضرت جامی قدس سرہ کے بارے میں زیادتی ہو گی- اصل حقیقت یہ ہے کہ "طبقات الصوفیہ" کو اس قدر قبول عام حاصل تھا اور اس کی بلند مائیگی کا یہ عالم تھا کہ پیر ہری حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ (متوفی 481ء) اپنی مجالس وعظ و حلقہ ارباب طریقت میں "طبقات الصوفیہ" سے اقوال و احوال و حکایات کو نقل فرما کر اس کے نکات و مباحث کو ہروی زبان میں مزید اضافوں کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے اور یہ آپ کا ایک معمول تھا- آپ کی ان تقاریر کو آپ کے مریدان باصفا ضبط تحریر میں لے آتے تھے- آپ کے وصال کے بعد اس مجموعہ کا نام بھی "طبقات الصوفیہ" رکھا گیا' ہروی زبان کی یہی وہ "طبقات الصوفیہ" ہے- جس کا ترجمہ مروجہ زبان یعنی فارسی میں حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا اور "نفحات الانس"- نام رکھا- لیکن اس کو مطلقاً ترجمہ کہنا نامناسب ہے کیونکہ حضرت جامیؒ نے اس پر بہت کچھ اضافہ فرمایا ہے اور اضافہ بھی گرانقدر او وقیع' نفحات الانس کی وجہ تالیف جامی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے! آپ نفحات الانس کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

حضرت شیخ الاسلام شیخ ابو اسماعیل محمد عبداللہ انصاری ہروی قدس اللہ تعالیٰ' شیخ کامل امام عارف شیخ سلمی نیشا پوری کی اس کتاب "طبقات الصوفیہ" کو اپنی مجالس و محافل مواعظ میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور بعض مشائخ کرام کے حالات اور ان کے مخصوص مقامات جو "طبقات الصوفیہ" میں مذکورہ نہیں تھے- اضافہ فرما کر حاضرین مجلس کے استفادہ کے لئے بیان فرمایا کرتے تھے' آپ کی ان تقاریر کو آپ کا ایک مرید باصفا ایک کتاب کی شکل میں ضبط تحریر میں لاتا رہتا تھا اس طرح آپ کے ان مواعظ و تقاریر سے جو طبقات الصوفیہ پر مبنی تھے' ایک دلچسپ اور لطیف کتاب مرتب ہو گئی چونکہ مذکورہ کتاب قدیم ہروی زبان میں ہے جو اس عہد میں رائج تھی- علاوہ ازیں کاتبوں کی تحریف و ردو بدل سے بعض مقامات پر عبارتیں ایسی خلط ملط ہو گئی ہیں کہ ان کا مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا تھا- اس لئے اس فقیر جامی کے دل میں بارہا یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنی بساط کے مطابق شیخ الاسلام کی تحریر کی توضیح کرے' ...... بعض دیگر موانع کے باعث یہ ارادہ پایہ تکمیل کو اب تک نہیں پہنچ سکا تھا کہ 881ھ میں امیر نظام الدین علی شیر نوائی ...... نے مجھے اس بات کی طرف متوجہ کیا جو میری دل میں موجود تھی اور اس کام کے تکملہ کے لئے گزارش کی ...... چنانچہ میں نے صدق و خلوص کے ساتھ اس کام کے تکملہ کی طرف قدم بڑھایا اور امیر شیر علی نوائی

کی خواہش کی تکمیل کی خاطر قدم اٹھایا۔ قارئین کرام ...... جب اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں تو اس مجموعہ کی تالیف کی بنا پر جس کا نام میں نے نفحات الانس رکھا ہے .... مجھے دعائے خیر سے یاد فرمائیں"۔ ((ترجمہ دیباچہ نفحات الانس)

عہدہ صفویہ کی چیرہ دستیاں

اور

برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی تابناکیاں

حضرت جامی قدس سرہ کے بعد سرزمین ایران میں ادبیات تصوف کی تابناکیاں ختم ہو گئیں جس کا اہم باعث اور خاص سبب صفوی سلطنت کا قیام ہے اس سلسلے میں مجبوراً مجھے صفوی سلطنت کی ایک مختصر تاریخ پیش کرنا پڑ رہی ہے (ہرچند کہ وہ میرے موضوع سے خارج ہے) تاکہ میرے قارئین ان اسباب و علل کو اچھی طرح سمجھ سکیں جن کے باعث تصوف کے موضوع پر تصانیف کی تیز رفتاری میں ایک حیرت انگیز خلا پیدا ہو گیا۔

ایران کی سرزمین پر ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں مغلوں (مغول) کے حملہ کی ابتدا ترکستان کی طرف ہو چکی تھی جس نتیجہ میں ایک سو سال کی خونریزی اور خوں آشامی کے بعد اس خاندان کی حکومت (وسط قرن ہشتم میں) قائم ہو گئی اس خاندان کے بت پرست اور آفتاب پرست ملوک جبابرہ کی حکومت ایلخانی حکومت کہلاتی تھی۔ اس وقت سلجوقیوں نے اپنی مسند شاہی کو خوارزم شاہیوں کے لئے خالی کر دیا تھا یعنی سلجوقیوں کا زوال خوارزم شاہی اقتدا کا آغاز تھا۔ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ اس خانوادہ کا عظیم الشان' باہمت اور جری بادشاہ تھا جو فتنہ تاتار میں کام آیا (یہ واقعہ 628ھ کا ہے)۔

خوارزم شاہیوں کے معاصرین یا ان کے رقیب اتابکان فارس تھے لیکن یہ بھی فتنہ مغول کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکے لیکن انہوں نے سیاسی تدبر سے کام لیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا طوق گلے میں ڈال کر نیست و نابود ہونے سے بچ گئے۔ اور انہوں نے مغول کے زیر انتداب جنوبی ایران کو مکمل تباہی سے بچالیا لیکن ساتویں صدی کے اواخر میں یہ حکومت بھی ختم ہو گئی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ایلخانی' اتابکان فارس' خوارزم شاہی بادشاہوں کے ادوار سلطنت کو مختصراً پیش کر دوں۔

خانوادہ اتابکان آذربائیجان 1136ء سے 1225ء تک برسر اقتدار رہا۔ شمس الدین' یلدغر پہلا اور مظفر الدین اوزبک آخری بادشاہ ہے۔ خانوادہ تابکان فارس۔ 1148ء سے 1287ء تک سریر آرائے سلطنت رہا (ان میں بعض حضرت سعدی شیرازی کے مربی و ممدوح بھی ہیں) سونقر پہلا اور عیش (سعدی زنگی کی دختر) آخری تاجدار ہے۔

اتابکان لرستان: 1148ء سے 1422ء تک سریر سلطنت پر متمکن رہے۔ ابو طاہر بن محمد پہلا اور غیاث الدین آخری بادشاہ ہے۔ خوازرم شاہی: 1077ء میں سریر آرائے سلطنت ہوئے اور 1230ء میں ان کا خاتمہ ہو گیا۔ انو شگین پہلا تاجدار ہے اور غیاث الدین آخری تاجدار ہے۔

ایل خانی۔ 1256ء تا 1335ء ہلاکو قان پہلا موسیٰ قان آخری تاجدار ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ایران کے مختلف صوبے' ایران کی سرزمین ان پانچ خاندانوں کی آماجگاہ بنی رہی اور ان پانچ خاندانوں کے تقریباً 45 فرمانرواؤں نے اپنے اقتدار کے حصول' اس کے استقرار اور بقا کے لئے خون کی جو ندیاں بہائی ہیں ان کو تعداد میں کس طرح ظاہر کیا جائے' ایران کا چپہ چپہ 'گوشہ گوشہ ان سفاکیوں سے تہ و بالا ہو گیا۔ خصوصاً ایلخانیوں کا دور حکومت (1256ء تا 1335) وہاں کے باشندوں کے لئے ایک قیامت تھی جو ہر روز ایک نئے روپ میں ان کے سامنے آتی تھی۔ ایلجائیو قان۔ اور ابو سعید خدا بندہ کے دور سلطنت میں اس تباہ حال ایران ذرا سنبھالا لیا' اس کے بعد دور زمان مظفری و خاندان قرہ قوئیلو' آق قوئیلو کی سلطنین قائم ہوئیں لیکن یہ خاندان بھی ایران کے تن مردہ میں روح نہ پھونک سکے' یہاں تک کہ 1501ء میں صفوی خاندان کا بانی اسماعیل صفوی سریر آرائے سلطنت ہوا۔

صفویوں نے جو اقتدار حاصل کیا تھا وہ آل تیمور سے حاصل کیا تھا جس کا ایک معمولی تاجدار ابو الغازی سلطان حسین والی ہرات بھی تھا (میں نے معمولی حدود سلطنت کے اعتبار سے کہا ہے) تیموریوں کی سلطنت بھی سلطنت مغول کا ایک جزو ہی تھی۔ تیمور کی شخصیت مغول سے جداگانہ نہ تھی بلکہ وہ اسی خاندان کا ایک فرد تھا' تیمور کے آباؤ اجداد مغول ہی تھے لیکن مغول کی طرح مسلمانوں کے لئے یہ بھی ایک قہر خداوندی سے کم نہ تھا۔ ان تیموریوں نے دسویں صدی ہجری کے آغاز تک ایران پر حکومت کی۔ تیموریہ سلاطین میں تیمورلنگ (بانی سلطنت) شاہ رخ مرزا' الغ بیگ اور ابو سعید مرزا بہت ہی شہرت رکھتے ہیں' ان تیموریہ سلاطین کے علاوہ اور چند دوسرے خانوادے بھی مغلوں کے زوال سلطنت کے ساتھ ساتھ ایران کے مختلف منطقوں میں ظہور میں آگئے تھے گویا اس دور میں حجاز و شام' مصر اور عراق کی طرح ایران بھی طوائف الملوکی کا گہوارہ بن چکا تھا ان مختلف خانوادوں کی جنگ و جدال' حصول سلطنت کے لئے خوں آشام جنگوں نے ایران کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی! میں اگر تفصیل میں جاؤں تو صفحات کے صفحات اس سلسلہ میں سیاہ ہو جائیں گے اور یہ مقدمہ ایک تاریخی دیباچہ بن جائے گا پھر بھی اس امر کے اظہار کے لئے کہ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک تصوف کے موضوع پر تصنیف و تالیف کا یہ خلا کیوں پیدا ہوا آپ کو کچھ نہ کچھ تفصیل میں لے جانا پڑے گا۔

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ چند دوسرے خانوادے بھی شاہی تاج سر پر رکھ کر ظہور میں آگئے اور ایران کے بعض منطقوں پر قابض ہو گئے یہ دور کچھ زیادہ طویل نہیں ہے کہ دو دمان جلائیران' شربداران' آل کرت' آل مظفر' قرہ قونیلو اور ایلجائتو خاندان آئے اور مغول و تیمور کے درمیان جو پچاس سال کا خلا تھا وہ انہوں نے پر کر دیا۔ اس پچاس سال میں نوع انسانی پر ان کے ہاتھوں جو کچھ گزری اس پر تاریخ شاہد ہے' مسلمانوں کی تہذیب' تمدن' علم و ادب کو انہوں نے میٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد فتنہ تیمور نے رہی سہی کسر پوری کر دی' فتنہ مغول اور فتنہ تیمور' دونوں ہی تاریخ اسلام کی ایسی مصیبتیں ہیں کہ ایسی تباہی شاید ہی نبی نوع انسان پر گزری ہو' برصغیر پاک و ہند کو مغول کے ہاتھوں کچھ تباہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن فتنہ تیموری نے یہاں بھی بڑے غضب ڈھائے ہیں کسی آئندہ موقع پر اس کو وضاحت کروں گا۔ اب علم و فضل اور صاحبان زہد و تقویٰ نے ایران سے برصغیر کا رخ کیا کیونکہ فتنہ مغول و تیمور نے ایران کے ان شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی جو علم و فضل کا گہوارہ اور سکون کے متلاشی حضرات کے لئے مامن و مستقر تھے' اس عالمگیر فتنہ میں جس کو جہاں پناہ کی جگہ ملی اس نے ادھر کا

رخ کیا۔ اور جو صاحبان عزم بالجزم اپنی اپنی جگہوں پر قائم رہے وہ ان درندوں کی خوں آشامی سے بہت کم بچ سکے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کو ایک مغل سپاہی نے اپنی درندگی کا شکار بنایا' ایک حضرت عطارؒ ہی پر کیا موقوف ہے ان کی تلوار کی زد میں جو بھی آگیا محفوظ نہ رہ سکا۔ ہمزاروں لاکھوں افراد نے ہند کا رخ کیا اور ہزاروں لاکھوں افراد نے ایشیائے کوچک (ارض روم) کو اپنا مستقر بنایا۔ ان قریوں اور شہروں کی بربادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی ادبیات جو ان ادوار میں علوم اسلامی ہی کہے جاتے تھے بالکل برباد ہو گئے۔ کتب خانے راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

مرصاد العباد کے مصنف حضرت شیخ نجم الدینؒ دایہ نے اپنے زمانے (ساتویں صدی ہجری) میں عام تباہی اور اپنی ہجرت کا سبب مختصراً اس طرح ذکر کیا ہے:۔

"در تاریخ مشہور سنہ سبع عشر و ستمائۃ (617ھ) لشکر مخذول کفار تتار (خذلھم الله و دمرھم) استیلا یافت بر آں دیار و آں فتنہ و قتل و فساد و اسرو ہدم و حرق کہ ازاں ملاعین ظاہر شد در ہیچ عصر در بلاد کفر و اسلام کس نشان ندادہ است و در ہیچ تاریخ مشاہدہ۔ قتل ازیں بیشتر چگونہ بود کہ از در ترکستان تا در شام و روم چندیں شہر..... ولایت قتل و خرابی کردند تا ازیک شہر رے کہ مولد و منشا این ضعیف است' قیاس کردہ اند کہ کمار بیش ہفت صد ہزار (7 لاکھ) آدی ،بقتل رسید ندواسیر گشتہ' از شہرو ولایت و فتنہ و فساد آں ملاعین و مخاذیل بر جملگی اسلام و اسلامیاں از آں زیادتست کہ در حیز عبارت گنجد وایں واقعہ ازاں شائع تراست در جہاں کہ بشرح احتیاج افتد و اگر العیاذ باللہ غیرت مسلمانی و مسلمانان و حمیت اسلام نہاد ملوک و سلاطین نجنبد کہ عہدہ رعایت ،مسلمانی و مسلمانان کہ نہاد ایشاں است در جولیت دین دامن جان ایشاں نگیرد تا باتفاق ،جمعتے کنند گرانقیاد فرماں (انفرد ......) برمیان جان نبد ندو نفس و مال و ملک رادر رفع این فتنہ فدا نکنند بوے۔ آں می آید کہ یکبارگی مسلمانی برانداختہ شود بانکہ اکثر بلاد اسلام برافتاد ایں ،بقیت نیز براندازندو جہاں کفر گیرد۔

مقصود آنکہ چوں قہر و غلبہ آں ملاعین پدید آمد قریب یکسال ایں ضعیف در دیار عراق صبری کرد برامید آنکہ مگر شب دیجور ایں فتنہ و بلا را صبح عافیت بدمد و خورشید سعادتے طلوع کند ہر گونہ مقاسات شداید و محن راتحمل می کردو تا ازاطفال عورات بناید رفت و مفارقت دوستان و محبان و ترک مقرو مسکن بناید گفت نہ روے آں بود کہ متعلقاں را بجملگی از آں دیار بیروں آردنہ دل بامی داد کہ جملہ رادر معرض ہلاک و تلف بگذار و عاقبت چوں بلا بغایت رسید و محنت بہ نہایت .... ایں ضعیف از شہر ہمدان کہ مسکن بود شب بیرون آمد با جمع عزیزاں و درویشان در معرض خطرے ہرچہ تمامتر در شہور سنہ ثمان عشرو ستمائۃ (618ھ) براہ اردبیل رواں شدہ (مقدمہ مرصاد العباد 10-9 چاپ ایران)

617ھ کے مہینوں میں گمراہ کافر تتاریوں کا لشکر (اللہ تعالیٰ ان کو جہنم واصل کرے اور ان کو برباد کرے) اس شہر پر قابض ہو گیا اور پھر ایسا فتنہ' ہنگامہ' قتل و غارتگری برپا ہوا اور ان ملعونوں نے اتنے لوگوں کو قیدی بنایا کہ اب تک کسی کافرستان یا بلاد اسلام میں ایسا ہنگامہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور نہ تاریخ میں ایسا عظیم سانحہ اس سے قبل ضبط تحریر میں آیا کہ ترکستان سے خروج کر کے شام اور روم کے بیسیوں شہروں کو اور معتدد ولاتیوں کو ان ملعونوں نے روند ڈالا صرف ایک شہر رے کا ذکر کرتا ہوں جو اس بندہ ضعیف کا مولد و منشا ہے کہ اس شہر کی کم و بیش سات لاکھ آبادی کو قتل کر دیا یا قیدی بنالیا۔ شہروں اور ولاتیوں

میں ان ملعونوں اور گمراہوں کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری ہے اس کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا اور ان مغول کی وحشت و بربریت اور سفاکی کی داستان اس قدر پھیل چکی ہے اور اتنی مشہور ہے کہ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی غیرت اور حمیت اسلامی سلاطین عصر کے دلوں میں موجزن نہ ہوئی (ان کو غیرت اسلامی نے نہیں جھنجھوڑا۔) کہ مسلمانوں اور اسلام کی حفاظت ان لوگوں کے ذمے ہے اور اگر انہوں نے اس وقت متحد ہو کر اور کسی ایک بادشاہ کی اطاعت و فرمان پذیری پر کمر ہمت نہ باندھی اور اپنی جانوں، اموال، اور املاک کو اس فتنہ کے دفع کرنے میں فدا کرنے سے دریغ کیا تو پھر مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان یکبارگی اکھاڑ پھینکے جائیں گے ابرباد ہو جائیں گے) حالانکہ اس وقت بھی بہت سے اسلامی شہروں پر ان ملعونوں کا قبضہ ہے) اور جو شہر ان کی فتوحات سے باقی رہ گئے ہیں ان کو بھی وہ فتح کریں گے اور پھر تو ہر طرف کفر ہی کفر ہو گا حاصل اس تحریر کا یہ ہے کہ جب ان ملعونوں کا قہر و غضب ظہور میں آیا تو تقریباً ایک سال تک تو میں ان مصائب پر عراق کے شہروں میں بیٹھا صبر کرتا رہا محض اس امید پر کہ شاید اس فتنے کی کالی رات چھٹ جائے اور صبح عافیت رونما ہو اور اس سے خورشید عافیت ضیا باریاں کرے اسی امید پر طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیلتا رہا۔ اور یہ خیال کرتا رہا کہ زن و فرزند کو بے سہارا نہیں چھوڑنا چاہئے اور دوستوں و عزیزوں کو چھوڑ کر اس مسکن اور دارالقرار سے کہیں اور نہیں جانا چاہیے۔ آخر کار 618ھ میں ایک دوستوں اور درویشوں کی جماعت ساتھ ہمدان سے نکل کر اردبیل کے راستے سے روانہ ہو گیا۔

(مقدمہ مرصاد العباد 10-9 مطبوعہ ایران)

حضرت شیخ نجم الدین دایہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ تمام حالات ساتویں ہجری کے اوائل کے بیان کئے ہیں، یہ حالت اور کیفیت، خون مسلم کی ارزانی فتنہ مغول اور فتنہ تیمور لنگ تک جاری رہی کروڑوں مسلمان ممالک ماوار النہر، عراق، شام، مصرو حجاز کئے، ان سفاکیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بعض منطقوں اور ولایتوں میں جہاں ایک حد تک سکون تھا لوگوں کے مستقر و مامن بن گئے خصوصاً علماء فضلاء، حکماء اور عرفاء نے ان درباروں کا رخ کیا۔ صوفیائے کرام چونکہ تقرب سلطانی اور دربار ملوکیت سے ہمیشہ گریزاں رہتے تھے انہوں نے جنگلوں اور بیابانوں کو آباد کیا۔ جس طرح ہزاروں خاندان سرزمین ہند میں آ کر بس گئے اسی طرح بہت سے صوفیوں اور اولیا اللہ نے بھی اس سرزمین کا رخ کیا اور ہجرت کی یہ رفتار دسویں صدی ہجری میں خاص طور پر صوفیہ کرام کے لحاظ سے تیز تر ہو گئی جس کا اہم سبب یہ بھی تھا کہ ایران کی سرزمین کے حکمرانوں میں اکثریت اہلسنت و جماعت کی تھی تیموریہ کی اولاد احفاد میں سلطان حسین ابو الغازی والئ خراسان ایک سنی العقیدہ مسلمان بادشاہ تھا اسی طرح ترک سلاطین تمام تر اہلسنت و جماعت ترک سلاطین سے پہلے سلاطین سلاجقہ کا مسلک اور مذہب بھی یہی تھا۔ خوارزم شاہی سلاطین بھی اسی سلاطین اور امراء المسلمین پر جو کچھ گزری تھی وہ ایک طویل داستان ہے جس کو یہاں نہیں چھیڑوں گا۔ شیعت کا رجحان پروان چڑھتا رہا اور بعض امراء نے بغاوتیں کر کے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بھی قائم کر لی تھیں لیکن وہ کوئی مضبوط سلطنت قائم نہ کر سکے تھے لیکن جب تیموریوں کا زوال شروع ہوا اور سو سال حکومت کرنے کے بعد بھی وہ عالمگیر سطوت اور نظام حکمرانی قائم نہ کر سکے اور سو سال بعد ہی سے دولت تیموریہ میں انتشار اور کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے اور جیسا کہ میں سابقا

عرض کرچکا ہوں کہ خاندان جلائیران، مظفریان، قرہ قونیلو اور آق قونیلو خانوادے ظہور میں آگئے اور سب سے پہلے آذربائیجان کی مملکت تیموریوں کے قبضے سے نکل گئی اس کے بعد ایران کے اور منطقوں میں بھی بغاوتیں اور شورشیں برپا ہو گئیں، اس طوائف الملوکی کے دور میں شیخ صفی الدین آردبیلی (جو ایک غالی شیعہ تھے) کے پوتوں میں سے اسماعیل نامی ایک نوجوان اٹھا اور اپنے باپ حیدر کو بھرپور مدد پہنچائی جس نے آق قونیلو خاندان کے فرمانروا اوزون حسن کو جنگ میں شکست فاش دی، اسماعیل نے اپنے دادا شیخ صفی الدین آردبیلی کے نام سے خود کو اسماعیل صفوی کہلایا اور 905ھ میں شہر تبریز میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے تخت سلطنت پر جلوس کیا، اسماعیل صفوی کی یہ کامیابی کوئی جزوی یا وقتی کامیابی نہیں تھی بلکہ اسماعیل صفوی نے نہایت دانشمندی تدبر اور شجاعت سے کام لے کر چند ہی برسوں میں تمام ایران پر قبضہ کرلیا اور تمام چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو مٹا کر ایران میں ایک عظیم سلطنت صفویہ قائم کرلی اور تقریباً ڈھائی سو سال تک بڑے دبدبے اور سطوت کے ساتھ ایران پر حکومت کرتے رہے۔ میں سلطنت صفویہ کے زوال سے بحث نہیں کروں گا اور نہ افشاریاں اور زندیان کی کامیابی اور سلطنت صفویہ کی بربادی کا ذکر مجھے چھیڑنا ہے بلکہ میرا مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ صفوی سلطنت کے قیام سے تصوف اور صوفیہ کرامؒ پر کیا کچھ گزری تاکہ آپ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ نویں، دسویں، گیارہویں صدی ہجری میں ایران کی سرزمین پر تصوف کے موضوع پر قلم کیوں نہیں اٹھایا گیا۔ آپ عصر حاضر کے ایک مشہور ایرانی ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی یہ تصریح ملاحظہ فرمائیں کہ

چوں صفویاں شیعی متعصب بودند، تشیع را مذہب رسمی ایران قرار دادند، ازیں دور نظم و نثر مذہبی دریں عصر ترقی کرد، شعرا بجائے مدح شاہاں بہ نعت انبیاء و اولیاء پرداختند و علماء بجمع اخبار و آثار شیعہ بشرح و بسط فقط و حدیث کوشیدند واز امتیازات ایں دورہ آنکہ مسائل دینی راکہ سابقا معمولاً بہ عربی نوشتہ می شدہ بزبان پارسی ہم تالیف کردند و کتبے مانند جامع عباسی شیخ بہائی وحلیہ المتقین مجلسی و ابواب الجنان قزوینی در علوم دینی و احادیث و نظائر آنہا بوجود آمد، منتہا مجلسی کہ ذکر بیاید قریب پنجاہ کتاب رسالہ و رسائل دینی بفارسی نوشت۔
شاہان صفوی باآنکہ بہ پیشرفت سیاست مذہبی تعلق داشتند و باطوائف ازبک و افغان و روس و عثمانی در جنگ بودند با۔لنمہ حمایت علم و ادب پروری پرداختند"۔ (تاریخ ادبیات از دکتر رضا زادہ شفق!)

چونکہ صفوی سلاطین بہت ہی غالی شیعہ تھے چنانچہ انہوں نے تشیع کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا اس اعتبار سے ان کے دور میں مذہبی نثر و نظم کو بہت فروغ حاصل ہوا اور شعراء نے بھی بادشاہوں کی مدح کے بجائے انبیاء علیہ السلام کی نعت نگاری اور اولیاء کرام کی منقبت کو اپنا شعار بنالیا۔ (نعت و منقبت کی طرف متوجہ ہوئے) علمائے عصر شیعہ مذہب کے اخبار و آثار جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور فقہ و حدیث (تشیع) کی تشریح و تفصیل میں مشغول ہو گئے اس عصر کی یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے اب تک تصنیف کی زبان بن گئی اور بہت سی کتابیں مثلاً جامع عباسی مصنفہ شیخ مباہلی، حلیہ المتقین مصنفہ مجلسی اور ابواب الجنان مصنفہ قزدینی اور اس موضوع پر متعدد ایسی ہی کتابیں وجود میں آئیں صرف میر مجلسی نے جن کا ذکر آئندہ تفصیل سے کیا جائے گا۔ پچاس مذہبی (تشیع) کتابیں اور رسالے تصنیف و تالیف کئے۔ باوجودیکہ شاہان صفویہ مذہبی

سیاست (تشیع کا فروغ) میں الجھے ہوئے تھے اور اسکی وجہ سے ان کو سنی (اہل سنت و جماعت) سلاطین مثلاً سلاطین اوزبک و افغان اور عثمانیہ نیز روسی حکومت سے ٹکر لیناپڑ رہی تھی انہوں نے علم و ادب کی طرف بھی پوری توجہ کی!

ایک شیعہ ادیب کی اس شہادت سے بڑھ کر متعصب صفویوں کے سلسلہ میں اور کون سی شہادت وقیع ہو سکتی ہے، رضا زادہ شفق نے ان کی سفاکیوں اور قتل و غارت گری کا تذکرہ نہیں کیا کہ صفویوں کے ہاتھوں اہلسنّت و جماعت پر کیا گزری۔ ہزاروں سنی علماء شہید کئے گئے اور سینکڑوں کو قید میں ڈالا گیا اس کا نتیجہ تھا کہ اس دور کے صوفیہ کرام ؒ نے اپنے لئے ہجرت کو بہتر سمجھا اور ہجرت کا یہ سلسلہ کچھ نیا نہ تھا، مغول اور تتاریوں کے ہنگاموں اور قتل و غارت گری کے موقع پر بھی ان بزرگوں نے ہندوستان ہی کو اپنے لئے انتخاب کیا تھا۔ شیخ محمد اکرام ایم اے "آب کوثر" میں ملتان گزٹیئر کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں کہ:۔

"ضلع ملتان کا گزٹیئر سرایڈورڈ میکلیگن نے مرتب کیا تھا جو ایک زمانے میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر تھے اور اپنی تاریخی تصنیف کی وجہ سے اہل علم میں ممتاز ہیں! اپنی رپورٹ میں سرایڈورڈ نے اس علاقہ کی مذہبی تاریخ پر بھی تفصیلی تبصرہ کیا ہے اور ممالک اسلامی میں تاتاریوں کی تباہ کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ایک لحاظ سے خراسان اور مغربی ایران کی تباہی سے ہندوستان کے اس حصہ (مغربی پنجاب) کو فائدہ پہنچا کیونکہ اس کی وجہ سے علماء و صلحا کی ایک کثیر تعداد یہاں آگئی جس میں سے بعض تو دارالسلطنت دہلی کی طرف چلے گئے لیکن بہت سے ملتان کے علاقہ ہی میں بس گئے۔

(آب کوثر (288،287ء)

صفیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث ان کے دور میں اس ہجرت کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ میرے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک تصوف کے موضوع پر تصانیف میں جو خلاء پایا جاتا ہے اس کے عوامل کیا تھے یہ صدیاں سرزمین ایران کے لئے بڑی قیامت خیز تھیں، آپ اوپر شیخ طریقت حضرت نجم الدین دایہ رحمتہ اللہ علیہ کی مرصاد العباد کے دیباچہ کی چند سطور پڑھ چکے ہیں اور آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا امن و امان کی کیا حالت تھی اور سکون و قرار کس قدر میسر تھا، صفویوں سے پہلے شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات حضرت جامی رحمتہ اللہ علیہ کی نقد النصوص، لوائح اور نفحات الانس، شیخ عزالدین محمود کاشانی کی مصابح الہدایت کے سوا اور کتب تصوف کا سراغ نہیں ملتا۔

جیسا کہ رضا زادہ شفق نے تحریر کیا ہے کہ سیاسی ہنگاموں، معاصرین سلاطین کی یورشوں اور ان سے جنگوں کے باوجود (کہ حقیقت میں یہ جنگیں اور یہ تصادم صفویوں کے اسی مذہبی تعصب کا نتیجہ تھیں ان کو ازبکوں، افغانوں اور ترکوں سے نبرد آزما ہونا پڑا کہ یہ تمام سلطنتیں اہلسنّت و جماعت کے مسلک کی پیرو تھیں اور سینوں پر صفویوں کے لرزہ براندام مظالم کو وہ برداشت نہ کر سکے اور ان سے نبرد آزما ہوئے)۔ صفوی دور میں دینی علوم کی ترقی حاصل ہوئی لیکن کونسے دینی علوم؟ شیعی علوم! جس کی صراحت خود رضا زادہ شفق نے اپنے قلم سے کی ہے۔ صفوی سلاطین میں سلطان ابراہیم صفوی، شاہ عباس صفوی، القاس مرزا صفوی، شاہ طہماسپ صفوی نے اپنے اپنے دور حکومت میں احیاء شیعت اور اس کے فروغ کے لئے زبردست کوششیں کیں اور شیعہ علماء کو خوب خوب نوازا چنانچہ ان کے دربار سے علامہ احمد بن محمد المعروف بہ مقدس اردبیلی، ملاباقر مجلسی (پچاس دینی

اور شیعہ تھے، ایک شخصیت کا ذکر یہاں اور کر دوں اور وہ ہیں ملا صدر الدین المعروف ملا صدرا جو میر باقر کے داماد تھے لیکن مسلک اہلسنّت و جماعت پر گامزن تھے لہٰذا استاد سے بہت جلد ان بن ہو گئی، ان کی مشہور تصنیف صدرا اہلسنّت و جماعت کے درس نظامی میں آج بھی بہت وقیع سمجھی جاتی ہے اور داخل درس ہے۔ انہوں نے استاد کی فرمائش پر شیعہ محدث اور فقیہ شیخ کلینی کی مشہور کتاب اصول کافی کے بعض ابتدائی حصوں کی شرح بھی لکھی تھی۔

صفویوں کی اس علم دوستی اور فرقہ پرستی اور شیعت نوازی کے نتیجہ میں ان کے ڈیڑھ سو سالہ دور حکومت میں شیعہ مذہب کے لئے تفسیر و حدیث اور فقہ کی کتابوں کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا جس سے یہ فرقہ آجتک محروم تھا چنانچہ شیخ محمد بن حسین عاملی نے جامع عباسی تصنیف کی (شیعہ مذہب کی مشہور کتاب فن فقہ پر ہے)۔

محمد باقر مجلسی نے عین الحیات مشکوٰۃ الانوار حلیتہ المتقین معراج المومنین، حیات القلوب جلاء العیون، ابواب جنان اور معراج العبادت نامی کتابیں تصنیف کیں!

میر فتح اللہ کاشانی:۔ تنبیہہ الغافلین ترجمہ نہج البلاغتہ،

حیدر رفیع الدین:۔ شجرۃ الہیہ

سید احمد بن زین العابدین:۔ لوامع ربانی و مفصل صفا۔

رفیع الدین محمد:۔ ابواب الجیان

احمد بن مہدی عراقی:۔ معراج السعادت!

محولہ بالا کتب تمام تر شیعہ مذہب اور عقیدے اور ان کے فقہ و حدیث سے تعلق رکھتی ہیں اس کے علاوہ تاریخ کے موضوع پر بھی قلم اٹھایا گیا اور بہت سی کتابیں ظہور میں آئیں ان کا ذکر طوالت سے خالی نہیں! غرضکہ آپ پورے صفوی دور کو چھان ڈالئے تصوف کے وقیع و شریف موضوع پر آپ کو کوئی کتاب نہیں ملے گی اور آپ پائیں بھی کس طرح کہ تصوف کے موضوع پر تو قلم وہی مقدس اور پاک ہستی اٹھا سکتی ہے جس کے دل سے محبت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار و اہل بیت اطہار کے چشمے رواں دواں ہوں، وہ قلم کیا اس موضوع پر لکھ سکتا ہے جس کے دل میں بغض و عداوت کا جہنم دہک رہا ہو اور عشق رسول و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابناکیوں سے محروم ہو، ان کا یہ فقہی اور دینی سرمایہ ہمارے عظیم سرمایہ کا عشرہ عشیر بھی نہیں ہے!

میں یہاں اس صراحت و وضاحت کو بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے مندرجہ بالا کتب کا تذکرہ محض اس لیے کیا ہے کہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ صفویوں نے شیعت کے فروغ میں کیا کچھ کیا اور ان کے دور حکمرانی میں تصوف پر کتابیں کیوں نہ لکھی گئیں، مجھے حاسدوں سے خطرہ ہے کہ وہ حسب عادت میری اس وضاحت کو اپنی دسیسہ کاری کے لئے ایک دستاویز نہ بنائیں جیسا کہ میرے بعض تراجم کے مقدمات کے سلسلہ میں میری بعض وضاحتوں کے باعث انہوں نے مجھے مورد الزام ٹھہرایا ہے میں بس ان کے حق میں یہی کہہ سکتا ہوں گرنہ بیند بروز شپرہ چشم: چشمہ آفتاب راچہ گناہ،

سرزمین پاک و ہند میں فارسی زبان کے شیوع کے بارے میں رضا زادہ رقمطراز ہیں:۔

"از مسائل مہم ادبی عصر صفوی نفوذ و انتشار زبان و ادبیات فارسی در ممالک مجاور خاصہ در ہندوستان است عصر صفوی کے اہم ادبی مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس دور میں فارسی زبان اور ادبیات فارسی پڑوسی ملکوں خاص طور سے ہندوستان میں توسیع پذیر ہوئے"۔

اگرچہ زبان پارسی یا فتوحات مسلمین و مہاجرت پارسیان در قرون ار.عنہ اسلام و فتوحات سلطان محمود شروع وبا سلطنت غزنویان و غوریان در آں دیار انتشار یافت وبعد تاسیس سلطنت مغول در آں مملکت بہ ترقی رسید۔ (رضا زادہ شفق)

"اگرچہ فارسی زبان کا آغاز ہندوستان میں مسلمان سلاطین کی فتوحات کے ذریعہ اور اسلام کی چار ابتدائی صدیوں میں پارسیوں کی ہندوستان کو ہجرت اور سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے ساتھ ہو چکا تھا لیکن غزنوی اور غوری سلطنتوں میں وہ تمام اطراف ہند میں پھیل گئی اور ہند میں میں مغلیہ سلطنت کے قیام سے اس کو بہت ترقی ہوئی۔

(تاریخ ادبیات ایران)

اور یہی میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے مفسرین و محدثین اور صوفیہ کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی آمد کا سلسلہ مغلیہ سلطنت کے قیام سے مدتوں پہلے شروع ہو چکا تھا اس تمہید کے بعد اب میں آپ کو برصغیر ہندوپاک میں ہر اسلامی سلطنت کے دور میں لکھی جانے والی ان تصانیف سے متعارف کراتا ہوں جو تصوف کے موضوع پر لکھی گئیں لیکن اس سے قبل یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عراق عجم اور ایران میں جس طرح خالصاً تصوف کے موضوع پر عربی اور فارسی میں تصانیف و تالیفات کی بہتات ہے اور ان کتب سے بیشتر کتب کا میں آپ سے تعارف کرا چکا ہوں، برصغیر میں ایسا کم ہوا۔ یہاں ملفوظات کی کثرت رہی ہرچند کہ یہ ملفوظات اور مکتوبات بھی تصوف کی بلند پایہ کتابوں میں محسوب ہوتے ہیں اور ان سے بھی اسی طرح استفادہ کیا گیا جس طرح تصوف کی گراں مایہ دوسری تصانیف سے! بعض جلیل القدر سلاسل تصوف میں تو اس سلسلہ کے مشائخ کرام اور صوفیہ عظام نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ ہی نہیں فرمائی، فرائض و سنن، اذکار و ردداوراد نوافل میں ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس طرف اپنی توجہ مبذول نہ کر سکے! اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے سلاسل میں اس ذکر و فکر کی کمی تھی، جی نہیں! بلکہ اکابر سلسلہ نے اس طرف توجہ کی تھی تو اکابر مابعد نے بھی اس طرف توجہ فرمائی۔ اور اگر اکابر سلسلہ نے تصنیف و تالیف سے گریز روا رکھا تھا تو اس سلسلہ کے مشائخ مابعد نے بھی اس سے اعتنا نہیں کیا، یہاں میں صرف ایک مثال پیش کئے دیتا ہوں کہ سلسلہ مبارکہ چشتیہ میں اکابرین سلسلہ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں فرمائی لہٰذا اس سلسلہ کے دوسرے مشائخ اور بزرگوں نے اس مشغولیت کو روا نہیں رکھا چنانچہ شیخ محمد اکرام ایم اے مرحوم آب کوثر میں ایک حوالہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:۔

حضرت چراغ دہلی کے ملفوظات خیر المجالس میں لکھا ہے، "شیخ نظام الدینؒ و خواجگان چشت قدس اللہ ارواحہم کتابے تصنیف نہ کردہ۔"

مشائخ چشت قدس اللہ روا حہم میں حضرت خواجہ خواجگان معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم سلطان التارکین شیخ

حمید الدین ناگوریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے ورنہ حضرات مشائخ چشت میں زیادہ تر بزرگوں کے ملفوظات ہیں جو سلسلہ بہ سلسلہ بزرگ سلسلہ کے کسی خلیفہ یا مرید خاص نے مرتب کئے ہیں' ان ملفوظات کی تفصیل میں بہ سلسلہ ملفوظات پیش کروں گا۔ اسی طرح مکتوبات کی کثرت بھی اس برصغیر کے اکابرین سلسلہ کے یہاں آپ کو ملے گی حالانکہ متقدمین صوفیہ کرام کے یہاں مکتوبات کے مجموعوں کی بہت کم نشاندہی کی گئی ہے آپ سابقہ اوراق میں ملاحظہ کرچکے ہیں کہ حضرت شیخ طریقت احمد غزالیؒ کے مکتوبات موسوم بہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی اور حضرت مولانا روم (جلال الدینؒ) کے مکتوبات موسوم بہ "مکتوبات مولانا جلال الدین رومی" ہی ایسے دو مجموعے مکتوبات کے ہیں جو مشائخ عجم و ارض روم میں مرتب ہوئے ایسے قدیم مشائخ کرامؒ کے جن کا تعلق سرزمین ہند سے نہیں ہے مجموعہ ہائے ملفوظات بھی نہیں پائے جاتے اور دور ہندیہ میں ان کی بہتات ہے اور وجہ ظاہر ہے اور میرے اس قول پر شاہد ہے کہ بعض سلاسل تصوف میں' تصنیف و تالیف پر قلم نہیں اٹھایا گیا یا بہت کم اٹھایا گیا۔ ان حضرات نے اس کمی کو اپنے ملفوظات کے ذریعہ پورا کردیا کہ یہ ملفوظات بھی احکام شریعت و اسرار رموز طریقت کے پیش بہا خزانے ہیں' اس کی صراحت میں مکتوبات اور ملفوظات بھی احکام شریعت و اسرار رموز طریقت کے پیش بہا خزانے ہیں' اس کی صراحت میں مکتوبات اور ملفوظات کے تحت عنوان پیش کروں گا یہاں تو مجھے برصغیر پاک و ہند میں تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف کا آپ سے تعارف کرانا ہے اس سلسلہ کو سب سے پہلے دور غزنویہ (ہندیہ) سے شروع کررہا ہوں۔

دور غزنویہ ہندیہ اور تصوف پر تصانیف

پچھلے اوراق میں آپ کے مطالعہ سے یہ بات گزر چکی ہے اور میں نے ان اسباب و علل کو پیش کیا ہے جس کے باعث سرزمین ایران میں حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد کسی نامور اور محترم صوفی کا نام نامی یا تصوف پر کوئی گرانمایہ تصنیف منصہ شہود پر نہیں آئی' ابھی میں عرض کرچکا ہوں کہ دورہ مغول و تیموریہ میں وہ خلاء تصوف کی دنیا میں پیدا نہیں ہوا جو صفویوں کے دور اقتدار میں دنیائے تصوف میں پیدا ہوا۔ ہزاروں مشاہیرہ علمائے کرام اور صوفیہ عظام نے ان عالی شیعوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا' یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں' یہ حضرات ایران ایران کی سرزمین میں مختلف حکومتوں میں جن میں زیادہ تر حکمراں اہلسنّت و جماعت اور حنفی تھے بڑی طمانیت اور سکون کی فضا میں دینی اذکار اور اپنے صوفیانہ اشغال میں مصروف تھے ہرچند کہ یہ قوم اور یہ مبارک ہستیاں ہنگامہ ہائے شہر سے دور بہت دور ویرانوں میں زاویہ نشیں تھے لیکن شہر آشوب سے محفوظ تھے جب ان کے دلوں سے یہ سکون بھی چھن گیا تو وہ عراق مصر اور دوسرے قریبی ممالک کو ہجرت کرگئے اور بہت سے حضرات نے ہندوستان کا رخ کیا یوں تو ہندوستان میں صوفیہ کرام اور مشائخ عظام سے قبل علماء و فضلا اور حکمائے اسلام کی آمد شروع ہو چکی تھی ان حضرات میں علامہ ابو الفرج رونی علامہ ابو ریحان بیرونی کے ناموں کو بھلایا نہیں جاسکتا لیکن ہم ان کو صوفیہ کرام کے زمرے میں شریک نہیں کرسکتے!

یہ واضح رہے کہ عہد غزنویہ میں لاہور ہی وہ شہر تھا جس کو سب سے زیادہ علمی اور سیاسی حیثیت سے فروغ حاصل ہوا

اگرچہ سندھ اور ملتان کے علاقے بھی اس زمرے میں آتے ہیں لیکن ملتان تو قرملی تحریک کا مدتوں تک مرکز ہونے کے باعث وہ شہرت حاصل نہیں کر سکا جو لاہور کے حصے میں آئی' عہد مغلیہ میں سب سے پہلے صوبہ پنجاب میں جس بزرگ کی آمد کا پتہ چلتا ہے وہ شیخ صفی الدین گازرونی (متوفی 1070ھ) ہیں ان کا سال ولادت 962ھ ہے۔ لاہور میں گیارھویں صدی عیسوی کی ایک عظیم شخصیت شیخ اسماعیل لاہوری کی ہے لیکن یہ ایک عالم اور واعظ اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے' سرزمین پاک اور خطہ لاہور جس بزرگ و محترم ہستی پر نازاں ہے اور دنیائے تصوف کا جو روشن چراغ ہے وہ ہستی ہے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی اور اسی سے ہمارا سلسلہ تصنیف و تالیف کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں ملتی ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ' شیخ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہ پہلے نامور صاحب تصنیف صوفی اور شیخ طریقت ہیں جن کی کتاب "کشف المحجوب" کو ہم اس برصغیر کی پہلی تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں حضرت داتا گنج بخش کا سال ولادت 1009ء ہے اور آپ کی وفات 1073ء مطابق 469ھ تقریباً کہی جاسکتی ہے' آپ کی بلند پایہ اور فارسی زبان میں تصوف کی عظیم الشان اور پہلی کتاب کشف المحجوب ہے' جس کا ذکر میں پانچویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب تصوف میں کر چکا ہوں۔ روسی مستشرق جس نے بڑی کاوش اور محنت سے کشف المحجوب کی متعدد نسخوں سے مقابلہ کے بعد تصحیح کی اور ایک گرانقدر مقدمہ کے ساتھ اس کو لینن گراڈ (ماسکو) سے شائع کیا۔ اس مستشرق نے حضرت شیخ المشائخ داتا صاحب کی چند اور کتابوں کے نام بھی لیے ہیں ان میں سے بعض کا ذکر خود داتا صاحب نے کشف المحجوب میں بھی اکثر جگہ کیا ہے' میں صرف ان کے نام ہی لکھ سکتا ہوں اجمالی تعارف بھی نہیں کرا سکتا کہ ان میں سے کوئی کتاب موجود نہیں ہے!

(1) اسرار الخرق والمؤنات' (2) کتاب فنا و بقا (3) الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ (4) کتاب البیان لاہل العیان (5) کتاب در شرح کلام شیخ حسین بن منصور حلاج' منہاج الدین اور نحو القلوب' شیخ محمد اکرام مرحوم اپنی بلند کتاب میں آپ کی ایک کتاب "کشف الاسرار" کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ کتاب آپ کی دوسری تصانیف کی طرح نایاب ہے!

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی کشف المحجوب کے بعد ایک صدی تک کسی تصوف کی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ قارئین پر واضح رہے کہ علماء و فضلاء' شعرا اور دوسرے ارباب فن کی آمد کا سلسلہ جاری ہے لیکن میں ان حضرات کا ذکر نہیں کر رہا ورنہ امام المحدثین شیخ حسن صغانی کی ذات گرانمایہ تمامتر افتخار و ابتہاج کے لئے کافی ہے (آپ 577ھ میں لاہور میں پیدا ہوئے) جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا گیارھویں صدی عیسوی یا پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں تصوف کے موضوع پر کشف المحجوب کے سوا اور کوئی کتاب نظر نہیں آتی

آیئے اب میں آپ کو غوری دور میں لے چلتا ہوں یعنی 1186ء 1321ء تک' برصغیر پاک و ہند میں غزنویہ دور کا نامور سلطان ابراہیم غزنوی کے فرزند سلطان علاؤ الدین مسعود سے آغاز ہوتا ہے جو مسعود سعد سلطان کا مربی تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چند سلطان غزنویہ تخت نشین ہوئے' آخری کمزور سلطان بہرام شاہ تھا۔ بہرام شاہ کے بعد اس کا بیٹا خسرو شاہ علاؤ الدین غوری کے ہاتھوں شکست کھا کر غزنی چھوڑ کر ہندوستان آگیا اس کے بعد اس کے بیٹے خسرو ملک کو 1186ء میں محمد غوری

نے شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا اور اس طرح لاہور سے غزنوی سلطنت گئی اور یہاں کا تمام علاقہ غوریوں کے قبضہ میں آگیا۔

جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ ہند کے غزنویہ دور میں حضرت شیخ المشائخ داتا گنج بخش ہجویری الجلابی الغزنوی کی کشف المحجوب" کے علاوہ اور کوئی کتاب تصوف پر نہیں لکھی گئی! آیئے اب غوری سلطنت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس دور میں تصوف کا ادب کس طرح پروان چڑھا اور کون کون سی کتابیں اس دور میں لکھی گئیں، یہ دور علم و ادب کی ترقی کے لئے ایک مشہور دور ہے بارھویں صدی عیسوی میں سلطان معز الدین غوری نے دوسری مرتبہ غزنوی فوج کو شکست دے کر شمالی ہند میں بھی اسلامی حکومت کی بنیادوں کو استوار کر دیا اب پنجاب کا بیشتر علاقہ اور شمالی ہندوستان غوری حکومت کے زیر نگیں تھا، 1193ء میں دہلی اور اجمیر کی حکومت کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر کے سلطان محمد غوری غزنین واپس ہو گیا اور قطب الدین ایبک کو یہاں اپنا نائب السلطنت مقرر کر دیا، محمد بن بختیار خلجی، التمش، ناصر الدین سلطان محمد غوری ہی کے پروردہ امیر تھے اور انہوں نے ہندوستان کے علاقوں کی تسخیر میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں ان کی تفصیل میں نہیں جاسکتا۔ سلطان محمد غوری جب تک حیات رہا قطب الدین ایبک جو سلطان کا ذی فہم غلام تھا بحیثیت نائب کام کرتا ہوں اس کی وفات (1206ء) کے بعد قطب الدین ایبک ہندوستان کا بادشاہ منتخب ہوا۔ ایبک ہندوستان میں خاندان غلامان کا بانی ہے جن کو مورخین اسلام سلاطین دہلی سے موسوم کرتے ہیں۔

ہند کا غوری عہد، تصوف کی تصانیف سے خالی ہے، درحقیقت یہ زمانہ فتوحات، سرکشوں کی سرکوبی اور امراء کی بغاوتوں کے باعث کوئی پر سکون ماحول فراہم نہیں کر سکا، ہاں یہ ضرور ہے کہ لاہور اور ملتان علم و ادب کے گہوارے تھے اور اس دور میں ہی بعض علمی و ادبی تصانیف وجود میں آئیں لیکن ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ہم صرف خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ کے ملفوظات کو اس دور کی صوفیانہ تالیف کہہ سکتے ہیں!

عہد قطبی میں موضوع تصوف پر تصانیف

1274ء میں (بعہد سلطان شمس الدین التمش) حضرت خواجہ خواجگان اجمیری کے خلیفہ شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے مکتوبات ہیں جن صوفیانہ مباحث پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے، ان کے بعد شیخ المشائخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید حضرت خواجہ بختیار کاکی کے بھی عقیدت مند تھے، شیخ حمید الدین ناگوری ہیں جو طوالع الشموس کے مصنف ہیں۔

طوالع الشموس:۔ کشف المحجوب کے بعد یہ پہلی کتاب ہے جو تصوف کے موضوع پر لکھی گئی۔ طوالع الشموس میں اسمائے الٰہی کی شرح تصوف کے رنگ میں کی گئی ہے، اس کے مصنف قاضی حمید الدین ناگوری ہیں، اس سے پہلے بھی اس طرز اور رنگ میں غیر ہندی صوفیائے کرام نے بھی اپنی بعض تصانیف پیش کی تھیں چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی سرہ العزیز (متوفی 638) نے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں بیشتر مقامات پر اسی رنگ کو اختیار کیا ہے یعنی وہ نصوص کی تاویل و تعبیر صوفیانہ رنگ میں کرتے ہیں، وہ ظاہری معنی سے قطع نظر کر کے اس کے باطنی مفہوم یا احوال پر اس کی تطبیق کرتے ہیں۔

قرون اولیٰ کے مشاہیر مفسرین میں چار حضرات کی تفاسیر اشاری کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں یعنی تفسیر تستری، تفسیر آلوسی، تفسیر نیشاپوری ار تفسیر شیخ محی الدین ابن اکبر المعروف بہ شیخ اکبرؒ - میں یہاں ان تفاسیر پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا صرف اتنا عرض کروں گا کہ تفسیر اشاری تفسیر بالرائے نہیں ہوتی بلکہ تفسیر اشاری میں جو باطنی معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ ان الہامات پر مبنی ہوتے ہیں جو صاحب حال و مقام و صاحب الہام پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ بہرحال یہ تفسیر بھی ظاہری معنی قرآن کے منافی نہیں ہوتی ہے، یہاں ذکر تھا تفسیر اسمائے حسنیٰ کا اس سلسلہ میں ضمناً یہ بات معرض بیان میں آگئی۔

طوالع الشموس کے قلمی نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں، میری نظر کسی ایسی جگہ نہیں پہنچی ہے جہاں سے یہ منکشف ہوتا۔ کہ طوالع الشموس برصغیر ہندوپاک یا بیرون ہند طبع ہو چکی[1] ہے یا نہیں، شیخ اکرام مرحوم نے صرف اس کا حوالہ دینا کافی سمجھا ہے۔

خاندان خلجی اور کتب تصوف

سلاطین دہلی کا زمانہ دراصل فقہ اسلامی کے فروغ کا زمانہ ہے اگرچہ اس دور میں بھی علما، صلحا اور حضرات صوفیہؒ کی کمی نہ تھی لیکن اس عہد میں زیادہ تر کام فقہ اسلامی پر ہوا دنیائے تصوف میں ملفوظات اور مکتوبات کی جانب توجہ رہی۔ اس دور کے بعض ملفوظات اور مجموعہ ہائے مکتوبات کا ذکر میں مکتبوبات اور ملفوظات کے سلسلہ میں کروں گا! اس دور میں بجائے اس کے کہ تصوف پر تصانیف ظہور میں آتیں اور حضرات صوفیہ اس طرف توجہ کرتے، صوفہ کرام کی مجالس میں (احیاء العلوم امام غزالیؒ)۔ کشف المحجوب (حضرت داتا گنج بخشؒ) عوارف المعارف (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)۔ قوت القلوب (حضرت ابو طالب مکی)۔ رسالہ قشریہ (شیخ ابو القاسم قشریؒ) اور مرصاد العباد (حضرت نجم الدینؒ دابہ) کا درس دیا جاتا تھا۔ اور ان کے مضامین ہی زیر بحث اور ذریعہ تلقین و ارشاد ہوتے تھے۔

دور خلجی۔

جلال الدین خلجی اور علاؤ الدین خلجی کا دور بھی اگرچہ صوفیہ کرام سے خالی نہیں لیکن اس دور میں تصوف پر کوئی کتاب علاوہ ملفوظات و مکتوبات کے نہیں لکھی گئی، برنی نے تاریخ فروز شاہی میں دور علائی کے علما۔ فضلاء، مشائخ مفسرین، محدثین، و مورخین کی ایک طویل فہرست دی ہے لیکن ملفوظات امیر خسرو اور ملفوظات مرتبہ امیر حسن علائی سنجری کے علاوہ تصوف کے موضوع پر کشف المحجوب اور عوارف المعارف کی طرح کوئی کتاب نہیں لکھی گئی خود سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء

---

(۱) اگر کسی صاحب کی نظر سے اس کا مطبوعہ نسخہ گزرا ہو تو نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی صراحت کر دی جائے۔

نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور آپ کا ایک ارشاد اس سلسہ میں ہم نقل کر چکے ہیں۔ سہروردی مشائخ میں ہندوستان میں بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت خواجہ خواجگان بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے صاحب ارشاد صاحبزادے۔ شیخ صدر الدین عارف قدس اللہ العزیز

نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سرہ کی ایک فقہی کتاب اس کی شرح کے باعث یادگار رہ گئی ہے' اس سے ہماری مراد الاد وار ہے جس میں اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کی شرح شیخ رکن عالم قدس سرہ کے مرید علی بن احمد غوری نے عربی زبان میں کنز العباد کے نام سے لکھی ہے!

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے ایک مرید با اخلاص میر حسینیؒ ہیں۔ میر حسینی کی نزہت الارواح اور زاد المسافرین' کنز الرموز تصوف کے موضوع پر عہد علائی کے بعد کی تصانیف ہیں لیکن قابل ذکر ضرور ہیں یہ وہی میر حسینی ہیں جن کے چند سوالات کے منظوم جوابات شیخ محمود شبستری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مثنوی موسوم بہ گلشن راز کی صورت میں دیئے تھے' اس مثنوی کا ذکر ہم کتب منظومہ کے ضمن میں کریں گے۔

اس دور کے مشہور زمانہ ملفوظات فوائد الفواد (حسن سنجری) اور افضل الفوائد (حضرت امیر خسرو) کے مرتبہ ملفوظات ہیں ان کا ذکر ہم ملفوظات کے ضمن میں کریں گے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمتہ حضرت سلطان المشائخ کے بڑے چہیتے مرید تھے ان کی باکمال شخصیت اور جامع کمالات سیرت پر لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے' حیرت صرف یہ ہے کہ خزائن الفتوح اور اعجاز خسروی کا عظیم نثار اور خمسہ نظامی کے جواب میں پانچ مثنویات لکھنے والا شاعر باکمال اور مثنوی دول رانی' خضر خاں کا عظیم مصنف تصوف کے موضوع پر قلم نہ اٹھا سکا۔ یہ شاید ان کی درباری مصروفیات کا باعث ہو گا۔ بہرحال آپ کا مرتبہ مجموعہ ملفوظات افضل الفوائد آج بھی عقیدت کی نگاہوں سے لگایا جاتا ہے۔

حضرت امیر خسرو کا مربی سلطان جلال الدین خلجی خود شاعر تھا اور شاعر نواز لہٰذا اس کے دور میں شعر و شاعری کو جو عروج حاصل ہوا کہ پھر اور کسی دور میں نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام اس دور کو علم و ادب کی ترقی کے لحاظ سے عہد اکبری کا پیشرو سمجھتے ہیں' امیر خسرو نے اپنا خمسہ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں اسی دور میں لکھا' امیر حسن علائی سنجری اور ضیاء الدین برنی نے اسی دور میں داد تحقیق دی۔ برنی کی تاریخ فروز شاہی اسی دور کی یادگار ہے لیکن اس عہد میں تصوف کے موضوع پر قلم نہیں اٹھایا گیا۔

سلطان جلال الدین کے بعد علاؤ الدین جب تخت نشین ہوا تو محفل طرب میں وہ شان باقی نہیں رہی۔ سلطان علاؤ الدین نے تخت نشین ہوتے ہی حکم نافذ کیا کہ ہر شخص اپنے فرائض منصبی بجالائے چنانچہ دربار کے حاضر امراء بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہے حضرت امیر خسرو بھی ان میں سے ایک تھے' انہوں نے تو ایک طویل نظم میں اس امر کی شکایت کی ہے کہ دو شب و روز مجھے دربار میں رہنا پڑتا ہے اور خدمت متعلقہ میں مصروف رہتا ہوں میں تلاش مضمون کے لئے وقت کہاں سے نکالوں"۔

حالانکہ دور علائی میں علماء و فضلاء اور حکماء کی کمی نہ تھی۔ برنی اپنی تاریخ فروز شاہی میں رقمطراز ہے:۔

در دارالملک علمائے بودند کہ آں چناں استاداں کہ ہر یکے علامہ وقت و مثل در بخارا' در سمرقند' بغداد و مصر و خوارزم و

دمشق و تبریز، صفاہاں، رے و روم و در ربع مسکون نہ باشد و در ہر ملکے کہ فرض کنند از منقولات و تفسیر و فقہ و اصول دین و نحو لفظ و نعت و معانی و بدیع و بیان و کلام و منطق موئے می شگافتند"۔ (تاریخ فیروز شاہی) دار السلطنت دہلی میں ایسے علماء اور استادان علم و فن موجود تھے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت اور اپنے فن کا علامہ تھا اور ان کی مثال بخارا۔ سمرقند۔ بغداد۔ مصر۔ خوارزم۔ تبریز، صفاہان، رے، روم ہی کیا بلکہ تمام کرہ ارض پر ملنا مشکل تھی اور یہ حضرات ہر علم و فن میں کیا وہ منقولات سے ہو جیسے تفسیر و فقہ، اصول دین صرف و نحو، لغت و معانی، علم و بیان و بدیع ہو یا معقولات سے ہو جیسے علم کلام و منطق موشگافیاں کرتے تھے"۔

عہد علائی میں فسق و فجور، محاشی و قمار بازی غرضکہ تمام منکرات و منہیات کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ عقیدت کیش، طلبا اور اکابر شہر جو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر باش تھے وہ تصوف اور احکام طریقت کی ان کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ قوت القلوب، احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، شرح فصوص رسالہ قشیری، مرصاد العباد مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی، لوائح اور قاضی حمید الدین ناگوری کی لوامع"۔ تاریخ فروز شاہی برنی۔

گویا متقدمین شیوخ و ارباب تصوف کی مصنفات کا مطالعہ کیا جاتا تھا کسی نئی کتاب کی تصنیف کی جانب توجہ نہیں کی گئی۔

دور تغلق اور کتب تصوف

ملک کافور کا خاتمہ کرنے کے بعد جب قطب الدین مبارک شاہ تخت نشین ہوا تو دہلی اور اطراف شمالی ہند میں حضرت سلطان المشائخ کی عقیدت کے چراغ روشن تھے اور ملتان میں سہروردی سلسلہ کے چشم و چراغ شیخ المشائخ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نبیرہ حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح سہروردی رشد و ہدایت کی مسند پر رونق افروز تھے۔

قطب الدین مبارک شاہ اپنے چہیتے غلام خسرو خان کے ہاتھ اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچا اور خسرو ناصر الدین خسرو خان کے نام سے تخت نشین ہوا لیکن جلد ہی اس کی بدعنوانیوں کا خاتمہ بھی سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھوں ہو گیا اور یہیں سے خاندان تغلق کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلا علمی معرکہ دنیائے تصوف میں برپا ہوتا ہے یعنی سماع کے جواز و عدم جواز پر مباحثہ منعقد ہوتا ہے، سلطان غیاث الدین کی جانب سے بقول صاحب سیر العارفین 253 علماء موجود تھے اس سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیاث الدین تغلق کے دور میں موضوع تصوف پر قلم اٹھانا سلطان کی نظروں میں کھٹک جانے کے مترادف تھا، ملتان کے سہروردی مرکز میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی سہروردیؒ مسند ارشاد و ہدایت پر فائز تھے اور اس مجلس مباحثہ میں آپ کے نائب حضرت شیخ علم الدینؒ تشریف فرما تھے اور انہوں نے اپنا فیصلہ بھی جواز و عدم جواز۔ یجوز لاہلہ ولا یجوز بغیر اہلہ کی شکل میں دیا تھا۔

سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں ملتان کے سہروردی سلسلہ کے مشائخ دربار میں زبردست عزت و احترام کی نگاہ سے

دیکھے جاتے تھے اوران کا حکم بادشاہ کے لئے واجب التعمیل ہوتا تھا- دور تغلق میں یعنی بعہد سلطان محمد تغلق اس سلسلہ کے مشہور زمانہ بزرگ یعنی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ الاسلام کا منصب پیش کیا گیا اور چونکہ چشتیوں کے برخلاف سہروردی سلسلہ میں رفاہ خلق اور آسودگی عوام کے لئے دربار سے تعلق پیدا کرنا عین ثواب سمجھا جاتا تھا اور خود بانی ثانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس سے گریز نہیں فرمایا تھا بلکہ انہوں نے چند بار فرائض سفارت بھی انجام دیئے تھے اس لئے شیخ کی سنت کی پیروی میں انہوں نے یہ منصب قبول کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد سب کچھ ترک کر کے حج کو تشریف لیگئے'

ملتان کے سہروردی سلسلہ میں مخدومؒ جہانیان جہاں گشت کی شخصیت یوں تو ہر اعتبار سے قابل احترام ہے لیکن اس لحاظ سے بھی آپ کا پایہ بہت بلند ہے کہ آپ جس طرح ایک بلند مرتبت مرشد اور ہادی طریقت تھے اسی طرح ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے اور عہد تغلق میں آپ کی ذات گرامی نے دور خلجی کی اس کمی کو اور اس خلا کو پورا کر دیا جس میں تصوف کے موضوع پر تصانیف نہ ہونے کے برابر ہیں- اور آپ کے ملفوظات موسوم بہ جامع العلوم کے نام سے فارسی زبان میں مرتب سجادہ نشین اور خانقاہ کے کتب خانے میں موجود ہیں آپ کے ان ملفوظات کا بیشتر حصہ ان ارشادات گرامی پر مشتمل ہے جب آپ 1270ء میں دہلی تشریف لے گئے تھے اور آپ کا معتقد خاص سلطان فیروز تغلق سامانہ کی مہم پر دہلی سے باہر گیا ہوا تھا اور آپ نے دہلی میں 10 ماہ تک قیام فرمایا تھا (اس سلسلہ میں مزید بحث ملفوظات کے سلسلہ میں کروں گا)-

حضرت مخدوم جہانیات گشت کی تصانیف:- اگر ملفوظات کو ارباب تحقیق تصنیف یا تالیف میں شامل کر سکتے ہیں تو اس اعتبار سے حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ کی ملفوظات کے چند مجموعوں کو آپ کی تصانیف کے ذیل میں لایا جاسکتا ہے میں ملفوظات کے عنوان کے تحت ان کا ذکر کروں گا! یہاں میں آپ کی ایک اور کتاب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کی تصنیف طبعزاد تو نہیں لیکن ایک مشہور رسالہ کا ترجمہ ہے' اس سے میری مراد ترجمہ فارسی رسالہ مکیہ ہے یہ رسالہ مکیہ شیخ قطب الدین دمشقی کی تصنیف ہے چونکہ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں تصنیف ہوا تھا اس مناسبت سے اس کا نام رسالہ مکیہ رکھا گیا تھا- یہ رسالہ بھی رسالہ قشیریہ کی طرح موضوع تصوف پر ہے- حضرت مخدومؒ کے یہاں رسالہ مکیہ کا باقاعدہ درس دیا جاتا تھا لہٰذا آپ نے اس مفید رسالہ کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں' فارسی ترجمہ متعدد بار ہندو پاک میں شائع ہو چکا اور متعدد حضرات نے اس کا ترجمہ کیا ہے' کراچی بھی اس شرف سے محروم نہیں رہا- شیخوپورہ سے بھی اس کا ایک ترجمہ شائع ہوا ہے (یہ تصریحات سوانح حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت پر مبنی ہیں)- حضرت مخدوم جہانیانؒ کے اور بھی بعض ملفوظات ہیں ان کا ذکر ملفوظات کے سلسلہ میں کروں گا-

دور تغلق کے ایک اور صاحب طریقت و رشاد اور مشائخ کے سرتاج حضرت شیخ سید محمد حسینی معروف سید محمدؒ بندہ نواز گیسو دراز ہیں آپ کی تصانیف میں خاص طور سے شرح فصوص الحکم ہے جس کا ذکر میں فصوص الحکم کے ضمن میں کر چکا ہوں- آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اس برصغیر میں دکھنی زبان میں جس کو اردو کی ابتدائی صورت کہہ سکتے ہیں ایک معمولی ضخامت کا رسالہ بنام معراج العاشقین تصنیف فرمایا-

معراج العاشقین:۔ اردو زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے جس کی تصنیف سے اردو زبان حضرت بندہ نواز گیسو دراز ؒ کی احسان مند ہے۔ اس رسالہ میں فلسفہ و حکمت کے مسائل کی توجیہہ و تصریح تصوف کے رموز و اسرار کے ساتھ کی گئی ہے مثلاً مابعد الطبیعات میں وجود کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں' واجب الوجود' ممکن الوجود حضرت بندہ نواز ؒ نے رسالہ کا آغاز اسی سے کیا ہے اور تصوف کے اسرار کو ان مصطلحات حکمیہ کا مصداق بتایا ہے۔ اس رسالہ کی دوسری خوبیاں اور مضامین کی ندرت اور مباحث کی بلندی اپنی جگہ مسلم! میں سمجھتا ہوں کہ اس رسالہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ دنیائے تصوف میں اردو زبان میں یہ تصوف کے موضوع پر پہلی تصنیف ہے۔ یہ رسالہ قیام پاکستان کے بعد دہلی سے شائع ہو چکا ہے اور لائق مرتب و مقدمہ نگار نے متن میں قوسین کے اندر موجود زبان اردو کے مترادفات کو درج کرکے اس کو آسان بنا دیا ہے۔

شرح آداب المریدین:۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی تصانیف میں اس کتاب کو بھی خاص درجہ حاصل ہے یہ سلسلہ سہروردیہ کے بانی اول حضرت شیخ عبدالقاہر ابو النجیب ؒ سہروردی جو سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے عم محترم' استاد اور شیخ طریقت ہیں' حضرت ابو النجیب سہروردی کی یہی ایک تصنیف ہے جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ کی شرح فارسی کے باعث دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئی' اسی شرح آداب المریدین کا ترجمہ مکتبہ معارف لاہور سے 1393ء میں شائع ہو چکا ہے اور عام طور پر دستیاب ہے۔ مختصر رسالہ شریعت و طریقت کا بے مثال سنگم ہے اور حقیقت میں اسم بامسمیٰ ہے کہ مرید و رہبر طریقت کے لئے ایک عظیم اور واجب العمل دستور العمل ہے۔

شیخ اکرام مرحوم آب کوثر میں رقمطراز ہیں کہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز ؒ کی درگاہ کی مجلس منتظمہ نے آپ کی تصانیف میں سے بعض تصانیف صحت اور دیدہ ریزی کے ساتھ شائع کی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اسماء الاسرار' مستطاب خاتمہ' ترجمہ آداب المریدین' خطائر القدس' یازدہ رسائل' انیس العشاق (دیوان) مکتوبات شائع ہو چکے ہیں۔

رسالہ معراج العاشقین کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کراچی میں آپ کے ایک معتقد خاص جناب مولوی مستجاب رقم نے بھی آپ کی تصانیف سے بعض کتابیں شائع کی ہیں۔

معارف شرح عوارف:۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ اللہ علیہ نے تصوف کی اس مشہور کتاب عوارف کا بھی فارسی میں معارف کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ عوارف المعارف مصنفہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ علیہ جس طرح سہروردی سلسلہ میں مقبول و معروف تھی اسی طرح چشتی سلسلہ میں بھی اس کو بڑی مقبولیت رہی۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کے نہ صرف زیر مطالعہ رہی بلکہ مریدین کو اس کا درس دیا جاتا تھا' اسی تخصیص کی بناء پر حضرت بندہ نواز گیسو ؒ دراز نے اس کی شرح بزبان فارسی تحریر فرمائی۔ ایک عرصہ ہوا درگاہ بندہ نواز ؒ کی مجلس انتظامیہ کی کوشش سے زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے لیکن پاکستان میں نایاب ہے۔

اس دور کی مشہور تصنیف تصوف میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ؒ (ولادت 1293ء۔ وفات 1371ء) کے مکتوبات کو بڑی اہمیت حاصل ہے' یہ مکتوبات صوفیانہ اسرار و رموز پر مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں ان مکتوبات پر میں یہ سلسلہ مکتوبات آئندہ اوراق میں لکھوں گا۔

خلیق احمد صاحب نظامی مصنف "مشائخ چشت" نے حضرت بندہ نواز گیسوؒ دراز رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف میں متعدد کتب کی نشاندہی کی ہے جن کتابوں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اس کے علاوہ مشارق الانوار کا فارسی میں ترجمہ' قرآن پاک کی تفسیر صوفیانہ رنگ میں عوارف المعارف' فصوص الحکم' رسالہ قشیریہ اور قوت القلوب پر حواشی بھی آپ سے منسوب کئے ہیں۔

شیخ اکرام مرحوم نے آب کوثر میں آپ کی تصانیف میں خطائر قدس۔ یازدہ رسائل و مکتوبات کا اضافہ کیا ہے۔ بلاشبہ یہ کہنے میں تامل نہیں کیا جاسکتا کہ چشتیہ سلسلہ میں جس بزرگ نے تصنیف و تالیف کی طرف پوری پوری توجہ کی وہ حضرت سید گیسو درازؒ کی برگزیدہ شخصیت ہے۔

سیر الاولیا برکوچک ہند و پاک میں یہ سب سے پہلا تذکرہ الصوفیہ ہے جسکو حضرت چراغ دہلوی سے فیض یافتہ حضرت نظام الدینؒ اولیا کے مرید شیخ امیر خورد نے 712ھ میں تغلق خاندان کے دور عروج میں تالیف کیا' آپ سید خورد مبارک کرمانی کے نام سے تاریخ میں پہنچانے جاتے ہیں۔ مشائخ عظام اور صوفیہ کبار آپکو امیر خورد کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ آپ محمود بن محمد تغلق کے عہد میں منصب امارت پر فائز تھے اسلئے امیر کا خطاب آپکے نام کیساتھ شامل ہے' 1368ء میں انتقال ہوا۔

فوائد الفواد کے بعد حضرت مشائخ چشت کے حالات میں یہ ایک بہترین تذکرہ ہے' بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس سے بہت کچھ واقعات اخذ کئے ہیں۔ سیر الاولیاء کی زبان فارسی ہے اور چودھویں صدی کے اوائل میں اصل کتاب شائع ہوئی تھی۔ اب کمیاب ہے سیر الاولیاء کا اسلوب بیان بہت آسان اور سادہ ہے' نمونے کے طور پر چند سطور میں تحریر کرتا ہوں۔

"چوں تخت سلطنت بہ غیاث تغلق (انار اللہ برہانہ) رسید' شیخ زادہ حسام الدین فرجام' کہ پاتابہ غریبی درخانہ سلطان المشائخ کشادہ بود و بانواع تربیت و شفقت سلطان پرورش یافتہ اورا ازجہت آنکہ سر شہرت دارد بسیار مجاہدہ ہاو بلاہا کشید' چوں درد ذوق و شوق عشق نہ نہادہ بودند' سیر نمی شد' بدیں بہانہ خواست کہ خودرا مشہور کند' بجہت غوغائے محضرا درا پیدا کردند"۔

بارے چو افسانہ نی شوی اے لیے خرد　　　افسانہ نیک شونہ افسانہ ---- بد

اسی دور کی ایک اور شخصیت شیخ ضیاء الدین بخشیؒ کی ہے' آپ بھی سلطان المشائخ کے نامور مریدوں میں سے ہیں آپ کی تصانیف میں تصوف کے موضوع پر سلک السلوک نے کافی شہرت پائی' سلک السلوک مشائخ کبار کے حالات و افکار کا ایک دلنشین مجموعہ ہے لیکن زیادہ مشہور اور متعارف نہیں ہے' بعض قلمی نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں جہاں تک میں تفحص کر سکا ہوں زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔

بحر المعانی:۔ حضرت چراغ دہلوی قدس سرہ کے ایک اور نامور مرید اور خلیفہ سید محمد بن جعفر اپنی کتاب بحر المعانی کے باعث بہت مشہور ہوئے' بحر المعانی اسرار معرفت کا گنجینہ ہے لیکن افسوس کہ اس کے قلمی نسخے (مخطوطات) کتب خانوں کی زینت ہیں اور عوام اس کے استفادہ سے محروم ہیں۔

خاندان سادات ولودھی

سیر العارفین:۔ دور لودھی کی یہی ایک وہ عظیم شخصیت ہے جس کے تذکرہ صوفیہ موسوم بہ "سیر العارفین" کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور عہد سکندر لودھی کی یہی وہ واحد کتاب ہے جو نثر میں تصوف کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے یعنی اس میں حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیریؒ سے اپنے مرشد شیخ سماء الدینؒ تک جسقدر مشاہیر مشائخ گزرے ہیں ان کے سوانح و کرامات کو سلیس اور دلکش فارسی زبان میں تحریر کیا ہے۔ شیخ جمالی کا یہ تذکرہ "تذکرہ الاولیا حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ" اور نفحات الانس کی طرح ہند کے صوفیہ کرام کے حالات کے لئے ایک قابل اعتماد ماخذ کا کام دیتا ہے۔ تذکرہ سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کے 13 مشائخ کرام کے حالات پر مشتمل ہے!

مولانا جمالی کا نام حامد بن فضل اللہ ہے اور چونکہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے اور پہلے جلال تخلص کرتے تھے لیکن پھر اپنے مرشد کے ایماپر جمالی تخلص رکھا۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے جمالی کو سیرو سیاحت کا بھی شوق تھا، اثنائے سفر میں ہرات بھی جا پہنچے، ملا حسین واعظ کاشفی اور مولانا جامیؒ سے ملاقاتیں رہیں۔ شیخ جمالی نے اپنے زمانے میں بحیثیت شاعر زیادہ شہرت حاصل کی اور وفات کے بعد بحیثیت ایک صوفی اور مصنف سیر العارفین زیادہ مشہور ہوئے۔ شیخ اکرام مرحوم اور خلیق احمد نظامی نے اسلامی ہند کی ثقافتی اور ادبی تاریخ آب کوثر، اور مشائخ چشت میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے اور شیخ اکرام مرحوم سیر العارفین کے بارے میں کہتے ہیں کہ "یہ تذکرہ ایک دفعہ دہلی میں چھپا تھا لیکن اب کمیاب ہے"۔

لیکن بڑی مسرت کا مقام ہے اب اس کا ترجمہ لاہور سے شائع ہو گیا اور عام طور پر دستیاب ہے۔ جمالی نے یہ تذکرہ اپنی وفات 1535ء سے دو یا تین سال پہلے مرتب کیا تھا۔ سیر العارفین میں شیخ جمالیؒ نے چھ مشائخ چشتیہ اور سات یشوخ سہروردیہ رحمتہ اللہ تعالی علیہم اجمعین کا تذکرہ بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ضمناً دوسرے بہت سے بزرگوں کا بھی ذکر آگیا ہے لیکن بنیادی طور پر یہ تذکرہ ان 13 الشیوخ کرامؒ کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ اس دور کی ایک اور ممتاز شخصیت جس نے بر کو چک ہندو پاک میں سلسلہ صابریہ چشتیہ کو فروغ بخشا حضرت مولانا شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی ہے جن کا سال وصال 944ھ ہے صابریہ چشتیہ سلسلہ میں آپ صرف ایک زبردست صاحب حال بزرگ ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھے آپ کی تصنیف بھی متعدد ہیں شرح عوارف المعارف حاشیہ بر فصوص الحکم، رسالہ قدسیہ (وحدت الوجود پر) غرائب الفوائد۔ رشد نامہ۔ مظہر العجائب۔ مکتوبات قدوسیہ، لطائف قدوسی آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ آپ کی اکثر تصانیف و شروح زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں، زیادہ تر قلمی نسخے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

قارئین کرام:۔ آپ نے یہ بات ملاحظہ فرمائی کہ ہمارے مشائخ کرام اور بزرگان طریقت اور صوفیہ عظام کے متعدد خانوادے اس برصغیر میں تبلیغی کوششوں میں مصروف عمل تھے اور اس اعتراف میں بخل کرنا حقیقت سے آنکھیں بند کر لینا ہو گا کہ ان حضرات کی تبلیغی سرگرمیاں اور شدو ہدایت سے اگر ایک طرف لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو

دوسرے طرف انہوں نے ان مسلمانوں کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کی جو نام کے مسلمان تھے احکام اسلامی سے بے پروا تھے- لہو و لعب جن کا شعار تھا اور ایک سچے مسلمان کی خصوصیات سے سراسر دور تھے- چشتیہ اور سہروردیہ اور ان خانوادوں کی مختلف شاخوں نے خانوادوں کے اصحاب نے رشد و ہدایت کی جو شمع اپنی اپنی خانقاہوں میں روشن کی اور ان کی مجالس تذکیرو تلقین میں سب حاضر ہونے والوں نے جو کسب فیض کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں' دور غزنویہ ہندیہ سے لیکر دور سکندری تک یعنی گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز تک- اس پانچسو سالہ مدت میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں انہوں نے حق و معرفت کی آواز پہنچائی اور بے دینی اور کفر کی تاریکیوں میں اپنے انفاس قدسیہ کے چراغ جلا کر اس تاریکی کو مٹایا- ان سلاسل مقدسہ میں سینکڑوں محترم شخصیتیں ہیں ان کے ناموں کی تفصیل یہاں کس طرح پیش کروں' مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ دہلی اور ملتان کے پاک خطوں سے جو آفتاب طلوع ہوئے اس کی روشنی ان کے جانشینوں اور خلفاء کے ذریعہ برصغیر ہندوپاک کے ہر صوبہ اور ہر خطہ میں پہنچی- اس تبلیغی کامرانیوں میں جن دشواریوں سے ان کو گزرنا پڑا اس کی تفصیلات ہماری ثقافتی' مذہبی اور علمی تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہے' سلاطین وقت کا تو یہ عالم تھا کہ گاہے بدشنامے خلعت دہند گاہے .سلامے برنجند" لیکن یہ بطور عموم نہ تھا' عہد علائی میں اور خاندان تغلق کے بعض سلاطین نے ان حضرات کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے تو بعض سلاطین نے اپنے بدخوئی سے ان پر شدائد کو روا رکھا' حضرت سلطان نظام الدین اولیاء اور آپ خلیفہ حضرت چراغ دہلوی کو بعض خود سر سلاطین سے ٹکر لینا پڑی لیکن ان حضرات نے صبرو استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا بڑی خاموشی اور استقامت سے ان مظالم کو برداشت کرتے رہے-

ان حضرات کی تبلیغی اور رشد و ہدایت کی سرگرمیاں اور ان کی طاعات و عبادات کی مشغولتیں کو اتنی مہلت نہیں دیتی تھیں کہ یہ حضرات تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ کرتے اس سلسلہ میں حضرات سلطان المشائخ کے عہد تک چشتیہ خاندان کے بزرگوں نے اس سے جو بے اعتنائی روا رکھی اس کے بارے میں حضرت سلطان المشائخ کا ایک قول میں پہلے نقل کرچکا ہوں- کہ تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہونا ہمارے اکابرین و ہمارے شیوخ کا دستور نہیں رہا ہے' یہی وجہ تھی کہ چشتی بزرگوں کی مجالس میں ہمیشہ شیوخ متقدمین کی تصانیف کے درس کو بڑی اہمیت حاصل رہی چنانچہ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی مجلس میں ان کتابوں کا پڑھا جانا معمولات میں شامل تھا-

کشف المحجوب' رسالہ قشیریہ' عوارف المعارف' فصوص الحکم' مرصاد العباد! یہ کتابیں ایسی گراں قدر و علم تصوف پر ایسی جامع تھیں کہ نہ صرف مشائخ چشت کے یہاں مریدوں کو ان کی تعلیم دی جاتی بلکہ مشائخ کرام اکثر اوقات خود بھی اس کا مطالعہ فرماتے حضرات مشائخ سہروردی بھی ان کتابوں کو بہت عزیز اور محبوب رکھتے تھے' برصغیر ہندو پاکستان کے مشائخ عظام میں جیسا کہ آپ مطالعہ کرچکے ہیں بہت کم حضرات نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی یہی وجہ ہے کہ اکابرین صوفیہ کے مقابلہ میں ان حضرات کے یہاں ملفوظات یا مشہور کتب تصوف کی شروح کی کثرت ہے جس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ سلسلہ سے منسلک حضرات کی تربیت پر ان کا بیشتر وقت صرف ہوتا تھا-

عہد مغلیہ

برکوچک ہندوپاکستان پر مسلمانوں کی حکومت کا یہ آخری دور ہے' اس سلطنت کا بانی بابر تیموریہ خاندان کا ایک جری اور شجیع فرد تھا۔ خود دانشمند تھا اور دانشمندوں کا قدردان تھا' اس کی تزک بابری (ترکی زبان میں) اس کے علم و فضل پر گواہ ہے مغلیہ حکومت کے قیام سے کچھ پہلے یہاں مہدوی تحریک شروع ہو چکی تھی اور اس کے اثرات دور تک پہنچ چکے تھے' شاہان سور کے دور میں مہدوی تحریک کو فروغ حاصل ہوا' شیخ علائی مہدویت کے عظیم مبلغ تھے اور ان سے اس تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا لیکن سلیم شاہ سوری (پسر شیر شاہ) کے عہد میں شیخ علائی کا خاتمہ اس تحریک کا ختم الباب تھا۔

اس دور میں سیاسی زبوں حالی اور افراتفری کے باعث ارباب قلم کو بہت کم تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا خاص طور پر تصوف کے موضوع پر تو قلم اٹھایا ہی نہیں گیا یہ نہیں کہ مہدوی تحریک کی طرح تصوف کی زندگی بھی زوال آشنا ہو چکی تھی یہ بات نہیں تھی' البتہ اس کی مرکزیت ختم ہو گئی تھی اور جو کچھ کام ہو رہا تھا اس کی حیثیت صوبہ جاتی نوعیت کی تھی!

ہمایوں جب ایران سے واپس آیا (1555ء) تو چونکہ ایرانی فوج کی مدد سے اس کو قندھار' کابل اور پھر ہندوستان پر اقتدار حاصل ہوا تھا لہٰذا صفوی بادشاہ کے ایما سے یا خود اپنی خواہش سے بہت سے ایرانی (شیعہ) امراء اس کے جلو میں تھے۔ بیشمار ایرانی سپاہ اس کی قیادت میں تھی اس نے احسان شناسی کے جذبہ سے متاثر ہو کر اس سپاہ کو اپنی سپاہ بنایا اور ایرانی امراء کو اپنے دربار میں اعلیٰ مناصب دیئے اور دہلی و آگرہ ایرانی امراء کا مرکز بن گیا اور ایران کی سرزمین کی طرح یہاں بھی ان کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری پوری آزادی مل گئی اور بیرم خاں ہمایوں کا شیعہ وزیر ان کا سرپرست تھا۔ ہمایوں کا دور کوئی طویل دور نہیں ہے' اس کے عہد میں ایرانی شعرا' مصوروں' فاضلوں اور دانشمندوں کے ذریعہ علوم و فنون کو فروغ حاصل ہوا لیکن تصوف کی دنیا پر اسی طرح خاموشی طاری رہی' ہاں یہ ضرور ہوا کہ شطاری سلسلہ کا ظہور ہو چکا تھا۔ اس سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت ابو الفتح سرمست شطاری تھے' ہمایوں ان کا معتقد تھا۔ اس سلسلہ کو خاص ترقی اور عروج شیخ محمد غوث گوالیاری کے ہاتھوں نصیب ہوا۔ تصوف میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کا رسالہ معراجیہ اور جواہر خمسہ بہت مشہور ہیں۔

جواہر خمسہ:۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے شیخ محمد غوث گوالیاری کی تصنیف ہے اس میں وہ اشغال و اوراد ہیں جو اس سلسلہ میں جاری و ساری تھے۔ بعض طبقات میں ان پر کچھ اعتراض بھی کیا گیا ہے لیکن اس حقیقت سے کس طرح چشم پوشی کر لی جائے کہ اس برکوچک میں اصل کتاب اور اس کے متعدد اردو تراجم بھی اس کثرت سے شائع ہوئے ہیں جس طرح دوسری مقبول کتب تصوف کے' اسی سے اس کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آج بھی اس کے کئی ترجمے مختلف ناشران کے شائع کردہ دستیاب ہیں۔

جواہر خمسہ کا اندازہ بیان بہت سادہ اور صاف ہے، اس دور کی مسجع و مقفیٰ اور تصنع سے بھرپور انداز بیان سے جواہر خمسہ محفوظ ہے۔ جواہر خمسہ میں پانچ جوہر ہیں، یہ تمام جواہر متعدد اور ادو اذکار پر منقسم ہیں۔ جواہر خمسہ کے متن کی زبان فارسی ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصانیف کلید مخازن۔ کنز الواحدہ۔ ضمائر و بصائر اور رسالہ معراجیہ، میں سے بعض کتب طبع ہو چکی ہیں لیکن کمیاب ہیں۔ میں نے جواہر خمسہ کو اس موضوع کے تحت اسی نقطہ نگاہ کے باعث پیش کیا ہے کہ اس میں جو اشغال ہیں وہ صوفیائے کرام کے ایک طبقہ یعنی "صوفیہ شطاریہ" میں آج بھی جاری و ساری ہیں حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری نے 1562ء میں انتقال فرمایا اور بھارت کے مشہور شہر (ریاست) گوالیار میں ایک عالیشان مقبرے میں آسودہ ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور مشہور ہستی غوثی منڈوی کی ہے جو اپنے تذکرہ کی وجہ سے کافی مشہور ہیں، غوثی منڈوی کا یہ تذکرہ گلزار ابرار بعد کے تذکرہ نگاروں کے لئے ایک ماخذ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

گلزار ابرار:۔ اس کے مصنف غوثی منڈوی سلسلہ شطاریہ کے ایک سرگرم فرد تھے۔ انہوں نے یہ تذکرہ اپنے سلسلہ کے مشائخ خلفا اور دیگر سلاسل کے معاصرین بزرگوں کے حالات قریب ترین عہد سے مرتب کئے ہیں، اسی لئے اس کی اہمیت تاریخی اعتبار سے مستند ہے۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور طبع ہو چکا ہے، آجکل کمیاب ہے۔ گلزار ابرار عہد جہانگیری کی تصنیف ہے، وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محمد غوثی مصنف "گلزار ابرار" کا کب انتقال ہوا۔

شطاریہ سلسلہ کے آغاز ہی میں ایک سلسلہ اور بنام "سلسلہ مداریہ" وجود میں آگیا تھا لیکن مغلیہ سلطنت کے استحکام کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم (حدیث و تفسیر و فقہ) کو جیسے جیسے عروج اور عمومیت حاصل ہوتی گئی ویسے ویسے ایسے سلاسل جو ذرا بھی بظاہر جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے تھے زوال پذیر ہوتے چلے گئے اگرچہ سلسلہ مداریہ جو شیخ بدیع الدین مدارؒ سے منسوب ہے، عوام میں بہت مقبول تھا لیکن ان کی برہنہ تنی اور دوسری بے قاعدگیاں ثقہ حضرات کو پسند نہ تھی اور ان حضرات کی اصلاحی کوششوں سے یہ سلسلہ زیادہ فروغ نہ پاسکا، آگرہ اور دہلی میں اس کو کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی لیکن دوسرے صوبوں اور دور دراز علاقوں میں یہ خوب پھولا پھلا۔ قنوج مدتوں تک اس کا مرکزی مقام رہا اور دوسرے اطراف و اکناف میں بہت عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی سلسلہ کے سالانہ اجتماعات نے "میلا" کا روپ اختیار کر لیا تھا، لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر رعایت لفظی کا استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں،

گئے مدار کی چھڑیوں میں ساتھ غیر کے وہ۔ تمام سال یہ دار و مدار ہم سے رہا

مداریہ سلسلہ میں کسی تصنیف کی تلاش عبث اور لاحاصل ہے کہ جنگلوں میں رہنا اور دھونی رمانا ان کا خاص شعار تھا ان کو قلم اٹھانے کا ہوش ہی کب تھا۔

مغلیہ عہد کا ایک اور فرقہ صوفیہ قابل ذکر ہے، یعنی "فرقہ روشیہ"۔ جس کے بانی پیر روشن میاں بایزید انصاری تھے، اس فرقہ کو افغانستان میں کافی فروغ ہوا۔ اس فرقہ کے سلسلہ میں آپ تفصیلات "رود کوثر" مرتبہ شیخ محمد اکرام مرحوم میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

عہد اکبر و جہانگیر

مغلیہ دور کی تاریخ میں اکبر کا دور فتوحات اور توسیع سلطنت کے اعتبار سے جس قدر درخشاں دور ہے اسی قدر وہ لادینی تحریکات کے سبب سے ایک سیاہ دور بھی ہے' میرے مقدمہ کے صفحات اس کی تفصیل کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے میں تمہید و تفصیل میں جانے کے بجائے صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ "دین الٰہی" کی تحریک جس شدت سے اٹھی تھی اور جس قدر تیزی کے ساتھ پروان چڑھ رہی تھی ایسی فضا میں تصوف کے وہ خانوادے جو دور اکبری سے پہلے آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے جن میں دو خانوادوں یعنی چشتیہ اور سہروردیہ کی سرگرمیوں اور اس سلسلہ کے بزرگوں اور مشائخ کی روحانی عظمتوں کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا' ان کی آب و تاب کا وہی عالم تھا لیکن اب یہ سلاسل برکوچک کے تمام صوبوں میں سرگرم عمل تھے۔

اکبر آباد میں شیخ سلیم چشتیؒ نے چشتیہ سلسلہ کو قائم کر رکھا تھا اور مشہور تاریخی روایت ہے کہ اکبر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے بعد اسی خانقاہ نشین کے حضور میں سرارادت خم کرتا تھا۔ بہار و بنگال' ملتان و گجرات میں سہروردی سلسلے کے بزرگ اپنی کوششوں اور روحانی خدمتوں میں مصروف تھے تو چشتیہ سلسلہ کے مشائخ بھی ساتھ ہی ساتھ سرگرم عمل تھے' دکن میں چشتیہ سلسلہ کو بہت کچھ فروغ حاصل ہو چکا تھا! دوسری طرف مرکز یعنی دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خانقاہ باقویہ رشد و ہدایت کا ایک عظیم مرکز تھی' آپ نے ہندوستان میں ایک پر آشوب دور میں نقشبندی سلسلہ کی مستحکم بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر سلسلہ نقشبندیہ کو وہ فروغ بخشا کہ اس کی ضیاپاشیاں اس وقت تک مجدی نقشبندی خانوادے کی صورت میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ فیضان صحبت اور فیضان نظر تھا کہ نقشبندی سلسلہ کو اس قدر جلد فروغ حاصل ہوا کہ سہروردی اور چشتی سلاسل کی طرح یہ بھی خواص اور عوام کا مرجع بن گیا برکوچک ہندو پاک میں آپ کے اس سلسلہ کو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے اپنی ریاضتوں اور انفاس قدسیہ اور زور قلم سے وہ فروغ بخشا کہ آج بھی اس کی وہ شان و شوکت باقی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی کوئی تصنیف تصوف کے موضوع پر سوائے آپ کے مکتوبات کے دستیاب نہیں ہے۔

اکبر کے ابتدائی دور میں دربار کی رونق اور اکبری مجلس کی زینت صوفیائے کرام نہیں بلکہ علمائے عظام تھے لیکن اکبری دور کی تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ علماء کی باہمی چپقلش اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا کام جب اپنے عروج پر پہنچ گیا تو اکبر نے اپنے وقار اور سطوت شاہی کو پامالی سے بچانے کے لیے ان خاص صحبتوں کو یک قلم ختم کر دیا اور اس کے اندر "تفقہ فی الدین" سے بے دلی پیدا ہونے لگی اور بڑھتے بڑھتے اس نے "دین الٰہی" کا لبادہ اوڑھ لیا! میں تفصیل سے اس کے اسباب و علل کیا بیان کروں' بدایونی کی "منتخب التوارخ" ملا نظام الدین کی طبقات اکبری اور ابو الفضل کی آئین اکبری اور اکبر نامہ ملاحظہ کر لیجئے آپ بہت جلد نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔

ایران سے ایرانی یعنی شیعہ امراء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا وہ کھلم کھلا تو شیعت کا پرچار نہ کر سکے لیکن در پردہ ہمہ وقت ان

کی مساعی کا مرکزی نقطہ یہی تھا' ان کی آمد سے منقولات کی ترویج میں وہ زور اور شدت باقی نہیں رہی۔ معقولات نے زور پکڑا اور فلسفہ' منطق' علم ہیئت و ہندسہ کا ہر طرف طوطی بولنے لگا۔ لیکن قدرت کو چونکہ یہ منظور تھا کہ اس دور میں بھی تعلیمات تصوف کا چراغ شمع محفل بنا رہے اور اس کی ضو پاشیوں سے ظلمت کدہ ہائے قلوب میں محبت الٰہی کی روشنی پہنچتی رہے تو اس نے اپنے کرم سے مفسر زماں محدث علام شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وجود سے دلی کے در وبام کو رونق بخشی! میں یہاں آپ کی سوانح حیات بیان نہیں کروں گا بلکہ آپ کی ان کتب کا ذکر کروں گا جو تصوف کے موضوع پر آپ کے قلم سے نکلیں۔

اخبار الاخیار:۔ موضوع حدیث شریف پر حضرت شیخ محدث قدس سرہ کی تصانیف جس طرح تعریف و توصیف سے مستغنی ہیں اسی طرح آپ کا یہ تذکرۃ الصوفیہ جو حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ کی مشہور تالیف "تذکرۃ الاولیاء" کے اسلوب اور طرز پر لکھا گیا ہے۔ ایک جامع اور بے مثال تصنیف ہے' ہرچند کہ آپ سے پہلے شیخ جمالی کا تذکرہ سیر العارفین لکھا جا چکا تھا لیکن آپ کے تذکرہ "اخبار الاخیار" کو بڑا قبول عام حاصل ہوا' اس تذکرہ میں آپ نے برکوچک ہندوپاک کے اولیا' اصفیا اور بزرگوں کے حالات تاریخی ترتیب کے ساتھ نہایت شگفتہ' سلیس اور تصنع سے عاری فارسی زبان میں تحریر فرمائے ہیں لیکن اپنی قادری نسبت کے لحاظ سے کتاب کا آغاز آپ نے حضرت سیدنا غوث الاعظم قدس سرہ کے حالات سے تبرکا"او تیمنا" کیا ہے۔

اخبار الاخیار جو صوفیہ برصغیر ہندوپاک کا ایک مستند تذکرہ ہے تین طبقات پر مشتمل اور منقسم ہے طبقہ اول میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین سنجری اجمیری قدس سرہ ان کے ہمعصر بزرگوں مریدان خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے سوانح کیلئے مخصوص ہے دوسرا حصہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے مریدوں دوسرے ہمعصر بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے' تیسرا حصہ حضرت مخدوم بشیرالدین محمود المعروف شیخ چراغ دہلوی قدس سرہ کے حال باصفا سے شروع کیا ہے اور اپنے دور (آخر سولہویں صدی عیسوی تک مشائخ صلحاء اور صوفیہ کا ذکر کیا ہے' آخر میں اپنے اسلاف کرام کا مختصر تذکرہ اور 1587ء تک اپنے تمام حالات مختصراً بیان کئے ہیں۔

حضرت شیخ محدث دہلوی کا یہ تذکرہ آپ کے بعد تذکرہ صوفیہ اور برصغیر کی علمی' مذہبی اور ثقافتی تاریخ لکھنے والوں کے لئے ایک مستند ماخذ کا کام دیتا رہا ہے اور آج بھی اس سے بہت کچھ استفادہ کیا جا رہا ہے۔ آپ کی تصانیف میں یہ پہلی کتاب ہے لیکن برسوں کی محنت کے بعد اور تفحص حالات میں سخت کاوش کے ساتھ اس کو آپ نے مرتب کیا ہے۔ اصل کتاب تو کمیاب ہے لیکن متعدد تراجم بکثرت دستیاب ہیں اور اکثر ناشرین کتب نے اس کے تراجم شائع کئے ہیں۔

اصل سے چند سطریں بطور نمونہ پیش کرتا ہوں تاکہ انداز تحریر' اسلوب بیان کی دلکشی اور اعجاز و اختصار کی ایک جھلک نظر کے سامنے آجائے۔ حضرت محدث دہلوی شیخ مخدوم مولانا عماد الدین غوری کے ذکر میں رقمطراز ہیں:۔

دایں مولانا عماد از اولاد آں مولانا عمادؒ داست کہ در زمان محمد تغلق بود' می گویند

کہ محمد تغلق در ایام غرور سلطنت خود گفتہ بود کہ فیض خدا منقطع نیست چرا باید کہ فیض نبوت منقطع باشد واگر کسے حالا دعوائے پیغمبری کندو معجزہ نماید تصدیق کنیدیانہ؟ مولانا عماد برخورد وگفت کہ گہ مخور' چہ میگوئی! محمد تغلق حکم کرد کہ اور اذبح

کنند و زبان اش بر آرند رحمتہ اللہ علیہ"۔
کہ محمد تغلق یہ مولانا عماد ان مولانا عماد کی اولاد سے ہیں جو محمد تغلق کے عہد میں تھے' ان کے بارے میں کہا جاتا ہے نے نشہ سلطنت سے مست و مغرور ہو کر ان سے کہا تھا کہ جب اللہ تعالی کا فیض منقطع نہیں ہے تو نبوت کا فیض بھی منقطع نہیں ہو گا پس اگر کوئی شخص پیغمبری کا دعوی کرے اور معجزہ دکھائے تو تم اس کی رسالت کی تصدیق کرو گے یا نہیں؟ مولانا عماد کو تاب ضبط نہ رہی اور انہوں نے محمد تغلق سے کہا کہ کیوں "گوہ" کھاتے ہو (بکواس کرتے ہو) یہ سنکر محمد تغلق نے حکم دیا کہ مولانا عماد کو قتل کر دیا جائے اور ان کی زبان کھینچ لی جائے۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ اخبار الاخیار کی زبان کس قدر سلیس و آسان اور انداز بیان کسقدر شگفتہ اور سادہ ہے ہر چند کہ اس دور کی نظم و نثر تصنع اور پر شکوہ الفاظ و تراکیب سے خالی نہیں تھی لیکن حضرت محدث دہلویؒ کا یہی اندازہ بیان آپ کی دوسری فارسی تصانیف میں موجود ہے' اشعہ اللمعات شرح شکوہ شریف میں بھی ایسی ہی سلیس اور سادہ زبان اختیار کی ہے کہ معمولی فارسی داں بھی مطالب سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔

اخبار الاخیار حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے "تذکرہ الاولیاء" کے انداز پر تحریر کیا گیا ہے اور ضخامت بھی تقریباً اتنی ہے۔ البتہ نفحات الانس سے ضخامت میں کم ہے۔

زاد المتقین حضرت شیخ محدث دہلویؒ کی اس تصنیف کو بھی تذکرہ کی حیثیت حاصل ہے' اس میں چونکہ انہوں نے اپنے شیوخ رحمتہ اللہ تعالی علیہم کے حالات بیان فرمائے ہیں اس اعتبار سے اس کو تذکرہ الصوفیہ میں جگہ دی جاسکتی ہے ورنہ بحیثیت مجموعی یہ ایک عمومی تذکرہ ہے جس میں ان کے شیوخ کے علاوہ ان کے اساتذہ کرامؒ کے بھی حالات ہیں اور مصنفین دہلی کا بھی تذکرہ ہے۔ یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے اور فارسی زبان سے اردو میں اس کا ترجمہ حیدر آباد سے شائع ہو چکا ہے۔

جیسا کہ میں آغاز میں تحریر کر چکا ہوں کہ حضرت محدث دہلویؒ قادری سلسلہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی متعدد تصانیف کو اردو میں منتقل فرمایا ان کتب میں حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مستند سوانح حیات جو آپ سے بہت قریب زمانہ مابعد کی تصنیف ہے یعنی بہجت الاسرار اور عربی زبان میں حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جامع اور مستند سوانح حیات ہے۔ اور بعض حضرات اس کو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کی تصنیف بتاتے ہیں' بہجتہ الاسرار قادریؒ سلسلہ میں بہت ہی مقبول کتاب ہے اور ہندوستان میں بھی اس کی مقبولیت دوسرے ممالک سے کسی طرح کم نہیں تھی' استفادہ عام کے خیال سے شیخ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی تلخیص فارسی زبان میں "زبدۃ آلاثار" کے نام سے کی اور آپ کی دوسری تصانیف کی طرح "زبدۃ آلاثار" کو بھی عوام میں بڑی قبولیت حاصل ہوئی' چونکہ بہجت الاسرار کمیاب ہے لہذا اکثر حضرات نے "زبدۃ آلاثار" کے اردو تراجم کئے اور لاہور سے شائع شدہ ایک ترجمہ اردو زبدۃ الآثار کے نام سے ہر جگہ دستیاب ہے۔

شرح فتوح الغیب:۔ جیسا کہ میں حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تصانیف کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں

اور آپ فتوح الغیب کے سلسلہ میں ایک مختصر سا تعارف ملاحظہ فرما چکے ہیں، حضرت شیخ محدث دہلوی نے عوام کے افادہ کے لئے اس بلند پایہ اور گرانمایہ کتاب کا فارسی زبان میں نہ صرف ترجمہ بلکہ جگہ جگہ ان نکات و اسرار تصوف کی جو حضرت غوث اعظم قدس سرہ کے قلم معرفت طراز سے نکلے تھے وضاحت اور تشریح فرمائی اس لئے اس کو ترجمہ فتوح الغیب کی بہ نسبت "شرح فتوح الغیب" کہنا زیادہ صحیح ہو گا- پاکستان میں اس "شرح فتوح الغیب" کا ترجمہ شائع نہیں ہوا- یوں فتوح الغیب کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں[1]- اس کتاب کو شائع کرنے کا فخر ہندوستان کے مشہور مطبع نو لکشور پریس کو حاصل ہوا ہے، شرح فتوح الغیب پاکستان میں کمیاب ہے ممکن ہے کہ بعض کتب خانوں میں مطبوعہ کتاب موجود ہو!

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف کردہ فتوح الغیب کی طرح، حضرت محدث دہلوی نے آپ کی مشہور زمانہ کتاب "غنیتہ الطالبین" کا بھی فارسی ترجمہ فرمایا اور مقصد یہی تھا کہ ارشادات غوث ربانی ہندوستانی مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ عام ہو جائیں- چونکہ یہ کتاب فقہی مسائل پر مشتمل ہے صرف آخر میں ایک مبسوط باب "آداب المریدین" کے عنوان سے اس میں موجود ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ غنیتہ الطالبین بھی ایک اعتبار سے تصوف ہی کے موضوع پر ہے کہ طریقت و شریعت جداگانہ چیز نہیں لیکن کتاب کا 8 میں سے 7/8 حصہ ارکان اسلام اور دوسرے شرعی مسائل وفضائل شہور وغیرہ سے متعلق ہے صرف 1/8 حصہ میں آداب المریدین حضرت قدس سرہ نے تعلیم فرمائے ہیں- اس لئے میں نے اس کتاب کا تصوف کے تحت تعارف نہیں کرایا ہے ورنہ کتاب اپنے موضوع بلند پایہ مضامین اور گرانمایہ ارشادات غوثیت کے لحاظ سے آپ اپنا جواب ہے میرا کج مج بیان قلم اس کی کیا تعریف کر سکتا ہے- حضرت محدث دہلوی قدس سرہ کے مکتوبات کا بھی ایک مجموعہ ہے- میں انشاء اللہ اس کا ذکر مکتوبات کے ضمن میں کروں گا-

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف

یہاں یہ موقع نہیں اور نہ میرے مقدمہ کے محدود صفحات اس تفصیل کے متحمل ہو سکتے ہیں کہ میں حضرت مجدد قدس سرہ کے کمالات باطنی اور روحانی کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ بھی کچھ لکھ سکوں، آپ کی جامع کمالات شخصیت پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی بہت کچھ لکھے جانے کی گنجائش ہے آپ کے فیضان روحانی کا دور جلال الدین اکبر کے آخری دور سے شروع ہوتا ہے،

فیضان علمی کا سلسلہ تو بہت پہلے شروع ہو چکا تھا، آپ دور اکبری میں اعلاء کلمہ الحق میں سرگرم ہو گئے تھے اور آپ کی مساعی

مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے اس کا عربی سے ترجمہ فتوح الغیب اردو کے نام سے شائع ہو چکا ہے- وہ اس شرح حضرت محدث دہلوی کا ترجمہ نہیں ہے- (2) راقم الحروف نے 75ء میں اس کا ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کی فرمائش پر کیا تھا الحمد للہ کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں کاش حضرت محدث و محقق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی شرح میرے سامنے ہوتی تو میرے ترجمہ میں مزید افادیت کے پہلو اور محاسن معنوی پیدا ہو جاتے۔

سے عوام و خواص ہدایت یاب بھی ہوئے اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں' آپ کے روحانی فیضان کی شدت اور ہمہ گیری کا تعلق دور جہانگیری سے زیادہ ہے۔ مجھے تو یہاں صرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی چند تصانیف کا تعارف کرانا مقصود ہے کہ یہی اس دیباچہ یا مقدمہ میں میرا موضوع ہے! ہرچند کہ آپ کے مکتوبات (موسوم بہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ) موضوع تصوف پر شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی جامعیت اور بلند مائیگی کے سلسلہ میں آئندہ اوراق میں مکتوبات کے تحت عرض کروں گا کہ میں نے ملفوظات اور مکتوبات کے لئے جداگانہ عنوانات قائم کئے ہیں میں وہاں بلند پایہ اور اعلیٰ مرتبت مکتوبات پر کچھ تفصیل سے عرض کروں گا یہاں مجھے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی دیگر تصانیف تصوف کا مختصر تعارف کرانا مقصود ہے' محققین اور ارباب فکر و نظر نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کی پہلی تصنیف رسالہ تہلیلیہ کو قرار دیا ہے۔

رسالہ تہلیلیہ حضرت خواجہ باقی باللہ بیرنگ قدس سرہ کی بیعت سے قبل کی تصنیف ہے' شیخ محمد اکرام مرحوم رود کوثر میں رقمطراز ہیں۔

> "حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک اور رسالہ جو انہوں نے خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے لکھا اور اب ڈاکٹر غلام مصطفے خاں صاحب کی بدولت پہلی مرتبہ منظرعام پر آیا' رسالہ تہلیلیہ بیس بائیس صفحے کا چھوٹی تقطیع کا مختصر رسالہ ہے'
>
> (رود کوثر ص 244)

رسالہ تہلیلیہ --- جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کلمہ طیبہ کی مکمل تفسیر ہے اس تفسیر میں علماء کرام اور مفسرین کے بیان کردہ حقائق کو پیش کیا ہے تصوف سے زیادہ اس کا تعلق شریعت سے ہے چونکہ متکلمین اور صوفیاء کرام کی آراء کی تطبیق اور اس کے معانی پر اتفاق آرا کو خاص طور سے پیش کیا ہے اس لئے جزوی طور پر اس کو تصوف و طریقت کا بھی ایک مختصر رسالہ کہا جا سکتا ہے' جزو اول یعنی "لا الہ الا اللہ" کے سلسلہ میں وجود باری اور ذات باری کے مباحث یعنی فلسفہ الہیات کو کمال بالغ نگاہی سے پیش فرمایا ہے' جزو دوم رسالت محمدی سے متعلق ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں فضائل و اوصاف بے مثالی کو کمال تبحر کے ساتھ پیش فرمایا ہے' اس رسالہ کا جزو ثانی' آپ کے رسالہ اثبات نبوت' سے مشابہت قریبی رکھتا ہے بقول شیخ محمد اکرام مرحوم دونوں میں خاص فرق یہ ہے کہ:

> "اثبات نبوت" میں صوفیانہ رنگ بہت ہلکا ہے اور رسالہ تہلیلیہ میں بہت نمایاں ہے"۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے کے بعد آپ نے دو رسالے اور تصنیف فرمائے یعنی:۔

رسالہ معارف لدنیہ:۔ حضرت باقی باللہ قدس سرہ کو اپنے اس فاضل اور عالی مرتبت عالم تبحر اور باکمال صاحب معرفت و طریقت مرید پر اس قدر اعتماد تھا کہ اکثر خواستگاران تربیت کو سرہند آپ کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ یہ رسالہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے انہی طالبان حقیقت اور سالکان راہ طریقت کی رہنمائی کے لئے مرتب فرمایا تھا۔ جس میں آپ نے معرفت الہی کے مختلف پہلوؤں کو ضروری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور احوال و مقامات طریقت کو پیش کیا ہے' مقصود یہی تھا کہ اس رسالہ کے مطالعہ سے طالبان سلوک میں علم لدنی کے فہم کی صلاحیت کی نشونما ہو سکے' رسالہ معارف

لدنیہ ایک خالص صوفیانہ رنگ کی تصنیف ہے لیکن جیسا کہ آپ کا تمام زندگی یہ شعار رہا کہ آپ نے شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کرنے میں کوشش فرمائی اور اتباع شریعت کو روح طریقت قرار دیتے رہے اور اسی نصب العین کی تکمیل میں ہمیشہ سعی فرماتے رہے' اس طریقت و معرفت کی بنیاد بھی آپ نے اتباع شریعت ہی پر رکھی ہے اور **رسالہ مبدا و معاد** اسی کی ایک دلنشین توضیح ہے' آپ نے نہایت واضح طور پر ان اقدامات کی مذمت کی ہے جو شریعت اور طریقت کو الگ الگ راستے قرار دیتے ہیں اور ایسے لوگوں درویشوں یا صوفیوں کو "درویشان خام و ناتمام" قرار دیا ہے جو کسی ایسے راستے پر گامزن ہیں جہاں اتباع شریعت کا پورا پورا احترام نہ ہو' ان رسالوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے نقشبندی نظریہ تصوف کو جو حقیقت میں عین اسلام ہے اپنے تبحر علمی اور کمال روحانی سے بڑی شدت کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں کہیں لچک یا فرد گزاشت کا یا تاویل کا موقع نہیں رکھا ہے' اکبری دور کی دینی بے راہ روی یا آزادہ روی کے جو اثرات جہانگیری دور میں در آئے تھے اس کا بہترین علاج اسی طرح ہو سکتا تھا اور وہ مادۂ فاسد جو معاشرے کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا اسی تیز نشتر سے نکالا جاسکتا ہے' حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے یہ رسائل ہی آپ کے بلند اور اعلیٰ مقام اور علمی تبحر اور حال معرفت کے آئینہ دار ہیں لیکن آپ کے حقائق عرفان کا اصل گنجیہ آپ کے مکتوبات ہیں جو تعداد میں 526 ہیں اور دو جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کے مکتوبات گرامی کے سلسلہ میں آئندہ اوراق میں کچھ عرض کروں گا۔

زبدۃ المقامات:۔ سیرہ العارفین' اخبار الاخیار اور گلزار ابرار کی طرح کہ وہ چشتیہ و سہروردیہ اور شطاری سلاسل صوفیاء کرام کے بلند پایہ' گرانمایہ اور جامع تذکرے ہیں اسی طرح زبدۃ المقامات اولین مشائخ نقشبندیہ ہندیہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ بیرنگ اور حضرت امام ربانی قدس سرہما کی پاکیزہ اور لائق تقلید زندگیوں کا ایک پاکیزہ مرقع ہے' حضرت باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہما کے مفصل حالات زندگی آپ کے ایک مشہور مرید خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے مرتب کئے ہیں جو مکتوبات امام ربانی حصہ سوم کے بھی جامع ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ جناب خواجہ قاسم درویشؒ کے صاحبزادے اور قصبہ کشم ولایت بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ عالم شباب میں حصول معرفت کی طلب صادق آپ کو ہندوستان لے آئی اور اولاً برہان پور میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صاحب ارشاد میر محمد نعمان خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی صحبت میں رہے اس کے بعد 1031ھ میں حضرت مجدد صاحب نے آپ کو سرہند بلالیا یہ دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور تشنگی عرفاں دور کی۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے مقبول اور محبوب مریدوں میں سے تھے مکتوبات (ہرسہ دفتر) میں متعدد مکتوب آپ کے نام ہیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی مذاق شاعری بھی رکھتے تھے ان کے اکثر اشعار اپنے مرشد کی منقبت پر مشتمل ہیں' صاحب حضرات قدس خواجہ بدر الدین خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے "حضرات قدس" میں ایک غزل اور ایک مثنوی کے تقریباً 40 اشعار نقل کئے ہیں جو مرشد کی منقبت میں ہیں' لیکن حیرانی ہو گی کہ صاحب "حضرات قدس" نے آپ کی اس گرانمایہ تصنیف یا تذکرہ یعنی "زبدۃ المقامات" کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے جب کہ یہ صحیح طور پر بتایا ہے کہ آپ مکتوبات امام ربانیؒ جلد سوم کے جامع ہیں' خواجہ بدر الدین لکھتے ہیں:۔

در آنحقیقت بہ برہانپور نشست' جامع جلد ثالث مکتوبات قدسی آیات حضرت ایشاں' آنجناب است" ممکن ہے کہ مکتوبات کی جلد

ثالث کی تالیف کے بعد "زبدۃ المقامات" مرتب ہوئی ہو اور خواجہ بدر الدین کا انتقال ہو چکا ہو' زبدۃ المقامات' کی تالیف کا ابتدائی کام اس وقت شروع ہو چکا تھا جب آپ حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں پہنچ چکے تھے یعنی 1032ھ لیکن اس کا تکملہ برہانپور میں 1037ھ میں ہوا۔

"زبدۃ المقامات" مشائخ نقشبندیہ ہندیہ پر پہلا جامعہ اور مبسوط تذکرہ ہے۔ "زبدۃ المقامات" حضرت شیخ باقی باللہ قدس سرہ کے حالات کرامت آیات سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد آپ کے چند مشہور و معروف خلفاء کے تفصیلی حالات ہیں پھر امام ربانی قدس سرہ کی سیرت یا سوانح بہت ہی جامع انداز میں پیش کی ہے جس میں آپ کے بزرگوں خصوصا آبا و اجداد کا ذکر بھی مستند حوالوں کے ساتھ کیا ہے' بایں معنی "زبدۃ المقامات" مشائخ نقشبندیہ ہندیہ کا پہلا تذکرہ ہے اور اپنے موضوع پر جامع اور مستند ہے۔

"زبدۃ المقامات" سے یہاں چند سطور محض اسلوب بیان کے اظہار کے لئے پیش کرتا ہوں۔

اگرچہ بعد ازاں سلطان ازیں امر نادم پشیماں شد و عذرہا خواست اماوے را ایں سو' ادب نامبارک آمد' شورہا و فتورہا در مملکتش پیدا شد و بر بعضے دیار معتبرہ او ایرانیاں غالب شدہ در تصرف خود آوردند' خودش .خفقہ ہائے مہلک' مبتلا گشت تا بہماں رفت

خواجہ ہاشم کشمیؒ کے ایک مکتوب کی چند سطریں' جو عرضداشت کے نام سے اپنے مرشد والا مرتبت کی خدمت میں ارسال کیا گیا' میرے قارئین ملاحظہ فرمائیں:۔

"وظہور نسبت را دریں ایام بدو طریق می یابم' گاہ ظہور نسبت و فکر و ذکر و توحید' نگراں و طاعت می یابم کہ تبوسل ایں ہارا ہنے کشادہ می گردد وگاہ بے ایں واں' ازاں سوئے بے سو' ارادتے عظیم فروی رسد و سالک را بہ تمامہ از خود می رباید"۔

(زبدۃ المقامات)

زبدۃ المقامات بر کوچک ہندوپاک کے مشہور مطبع نو لکشور لکھنؤ سے 1890ء میں پہلی بار شائع ہوئی اس کے بعد اسی نسخہ مطبوعہ کی متعدد نقول مختلف مطابع نے شائع کی ہیں' اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات و مقامات کے سلسلہ میں خصوصاً زبدۃ المقامات ایک جامع اور مبسوط تصنیف ہے اور اس لحاظ سے بھی بہت قابل قدر ہے کہ یہ مشائخ نقشبندیہ ہندیہ کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس تالیف کے کافی عرصہ بعد اس سلسلہ کی دوسری تصنیف اور زیادہ جامع تذکرہ "حضرات قدس" شائع ہوا۔

عہد شاہجہانی صاحبقران ثانی

(1037ء) تا (1067ء)(1658ء)

اکبر اور جہانگیر کا دور علوم عقلی کے فروغ کا دور کہا جاتا ہے' فن تاریخ فلسفہ اور منطق کا خوب عروج ہوا اور ساتھ ہی ساتھ فن شاعری اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ جہانگیری کا دور اکبر کی مذہبی آزادہ روی سے نسبتاً پاک و صاف رہا۔ علمائے حق اور صلحائے تقوی شعار کی کوششوں سے اکبر کے دین الٰہی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ تو عہد جہانگیری ہی میں بجھ گیا تھا لیکن اس چراغ مردہ کا کچھ دھواں ابھی تک فضائے خیال پر چھایا ہوا تھا کہ حضرت شہاب الدین شاہجہاں کی دین پروری اور اسلام دوستی کے باعث وہ دھواں بھی چھٹ گیا۔ تصوف کے تن مردہ میں جان آئی اور شریعت او طریقت کی وہ کوشش جن کا آغاز حضرت عبدالحق قادری محدث دہلوی کے قلم نے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہما کے انفاس قدسیہ نے کیا تھا' بار آور ہوئیں' شاہجہاں کو علمائے شریعت سے جس طرح تعلق خاطر تھا اسی طرح وہ اصحاب طریقت کا والہ و شیفتہ تھا۔ حضرت شاہ ابو المعالی قادری رحمتہ علیہ سے اس کا تعلق اور قلبی فریفتگی تاریخ کے صفحات پر آج بھی موجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات روح ایمان و عرفان کی بالیدگی کا سامان اور اہتزاز کا ذریعہ تھے' حضرت محدث دہلوی قدس سرہ نے حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو شمع روشن کی تھی اور لمعات واشعہ اللمعات' مدارج النبوت (ہردو حصص) جذب القلوب کے ذریعہ اس روشنی کو شب کورنگاہوں اور دینی اضمحلال کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانے والوں تک پہنچایا تھا اس کے مفید نتائج برآمد ہو رہے تھے' قادریہ سلسلہ کی طرح نقشبندیہ سلسلہ بھی فروغ پا رہا تھا۔

اس دور میں تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک کتاب "زبدۃ المقامات" کا تعارف تو میں آپ سے کرا چکا ہوں۔ آپ اس کو عہد جہانگیری اور شاہجہانی دونوں ادوار سے متعلق کرسکتے ہیں۔ کہ اس کا آغاز تالیف و ترتیب تو عہد جہانگیری ہے اور اشاعت کا سال جلوس اول شاہجہانی ہے۔ اس دور میں مجددی سلسلہ کی دوسری کتاب "حضرات قدس" ہے جس کا مختصر تعارف آپ سے کراتا ہوں۔

حضرات قدس:۔ کے مصنف خواجہ بدرالدین سرہندی (سرہندی) خلیفہ امام ربانی مجدد الفؒ ثانی ہیں۔ خواجہ بدر الدین سرہندی نے "زبدۃ المقامات" کی تالیف کے پانچ سال کے بعد 1042ھ میں مکمل کیا۔ لیکن مسودہ کی تبیض اور اس کی نقول کے آغاز کا زمانہ 1052ھ ہے' اس طرح یہ تذکرہ "زبدۃ المقامات" سے 13' 14 سال بعد منصۂ شہود پر آیا اور حیرانی ہے کہ خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خواجہ تاش اور حضرت امام ربانی کے محبوب خلیفہ کی اس علمی اور سلسلہ نقشبندیہ کی عظیم اور اولین خدمت کا ذکر نہیں کیا ہے' بہرحال میں اس موضوع پر اور کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ یہ بات بڑی تحقیق کی خواستگار اور تفصیل کی طالب ہے۔

حضرات قدس:۔ عہد شاہجہانی کی ایک گراں قدر تصنیف اور سلسلہ مشائخ نقشبندیہ کا جامع تذکرہ ہے۔ "زبدۃ المقامات" تو صرف مشائخ "نقشبندیہ ہندیہ" کے سوانح اور پاکیزہ حالات پر مشتمل ہے لیکن حضرات قدس میں اس سلسلہ کو سرور کونین حضور پرنور احمد مجتبی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین سے شروع کیا ہے لیکن صرف نعت نبوی بیان کی ہے اس کے بعد شجرہ عالیہ نقشبندیہ منثور و منظوم پیش کرکے خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں بعد ازاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ تک جتنے اکابر نقشبندیہ گزرے ہیں ان کا اور بعض خلفاء کا بہت ہی مختصر ذکر ہے (اگر تفصیل ہوتی تو ایک بہت ہی ضخیم اور مبسوط دفتر کی ضرورت ہوتی) یہ تمام مباحث حضرت اولی میں بیان کئے گئے ہیں حضرت شیخ بدر الدین سرہندیؒ نے "باب" کے بجائے لفظ "حضرت" استعمال کیا ہے اس طرح "ابواب" کے بجائے "حضرات" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس طرح حضرات قدس بارہ ابواب پر منقسم ہے، حضرت ثانیہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مقدس سوانح شروع ہوئے ہیں اور حضرت (باب) نہم تک ان کو جداگانہ عنوانات کے تحت بیان کیا ہے۔ حضرت (باب) دہم میں آپ کے وصال کی منثور و منظوم تواریخ ہیں۔ حضرت یازدہم (باب 11) میں حضرت مجدد ثانی قدس سرہ کی اولاد امجاد (صاحبزادگان گرامی مرتبتؒ) کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اپنا ذکر بھی کر دیا ہے (کہ خواجہ بدر الدین رحمتہ اللہ علیہ حضرت قدس سرہ کے نامور اور مشہور خلیفہ تھے)۔ اسی حضرت دوازدہم (باب 12) میں خلفا کے ذکر کا آغاز میر محمد نعمانؒ سے کیا ہے اٹھارویں نمبر پر خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوریؒ کا ذکر کیا ہے اور بیسویں نمبر پر اپنا تذکرہ بعنوان ذکر مؤلف کتاب حضرات قدس شیخ بدر الدینؒ کیا ہے! کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قریب العہد (بلکہ ہمعصر) تذکرہ میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی گراں قدر اور سلسلہ نقشبندیہ ہندیہ کے اکابر کے گرانمایہ شاہکار تذکرہ "زبدۃ المقامات" کا ان کی سوانح حیات میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

"حضرات قدس" کی زبان بھی تصنع اور تکلف سے پاک ہے اس لئے عام فہم ہے اور انداز بیان دلنشین ہے یہ دو دفتر یا دو جلدوں پر مشتمل ہے جیسا کہ دیباچہ کتاب سے ظاہر ہے، میں صرف چند سطریں بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

> "اما بعد بندہ خاکسار بے مقدار، دور از کار بدر الدین بن شیخ ابراہیم سہرندی مشہور ضمائر اولی البصائر می گرداند کہ چوں دفتر اول کتاب "حضرات القدس" کہ محتوی بر ذکر مقامات مشائخ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ است، مرتب و مسلسل از ذکر مناقب و ماثر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ تا ذکر مقامات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ الاقدس باتمام رساندم"۔

خواجہ بدر الدین سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کی بعض اور تصنیفات بھی ہیں، عہد شاہجہانی میں آپ کے علم و عرفان کا اس قدر شہرہ تھا کہ درویش شاہزادہ بلند اقبال نے 1047ء میں آپ سے درخواست کی کہ آپ بہجتہ الاسرار اور روضتہ النواظر کو عربی سے فارسی میں ترجمہ فرمائیں آپ نے شہزادہ کی یہ فرمائش قبول کرلی۔ اس کے علاوہ آپ نے فتوح الغیب کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور اصطلاحات تصوف اور اشغال قادریہ میں ایک رسالہ فوائح مرتب کیا اس کے علاوہ "سنوات الاتقیا" مرتب کی جو ایک بہت ہی بلند پایہ کتاب ہے۔ خود مؤلف "حضرات القدس" باب نہم میں اپنی تالیفات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

وسنوات الاتقیا دربیان تواریخ وصال و احوال ارباب کمال از خلقت آدم تا زمان خود تالیف نمودم"۔

حضرات القدس کو جو شہرت اور قبول عوام و خواص میں حاصل ہوا وہ آپ کی کسی دوسری تالیف و تصنیف کو حاصل نہ ہو سکا حضرات قدس کے بعد سنوات الاتقیا کو خاص شہرت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد تالیف ہے "حضرات قدس" متعدد بار شائع ہو چکی ہے 1971ء میں محکمہ اوقاف پنجاب" لاہور نے اس کو بکمال صحت و خوبی شائع کیا ہے' اس سے قبل معروف مطبع نو لکشور لکھنؤ سے انیسویں صدی ہجری میں شائع ہوئی تھی' حضرات قدس کے متعدد تراجم بھی شائع ہوئے ہیں 1922ء میں لاہور سے اس کا ایک بہت ہی سلیس اور عمدہ ترجمہ' صحت کے ساتھ شائع ہوا تھا آجکل کمیاب ہے۔

حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی کی ولادت تقریباً 1002ھ ہے اور سال وفات مجھے باوجود تلاش و تفحص کے نہ مل سکا کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ سنوات الاتقیا جیسی اہم تاریخی کتاب کے مرتب کا سال وفات نایاب ہے۔

سیرالاقطاب:۔ سیرالاقطاب کے مصنف شیخ الہدیہ چشتی ابن شیخ بنیا چشتیؒ ہیں بعض حضرات نے ان کا نام نامی اللہ دیہ لکھا ہے' آپ بھی دور شاہجہانی کی ایک برگزیدہ شخصیت ہیں اور اپنے تذکرۂ خواجگان چشت یعنی سیرالاقطاب کے باعث مشہور و معروف ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کرچکا ہوں خالص موضوع و مباحث تصوف پر کوئی جامع اور مبسوط کتاب "کشف المحجوب" کے بعد تصنیف نہیں ہوئی صرف مکتوبات کے دو مجموعے ہیں اور اگر ان کو بحسب عنوان مرتب کیا جائے اور مسائل مختلفہ کو موضوع وار جمع کر دیا جائے تو وہ تصوف کی بلند پایہ کتابوں کی صورت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

مکتوبات کے ان مجموعوں سے میری مراد مکتوبات شیخ الشیوخ حضرت شرف الدین یحیی منیریؒ (مکتوبات صدی دو جلد) اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہما (ہرسہ دفتر) ہیں کہ طریقت و معرفت کے تمام مباحث اور موضوعات ان مکتوبات میں زیر بحث آگئے ہیں' میں آئندہ اوراق میں مکتوبات کے عنوان کے تحت کچھ وضاحت سے لکھوں گا' حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی اس بر کوچک ہندو پاکستان میں اورنگ زیب عالمگیر تک موضوع تصوف پر جو کچھ کام ہوا وہ مکتوبات' ملفوظات اور صوفیائے کرام کے تذکروں تک محدود رہا یا کچھ رسائل مختلف عنوانات کے تحت بعض صوفیانہ مباحث پر تحریر کر دیئے گئے' آپ کو اس طویل دور میں کشف المحجوب کے علاوہ عوارف المعارف' قوت القلوب' مرصاد العباد' فصوص الحکم' فتوحات مکیہ' احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کی مانند ضخیم و مبسوط تصانیف موضوع تصوف پر دستیاب نہیں ہوں گی اور نہ ہماری ثقافت کی تاریخ ان کا کچھ پتہ دیتی ہے۔ بہرحال اس طویل دور میں جو تذکرے لکھے گئے ان کے ذریعہ سلاسل صوفیہ کی مبسوط اور جامع تاریخ ضرور مرتب ہو سکتی ہے۔

سیرالاقطاب بھی سیرالاولیا اور سیرالعارفین کی طرح ایک متوسط ضخامت کا تذکرہ ہے جو حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے ذکر شہید سے شروع ہوتا ہے کہ چشتیہ حضرات کا سلسلہ آپ ہی سے شروع ہوتا ہے یا آپ ہی کی ذات گرامی پر منتہی ہوتا ہے' اس کے بعد حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ کا تذکرہ ہے اور پھر دیگر مشائخ سلسلہ چشتیہ کا تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کے بعد' مصنف سیرالاقطاب نے سلسلہ صابریہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ کو بیان کیا ہے کہ مصنف سلسلہ صابریہ چشتیہ

میں بیعت تھے اس طرح کل 31 مشائخ چشت کو بیان کیا ہے اور یہ سلسلہ محب الاولیاء حضرت شیخ عبدالسلام المعروف بہ شاہ اعلیٰ قدس سرہ پر ختم ہوتا ہے، حضرت شاہ اعلیٰ شیخ الھدیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر طریقت تھے۔ کتاب کی تصنیف کا آغاز بقول مصنف 1036ھ میں ہوا اور 1056ھ میں تکمیل کو پہنچی۔

سیر الاقطاب روایات و کرامات کے تذکرے پر زیادہ تر مبنی ہے۔ تاریخی حقائق بہت کم بیان کئے ہیں، بزرگان تذکرہ اور اکابرین سلسلہ کی تاریخ ولادت و وفات کے اندراج کی طرف کم توجہ کی ہے، سیر الاقطاب کی زبان بہت سادہ اور سلیس ہے، ابوالفصل اور فیضی کے طرز انشاء سے متاثر نہیں ہے، سیر الاقطاب خاص طور پر سلسلہ صابریہ چشتیہ کیلئے ایک اچھا ماخذ ہے، یہ کتاب حیدر آباد دکن سے سب سے پہلے اور اسکے بعد مطبع نو کشور لکھنؤ سے 1331ھ میں شائع ہوئی تھی۔ بمبئی کے ایک مطبع نے بھی اسکی شائع کیا تھا۔ چند سال ہوئے کراچی سے اسکا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ میرے پاس اسکا نو لکشوری نسخہ موجود ہے۔

شاھزادہ بلند اقبال درویش دوست دارا شکوہ

شاہجہاں (شہاب الدین ابن نور الدین جہانگیر) کو فقرا، صلحا، علما سے جو خاص لگاؤ تھا وہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اگر آپ شاہجہاں کی علم نوازی اور فقرا دوستی کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں تو شاہجہانی عہد کے مشہور راسگو مورخ محمد صالح کنبوہ کی گران قدر تاریخ "عمل صالح" جلد سوئم ملاحظہ فرمائیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شاہجہاں آباد کیسے کیسے علمائے تبحر کا مامن و مستقر تھا اور کیسے کیسے بلنّد پایہ ارباب تصوف اور صلحا شاہجہاں آباد میں مقیم تھے۔

دارا شکوہ کا قیام زیادہ تر دہلی۔ آگرہ اور لاہور میں ظل اللہ (شاہجہاں) کے ساتھ رہا۔ شاہجہاں جب سراپا عجز و انکسار بن کر بزرگان طریقت کی خدمت میں شرف یاب ہوتا تو شہزادہ بلند اقبال بھی ساتھ ہوتا۔ عنفوان شباب میں جب دارا شکوہ علیل ہوا اور اطبائے شاہی نے علاج میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا تو شاہجہاں چہیتے بیٹے کو شاہ میاں میرؒ کی خدمت میں لیکر آیا اور ان کی توجہ سے شاہزادے کو صحت حاصل ہوئی۔ اس ماحول نے شہزادے کے دل میں بچپن ہی سے طریقت و معرفت کی لگن پیدا کر دی تھی، 1634ء میں دوبارہ شاہجہاں حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں باریاب ہوا تو جب بھی دارا شکوہ شاہجہاں کے ہمراہ تھا، ان صحبتوں سے دارشکوہ کو فقراء و صلحاء سے دلی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ شاہزادہ دارشکوہ کو حضرت میاں میرؒ سے والہانہ عقیدت تھی اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہزادہ بلند اقبال کے عقائد یکسر تصوف کے رنگ میں رنگ گئے اور 1643ء میں حضرت ملا شاہ بدخشیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، دارا شکوہ کے اس رجحان کو حضرت شاہ محبؒ اللہ الہ آبادی سے عقیدت کیشی کی بدولت مزید تقویت حاصل ہوئی، چونکہ شاہزادہ نے قادری سلسلہ میں بیعت کی تھی اس لئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ سے اس کے بڑے نیاز مندانہ تعلقات تھے اور ان عقیدت کیشیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ انتظام ملکی سے بالکل کنارہ کش ہو کر ارباب تصوف کی خدمت کو اپنے لئے سرمایہ دنیوی اور اخروی سمجھنے لگا چونکہ شاہجہاں نے بیٹے کی تعلیم پر پوری پوری توجہ کی تھی اور اس کا علمی مرتبہ خاصہ بلند تھا اس لئے اس کے قلم نے اپنی جولانیوں کے لئے تصوف کا میدان پسند کیا اور آج جس طرح اورنگ زیب

عالمگیر کا نام ان کی فتوحات، اسلام پسندی کے باعث یا فتاوی عالمگیری کے باعث زندہ ہے اسی طرح شاہزادہ بلند اقبال دارا شکوہ کا نام نامی سیاسی شکست فاش کے باوجود سفینہ الاولیاء، سکینتہ الاولیاء، شطحیات یا حسنات العارفین کی بدولت زندہ ہے- دارا شکوہ کی تصانیف کے مختصر تعارف سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت ملا شاہ بدخشیؒ، شاہ محب اللہ الہ آبادی اور دوسرے مشائخ کی صحبت نے دارا شکوہ کو وحدت الوجودی رنگ میں رنگ دیا تھا- چنانچہ سفینتہ الاولیاء اور سکینہ الاولیاء کے بعد کی تصانیف میں یہ رنگ بہت نمایاں ہے اور آخری کتاب "سر اکبر" میں اس رنگ کی بے اعتدالیاں اپنی حد سے تجاوز کر گئی ہیں-

سفینتہ الاولیاء شہزادہ دارالشکوہ کی یہ پہلی تصنیف ہے، شاہزادہ سے پہلے اور خود اس کے زمانے میں تصوف پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کا موضوع زیادہ تر "تذکرۃ الصوفیہ" ہی تھا چنانچہ شاہزادہ نے بھی، ملا شاہ بدخشی کی بیعت سے قبل 21/ جنوری 1640ء میں اس تذکرہ کو تمام کیا، تذکرۃ الاولیا، حضرت خواجہ عطارؒ اور حضرت جامی کے تذکرے- نفحات الانس کی طرح یہ تذکرہ (سفینتہ الاولیا) دنیائے اسلام کے 411 (چار سو گیارہ) صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے اور اس اعتبار سے معتبر ہے کہ اس کے ماخذ قدیم مستند تذکرے ہیں- سفینتہ الاولیا کو حضرت میاں میر قدس سرہ کے ذکر پر ختم کیا ہے، کہیں کہیں اپنے تاثرات کو پیش کیا ہے، سلاسل تصوف میں اپنی نسبت قادریت کے لحاظ سے قادری سلسلہ کو سب سے پہلے پیش کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سفینتہ الاولیاء کے سلسلہ میں شیخ محمد اکرام صاحب رود کوثر کا بے لاگ تبصرہ پیش کردوں، شیخ محمد اکرام صاحب مرحوم رقمطراز ہیں:-

> یہ کتاب صحیح اسلامی وسیع القلبی کے ساتھ لکھی گئی ہے اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگرچہ قلت صفحات کی بنا پر بہت تھوڑے ہندوستانی مشائخ کا ذکر کیا ہے لیکن حضرت مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ کا ذکر اہتمام سے کیا ہے اور انکے مخالف انکی نسبت جو الزام لگاتے تھے انکی بالتفصیل تردید کی ہے"- (رود کوثر 444)
>
> ایک اور جگہ شیخ محمد اکرام صاحب سفینتہ الاولیاء کے سلسلہ میں لکھتے ہیں-
>
> "یہ تذکرہ نفحات الانس اور دوسرے قدیم تذکروں سے ماخوذ ہے اور عام طور پر اس کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں"-

لیکن اس بر کوچک پاک و ہند میں حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ اور حضرت جامی کے تذکرے نفحات الانس" کے بعد سب سے زیادہ مقبولیت اسی تذکرہ "سفینہ الاولیاء" کو حاصل ہوئی ہے، یہ تذکرہ جو فارسی زبان میں ہے پہلی بار 1269ء ہجری میں آگرہ سے اور 1872ء میں مطبع نو لکشور لکھنؤ سے اور 1884ء میں کانپور سے شائع ہوا- اس کے بعد اصل متن کے بجائے اس کے ترجمے شائع ہونے لگے اور اب تک متعدد ترجمے اس بر کوچک پاک و ہند شائع ہو چکے ہیں-

سکینتہ الاولیاء:- یہ کتاب دارا شکوہ نے حضرت میاں میر کے مختصر حالات اور اپنے پیر طریقت ملا شاہ بدخشی ان کے خلفاء اور مریدوں کے احوال میں مرتب کی ہے- 1052ھ میں اس کا آغاز کیا اس کی ترتیب کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا

1059ھ میں یہ مکمل ہوئی، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شیخ احمد سنامی رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی سکینتہ الاولیا میں کیا ہے اور ان کی وفات کے سلسلہ میں داراشکوہ رقمطراز ہے:۔

ورحلت ایشاں روز جمع یا زدھم ماہ شعبان سنہ ہزار و پنجاہ و نہ واقع است" سکینتہ الاولیاء میں جو حالات اور سوانح تحریر کئے گئے ہیں، داراشکوہ اس سلسلہ میں لکھتا ہے:۔

"کتاب را با احتیاط و تحقیق تمام کہ اکثر اصحاب حضرت میاں میرؒ حاضر بودند جمع ساخت وانچہ بہ فقیر (داراشکوہ) رسیدہ درقید تحریر در آورد مطلب عبارت آرائی نہ بودہ"

سکینتہ الاولیاء کے متعدد خطی اور قلمی نسخے بر کوچک ہندوپاک اور ایران میں موجود ہیں، برٹش میوزیم میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، ان متعدد نسخوں سے مقابلہ کرکے اسکو سید محمد رضا جلالی قائینی نے "مطبع عالی علمی" تہران سے مارچ 1965ء میں شائع کیا ہے سید محمد جلال قائینی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"کتاب سکینتہ الاولیاء بہ زبان اردو ترجمہ شدہ است و در سال 1920 میلادی در لاہورؒ انتشار یافتہ است وانیک متن فارسی این کتاب نخستین بار در تہران چاپ می شود"۔

راقم السطور شمس بریلوی کے سامنے تہران کا ہی مطبوعہ نسخہ ہے جو 26 + 30 کے 240 صفحات پر محیط ہے، بہت ہی دیدہ زیب اڈیشن ہے۔ کتاب کا آغاز حمد الٰہی سے کیا ہے جو عربی اور فارسی میں ہے۔ اس کے بعد نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہت دل نشین او عقیدت آگیں انداز میں کہی ہے اس کے بعد خلفائے راشدین کی منقبت ہے اور آیات قرآنی سے ان کے فضائل کا استدلال کیا ہے اور اس کے بعد وجہ تصنیف کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:۔

"امابعد می گوید فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ کہ جوں ہمیشہ از بادشاہ مطلق و صاحب یگانہ می خواستم کہ مرا داخل دوستان و دوست داران خود نماید واز جام معرفت خویش جرعہ چشاند و بمراد دل برساند و از غیر خود برہاند و دل من پیوستہ فریفتہ درویشاں می بود و اوقات در جستجوئے ایشاں می گزشت"۔

رسالہ حق نما:۔ داراشکوہ کا یہ رسالہ مسئلہ وحدت الوجود پر ہے اور شاہزادہ داراشکوہ اپنے اس رسالہ کو فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، سوانح عشاق، لوائح ؤلمعات کا تکملہ خیال کرتا ہے، رسالہ حق نما کے دیباچہ میں داراشکوہ رقمطراز ہیں،

"دریں وقت کہ ابواب توحید و فرقان راحق سبحانہ وتعالی بر دل من کشادہ واز فتوحات و فیوضات خاص خود دادہ انچہ دریں رسالہ نگاشتہ می شود دور احاطہ ضبط درمی آید، ان فی ذلك رحمتہ و ذکری لقوم یومنون"۔

یہ رسالہ مختصر 1881ء اور 1910 میں دوبارہ لکھنؤ سے شائع ہوا (نو لکشور پریس) اور 1912 میں اس کا متن انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا۔ لیکن اس رسالہ کو قبول عام حاصل نہ ہوا اور آجکل یہ نایاب ہے۔ اس کا کوئی اردو ترجمہ بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔

حسنات العارفین:۔ سکینتہ الاولیا اور سفینتہ الاولیاء کے برعکس کہ وہ تذکرۃ الصوفیہ ہیں یہ کتاب اکابرین صوفیہ

لہ: 1976ء 1975ء میں پیکیجز لمیٹڈ لاہور نے کاغذ اور طباعت کے اعلی معیار کے ساتھ "سکینتہ الاولیا" کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔

کے کلمات شطحیات کا مجموعہ ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد ہے کہ اب تک دنیائے تصوف میں "شطحیات" کو اس طرح یکجا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ان کلمات کو جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں اور عالم سکر میں صوفیائے کرام کی زبان سے نکل جاتے ہیں، اصطلاح صوفیہ میں "شطحیات" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شاہزادہ داراشکوہ حسنات العارفین کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"در خاطر ایں فقیر رسید کہ آنچ از کبرائے موحدان و بزرگان عارفان کہ بہترین مخلوقات و راست بازان در معاملات اند، سخنان بلند کہ آں را متشابہات و شطحیات نامند، صادر شدہ در کتب و رسائل ایں قوم متفرق است، بانچہ از عارفان وقت خود شنیدہ جمع نماید"۔ سبب تالیف حسنات العارفین (چاپ ایران)

حسنات العارفین کی تالیف کا کام 1062ھ میں شاہزادے نے شروع کیا اور روز دو شنبہ آخر ماہ ربیع الاول 1064ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، حسنات العارفین 1892ء / 1309ھ میں دہلی سے شائع ہوئی تھی اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، ایران میں 1335ھ شمسی میں مجمع البحرین کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے، شیخ احمد مصری نے 1185ھ میں اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور قاہرہ سے شائع کیا ہے اور 1921ء میں اس کا انگریزی ترجمہ متن کے ساتھ مولوی محفوظ الحق نے شائع کیا تھا۔

حسنات العارفین کا موضوع ایسا ہے جہاں صرف خواص اور صاحبان دل کی رسائی ہو سکتی ہے اس لئے یہ رسالہ قبول عام حاصل نہ کر سکا، اسی طرح "مجمع البحرین اور سر اکبر" کی تالیف سے داراشکوہ نے اپنے نظریہ کی تکمیل تو کی لیکن شاہزادہ کے محضر قتل میں اس کے الحاد پر انہی دو کتابوں سے خاص طور پر سر اکبر سے استدلال کیا گیا۔

"مجمع البحرین" میں داراشکوہ نے ان صوفیانہ مصطلحات کو جو ہندو مرتاضوں میں استعمال ہوتی ہیں یعنی اصطلاحات مشترکہ کو جمع کیا ہے تاکہ ہندو اور مسلمانوں میں ارتباط کا ذریعہ بن سکے۔ مجمع البحرین کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

"می گوید فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ کہ بعد از دریافتن حقیقۃ الحقائق و تحقیق رموز و دقائق مذہب حق صوفیہ و فائز گشتنی بایں عطیہ عظمی در صدد آں شد کہ درک کنہ مشرب موحدان ہندو محققان ایں قوم قدیم نماید.......

و بعضے از سخنان کہ طالبان حق را دانستن آں ناگزیر و سود مند است فراہم آوردہ در رسالہ ترتیب دادہ چوں مجمع حقائق و معارف در طائفہ حق شناس بود بہ مجمع البحرین موسوم گردانیدہ"۔

(وجہ تالیف مجمع البحرین)

سر اکبر: یہ کتاب 50 اپنشدوں کا فارسی ترجمہ ہے جس کو 1067ھ میں دارشکوہ نے بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے سنسکرت کے متن سے فارسی کا جامہ پہنایا میں اس سلسلہ میں مزید تعارف نہیں کرانا چاہتا کہ میری نظر میں یہ داراشکوہ کے نام سے صرف منسوب ہے اور اس کا مترجم کوئی ہندو ہے خصوصاً اس کا دیباچہ جو زندیقیت اور الحاد کا طومار ہے قطعی الحاقی ہے، اس سلسلہ میں تفصیلی بحث اپنی زیر ترتیب کتاب "دارشکوہ اورنگ زیب کے آئینے میں" پیش کروں گا۔

حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہ

داراشکوہ کی روحانی تربیت میں حضرت شاہ محب اللہ صاحب الہ آبادی قدس سرہ کا بہت ہاتھ ہے، داراشکوہ کو آپ سے والہانہ عقیدت تھی جس کا اظہار شہزادہ بلند اقبال کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو شہزادہ نے آپ کی خدمت میں ارسال کئے ہیں حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی کا مسلک وحدت تھا یہی وجہ ہے کہ یہ رنگ شہزادہ داراشکوہ پر بھی غالب ہے اور چندر بھان برہمن میر منشی پیشگاہ شاہزادہ بلند اقبال کی صحبت نے اس کو اور بھی جلا بخشی تھی۔ حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی کا تعلق اگرچہ قادری سلسلہ سے نہیں تھا لیکن آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو شیخ کبیر کا درجہ دیا اور کہا ہے اگر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی شیخ اکبر ہیں تو آپ شیخ کبیر ہیں۔ آپ کی موضوع تصوف پر متعدد تصانیف ہیں، ان میں سے بعض تو مشہور زمانہ کتب تصوف کی شروح ہیں جیسے شرح فصوص الحکم، یہ عربی زبان میں لکھی گئی تھی لیکن عام نہ ہو سکی، ممکن ہے کہ بعض کتب خانوں میں اس کے مخطوطے موجود ہوں فصوص الحکم کی ایک شرح آپ نے فارسی زبان میں بھی لکھی تھی جو کمیاب ہے۔ علاوہ ازیں سر الخواص، عبادت الخواص، طرق الخواص، عبادت اخص الخواص اور رسالہ وجود مطلق آپ کے تصوف کے موضوع پر کم ضخامت والے رسالے ہیں۔ آپ کا ایک رسالہ تسویہ بھی تھا جس کا موضوع وحی تھا۔ عہد عالمگیری میں اس رسالہ کی جو آزادہ روی اور آزاد خیالی کا مظہر تھا تمام نقلیں جو بکوشش دستیاب ہو سکیں جلا دی گئیں، رقعات عالمگیری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی مترجمہ راقم الحروف میں داراشکوہ کے مرسلہ خطوط کے جوابات موجود ہیں میں یہاں بخوف طوالت ان کو پیش نہ کر سکوں گا۔

عہد عالمگیری

عہد عالمگیری جس کو اکثر مورخین اور ارباب تحقیق "فقہ اور شریعت کے عروج" کا دور کہتے ہیں، اس سلسلہ میں ہمارے مشہور مورخ "ثقافت اور تہذیب "اور روحانی تہذیب" کی تاریخ کے مرتب شیخ محمد اکرام مرحوم کی یہ چند سطور عہد عالمگیری کا بہترین تجزیہ ہیں، رود کوثر میں شیخ اکرام مرحوم فرماتے ہیں:۔

> "اورنگ زیب کے عہد حکومت میں علوم اسلامی کی بڑی قدر ہوئی لیکن قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے کہ پچاس سال کے طویل عرصہ میں تو شیخ عبدالحق محدث یا امام الہند شاہ ولی اللہ جیسا کوئی جید عالم اور نہ ہی حضرت سلطان المشائخ یا حضرت مجدد الف ثانی جیسا کوئی زبردست شیخ نظر آتا ہے البتہ مدرس اور فقیہ بکثرت تھے"۔ (رود کوثر ص474)

جس طرح شاہجہاں کا دور علوم عقلی اور علوم روحانی (تصوف) کے فروغ کا دور تھا اسی طرح اورنگ زیب کے دور میں

علوم عقلی کا (فروغ تو برقرار رہا لیکن علم روحانی (تصوف) پر ضرور زوال آگیا' دور میں تفحص و تجسس کے باوجود آپ کو اس موضوع لطیف و روحانی پر بلند پایہ نہ سہی اوسط درجہ کی بھی تصانیف نہیں مل سکیں گی' صرف مرشد زادگان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اس دور کی یادگار ہیں' یا ایک کتاب معارج الولایت ہے لیکن اس کو بھی کوئی خاص شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

عہد عالمگیری میں معقولات پر بہت کچھ کام ہوا اور اسی طرح منقولات پر بھی! اس سلسلہ میں شیخ محمد زاہد کا نام لیا جا سکتا ہے' کتب درسیہ نظامیہ پر ان کے حواشی آج بھی ذوق و شوق سے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں' دوسری ہستی حضرت شیخ احمد المعروف بہ ملاجیون کی ہے جن کی تفسیر احمدی اور اصول فقہ میں نور الانوار آج بھی درس نظامیہ میں شامل ہے۔ شیخ احمد اس اعتبار سے بھی قابل ذکر اور لائق ستائش و احترام ہیں کہ آپ کی نگرانی میں عہد عالمگیری میں "فتاوی عالمگیری" کی تدوین ہوئی بعض کم فہم "فتاوی عالمگیری" کی تدوین کو اورنگ زیب کا بے مثال و بے عدیل کارنامہ سمجھتے ہیں افسوس کہ ان کو معلوم نہیں "فتاوی عالمگیری" کی شمع "فتاوی تاتارخانیہ" سے مستنیر ہے جو عہد فیروز تغلق کا بے مثال کارنامہ ہے' بہار کے گورنر اور سپہ سالار خان اعظم تاتارخاں کی زیر سرپرستی شیخ عالم رحمۃ اللہ علیہ ابن عبدالواحد کے ہاتھوں یہ کارنامہ انجام پایا تھا۔

مغلیہ سلطنت کے عہد زوال کا ایک ماہ کامل

حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی قدس سرہ

1703ء تا 1762ء

مغلوں کا زوال اپنی حد کو پہنچ گیا تھا اور مرہٹے شورہ پشتی پر کمر باندھے ایک مرہٹہ سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے' دہلی کا شیرازہ درہم و برہم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالی نے احیاء دین و ملت کے لئے حضرت شاہ عبدالرحیم رحمتہ اللہ دہلوی کو ایک فرزند عطا کیا جس نے احیاء دین و ملت کی ایک تحریک بن کر سر ابھارا' میرے محدود صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں شاہ صاحب کے علمی کمالات' اور آپ کی زندگی کے کارناموں کو بالاجمال بھی پیش کر سکوں میرا موضوع صرف یہ ہے کہ آپ کے سامنے دور بہ دور کی تصانیف تصوف کو پیش کروں اور ان سے آپ کا اجمالی تعارف کرا دوں' باوصف اختصار جبکہ اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ لکھنا ہے دیباچہ ایک کتاب کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

مغلیہ سلطنت کا زوال اور تصوف کے موضوع پر تصانیف

اٹھارویں صدی کے ابتدائی سالوں یعنی 1707ء میں سلطان اورنگ زیب نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ایرانی اور تورانی

امراء کے مابین اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبے خود مختار ہو گئے۔ گویا جس کے جو ہاتھ لگا اس کو ہتھیا کر بیٹھ گیا' یہ سب کچھ نتیجہ تھا مرکز کی کمزوری اور اس باہمی خانہ جنگی کا جو اورنگ زیب نے ایک عظیم الشان سلطنت کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے فرزندوں کے ناتواں کندھوں پر رکھ دیا تھا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد سعادت علی خاں نے اودھ میں' علی وردی خاں نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں خود مختار آزاد ریاستیں قائم کر لیں' میں اس سیاسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا بلکہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس انفرا تفری سے مغلیہ سلطنت کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا اور اس کی جگہ سیاسی انتشار نے لے لی۔ مرہٹے تو ایک مدت سے تاک لگائے بیٹھے تھے انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی قوت کے اس ضعف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جزیہ وصول کرنے والی قوم سے چوتھ وصول کر کے چھوڑی! رہی سہی کسر نادر شاہ کے حملوں نے پوری کر دی بالفاظ دیگر مغل اقتدار کی سنگین دیواروں کے ایک ایک پتھر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا! اس دور انحطاط میں اسلامی ادب پر جو کچھ نہ گزرتی وہ تھوڑا ہے اگرچہ خانقاہوں کے چراغ گل نہ ہوئے لیکن ان کی روشنی میں جو جلوہ فروزیاں اور عام نور بخشی تھی ان کی کرنیں سمٹ کر رہ گئیں۔

اس دور کے مشائخ عظام (قدس اللہ اسرارہم) کے مکتوبات[1] ملفوظات آپ ملاحظہ فرمائیں اس انتشار نے ان کے پر سکون ماحول میں بھی کچھ نہ کچھ درہمی پیدا کی' ہرچند کہ چشتیہ سہروردیہ اور قادریہ سلاسل کے مشائخ ان ظلمتوں کو مٹانے کی کوشش میں مصروف تھے لیکن اس کی تہیں اس قدر دبیز تھیں کہ بہت کم نتیجہ مرتب ہو سکا! لیکن قدرت کو علوم اسلامی کا احیاء یا اس کی نشاۃ ثانیہ مقصود تھی کہ ان مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عظیم کو شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمتہ اللہ کے کاشانہ میں پیدا کیا' یہی وہ فرزند تھا جو اٹھارویں صدی کا آفتاب بن کر چمکا اور جس نے اپنے قلم سے وہ کام لیا جو تلوار سے بھی نہیں لیا جا سکتا تھا یعنی حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے اپنے قلم سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ کو سنوارا اور علوم اسلامیہ کی بجھتی ہوئی شمع کی لو کو اتنا تیز کر دیا کہ تمام برصغیر کے گوشے جگمگا اٹھے' حضرت حکیم الامت کی علمی اور ذہنی مساعی سے سیاسی فوائد کس قدر حاصل ہوئے یہ بتانا میرے موضوع سے خارج ہے' اس کے لئے آپ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ملاحظہ کیجئے۔[2]

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک علمی اور صوفی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد نہ صرف ایک متبحر عالم تھے بلکہ ایک صاحب حال درویش بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمتہ اللہ خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ سے بیعت تھے اور ان سے آپ کو خلافت حاصل تھی۔ حاصل تھی۔ ایسے پاکیزہ ماحول میں شاہ صاحب کی پرورش ہوئی۔ ابھی آپ چار سال ہی کے تھے کہ اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا اور آپ کی جہاں بینی نے مغلوں کا زوال' جاٹوں کی چیرہ دستیاں' سکھوں کی یورشیں اور نادر شاہی یلغار کا چشم عبرت بین سے مشاہدہ کیا۔ مسلمان اس وقت جس مایوسی اور گمرہی

---

[2] مرتبہ خلیق احمد نظامی علیگڑھ' یہ مکتوبات شائع ہو چکے ہیں اور اس دور کے سیاسی انتشار کے مطالعہ کے لئے بڑے سبق آموز ہیں۔

[1] مغلیہ سلطنت کے عہد زوال میں بھی ہمارے مشائخ عظامؒ اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشان ارادت کی اصلاح حال کے لئے قلم کو جنبش دیتے رہے آپ مکتوبات کلیمی (شاہ کلیم اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ) اور مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ ملاحظہ فرمایئے۔

کا شکار تھے اور بیکار سہاروں کا سہارا لے رہے تھے وہ آپ کی نظر کے سامنے تھے' شاہ صاحب کے دل پر مسلمانوں کی اس پستی' بیچارگی اور تباہ حالی کا بڑا اثر ہوا۔ آپ نے جب اسباب زوال کا جائزہ لیا تو آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس تباہی اور زوال کا ایک بڑا باعث یہ ہے کہ مسلمان شعائر اسلامی کو ترک کر چکے ہیں' لہو و لعب کی سرمستیاں' باہمی رقابتیں اور حصول جاہ کے لئے ریشہ دوانیاں اور اعلاء کلمتہ الحق کی خاطر مال و جان کی قربانی سے گریز نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ چنانچہ آپ نے علوم دینی کے احیاء کے لئے اپنے قلم کو جنبش دی اور علوم قرآن حدیث و تفسیر' اصول تفسیر' فقہ میں محیر العقول اور ایسی بے مثال تصانیف پیش کرنے کا فخر حاصل کیا کہ آجتک آپ کی تصانیف اس برصغیر کی تصانیف مذہبی میں بلند پایہ رکھتی ہیں۔ ان سب میں اولیت تو آپ کے اس ترجمہ قرآن شریف کو حاصل ہے جو فارسی زبان میں آج بھی مقبول ہے اور اس وقت عامتہ المسلمین کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خدمت نہیں ہو سکتی تھی' اس ترجمہ کے باعث آپ کو بعض شدائد کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ازالہ الخفاحجتہ اللہ البالغہ (حقائق شریعت پر بڑی مبسوط اور جامع کتاب ہے جس میں احکام دین کو منزل من اللہ ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے) اور ان کے مصالح بیان کئے ہیں۔ "الفوز الکبیرفی اصول التفسیر" اصول تفسیر پر بہت ہی بلند پایہ کتب ہے۔

یہ کتاب بھی حجتہ اللہ البالغہ کی طرح آج بھی عقیدت و احترام سے پڑھی جاتی ہے' علم حدیث میں آپ کی موطاامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح فارسی میں المصفی کے نام سے اور اس کی عربی شرح المسوی کے نام سے موسوم ہے اور بہت مقبول ہے۔ "النوادر اور من الحدیث بھی آپ کی حدیث شریف کے فن سے متعلق ہے اسی طرح الدر الثمین بھی حدیث نبوی کے موضوع پر ایک مختصر کتاب ہے۔ فقہ اور مذاہب اربعہ فقہی پر آپ نے اپنے رسالہ انصاف فی بیان سبب اختلاف میں بڑی حکیمانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ تقلید و اجتہاد پر آپ کی مشہور کتاب "عقدالجیدفی الاجتہاد و التقلید"۔ بھی ایک خاص رنگ پر بے نظیر کتاب ہے۔ آپ کی یہ تمام کتابیں متعدد بار شائع ہو چکی ہیں اور بعض کتب کے اردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں' مجھے افسوس اور شرمندگی ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ان خالص دینی اور مذہبی کارناموں کے بیان میں حق ستائش و تعارف مجھ سے ادا نہیں ہو سکا کہ آپ کا ذکر گرامی اس مضمون میں بحیثیت ایک صوفی کے کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ شاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے انتقال کے بعد تصوف کے موضوع پر (ملفوظات' تذکرہ صوفیہ اور سوانح حضرات صوفیہ سے قطع نظر) شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بعض تصانیف بڑی اہمیت کی حامل ہیں' ان کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ صرف ایک جید عالم' ایک ژرف نگاہ فلسفی اور حکیم ایک محدث عظیم اور مفسر علام ہی نہ تھے بلکہ ایک مرشد کامل کی صلاحیتیں بھی ان کی ذات میں قدرت نے ودیعت فرما دی تھیں۔ شاہ صاحب نے جس زمانہ میں شعور کی آنکھیں کھولی تھیں ہرچند کہ وہ مسلمانوں کے اقتدار کا دور انحطاط تھا لیکن بزم تصوف کے بوریہ نشیں حضرات اپنے نفوس قدسیہ سے محبت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں روشن کئے ہوئے تھے ہرچند کہ پچھلی سی بات نہ تھی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ اور شیخ اعظم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کے عہد کی روحانی فضا ابر آلود ہو گئی تھی لیکن مشائخ نقشبند' مشائخ سہروردیہ' قادریہ اور چشتیہ سلسلہ کے مشائخ مابعد نے ان روحانی محفلوں کو آباد اور بارونق رکھنے کی جو جان توڑ کوششیں کی تھیں ان کے نتیجے میں اسلامی ثقافت و تہذیب کے بہت سے چراغ گل ہو گئے لیکن تصوف کی

شمع لو دیتی رہی اور ذکر خفی و ذکر جلی اپنی مسیحا نفسی سے مردہ دلوں میں زندگی کا لہو دوڑا رہا تھا! پھر یہ کہ شاہ صاحب نے جس گھرانے میں نشو و نُما پائی اور جس عالم متبحر والد گرامی کی رہنمائی میں علم کی منزلیں طے کیں وہ خود ایک مرد درویش، صوفی پاک باطن اور خاندان نقشبندیہ کے حلقہ بگوش تھے یعنی شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت امام ربانی) کے صاحب حال مریدوں میں سے تھے ناممکن تھا کہ حکیم الامت اس فضائے گرد و پیش اور اس قریبی ماحول سے متاثر نہ ہوتے چنانچہ حکیم ا لامت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کو بھی اپنے والد محترم شاہ عبدالرحیم صاحب کی طرح سلسلہ نقشبندیہ باقویہ سے نسبت خاص تھی، اس سلسلہ میں آپ نے اپنے استاد محترم شیخ محمد طاہر مدنی قدس سرہ سے اور لاہور کے ایک بزرگ صوفی حاجی محمد سعید صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا تھا، یوں آپ خانوادہ چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ سے بھی عقیدت کاملہ رکھتے تھے! چنانچہ جب آپ بیعت کرتے تو ان چاروں خانوادوں کے بزرگوں کا نام لیتے تھے۔ جس سے ثابت ہے کہ آپ کی اجازت بیعت کسی ایک سلسلہ تک محدود نہ تھی!

برصغیر پاک و ہند میں شاہ صاحب کی ان کتابوں کو ایک مدت تک پردۂ خفا میں رکھا گیا جس سے آپ کی تصوف دوستی ہی نہیں بلکہ تصوف سے شغف کا پتہ چلتا ہے بلکہ عامتہ الناس پر یہ ظاہر کیا گیا کہ شاہ صاحبؒ تصوف سے بیزار تھے اور اس باطنی نظام روحانی تربیت اور طریقت کی دنیا سے محترز تھے اور جب آپ مکہ مکرمہ میں اپنے استاد اور مرشد شیخ ابو طاہر مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے استفادہ میں مشغول تھے تو شیخ عبدالوہاب (بانی نظریہ وہابیت) آپ کے ہم درس تھے اور آپ ان کے نظریات سے بہت متاثر ہوئے، اگرچہ بعض تصانیف میں اپنے عصر کی بے راہ روی پر آپ نے بڑی کڑی تنقید کی ہے جس سے کچھ حضرات اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ حکیم الامتؒ طریقت کے مسلک پر معترض ہیں اور تصوف کا نظام باطنی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا، لیکن یہ حضرات انفاس العارفین، لمعات، ہمعات اور الطاف قدس کو کہاں چھپا کر لیجاتے ان کتابوں نے ان کی خواہش کے ستون کو پاش پاش کر دیا فیوض الحرمین میں شاہ صاحبؒ نے خلافت ظاہر اور خلافت باطنی پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس کا ایک بین ثبوت ہے کہ شاہ صاحب تصوف کی دنیا سے بیزار نہیں بلکہ اسی دریائے حقیقت کے شناور ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ جو حضرات لوگوں کو دوام حضور کی راہ بتاتے ہیں اور زہد و تقوی کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں ہم ان کو خلفائے باطنی کے نام سے یاد کرتے ہیں"۔ حد یہ ہے کہ حضرت شاہ ولیؒ اللہ کی تصوف دوستی پر پردہ ڈالنے والوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدت الوجود سے بہت متاثر ہیں، ان کے والد محترم بھی اسی نظریہ کے دلدادہ تھے شاہ صاحب نے بھی وحدت الوجودی نظریہ کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے ایک رسالہ میں نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود میں تطبیق کی کوشش کی ہے اور دونوں کی صحت کو برقرار رکھا ہے، بہرحال اب میں اس تمہید سے گریز کرتے ہوئے شاہ صاحب کی ان چند کتابوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے تصوف کے موضوع پر لکھی ہیں اور جن کے ذکر کے لئے مجھے تمہید لکھنا پڑی۔

انفاس العارفین:۔ یہ کتاب فارسی زبان میں اوسط ضخامت کی کتاب ہے اور اس میں شاہ صاحب نے اپنے والد محترم اور دوسرے خاندانی بزرگوں کا ذکر کیا ہے اور اس میں جسقدر حضرات بھی مذکور ہیں وہ سب کے سب بحر تصوف کے شناور

اور آسمان طریقت کے ستارے ہیں' انفاس العارفین نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں عارفان الٰہی اور محبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے' اس تذکرے میں انہوں نے اپنے خاندان کے بزرگوں خصوصاً اپنے والد محترم شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہ کے تصرفات و کرامات و فیوضات کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے چنانچہ کتاب کا آغاز اپنے والد محترم کے حالات قدسیہ سے کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "امابعد میگوید فقیر ولی اللہ عفی عنہ ایں کلمہ چندیست از اقوال و احوال و واقعات و تصرفات حضرت والد بزرگوار قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین صاحب الکرامات جزیلہ و المقامات جلیلہ سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم قدس سرہ العزیز و سمیتہ بوارق الولایۃ"۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف یہی ایک کتاب شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کی معارف دوستی اور طریقت احوال میں سراسر مشغولیت کی ایک زبردست دلیل ہے' شاہ ولی اللہ قدس سرہ اور آپ کے والد محترم قدس سرہ صاحب حال بزرگ تھے' انہوں نے اولیاء اللہؒ سے ان کی حیات ہی میں کسب فیض نہیں کیا بلکہ ان کے وصال کے بعد بھی ان سے کسب فیوض کرتے رہے چنانچہ حکیم الامتؒ "انفاس العارفین" کی ابتداہی میں والد محترم کا یہ واقعہ غریبہ و تصرفات عجیبہ بیان کرتے ہیں۔

"مبادی حال حضرت ایشان" می فرمودند' مراد رمبداء حال غیراز شیخ رفیع الدین القتے پیدا شد آنجای رفتم و بقبر ایشاں متوجہ می شدم بسامی بود غیبت دست می داد و از احساس خود می برد و معزول شدے"۔

انفاس العارفین تمامتر انہی تصرفات' کرامات اور احوال پر مشتمل ہے' انفاس العارفین شاہ عبدالرحیم' شیخ ابو الرضا' اجداد گرامی اور مشائخ کرام کے تفصیلی حالات پر مشتمل ہے' صرف یہی کتاب اس امر پر دلیل ساطع ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ طریقت و معرفت میں کس قدر ڈوبے ہوئے تھے اور دنیائے تصوف سے ان کا کتنا گہرا تعلق تھا۔ افسوس کہ یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں انفاس العارفین سے عبارتیں پیش کرکے یہ بتاؤں کہ شاہ صاحبؒ ابن تیمیہ اور شیخ عبدالوہاب کے مسلک پر گامزن تھے یا ارباب طریقت کے متوالے اور کشف و کرامات پر یقین کامل رکھنے والے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مستغرق اور اولیائے کرامؒ کے سچے چاہنے والے' الحمدللہ کہ انفاس العارفین (فارسی) اور اس کا اردو ترجمہ موجود ہے اس کا مطالعہ کیجئے اور شاہ صاحب قدس سرہ کے اس مسلک سے آگاہی حاصل کیجئے جس کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش مدتوں سے جاری تھیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ ہرچند کہ ولی اللہ تحریک کے نام سے اس کوشش کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن انفاس العارفین' الطاف قدس' لمعات اور سطعات نے اس تحریک کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روحانی اور قلبی تعلق تھا (جس کے بغیر معرفت کی منزلیں طے کرنا ناممکن ہے) اس کے اظہار کے لئے شاہ صاحب کی تصانیف سے متعدد عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن میں صرف یہاں یہ دو سطریں پیش کرنا چاہتا ہوں جن کا ماحصل علامہ اقبالؒ کے دو مصرعوں میں اس طرح ہے:

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

شاہ صاحب فرماتے :۔ "مارا لابدست کہ حرمین محرمین رویم' روئے خود رابراں آستانہا مالیم سعادت ما ایں ست و شقاوت ما در اعراض"۔ (وصایائے اربعہ)

افسوس کہ ہمارے سامنے شاہ صاحب کے اس نظریہ اور مسلک کو چھپانے کی مدتوں تک کوشش ہوتی رہی! لیکن الحمد للہ کہ مشک کی خوشبو چھپ نہ سکی اتنا عرض کر دینے کے بعد اب میں شاہ صاحب قدس سرہ کی دوسری تصانیف تصوف کا مختصراً تعارف کراتا ہوں۔

الطاف قدس:۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا یہ رسالہ اگرچہ ضخامت میں انفاس العارفین سے بھی کم ہے لیکن مفہوم و معانی کے لحاظ سے اس کا مقام بہت بلند ہے' اس رسالہ میں شاہ صاحبؒ نے تصوف کے بعض اہم نکات کو جن کا تعلق لطائف نفس سے ہے پیش کیا ہے' تصوف کے اسرار و رموز کو اس قدر بلاغت اور ایجاز سے بیان کیا ہے جو ان کے تبحر علمی کے شایاں تھا۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے جن کا سمجھنا عموماً مشکل ہے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ طریقت و معرفت کی کس منزل پر تھے' اور ان کا قلب پاک کیسے کیسے لطائف غیبی کا مہبط و مورد تھا' اور مسائل کشفیہ و وجدانیہ پر شاہ صاحب کی نظر کس قدر گہری تھی۔ یہ شاہ صاحبؒ کا کمال علمی ہے کہ انہوں نے "حال" کو "زبان قال" عطا کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ ان تمام الہامات کا ایک مرقع ہے جو شاہ صاحبؒ کو اکثر اوقاف سرفراز کرتے رہے ہیں۔ رسالہ کی وجہ تصنیف کے سلسلہ میں شاہ صاحبؒ خود فرماتے ہیں:۔

> "یہ چند اوراق ہیں جن کو" الطاف قدس فی معرفتہ "الطاف النفس" سے موسوم کیا گیا ہے' یہ اوراق قلب' عقل' نفس روح' سر' خفی' اخفی حجر محبت اور انا کے وقائق و حقائق' ہر ایک کی تہذیب و ترہیب کے طریقوں پر مشتمل ہے اور مقصود یہ ہے کہ ان مسائل کو ضبط تحریر میں لایا جائے جن کا تعلق خالصاً کشف و وجدان سے ہے اور علوم عقلیہ و نقلیہ کو ان میں دخل نہیں ہے!"

"الطاف قدس" میں شاہ صاحب نے علم لطائف کی فضیلت حقیقت لطائف' لطائف ظاہرہ کی ترہیب و تہذیب' مدارج اور لطائف ظاہریہ اور ان کی تہذیب' لطائف خمسہ اور لطائف خفیہ کی تہذیب' اقسام خواطر اور ان کے اسباب کی معرفت پر بحث کی ہے۔ ان میں سے بعض عنوانات بالکل اچھوتے ہیں' اس لئے کہ خواطر' اقسام خواطر اور ان کے اسباب کی شناخت پر متقدمین صوفیہ کرام مثلاً امام غزالیؒ شیخ الانام حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ اسرار ہمانے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ قدس لطائف نفس کو بحیثیت علم پیش کرنے میں انفرادیت کے مقام پر فائز ہیں۔ اس رسالہ کے اکثر مباحث معمولی استعداد کے حضرات کے فہم سے بالاتر ہیں بلکہ اعلیٰ اور وافر استعداد والے حضرات بھی اس کے رموز حقائق سے اسی وقت آگاہ ہو سکتے ہیں جب کہ وہ خود صاحب حال یا صاحب نسبت ہوں اس سلسلہ میں شاہ صاحب خود جگہ جگہ یہ فرماتے ہیں "یہ ایک مشکل مسئلہ ہے جس کو کامل اور صاحب تمکین شخص کے علاوہ اور کوئی دوسرا حل نہیں کر سکتا۔ (بحث بہ سلسلہ مراتب و سر لطائف قدس)۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا یہ رسالہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کی زبان فارسی ہے اور ادارہ "المعارف" لاہور نے اس کا اردو ترجمہ پیش کر کے ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

ان کتب مندرجہ بالا کے علاوہ شاہ صاحب کی بعض اور کتابوں کو بھی تصوف کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً

لمعات

یہ کتاب اوسط درجہ کی ضخامت کا ایک رسالہ ہے' یہ رسالہ شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے فلسفئہ تصوف کی بنیادی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب ؒ نے اس کو 60 لمعات میں "سطعات" کی طرح تقسیم فرمایا ہے کتاب میں اولاً مابعد الطبیعیاتی اور اور فلسفہ الہیات کے مباحث ہیں اور آخر میں چند مباحث تجلی الہی پر ہیں' یہ رسالہ بھی متعدد بار شائع ہو چکا ہے اور اس کا اردو ترجمہ "ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور"۔ نے شائع کیا ہے۔

سطعات :۔ لمعات کی طرح سطعات بھی ایک متوسط ضخامت کا رسالہ ہے اور اس میں فلسفہ الہیات اور تصوف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں' ہر سطعہ میں ایک مضمون پر بڑے ایجاز و اختصار کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ سطعات اور لمعات کے مباحث عام فہم نہیں ہیں جب تک فلسفہ الہیات مابعد الطبیعیات پر گہری نظر نہ ہو اس وقت تک ان کا سمجھنا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ معمولی استعداد رکھنے والے ان رسالوں سے ناواقف ہیں' اردو تراجم بھی انہی ذہنوں کے لئے تسکین کا موجب ہو سکتے ہیں اور ان سے استفادہ کر سکتے ہیں جب کہ مبادیات فلسفہ الہیات و مابعد الطبیعیات سے آگاہی رکھتے ہوں۔

انفاس العارفین' الطاف القدس' لمعات' سطعات کے علاوہ بھی حضرت حکیم الامت کی چند تصانیف ہیں مثلاً القول الجمیل انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' لیکن ان تمام تصانیف تصوف میں انفاس العارفین اور الطاف القدس' بہت زیادہ مقبول و معروف ہیں جس کا باعث یہی ہے کہ اہل عرفان کے ذوق کی تشنگی ان سے دور ہوتی ہے اور شاہ صاحب ؒ نے ان دونوں تصانیف میں موضوع تصوف پر فلسفہ تصوف سے ہٹ کر لکھا ہے۔

حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ؒ کا دور اٹھارویں صدی عیسوی کا دور ہے' آپ کا وصال 1762ء میں دہلی میں ہوا' آپ کے فرزندان گرامی میں شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب قرآن حکیم کے اردو تراجم کی وجہ سے کافی مشہور ہیں لیکن آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز ؒ محدث دہلوی ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے لیکن تصوف کے موضوع پر آپ نے قلم نہیں اٹھایا۔ میری نظر میں اٹھارویں صدی ہجری میں بہت ہی کم اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے اٹھارویں صدی مسلمانان ہند کے لئے فتنہ سامانیوں سے بھرپور ایک صدی تھی' ان کی سیاسی قوت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ مغلیہ سلطنت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ لال قلعہ دہلی' عیش و عشرت میں راجا اندر کے اکھاڑے سے کم نہ تھا"۔ سکھوں' جاٹوں اور نادر شاہی حملوں نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ نہ ہوش بجا تھے نہ حواس ٹھکانے' نہ عزتیں محفوظ تھیں اور نہ جان و مال' ایک افراتفری کا عالم تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ گوشہ نشین بزرگوں نے اس پر آشوب عہد میں بھی نمانیت روحانی کے سہارے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہو لیکن ان کی یہ کوشش منظر عام پر نہ آسکی۔ البتہ شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ کے مکتوبات کا مجموعہ ہمارے ہاتھوں میں پہنچ سکا ہے۔ میں ان مکتوبات کے سلسلہ میں قدرے تفصیل سے مکتوبات کے تحت عنوان کچھ لکھوں گا۔ شاہ صاحب کا تعلق بارھویں صدی ہجری سے ہے آپ کا سال پیدائش 1158ھ ہے۔

بارھویں صدی ہجری میں یہ سرزمین یعنی برصغیر پاک و ہند بزرگان دین کے پاکیزہ اور مقدس نفوس سے خالی نہیں رہی اور ان میں بہت سے صاحبان تصنیف و تالیف بھی تھے چنانچہ پنجاب میں سلطان باہو قدس سرہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں

اور ان میں زیادہ تر تصوف پر ہیں- اسی طرح دوسرے صوبے بھی اس صدی میں ان بزرگ ہستیوں کے فیضان سے خالی نہ تھے لیکن میرے یہ اوراق ان سب بزرگوں کے مختصر سوانح اور ان کی تصانیف کے مختصر سے تعارف کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے ہیں نے اس صدی یعنی بارھویں صدی ہجری کے تحت ان بزرگوں کی تصانیف کا مختصر سا تعارف کر دیا ہے جو عوام و خواص میں بہت زیادہ مشہور تھیں اور آج بھی ہیں- افسوس کہ میں پاکستان کے طول و عرض کی خانقاہوں تک حاضری کے شرف سے محروم رہا اور خانقاہوں سے متعلقہ کتب خانوں کی زیارت نہ کر سکا ورنہ بہت ممکن تھا کہ آپ کے سامنے بہت سی ایسی تصنیفات' مکتوبات و ملفوظات کا تعارف بھی کراتا جن کا موضوع تصوف ہے' اس لئے میں شاہ ولی اللہ قدس سرہ پر اس سلسلہ تعارف کو ختم کرتا ہوں- مفتی غلام سرور لاہوری کی "حدیقہ الاولیاء" کا ذکر بھی اسی وجہ سے نہیں کر سکا کہ وہ تیرھویں صدی کی تصنیف ہے اور وہ ایک تذکرۃ الاولیاء ہے-

انیسویں صدی عیسوی کے وسط کی جنگ آزادی کے بعد بھی مسلمانوں کے ابتلا اور آزمائش کا سلسلہ ختم نہیں ہوا اور زعمائے ملت پر بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں اس کے چند سال بعد جب سزاؤں اور بلاؤں کا سلسلہ ختم ہوا تو انیسویں صدی کے اواخر میں بزرگان دین' صلحائے امت اور سلاسل قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' شطاریہ' صابریہ' مداریہ وغیرہم کے بزرگوں کے پاکیزہ اور مقدس احوال پر بہت سے تذکرے لکھے گئے- سلسلہ سہروردیہ کے سلسلہ میں بہت سے جامع تذکرے لکھے گئے شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی لازوال تصانیف رود کوثر' آب کوثر اور موج کوثر کے ذریعہ جہاں ہماری ثقافتی تاریخ کا ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور اپنے قلم کا شاہکار باقی چھوڑ گئے وہاں مشائخ نقشبندیہ اور مشائخ چشتیہ جیسی کتابوں نے ایک بڑی کمی کو پر کر دیا- یہ ان سلاسل کی ایک عظیم خدمت ہے-

چونکہ تصوف کی مقبول جہاں اور معروف کتاب جس کو ہر عہد کے مشائخ اور بزرگان دین نے پسند فرمایا اور اپنے مریدوں کے لئے اس کی تعلیم اور مطالعہ ضروری سمجھا یعنی "عوارف المعارف" کا ترجمہ اس بندہ ہیچمدان کے قلم سے پایہ تکمیل کو پہنچا ہے اس وقت دل نے چاہا کہ اپنے قارئین کرام کے سامنے اس شریف و مقدس اور عظیم موضوع طریقت و معرفت یعنی تصوف کی چند مشہور زمانہ عربی' فارسی کتب کا آپ سے تعارف کرا دوں اس لئے بصد تفحص و جستجو چند کتب تصوف' مکتوبات اور ملفوظات کا آپ کے سامنے ذکر کر دیا' جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں' جن کتابوں تک میری نظر پہنچی ان کا تعارف آپ سے کرا دیا- بہت سی تصانیف تک میری نظر نہیں پہنچی ہو گی اس لئے ان کا ذکر نہیں کر سکا- قصدو ارادے سے کسی کتاب کے تعارف سے آپ کو محروم رکھنا ہرگز ہرگز میرا مقصود نہیں! انیسویں اور بیسویں صدی میں تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف' مکتوبات و ملفوظات کا آئندہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر ذکر کروں گا-

حضرات مشائخ کے ملفوظات کے مجموعے

ایسے حضرات صوفیائے کرام جن کا تعلق عرب و عراق و عجم سے تھا' اگر آپ ان کے یہاں "ملفوظات" کی تلاش کریں تو

آپ کو مایوسی ہو گی- صرف قرن ہفتم میں آپ کو حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کی ذات ایسی ملے گی کہ علاوہ مثنوی معنوی کے آپ کی تین کتابیں نثر میں بھی ہیں اور ان نثری تصانیف میں "فیہ مافیہ" کو شہرت خاص حاصل ہے- مدتوں تک تو لوگوں کا یہی خیال تھا کہ حضرت مولانا رومؒ کی سوائے "مثنوی معنوی" کے اور کوئی تصنیف نہیں، بہرحال فیہ مافیہ کی دریافت سے یہ خیال باطل ہو گیا، بعض مورخین تاریخ تصوف نے اس کو تقاریر کا مجموعہ قرار دیا بعض حضرات نے ملفوظات کا! ان تقاریر کے مجموعہ میں زیادہ تر مخاطب امیر پروانہ ہیں جس کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ ملفوظات کا مجموعہ ہے اس کا اردو ترجمہ بھی، "ملفوظات رومی" کے نام سے شائع ہوا ہے بہرحال ملفوظات کا طریقہ شیوخ ماورائے ہندوپاک میں رائج نہیں تھا بلکہ ان کے یہاں تصوف کے وقیع و بلند موضوع پر کتابیں تصانیف کی گئیں جن کا مختصر تعارف میں اوراق سابقہ میں کرا چکا ہوں- اس کے برعکس اس برصغیر ہندوپاک میں تصانیف کی طرف توجہ کم کی گئی اور ملفوظات کی طرف زیادہ توجہ رہی- پانچویں صدی ہجری یعنی حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی تصنیف گرامی "کشف المحجوب" کے بعد آپ کو قرون مابعد میں بہت کم کتابیں ایسی ملیں گی جن کا موضوع اصول و آداب طریقت و تصوف ہوں- اگر کچھ کتابیں موجود ہیں تو یا تو وہ مشائخ سلف کی تصانیف کے تراجم ہیں یا پھر مختصر رسائل ہیں، اس برکوچک ہندوپاک میں مشائخ عظامؒ کی زیادہ تر توجہ اشاعت اسلام، سلسلہ طریقت کی توسیع اور مریدان باصفا کی تربیت کی طرف مصروف و مبذول رہی- یہی وجہ ہے کہ یہاں آپ کو ملفوظات کثرت سے ملیں گے یعنی شیخ طریقت کے ارشادات کو کسی ایک حاضرباش عقیدت کیش نے جمع کرنا شروع کر دیا اور پھر اس کی نقلیں کرلی گئیں اور اطراف و اکناف میں وہ نقول عقیدت کے ہاتھوں نے احترام کی نگاہوں سے لگائیں، چنانچہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، شطاریہ اور دیگر سلاسل ہندیہ کے ہر سلسلہ میں آپ کو بزرگان سلسلہ کے ملفوظات ملیں گے، ناقدین تاریخ تصوف نے بعض "ملفوظات" کو الحاقی یا منحول قرار دیا ہے اس پر بحث کرنا میرے موضوع سے خارج ہے میں تو یہاں آپ کی خدمت میں برکوچک ہندوپاک میں بہت زیادہ مشہور ملفوظات کی ایک فہرست پیش کر رہا ہوں مجھے اعتراف ہے کہ یہ فہرست بہت تشنہ ہے او بہت سے ملفوظات کا ذکر نہیں ہو سکا ہے- میں نے اس فہرست میں ان ملفوظات کو شامل کیا ہے جو مشہور بھی ہیں اور مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ورنہ بے شمار ملفوظات ایسے ہیں جو مخطوطات کی شکل میں سجادہ نشین حضرات کی نگہداشت میں ہیں اور ان کے کتب خانوں کی زینت ہیں- کاش یہ حضرات ان کی اشاعت اور ترجمہ کی طرف توجہ فرمائیں تاکہ ہمارے بزرگوں کا فیض زیادہ سے زیادہ عام اور ان کی بلند و ارفع تعلیمات سے زیادہ سے زیادہ لوگ بہرہ مند ہو سکیں، اس اعتذار کے بعد میں اپنے قارئین کی خدمت میں چند ملفوظات، صاحب ملفوظات، مرتب کے نام اور سال ترتیب کی قید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں-

ملفوظات گرامی حضرات مشائخ عظام قدس اللہ اسرارہم

نمبر شمار	صاحب ملفوظات	مرتب ملفوظات	نام مجموعہ ملفوظات و زبان	سال ترتیب
1	حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ مرشد خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری	حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	انیس الارواح (فارسی)	582ھ
2			گنج الاسرار (فارسی)	611ھ
3	حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ	دلیل العارفین (فارسی)	614ھ
4	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ	حضرت بابا مسعود فرید گنج شکر قدس سرہ	فوائد السالکین (فارسی)	نامعلوم
5	حضرت شیخ مسعود بابا فرید گنج شکر قدس سرہ	حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ	راحت القلوب (فارسی)	655ھ
6	حضرت شیخ التارکین شیخ حمید الدین ناگوری قدس سرہ	شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نبیرہ و خلیفہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ	سرور الصدور (فارسی)	696ھ
7	حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ	شیخ امیر حسن علاء سجزی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	فوائد الفواد (فارسی)	707ھ
8	حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ	شیخ بہاؤ الدین ابن مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	فیہ مافیہ (فارسی)	711ھ
9	حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ	حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	افضل الفوائد (فارسی)	713ھ
10	حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہ	شیخ حمید قلندر و شاعر	خیر المجالس	
11	حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ	شیخ مولانا زین العابدین بدر عربی رحمۃ اللہ علیہ	معدن المعانی	751ھ
			راحت قلوب	775ھ
12	حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ	شیخ ابو عبداللہ علاؤ الدین (مرید شیخ مخدوم)	جامع العلوم (الدر المنظوم)	777ھ
13	حضرت سید محمد الحسینی المعروف بہ سید بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ	سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی	انوار المجالس	802ھ
			جوامع الکلم (6 ماہ کے ملفوظات)	1412ھ

ان ملفوظات کے مجموعوں کے علاوہ بھی ہمارے مشائخ کرام اور صوفیہ عظام میں اکثر حضرات صاحب ملفوظات گزرے ہیں۔ ان ملفوظات میں "ملفوظات حضرت شاہ فخر الدین قدس سرہ، ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلویؒ" - ملفوظات حضرت شاہ نور محمد صاحب مہارویؒ" - ملفوظات حضرت محمد سلیمان" صاحب تونسوی، ملفوظات حضرت شیخ حافظ محمد جمال صاحب خلیفہ شیخ نور محمد صاحب مہارویؒ" - ملفوظات شیخ حیدر شاہ صاحب جلال پوری قدس اللہ سرہم۔ طبع ہو چکے ہیں اور اسرار طریقت و رموز معرفت سے معمور ہیں۔ ان ملفوظات کے علاوہ بھی بہت سے بزرگوں کے ایسے ملفوظات بکثرت موجود ہیں جو اب تک زیور طبع سے

آراستہ نہیں ہوئے ہیں' اور ان کے قلمی نسخے بعض اہم کتب خانوں یا متعلقہ خانقاہوں کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں' اگر ان کی اشاعت کی طرف توجہ کی جائے تو برصغیر ہندو پاکستان میں تصوف کی تعلیمات پر ایک گرانمایہ اور ضخیم سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے کاش ہمارے بزرگوں کے اخلاف کرام کو اس کا احساس ہو جائے اور یہ جواہر پارے منظر عام پر آجائیں' اس سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ تلاش و تفحص اور کتب تصوف کی اوراق گردانی سے جسقدر ملفوظات کا پتہ چل سکا ان کو آپ کے سامنے صاحب ملفوظات اور جامع ملفوظات اور سال ترتیب کی صراحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے' اس سلسلہ میں نقد و تبصرہ کی ضرورت میں نے محسوس نہیں کی کہ میں کسی ملفوظات کے مجموعہ کے بارے میں یہ عرض کروں کہ یہ مجموعہ تاریخی اعتبار سے ساقط ہے یا الحاقی ہے اس لئے کہ یہ میرا موضوع نہیں! اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں کہ نہ میں نے یہ دعوی کیا ہے اور نہ کر سکتا تھا کہ میں نے تمام ملفوظات کا کھوج لگا لیا ہے اور میری یہ فہرست ملفوظات جامع و مانع ہے' ایسا نہیں ہے ممکن ہے کہ بہت سے ملفوظات ضبط تحریر میں نہ لا سکا ہوں انشا اللہ آئندہ حسب آگاہی ان کو ضبط تحریر میں لاؤں گا۔ ہاں قصداً کسی مجموعہ ملفوظات کو میں نے اس فہرست میں پیش کرنے سے بے اعتنائی نہیں برتی ہے بلکہ اگر میرے علم میں کوئی مجموعہ ملفوظات آجاتا تو اس کا تذکرہ میری خوش بختی اور میرے قارئین کرام کی دلچسپی اور مزید آگہی کا سامان ہوتا' مگر افسوس کہ بہت سے جواہر پارے مخطوطات کی شکل میں ذاتی کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

حضرات صوفیہ کرام (قدس اللہ اسرارہم) کے گرانمایہ و گرانقدر مکتوبات کے مجموعے

ملفوظات تو صوفیہ کرام کے فرمودات و اشارات کے بلند پایہ مجموعے ہوتے ہیں' عام مجلسوں میں یا خاص مواقع پر ارادت کیش حضرات یا مریدان باصفا میں سے کسی کو یہ منصب و مرتبہ حاصل ہو جاتا تھا کہ شیخ طریقت کے ارشادات کو اسی وقت یا کسی دوسرے وقت اپنی یادداشت کے سہارے ضبط تحریر میں آئے۔ چند صدیوں پہلے بلکہ یوں کہئے سترھویں صدی تک ہم مطابع سے محروم تھے علم و عرفان کے یہ بیش بہا اور بے جواہر پارے قلمی نسخوں کی شکل میں موجود تھے۔ جب مطابع سنگی اور حروف سربی (سیسہ) کی مدد سے طباعت کا کام شروع ہوا تو اس وقت یہ جواہر پارے اگر امتداد اور گردش دوراں کے ہاتھوں محفوظ رہ گئے تھے اور جو حضرات ان کے مربی تھے ان کی ہمت نے اگر انہیں ابھارا تو بعض طباعت پذیر ہو گئے ورنہ نہ جانے کتنے مخطوطے خاکستر بن کر رہ گئے۔ صوفیہ کرامؒ کے ملفوظات چونکہ سرمایہ عقیدت اور انمول جنس ارادت ہمیشہ سمجھے گئے اور آج بھی الحمد للہ سمجھے جاتے ہیں (اور ایسا سمجھنا عقیدت و ارادت کا غلو نہیں بلکہ ان کا ہم پر یہ حق ہے) لہٰذا عقیدت مندی اور ارادت کیشی نے دوسرے مخطوطات کی طرح ان کو تلف تو نہیں ہونے دیا۔ لیکن ارادت مند و عقیدت کیش عوام و خواص ان کے مطالعے سے جس طرح پہلے محروم تھے اسی طرح آج بھی محروم ہیں' جب کبھی کوئی مصنف اس راہ میں قدم اٹھاتا ہے تو اس کو بڑی زحمتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان دشواریوں اور موانع کے باعث وہ جی چھوڑ دیتا ہے' آج ہماری محترم اور

مقدس خانقاہوں میں بزرگان طریقت کے جو مخطوطات ہیں اور سجادہ نشین حضرات ان کی طباعت پر آمادہ ہو جائیں تو خداوند تعالی کے فضل و کرم سے پاکستان میں ارباب فکر و نظر اور اصحاب قلم کی کمی نہیں ہے، بہتر سے بہتر صورت میں ان کی تدوین و تالیف اور ان کے تراجم ہو سکتے ہیں، اور میرے خیال میں اس دور میں تو اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے بزرگوں کے کارناموں، ایمان افروز زاور حقیقت طراز افکار و ارشادات سے بالکل بے بہرہ ہیں- یہ مخطوطات اگر طباعت کے مرحلہ سے گزر کر عقیدت کے ہاتھوں ہی میں نہیں بلکہ طالبان حق کی نگاہوں تک پہنچ جائیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تعلیمات طریقت کا دبدبہ اور طنطنہ سابقہ پھر واپس آجائے، کاش میری یہ آواز ان حضرات تک پہنچ جائے جو ان جواہر پاروں کے امین ہیں اور وہ اسلاف کرام کے شاہکاروں کو عام کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو سبحان اللہ!

ملفوظات ہی کی طرح مکتوبات کی کیفیت ہے اگرچہ مکتوبات کے قلمی نسخوں کا اس قدر اتلاف نہیں ہوا جس قدر کہ ملفوظات کے نسخ کا جس کا باعث یہ ہے کہ مکتوبات کی نقول ملفوظات سے زیادہ ہوئیں اور مکتوبات کا کوئی نہ کوئی مجموعہ دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا جو ہماری ثقافتی، دینی اور روحانی تاریخ کی ترتیب میں ایک اہم اور ضروری عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں اگر ہمارے بزرگوں کی یہ تصانیف نہ ہوتیں ان کے مکتوبات و ملفوظات کے مجموعے نہ ہوتے تو آپ یقین کیجئے کہ تاریخ تمدن اسلام کی بہت سی کڑیاں ناپید ہو جاتیں- جس طرح ملفوظات کے بہت سے مجموعے صدیاں گزر جانے کے باوجود ابھی تک طبع نہیں ہوئے ہیں اسی طرح مکتوبات کے مجموعوں کا حال ہے، کاش جس طرح اب صوفیہ کرام اور بزرگان طریقت کی تصانیف کے تراجم شائع ہو رہے ہیں اسی طرح اگر ملفوظات اور مکتوبات متن و ترجمہ یا خالی تراجم بغیر متن کے شائع ہو جائیں تو ہمارے لئے نازش و افتخار کا ایک گراں قدر سرمایہ ہی فراہم نہ ہو جائے بلکہ عرفان و عبودیت کے ایسے حیرت انگیز اور تحیر آفریں کرشمے ہمارے سامنے آئیں کہ مغرب زدہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ جائیں اور معرفت حق کے ایسے ایسے گوشے بے نقاب ہو جائیں کہ فکری بے راہ روی سیدھے راستے پر لگ جائے-

جس طرح برکوچک ہندو پاک میں ملفوظات کے بیشمار مجموعے مرتب ہوئے اسی طرح مکتوبات کے مجموعوں کا شمار کرنا بھی دشوار ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ملفوظات کے مقابلہ میں مکتوبات کے مجموعے زیادہ تر شائع ہو چکے ہیں اس لئے ان کو میں اگر ملفوظات کی طرح صرف چند عنوانات کے تحت مختصراً بھی بیان کروں تو مجھے متعدد صفحات درکار ہوں گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ترجمہ "عوارف المعارف" کا یہ دیباچہ ایک کتاب کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے- یہ اس لئے مجبوراً مجھے بیحد اختصار سے کام لینا پڑ رہا ہے اور جس طرح میں نے تصوف کے موضوع پر تاریخی ترتیب سے تیسری صدی ہجری سے سولہویں صدی عیسوی تک لکھی جانے والی کتابوں کا آپ سے مختصراً تعارف کرایا ہے اس ترتیب کو مکتوبات کے تعارف میں برقرار رکھنا دشوار ہے اس لئے میں معذرت خواہ ہوں- اس برکوچک ہندو پاک کے مکتوبات کے بس دو مجموعوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ یہ دونوں مجموعے بجائے خود تصوف کے موضوع پر بہت ہی جامع، مبسوط اور بلند پایہ تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا ذکر نہ کرنا گزشتہ صفحات کو بالکل ناتمام حالت میں چھوڑنے کے مترادف ہو گا- یہ دونوں مکتوبات

شریف کے مجموعے (1) مکتوبات حضرت شیخ اجل پیر طریقت جناب شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز اور (2) مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اللہ العزیز (ہر سہ دفتر ہیں) چونکہ میں نے کتب تصوف اور ملفوظات کے سلسلہ میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے اس لئے میں پہلے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کے مکتوبات کا ایک مختصر سا تعارف آپ سے کراتا ہوں۔

مکتوبات حضرت منیریؒ

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں صرف بہار کا خطہ ہی نہیں بلکہ سر زمین پاک و ہند آپ کی ذات گرامی پر نازاں ہے! آپ کا مولد صوبہ بہار کا مشہور قصبہ منیر ہے اسی مناسبت سے آپ کو منیری کہتے ہیں آپ کی پیدائش شعبان 661ھ میں ہوئی۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد آپ نے طریقت و سلوک کی راہ میں قدم رکھا اور حضرت شیخ الاسلام خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ 712ھ سے آپ نے رشد و ہدایت کا آغاز کیا آپ کا وصال 6 شوال 782ھ میں منیر میں ہوا۔ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں اور آپ کے مکتوبات آپ کی جامع اور ہمہ گیر شخصیت اور معرفت و حقیقت کے اسرار و رموز سے آگاہی کلی پر دلالت کرتے ہیں، آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی و وسعت نظر کی کیا تعریف کی جائے آپ تفسیر، حدیث، اور فقہ میں یکتائے زمانہ تھے، جس طرح آپ کو ان علوم پر عبور حاصل تھا اسی طرح طریقت کے اسرار و رموز کے آپ بحر ذخار تھے آپ کے مکتوبات کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد مکتوبات صدی یعنی صد مکتوبات، اور دوسری جلد دو صدی مکتوبات بعد دو صد مکتوبات سے موسوم ہے۔ یہ مکتوبات آپ نے اپنے ایک عزیز مرید اور خوشہ چیں قاضی شمس الدین حاکم چونسہ کے نام تحریر کئے ہیں، چونکہ وہ آستانہ شرف سے دور تھے اس لئے رموز تصوف اور اسرار طریقت کے بارے میں آپ کی خدمت میں عرضداشت پیش کیا کرتے تھے اور حضرت مخدوم جہاں سلطان السالکین ان کو جواب سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ مکتوبات دو صدی مختلف مریدوں اور ارادت مندوں کے نام ہیں۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے یہ مکتوبات تصوف کا بہت بڑا سرمایہ ہیں، تمام مکتوبات "رشتہ خداوندی اور بندگی" کی توضیح و تفسیر پر مبنی ہیں گویا شریعت اور طریقت کا ایک ایسا اتصال ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، ان مکتوبات میں ایک ہی روح جلوہ فرما ہے کہ "بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جائے"۔ اس ایک نکتہ کی وضاحت میں بہت سے ذیلی مباحث بھی آگئے ہیں لیکن ان سب کا محور ایک ہے، صرف صوفیانہ رموز ہی نہیں ہیں بلکہ قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ علم الکلام اور فلسفہ کے بھی مباحث ہیں جن سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں ان مکتوبات کو جس طرح اپنے انداز بیان اور طرز ادا کے اعتبار سے فارسی انشاء پردازی میں ایک بلند مقام حاصل ہے اور فارسی کے نثری ادب میں ایک انفرادیت حاصل ہے اسی طرح تصوف کی دنیا میں ان کو جو مقام حاصل ہوا وہ بہت کم مکتوبات کے حصہ میں آیا، حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ کے معاصرین اور بعد کے صوفیائے کرام نے ان مکتوبات کو

خراج تحسین پیش کیا ہے اور جی کھول کر تعریف کی ہے' یہاں اس قدر گنجائش نہیں کہ میں کچھ اور تفصیل یا دوسرے بزرگوں اور مشائخ کی آراء ان مکتوبات کے سلسلہ میں پیش کروں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ان مکتوبات کی شعلہ بیانی اور طرفگی معانی نے اس بلندی پر پہنچا دیا کہ آپ کی بعض تصانیف کو بھی یہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی- آپ کے مکتوبات میں جو مباحث زیر بحث آئے ہیں ان میں سے بعض کی نشاندہی میں کر رہا ہوں' آپ کے یہ مکتوبات :- توحید - توبہ - تجدید توبہ - ولایت - کرامت' کشف' تجلی' اصول' اصول تصوف' طلب طریقت' ارکان طریقت' شریعت و طریقت' اتباع رسول' شغولی نماز' طہارت' ارکان اسلام' بندگی' شرک خفی' صحبت محبت' اور عشق' تجرید و تفرید' تقویٰ' صدق' سعادت و شقاوت' قضا و قدر' خوف و رجا' روح و نفس' نفس کی سیاست اور مجاہدہ موت' بہشت اور دوزخ جیسے بلند مضامین کی توضیح و تفسیر پر مشتمل ہیں اور ان موضوعات کے ذیل میں دوسرے بہت سے موضوعات بھی آ گئے ہیں-

مخدوم جہاں قدس سرہ کے ان مکتوبات (ہر دو جلد) کے جامع آپ کے مرید خاص اور خدمت میں حاضرباش شیخ زین بدر عربی ہیں- مکتوبات صدی کا زمانہ تدوین 747ھ اور مکتوبات دو صدی کی تدوین 769ھ میں ہوئی- آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے ان مکتوبات کے سلسلہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ پیش کرتے ہوئے اس تعارف کو ختم کرتا ہوں- حضرت شیخ قدس سرہ اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں- "حضرت مخدوم کی تصانیف بہت عالی ہیں' آپ کی تصانیف میں مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے اور حق بھی یہی ہے کہ اور تصانیف کے اعتبار سے اس میں لطافت و شیرینی بے حد ہے آداب شریعت و اسرار حقیقت مکتوبات میں بے انتہا لکھے ہیں' آپ کے ملفوظات بھی ہیں مگر مکتوبات کی بات ہی کچھ اور ہے-

حضرت شیخ مخدوم جہاں شرف الدین یحییٰ منیری اور حضرت شیخ امام ربانی قدس اللہ اسرار ہما کے گراں مایہ مکتوبات نے اس برصغیر ہندو پاکستان میں تصوف کی علمی دنیا کے اس خلا کو پر کر دیا جو تصوف کے مقدس موضوع پر کشف المحجوب' رسالہ قشیریہ' مرصاد العباد' مصباح الہدایت' قوت القلوب' فتوح الغیب' الفتح الربانی اور عوارف المعارف ایسی بلند پایہ اور جامع ارشاد و ہدایت کتابوں کے مثل و مانند کتابیں تصانیف نہ ہونے کے باعث ہندو پاکستان کی تاریخ تصوف میں پیدا ہو گیا تھا' ہر چند کہ تذکرہ الصوفیہ پر بہت سی بلند پایہ کتابیں لکھی گئیں' یہاں تک کہ منثور ہی نہیں بلکہ منظوم تصانیف بھی ارباب حال و اصحاب ذوق نے تصنیف فرمائیں' بعض رسائل بھی اس برصغیر کے چھ سو سالہ دور میں تصنیف ہوئے ان کی گراں مائیگی مسلم اور ان کی اہمیت و تقدیس اپنی جگہ ثابت' لیکن ایک جائزہ نگار کی نگاہیں جب تصوف کے موضوع پر تصانیف کا تجسّس کرتی ہیں تو ملفوظات اور مکتوبات کے متعدد مجموعوں سے سامان تسکین فراہم ہوتا ہے لیکن موضوع تصوف کے گلہائے سدا بہار سے وہ اپنا دامن نظارگی خالی لیکر لوٹ آتی ہیں- حضرات مشائخ چشت ؒ نے تو یہ کہہ کر قلم کو جنبش نہ دی کہ تصنیف و تالیف ہمارے بزرگان طریقت کا شعار نہیں رہا- اسی طرح سہروردی سلسلہ میں مشائخ سہروردیہ ہندو پاک نے میرے خیال سے **عوارف المعارف** کی موجودگی میں اپنے قلم کو جنبش دینا بانی سلسلہ مقدس کے حضور میں سوء ادب خیال کیا سلسلہ نقشبندیہ میں بھی ممکن ہے کہ میری نظر کا قصور ہو کوئی جامع کتاب تصوف کے موضوع پر نظر سے نہیں گزری' قادری سلسلہ

میں بھی دارا شکوہ نے قلم کو جنبش دی لیکن حسنات العارفین (مجموعہ شطیحات) سے آگے وہ قلم کو جولاں نہ کر سکے اور جب آگے بڑھے تو ان پر دارو گیر شروع ہو گئی! حضرت مخدوم جہاں شرف الدین یحیٰ منیری اور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ہما کے مکتوبات گرامی اس برصغیر ہندوپاکستان میں موضوع تصوف پر ایسے گرانقدر کارنامے ہیں کہ کہ ارباب حال واصحاب طریقت جس قدر بھی نازاں ہوں وہ کم ہے۔ حضرت مخدوم یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کے سلسلہ میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے میں آپ کے سامنے پچھلے اوراق میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں اب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے مکتوبات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ

آپ کے یہ گرامی قدر مکتوبات تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ یہ تمام مکتوبات فارسی زبان میں ہیں۔ ان مکتوبات کا پہلا دفتر 313 مکتوبات پر مشتمل ہے اور درالمعرفت سے موسوم ہے اور اس کے مرتب اور جامع حضرت مجدد صاحبؒ کے مرید خاص خواجہ یار محمد بدخشیؒ ہیں جو حضرت مجدد صاحب کے بہت سے مکتوبات کے مکتوب الیہ بھی ہیں۔ دفتر دوم کے مولف و مرتب خواجہ عبدالحیؒ ہیں۔ یہ دفتر فقط 99 مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس کا تاریخی نام نور الخلائق ہے۔ دفتر سوم کے مرتب آپ کے خاص اور محبوب مرید میر محمد نعمانؒ صاحب ہیں' ان کے نام بھی مجدد صاحب کے چند مکتوبات ہیں' یہ دفتر سوم دو حضرات نے مرتب کیا ابتداء تیس مکتوبات میر محمد نعمان صاحبؒ نے مرتب کئے اس کے بعد ترتیب مکتوبات کا کام جناب خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ دفتر کل 124 مکتوبات پر مشتمل ہے۔

دفتر اول 1616ء سے کچھ پہلے ہی مرتب ہوا اس میں بعض مکتوبات بہت مفصل ہیں۔ اولین چند خطوط وہ ہیں جو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں ارسال کئے اور اپنے روحانی حال و مقام کو تفصیل کے ساتھ مرشد کی خدمت میں پیش کیا ہے پھروہ خطوط ہیں جو امرائے جہانگیری کے نام ہیں جن میں شریعت حقہ کی ترویج کے لئے خاص طور پر تاکید کی ہے' ایک طویل خط جو قریب قریب چالیس صفحات پر مشتمل ہے صاحبزادگان گرامی کے نام ہے۔

دفتر دوم یعنی "نور الخلائق" 1619ء میں مرتب ہوا' اس دفتر میں خطوط کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن اکثر مکتوبات بڑے مفصل ہیں۔ بعض خطوط مرشد زادوں کے نام ہیں' اس دفتر کے مکتوبات میں اسلامی عقائد و نظریات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور شریعت و طریقت کی ہم آہنگی کی ضرورت کو بڑے اچھوتے اور دلنشین انداز سے بیان فرمایا ہے۔

---

(1) دارا شکوہ کے دو تذکرے کافی مشہور ہیں ایک سفینۃ الاولیاء اور دوسرا سکینۃ الاولیاء میں یہاں موضوع تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں سے بحث کر رہا ہوں تذکرے اسکے علاوہ ہیں۔

(2) اصل مکتوبات جو فارسی میں ہیں اگرچہ تین دفتروں میں ہیں لیکن دو جلدوں میں اوسط درجہ کی ضخامت کے ساتھ شائع ہوئے ہیں' ان کا اردو ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے اپنے روایتی سلیقہ کے ساتھ بڑی نفاست سے شائع کیا ہے اور الحمد للہ بڑے مقبول ہیں' فارسی متن دو جلدوں میں ایچ ایم سعید کمپنی کراچی نے اب سے چند سال پیشتر شائع کیا تھا۔

تیسرا دفتر جس کا نام معرفت الحقائق ہے 1622ء میں مرتب ہوا۔ مکتوبات کے یہ تینوں دفتر حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی حیات ہی میں مرتب ہو گئے تھے اور اس کی بیشمار نقلیں عقیدت مندوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھیں چونکہ یہ تینوں دفاتر خود حضرت مجدد قدس سرہ کے سامنے مرتب ہوئے اور آپ کی نگاہوں سے گزرے اس لئے الحاقی عبارتوں سے بالکل پاک و صاف رہے لہٰذا تمام مکتوبات الحاقی شبہ سے بالاتر ہیں۔

دفتر سوم کے مکتوبات کی ایک اہم تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ اس دفتر کے اکثر مکتوبات وہ ہیں جو امام ربانی قدس سرہ نے قلعہ گوالیار کے مجلس سے تحریر فرمائے یا اس کے بعد لشکر شاہی میں رہ کر تحریر کئے! موضوع کے لحاظ سے ان مکتوبات کے بارے میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ وہ تصوف کے بلند اور اعلیٰ موضوع پر ایک جامع اور مبسوط تصنیف کی حیثیت کے حامل ہیں۔

تصوف، طریقت و شریعت کے بہت کم ایسے پہلو ہوں گے جو ان مکتوبات میں زیر بحث نہ آئے ہوں! حیات مجدد قدس سرہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مجدد صاحبؒ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے ابتدائے حال میں حامی تھے لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے نظریہ وحدت الشہود کو دلائل کے ساتھ پیش کیا اور شیخ اکبر کے اس نظریہ سے عوام میں جو غلط کاریاں پیدا ہو گئی تھیں ان کے خلاف آپ نے شدومد کے ساتھ قلم اٹھایا اور اس نظریہ کے تتبع اور پیروی سے نافہمی اور ذہنی نارسائی کے باعث لوگ جس شاہراہ اعتدال سے گزر کر افراط کی سمت میں قدم بڑھا رہے تھے اس سے شریعت کے احکام کو کس طرح نظرانداز کیا جا رہا تھا، خود شیخ اکبرؒ نے اسی خطرے کے پیش نظر بار بار اس بات پر زور دیا تھا کہ اس نظریہ کے مالہ و ماعلیہ تک پہنچنے کے لئے بڑی دیدہ وری اور صلابت فہم کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ امام ربانی نے ذہنوں کو ان ہی خطرات سے آگاہ کیا اور وحدت شہود یا عبدیت کے مقام ارفع واعلیٰ کی طرف ذہنوں کو موڑنے کی کوشش فرمائی!

تصوف اور طریقت کے دوسرے مباحث اور رموز کا جہاں تک تعلق ہے امام ربانیؒ نے طریقت کے ہر موضوع پر اپنے مکتوبات میں بڑی وضاحت سے لکھا اور عزیمت و معرفت کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے اور اس امر کی بڑی خوبی اور دل نشینی کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے کہ شریعت کی اتباع اور سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے بغیر منازل تقرب، حصول مشاہدہ اور کمال مراقبہ تک پہنچنا دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے، آپ نے متوسلین، مریدین اور اخلاص مندوں پر بہت کھل کر یہ بات واضح فرما دی کہ اتباع سنت ہی اصل طریقت ہے اور اسی نصب العین اور مطمع نظر کی وضاحت اکثر و بیشتر مکتوبات میں فرمائی ہے۔ آپ نے ان جراتوں کو قابل مذمت سمجھا ہے جو شریعت مطہرہ سے ہٹ کر اسی راہ میں ارباب خانقاہ میں راسخ ہو چکی ہیں ہمارے صوفیہ کرامؒ میں سے بیشتر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدت الوجود کے علمبردار اور داعی تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ایک دوسرا نظریہ وحدت الشہود پیش کیا، اگرچہ آپ کے بعض اکابر بھی اسی راہ کے چلنے والے تھے، نظریہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی تصریح و تشریح، اس کا موازنہ میرا موضوع نہیں بلکہ مجھے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کے مکتوبات میں نظریہ وحدت الشہود پر بہت کچھ کہا گیا اور کھل کر کہا گیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات دفتر اول میں جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں، تصوف کے تمام مقامات، احوال

مثلاً سکر و محو، قبض و بسط، عروج و نزول، فنا و بقا، مراقبہ، مشاہدہ، تجلی و استرار، جذب و سلوک، جمال و جلال، توضیح و تکوین، مرید و مراد، ذات و صفات حق تعالیٰ، مقام عبدیت، رفع شوق، سیر الی اللہ وغیرہ کو دلنشین اور مبرہن انداز میں پیش فرمایا ہے، دوسرے دفتر میں اتباع شریعت، اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے درجات، رسالت، خلافت راشدہ، عقائد و اعمال، ذات الہی، اس کی صفات، کے بلند مباحث ہیں، تیسرے دفتر میں طریقت و تصوف کے مباحث ہیں جیسے طریقہ نقشبندیہ، تفرقہ و عدم تفرقہ، حقیقت ممکنات، ذکر لسان، ذکر قلب، قطب، قطب الاقطاب، غوث ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ، طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہے۔ عقیدہ کی تشریح، شیخ ابن عربیؒ کے بارے میں اظہار رائے، احکام شرعیہ کی شناخت، سماع و وجد، وہ علم جو وراثت الانبیاء ہے، درستی عقائد، انبیا علیہم السلام کی بزرگی از راہ نبوت ہے نہ از راہ ولایت، صدق احوال کی علامت وغیرہ ہم۔ لیکن اس دفتر میں تصوف کے مباحث شریعت کے مباحث سے کم ہیں،

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ان تینوں دفتروں کو موضوع وار اگر ہم سامنے رکھیں تو یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں کہ کشف المحجوب کے بعد اس قدر جامعیت استدلال اور تفصیل سے یہ مباحث طریقت و سلوک صرف مکتوبات امام ربانی ہی میں مل سکتے ہیں اس طرح یہ مکتوبات تصوف کے موضوع پر بلاشبہ ایک مبسوط اور ضخیم کتاب کا بدل ہیں! یہی وجہ ہے کہ برکوچک پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر دوسرے ممالک میں بھی یہ مکتوبات قبولیت کے جس درجہ پر پہنچے اور ان کی جس قدر شہرت ہوئی وہ دوسرے مکتوبات کے حصہ میں نہ آسکی۔ اس اظہار سے خدانخواستہ دوسرے مجموعہ مکتوبات کی تنقیص مراد نہیں ہے ہر مجموعہ مکتوبات کا اپنی جگہ ایک مقام ہے میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مکتوبات امام ربانی نے اس خلاء کو پر کر دیا جو کشف المحجوب کے بعد تصوف کے موضوع پر تصنیف کی جانے والی کتابوں کے فقدان سے پیدا ہوا تھا۔

مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ کے مکتوبات اور امام ربانی قدس سرہ کے مکتوبات، تصوف کے بلند پایہ اور گراں مایہ تصانیف کے مقابل رکھے جاسکتے ہیں، اپنی کثرت و تنوع اور تشریح و تصریح کے لحاظ سے یہ مکتوبات (امام ربانی) زیادہ وقیع اور جامع ہیں۔ امام ربانی قدس سرہ کی حیات سے تا ایندم (چار سو سال کی مدت تقریباً ہوتی ہے) ان کی قبولت میں سرمو فرق نہیں آیا بلکہ روز افزوں ہے جو نتیجہ ہے اس کا کہ۔ "ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد"۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے مقدمہ کی تنگ دامانی نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں حضرت مجدد صاحب اور حضرت شرف الدین یحییٰ منیری قدس اللہ اسرار ہما کے علاوہ دوسرے مجموعہ ہائے مکتوبات پر بھی کچھ تحریر کرتا ورنہ مکتوبات قدوسیہ، مکتوبات باقویہ، مکتوبات کلیمی، خاندان چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ کے دوسرے مشائخ عظام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم) کے مجموعہ ہائے مکتوبات کا بھی تفصیل سے ذکر کرتا کہ وہ تمام مکتوبات عرفان شناسی کے لئے بانگ دراہی نہیں بلکہ میر کارواں کا مقام رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے ان مکتوبات کی زبان فارسی ہے، حضرت مجدد علیہ رحمہ، نے بڑے دلنشین انداز اور دلکش اسلوب میں تمام مباحث علمیہ و حکمیہ رموز طریقت و شریعت کو بیان فرمایا ہے جن خطوط میں علمی اور دینی مضامین ہیں، ان میں آپ کا رنگ مصلحانہ ہے اور جہاں پند و موعظت ہے وہاں عبارت بڑی سلیس اور عام فہم ہے مگر طرز تحریر میں ایک

خاص جوش ہے! بعض مکتوبات میں ضمناً نجی معاملات بھی آگئے ہیں، بعض حضرات کی سفارش بھی کی گئی ہے لیکن ایسا شاذ ہے۔ یہ مکتوبات متعدد بار شائع ہو چکے ہیں، اصل متن کے نو لکشوری اور امرت سری ایڈیشن، زیادہ مشہور ہیں، پاکستان میں بھی مکتوبات کو بعض اداروں نے شائع کیا ہے، لاہور سے اس کا ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان سے مدت ہوئی شائع ہوا تھا جواب کمیاب ہے۔ کراچی سے ایچ ایم سعید کمپنی نے اصل مکتوبات دو جلدوں میں بڑی تقطیع پر شائع کئے تھے پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اور دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہو سکا۔ بڑی مسرت کا مقام ہے کہ استنبول (ترکی) سے ابھی حال ہی میں یہ مکتوبات (متن) بہت اعلیٰ اور نفیس کاغذ پر عکسی طباعت میں شائع کئے گئے ہیں، مکتوبات کے اردو تراجم میں سب سے زیادہ قبولیت مدینہ پبلشنگ کمپنی کے شائع کردہ ترجمہ کو حاصل ہوئی ہے، ماشاء اللہ اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

میں یہاں شیخ محمد اکرام مرحوم (ڈی لٹ) کی جامع رائے کو پیش کرتے ہوئے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔ شیخ محمد اکرام مرحوم رود کوثر میں کہتے ہیں:۔

> "ہندوستان میں تصوف کی تھوڑی کتابوں کو وہ قدر و منزلت میسر آئی جو مکتوبات امام ربانی کو نصیب ہوئی۔ حضرت سرہندیؒ کی زندگی ہی میں ان کی نقلیں، ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور آج بھی ان کی مقبولیت میں کمی نہیں ہوئی۔ (رود کوثر 325)

ان گرانقدر مکتوبات کے علاوہ بھی ہمارے بعض مشائخ عظام (قدس اللہ اسرار ہم) کے مکتوبات کے مجموعے ہیں جیسے مکتوبات مخدوم جہانیان جہاں گشت، مکتوبات قدوسی (مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی) مکتوبات کلیمی "مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" - مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ - مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلوی قدس سرہ۔ مکتوبات شاہ غلام علی صاحب قدس سرہ یہ تمام تر مجموعات مکتوبات اسرار معرفت کا گنجینہ اور درر طریقت کا خزینہ ہیں اور خوش قسمتی سے طبع بھی ہو چکے ہیں لیکن ان میں سے بعض مکتوبات کے مجموعے آجکل دستیاب نہیں ہیں، ان تمام مجموعوں پر تفصیلی تبصرے کی ان محدود اوراق میں گنجائش نہیں تھی اس لئے میں نے ان مکتوبات کے مجموعوں سے متذکرہ الصدر مجموعوں کو انتخاب کیا اور بقدر فکر و فہم چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔ ممکن ہے کہ میرے ذکر کردہ مجموعوں کے علاوہ بھی مشائخ کرام کے مجموعے ہوں مجھے اعتراف ہے کہ ان تک میری نظر نہیں پہنچی اس لئے ان کا ذکر نہ کر سکا اس اعتبار سے مجھے معذور متصور کیا جائے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال ملفوظات کے مجموعوں کے سلسلہ میں بھی ہے اور میں عذر خواہی کر چکا ہوں۔

شیخ الاسلام امام السالکین شیخ الشیوخ

شہاب الدین عمرابو حفص سہروردی قدس اللہ سرہ

نام و نسب

چھٹی صدی ہجری کے نامور صوفی شیخ الاسلام امام السالکین قدوۃ المشائخ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر رحمتہ اللہ' اوائل ماہ شعبان 539ھ زنجان کے مضافات میں واقع قصبہ سہرورد میں پیدا ہوئے اور یہ گمنام مقام آپ کے عم محترم اور آپ کی بدولت دنیا میں ہر طرف مشہور و معروف ہو گیا۔

شیخ الاسلام کا سلسلہ نسب 13 واسطوں سے خلیفتہ الرسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے اس طرح ملتا ہے کہ شیخ شہاب الدین ابو حفص" عمر بن محمد بن ابی عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بکری المعروف بہ شیخ عمویہ" ابن سعد بن حسین" بن قاسم بن سعد بن نصر بن عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ یہ نسب نامہ مشہور مورخ ابن نجار صاحب تاریخ بغداد کے نوشتہ نسب نامہ کے بموجب ہے جس کے بارے میں بطور سند ابن نجار نے کہا ہے کہ یہ نسب نامہ شیخ ابو النجیب سہروردی کے دست خاص سے لکھے ہوئے ایک نسب نامہ کے مطابق ہے' لیکن ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں شیخ ابو النجیب سہروردی (عم محترم شیخ الدین سہروردی قدس سرہ) کے سوانح حالات کے تحت جو نسب نامہ تحریر کیا ہے اس میں حضرت شیخ الاسلام کا نسب نامہ 16 واسطوں سے خلیفتہ الرسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ امام سبکی صاحب طبقات الشافعیہ نے بھی اسی نسب نامہ کو ترجیح دی ہے' چنانچہ اس نسب نامہ کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الشیوخ کا شجرہ بیعت یا کرسی نامہ

تمام تذکرہ نویس اور قدیم مشائخ عظام کے تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام ابو النجیب' عبدالقاہر سہروردی قدس سرہ العزیز کو بارگاہ غوثیت سے ایک خاص تعلق تھا اور آپ حضرت غوث زماں سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ایک خاص عقیدت رکھتے تھے اس لئے بارگاہ غوثیت میں جب تشریف لے جاتے تو عزیز برادر زادے کو بھی ہمراہ رکھتے جو علم باطن اور علوم دینی کی تحصیل کے لئے عنفوان شباب ہی میں آپ کے سایہ عاطفت میں آگئے تھے' حضرت شیخ ابوالنجیب" کو اگرچہ حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے کمال درجہ عقیدت تھی لیکن آپ کے مرشد روحانی حضرت احمد غزالی قدس سرہ برادر حجتہ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ تھے اور آپ کے شیخ خرقہ حضرت شیخ قاضی وجیہ

1۔ آپ کا سال وفات 520ھ ہے آپ نے بعہد امیر المسلمین ابو منصور المسترشد باللہ عباسی وفات پائی۔

2۔ دونوں حضرت میں کئی صدیوں کا بعد ہے' صاحب طبقات الشافعیہ نے علمائے شافعیہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی" کا ذکر بحیثیت ایک شافعی عالم تبحر کے کیا ہے اور حضرت جامی" نے بحیثیت ایک صاحب معرفت و مرشد طریقت کے آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

الدین قدس اللہ سرہ (متوفی 566ء) تھے! حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے قریب ترین تذکرہ نگاروں میں عالم متبحر المعروف بہ امام سبکی صاحب طبقات الشافعیہ" اور مولانا شیخ نور الدین جامی قدس اللہ سرہ صاحب نفحات الانس ہیں۔

مولانا جامی قدس اللہ سرہ، نفحات الانس میں آپ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔

"قدوۃ العارفین، عمدۃ السالکین العالم الربانی شہاب الدین ابو حفص عمر محمد البکری السہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہ از اولاد ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) است و انتساب وی در تصوف بعم وی شیخ ابو النجیب سہروردیست و بہ صحبت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ رسیدہ است و غیر ازیشان مشائخ بسیارے را دریافتہ است"

ان تمام شہادتوں میں سب سے معتبر اور وقیع تر آپ کا شجرہ مبارکہ یا کرسی نامہ ہے، میں اس شجرہ مبارکہ سہروردیہ کو حضرت شیخ الاسلام قطب انام بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ پر ختم کروں گا کہ آج بھی یہی شجرہ مبارکہ بغیر ادنی تغیر کے حضرت شیخ بہاؤ الدین (زکریا ملتانی قدس سرہ سے شروع ہو کر حضرت امیر المومنین علی (ابن ابی طالب) رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے، قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے ہر ایک بزرگ سلسلہ سہروردیہ (قدس اللہ اسراہم) کا سال وفات اور مقام وفات بھی پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

خلیفۃ الرسول ﷺ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	رمضان المبارک 40ھ	نجف اشرف
خیر التابعین حضرت شیخ حسن بصری قدس اللہ سرہ	ربیع الاول 49ھ	بقیع - مدینہ منورہ
حضرت شیخ خواجہ حبیب عجمی قدس اللہ سرہ	ربیع الثانی 156ھ	بصرہ
حضرت شیخ خواجہ داؤد طائی قدس اللہ سرہ	ربیع الثانی 165ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ابو محفوظ خواجہ معروف کرخی قدس اللہ سرہ	محرم 200ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ الشیوخ سری سقطی قدس اللہ سرہ	رمضان 253ھ	بغداد شریف
سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ	297ھ	بغداد شریف
حضرت خواجہ ممشاد دینوری قدس اللہ سرہ	محرم 299ھ	
حضرت خواجہ شیخ احمد اسود دینوری قدس اللہ سرہ	ذی الحجہ 340ھ	سمرقند
حضرت شیخ ابو محمد عمویہ قدس اللہ سرہ	رجب 373ھ	
حضرت شیخ قاضی وجیہ الدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ	462ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی	563ھ	بغداد شریف
حضرت شیخ الشیوخ امام الطریقت شیخ	یکم محرم 632ھ	بغداد شریف

شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ

حضرت شیخ الاسلام قطب عالم بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ | 661ھ | ملتان (پاکستان)

اس کرسی نامہ یا شجرہ طریقت پر کتاب مجلی ابن ابی جمہور المعانی، نفحات الانس، بستان السیاحت، ریاض السیاحت، طرائق الحقائق کے مصنفین نے اتفاق کیا ہے یہ تمام مصنفین حضرات حضرت شیخ الشیوخ کے قریب العہد تذکرہ نگار ہیں۔ بہرحال مذکورہ کرسی نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کو حضرت قدس سرہ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے فیض طریقت حاصل تھا، شرف بیعت حاصل نہ تھا ورنہ آپ کا سلسلہ قادریہ کہلاتا نہ کہ سہروردیہ، اور آپ کے شیخ خرقہ آپ کے عم محترم شیخ ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی قدس سرہ تھے لیکن فیض صحبت دوسرے شیوخ زمانہ سے بھی حاصل کیا تھا خصوصاً غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ تمام تذکرہ نویسوں کا اس پر اتفاق ہے، تحصیل علوم کے دوران شیخ الشیوخ کو علم الکلام سے بہت تعلق خاطر تھا چنانچہ شیخ ضیاالدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی قدس سرہ جو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ میں بڑا خلوص اور عقیدت رکھتے تھے ایک روز شیخ الشیوخ کو اپنے ہمراہ بارگاہ غوثیت میں لے گئے اور عرض کیا کہ اس فرزند کو علم الکلام سے بڑا لگاؤ ہے۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت شیخ الشیوخ سے دریافت کیا کہ علم الکلام میں کون کون سی کتابیں مطالعہ کیں یہ فرما کر اپنا دست مبارک شیخ الشیوخ کے سینہ پر پھیرا تو اسی دم علم الکلام کے تمام مباحث اور کتابوں کے نام تک آپ کے ذہن سے محو ہو گئے اور آپ جواب نہ دے سکے اس وقت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے سینے سے علم الکلام کو محو کر دیا اور اس کے عوض معرفت حق کے علم سے اس کو معمور کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ بارگاہ غوثیت میں ہمیشہ باریاب ہوتے رہے اور بہت کچھ روحانی فیوض حاصل فرمایا۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپ سے فرمایا کرتے تھے:۔

یا عمر! انت آخر المشھورین بالعراق۔ (اے عمر! تم عراق کے آخری مشہور انسان ہو!)

سیدنا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے 562ھ میں بعہد مستنجد باللہ عباسی (امیر المومنین) وصال فرمایا اور اپنے محبوب حقیقی سے جاملے اور بغداد کی روحانی سیادت پر آپ کے مرشد اور عم محترم شیخ ابو النجیب سہروردیؒ فائز ہوئے لیکن ابھی ایک ہی سال گزرا تھا کہ 563ھ میں آپ نے بھی وصال فرمایا اور آپ کے بعد بغداد کی مسند رشد و سیادت پر حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ متمکن ہوئے اور سلسلہ سہروردیہ کے موسس ثانی آپ کی ذات گرامی قرار پائی اور لاکھوں بندگان خدا آپ سے فیض یاب ہوئے اس دور کے بہت سے علماء، فضلاء اور صلحا آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ حکومت وقت کی نگاہوں میں بھی اس قدر محترم تھے کہ امیر المسلمین ناصر الدین اللہ احمد عباسی کی طرف سے کئی بار سفارت لے کر دوسرے ممالک اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ میں اس سلسلہ میں کسی تفصیل میں جانا پسند نہیں کرتا کہ میں آپ کی سوانح حیات میں

---

(۱) علم الکلام پر آپ کو جو تبحر و عبور حاصل تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ آپ کی تصنیف "رشف النصائح" اور اعلام الہدی فلاسفہ اور حامیان علم الکلام کے رد میں ہیں۔

اس سے زیادہ اہم مطالب و مقاصد پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

تحصیل علوم متداولہ

حضرت شیخ الشیوخؒ کا کم عمری ہی میں بغداد شریف اپنے عم محترم کے پاس آنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپ دینی اور روحانی تعلیم سے بہرہ ور ہو سکیں' بغداد پہنچ کر آپ نے حضرت ابو النجیب سہروردیؒ کی زیر ہدایت و نگرانی تحصیل علوم و فنون شروع کی اور تفسیر حدیث' فقہ اور دوسرے علوم متداولہ دینیہ میں تبحر حاصل کیا۔ حدیث و فقہ میں حضرت ضیا الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابو القاسم بن فضلان رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابو المظفر المعروف بہ ہبتہ اللہ (جن سے عوارف المعارف میں شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر روایات کی سند پیش کی ہے) شیخ معمر بن فاخر رحمۃ اللہ علیہ' اور ابو ذرعہ قدس اللہ اسراہم کے شاگرد ہیں۔ علاوہ ازیں چھٹی صدی ہجری (ربع دوم) کے اور چند مشہور محدثین کرام کو بھی آپ کی استادی کا شرف حاصل ہے۔ علم حدیث میں آپ کے پائگاہ عالی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ محدث ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ' محدث شیخ ابو الغنائم ابن علان رحمۃ اللہ علیہ' شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مشاہیر محدثین زمانہ آپ سے روایت کرتے ہیں' امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ میں ایسے حضرات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علوم دینیہ میں آپ کے کمال کا ذکر امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے اور آپ کے فضائل' کمالات ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کے بعض فتاوی بھی نقل کئے ہیں جس سے شیخ الشیوخ کے فقہی تبحر کا پتہ چلتا ہے۔ اسی ضمن میں امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "شیخ الشیوخ اس ظاہری تجمل اور عزت کے باوجود نہایت فقر اور تنگدستی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور کسی طرح بھی آپ دنیاوی مال و منال کو قبول نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ وصال کے وقت تجہیز و تکفین کے لئے بھی ضروری رقم پاس موجود نہ تھی"۔ (طبقات الشافعیہ از امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ الشیوخ مسند ارشاد پر

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ جب اپنے مرشد کی مسند فقر پر رونق افروز ہوئے تو آپکی ذات گرامی سے لاکھوں بندگان خدا کو فیض پہنچا' آپکی ذات گرامی کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام و حجاز اور ایران میں دور دور تک پہنچ چکا تھا' بر کوچک ہندو پاکستان میں بھی آپکی بزرگی کا غلغلہ بلند تھا' چنانچہ دنیا بھر کے مشائخ عظام رحمۃ اللہ علیہ کیلئے آپکی ذات گرامی ملجا و ماوی بنی ہوئی تھی' آپکے خلفاء میں جو ہر وقت آپکی خدمت میں باریاب رہتے تھے شیخ نجیب الدین علی بزغش رحمۃ اللہ علیہ (جن کے ذریعہ عجم میں سہروردی سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی) شیخ نور الدین مبارک غزنوی (جنکی ذات سے شمالی ہندوستان میں سہروردی سلسلہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا) شیخ ضیاء .

(۱) سیرۃ جلال الدین معنفہ نور الدین محمد میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ الشیوخ' امیر المسلمین ناصرالدین اللہ کی طرف سے خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے جو بغداد پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عظیم لشکر کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا آپ نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا بہت کچھ پند و نصائح فرمائے لیکن وہ باز نہیں آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ بغیر موسم کے اس کے لشکر پر 20 روز تک مسلسل سخت ژالہ باری ہوئی جو شیخ الشیوخ کی بددعا کا نتیجہ تھی۔ اور اس کو بے نیل مرام واپس ہونا پڑا۔ ابن خلکان نے آپ کے سفیر اربل تشریف لے جانے کا بھی ذکر کیا ہے۔

الدین رومیؒ - شیخ محمد یحییٰؒ اور شیخ جلال الدین تبریزی (جو بنگال میں سہروردی سلسلہ کے موسس ہیں) قابل ذکر ہیں، شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ کو بھی آپ سے بیعت اور شرف خلافت حاصل تھا لیکن شیخ سعدی کو زیادہ عرصہ حضوری کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اس زمانے میں پاکستان کی ایک عظیم شخصیت اور صاحب حال بزرگ اور اس برصغیر پاک و ہند میں سہروردیہ سلسلہ کے بانی حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ، مرشد کامل کی تلاش میں ہندوستان سے باہر نکلے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس اور شام کے صلحاء و فقراء سے استفادہ کرتے ہوئے بغداد پہنچے اور شیخ الشیوخ کی مجلس میں باریابی حاصل کی اور گوہر مقصود پالیا۔ آپکو جس مرشد کی تلاش تھی اور جس کیلئے آپ ملکوں ملکوں سفر کر رہے تھے، وہ مل گیا تھا۔ مرشد کامل نے بھی کمال مرحمت فرماتے ہوئے صرف تین ہفتوں کی ریاضت کے بعد آپکو خلافت عطا فرما دی اور ملتان کی طرف مراجعت فرما ہونے کا حکم دیا تاکہ اس برصغیر میں سہروردی سلسلہ کی بنیاد ڈالیں۔

مرشد کامل کی تلاش میں ہندوستان سے باہر نکلے، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس اور شام کے صلحاء و فقراء سے استفادہ کرتے ہوئے بغداد پہنچے اور شیخ الشیوخ کی مجلس میں باریابی حاصل کی اور گوہر مقصود پالیا۔ آپ کو جس مرشد کی تلاش تھی اور جس کے لئے آپ ملکوں ملکوں سفر کر رہے تھے، وہ مل گیا تھا۔ مرشد کامل نے بھی کمال مرحمت فرماتے ہوئے صرف تین ہفتوں کی ریاضت کے بعد آپ کو خلافت عطا فرما دی اور ملتان کی طرف مراجعت فرما ہونے کا حکم دیا تاکہ اس برصغیر میں سہروردی سلسلہ کی بنیاد ڈالیں۔

شیخ الشیوخ 564ھ میں اپنے مرشد کی مسند پر رونق افروز ہوئے اور 632ھ تک لاکھوں بندگان خدا کو مستفیض فرماتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے واصل ہو گئے[1]۔ آپ کے خلفائے عظامؒ کے ذریعہ سلسلہ سہروردیہ کے بہت سے شعوب دوسرے ممالک میں جاری و ساری ہوئے۔ 628ھ میں آپ نے آخری حج کا سفر کیا اور اس سفر میں اہل عراق کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ تھی، جس نے وقوف عرفات اور طواف میں آپ کی اقتدا کی، اس موقع پر شیخ ابن فارض مصنف قصیدہ تائیہ کو حضرت شیخ الشیوخ سے شرف ملاقات حاصل ہوا، یہ بیان ابن فارض کے نبیرہ کا ہے جنھوں نے شرح قصیدہ تائیہ پر دیباچہ لکھا ہے۔ وہ اپنے ماموں شیخ کمال الدین محمد سپر ابن فارض سے نقل کرتے ہیں کہ اس موقع پر میرے بھائی عبدالرحمٰنؒ نے والد محترم ابن فارضؒ قدس سرہ کی اجازت سے اور میرے بھائیوں نے شیخ الشیوخ سے بیعت کی اور خرقہ پہنا، ہمارے علاوہ اور سینکڑوں افراد آپ سے بیعت ہوئے (مقدمہ شرح قصیدہ تائیہ از بورینی و نابلسی بر دیوان ابن فارضؒ باب حصر)۔

مولانا جامی قدس سرہ نے شیخ ابن فارضؒ کے سوانح حالات کے تحت نفحات الانس میں بھی اس ملاقات کا ذکر کیا ہے اور یہ اضافہ بھی فرمایا ہے کہ اس ملاقات میں شیخ ابن فارضؒ نے اپنے چند اشعار بھی شیخ الشیوخ کو سنائے جن کو سن کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔

---

[1] آپ کا وصال عباسی امیر المسلمین المستنصر باللہ کے عہد میں 632ھ میں ہوا۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین قدس سرہ کی تصانیف

آپ کی تصانیف میں یہ کتابیں بہت زیادہ مشہور ہیں اور صاحب طبقات الشافعیہ امام سبکی نے بھی ان پر اتفاق کیا ہے۔

1۔ **جذب القلوب الی مواصلہ المحبوب:۔** (حسب صراحت معجم المطبوعات عربیہ نمبر106) آپ کی یہ کتاب حلب میں شائع ہو چکی ہے اور مضوع تصوف ہے!

2۔ **رشف النصائح:۔** آپکی اس کتاب کا موضوع علم الکلام ہے اور اس میں بعض کلامیہ اقوال و نظریات کی تردید ہے۔

3۔ **اعلام الھدیٰ:۔** یا بقول مولانا جامی ' اعلام التقی۔ اس میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی منقذ من الضلال کیطرح فلاسفہ قدیم کا رد کیا گیا ہے ' چونکہ رشف النصائح اور اعلام التقی مطبوعہ صورت میں موجود نہیں اور انکے مخطوطات تک میری رسائی نہیں ہو سکی لہٰذا میں انکے بارے میں مزید صراحت کرنے سے مجبور ہوں۔ طبقات الشافعیہ میں بھی ان کتب پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا ہے۔

4۔ **بہجتہ الاسرار:۔** بہجتہ الاسرار کو حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی ایک مبسوط سوانح حیات ہے حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ کی تصنیف بتایا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے ' آپ کے قریب العہد تذکرہ نگاروں میں سے ایک نے تو

بہت قریب کا زمانہ پایا ہے یعنی امام سبکی صاحب طبقات الشافعیہ ' انہوں نے بھی آپ کی تصانیف کے ضمن میں ایک کتاب کا نام نہیں لیا ہے ' یہ ایک اوسط درجہ کی ضخامت رکھتی ہے۔

اور نہ مولانا جامی قدس سرہ نے جو امام سبکی کے بعد آپ کے قریب العہد تذکرہ نگار کہے جاسکتے ہیں۔ حقیقت میں بہجتہ الاسرا حضرت شیخ نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف جرید اللخمی الشطنوفی الشافعی (متوفی 703ھ) کی تصنیف ہے علامہ ذہبیؒ نے طبقات المقربین میں اس کی صراحت کی ہے۔ اگر بہجتہ الاسرار حضرت شیخ الشیوخ کی تصنیف ہوتی تو امام سبکیؒ اور حضرت جامیؒ ضرور ذکر کرتے۔ حضرت جامی قدس سرہ آپ کی تصانیف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"وے را تصنیفات بسیار است چوں عوارف ' رشف النصائح و اعلام التقی وغیرہ" (نفحات الانس جامی)

عوارف العارف

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کی سب سے زیادہ مشہور ' مبسوط اور جامع تصنیف تصوف پر یہی ہے ' جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کرچکا ہوں کو "رشف النصائح" اور اعلام التقی یا اعلام الھدی مطبوعہ مشکل میں موجود نہیں ہیں اور قلمی نسخوں تک میری رسائی نہیں اس لئے ان کتب سے صرف نظر کرکے عوارف المعارف کے تعارف کا فرض ادا کر رہا ہوں۔

عوارف المعارف:۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ کی کیمیائے سعادت جیسی ضخامت کی کتاب ہے البتہ "احیاء العلوم" کے مقابلہ میں اس حجم بہت ہی کم ہے ' احیاء العلوم چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہی سبب ہے کہ احیاء العلوم مطبوعہ

مصر کا حاشیہ عوارف المعارف کے لئے کفایت کر سکا۔ (بیسویں صدی کے ربع اول میں عوارف المعارف کمال صحت کے ساتھ احیاء العلوم کے حاشیہ پر مصر میں طبع ہوئی ہے) عوارف المعارف کی زبان احیا العلوم کی طرح عربی ہے اس کے برخلاف کیمیائے سعادت فارسی میں ہے۔ عوارف کی زبان کا عربی ہونا کئی وجوہ سے ہے اول تو یہ کہ اس عہد کی علمی اور ادبی زبان عربی تھی اور حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ جس سر زمین پر مستقلا قیام پذیر تھے وہاں کے عوام و خواص سب ہی کی زبان عربی تھی۔ اگرچہ عوارف المعارف کی تصنیف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہوئی لیکن وہ چونکہ زیادہ تر حجازی' عراقی' شامی اور مصری عقیدت کیش ارباب تصوف کے لئے لکھی گئی اور اس کے ذریعہ ان کی اصلاح مقصود تھی اس وجہ سے اس کو عربی زبان میں لکھا گیا (حالانکہ امام غزالیؒ کی طرح آپ کی مادری زبان بھی فارسی تھی)۔ دوسرے یہ کہ فارسی زبان میں اس کی تصنیف سے بظاہر آپ نے یوں گریز فرمایا کہ چھٹی صدی ہجری میں ایران کی سرزمین باہمی چپقلش اور جنگ و جدال کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اس لئے ایسے پر آشوب دور میں ایران کے ارباب ذوق کے لئے سرمایہ فراہم کرنا اور غیر عجمی حضرات کو اس سے محروم رکھنا آپ نے پسند نہیں کیا ہوگا! ایک اہم سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عجمی ارباب تصوف ایران کی طوائف الملوکی سے تنگ آکر مصر و شام' عراق اور حجاز میں ترک وطن کر کے آباد ہو گئے تھے۔

عوارف المعارف کی زبان

چھٹی صدی ہجری کا آغاز اپنے ساتھ بہت سی فتنہ سامانیوں کو لے کر آیا' ایک طرف باطنی قوت پکڑ چکے تھے اور انہوں نے ایران کے سکون کو درہم برہم کر دیا تھا دوسری طرف امیر تاشقین اور فرنگی نبرد آزما تھے' سلجوقی سلاطین آپس میں لڑ رہے تھے' صلیبی جنگیں چھٹی صدی کے ربع دوم میں اپنے شباب پر تھیں۔ یہ طوائف الملوکی اور جدال و قتال چھٹی صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا۔ ہرچند کہ فتنہ تاتار سے پہلے ہی آپ واصل بحق ہو چکے تھے لیکن آپ کا تمام زمانہ سیاسی ابتری اور انتشار کا زمانہ ہے لہٰذا آپ نے "عوارف المعارف" اس ملک کی زبان میں تحریر و تصنیف فرمائی جو امن و امان کا گہوارہ تھا ایک دوسرا بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ارض مصر و شام و عراق میں اس وقت تک موضوع تصوف پر جو مشہور و گرانمایہ کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی زبان عربی تھی جیسے کتاب اللمع۔ کتاب التعرف۔ قوت القلوب' حلیتہ الاولیاء ابو النعیم اصفہانی 'رسالہ قشریہ اور مرشد ذکر و طریقت حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی تصانیف (غنیتہ الطالبین ' فتوح الغیب الفتح الربانی) او مرشد خرقہ و تعلیم شیخ ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی آداب المریدین" یہ تمام کتابیں عربی زبان میں لکھی گئیں۔ "عوارف المعارف" سے قبل صرف دو تین کتابیں تصوف پر فارسی میں لکھی گئیں' تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار قدس سرہ کیمیائے سعادت حضرت امام غزالی قدس سرہ (جو احیاء العلوم کے بعد مرتب ہوئی) یہ دونوں کتابیں سرزمین عجم میں تالیف ہوئیں اسی طرح کتاب "طبقات الصوفیہ" ہروی زبان میں لکھی گئی جو مقامی رنگ کی علمبردار ہے اس سلسلہ میں کشف المحجوب کا ذکر بھی ضروری ہے جس کا تکملہ حضرت شیخ الطریقت علی بن عثمان الجلابی ہجویری (داتا گنج بخش قدس سرہ) نے سرزمین لاہور میں فرمایا' اس وقت ہندوستان کے مسلم علاقوں میں فارسی ہی عام بول چال کی زبان تھی اس لئے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ نے بغرض افادہ عام

اس کو فارسی زبان ہی میں تحریر فرمایا ورنہ حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ عربی زبان پر بھی ویسا ہی عبور اور ویسی ہی قدرت رکھتے تھے جیسی فارسی زبان پر۔

بہرحال عرض کرنا یہ تھا کہ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ نے اپنے وقت اور ماحول کی پوری پوری ترجمانی فرماتے ہوئے "عوارف المعارف" کو عربی زبان میں پیش فرمایا جس پر آپ کو ایک صاحب زبان کی طرح قدرت حاصل تھی' آپ کی زبان میں بڑی روانی اور سلاست ہے' آپ کے فقروں اور جملوں کی بندشیں بڑی چست ہیں اور اپنے عہد کے اسلوب نگارش کا تتبع فرماتے ہوئے مسجع اور مقفی اسلوب نگارش کو اپنایا ہے' آپ کی نثر کا اسلوب غنیۃ الطالبین (حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ) کے اسلوب نگارش سے بہت متاثر ہے' حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے یہاں الفتح الربانی اور فتوح الغیب کے بیان میں جو تہدید' لہجہ میں جو ترہیب اور شدت ہے ایسا ہی انداز "عوارف المعارف" میں ہے لیکن چونکہ "عوارف المعارف" میں خطیبانہ رنگ کے مقابلے میں موعظت و تفہیم کا رنگ زیادہ اجاگر ہے اس لئے "فتوح الغیب" اور "الفتح الربانی" جیسا طنطنہ اور لہجہ میں شدت نہیں ہے لیکن موعظت کے اعتبار سے دل نشینی اور تاثر بیمثال ہے' جو بات فرماتے ہیں بڑے ہی دلنشین انداز میں فرماتے ہیں اور چونکہ "ہرچہ از دل بر خیزد بر دل می ریزد" والی بات ہے' معانی و بیان دونوں صداقت سے بھرپور ہیں اس لئے ہربات فرماتے ہی دل میں اترتی جاتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ عوارف المعارف کی قبولیت کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے' دل چاہتا ہے کہ اس مقام پر رسالہ قشریہ فتوح الغیب الفتح الربانی' فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے ایک مشترک موضوع انتخاب کرکے ہر ایک کے اسلوب نگارش کو اجاگر کرتا اور اپنے بیان کی تائید میں شواہد لاتا لیکن ایک تو یہ خطرہ لاحق تھا کہ بات سے بات پیدا ہو رہی ہے اور دیباچہ طول پکڑتا جا رہا ہے دوسرے یہ کہ عربی اسالیب کا باہمی تقابل یا ان کے نمونے پیش کرکے طرز نگارش کی خصوصیات کو اجاگر کرنا اس اردو ترجمہ میں کچھ بے محل و بے جوڑ سی بات ہو گی کہ عوارف المعارف کے اردو ترجمہ کے قارئین اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اس خیال سے صرف نظر کرنا پڑا۔

عوارف المعارف کا موضوع

جیسا کہ میرے قارئین جانتے ہیں کہ "عوارف المعارف" تصوف کے موضوع پر لکھی گئی ہے اور "عوارف" کا نام آتے ہی ہر ایک کا ذہن تصوف کی اس عظیم تصنیف کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو تصوف پر ایک لازوال و بے مثال کتاب ہے حضرت شیخ الشیوخ کا تصوف' شریعت و طریقت کا امتزاج اور زہد و عبادت کا سنگم ہے نہ طریقت کو شریعت سے جدا کیا جاسکتا ہے اور نہ شریعت کے تقاضے اس طریقت پر کاربند ہوئے بغیر پورے ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ کا تصوف آپ کے مرشد طریقت حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مرشد خرقہ حضرت ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی قدس اللہ سرہ کی طرح تصوف عابدانہ تھا یعنی شریعت کا بھرپور اتباع' فرائض کی کامل ادائیگی' سنن مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع اور ان پر مزاولت اور کمال زہد و تقویٰ' اعمال کی تطہیر' نفس کا تزکیہ اور قلب کی جلا' اورادو وظائف میں مشغول رہ کر توجہ الی اللہ میں صرف اوقات' مراقبہ و مشاہدہ میں استغراق لیکن اس حد تک کہ شریعت کے کسی حکم سے سرمو

تجاوز نہ ہو! یہ تھا آپ کے اس تصوف کا ایک مختصر جائزہ جس پر آپ کے شیوخ کار بند تھے' آپ کار بند ہے اور اپنی تصانیف کے ذریعہ اپنے سلسلہ کے وابستگان کو تاکید فرمائی! آپ کی تصنیف لطیف "عوارف المعارف" کا ہر باب عموماً نص قرآنی سے شروع ہوتا ہے' اس کے بعد اس کی تشریح فرماتے ہیں اور اس کی تائید میں آثار و اخبار پیش فرماتے ہیں' تصنیف لطیف کے 63 ابواب میں تقریباً یہی التزام ہے۔ رسالہ قشریہ' مرصاد العباد (از شیخ نجم الدین رازی المعروف بہ نجم الدین دایہ میں بھی اس نہج اور اسلوب کو اپنایا گیا ہے یعنی جس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں اس کا استدلال قرآن و سنت سے لاتے ہیں' اس لحاظ سے "عوارف المعارف" احکام و آداب شریعت کا ایسا مرقع ہے جس میں محبت الٰہی کے موقلم سے حقائق معرفت کا رنگ بھرا گیا ہے' اور یہی اس کی قبولیت کا اہم راز ہے کہ آج سات سو سال گزر جانے کے بعد بھی کتاب "عوارف المعارف" دنیائے تصوف کے افق پر درخشاں و تابندہ ہے!

"عوارف المعارف" کی انفرادیت

"عوارف المعارف" اپنے بعض مباحث کے اعتبار سے بھی انفرادیت کی حامل ہے' تیسری صدی ہجری سے دنیائے تصوف میں "خانقاہ" وجود میں آگئی تھی اور شیخ ابو الہاشم صوفی قدس سرہ نے تیسری صدی ہجری میں شہر رملہ میں خانقاہ بنائی تھی یا ان کے اور ان کے متبعین کے قیام کے لئے تعمیر کرا دی گئی تھی' اس کے بعد سے اس قسم کے مکانات یا قیام گاہیں مشائخ کے لئے تعمیر ہوتی رہیں لیکن حضرت شیخ الشیوخ پہلے بزرگ اور صاحب طریقت ہیں جنہوں نے ان خانقاہوں کے لئے ایک باقاعدہ نظام قائم کیا اور اس کے آداب معین فرمائے آپ کے سلسلہ کے حضرات ہی نہیں بلکہ دوسرے سلاسل کے متبعین بھی آج اس نظام خانقاہی پر عمل پیرا ہیں اور ان آداب کی حتی الوسع پیروی کرتے ہیں جو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ نے عوارف المعارف کے ابواب 13 تا 18 میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور صوفیہ کرامؒ کے معمولات شب و روز میں شریعت کے جن آداب کی نگہداری ضروری قرار دی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا قائم کردہ نظام خانقاہی ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کو قرآن و سنت کی اتباع کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے!

عوارف المعارف کی تصنیف اور اس کی اشاعت

جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ مدینہ منورہ میں عوارف المعارف کے تکملہ سے فارغ ہوئے[1]' آپ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس وقت دنیائے اسلام میں مطبع یا پریس نہیں تھا بلکہ مغربی ممالک بھی اس سے محروم تھے البتہ چینی اپنی کتابیں کپڑوں پر چھاپ لیا کرتے تھے۔ بہرحال کئی اسلامی صدیوں تک تصنیف و تالیف

---

(1) شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے "عوارف المعارف" کے دیباچہ میں اس قسم کی کوئی صراحت نہیں فرمائی ہے اور نہ سال آغاز تصنیف و سال تکملہ تحریر فرمایا ہے لہذا یہ تمام باتیں روایتی ہیں۔ میں تاریخی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ (شمس)

کی دنیا میں یہی دستور تھا کہ کتاب کی نقلیں کرلی جاتی تھیں جو کتاب جس قدر گرانمایہ اور موضوع کے لحاظ سے جس قدر اہم ہوتی اسی قدر اس کی نقلیں بھی زیادہ کی جاتی تھیں ان ہی کا نام "قلمی نسخے" ہے' آج کے عظیم کتب خانوں میں یہی قلمی نسخے تو ہماری بزرگوں کا علمی و ادبی سرمایہ بن کر محفوظ ہیں اور ہم ان پر نازاں ہیں چنانچہ حضرت شیخ المشائخ سہروردی قدس اللہ سرہ کے ارادت کیشوں' خصوصاً آپ کے خلفائے عظام کے ذریعے عوارف المعارف کے یہ قلمی نسخے یا اس کی نقول دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں بہت جلد پہنچ گئیں۔ اس برکوچک ہندوپاکستان میں آپ کے نامور اور ممتاز خلیفہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہیں' ممکن ہے کہ "عوارف المعارف" جیسے گنجینہ کی نقل بھی اپنے ساتھ دوسرے تبرکات کے ساتھ ملتان لائے ہوں۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے سوانح نگار جناب مولانا نور احمد صاحب ملتانی نے آپ کی جامع اور مفصل سوانح حیات' میں آپ کی تبلیغی اور تدریسی مصروفیات کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن مجھے اس سلسلہ میں کہیں لفظ "عوارف المعارف" نظر نہیں آیا ہو سکتا ہے کہ حضرت مؤلف کا ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوا ہو اس لئے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ "عوارف المعارف" کا درس دیتے تھے یا نہیں۔ بہرحال جیسا کہ میں ابھی عرض کرچکا ہوں اس کی نقول بہت جلد عراق و مصر و شام اور عجم میں پھیل گئیں اور نہ صرف نقول بلکہ عربی سے دوسری زبانوں میں اس کے متراجم بھی کئے جانے لگے'

عوارف المعارف کے فارسی و ترکی میں تراجم

فارسی تراجم کے سلسلہ میں صاحب نفحات الانس مولانا جامی قدس سرہ' شیخ عزالدین محمود بن علی کاشانی متوفی 735ھ کے حالات کے تحت "نفحات الانس" میں تحریر فرماتے ہیں۔ "دے صاحب ترجمہ عوارف است و شرح قصیدۂ تائیہ فارضیتہ' وے حقائق بلند و معارف ارجند دریں درکتاب درج کردہ است"۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ کی اس صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ عوارف المعارف کا فارسی میں ترجمہ کرنے والے شیخ عزالدین محمودؒ ہیں جنہوں نے یہ شرح ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں کی ہو گی عوارف المعارف کا جو ترجمہ یا تلخیص شیخ عزالدین محمود کاشانی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اس کا نام مصباح الہدایت ہے جس کی صراحت حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنونؒ نے ان الفاظ میں کی ہے!

وعلیہ تعلیقہ للسید الشریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی 816ھ ست عشرۃ وترجمہ العارفی بالترکی و ظہیر الدین عبدالرحمن بن علی الشیرازی بالفارسی والشیخ عزالدین محمود بن علی الکاشی النطنزی ایضا بالفارسی سماہ' مصباح الہدایت و مفتاح الکفایتہ لقولہ' حمدی کہ لمعات صدق و نفحات اخلاص الخ المتوفی 735ھ واختصرہ محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری المکی الشافعی المتوفی 694 اربع و تسعین وستمائۃ و تخریج احادیثہ للشیخ قاسم بن قطلوبغا الحنفی المتوفی سنہ 879 تسع وسبعین وثمانمائۃ (کشف الظنون چاپ استامبول (استانبول)

اور اس پر یعنی "عوارف" پر تعلیقات سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ نے لکھے ہیں اور عارفی نے اس کا ترجمہ

ترکی میں کیا ہے اور شیخ ظہیر الدین عبدالرحمن بن علی شیرازی نے فارسی میں ترجمہ کیا- ایک اور فارسی ترجمہ شیخ عزالدین محمود بن علی کاشانی نطنزی نے کیا اور اس کا نام مصباح الہدایت و مفتاح الکفایت رکھا جس کا آغاز اس طرح ہے "حمدے کہ لمعات صدق"- الخ، شیخ عزالدین کا انتقال 735ھ میں ہوا- اس کتاب "عوارف المعارف" کا اختصار شیخ محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری المکی والشافعی متوفی 694ھ نے کیا- اس سے احادیث کی تخریج شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی 876ھ نے کی ہے!

صاحب کشف الظنون کے مندرجہ بالا حوالہ سے عوارف المعارف کے فارسی، ترکی ترجموں، اس کی تلخیص اور تخریج احادیث کا پتہ چلتا ہے- لیکن حیرت ہے کہ صاحب الظنون نے مصباح الہدایت کا مطالعہ فرمانے کی زحمت نہیں فرمائی کہ عوارف المعارف تو 63 ابواب پر مشتمل ہے اور مصباح الہدایت صرف 10 ابواب پر مشتمل ہے اور ہر ایک باب میں دس فصلیں ہیں اس لئے اس کو "عوارف المعارف" کا ترجمہ نہیں کہا جا سکتا- خود صاحب مصباح الہدایت نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں یہ صراحت کی ہے کہ:-

> ترجمہ:- "مدتوں سے میرے احباب کی فرمائش تھی کہ میں "عوارف المعارف" کا ترجمہ کروں لیکن میری نظر میں یعنی (ایسا کرنا) ترجمہ کرکے اس کو زیور سے عاری کرنا تھا اور بالکل ایسا تھا کہ اجساد سے رابطہ حیات کو منقطع کر دینا، اس لئے میں اس ارادہ سے باز رہا- مجھے اس معاملہ میں تردد تھا کہ ایک دن مجھے خیال ہوا کہ اس فن (تصوف) پر ایک مختصر کتاب فارسی زبان میں لکھ دوں جو مشائخ کے کلام پر مشتمل ہو اور اس میں "عوارف المعارف" کے اکثر اصول و فروع شامل کر دیئے جائیں اور اس پر کچھ اور فوائد کا اضافہ کروں تاکہ احباب کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور میرے اجتناب کی حدود بھی ٹوٹنے سے محفوظ رہیں (یعنی وہ عوارف المعارف کا ترجمہ نہ ہو)-
>
> (مصباح الہدایت 9 چاپ تہران)

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مصباح الہدایت "عوارف المعارف" کا ترجمہ نہیں ہے، نہ تلخیص ہے بلکہ ایسی تصنیف ہے، جس میں عوارف المعارف کی بعض فصول کو بھی انہوں نے شامل کر لیا ہے-

عوارف المعارف کا پہلا فارسی ترجمہ

عوارف المعارف کا اصل فارسی ترجمہ شیخ ظہیر الدین عبدالرحمن شیرازی نے کیا ہے شیخ ظہیر الدین ابن نجیب الدین علی بن بزغش شیرازی المتوفی 716ھ شیخ عزالدین محمودؒ کے نہ صرف معاصر تھے بلکہ سلسلہ سہروردیہ سے دونوں حضرات کا تعلق قریبی تھا- اور دونوں کے مابین مراد و مرید اور شاگرد و استاد کا تعلق تھا یعنی شیخ عزالدین بن علی کاشانیؒ کے شیخ طریقت و ارادت شیخ ظہیر الدینؒ بن عبدالرحمن شیرازی تھے لیکن شیخ عزالدینؒ کے شیخ خرقہ شیخ نور الدین عبدالصمدؒ ہیں- یہ دونوں بزرگ، شیخ نجیب الدین علی بن برغش شیرازی (متوفی 668ھ) کے مرید ہیں-

بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عوارف المعارف کا سب سے پہلا ترجمہ کرنے والے شیخ ظہیر الدین ابن نجیب

الدین علی بن برغش شیرازی 716ھ ہیں اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ "عوارف المعارف" کا یہ فارسی ترجمہ ساتویں صدی ہجری کے وسط یا ربع آخر کا ہے یعنی حضرت شیخ الشیوخ کے وصال کے بعد قریب ترین زمانہ میں کیا گیا افسوس کہ یہ ترجمہ آجکل ناپید ہے! میں نے بہت کوشش کی کہ ایران سے یہ ترجمہ دستیاب ہو جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ یہ ترجمہ بھی بشکل مخطوطہ کسی کتب خانے میں محفوظ ہو! ہاں اس حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس بلند پایہ کتاب کے ساتھ مستشرقین نے اس قدر بے اعتنائی کیوں برتی جب کہ پروفیسر نکلسن تصوف کی کتابوں کے شیدائی ہیں' دیوان شمس تبریز کا مقدمہ' دیوان حافظ کی ترتیب اور مقدمہ' تاریخ تصوف' کشف المحجوب کا مقدمہ ان کا یادگار ہیں اور تحقیقی کام کرنے والوں کو ان کی کتابوں سے بڑی مدد مل جاتی ہے اسی طرح کسی جرمن مستشرق یا روسی مستشرق ژوکوفسکی نے اس طرف توجہ نہیں کی' پروفیسر ایڈورڈ براؤن صاحب تاریخ ادبیات ایران تو فارسی زبان کے دلدادہ تھے شاید وہ اس وجہ سے اس طرف توجہ نہ کرسکے! میری اس نگارش کا مدعا اور مقصد یہ نہیں کہ ان مستشرقین کی کوششوں سے کتاب کے پایہ فضل و مرتبت میں کچھ اضافہ ہوتا بلکہ مقصود یہ تھا کہ مغربی ممالک کے لوگ بھی تصوف کی اس بلند پایہ کتاب کے مطالعہ سے بہرہ ور ہو جاتے۔ مقام شکر ہے کہ عربی و فارسی شروح اور تراجم کی کمی کی اس برکوچک ہندوپاک میں بہت کچھ تلافی ہوئی اور وہ قدر و منزلت کی گئی جو اس بلند پایہ کتاب کے شایان شان ہو سکتی تھی!

برصغیر ہندوپاک میں عوارف المعارف کے ترجمے

میں یہ تو نشاندہی نہیں کرسکتا کہ سب سے پہلے عوارف المعارف کا اس برکوچک پاک و ہند میں کب تعارف ہوا اور اس کی نقول اس ملک میں کون لے کر آیا ہاں اتنا ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ بزرگان چشتیہ سہروردیہ ہند کے یہاں یہ کتاب ارباب معرفت و سلوک کو پڑھنا لازمی تھی خود سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا فرید گنج شکر قدس اللہ سرہ سے اس کے چند ابواب پڑھے تھے اور اس کے بعد آپ کے سلسلہ کے ارباب طریقت کے لئے اس کا منجملہ دوسری کتب تصوف جیسے کشف المحجوب' رسالہ قشیریہ' قوت القلوب فصوص الحکم' فتوحات مکیہ اور مرصاد العباد کا پڑھنا ضروری تھا! اس برکوچک پاک و ہند میں حضرت چراغ دہلوی قدس سرہ کے لائق و فاضل خلیفہ حضرت سید محمد الحسینی المعروف بہ گیسو دراز سب سے پہلے قلم اٹھانے والے شیخ ہیں (اس سے میری مراد رسالہ "معراج العاشقین" ہے) عوارف المعارف کی شرح عربی زبان میں لکھی' افسوس کہ یہ شرح بھی ان کی دیگر اہم تصانیف کی طرح نایاب ہے۔

عوارف کا دوسرا ترجمہ زوارف کے نام سے شیخ گیسو درازؒ کے ہمعصر بزرگ شیخ علی المہائی صاحب تفسیر تبصیر الرحمن نے کیا ہے۔ حضرت محدث دہلوی تذکرۃ الاخیار الاخیار میں لکھتے ہیں:۔

---

(1) آپ کا سال ولادت 1321ء ہے' اور سال وفات 1422ء ہے' دہلی میں پیدا ہوئے اور گلبرگہ (دکن) میں آپ کا مزار ہے

"زوارف شرح عوارف نیز تصنیف اوست، و شرح داردبر فصوص کہ اندران در تطبیق ظاہر و باطن کوشید"۔

عہد اکبر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے والد محترم مخدوم عبدالاحد قدس اللہ سرہ ہندی جو ایک صاحب حال عالم تبحر تھے۔ ان کو نفحات سے خاص لگاؤ تھا اور انہوں نے تصوف کی کتب مثلاً فصوص الحکم فتوحات مکیہ اور عوارف المعارف کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ حضرت مخدوم عبدالاحد" جن کتب تصوف کا درس دیا کرتے تھے ان میں عوارف المعارف بھی شامل تھی۔ حضرت مجدد صاحب" نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار سے اولاً کی تھی اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ نے عوارف المعارف کا درس بھی ان سے لیا تھا، آپ کا ایک مختصر رسالہ، قادری سلسلہ کے فروغ کا دور ہے چنانچہ اس سلسلہ کے عالم تبحر اور محدث فہام حضرت عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے تصوف کے موضوع پر جب قلم اٹھایا تو غوث اعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مشہور زمانہ تصانیف غنیتہ الطالبین اور فتوح الغیب کے تراجم فارسی میں کئے۔ حضرت کی سوانح حیات "بہجتہ الاسرار" کی تلخیص بھی زبدۃ الآثار کے نام سے مرتب فرمائی لیکن عوارف المعارف پر کچھ کام نہیں کیا عالمگیری کا دور فقہ اسلامی کا دور ہے تصوف پر اس دور میں بہت کم تصانیف معرض وجود میں آئیں اگرچہ سلاسل چشتیہ، قادریہ سہروردیہ، نقشبندیہ کے بزرگ اپنے اپنے زاویوں میں سرگرم عمل تھے لیکن تصوف کی کتابوں خصوصاً متقدمین صوفیہ کے آثار قلم پر اس قدر توجہ مبذول نہیں کی۔ حضرت مجدد" صاحب کے مکتوبات اس وقت صوفیہ کی خلوتوں اور جلوتوں کی زینت تھے، اس لئے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی تعلیقات عوارف کے بعد عوارف المعارف کی کسی شرح یا ترجمہ کا پتہ نہیں چلتا تا این کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں منشی نو کشور کے مطبع لکھنؤ سے وہ متن شائع ہوا جو اسی صدی میں مصر سے احیاء العلوم کے حاشیہ پر شائع ہوا تھا اور اس کے چند سال بعد ہی اس کا اردو ترجمہ جو اپنے انداز بیان اور بے محل الفاظ اور تراکیب کی ژولیدگی کے باعث بہت سے مقامات پر ناقابل فہم ہے، مولوی احمد حسن صاحب نانوتوی کے قلم سے شائع ہوا جو مطبع نو لکشور میں حاشیہ و ترجمہ نگاری کی خدمت پر مامور تھے۔ بہرحال اس لحاظ سے کہ وہ اردو زبان میں پہلا ترجمہ ہے مترجم کے لئے وجہ نازش و افتخار ہو سکتا ہے آج بھی وہ مطبوعہ ترجمہ کتب خانوں میں موجود ہے لیکن اس دور کے مذاق سلیم کی پذیرائی اس سے نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں بھی اس کا ایک ترجمہ شائع ہوا تھا لیکن وہ بھی نایاب ہے۔

اب آپ کے سامنے یہ ہیچمدان شمس بریلوی "عوارف المعارف" کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے! میں نے کوشش کی ہے کہ میں اس ترجمہ میں بھی اپنے اسلوب نگارش کو برقرار رکھوں جو اس سے قبل کے میرے تراجم غنیتہ الطالبین، تاریخ الخلفاء اور خطوط اورنگ زیب میں نمایاں رہا ہے۔ میں اپنی حد تک تو یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس ترجمہ میں بھی آپ میرے ترجمہ کے اس اسلوب کو موجود پائیں گے جس کو آپ کی پسندیدگی کا شرف حاصل ہے اور یہ سب کچھ فیض ہے اس بزرگ ہستی کا جس کی تصنیف لطیف کو میں نے اردو ترجمہ کا لباس پہنایا ہے! اللہ تعالیٰ کی توفیق میرے شامل حال تھی اور اسی کا سہارا میرے قلم کا سرمایہ تھا کہ یہ کام اتمام کو پہنچا اور میں نے مقدمہ کے اس سنگلاخ راستے کو اپنی بے بضاعتی و بے مانگی اور کامیابی کے اسباب کے فقدان کے باوجود چند ماہ میں طے کر لیا اور آپ کے سامنے تیسری صدی ہجری سے بارھویں صدی ہجری تک تصوف

کے بلند موضوع پر لکھی جانے والی مشہور و معروف منثور تصانیف کا ایک مختصراً اجمالی تذکرہ پیش کر دیا۔
اپنے اس ترجمہ کے سلسلہ میں مختصراً سخن ہائے گفتنی کے تحت کچھ عرض کیا ہے جو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
وما توفیقی الا باللہ۔ شمس بریلوی

---

(۱) مجھے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کی پاک روح کے سامنے شرمندگی ہے کہ میں آپ کی قابل تقلید پاک و صاف زندگی کے خدوخال شایان شان طور پر ابھار نہ کر سکا کہ مقدمہ کی طوالت قدم قدم پر میرے سامنے حائل تھی ورنہ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔ بہت سے حضرات یہ خیال کریں گے کہ آپ کی کرامات کے سلسلہ میں میں نے کچھ عرض نہیں کیا ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت شیخ الشیوخ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا سلسلہ عالیہ سہروردیہ ہے جس کے لاکھوں نام لیوا بفضلہ تعالیٰ آج بھی موجود ہیں اور آپ کی دوسری کرامت آپ کی گرانمایہ تصنیف عوارف المعارف ہے کہ آج بھی وہ گم کردہ راہ حضرات کے لئے دلیل راہ ہے۔ (شمس)

قطعات تاریخ ترجمہ عوارف المعارف

(از شمس بریلوی مترجم کتاب)

صوفی کامل عوارف دستگاہ مرکز علم و معارف را پناہ
گفتہ اش اسرار را شرح مبیں عروۃ الوثقی پے دین متین
مسلک اخلاص حق راہ رہ نورد آں شہاب الدین عمرؒ از سہروردؒ
بود ذاتش گرچہ اندر ذات محو تحت شرعش جملگی ہر سکر و صحو
بو نجیب و غوث اعظم را نقیب آخر مرد عراق آمد نہیب
از عوارف عصر ہارا زندہ کرد از نگارش نقش ہا پایندہ کرد
سرزمین پاک نازاں ہم بدو ہم بارض ہند فیضش کو بکو
خواستم تا عام گردد فیض او عرضہ کردم پیش فکر کار جو
قالب اردو عوارف را دہم چوں غنیتہ الطالبیں آساں کنم
خواستم دیباچہ ہم عرضہ شود وندراں ہم ندرتے پیدا شود
درمیاں آرم جمیع تصنیف را زیر موضوع تصوف برملا
ذکر ملفوظات و مکتوبات ہم کردہ در دیباچہ ایں کج مج قلم
گفت ہاتف ترجمہ چوں شد تمام مرشد سجادہ ذی احترام

1977ء

دیگر!

شد 'بحر' عوارف' پے تشنہ کاماں ہم بے سرو سامانی دل را ساماں
چوں ترجمہ اش تمام کردم اے شمس تاریخ شد 'آداب فروغ ایماں

1397ھ

قطعہ تاریخ (عربی) ترجمہ عوارف المعارف

---(از شمس بریلوی-----

یدور فکری بسیر المعارف فصرت نجیحا بوصل المارب

فانشات تاریخا الاعلام شکری کتاب العوارف عروج المراقب

1397ھ

کلمات تبریک

بر ترجمہ عوارف المعارف مترجم جناب محترم علامہ شمس الحسن صاحب شمس بریلوی

از مولانا اطہر نعیمی صاحب خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی

عوارف کا یہ نقش تازہ و نو مبارک تم کو ارباب طریقت

عوارف کا جو اعلیٰ مرتبہ ہے نہیں پنہاں کسی سے یہ حقیقت

کرم گستر جناب شمس میرے ہیں مخلص بے ریا و پاک طینت

زباں پر ان کو جیسی دسترس ہے ہیں واقف خوب ارباب بصیرت

بہت سے ترجمے اب تک کئے ہیں ہر اک میں کار فرما ہے بصیرت

عوارف کا کیا جب ترجمہ ختم بایں حسن با زیب و زینت

نہیں اظہار میں کچھ باک مجھ کو نہیں کچھ اس میں شک و ریب و لینت

بہت دلچسپ اسلوب بیاں ہے ہے دیباچہ بھی اک عنوان زینت

ہوئی اطہر مجھے جب فکر تاریخ

کہا! پیرایہ نقش طریقت

1397ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست ابواب و عنوانات

ترجمہ عوارف المعارف

باب 4

صوفیہ کے احوال اور ان کے مختلف طریقے

باب 5

تصوف کی ماہیت

باب 6

ارباب تصوف کو صوفی کیوں کہا گیا

باب 7

صوفی اور صوفی سے مشابہ

باب 8

فرقہ ملامتیہ اور ان کا احوال

باب 9

نام کے صوفی

باب 10

مرتبہ شیخ اور مشیخت کی شان

باب 11

صوفیہ کا حقیقی اور مشابہہ خاد

باب 12

خرقہ مشائخ کی حقیقت

باب 13

خانقاہ نشینوں کی فضیلت

باب 14

اہل صفہ اور اہل خانقاہ کی مشابہت

باب 15

ارباب خانقاہ کی خصوصیات اور باہمی عہد و پیمان

باب 16
سفر و حضر میں مشائخ کے احوال

باب 17
حالت سفر میں صوفی کے فرائض و فضائل

باب 18

مراجعت سفر و قیام خانقاہ

باب 19

وابستہ اسباب و تارک اسباب صوفی

باب 20

فتوح پر گزر اوقات

باب21

صوفیوں کی ازدواجی زندگی

(متاہل و مجرد صوفی کا احوال)

باب22

سماع کی فضیلت و قبولیت

باب 23

رد و قبول

باب 24

سماع اور وجد کی حقیقت

(استغناء اور علو مرتبت کے لحاظ سے)

باب 25

سماع کے آداب

باب 26

اربعین کی حقیقت (چلہ کشی)

باب 27

چہل روزہ خلوت کے کشف

باب 28

چلہ نشینی کس طرح کی جائے۔

(چلہ میں داخلہ کے آداب)

باب 29

ارباب تصوف کے اخلاق

باب 30

اخلاق صوفیہ کی وضاحت

باب 31

آداب تصوف اور ان کی اہمیت

(محل ادب)

باب 32

مقربین کے لیے حضوری الٰہی کے آداب

باب 33
آداب طہارت اور اس کے مقدمات و مبادیات
(آداب طہارت اور اس کے اسرار)

باب 34
آداب وضو اور اس کے اسرار

باب 35
اہل خصوص و صوفیہ کے آداب وضو

باب 36
فضیلت نماز اور اس کی مکرمت و بزرگی

باب 37
بارگاہ خداوندی کے مقربین کی نماز

باب 38

آداب و اسرار نماز

باب 39

روزہ اور اس کے پاکیزہ اثرات

باب 40

صوم و افطار میں صوفیہ کرامؒ کے مختلف اطوار

باب 41

روزے کے آداب اور اس کی اہمیت

باب 42

کھانے کے مفسدات و مصالح

باب 43
کھانا کھانے کے آداب

باب 44
صوفیہ کرم کی لباس پوشی اور اس کے مقاصد

باب 45
فضیلت عبادت شبانہ
(قیام اللیل)

باب 46
شب بیداری کے معاون اسباب

باب 47

خواب سے بیداری اور ذکر میں مصروفیت

باب 48

شب بیداری میں اوقات کی تقسیم

باب 49

باب 50

صوفیہ کے دن کے معمولات

(استقبال یوم)

باب 51

آداب مرید

(شیخ کے حقوق جو مرید کے ذمہ ہیں)

باب 52
مریدوں اور تلامذہ کے حقوق جو شیخ کے ذمہ ہیں!

باب 53
صحبت کی حقیقت اور اس کے نیک و بد اثرات

باب 54
اللہ تعالیٰ کے لیے صحبت و محبت کے حقوق!

باب 55

آداب صحبت واخوت

باب 56

معرفت نفس ومکاشفات صوفیہ

باب 57
خواطر کی شناخت اور اس کی تفصیل

باب 58
شرح حال و مقام اور دونوں کا فرق

باب 59
مقامات روحانی کے سلسلہ میں ارشادات بر سبیل ایجاز

باب 60

مقامات کے بارے میں مشائخ کے اقوال

باب 61

احوال اور ان کی توضیح و تشریح

باب 62
بعض مصطلحات تصوف کی توضیح و تشریح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از: مصنف علام (حضرت شیخ المشائخ شہاب
الدین سہروردی)
صاحب "عوارف المعارف" قدس سرہ

☆ تمام حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' اس کی شان عظیم ہے' اس کی قدرت بہت بڑی ہے' اس کا احسان ظاہر ہے اور اس کی حجت (خالقیت) اور اس کی دلیل روشن ہے' وہ اپنے جلال میں مستور و پوشیدہ اور اپنے کمال میں یکتا ہے اور ابد و ازل میں عظمت کی ردا سے ملبوس ہے۔ وہم و خیال اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور نہ حدو مثال اس کا حصر کر سکتے ہیں' وہ سرمدی اور دائم عزت والا اور دائمی قائم رہنے والے ملک کا مالک ہے۔ وہ ایسی قدرت کا مالک ہے جس کی حقیقت کا ادراک محال ہے اور ایسا صاحب سطوت ہے جس کی صفت کے راستے پر چلنا دشوار ہے۔

تمام مخلوق اس امر کی قائل ہے کہ وہ صانع نو ایجاد ہے او وجود کے ذرات سے یہ بات ہویدا ہے کہ وہ انوکھا خالق ہے عقل انسانی عجز اور نقصان کی (اس کی راہ میں) حامل ہے اور تمام فصیح زبانیں اس کی ذات کے بیان میں عاجز و درماندگی سے موصوف و متصف ہیں۔ اس کی ذات کریم کے انوار جلال نے طائر فہم کے پروبال کو جلا دیا ہے اور اس تک پہنچنے والے تمام راستوں کو اس کے عزت و جبروت و جلال نے وہم کے لئے مسدود کر دیا ہے اور بصیرت کے انداز نظر نے اس کی عظمت و بزرگی کے حضور اپنا سر جھکالیا ہے اور بصیرت اس کی فضائے جبروت میں فرط ہیبت کے باعث مجال رسائی نہ پا سکی لہٰذا بھوچک کر الٹے پاؤں پلٹ آئی اور جب عقل نے اس کی کنہ کبریائی میں راہ نہ پائی تو درماندہ ہو کر رہ گئی۔

پس منزہ اور پاک ہے وہ ذات کہ اگر اس کی تعریف نہ ہوتی تو اس کی معرفت مشکل تھی اور اس کی تحدید و تکیف (مقرر کرنا اور احاطہ کرنا) عقلوں کے لئے مستعذر و دشوار ہوتی' یہ حال مشاہدہ فرما کر اس نے بندوں کے قلوب معانی کو عرفان کا لباس پہنایا اور خصائص احسان سے اپنے بندوں میں سے انہیں مخصوص کیا۔ پس ان خاصان خدا کے قلوب عطیات انس سے پر ہو گئے اور ان کے آئینہ ہائے قلوب نور قدس کی تابانیوں سے جھلملانے لگے اس طرح ان قلوب میں یہ استعداد پیدا ہو گئی کہ وہ اس کی جلوہ آرائی کو قبول کر سکیں اور انوار علویہ کے ورود کا مورد بن سکیں (ان خاصان بارگاہ کے قلوب انوار الہیہ و را نوار علویہ کو قبول کر سکیں) چنانچہ انہوں نے اذکار سے معطر انفاس کی ہم نشینی اختیار کی اور اپنے ظاہر و باطن پر زہد؛ تقوی کے

نگہبان مقرر کئے اور اس ظلمت کدہ بشریت میں چراغ ہائے یقین روشن کئے اور دنیا کے فوائد اور اس کے لذات کو حقیر سمجھا (اور منہ نہ لگایا) اور ہواو ہوس کے شکار کے لوازم سے انکار کیا (ان کو قبول نہیں کیا) اس کے بجائے وہ رغبت اور رہبت کی سواریوں پر بیٹھے اور بساط ملکوت کو اپنی علوہمت سے اپنا فرش بنایا اور معارج و معالی (بلندیوں) کی جانب اپنی گردنوں کو بلند کیا اور علوی لمعات کی طرف اپنی نظریں ڈالیں اور ملا اعلیٰ سے اپنی ہمکلامی کی طرح ڈالی- درجہ اقصیٰ سے نور عزیز لے کر اس کو اپنی زیارت گاہ بنایا او مقام قرب کو اس سے اخذ کیا'

ہر چند کہ یہ ارضی اجسام ہیں مگر آسمانی قلوب ان میں دھڑکتے ہیں- یہ صورتیں اگرچہ فرشی (زمینی) ہیں مگر ان میں ارواح عرشی ہیں' ان کے نفوس منازل خدمت میں سیر کناں ہیں اور ان کی ارواح فضائے قرب میں مصروف پرواز ہیں' بندگی و طاعت میں ان کے راستے مشہور ہیں اور ان کے علم کے پرچم تمام اطراف زمین پر پھیلے ہوئے اور سایہ فگن ہیں' جو ناواقف ہیں وہ ان کے احوال کے مشاہدے سے کہتے ہیں کہ وہ گم ہو گئے ہیں حالانکہ وہ گم نہیں ہوئے البتہ ان کے احوال بلند ہو گئے ہیں اس لئے یہ دیکھنے والے (ناواقف) ان کو نہ پاسکے اور چونکہ وہ بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں اس لئے یہ ناواقفان حال ان تک نہ پہنچ سکے۔ وہ دنیا میں ہیں لیکن ابد کو اپنے ساتھ لئے ہوئے اور یہ اپنے قلوب (متجلی) حدوث میں رہ کر مقام حدوث سے جدا ہیں ان کی ارواح عرش کے پیرامون مصروف طواف ہیں اور ان کے قلوب کی نیکی کے خزانوں سے حاجت روائی ہوتی ہے یہ خدمت سے شب ہائے تار میں چین سے رہتے ہیں اور آتش طلب بگردا گرد دوپہر کی تشنگی کا لطف اٹھاتے ہیں اور اپنی نمازوں سے خواہشات سے آزمائے جاتے ہیں (خواہشوں کو ترک کر کے مصروف نماز ہوتے ہیں) اور تلاوت (قرآن) کی شیرینی سے لذتوں کا بدل حاصل کرتے ہیں' ان کے چہروں اور بشروں سے وجدان کا حسن اور بشاشت ٹپکتی ہے اور ان کے باطن کے اسرار پر عرفان کی شادمانی اور تازگی چھائی ہوتی ہے (نضارت عرفان غمازی کرتی ہے)

ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر ایک زمانے میں یہ علمائے حقانی خلق کی دعوت کرتے ہیں (خلق کو بلاتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اطاعت و متابعت سے ان کو مرتبہ دعوت عطا فرمایا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ارباب زہد و تقویٰ کے پیشوا بنائے گئے ہیں اسی لئے ان کے آثار بھی ہمیشہ مخلوق میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے انوار مشرق و مغرب تاباں اور درخشاں ہیں پس جس نے ان کی اقتداء اور پیروی کی اس نے سیدھی راہ (صراط مستقیم) کو پالیا اور جس نے ان کا انکار کیا وہ گمراہ ہوا اور حد سے بڑھ گیا- پس تمام حمد و سپاس اللہ ہی کے لئے ہے کہ اس نے اپنی بارگاہ کبریائی کی خواص کی برکات سے ان بندوں کے لئے جو اہل دوار ہیں کیا کچھ مہیا فرمایا ہے (یعنی ان لوگوں کو جن پر زمانہ کا مدار ہے اپنی بارگاہ کی خواصی مرحمت فرمائی اور اس کی برکات سے ان کو نوازا اور سربلند فرمایا)-

درود و رحمت اور سلام اس کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل و اصحاب پر جو بڑے مرتبے والے ہیں اس درود و سلام کے بعد عرض پرداز ہوں کہ مجھے اس قوم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا مقصود تھا جس کا باعث ان کے احوال کی شرافت اور کتاب و سنت پر ان کی مداومت تھی- علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا وہ فضل و کرم جو ان کے شامل حال تھا ان تمام امور نے مجھے اس طرف مائل کیا کہ اس گروہ سے میں اپنی اس مختصر تصنیف کے ذریعے برائی کو دور کر دوں (جو نادانستہ طور پر پیدا

ہو گئی ہے) اور چند حقائق اور آداب (طریقت) تالیف کر دوں تاکہ رہ صواب ان پر آشکارا ہو جائے اور وہ ان مقاصد میں جن پر انہوں نے اعتماد کیا ہے کامیاب ہوں- اور علم حدیث کی شہادت سے ان مطالب میں ان کی رہنمائی کروں جو ان کے معتقدات میں شامل ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آجکل تشبیہہ کرنے والے (نقال) بہت ہو گئے ہیں اور ان نقل کرنے والوں کے احوال عجیب و غریب ہیں- اور ان بزرگوں کے لباس میں بہت سے لوگ چھپے ہوئے ہیں اور ان کے اعمال فاسد ہو گئے ہیں اور جو لوگ ان نقالوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان کے بزرگوں کے احوال سے وہ واقف نہیں ہیں' ان کے دلوں میں ان بزرگوں کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اور یہ بدگمانی اس حد پر پہنچ گئی ہے کہ قریب تھا وہ ان کے وقار سے منحرف ہو جائیں اور ان نقالوں کی رسمی کیفیت کو دیکھ کر ان بزرگوں کو مطعون کرنے لگیں کہ یہ تشبیہہ کرنے والے یعنی نقال محض نام کی تخصیص ان بزرگوں سے رکھتے ہیں (محض نام کو صوفی کہلاتے ہیں)اس سلسلہ میں میری نیت کو اس اعتبار سے مزید تقویت ہوئی کہ قوم کا سواد اعظم(اکثریت)انکے طریقے کی نسبت سے وجود میں آیا ہے اور انہی کے اشارے سے ہوا ہے- حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے ایک قوم کی تعداد کو بڑھایا وہ تعداد بڑھانے والا ان ہی میں سے ہے اور مجھے اس سلسلہ میں خداوند کریم سے صحت نیت کی امید ہے (کہ اس تالیف میں میری نیت بخیر ہے) میں اللہ تعالیٰ سے خواستگار ہوں کہ میری نیت کو نفس کے شائبوں سے خالص رکھے (میری نیت میں شائبہ نفس نہ ہو) اور اس سلسلہ میں مجھے جو کچھ کامیابی ہوئی ہے وہ تمام تر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اور اس معرفت اور ان عطیات میں سب سے بڑا عطیہ اور معرفت یہ "عوارف المعارف" ۔ہے جو ساٹھ (60) ابواب سے زیادہ پر مشتمل ہے- اس کتاب کے تکملہ میں اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے- چنانچہ (حضرا) میں

باب یازدہم - صوفیہ کا حقیقی اور مشابہ خادم

باب دوازدہم - خرقہ مشائخ کی حقیقت

باب سیزدہم - خانقاہ نشینوں کی فضیلت

باب چہارم دہم - اہل صفہ اور اہل خانقاہ کی مشابہت

باب پانزدہم - اہل خانقاہ کی خصوصیات اور انکے مابین عہدو پیمان

باب باب شانزدہم - مشائخ کرام کے احوال اور مختلف سفرو مقام

باب سی ویکم - آداب تصوف و محل ادب

باب سی و دوم - حضوری الٰہی کے آداب جو اہل قرب کے لیے مخصوص ہیں

باب سی وسوم - آداب و طہارت اور اس کے اسرار

باب سی وچہارم - وضو اور اس کے اسرار

باب سی و پنجم - اہل خصوص و صوفیہ کے آداب وضو

باب سی و ششم - اہل قرب کی نماز کی شان، فضیلت نماز اور اس کی شان

باب سی و ہفتم - نماز کے آداب و اسرار

باب سی و نہم - روزہ اور اس کا حسن اثر

باب چہلم - صوم اور افطار اور احوال صوفیہ کا اختلاف

باب چہل ویکم - روزے کے آداب اور اس کی اہمیت

باب چہل و دوم - طعام و طعام میں کیا فوائد اور کیا مفسدات پنہاں ہیں-

باب چہل و چہارم - صوفیائے کرام کی لباس پوشی اور ان کی نیات و مقاصد لباس پوشی ہے-۔

باب بست و پنجم - تادیب و اعتناء

باب بست و ششم - چالیس روزہ گوشہ نشینی ... ہے اس کی کیفیت

باب بست و ہفتم - خلوت نشینی کے کشف و فتون

باب بست و ہشتم - چلہ نشینی کے حدود آداب

باب بست و نہم - ارباب تصوف کے اخلاق

باب سی ام - صوفیا کے اخلاق کی تفصیل ساتھ اس کی روش

باب پنجاہ و سوم - صحبت شیخ کی حقیقت اور اس میں جو ... ہے

باب پنجاہ و چہارم - صحبت شیخ اور اخوت فی اللہ کے حقوق او ...

باب پنجاہ و پنجم - صحبت اور اخوت کے آداب

باب پنجاہ و ششم - معرفت نفس اور اس کے مکاشفات ...

باب پنجاہ و ہفتم - خواطر (نفس) کی شناخت ان کی تمیز و تفصیل

باب پنجاہ ہشتم - شرح حال و مقام اور دونوں کا فرق

باب پنجاہ و نہم : مقامات کی طرف اشارات بر سبیل ایجاز

باب شصتم - ارشادات و اشارات مشائخ

توبہ کیا ہے

ورع کیا ہے

زہد کیا ہے

صبر کیا ہے

فقر کیا ہے

شکر کیا ہے

خوف کیا ہے

یہ تمام ابواب ،عنایت و امداد الٰہی میں معرض تحریر میں لایا جو بعض علوم' احوال و مقامات تصوف اور آداب و اخلاق اور عجائب و جدانیات (محسوسات) حقائق معرفت توحید' اشارات دقیق و لطیف اور اصطلات صوفیہ پر مشتمل ہیں لیکن ان سے کماحقہ آگاہی وجدان اور عرفان کی نسبت کے بغیر اور صدق حال کے ذوق تحقیق کے سوا ممکن نہیں یہ تمام امور بہت کچھ وجدان اور صدق حال سے تعلق رکھتے ہیں سب کے سب مور دبیان اور معرض سخن میں نہیں آسکتے اس لئے کہ یہ عطیات ربانی اور انعامات حقانی ہیں جن کو صفائے باطن اور خلوص قلب میں میں نے اتارا ہے اور ان عطیات ربانی اور انعامات حقانی کے حقائق کو اشاروں سے بیان کرنا میں نے معصیت سمجھا چنانچہ عبارات میں ان کی تشریح و توضیح کی اور فہم و دانش کی دلالت سے ارواح کا ہدیہ بنایا' ان حقائق نے اللہ تعالیٰ کے دریائے الطاف سے سیرابی حاصل کی ہے۔

ہمارے عہد میں حالت یہ ہے کہ ان ارباب طریقت کے بہت سے علوم مندرس (بوسیدہ) ہو گئے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ان کے رسوم کے حقائق مٹ چکے ہیں (ارباب طریقت کے رسوم حقیقی نااہل لوگوں کے باعث مٹ چکے ہیں) جیسا کہ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

علمنا هذا قد طوی بساطه منذ كزاسنته ونحن نتكلم فی حواشيه

ہمارے اس علم طریقت کی بساط مدتوں سے لپٹ کر رہ گئی ہے اور ہم تو اب اس کے حواشی (کناروں) کے بارے میں کلام کرتے رہتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کا یہ قول اس وقت کے بارے میں ہے جو علمائے سلف اور صلحاء تابعین سے بالکل قریب تھا۔ پھر ہمارا کیا حال ہو گا اس قدر زمانہ گزر گیا (چند صدیاں گزر گئیں) اور علمائے زاہدین اور علوم دینیہ کے حقائق کے عارف اس دور میں بہت کم باقی رہ گئے۔

مجھے اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ میری اس سعی اور قلیل البضاعۃ کوشش کو حسن قبول سے سرفراز فرمائے گا اور تمام ترحمد و ثنا اسی پروردگار عالم کے لئے ہے اور بس۔

باب 1

علم تصوف کا منشاؤ و مبداء

علم تصوف کا آغاز کسی طرح ہوا حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے باسناد مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "بیشک میری اور اس چیز کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم واقعی میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے اور میں تم کو ڈرانے والا ہوں' ہاں چلو بھاگ چلو اور بچو یہاں ذرا دیر بھی نہ ٹھہرو تو اس کا کہنا اس کی قوم کے ایک گروہ نے تو مان لیا اور اور سرشام وہ گروہ وہاں سے چل کھڑا ہوا' آہستہ آہستہ چل کر دور نکل گیا اور لشکر کی دست برد سے بچ گیا لیکن ایک گروہ نے اس کی بات جھٹلائی اور جہاں تھے وہیں رہے' وہیں ان کو صبح ہوئی اور صبحدم ہی اس لشکر نے ان کو آلیا اور ہلاک کر ڈالا اور تہس نہس کر کے رکھ دیا" پس یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری پیروی کی اور ان لوگوں کی بھی جنہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور جو چیزیں حق سے لایا تھا اس کی تکذیب کی"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اور مثال اس شے کی یعنی ہدایت اور علم کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا اس موسلادھار بارش کی ہے جو زمین پر برسا تو اس باراں سے زمین کے اس قطعہ نے جو قابل زراعت تھا پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اس میں خوب گھاس پیدا ہوئی اور سبزہ اگا' اس زمین کا ایک قطعہ تالاب اور جھیل کی طرح تھا جب اس میں بارش کا یہ پانی رکا اور جمع ہوا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچایا لوگوں نے وہ پانی خود بھی پیا

---

(1) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اس حدیث کے تمام راویوں کو بیان کیا یعنی حضرت ابو النجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی (عم شیخ سہروردؒ) نے بیان کیا کہ ان سے ابو طالب الحسین بن محمد الزینبیؒ نے کہا کہ ان سے کریمہ بنت احمد بن محمد المزوریہ مجاور مکہ نے بیان کیا اور انہوں نے کہا کہ ان سے ابو ہیثم محمد بن مکی نے اور ان سے ابو عبداللہ محمد بن یوسفؒ الغزیری نے اور ان سے ابو عبد محمد بن اسماعیلؒ بخاری نے اور شیخ محمد اسماعیل بخاری سے ابو کریبؒ نے اور ابو کریبؒ سے ابو اسامہؒ نے اور ابو اسامہؒ سے بریدؒ نے ان سے ابی بردہ نے بیان کیا کہ ابو موسی اشعریؒ نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا۔ مترجم نے ان تمام واسطوں کو ترک کر کے حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے اس کو مروی تحریر کر دیا ہے۔ (2) عرب جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ ناجی کسی گروہ یا قبیلہ کے حملہ کی خبر اس طرح دیتا کہ عریان بھاگتا ہوا آکر کہتا کہ تم پر فلاں قبیلہ حملہ کیا چاہتا ہے۔

اور دوسروں کو بھی پلایا اس سے کھیتی باڑی میں بھی کام لیا اور ایک قطعہ اس زمین کا بالکل بنجر تھا نہ اس میں سبزہ اگا اور نہ پانی ہی اس میں ٹھہر سکا۔ پس یہ مثال اس کی ہے جو دین الٰہی میں فقیہ ہو اور اس کو اس شے نے نفع بخشا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا تھا پر جب وہ خود صاحب علم ہوا تو اس نے دوسروں کو بھی علم سکھایا اور بنجر تختہ مثال اس شخص کی ہے جو اس سے متنبہ اور بیدار نہ ہوا اور نہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا تھا۔

شیخ ابو النجیب سہروردیؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی قبولیت اور پذیرائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلوب صافی اور نفوس قدسی بنائے' تب صفائی کا فرق اور طہارت کا تفاوت فائدہ اور نفع کی شکل میں ظاہر ہوا' تشریح اس کی یہ ہے کہ بعض قلوب تو اس زمین کے مانند ہیں جو زراعت کے لئے خوب ہی موزوں اور قابل ہیں جس سے گھاس اور سبزہ پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ قلوب ہیں جنہوں نے فی نفسہ علم سے فائدہ اٹھایا اور ہدایت یاب ہوئے اور ان کو ان کے علم نے نفع بخشا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل ان کے علوم نے صراط مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

بعض قلوب کی مثال

بعض قلوب تالابوں کے مانند ہیں جھیل کی طرح ہیں کہ ان میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے (اور یہ جھیلیں صوفیہ اور مشائخ ہیں) کہ ان صوفیا اور مشائخ سے عالموں اور زاہدوں کے قلوب پاک و صاف ہو گئے اور یہ حضرات مزید امتناع (بندشوں) کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے یعنی اور جھیل و تالاب جس طرح بندشوں سے پانی جمع کرنے کے قابل بن جاتے ہیں یہی حال ان حضرات کا ہے۔ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی خدمت میں رہا تو میں نے ان کو جھیلوں اور تالابوں کی طرح پایا اس لئے کہ ان کے قلوب صافی (علوم کے) حافظ و نگہبان تھے اور ان کے دل اس صفا کی بدولت جو ان کو روزی اور نصیب ہوئی علوم کے ظروف بن گئے۔ حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آیت وتعیہا اذن واعیتہ (یعنی اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور خواستگاری کی ہے کہ وہ تمہاری کان ایسے بنا دے (جو سنیں اور یاد رکھیں)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اس روز سے نہ میں کسی چیز کو بھولا او نہ پھر میں کبھی بھول میں گرفتار ہوا۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے گوش حق نیوش اللہ تعالیٰ کے اسرار کے ظروف ہیں۔ حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ایسے ظروف (دعیہ) اپنے اپنے معدن میں ایسے ہیں کہ ان میں کوئی شے سوائے اس کے جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے موجود نہیں ہے بالفاظ دگروہ ماسوا اللہ سے خالی ہیں اس صورت میں طبائع کا یہ اضطراب ایک قسم کا جہل ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں'

صوفیائے کرام کے قلوب حافظ ہیں

پس صوفیائے کرام کے قلوب حافظ ہیں (اسرار الٰہی کے) اس لئے کہ دنیا کی طرف انہوں نے رغبت بہت کم کی اور اس کے بعد جب تقویٰ کی جڑا اور بنیاد ان کے اندر استوار اور مستحکم ہو گئی تو پرہیز و تقویٰ سے ان کے نفوس پاکیزہ اور زہد کی بدولت ان کے دل صاف و شفاف ہو گئے اور جب انہوں نے دنیا کے علائق کو زہد کی حقیقت سے نیست و نابود کر دیا تو اس وقت ان کے بطون کے مسامات کھل گئے (تفتحت مسام بواطنهم) اور گوش دل سے وہ سننے لگے اور زہد دنیا اس امر میں ان کا معاون و مددگار ہوا پس علمائے تفسیر و آئمہ حدیث اور فقہائے اسلام نے اپنے اپنے علم سے کتاب و سنت کا احاطہ کیا اور ان سے احکام کا استنباط کیا (احکام اخذ کئے) اور حوادث نوبہ نو کو نصوص الہیہ کی اصل کی جانب رجوع کیا۔ پیدا ہونے والے مسائل اور معاملات کو اپنے تفقہ اور علم کی بدولت نصوص الہیہ کی طرف رجوع کیا اور اس سے ان مسائل و معاملات کے فیصلے کئے۔

فقہائے اسلام کی خدمات

اللہ تعالیٰ نے ان علماء کے ذریعہ دین کی حمایت اور حفاظت فرمائی۔ علمائے تفسیر نے تفسیر کے اسباب دریافت کرائے۔ علم تاویل سے روشناس کرایا اور نعت عرب کے طریقوں سے واقف کرایا۔ صرف و نحو کے عجائب و غرائب (اس اصول تفسیر کے تحت) بیان کئے، قصص قرآنی کے اصول قراۃ سبعہ اور اس کے اختلاف کے اسباب و وجود بیان کئے اور ان علمائے تفسیر نے ان موضوعات پر بہت سی تصانیف پیش کیں۔ علمائے کرام کی ان کاوشوں سے امت مسلمہ پر علوم قرآنی بہت وسیع اور کشادہ ہو گئے۔ یہ خدمات تو علمائے فن تفسیر کی تھیں اور دوسری طرف آئمہ حدیث نے احادیث صحیح و حسن میں تمیز کی (اس کا ایک معیار مقرر کیا) او راویان حدیث کی چھان بین اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کر کے فن "اسماء الرجال" کی تدوین کی اور اس فن میں یکتائے زمانہ شمار کئے گئے (کہ ان سے قبل کسی قوم میں یہ کام نہیں ہوا تھا) اور انہوں نے جرح و تعدیل کے اصول وضع کر کے احادیث پر (صحت و عدم صحت) کے حکم لگائے تاکہ صحیح و سقیم میں تمیز ہو سکے اور کج و راست میں امتیاز کیا جا سکے اور اس طرح روایت اور سند حدیث کا طریقہ (تحفظ سنت کے لئے) مصئون و محفوظ رہے۔

فقیہان عظام نے اس امر میں کوشش شروع کی کہ احکام الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام کا استنباط کریں (احکام اخذ کریں) مسائل کی تفریع کی جائے اور تعلیل مسائل کی معرفت حاصل کی جائے (یعنی فقہی مسائل کو کس طرح اخذ کیا جائے ان کی فرع کی کیا صورت نکالی جائے اور تعلیل مسائل کی کیا صورت رکھی جائے) تاکہ فروع (مسائل فروعیہ) کو اصول علت ہائے جامعہ سے ثابت کرنے میں اور فروع کو اصول سے رجوع کرنے میں آسانی ہو، انہوں نے اس امر میں کوشش کی کہ نئے مسائل کو نصوص کے احکام سے کامل کریں (جو نت نئے مسائل فقہی پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کو نصوص

ملاحظہ کیجئے مقدمہ بر ترجمہ تاریخ الخلفاء از مترجم نیز علامہ راغب طباخ کی ثقافت و آثار اسلامیہ ملاحظہ فرمائیے۔

جدال، علم مناظرہ، یہ علم پہلے تو تنقیح مسائل کے لئے وضع کیا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کے اصل مقصد سے ہٹتے گئے یہاں تک کہ اب کج بحثی اور سخن پروری کا اس سے کام لیا جاتا ہے۔ اس علم کا فروغ مامون الرشید کے دور میں ہوا۔ (مترجم)

قرآنی سے کس طرح ثابت کیا جائے اور اس سلسلہ میں کون کون صورتیں ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے ان مسائل کو نصوص سے ثابت کیا جاسکتا ہے) چنانچہ جب ان مسائل پر تنقیح اور ان اصول کی تشریح و توضیح کی گئی تو علم فقہ و احکام سے علم اصول فقہ اور علم خلاف پیدا ہوئے اسی علم خلاف سے علم جدل نکلا' اس سے یہ ثابت ہوا کہ علم اصول دین سب سے زیادہ علم اصول فقہ کا ضرورت مند ہے۔ اسی طرح علم فرائض کا تعلق بھی علم فقہ سے ہے اور علم فرائض کے باعث علم حساب اور علم جبر و مقابلہ (الجبرا) وغیرہ کی ضرورت پڑی' جب ان علوم پر کتابیں تصنیف کی گئیں تو شریعت اسلامیہ کی خوب ترویج و توسیع ہوئی اور اس کو استواری اور استحکام حاصل ہوا۔ دین اسلام جو ایک سچا اور سیدھا دین ہے اور مستقیم اور قائم ہو گیا (ان علوم یعنی تفسیر و حدیث و فقہ سے اس کو مزید استحکام حاصل ہوا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے لئے جو نظام رشد و ہدایت لے کر تشریف لائے تھے اس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئیں اور خوب ہی شاخ در شاخ اور برگ آور ہوا (دور دور تک اس کی شاخیں پھیل گئیں)۔

اس وقت قلوب علماء کی سرزمین سے جس نے ہدایت اور علم کے آب حیات سے سیرابی حاصل کی تھی' عجیب عجیب حسین اور سرسبز و شاداب چراگاہیں اور سبزہ زار پیدا ہوئے (علمائے کرام نے تفقہ فی الدین کے جوہر دکھائے اور اپنی تصنیفات متنوعہ سے آغوش اسلام کو مالا مال کر دیا)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انزل من السماء ماۤء فسالت اودیته بقدرها۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر بہہ نکلے رود خانے اپنے اپنے ظرف کے مطابق۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی علم ہے اور رود خانے (ندی نالے) لوگوں کے دل ہیں حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا موتی پیدا کیا جو بہت صاف و شفاف تھا پھر اس نے اپنی چشم جلال سے اس موتی کا نظارہ کیا تب وہ حیا کے مارے پانی پانی ہو گیا اور بہہ نکلا پس اس کے بارے میں فرمایا کہ انزل من السماء ماء فسالت اودیته۔ بقدرها تب دلوں کو یہ پانی پہنچا اور وہ صاف و شفاف ہو گئے' حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ انزل من السماء ماء۔ ایک ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے فرمائی ہے وہ اس طرح کہ جب سیل آب رود خانوں سے گزرتی ہے تو ان رود خانوں میں جس قدر اور جس قسم کی نجاست ہوتی ہے وہ سیل سب کو بہا لے جاتی ہے اسی طرح جب نور کا سیلان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں میں تقسیم فرمایا ہے تو اس سیل نور کے بہاؤ (سیلان) میں نہ کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ کوئی ظلمت! سیل نور سب کو بہا لے جاتی ہے۔

انزل من السماء ماء یعنی اتارا آسمان سے حصہ نور کا فسالت اودیته بقدرها یعنی انوار دلوں میں بہہ نکلے بقدر اس کے جتنا اللہ تعالیٰ نے روز ازل ان کے لئے مقسوم کیا تھا۔ فاما الزبد فیذهب جفاء پس اگر کف (جھاگ) ہے یعنی اس پر باطل کا جھاگ موجود ہے تو جاتا رہے گا۔ (باطل کا جھاگ بہہ جائے گا)۔ پھر قلوب اس طرح روشن اور منور ہو جاتے ہیں کہ ان میں کسی طرح کا میل اور کثافت باقی نہیں رہتی' واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض ناحق اور ناچیز مٹ جاتے ہیں اور حقیقتیں باقی رہتی ہیں (جو لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا زمین پر نہیں ٹھہرتا)

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ انزل من السماء ماء کے معنی ہیں "کہ انواع اقسام کی کرامات آسمان سے اتاریں"۔ اس

صورت میں ہر قلب نے اپنا نصیب لے لیا پھر علمائے تفسیر و حدیث اور فقہ کے دلوں کے دریا اپنے اپنے اندازے سے بہہ نکلے اسی طرح قلوب صوفیہ کے رود خانے جاری ہو گئے کہ یہ صوفیہ علمائے تارک الدنیا ہیں اور یہ اپنے اندازے کے مطابق حبائل تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں' اور جس کے باطن میں دنیا کا لوث اور گندگی' دنیا کی محبت' مال و جاہ کی آرزو اور طلب مناصب و علو مرتبت کی خواش جاگزیں ہے تو ایسے شخص کے دل کا دریا اپنے حال میں رواں ہے (ان تمام کدورتوں کے ساتھ بہہ رہا ہے)- ایسے شخص نے ایک جزو صالح عمل تو حاصل کیا لیکن حقائق علوم سے بہرہ مند نہیں ہوا اور وہ شخص جس نے دنیا کی طرف توجہ نہیں کی اور اسے دنیا کی طرف رغبت نہیں ہوئی تو ایسے شخص کی دل کی وادی کشادہ ہو گئی- ایسے دل میں علم کا پانی جمع ہوا اور وہ تالاب سے جھیل بن گیا-

فقیہ کون ہے؟ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ فقہانے (اس امر میں) ایسا ہی کہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص تو نے فقیہ کبھی دیکھا بھی ہے؟ فقیہ وہ ہے جس کو دنیا کی طرف کبھی رغبت نہ ہو جب صوفیائے کرام نے علم داست سے حصہ حال کیا اور ان کو اس عمل داست نے علم کے ساتھ ساتھ عمل کا فائدہ دیا انہوں نے اس علم داست پر عمل کیا) اور انہوں تے جب ان چیزوں پر عمل کیا جو ان کے علم میں آئیں تو عمل سے بھی۔ان کو علم وراثت کا فائدہ حاصل ہوا اس طرح وہ تمام علوم میں علماء کے شریک ہو گئے اور چونکہ ان کے پاس علماء سے زیادہ علوم ہیں اس طرح وہ علماء کے شریک علم ہی نہیں بلکہ ان سے علم میں ممتاز ہو گئے اور وہ علم زائد علوم وراثت ہیں اور علوم وراثت تفقہ علم میں داخل ہیں:-اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفه لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم ○

پس کیوں نہیں نکلی ان کے ہر فرقہ سے ایک جماعت تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور آگاہ کریں اور خوف دلائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں-

تفقہ فی دین کے معنی

پس انذار یعنی ڈرانا فقہ سے مستفاد ہوا (فقہ کا منصب ثابت ہوا اور انذار کیا ہے وہ ان لوگوں کا علم کے آب حیات سے زندہ کرنا ہے جو ڈرائے گئے ہیں اور یہ رتبہ یعنی زندہ کرنا اس شخص کا ہے جو فقیہ دین ہو اس سے ثابت ہوا کہ دین میں تفقہ اعلیٰ اور اکمل مرتبہ کا حامل ہے اور یہ علم ایسے عالم کا علم ہے جو دنیا کی طرف راغب اور مائل نہ ہو' اور ایسے متقی اور پرہیز گار کا جو اپنے علم کے باعث مرتبہ نذیر کو پہنچتا ہو-

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ علم اور ہدایت کا اولین مرجع و مورد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا شان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے علم اور ہدایت ان پر وارد ہوئی جس کے باعث ظاہر و باطن میں آپ کو توانائی اور تومندی حاصل ہوئی اس توانائی سے دین کو قوت اور توانائی حاصل ہوئی اور دین قوی پشت ہو گیا-

دین کی اصل

دین انقیاد (فرمان پذیری) اور خضوع یعنی فرد تنی اور تواضع کا نام ہے وہ ان دونوں سے مشتق ہے یعنی دین یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے رب کے لئے مردار و پست کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم و موسی وعیسی ان اقیمو الدین ولا تتفرقوا فیه ○

اس نے تمہارے لئے دین میں وہی راستہ بنادیا جس کے ساتھ نوح (علیہ السلام) کو نصیحت کی تھی اور جو کچھ کہ ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی اور جس کے ساتھ ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو نصیحت کی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو

دین میں تفرقہ ڈالنے سے اعضا پر لاغری اور کمزوری غالب ہو جاتی ہے۔ ظاہری شادابی اور تازگی جس سے اعضا کی تروتازگی مراد ہے اس طرح حاصل ہو سکتی ہے) کہ نفس بھی منقاد و مطیع ہو اور حال بھی اور یہ تازگی و شادابی اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب قلب میں تازگی اور توانائی ہو۔ علم سے قلب کا تروتازہ ہونا دریا کی مثال ہے یعنی جب قلب علم سے تازگی و تری حاصل کرتا ہے تو وہ دریا کی طرح رواں بنجاتا ہے اس طرح رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک علم و ہدیٰ کے ساتھ ایک بحر مواج بن گیا۔ (موجیں مارتا ہوا سمندر) اور قلب کا یہ بحر مواج آپ کے نفس تک وسیع ہو گیا اور اس سے جاملا اور وہی علم و ہدیٰ کی تازگی جو قلب شریف پروارد ہوئی تھی آپ کے نفس شریف پر بھی نمایاں ہ گئی اس وقت آپکے نفس کے تمام صفات اور اخلاق یکسر بدل گئے۔ نفس سے پھر یہ تازگی تمام اعضا اور جوارح میں سرایت کر گئی اور اس وقت یہ تمام اعضا اور جوارح خوب توانا' تروتازہ اور سیراب و شاداب ہو گئے جب آپ کا قلب منور نفس شریف اور تمام اعضاء جوارح اس علم ہدیٰ سے خوب شاداب اور تروتازہ ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ امت میں تشریف لائے' آپ کے اس قلب شریف کے سامنے جو علوم الہیہ کے پانی سے لہریں مار رہا تھا' فہم و فراست کی نہریں آئیں چنانچہ ہر نہر میں آپ کے قلب شریف کے لہریں مارتے ہوئے پانی کا ایک حصہ جو اس کے نصیب کا تھا پہنچا اور وہ اس فہم کی نہر میں داخل ہو کر موجزن ہو گیا۔ یہی آب رواں جو آپ کے قلب شریف کے بحر مواج سے نہروں میں پہنچا' فقہ دین ہے۔

فقہ دین کی منزلت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل کی عبادت کسی ایسی چیز کے ساتھ نہیں کی گئی جو فقہ دین سے اعلیٰ و افضل ہو (اللہ کی عبادت میں فقہ دین سب سے اعلیٰ و افضل ہے) بے شک ایک فقیہ دین تن تنہا شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

ہر شے کے لئے ایک ستون ہوتا ہے اور دین اسلام کا ستون فقہ ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقیہ کر دیتا ہے۔ اور بے شک میں قاسم ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔

ہمارے شیخ (ابو النجیب سہروردیؒ) نے فرمایا کہ جب یہ علم دل تک پہنچا تو دل کی آنکھ کھل گئی اور اس نے حق و باطل کو دیکھا اور اس نے ہدایت و گمراہی میں امتیاز کیا۔ جس وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ "فمن یعمل مثقال ذرته خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرته شرا یره (یعنی جس نے ذرہ بھرنیکی کی وہ اس نیکی کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اس برائی کو دیکھ لے گا) تو وہ اعرابی کہنے لگا حسبی حسبی' بس بس مجھے یہ کافی ہے۔ مجھے یہ کافی ہے۔ اس وقت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص فقیہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ افضل عبادات فقہ دین ہے۔ حق سبحانہ' تعالیٰ نے فقہ کو قلب کی صفت بتایا ہے ارشاد فرمایا کہ لھم قلوب لا یفقھون ○ یعنی ان کے دل ایسے ہیں جو آیات قرآنی کو ان کے (معانی کے) ساتھ نہیں سمجھتے۔ پس جب کہ وہ فقیہ ہوئے تو انہیں علم ہوا اور جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے عمل کیا اور جب وہ عامل ہوئے تو ان کو معرفت حاصل ہو گئی اور جب وہ صاحب معرفت ہوئے تو مہتدی (ہدایت یاب) ہو گئے' پس جس کسی نے بھی جتنا زیادہ تفقہ فی الدین پیدا کیا یعنی جو شخص جس قدر فقیہ ہوا اس کا نفس اتنا ہی سریع الاجابت بنجاتا ہے (جلد قبول کی صلاحیت اتنی ہی زیادہ اس میں پیدا ہو جاتی ہے) اور وہ زیادہ سے زیادہ معالم دین کا مطیع و منقاد بن جاتا ہے اور نور یقین سے اس کو حصہ وافر پہنچتا ہے' پس علم منجملہ امور موہوبہ (امور وہبی) کے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب کو عطا ہوا ہے اور معرفت اس جملہ کی تمیز ہے اور قلوب کا وجدان ہدایت اور اس کا پالینا ہے۔

علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مثل ما بعثنی الله به من الهدی والعلم (مثل اس شے کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا وہ ہدیٰ اور علم ہے)۔ اس طرح آپ نے خبر دی کہ قلب نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً علم سے بہریاب ہوا۔ درانحالیکہ آپ کا قلب شریف ہادی اور مہدی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور ہدایت حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام سے ایک وراثت مرکبہ ہے اور وہ اس طرح کہ ان کو سب اسما سکھائے گئے اور تمام اشیاء کے نام و نشان سے آگاہ کیا گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے مکرم فرمایا اور اس نے فرمایا:۔ علم الانسان مالم یعلم (انسان کو سکھا دیا جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا)۔

پھر جب آدم علیہ السلام میں علم و حکمت کو ترکیب دیا گیا تو اس ترکیب سے حضرت آدم علیہ السلام کو فہم و فراست' معرفت و رافت (لطف و مہربانی) اور حب و بغض' شادی و غم' رضا اور غضب حاصل ہوئے اس کے بعد ان قوتوں کے استعمال کا ان سے اقتضا کیا گیا ان کے قلب کو بینائی عطا کی گئی اور اس قلب نے اس نور سے جو ان کو عطا فرمایا گیا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پائی اور اسی نور کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ لے کر جو انہیں ورثہ میں ملا تھا اور اس نور کے ساتھ جو خاص طور پر آپ کو عطا ہوا تھا امت کی طرف تشریف لائے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں سے اس قول کے ساتھ خطاب فرمایا کہ ائتیا طوعا او کرھا یعنی تم دونوں آؤ راضی برضا یا کراہت کے ساتھ! تو ان دونوں نے کہا کہ اتینا طائعین ہم آئے فرمانبردار حکم کے باندھے ہو کر (بخوشی خاطر حکم بجالاتے ہوئے) تو اس وقت مقام کعبہ نے زمین سے

ایک بات کہی اور اس نے جواب دیا اسی طرح آسمان کے اس مقام نے جو کعبہ کے محاذی واقع تھا بات کہی اور جواب پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل طینت ناف زمین سے مکہ میں تھی، پھر اسی بنیاد پر بعض علماء نے کہا کہ یہ قول کہ زمین نے جواب دیا وہ ذرہ جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل طینت کا تھا۔ یہی زمین عالم میں پھیلائی گئی اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش میں اصل عالم ہیں اور تمام کائنات ان کی طفیلی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میں اس وقت سے نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض روایتوں میں اس طرح بھی آیا ہے کہ "روح اور جسد کے درمیان تھے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب مبارک اسی لئے امی رکھا گیا۔ مکہ "ام القری" ہے اور وہ ذرہ جس نے جواب دیا تھا ام الخلیقہ ہے اور کسی "مٹی کا خمیر اسی زمین سے ہوتا ہے جو اس کا مدفن ہوتی ہے۔" پس اس مرکزیت کا اقتضا یہی تھا کہ آپ کا مدفن بھی مکہ مکرمہ ہوتا کہ آپ کے پاک خمیر کی مٹی بھی وہیں کی تھی لیکن اس سلسلے میں کہا گیا ہے کہ جب علم میں تموج آیا تو اس تموج سے پیدا ہونے والا کن اطراف میں پھیل گیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر مقدس وہاں جا پہنچا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک ہے۔ یعنی مدینہ منورہ (ام الخلیقہ) اس لئے سرور کونین اپنی خلقت کے اعتبار سے مکی و مدنی تھے آپ کا مولد تو مکہ مکرمہ ہے لیکن آپ کا پاک مدفن مدینہ منورہ کی زمین ہے۔

ذرہ ام القریٰ پر مزید گفتگو

ابھی ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس ذرہ اصل کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

واذ اخذ ربك من بني ادم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى ○	اور جس وقت تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں (اصلاب) سے ان کی ذریات نکالی اور ان کے نفوس سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو وہ بولے ہاں (تو ہی ہمارا رب ہے)

ذریات کا اقرار ربوبیت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ان کی اولاد چیونٹیوں کی طرح نکالی تو ان چیونٹیوں نے حضرت آدم کے بالوں کے مسامات سے نکلنا چاہا۔ پس وہ اس طرح نکلیں جس طرح مسامات سے پسینہ نکلتا ہے۔ بعض مشائخ اور بزرگوں نے کہا ہے کہ فرشتوں نے پیٹھ پر ہاتھ ملا تھا اس طرح فعل کی نسبت سبب کی طرف ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ مسح کے معنی شمار کرنے کے ہیں (ہاتھ پھیرنے کے نہیں ہیں) جس طرح زمین کی پیمائش سے اس کو گنا جاتا ہے۔ یہ ماجرا سرزمین بطن نعمان کا ہے جو ایک وادی ہے عرفہ کے برابر، مکہ اور طائف کے مابین، جب اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب ذریات سے کیا اور انہوں نے بلیٰ کے ساتھ اقراری جواب دیا تو اس وقت یہ اقرار نامہ سفید اور روشن ورق پر تحریر کیا گیا اور فرشتوں نے اس پر گواہی لکھی اور سنگ اسود میں اس اقرار نامے کو رکھ دیا گیا پس ذرہ وجود رسول اللہ ہی وہ جواب دینے والا

تھا جس نے زمین سے جوابدیا' اس ذرہ میں علوم وہدیٰ کے دو جز ملے جلے تھے پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم وہدی کے ساتھ بھیجا تاکہ یہ علم اور ہدی آپ کے موروثی تھے اور وہبی اور خدا داد تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کو بھیجا کہ وہ دونوں زمین سے ایک ایک مٹھی خاک کی بھر لائیں تو زمین نے دونوں سے انکار کیا۔

تخلیق نفوس کائنات

یہ انکار حکم الٰہی سے نہیں تھا بلکہ جبرئیل و میکائیل علیہما السلام سے تھا) تب اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی بھر خاک (مٹی) بھر کر لاؤ چنانچہ عزرائیل مٹھی بھر کر مٹی لے گئے لیکن اس موقع پر ابلیس نے زمین کو اپنے دونوں قدموں سے روند ڈالا اور تمام زمین اس کے دونوں قدموں کے درمیان آگئی۔ اور یہ مٹی جو عزرائیل علیہ السلام کو مٹھی بھر کر اسی سرزمین سے ملی جو شیطان کے قدموں کے درمیان تھی' اسی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے نفوس پیدا کئے (یہ وہی مٹی تھی جس سے ابلیس کے قدم مس ہوئے تھے) چنانچہ یہ تمام نفوس خانہ شر بن گئے لیکن زمین کا کچھ حصہ ایسا بھی تھا کہ وہاں تک ابلیس کے قدم نہیں پہنچ سکے تھے' اس مس ناشدہ مٹی سے انبیاء اور اولیاء کے نفوس بنائے گئے یعنی یہی مٹی انبیاء اور اولیاء کی اصل ہے' اور ذرہ اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نظر گاہ حق تعالیٰ تھا' عزرائیل کی مٹی سے بھی مس نہیں ہوا تھا اس لئے اس تک جہل کا حصہ نہیں پہنچا بلکہ وہ ذرہ منظر حق تعالیٰ مسلوب الجہل اور علم الٰہی سے حصہ وافر پانے والا بن گیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی علم وہدیٰ کے ساتھ دنیا میں بھیجا اور پھر یہ علم وہدیٰ اس قلب پاک سے دوسرے قلوب اور اس نفس مزکی سے دوسرے نفوس کی طرف منتقل ہوا' طینت و فطرت کی اصل طہارت اور پاکی اس علم وہدیٰ کی قبولیت کے لئے ایک تناسب سے رکھی گئی یعنی جو نفس طہارت و طینت کی مناسبت سے نسبت قریبی رکھتا تھا وہی زیادہ تر اس علم وہدیٰ سے بہرہ مند ہوا اور جس میں یہ نسبت کم تھی وہ اسی مناسبت سے اس علم وہدیٰ سے کمتر بہرہ یاب ہوا۔

قلوب صوفیہ کی مناسبت

چونکہ قلوب صوفیہ مناسبت قریبہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس علم وہدیٰ سے حصہ وافر حاصل کیا اور ان کے باطن بھی جھیل اور تالاب بن گئے پھر انہوں نے علم سیکھا اور اس پر عمل بھی کیا۔ جس طرح تالاب کہ ان کا پانی بھی پیتے ہیں اور ان سے آب رسانی کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ (کھیتیاں سیراب کی جاتی ہیں) پس انہوں نے تقویٰ کے بنیادی احکام سے علم دراست (دانائی) اور علم وراثت دونوں کو یکجا کر دیا جب اس طرح ان کے نفوس پاک اور مزکی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کے آئینوں کو صیقل (معرفت سے جگمگا دیا (مصقول بنا دیا) جب یہ آئینے مصقول ہو گئے ان میں جلا پیدا ہو گئی اور قبول انعکاس کی بھرپور صلاحیت ان میں آگئی تو ان پر صور اشیاء اپنی تمام ماہیتوں اور ہیئتوں کے ساتھ ظاہر ہو گئیں۔ دنیا کی ہیئت و ماہیت چونکہ قبیح تھی چنانچہ وہ اپنی تمام قباحتوں کے ساتھ ان پر ظاہر ہوئی اور انہوں نے اس کی یہ قباحتیں دیکھ کر اس کو چھوڑ دیا اور آخرت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ ان کے آئینہ ہائے قلوب پر منعکس ہوئی اس کو انہوں نے قبول کر لیا اور اس کی طلب میں مشغول ہو گئے۔ عدم قبول دنیا سے جب ان کی بے رغبتی اور بے تعلیمی ظاہر ہوئی تو ان کے بطون پر انواع و اقسام کے علوم اپنی تمام

کیفیت کے ساتھ وارد ہوئے اس طرح علم دراست کے ساتھ ساتھ ان کو علم وراثت بھی مکمل طور پر حاصل ہو گیا۔

صوفیہ سے مراد مقربین الٰہی ہیں

یہ بات بھولنا نہیں چاہیے کہ جو احوال بلند و حالات عظیم ہم اس کتاب میں صوفیہ کی طرف منسوب کریں گے وہ احوال مقربین ہوں گے کہ دراصل صوفی کا دوسرا نام مقرب ہے' قرآن کریم میں صوفی کا اسم کہیں نہیں آیا ہے) اس اسم کو ترک کر کے اس کے لئے لفظ مقرب استعمال کیا گیا ہے۔ جس کی تشریح اس کے مناسب موقع اور مقام پر ہم کریں گے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مقرب کے لئے لفظ صوفی بلاد اسلامیہ شرقی و غربی میں کہیں استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف رسمی لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (یعنی جس نے صوف کا لباس پہن لیا وہ صوفی کہلانے لگا) بہت سے مقربین حضرات بلاد عرب' ترکستان اور ماور النہر میں اس وقت موجود ہیں اور وہ صوفیہ کے نام سے مشہور نہیں ہیں کیونکہ وہ رسمی صوف کا لباس نہیں پہنتے' الفاظ کے استعمال میں چونکہ کوئی روک ٹوک نہیں ہے اس لئے لوگ جس طرح چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں (یہی حال لفظ صوفی کا ہے) پس یہ خیال رکھنا چاہیے کہ صوفیہ سے ہماری مراد حضرات مقربین (الٰہی) ہیں اس صورت مشائخ صوفیہ وہ حضرات ہیں جن کے اسمائے گرامی طبقات صوفیہ یا اور دوسری اس قسم کی تمام کتابوں میں موجود ہیں کہ جو مقربین بارگاہ الٰہی کی روش پر گامزن تھے پس ان کے علوم مقربین کے علوم احوال ہیں' منجملہ ابرار جو کوئی بھی مقربین کے مقام بلند سے آگاہ ہوا اس کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بھی مقرب یا صوفی بن گیا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مقربین کے مقام تصرف و ملک سے آگاہ ہو کر وہ خود بھی صاحب حال بن جائے (ان جیسا بن جائے)۔ جب وہ صاحب حال بن جائے گا تو اس وقت وہ صوفی بن جائے گا (مقصد یہ ہے کہ صوفی بننے کے لئے مقربین کے احوال سے صرف آگہی کافی نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ مقربین جیسا صاحب احوال بھی بن جائے' تب وہ صوفی کہے جانے کا مستحق ہو گا) ان دو طبقات کے علاوہ جو لوگ کہ اپنے لباس یا اپنے نسب کے باعث صوفی مشہور ہیں یعنی انہوں نے صوفی کا لباس پہن لیا یا کسی بزرگ یا صاحب نسبت سے نسبی تعلق قائم ہونے کی بنا پر صوفی کہلائے جانے لگے ہیں تو یہ لوگ حقیقت میں صوفی نہیں ہیں بلکہ یہ مشتبہ ہیں۔ وفوق کل ذی علم علیم!!

باب 2

حسن استماع اور تخصیص صوفیہ

حسن استماع سے کیا مراد ہے؟

میرے شیخ، شیخ الاسلام ابو النجیب سہروردی نے مختلف راویوں کے حوالہ سے فرمایا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداں و فرحاں رکھے جس نے مجھ سے ایک حدیث سنی اور پھر اس کو خوب یاد رکھا یہاں تک کہ پھر اس نے دوسرے شخص کو وہ حدیث پہنچائی۔

بہت سے حامل فقہ ایسے کہ انہوں نے اس طرح فہم و فراست سے کام لیا کہ وہ اپنے سے زیادہ فقیہ کے مرتبہ علم تک پہنچ گئے اور بعض ایسے حامل فقہ ہیں کہ انہوں نے علم تو حاصل کیا لیکن وہ فقیہ نہ بن سکے' پس سمجھ لینا چاہیے کہ ہر خیر کی بنیاد "حسن استماع" ہے یعنی خوب اچھی طرح سننا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ○ اگر اللہ تعالیٰ ان میں خیر اور نیکی پاتا تو البتہ ان کو سناتا

بعض صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ سماع میں (کسی بات کے سننے میں) خیر کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس بات کو اس کے پورے اوصاف کے ساتھ سنے اور حق کے اس حق کی سماعت کرے' بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو سماعت کا اہل (جن کے بارے میں اوپر پیش کی جانے والی آیت میں اشارہ ہے) اور جوہر قابل پاتا تو سننے کے لئے ان کے کان کھول دیتا' پس جس شخص پر وسوسوں نے غلبہ پالیا اور اس شخص کے مالک بن گئے تو اس کے باطن پر نفس کی باتیں غالب آجاتی ہیں اور حسن استماع کی قدرت اس سے زائل ہو جاتی ہے لہٰذا صوفیہ اور مقربین نے جب یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے رسائل (صحف کتب سماوی) اس کے بندوں کے لئے ہیں اور وہی ان کا مخاطب ہے تو اس وقت بندہ اس بات اور اس حقیقت کو پہنچ گیا کہ کلام الٰہی کی ہر ایک آیت اور اس کے کلام کا ایک ایک ٹکڑا علم کے دریاؤں میں سے ایک دریا ہے ان اسرار و رموز کے باعث جن پر وہ آیت مشتمل ہے اس میں علم ظاہری بھی ہے اور علم باطنی بھی اور علم جلی بھی اس میں موجود ہے اور علم خفی بھی۔ اور اس لحاظ سے کہ اس کا کلام (ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) آگاہ اور متنبہ کرتا ہے یا عمل کے ذریعہ اس کی طرف بلاتا ہے' بہشت کا ایک دروازہ ہے (بندہ حکم الٰہی پر عمل کرے یا اس کے حکم سے آگہی اور تنبیہہ حاصل کرکے مستحق اجر بنتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کو بہشت ملتی ہے اس اعتبار سے وہ بہشت کا ایک باب اور ایک دروازہ بن جاتا ہے) پھر انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اس صفت کے ساتھ متصف پایا کر۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحِیٌ یُّوْحٰی ○ آپ ہوائے نفسانی کے ساتھ نطق نہیں فرماتے ہیں بس وہی کچھ فرماتے ہیں جو بذریعہ وحی آپ تک بھیجا گیا ہے'

یعنی آپ کا کلام وحی ترجمان ہوتا ہے جس میں شامہ نفس و ہوا بالکل نہیں ہوتا۔ لہٰذا صفت استماع کا تعین آپ کی ذات اقدس کے ساتھ ہوا اور اس طرح کہ جس قدر صفات سے آپ کی ذات والا متصف ہے ان سب میں اہم اور مہتمم بالشان استماع کی استعداد ہے۔ جب ان مقربین اور صوفیاء نے دیکھا کہ ہمہ تن گوش ہو کر سننا عالم ملکوت کے دروازے کو کھٹکھٹانے کے مترادف ہے' رہبت اور رغبت کا اس سے نزول ہوتا ہے یعنی جس قدر حسن استماع بندہ میں موجود ہو گا اسی قدر رہبت اور رغبت کا نزول ہو گا انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ وسوسے وہ دھواں ہے جو نفس امارہ کی آگ سے اٹھتا ہے اور وہ عفونت اور گندگی ہے جو شیطان کے پھونک مارنے (نفخ ابلیس) سے پیدا ہوتی ہے جب نفسانی لذتیں اور دنیاوی مزے جو ہوا و ہوس کی لپٹ اور تباہی کا باعث ہیں اس آگ کو بھڑکانے والا ایندھن ختم ہو گیا تو اس کے شعلے سرد پڑ گئے اور دھواں کم ہو گیا' اس طرح ان مقربین اور صوفیہ کے قلوب اور بطون مصادر علوم میں حاضر ہوئے اور ان مقربین کی صفائے فہم اس گھاٹوں پر (سیرابی) کے لئے آموجود ہوئیں اس طرح وہ سماعت کے لائق بن گئے اور ان کی فضائے فہم نے سماعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَوْاَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ○ (بیشک اس (قرآن) میں پند و نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کو قلب میسر ہو) اس نے کان لگایا اور وہ حاضر و متوجہ تھا

حسن استماع کے بارے میں حضرت شبلی کا ارشاد

حضرت شبلی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کی نصیحت اس شخص کے لئے ہے جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر ہے اس طرح کہ ایک آن اور ایک لحظہ بھی اس سے غافل نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قلب دو ہیں ایک قلب وہ ہے جو دنیا کے اشغال سے بھر گیا ہے اور اس طرح پر ہو گیا ہے کہ جب کوئی چیز امور خاصیت الٰہی سے اس کے سامنے آتی ہے تو وہ یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ وہ کیا کرے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ دل تو اس کا دنیا میں مشغول ہے اور ایک قلب وہ ہے کہ وہ آخرت کے احوال سے پر اور مملو ہے اور اس طرح کہ جب کوئی چیز امور دنیا سے اس کے سامنے آتی ہے تو وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے اس لئے کہ اس کا دل آخرت کی طرف میلان رکھتا ہے' اب تم غور کرو کہ کتنا فرق ہے ان افہام ثابتہ کی برکت اور ان اشغال فانی کی شامت کے مابین' کہ ایک کا دل آخرت کی طرف مائل ہے۔ اور ایک طاعت الٰہی سے بھی ٹھٹھک رہا ہے۔ بعض صوفیہ مقربین کے قلب کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ سَلِيْمٌ مِّنَ الْاَغْرَاضِ وَالْاَمْرَاضِ یعنی اس شخص کے لئے جس کو قلب میسر آگیا۔ جس کو اغراض اور امراض سے سلامتی حاصل ہوئی (کامیابی ہے)۔ حسن بن منصور نے کہا۔ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ لَا يَخْطُرُ فِيْهِ اِلَّا شُهُوْدُ الرَّبِّ! (اس شخص کے لئے جس کو قلب ایسا حاصل ہو جس میں شہود حق کے سوا کسی خطرے کا گزر نہ ہو)۔ اور پھر یہ شعر پڑھا۔

اَلْقِی اِلَیْكَ قلوبا طالحا هَطَلَتْ میں تجھے ایسے دنوں کی داستان سناتا ہوں جن پر

سحائب الوحی فیھا ابحر الحکم — وحی کے بادل برسا دیئے ہیں کہ ان میں حکمت کے سمندر بھرے ہیں۔

قلب کی حقیقت میں بزرگوں کے اقوال

ابن عطا کہتے ہیں کہ ایک قلب وہ ہے جس نے ملاحظہ حق چشم تعظیم سے کیا اور پھر اس کے لئے سراپا گداز ہو گیا اور ماسویٰ اللہ سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھک گیا۔ واسطی کہتے ہیں کہ لذکری کے معنی یہ ہیں کہ پند و نصیحت اس قوم کے لئے ہے جو مخصوص ہے یعنی ایک مخصوص گروہ کے لئے نہ کہ عوام کے لئے۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کو قلب میسر ہے یعنی روز ازل ہی سے ان کو قلب عطا فرما دیا گیا! یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اَوَمَنْ كَانَ ھمنا فَاَحْيَيْنَاهُ (بھلا وہ جو مردہ تھا ہم نے پھر اس کو جلا دیا۔)

واسطی نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ مشاہدہ غافل کر دیتا ہے اور فہم و ادراک پردہ داری کرتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک شے پر تجلی فرمائی تو وہ شے اس کے حضور میں خضوع و خشوع کرتی ہے۔ اور واسطی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول کہ باری تعالیٰ کا یہ قول اس قوم کے لئے ہے جو مخصوص ہے ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور یہ آیت ان قوموں کے خلاف ان لوگوں کے بارے میں حکم کرتی ہے جو ارباب تمکین ہیں' ارباب تمکین کے لئے مشاہدہ اور فہم دونوں جمع ہو جاتے ہیں' مقام فہم بات چیت کا محل ہے اور اسی کا نام مسمع قلب ہے اور محل مشاہدہ کا بصر قلب ہے۔ جس طرح سمع کے لئے ایک حکمت اور فائدہ ہے اسی طرح بصر کے لئے بھی ایک فائدہ اور حکمت ہے اب جو شخص حال کے سکر میں اور کیف میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب ہو جاتی ہے اور جو شخص صحو اور تمکین کے حال میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ مالک حال کے ہیں' حال ان کے قبضہ میں ہے اور صاحب حال ظروف وجودی (اعضائے وجودی) ہی سے جو بات قابل فہم ہوتی ہے سمجھتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ فہم الہام و سماع کا محل ہے اور الہام و سماع دونوں ظروف وجودی کے متقاضی ہیں اور دوسرا وجود یعنی وجود وہبی دوسری آفرینش کی تخلیق ہے اس شخص کے لئے جو مقام صحو میں متمکن ہے۔

وجود وہبی اور غیر وہبی کا فرق

وجود وہبی اس وجود سے جداگانہ شے ہے اور اس شخص کے لئے جو فنا کی گزر گاہ سے بڑھ کر قرار گاہ بقا تک پہنچ جاتا ہے اس کے لئے وجود وہبی کے سوا جو دوسرا وجود ہے وہ نور مشاہدہ کی تجلیوں سے لاشے اور معدوم ہو جاتا ہے۔

ابن شمعون کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے یقیناً اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کا قلب ایسا ہو کہ وہ آداب خدمت اور آداب قلب سے آگاہی رکھتا ہو' آداب قلب کے تین حصے ہیں ایک یہ کہ قلب نے جب عبادت کا مزہ چکھا تو وہ خواہشات کی غلامی سے آزاد ہوا پس جو خواہشات سے رکا اس کو ادب کا ایک تہائی حصہ مل گیا اور جو شخص اس چیز کے حصول کا خواستگار ہوا جو از قسم ادب اسے حاصل نہیں ہے اور پھر وہ اس میں مشغول ہوا تو اب اس نے ادب قلب کا 2/3 حصہ پالیا۔ تیسرا حصہ یہ ہے کہ قلب اس چیز سے سیر ہو جائے جو وفا کے وقت وہ خود بڑھ کر بخشنے والا ہے' اس سیری سے اس نے ادب قلب کو مکمل طور پر پالیا۔

جناب محمد ابن علی باقر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قلب کی موت نفس کی خواہشات سے ہے یعنی نفس جب خواہشات میں مبتلا ہوا اس کی موت واقع ہو گئی پس جس نے جس قدر شہوات کو ترک کیا اتنی ہی اس کے قلب کو حیات میسر آئی پس اس مقام پر یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ سماع زندوں کے لئے ہے مردوں کے لئے نہیں ہے یعنی جو خواہشات کو بالکل ترک کر چکے ہیں سماع ان ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى - سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ قلب نرم اور تنک ہے اس پر خطرات ذیمہ اثر انداز ہوتے ہیں اور تھوڑے کا اس پر اثر بہت ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اندھا اور غافل ہو تو اس پر ہم ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اسی کے ساتھ رہتا ہے

پس قلب (مقرب) ایک کام کا کرنے والا ہے جس سے وہ تھکتا ہی نہیں اور نفس جاگتا ہوا ہے کہ وہ سوتا ہی نہیں پھر اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کا مستمع ہو تو اس کے حق میں بہتر ہے ورنہ پھر وہ نفس امور شیطان کا مستمع ہے پس اس طرح ہر چیز استماع کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی ہے کہ نفس کی حرکت اور اس کی جنبش سے شیطان راہ پاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے

لَوْلَا اِنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِىْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ ○

اگر شیطان بنی آدم کے قلوب کے ارد گرد نہ پھرتے تو ضرور آسمان کے مقامات ملائکہ کو دیکھتے۔

جس کو دولت قلب میسر ہے اس کو سب کچھ حاصل ہے

حسینؒ بن منصور کہتے ہیں کہ جسکو قلب حاصل ہے یا دولت حسن استماع حاصل ہے اسکو مبصروں کی بصارت' عارفوں کی معرفت' علمائے ربانی کا نور اور گزشتہ جنیتوں کے نیک طریقے ازل اور ابد' اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب کچھ حاصل ہے یعنی اس کائنات حادث سے وہ سب کچھ اس شخص کیلئے ہے جسکو قلب حاصل ہو یا وہ حسن استماع پر عمل پیرا ہو۔

ابن عطا کہتے ہیں کہ وہ قلب جو مذکور ہوا ایسا قلب ہے جو حق کا ملاحظہ کرتا ہے اور یہ مشاہدہ خطرہ یا فترہ کے سبب اس سے غائب نہیں ہوتا تو وہ اسی کے ساتھ سنتا ہے بلکہ اس سے سنتا ہے (قلب گویا ہو جاتا ہے) اور اس کے ساتھ حاضر ہوتا ہے بلکہ اس کو جلوہ نما کرتا ہے۔ جب قلب' چشم جلال سے حق کا مطالعہ کرتا ہے تو اس وقت ڈرتا اور لرزتا ہے اور جب اسے دیدہ جمال سے مطالعہ کرتا ہے تو اس کو سکون اور قرار آ جاتا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جس شخص کا قلب ایسا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجرید اور تفرید پر اس کو قوت پہنچاتا ہو اور اس قدر قوت پہنچائے کہ وہ صاحب قلب' دنیا' خلق اور نفس سے بھاگ نکلے تب وغیرہ اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہو گا اور نہ ماسوا اللہ کی طرف مائل ہو تو ایسا قلب صوفی ساری دنیا سے الگ تھلگ اور

---

(1) بے شک تم مردوں کو نہیں سنا سکتے (2) پارہ 25

مجرد ہو کر اپنے کان حق کی طرف لگائے رہے اور بصرہ قلب اس کی حاضر رہے اس وقت وہ تمام مسموعات کو سنتا ہے اور تمام مبصرات کو دیکھتا ہے اور تمام مشہودات اس کے سامنے آجاتے ہیں وہ اپنے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حضوری اس کو حاصل ہو جاتی ہے' وہ اللہ کے پاس ہے اس نے تمام چیزوں کو دیکھا اور سنا لیکن وہ ان کی تفصیلات کو نہ سن سکا اور نہ ان کا مشاہدہ کر سکا اس لیے کہ اس تفصیلی مشاہدہ اور سماعت کے لئے چشم شہود کی وسعت چاہیے وہ چشم شہود ہی سے مدرک و معلوم ہو سکتے ہیں اور ظرف وجود کی تنگ دامانی کے باعث تفصیلات کا ادراک ممکن نہ ہو سکا لیکن اللہ تعالیٰ تمام اجمال اور تفصیل کا عالم ہے اس سے نہ کوئی اجمال پنہاں ہے اور نہ کوئی تفصیل پوشیدہ ہے۔

سماعت میں انسانوں کے مابین تفاوت اور ان کی مثال

بعض علماء اور مشائخ نے سماعت میں انسانوں کے مختلف مراتب کی مثال اس طرح پیش کی ہے کہ ایک کسان اپنی مٹھی میں بیج بھر کر بیج ڈالنے کے لئے نکلا جب وہ چلا تو کچھ تو اس میں سے نکل کر راستہ میں بکھر گئے اور آن کی آن میں پرندے اس پر آگرے اور انہوں نے اس کو چگ لیا کچھ بیج اس کی مٹھی سے سنگلاخ (پتھریلی زمین) پر گرے اور ان پتھروں پر تھوڑی سی مٹی جمی ہوئی تھی اور اس مٹی میں کچھ نمی تھی لہٰذا کچھ بیج اس مٹی میں جم گئے لیکن جب اس پنیری کے ریشے پتھر تک پہنچے اور ان کو آگے بڑھنے کے لئے جب کوئی راستہ (منفذ) نہیں ملا تو وہ سوکھ گئے۔ کسان کی مٹھی سے کچھ بیج بنجر زمین پر گرے جس میں اونچے اونچے کانٹے اور گھاس اگی ہوئی تھی کچھ بیج یہاں جمے لیکن جب وہ بڑھ کر کانٹوں کے برابر آئے تو کانٹوں نے ان پودوں کو گھیر لیا او سکھا دیا۔ جو بنجر زمین پر گرے تھے وہ چونکہ پتھریلی زمین پر نہ تھے اور کانٹوں سے ان کو واسطہ پڑا اس لئے وہ جمے جم کر بڑھے اور اچھے خاصے اونچے ہو گئے۔ اس مثال میں کسان تو حکیم و دانشمند ہے اور بیج کی مثال صواب کلام کی ہے' اب جو بیج راستہ پر گرا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کلام کو سنتا ہے اس حال میں کہ اس کا ارادہ سننے کا نہیں ہوتا بس کچھ دیر ہی گزرتی ہے کہ شیطان اس کلام کو اس کے قلب سے اڑا لے جاتا ہے (محو کر دیتا ہے) اور جو بیج صاف اور ہموار پتھر پر گرے اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ کلام کی سماعت کو اچھا سمجھتا ہے اس لئے وہ کلمہ اس کے قلب تک پہنچتا ہے لیکن جب اس پر عمل کرنے کا ارادہ وہ نہیں کرتا تب وہ اس کے قلب سے دور ہو جاتا ہے اور جو ایسی زمین پر گرا جس میں کانٹے اگے تھے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ بھی کرتا ہے لیکن جب خواہشات نے اس کو گھیرا تو وہ اس پر عمل کرنے سے رک گیا۔ اس کے عمل کرنے کی نیت جو خواہشات کے دباؤ سے ترک ہو گی وہ اسی طرح ہے جیسے کانٹوں نے پودے کو گھیر کر سکھا دیا اور جو دانہ بنجر زمین پر گرا' اس نے نشوونما پائی اس کی مثال ایسے مستمع کی ہے جو سنتا ہے اور اس پر عمل کی نیت کرتا ہے یعنی سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اپنی خواہشات سے کنارہ کش ہو گیا اور راہ راست پر عمل پیرا ہوا ایسی صوفی ہے۔ چونکہ ہوا و ہوس کے اندر حلاوت و لذت ہے اور نفس کو جب ہوا و ہوس کا چسکا لگ جاتا ہے تو پھر وہ ہر وقت اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور لذت یاب ہونے کی کوشش کرتا ہے' ہوا و ہوس سے جو استلذاذ میسر ہوتا ہے اس کی مثال اس پودے کی ہے جس کا گلا کانٹے دبا دیتے ہیں۔ صوفی کے اس قلب صافی میں حب صافی کی مہمانی سے حلاوت پیدا ہوئی ہے کیونکہ حب صافی کا روحی تعلق حضرت الوہیت سے ہے' اور جو روح اپنے ظرف میں محبت کے جذب کا خواص

لے کر حضرت الوہیت کی طرف رجوع ہوتی ہے اس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ نفس بھی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اس کی اتباع کرنے لگتا ہے اس وقت حضرت الوہیت کی محبت کی حلاوت، خواہشات کے مزے پر غالب آجاتی ہے (پھر خواہشات کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہتی) اور رہی خواہشات کی لذت تو اس کی مثال تو اس ناپاک درخت کی ہے جو زمین سے جڑ سے اکھڑ گیا اب اس کے لئے نہ کہیں قرار ہے اور نہ کہیں وہ جم سکتا ہے اور محبت کی حلاوت ایک پاک وصاف اور ستھرے درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں زمین میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی ڈالیاں سر بفلک ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روح میں جڑ پکڑے ہوئے ہے اور اس کی شاخ حضرت الوہیت تک جا پہنچی ہے اس کے نفس کے رگ و ریشے زمین پر بہت دور تک گھسے ہوئے ہیں جب ایسا شخص قرآن شریف کا ایک کلمہ یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنتا ہے تو اس کی روح اس کا قلب اور اس کا نفس اس کو شراب کی طرح پی جاتا ہے اور اس پر ہمہ تن نثار اور تصدیق رہتا ہے اور کہتا ہے:۔

اسم منك نسيمالست الموفه اظن طياء حيرت فيك اردانا — خبر نہیں کہ یہ خوشبو کہاں سے لائی نسیم مجھے یقین ہے یہ تیری آستین ہوگی

پھر اس میں وہ کلمہ رچ بس جاتا ہے اور اس کا ایک ایک بال سمع اور ذرہ ذرہ بصر بن جاتا ہے اس وقت اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کل سماعت کل سے اور کل نظارگی کل سے کرتا ہے اور کہتا ہے:۔

اِن تاملتكم فكلى عيون اوتذ كرتكم فكلى قلوب — ہمہ تن چشم بن کر میں نظر کو شاد کرتا ہوں سراپا قلب بن جاتا ہوں جسدم یاد کرتا ہوں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ — میرے ان بندوں کو آپ بشارت دے دیجئے جو بات کو سنتے ہیں پھر اس کی اچھی طرح پیروی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی لوگ صاحبان خرد ہیں۔

عقل کے سو اجزاء

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ عقل کے سو اجزاء ہیں اور ان سو میں سے ننانوے (99) حصے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور ایک حصہ میں (کائنات کے) تمام مومنین شامل ہیں۔ وہ جزء جو کل مومنین پر شامل ہے وہ بھی اکیس حصوں میں منقسم ہے ان میں سے ایک حصہ کلمہ شہادت ہے لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ جس میں سب مومن برابر کے شریک ہیں اور وہ بیس حصے جو باقی رہے وہ سب مومنین میں یکساں نہیں بلکہ وہ حقائق ایمان و مقدار ایمان کے لحاظ سے ایک دوسرے میں کم و بیش ہیں (کسی مومن میں زیادہ اور کسی میں کم)۔

اظہار فضیلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور کمال شان کا اظہار فرمایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ احسن اور خوب تر ہے جس کو آپ لائے اس لئے کہ قبل آفرینش دنیا آپ کو صحبت تمکین اور مرتب استقرار

حاصل تھا اور احوال کل کے تمام انوار آپ پر ظاہر ہو گئے تھے اور آپ کے ساتھ احسن الخطاب تھا اور تمام مقامات پر آپ کو سبقت حاصل تھی چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر غور کیجئے۔ من الاخرون السابقون۔ یعنی وجود اور پیدائش میں ہم آخر ہیں اور محل قدس میں خطاب اول کے مورد و مظہر ہیں۔ خداوند جل وعلا کا ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ○	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے لئے استجابت کرو جب تمہیں بلائیں اس چیز کے لئے جو تمہاری زندگی کا باعث ہے[1]

حضرت جنید علیہ الرحمتہ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف دم کھینچا اور جس شے کی طرف ان کو بلایا گیا تھا اس کی خوشبو حاصل کی اور پھر ان تعلقات (علائق دنیا) کے دور کرنے میں انہوں نے بڑی عجلت سے کام لیا جو انہیں شغل میں مصروف و مشغول رکھے ہوئے تھے اور پارسائی اور تقویٰ کے حصول کے بعد نفوس سے کنارہ کش ہو گئے' شدائد کی تلخی سے تلخکام ہوئے لیکن اس استجابت کے معاملہ میں اللہ سے سچے رہے اور حسن ادب کے ساتھ ان کاموں میں مشغول ہو گئے جن کی طرف انہوں نے توجہ کی اس طرح تمام مصیبتیں ان پر آسان ہو گئیں' انہوں نے مقصود کی قدر پہنچانی اور اپنے مالک و خالق کے ذکر کے سوا دوسروں کے تذکرے سے اپنی نیتوں کو روک لیا۔ اور انہوں نے حیات ابدی حاصل کرلی اس حی قیوم کے ساتھ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

حضرت وسطیؒ کا قول

حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان مومنین کی حیات صفا لفظاً اور فعلاً ہر اعتبار سے ہے اور بعض صوفیہ فرماتے ہیں کہ استجابت سے مراد یہ ہے کہ استجابت کرو تم اپنے اسرار سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ظواہر سے ہٹ کر! اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح نفوس کی حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے اسی طرح قلوب کی حیات مشاہدہ غیوب سے ہے' اللہ تعالیٰ سے شرم کرنا اسی وقت ممکن ہے کہ جب بندہ اپنی تقصیر کو دیکھے۔

ابن عطاؒ کا قول

حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اجابت چار چیزوں کی ہے اول توحید کی اجابت ہے۔ دوم اجابت تحقیق ہے۔ سوم اجابت تسلیم ہے اور چہارم اجابت تقریب (قربت) ہے۔ مومن کے لئے استجابت بقدر سماع ہے اور سماع اس کے فہم کی حیثیت کے اعتبار سے ہے اور فہم بقدر معرفت کلام' متکلم کے علم اور اس کی معرفت کے اعتبار سے ہے' فہم کی وجود لاتعداد وغیرہ محصور ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ وجود کلام غیر محصور ہیں' جب وجود کلام غیر محصور ہوئے تو لازماً وجوہ فہم بھی غیر محصور ہوئے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ	فرما دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات (تحریر کرنے) کے لئے دریا

(1) پارہ 9 ۔ سورہ انفال

الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ[1] — سیاہی بنجائیں تو یقیناً سیاہی کے یہ دریا کلمات ربی (کے ختم ہونے) سے پہلے ختم ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تمام کلمات میں سے ہر کلمہ کے اندر پورا قرآن موجود ہے پس ان کلمات کی تحریر ختم کئے بغیر ہی یہ دریائے روشنائی ختم ہو جائیں گے۔ ہر کلام ذات توحید کے اعتبار سے ایک کلمہ ہے اور ہر کلمہ ایک کلام ہے اگر علم ازل کی وسعت پر نظر کریں۔ (پس کائنات اس کو کس طرح معرض تحریر میں لاسکتی ہے)۔

ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کیا ہے[2] کہ قرآن پاک کی ہر ایک آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حرف کے لئے ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے ایک مطلع ہے"۔ شیخ ابو نجیب السہروردی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے دریافت کیا کہ اے ابو سعید! مطلع سے کیا مراد ہے (مطلع کیا چیز ہے) انہوں نے فرمایا اس قوم کے لئے مطلع وہی ہے جس پر وہ عمل کرتی ہے۔ ابو عبیدؒ نے فرمایا کہ حسنؒ کا یہ قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف گیا ہے جس کو حجاج نے شعبہ سے اور شعبہ نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ:۔

"کوئی حرف یا کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ اس پر ایک قوم نے عمل نہ کیا ہو"۔
"یا اس پر ایک قوم عنقریب عمل کرنے والی ہے"۔

اب سمجھ لینا چاہیے کہ مطلع ایک منارہ ہے جس پر معرفت علم کے ذریعہ چڑھا جاسکتا ہے۔ گویا مطلع ایک فہم ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس دل پر کھول دیتا ہے جس کو نور سے بہرہ اور ذوق نور سے نصیب ہوتا ہے۔ لوگوں نے ظہر و بطن کے معنی میں بھی تاویلات کی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ظہر لفظ قرآن ہے اور بطن اس کے معنی اور تفسیر ہیں۔ بعض نے کہا کہ ظہر اس غصہ کی صورت ہے جس کے ذریعہ خداوند تعالیٰ نے کسی قوم پر اپنے غضب فرمائے اور عتاب و عقاب سے خبر دی ہے۔ پس اس کا ظاہر تو اس خبر کا پہنچانا ہے (کہ جو کچھ اس قوم پر گزری) اور اس کا باطن نصیحت و تنبیہہ ہے اس شخص کے لئے جو اس کی قرآت کرتا ہے اور جو کوئی اس کو سنتا ہے (افراد امت سے) بعض کہتے ہیں کہ ظاہر سے مراد اس کی تنزیل ہے جس پر ایمان واجب ہے اور باطن سے مراد اس پر عمل کا وجوب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ظاہر سے مراد اس کی اس طرح تلاوت ہے جس طرح وہ نازل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ورتل القران ترتیلا اور باطن کے معنی اس میں تفکر اور تدبر کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ — یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے، یہ کتاب برکت والی ہے تاکہ اس کی آیتوں میں تدبیر سے کام لیں اور وہ لوگ جو دانشمند ہیں نصیحت حاصل کریں۔

(1) پارہ 16 سورۃ الکہف

(2) یہ حدیث شریف بھی طریق اخبرنا و حدثنا شیخ ابو النجیب سہروردیؒ نے ابو علی بن بنیادؒ کے واسطے سے بیان کی ہے۔
(1) اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

بعض نے کہا کہ نکل حرف حد یعنی ہر حرف کے لئے تلاوت میں ایک حد ہے کہ وہ قاری مصحف سے جو امام ہے تجاوز نہ کرے اور اس منقول سے نہ بڑھے جو تفسیر میں موجود ہے۔

تفسیر و تاویل کا فرق

تاویل و تفسیر میں فرق ہے، تفسیر تو آیت کی شان نزول اور اس کے قصہ یا واقعہ یا ان اسباب کی وضاحت کا نام ہے جس کے لئے وہ آیت اتری ہے، تفسیر کے بارے میں کافہ خلائق کو بطور اعراض کچھ کہنا حرام ہے اور منع ہے مگر سماع اور آثار سلف سے (اگر کچھ کہا جائے) جائز ہے۔

تاویل یہ ہے کہ ایک آیت کو ایک معنی کی طرف پھیرا جائے جب کہ ان معنی کا احتمال اس میں موجود ہو اور وہ معنی محتملہ جس کو اس نے دیکھا ہے کتاب (قرآن) اور سنت کے موافق ہو، تاویل میں دلوں کے احوال کی رنگا رنگی کے باعث تنوع ہے، احوال کی اس رنگا رنگی اور تنوع کا ذکر اس سے قبل صفا، فہم، مرتبہ معرفت اور منصب قرب الٰہی کے ذکر میں کیا جاچکا ہے۔

حضرت ابو الدرداؓ کا قول

حضرت ابو الدرداؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک پورا فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک قرآن پاک کے وجوہ کثیر پر اس کی نظر نہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول کس قدر عجیب ہے کہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ اس کے لئے ایک قوم عمل کرنے والی موجود نہ ہو (یعنی عنقریب کچھ لوگ اس پر عمل کریں گے) یہ کلام الٰہی ہر طالب صاحب ہمت اس بات پر ابھارتا ہے

تاویل یہ ہے کہ ایک آیت کو ایک معنی کی طرف پھیرا جائے جب کہ ان معنی کا احتمال اس میں موجود ہو اور وہ معنی محتملہ جس کو اس نے دیکھا ہے کتاب (قرآن) اور سنت کے موافق ہو، تاویل میں دلوں کے احوال کی رنگا رنگی کے باعث تنوع ہے، احوال کی اس رنگا رنگی اور تنوع کا ذکر اس سے قبل صفا، فہم، مرتبہ معرفت اور منصب قرب الٰہی کے ذکر میں کیا جاچکا ہے۔

حضرت ابو الدرداؓ کا قول

حضرت ابو الدرداؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک پورا فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک قرآن پاک کے وجوہ کثیر پر اس کی نظر نہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول کس قدر عجیب ہے کہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ اس کے لئے ایک قوم عمل کرنے والی موجود نہ ہو (یعنی عنقریب کچھ لوگ اس پر عمل کریں گے) یہ کلام الٰہی ہر طالب صاحب ہمت اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ موارد کلام کو صاف ستھرا کرے اور اس کلام کے معنی دقیق اور اسرار کو سمجھے۔ پس اس صورت میں صوفی جو دنیا سے بے تعلقی میں یکمال سے متصف اور ماسویٰ اللہ سے فارغ اور کنارہ کش ہے، ہر ایک آیت کا مطلع ہے اور ہر بار تلاوت میں اس کے لئے ایک نیا مطلع موجود ہے اور ایک فہم نو موجود ہے اور فہم نو کے لئے ایک عمل جدید حاضر ہے، پس ان کا فہم ان کو عمل کی دعوت دیتا ہے اور ان کے عمل سے صفائے فہم اور نگاہ دقیق کو معانی خطاب میں کھینچتا ہے یعنی خطاب ربانی کے معانی میں ان کی نگاہ کو دقت اور صفائے فہم حاصل ہوتی ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ فہم سے علم ہے اور علم سے عمل اور علم و

عمل ایک ساتھ نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے اس میں آتے ہیں اور عمل وہی قلوب کا عمل ہے اور یہ عمل قلوب، عمل قالب کے علاوہ ہے۔ یہ اعمال قلوب اپنی لطافت و صداقت میں علوم کے ہم شکل اور ہم صورت ہیں۔ تمام نیتیں اور تمام وابستگیاں اور روحی تعلقات اور قلبی آداب اور تمام پوشیدہ اسراران اعمال سے عمل میں آجاتے ہیں اور اس طرح ایک علم سے ان کا دوسرا علم بلند ہو جاتا ہے اور اس طرح مطلع فہم پر نئی نشانیاں طلوع کرتی ہے۔ اس موقع پر مرے ذہن (سرباطن) میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ مطلع سے یہ مراد نہیں ہے کہ صفائے فہم کے باعث کسی آیت کے دقیق معنی اور اس کے رازہائے سربستہ سے آگاہی حاصل ہو جائے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ مطلع کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر آیت پر صفائے فہم کے باعث شہود، متکلم پر طلوع کرے (اس کو مشاہدۂ ذات حاصل ہو) اس لئے کہ اس میں (یعنی صاحب فہم میں) اس کے اوصاف سے ایک وصف اور اس کی صفات سے ایک صفت بطور امانت رکھی گئی ہے پس اس طرح صاحب فہم کے لئے آیتوں کی تلاوت اور سماع آیات سے تجلیات نوع بہ نوع جلوہ فگن ہوتی ہیں اور اس کے لئے ایک ایسا آئینہ بن جاتے ہیں جو باری تعالیٰ کی عظمت و جلال سے خبر دیتے ہیں۔

امام جعفر رضی اللہ عنہ کا قول

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے اپنے کلام میں متجلی ہوا لیکن وہ مشاہدہ نہیں کرپاتے، پس ان تصریحات بالا سے ثابت ہوا کہ ہر ایک ایت کے لئے ایک مطلع ہے اور حد، حد کلام ہے اور مطلع حد کلام سے متکلم کے شہود کی طرف ترقی کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک بار نماز میں غش کھا کر گر پڑے، ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تلاوت میں ایک آیت کو دہراتا رہا۔ دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ پھر میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا۔ پس صوفی جب کہ اس کے لئے ناصیہ توحید کا نور چمکا اور اس نے وعدہ و وعید کو غور سے سنا اور اس کا دل ماسوئی سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوا تو اس وقت اس نے اپنی زبان یا غیر کی زبان کو تلاوت آیات میں شجر موسی علیہ السلام کی طرح پایا۔ اس درخت سے یہ خطاب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام کو سنایا تھا۔ انی انا اللہ بیشک میں ہوں اللہ! تو اس وقت اس کا سماع اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور استماع بھی اس کا اللہ کی طرف تو گویا اس وقت اس کا سماع اس کا بصر اور اس کا بصر اس کا سماع اور اس کا علم اور اس کا عمل اس کا علم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے آخر کو اول اور اول کو آخر کر دیا۔ اب ذرا اس بات پر غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ذریات سے یہ خطاب فرمایا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو اس وقت ان تمام ذریات نے یہ آواز نہایت صاف سنی تھی، اس کے بعد یہ ذریات برابر اصلاب و ارحام میں منتقل ہوتی رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔ الذی یراك حین تقوم و تقلبك فی الساجدین ○ یعنی آپ کی ذریات کو ہم اصلاب اہل سجود میں بدلتے رہے کہ وہ آپ کے اجداد انبیاء کرام تھے، پس یہ

---

(1) شجر طور جس پر تجلی الٰہی کا ظہور ہو اور اس سے موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی انی انا اللہ (2) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ (3) وہ جو کہ دیکھتا ہے حالت قیام میں اور جو تجھے بدلتا رہتا ہے سجدہ کرنے والوں میں یعنی اہل سجدہ میں۔

ذرات ہمیشہ اسی طرح منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ پھرانھوں نے اپنے اجساد (اپنے اپنے جسموں اور وجود میں) ظہور کیا پس اس وقت وہ حکمت کے ساتھ قدرت سے اور علم شہادت کے ساتھ عالم غیب سے محجوب ہوگئے (اس لیے کہ اب وہ (اپنے اپنے اجساد میں بزور و ظہور کر چکے تھے) چونکہ وہ اطوار کثرت میں ادلتے بدلتے رہے تو تاریکی اس کی ان میں جمع ہو گئی پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے حسن استماع کا ارادہ کرتا ہے' اس میں حسن استماع پیدا کرنا چاہتا ہے تو تاریکی اس کی ان میں جمع ہو گئی پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے حسن استماع کا ارادہ کرتا ہے' اس میں حسن استماع پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کو صوفی صافی بنادے' تو اس کو ہمیشہ تزکیہ اور تجلی کے مراتب میں ترقی دی جاتی ہے تاکہ وہ عالم حکمت کے تنگ نالے سے نکل کر قضاو قدرت کے مقام وسیع و فسیح میں پہنچ جائے اس وقت اس کی چشم باطن سے جو آر پار ہونے والی قوت رکھتی ہے پردہ ہائے حکمت اٹھائے جاتے اس وقت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا سماع کشفاً اور عیاناً ہو جاتا ہے (وہ مشاہدہ بھی کرتا ہے اور سنتا بھی ہے) اس وقت اس کی توحید اور اس کا عرفان بنیان اور برہان بنجاتا ہے اور اب اس کے لئے اطوار مختلفہ کی ان ظلمتوں کے بجائے جو تقلیب میں پیدا ہو گئی تھیں لوامع الانوار مندرج ہونے لگتے ہیں یعنی وہ ظلمتیں نفس صوفی سے مٹ جاتی ہیں اور اس جگہ انوار کی چمک دمک لے لیتی ہے۔

الست بر کم کی مزید توضیح!

بعض ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ ہماری یاد میں محفوظ ہے کہ الست بربکم کے خطاب سے اشارہ اس حال کی جانب ہے' جب صوفی میں یہ وصف متحقق ہو جاتا ہے اور وہ اس وصف سے موصوف ہو جاتا ہے تو پھر اس کا وقت سرمدی (ابدی) ہو جاتا ہے' شہود اس کا موید اور اس کا سماع متواتر اور نوبہ نو انداز کا بن جاتا ہے یعنی اس منزل پر صوفی کا وقت آنی نہیں رہتا۔ وہ حالت شہود میں پہنچ جاتا ہے' استماع اس کو متواتر حاصل ہوتا ہے اور اس استماع میں بیخود ہوتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اس طرح سنتا ہے جیسا کہ اس کے سننے کا حق ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اول علم استماع ہے اس کے بعد فہم ہے اس کے بعد حفظ کا درجہ ہے اس کے بعد عمل کی منزل ہے اور پھر نشر (پھیلانا) ہے۔ بعض ارباب
تحقیق کہتے ہیں کہ حسن الاستماع یہ ہے کہ متکلم کو مہلت دی جائے تاکہ وہ اپنی بات پوری کر سکے۔ ادھر ادھر کم متوجہ ہو اور بات کرنے والے اور یاد رکھنے والے کی طرف اپنا چہرہ اور نظر رکھے! اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ۔ — اور قرآن کے ساتھ عجلت مت کیجئے قبل اس کے کہ وہ آپ کی طرف ادا اور پورا ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ قرآن کو جلد پڑھنے کے لئے اسکے ساتھ زبان کو جنبش نہ دیجئے

خداوند عالم کی جانب سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن استماع کی تعلیم دی گئی' تشریح اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس قرآن کو اپنے صحابہ کو اس وقت تک مت لکھائیے جب تک آپ اس کے معنی میں غور و تدبر نہ فرمالیں تاکہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اس کے عجائب و غرائب میں خطا کرتے ہیں' لوگ پھر خطا کریں' کہتے ہیں کہ جب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوتے تو نزول وحی کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی قرات فرما دیتے تھے تاکہ کہیں سہو نہ ہو جائے۔ اور توقف نہیں فرماتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عمل سے روک دیا یعنی جب تک جبرئیل (علیہ السلام) القاسے فارغ نہ ہو جائیں آپ اس کے پڑھنے میں عجلت نہ فرمائیے۔

سماع اور دوسرے معانی

کبھی سماع کے معنی میں مطالعہ علوم اور آثار و اخبار رسول اللہ ﷺ کا بھی استعمال ہوا ہے۔ بالفاظ دگر اخبار رسول ﷺ اور دوسرے علوم کا مطالعہ سماع ہے! اور چونکہ مطالعہ کرنے والا علوم و اخبار و آثار اور تواریخ اہل صلاح' ان کی حکایات' انواع و اقسام' حکم اور ان کے امتثال کا محتاج ہے جن کے باعث مطالعہ کنندہ عذاب آخرت سے نجات حاصل کرتا ہے اس طرح وہ بھی حسن استماع ہی کا ایک فن اور ادب ہے۔ اور اسی کی ایک نوع ہے جس طرح قلب میں حسن استماع کے لئے استعداد زہد و تقوی سے پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ جو کچھ سنتا ہے اس سے خوب کو اخذ کرلیتا ہے اس طرح رفتہ رفتہ وہ عادی ہو جاتا ہے کہ جس شے کا مطالعہ کرے اس سے خوب کو انتخاب کرلے پس مطالعہ کے بھی کچھ آداب ہیں' منجملہ ان آداب کے ایک یہ ہے کہ جب کوئی حدیث اور علم دینی میں سے کسی ایک کے مطالعہ کا ارادہ کرے تو سمجھ لے کہ گاہے گاہے ذکر و تلاوت میں ہوائے نفسانی اور بے صبری کا بھی ذکر ہوتا ہے تو اس وقت ادب مطالعہ سے وہ ایسی راحت پاتا ہے جیسے نیک لوگوں کی ہم نشینی اور ان کی گفتگو سے سکون ملتا ہے پس عقلمند شخص کو چاہیے کہ اس معاملہ میں اپنے نفس کو ٹٹولے اور مطالعہ کتب کو اس حد تک حاصل کرے جہاں تک اس کی اجازت ہے ہوائے نفس سے مطالعہ میں مزے نہ اڑائے اور نہ حد سے زیادہ کی اس میں رعایت کرے پس جب کسی کتاب یا علمی مسئلہ کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کی طرف عجلت نہ کرے بلکہ ثبات و قرار کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے انابت اور رجوع کے بعد اس کی رحمت سے اس مطالعہ میں تائید کا خواستگار ہو اس لئے کہ کبھی کبھی مطالعہ سے بھی اللہ تعالیٰ ایسے مراتب عطا فرما دیتا ہے جو اس کے حال کی ترقی کا موجب ہوتے ہیں پس مطالعہ کے لئے اگر استخارہ دیکھ لے تو اور بھی اچھا ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اس پر افہام و تفہیم کا دروازہ اپنی رحمت سے کھول دیتا ہے جو اس کی اس رحمت کے سوا ہوتا ہے جو اس کو صورت علم سے حاصل ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ علم کے لئے ایک صورت ظاہری ہے اور ایک سر باطنی ہے اور اسی سر باطنی کا نام فہم ہے اور اللہ تعالیٰ

نے فہم کی عظمت اور شرف کی خبر اپنے اس ارشاد میں دی ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ اور ہم نے اسے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا۔

اس ارشاد ربانی میں زیادہ خصوصیت کے ساتھ فہم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور حکم اور علم کو الگ الگ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے

اس حکم سے ثابت ہے کہ سنانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو کبھی وہ زبان کے واسطے سے سناتا ہے اور کبھی مطالعہ کتب کے واسطے سے جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعای نے مطالعہ کرنے والے کو روزی کیا ہے۔ اسی لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ مطالعہ کرنے والے کو مطالعۂ سے عطا فرماتا ہے وہ اس کا مترادف بن گیا کہ جو مسموع کو حسن استماع کی برکت سے نصیب ہوتا ہے یعنی صاحب استماع کو جو کچھ مسموع سے حسن استماع کی برکت سے نصیب ہوتا ہے وہ اس مطالعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو روزی فرما دیا تاکہ بندہ اس میں اپنے حال کا تجسس کرے اور اپنے علم اور ادب کو سیکھے! اس لئے کہ یہ رحمت کے دروازوں میں سے ایک وسیع اور بزرگ دروازہ ہے اور مشائخ، صوفیاء، علماء اور زاہدوں کے اعمال میں سے ایک عمل ہے جو رحمت کے دروازوں کو کھول دیتا ہے اور اس چیز سے بڑھ کر کیا چیز ہوگی جو آخرت کے راستے میں نفع بخش ہے۔

---

(1) ابتدائے زمانہ نزول وحی میں حضور ﷺ نزول وحی میں الفاظ کو ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی تلاوت سے روک دیا گیا۔

باب 3

علوم صوفیہ کی فضیلت

علوم صوفیہ میں سے ایک نمونے کی طرف اشارہ

شیخ الاسلام شیخ ابو النجیب سہروردیؒ برادیان متعددہ حکیم کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سرور عالم و عالیشاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور سے دریافت کیا کہ شر کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ مجھ سے شر کی بابت سوال نہ کرو! مجھ سے خیر کی نسبت دریافت کرو۔ سائل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی فرمایا اس کے بعد ارشاد فرمایا شریروں کے شریر علمائے شریر ہیں اور نیکوں کے نیک علمائے نیک ہیں کہ یہی علماامت کے رہنما' دین کے ستون' جبلی جہالتوں کی تاریکیوں کے چراغ' دیوان اسلام کے نقیب' کتاب و سنت کی حکمتوں کی کانیں (معاون) اور خلق خدا میں اللہ تعالیٰ کے امین' بندوں کے طبیب چارہ ساز' ملت حنفیہ کے نقاد اور عظیم امانتوں کے اٹھانے والے ہیں۔ پس یہ لوگ مخلوق میں زیادہ حقدار حقائق تقویٰ اور پرہیز گاری کے ہیں۔ اور تمام بندگان خدا سے زیادہ زہد فی الدنیا کے حاجت مند ہیں اس لئے کہ یہ علما ان باتوں کے محتاج اپنے نفس کے لئے بھی ہیں اور دوسروں کے لئے بھی' پس ان کا فساد ہو یا تقویٰ متعدی ہیں (ایک سے دوسرے تک سرایت کرنے والے)۔

افضل الناس کون ہے؟

سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کہ آدمیوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جس نے امر معلوم پر عمل ترک کر دیا (ایک بات کو جانتا تھا اور اس پر عمل نہیں کیا) اور سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے اس پر عمل کیا جس کا اس کو علم ہو گیا اور افضل الناس وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے سب سے زیادہ عاجزی اور فروتنی کرنے والا ہے اور یہ قول محکم و صحیح ہے اس وجہ سے عالم جب اپنی معلومات پر عمل نہ کرے تو وہ عالم ہی نہیں ہوا پس ہوشیار کہ ایسے عالم بے عمل کی فصاحت بیان' طاقت لسان' مناظرہ و مجادلہ کی قوت سے دھوکے میں نہ آنا اس لئے کہ وہ جاہل ہے عالم نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل و کرم فرمائے کہ اسلام میں علم اپنے اہل کو ضائع نہیں کرتا اور ممکن ہے کہ عالم علم کی برکت سے عمل کی طرف پلٹ آئے۔

علم ایک فرض ہے اور فضیلت بھی ہے' فرض تو اس اعتبار سے ہے کہ انسان کو اس کے جانے بغیر چارہ کار نہیں (اس کا جاننا ضروری ہے) تاکہ وہ دین کے حق و جوب پر قائم ہو سکے اور فضیلت اسے کہتے ہیں جو قدر حاجت سے زیادہ ہو ان چیزوں میں سے یہ انسان نفس میں فضیلت حاصل کرتا ہے اور شرط یہ ہے کہ جو کچھ قدر حاجت سے زیادہ حاصل ہو وہ کتاب و سنت

کے موافق ہو اور جو علوم کتاب و سنت اور جو کچھ ان دونوں سے مستفاد ہوا ہے' وہ ان دونوں کے سمجھنے میں مددگار ہیں یا ان کی طرف مستند ہیں تو جو کوئی ان علوم سے موافق نہ ہو خواہ وہ کیسا ہی علم ہو اس میں ذلت ہے فضیلت نہیں ہے' اس سے انسان بہت زیادہ خوار ہوتا ہے اور یہی دنیا و آخرت کی فرومائیگی ہے۔

فرض علوم کو حاصل کرنا ضروری ہے

جو علوم کہ فرض ہیں انسان ان کے جانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (انسان کو ان کا جاننا ضروری ہے) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اطلبوا العلم ولو کان بالصین ○ علم طلب کرو خواہ چین میں ہو (اس کے لئے ملک چین ہی جانا پڑے)۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ علم کا طلب کرنا' مسلمان پر فرض ہے۔

کون سے علم کا حاصل کرنا فرض ہے

علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے[1] اس کو نفس کا مکرو غرور' اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ و برباد کرتی ہیں' اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ معرفت خواطر[2] اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے۔ اس لئے کہ خاطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشوونما ہے اور اس علم کے ذریعہ ملت ملائکہ اور ملت شیاطین میں امتیاز کیا جا سکتا ہے (معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ نیک طینت لوگ ہیں اور یہ شیطان فطرت ہیں)۔ اور فعل کی صحت بغیر صحبت کے نہیں ہو سکتی' پس ایسا علم حاصل کرنا فرض ہو گیا جو بندے کے افعال کو درست کر سکے۔

علم الوقت کی طلب

بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ وہ علم، علم الوقت ہے جس کی صراحت اس قول سے ہو گی کہ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم الوقت یہ ہے کہ علم حال کی طلب کی جائے' یعنی اس سے وہ حکم حال مراد ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے اور بندے کے مابین وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کا ارشاد ہے کہ جس علم کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ علم باطن کا طلب کرنا ہے کہ اس سے بندے کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ علم بھی صالحین کی مجالست اور صحبت میں حاصل کیا جا سکتا ہے' یہ صالحین وہ ہیں جو علمائے موقنیں اور زہاد مقربین ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنا لشکر بتایا ہے اور طالبین ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے طریقے پر گامزن ہو کر قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان سے رشد و ہدایت پاتے ہیں اور یہی لوگ

---

(1) اخلاص کے سلسلے میں اللہ تعالی کا حکم یہ ہے۔ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ○

(2) خواطر یعنی طبائع معرفت خواطر سے مراد علم الطبائع ہے۔ دوسروں کی طبائع کے حالات جاننے کا علم۔

علم رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں جن سے علم الیقین کو حاصل کیا جا سکتا ہے (علم الیقین کی تعلیم دیتے ہیں)
بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ علم جو فرض ہے' خرید فروخت (بیع و شراء) نکاح و طلاق کا علم ہے کہ جب ان میں سے کسی کام میں شمولیت کا ارادہ کرے (تجارت کا یا نکاح کا) تو اس شخص پر واجب ہے کہ اس علم کو حاصل کرے۔ بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ صورت حال یہ ہے کہ بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اسے یہ نہیں معلوم کہ اس کام میں حق اللہ کیا ہے (حق تعالیٰ کا ارشاد کیا ہے) تو اس صورت میں اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی رائے سے ایسے کام کو انجام دے (اس پر عمل کرے) اس لیے کہ وہ جاہل اور ناواقف ہے اور اس کے مالہ و ماعلیہ سے آگاہ نہیں (سود و زیاں و حسن و قبح کی اس کو کچھ خبر نہیں) پس اس کو چاہیے کہ وہ اس فعل میں عالم سے رجوع کرے اور اس عمل کے بارے میں دریافت کرے تاکہ وہ اس کو بصیرت کے ساتھ جواب دے اور اپنی رائے سے عمل نہ کرے' یہ وہ علم ہے کہ اس کا حاصل کرنا اس حال میں فرض ہے جب کہ جہل موجود ہو!

علم توحید کا حاصل کرنا فرض ہے

بعض بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ علم توحید کا حاصل کرنا فرض ہے' اور کوئی کہتا ہے نظر و استدلال فرض ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ طریقہ نقل ہے یعنی علم منقول اور بعض صوفیاؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ سلامتی باطن' حسن قبول اور اطاعت و انقیاد کے ساتھ داخل اسلام ہے (مسلمان ہے ان صفات کے ساتھ) اور اس کے دل میں کوئی خلش یا کھٹک (شبہات ہے) نہیں ہے تو وہ بندہ سالم ہے اور اگر اس کے دل میں کوئی خلش یا کوئی شبہ موجود ہے یا کسی چیز سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے عقیدے میں قدح (نقص) پیدا کرنے والا ہے یا اس کو کسی شبہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس شبہ اور غائلہ سے وہ مامون و مصون نہیں ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ شبہ اور یہ غائلہ اس کو بدعت و ضلالت کے راستہ پر ڈال دے گا تو پھر اس پر واجب ہے کہ اپنے شبہ کو ظاہر کرے اور اہل علم کی طرف رجوع کرے جو اس کو راہ راست بتائیں اور درست بات سے آگاہ کریں۔

علم فرائض پنجگانہ فرض ہے

شیخ ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ ان پانچ فرائض کا علم حاصل کرنا ضروری ہے جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور وہ تمام مسلمانوں پر فرض ہیں اور جب ان پر عمل کو فرض کیا گیا ہے تو پھر ان کا علم بھی فرض ہو گیا اور کہتے ہیں کہ علم توحید اسی پنجگانہ فرائض میں داخل ہے' اس لئے کہ اولاً تو اس میں دو شہادتیں داخل ہیں اور اخلاص بھی داخل ہے اس لئے کہ یہ (اخلاص) اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور صحت اسلام کے لئے علم اخلاص ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے (خبر دی ہے) کہ وہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے''۔ پس اس حکم کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی اس کے علم کے بغیر نہ رہے۔ ہم اس سے پہلے جس قدر اقوال بھی اس سلسلے میں پیش کر چکے ہیں ان میں اکثر ایسے علوم ہیں کہ مسلمان ان سے بے علم ہیں۔ (ان علوم سے بے بہرہ ہیں) جیسے وہ علم الخواطر۔ علم الحال۔ علم الحلال (تمام مالہ و ماعلیہ کے ساتھ) اور علم الیقین جو علمائے آخرت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور اکثر مسلمان ان علوم (ان چیزوں) سے آگاہ نہیں ہیں تو اگر ایسے تمام علوم ان پر

فرض ہوتے اکثر مخلوق ان کے حاصل کرنے سے عاجز رہتی۔ سوائے چند کے (بہت ہی کم لوگ ان علوم کو حاصل کرسکتے تھے) اس لئے یہ تسلیم کرنا دشوار ہے کہ ان علوم کا حصول فرض کیا گیا ہے۔ ان اقوال میں میرا جھکاؤ تو شیخ ابو طالب کے قول کی طرف ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ فرائض پنجگانہ کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ جو قول ہے کہ علم بیع و شراؤ نکاح و طلاق کا علم فرض ہے مگر اس کے لئے جو ان امور میں مشغول ہونا چاہے تو اپنی جان کی قسم اس کا علم حاصل کرنا مسلمان پر فرض ہے اور میرے نزدیک شیخ ابو طالب نے جو فرمایا ہے وہ ایک جامع تعریف ہے ان علوم کی جن کی طلب فرض کی گئی ہے۔ (علم المفرض کی طلب کی ایک جامع تعریف ہے)۔ (واللہ اعلم)

اوامر و نواہی کے اقسام

میں اس سلسلہ میں کہتا ہوں کہ وہ علم جس کا حصول اور جس کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے وہ علم اوامر و نواہی ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہے کہ وہ جانے کہ اس کام کے کرنے میں ثواب اور ترک پر عذاب ہے' اور اسی طرح نواہی کہ وہ جانے کہ اس کے کرنے پر عذاب اور ترک پر ثواب ہے اور ان مامورات و منہیات میں بعض تو امر ایسے ہیں کہ ہر حال میں اور ہر وقت ان پر عمل از روئے احکام اسلام لازم ہے اور بعض امور ایسے ہیں کہ امر و نہی کو ان میں اس وقت دخل ہوتا ہے۔ امر و نہی ان پر اس وقت نافذ ہوتا ہے) جب کہ کوئی امر حادث ہو' پس جو دوامی لازم ہے جس کا حکم اسلام نے لزوم دوامی کے ساتھ دیا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے اس کا حکم ہے یا ممانعت ہے تو اس کام کا علم ضرورت اسلام سے ہے اور وہ امور جو حادثہ ہیں اور امر و نہی کا اس میں دخل ہے تو اس کا علم بھی اس وقت فرض ہو جاتا ہے جب ایسے امور حادث ہوں کہ ایک مسلمان کو اس علم سے آگاہی کے بغیر چارۂ کار نہیں اور یہ تعریف ان تمام تعریفات سے جو اوپر بیان کی گئیں زیادہ عام ہے۔ واللہ اعلم!

علم مفروض کی طلب

چنانچہ مشائخ صوفیائے اور علمائے آخرت نے (جو دنیا سے رغبت نہیں رکھتے) اس علم مفروض کی طلب میں کوشش شروع کی اور اپنی مساعی کو بروئے کار لائے اور انہوں نے اس کو شناخت کر لیا اور انہوں نے امر و نہی کو قائم کیا اور بتوفیق الٰہی اس سے عہدہ برآ ہوئے اور جب وہ اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے مستقیم اور ثابت قدم ہو گئے جیسا کہ باری تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ۝ — پس آپ مستقیم ہو جائیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا اور وہ بھی جس نے آپ کے ساتھ توبہ کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے (ان کی استقامت دیکھتے ہوئے) ان پر علوم کے دروازے کھول دیئے' جس کا ذکر ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔ بعض شیوخ فرماتے ہیں کہ اس خطاب استقامت کی طاقت سوائے اس کے اور کہیں نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشاہدات قدسی' انوار ظاہری اور آثار صادق سے امداد فرمائی ہے اور جو ہر ارادہ میں ثابت قدم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ! — اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے۔

یہ فرما کر مشاہدہ اور روبرو خطاب کے وقت تحفظ فرمایا اور مقام قرب سے سنوارا اور اس خطاب کے مخاطب بساط انس پر متمکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ یعنی آپ اسی طرح استقامت کریں جس طرح کہ آپ مامور رسالت ہیں۔ اگر یہ بلند مقامات (ارشادات ربانی بہ سلسلہ استقامت) نہ ہوتے تو آپ جن امور کے لئے مامور ہوئے تھے ان میں استقامت نہیں فرما سکتے تھے۔

استقامت تمام اعمال سے افضل

ابو حفصؒ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے جواب دیا' استقامت! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قائم اور مستقیم رہو حالانکہ تم اس کی حفاظت نہ کر سکو گے! امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ کے حکم کی تفسیر میں کہا ہے کہ نیاز و فقر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور صحت عزم کے ساتھ۔

صالحین کرامؒ میں سے کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو انہوں عرض کیا یا رسول اللہ آپ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ نے (کسی موقع پر) فرمایا ہے شیبتنی سورۃ ھود و اخواتھا (مجھے سورۂ ہود اور اس کی اخوات نے بوڑھا کر دیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں"۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ کیا حضور کے بڑھاپے کا باعث سورہ ہود میں بیان کئے جانے والے انبیا کے قصص اور قوموں کی ہلاکت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم نے فاستقم کما امرت!

پس جس طرح حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصدقات مشاہدات کے بعد اس خطاب سے مخاطب فرمائے گئے اور آپ کو حقائق استقامت سے مخاطب کیا گیا اسی طرح ان علمائے آخرت کو جو دنیا کی طرف راغب نہیں ہیں اور ان مشائخ صوفیاء کو جو مقربین ہیں اس سے بہرہ مند فرمایا ہے اور حصہ عطا کیا ہے اور پھر ان کو حق استقامت سے بذریعہ الہام آگاہ فرمایا گیا کہ ان میں حق استقامت کی ادائیگی کی جو استعداد موجود ہے اس پر استقامت کریں اس طرح استقامت کو افضل مطلوب اور اشرف مامور قرار دیا گیا (یعنی جن امور پر وہ مامور ہیں ان میں سب سے زیادہ شرف استقامت کو ہے)۔

طالب استقامت بن (طالب کرامت نہ بن)

ابو علی جو زجانیؒ فرماتے ہیں کہ (اے صوفی) طالب استقامت بن' کرامت کا طالب نہ بن ہرچند کہ تیرا نفس کرامت کا خواہاں ہے لیکن تیرا رب تجھ سے استقامت چاہتا ہے اور یہ جو کچھ شیخ ابو علی جو زجانی سے فرمایا وہ اس مسئلہ میں ایک بڑی بات اور اصل اصول ہے اور ایک ایسا راز ہے جس سے اکثر اہل سلوک نے غفلت برتی ہے' طلب کرامت اور خواہش کرامت کا سبب یہ ہے کہ تصوف میں سعی و اجتہاد اور عبادت کرنے والوں نے سلف الصالحین کے اسرار قلبی اور ان کی کرامات و خرق عادات کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے (ان کو معلوم ہے اور انہوں نے سنا ہے کہ سلف الصالحین سے کرامات اور خرق عادات سرزد ہوتے ہیں) پس ان کے نفوس بھی ہمیشہ خرق عادت و کرامت کے خواستگار رہتے ہیں (چاہتے ہیں کہ ان سے بھی کوئی کرامت اور خرق عادت ظاہر ہو) اور اس امر کی خواہش کرتے ہیں کہ جو کچھ سلف الصالحین کو اس سلسلے میں نصیب ہوا

ہے اس کا کچھ حصہ ان کو بھی مل جائے- نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان طالبان کرامت میں سے اکثر اس سے بہرہ مند نہیں ہوتے اور نتیجتہ شکستہ خاطر اور غمگین ہوتے ہیں اور پھر اپنے نفس پر تہمت رکھتے ہیں کہ ہمارے عمل میں درستی نہیں ہے ورنہ ہم کرامت و خرق عادت سے ضرور بہرہ مند ہوتے اور ہم سے کرامت ضرور سرزد ہوتی' اگر ان لوگوں پر اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی (کہ کرامت و خرق عادت سے وہ کیوں بہرہ مند نہیں ہوئے) اور اگر وہ اس راز کو پالیتے تو ان کی یہ مشکل حل ہو جاتی اور یہ معاملہ دشوار ان پر آسان ہو جاتا' اس وقت ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ خرق عادات و کرامت کا دروازہ کبھی کبھی مجتہدین صادقین پر کھول دیتا ہے (ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا اور وہ بھی صرف ان لوگوں کو یہ وصف نصیب ہوتا ہے اور اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں جو طلب صادق رکھتے ہیں اور اس کی راہ میں اجتہاد کرتے ہیں)- اور حکمت الٰہیہ اس میں یہ ہے کہ وہ جب خرق عادات اور کرامات کے صدور کو اپنی ذات سے مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے یقین کو اور ترقی ہوتی ہے اور پھر ترک دنیا کا عزم ان میں اور قوی ہو جاتا ہے اور حادثات دنیا سے نکل جانے کا ارادہ اور پختگی حاصل کر لیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعض بندے یہ مکاشفہ صرف یقین سے حاصل کرتے ہیں اور ان کے دل سے غیریت و بیگانگی کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں' بس اس کشف کی بدولت وہ خوارق عادات کے مطالعہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اس لئے کہ خوارق عادات سے اصل مقصود و مراد تو یقین کا حاصل ہونا ہوتا ہے اور جب کشف سے یقین کلی حاصل ہو گیا تو پھر خوارق عادات کی ضرورت کہاں باقی رہی' اور جس کو یہ دولت یقین حاصل ہو گئی اور پھر اس کو کسی شے کا کشف ہوا تو اس سے یقین کا ازدیاد نہیں ہوتا کہ اس کو تو پہلے ہی یقین کلی حاصل ہو چکا ہے پس حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی نہیں ہے کہ ایسے شخص کو خوارق عادات سے کشف قدرت ہو کہ آپ تو اس کے لئے موقع استغنا ہے (وہ ایسے امور سے مستغنی ہے) اور اس طالب کرامت و خرق عادات کے لئے حکمت الٰہیہ کشف کی مقتضی ہے کہ وہ اس کا طالب و محتاج ہے- (کشف و کرامت کا خواستگار ہے) پس یہ دوسرا شخص جو یقین کلی حاصل کر چکا ہے اور جس کے لئے کشف قدرت کی ضرورت نہیں اکمل اور اتم ہے استعداد و اہلیت میں اس اول شخص سے جو کشف قدرت اور خرق عادت کا خواستگار ہے اس وجہ سے کہ اس کو تو یقین خالص تمام و کمال حاصل ہو گیا بغیر اس کے کہ وہ کشف قدرت کا مطالعہ کرے' طلب کرامت و خرق عادت میں ایک آفت موجود ہے اور وہ عجب و غرور کی آفت ہے اور یہ جسے یقین کلی حاصل ہو گیا اس سے بھی محفوظ ہو گیا کہ اب اسے کسی چیز کے مشاہدہ کی حاجت نہیں ہے-

طالب صادق کا راستہ

اس صورت میں طالب صادق کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استقامت نفس کا خواستگار ہو کہ یہی کرامت کل (کرامت کلی) ہے اب اگر اس طلب استقامت میں کبھی کوئی امر ایسا وقوع پذیر ہو جائے جس کو کرامت یا خرق عادت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو جائز ہے اور مناسب ہے اور اگر ایسی کوئی بات ظہور میں نہ آئے تو اس کی اسے کچھ فکر نہ کرنا چاہیے کہ اس سے اسکی استقامت نفس کو کچھ نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہے- نقصان اور خطرہ صرف اسی صورت میں ہے کہ اس کے حق استقامت (واجبی) میں خلل اور نقص واقع ہو- پس اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ استقامت نفس طالبین کے لئے

اصل اصول ہے۔ پس علمائے زاہد مشائخ صوفیاء اور مقربین جب واجب حق استقامت کے قیام سے مشرف اور مکرم ہو گئے (ان کو یہ وصف حاصل ہو گیا اور کرامت کر دیا گیا) تو پھر وہ ان تمام علوم سے بہرہ مند ہو گئے جن کے حصول کے لئے متقدمین نے کہا ہے اور جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور انہوں نے ان کے حصول کو فرض قرار دیا ہے ان علوم میں علم حال، علم قیام اور علم خواطر سر فہرست ہیں ان سب کی تفصیل ہم آئندہ ایک خاص باب کے تحت انشاء اللہ بیان کریں گے۔ اسی طرح علم یقین، علم اخلاص، علم نفس، اس کی معرفت اور اس کے اخلاق کا علم ہے۔ علم نفس اور اس کی معرفت تمام علوم میں سب سے زیادہ اہم قوی اور عزیز و بزرگ ہے اور مقربین صوفیاء کے مسلک میں تمام آدمیوں میں اقوام الناس (تمام لوگوں سب سے زیادہ بہتر) وہی شخص ہے جو معرفت نفس میں سب سے ممتاز اور افضل و اعظم ہے۔

علم معرفت اور اس کا وسیع دائرہ

علم معرفت کا دائرہ نہایت وسیع ہے، یہ اقسام دنیا، ہوا و ہوس کے دقائق، مخفی خواہشات نفس، حرص نفس، علم ضرورت و مطالبہ نفس۔ (اس کی ضروریات سے وقوف از قبیل قول و فعل، لباس پہننا، اتارنا، کھانا پینا اور سونا) علم حقائق توبہ، علم گناہان مستور، علم سیات (جو ابرار کے حسنات شمار ہوتے ہیں) علم مطالبہ نفس (غیر مطلوبہ کے ترک سے) خطرات معصیت کے روکنے سے باطن کا مطالبہ۔ فضول خطرات کے روکنے سے باطن کا مطالبہ، علم مراقبہ۔ ان اشیاء کا علم جو مراقبہ میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ علم محاسبہ و رعایت۔ علم حقائق توکل۔ ان چیزوں کا علم جو متوکل کے توکل میں ہارج اور مخل ہوتی ہیں۔ اور وہ چیزیں جو توکل میں خلل انداز نہیں ہوتیں۔ اس توکل کے جواز روئے ایمان واجب ہے اور اس توکل کے جو خاص اہل عرفان کے ساتھ موزوں ہے۔ مابین فرق کا علم۔ علم رضا۔ مقام رضا کی معصیت اور گناہ۔ علم زہد اور اس کا دائرہ نفوذ لوازم ضرورت سے اور ان باتوں کی تشریح جو اس کی حقیقت کا بطلان نہیں کرتیں، ان سب کا علم، علم معرفت زہد فی الزاہد (زاہد میں جو زہد پایا جاتا ہے اس کی معرفت کا علم) علم انابت و التجا معرفت اوقات دعا، اس وقت کی معرفت و شناخت جب دعا سے سکوت کرنا چاہیے، علم محبت محبت عام (جس کی تفسیر و تعبیر امتثال امر سے کی گئی ہے) اور محبت خاصہ میں فرق (علمائے دنیا کے ایک گروہ نے علمائے آخرت کی محبت خاصہ کے دعوے کی تردید کی ہے جس طرح کہ انہوں نے رضا سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بغیر جبر کے اور کچھ نہیں ہے) محبت خاصہ کے اقسام، محبت ذات سے محبت صفات تک محبت قلب اور محبت روح کا فرق محبت عقل اور محبت روح اور محبت نفس مقام محبت و محبوب کا فرق باہمی، یہ تمام علوم اسی کے تحت آتے ہیں۔ اور اسی پر یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ کہ اس کے بعد علوم مشاہدات آتے ہیں یعنی علم محبت و انس، قبض و بسط قبض ہم، بسط و نشاط کا فرق، علم فنا و بقا، احوال فنا کے مابین تفاوت، استتار و تجلی کا فرق۔ جمع و تفریق۔ لوامع و طوامع دبوادی کا فرق، صحو دسکر وغیرہ یہ تمام علوم علم معرفت کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس سے تم اس کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہو، اگر وقت میں گنجائش ہوئی تو ہم ان سب کو تفصیل سے بیان کریں گے اور متعدد جلدوں میں شرح و بسط کے ساتھ ان کو پیش کریں گے لیکن افسوس کہ عمر کوتاہ ہے اور وقت عزیز ہے اگر غفلت شریک حال نہ ہوتی تو وقت تو اس سے بھی کم ہوتا۔ پس میری یہ مختصر تالیف (عوارف المعارف صوفیائے کرام کے تمام علوم کی

متاع گراں بہا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے (میں نے مختصراً تمام علوم صوفیاء کو اس مختصر کتاب میں پیش کیا ہے) خداوند کریم سے امیدوار ہوں کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور میرے فائدے کے لئے اس کو حجت بنائے۔ نقصان کے لئے نہ بنائے۔

علوم ذوقی و وجدانی

یہ جس قدر علوم میں نے بتائے ان کے علاوہ اور علوم ہیں کہ علمائے آخرت نے ان کے مقتضا پر عمل کیا اور اسی سے علمائے آخرت (زہاد) کامیاب و فتحیاب ہوئے اور یہ علمائے دنیا طلب پر حرام ہو گئے ہیں' ان علوم کو علوم ذوقیہ کہتے ہیں ان کی طرف نظر سوائے ذوق و وجدان کے نہیں پہنچ سکتی جس طرح کہ شکر کی مٹھاس کا علم اس کے وصف سے حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کو چکھتا ہے وہی اس کے مٹھاس کے وصف سے واقف ہوتا ہے۔ علم صوفیاء اور علمائے زہاد کا یہ شرف بتاتا ہے کہ اور سب علوم کی تحصیل دنیا کی محبت اور حقائق دنیا کی خلل اندازی کے باوجود مستعزر و دشوار نہیں ہے بلکہ بسا اوقات دنیا کی محبت اس کے حصول میں ممد معاون بن جاتی ہے کہ ان علوم (ظاہری و دنیاوی) میں اشتغال بغیر کسی ضرورت اور سبب کے چونکہ شاق تھا للذا جاہ و رفعت کی محبت انسان کی سرشت میں داخل کی گئی اور جب اہل دنیا نے سمجھ لیا کہ ان علوم کے حصول سے مدارج دنیا حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر انہوں نے ان کے حصول میں زحمت اٹھائی' شب بیداری کو گوارا کیا' مسافرت کی زحمتیں اٹھائیں۔ غربت اختیار کی' لذتوں اور خواہشات کا تعذر بھی قبول کر لیا اس لئے کہ مدارج دنیا حاصل ہوں گے) لیکن علمائے آخرت اور زہاد کے علوم دنیا کی محبت کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے' اور جب تک خواہشات کو ترک نہیں کیا اس پر ان علوم ذوقیہ کا انکشاف نہیں ہوا اور اس کا درس کسی دنیاوی مدرسہ میں نہیں بلکہ مدرسہ تقویٰ ہی میں ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰه ۝ (ڈرو تم اللہ سے اللہ تم کو تعلیم دیتا ہے) اس ارشاد سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تقویٰ کی میراث بنا دیا ہے اور ان کے علوم کے علاوہ جو دوسرے علوم ہیں بلاشک و شبہ دوسروں کے لئے آسان ہیں' پس آخرت کا فضل و کمال ظاہر ہوا اس اعتبار سے کہ یہ فضل اولو الالباب کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا اور اولو الالباب اور دانشمند حقیقت میں وہی ہیں جنہوں نے دنیا کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

لوگوں میں سب سے زیادہ دانشمند کون ہے

بعض فقہا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے سلسلہ میں یہ وصیت کر جائے کہ میرا مال سب سے زیادہ عقلمند شخص کو دیا جائے یا اس پر خرچ کیا جائے تو پھر وہ مال زاہدوں پر صرف کیا جائے کہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ دانشمند وہی ہیں۔ حضرت سہیلؒ بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ عقل کے ہزار نام ہیں اور ان میں سے ہر ایک نام سے پھر ہزار نام ہیں اور ہر نام کا آغاز ترک دنیا سے ہوتا ہے۔

شیخ الصالح ابو الفتوح محمد بن عبدالباقی نے حضرت عبداللہ خواص سے (جو حضرت حاتم اصم کے ہمراہیوں میں سے ہیں) روایت کی ہے انہوں نے کہا ایک دفعہ میں ابو عبدالرحمن حاتم اصم کے ہمراہ شہرے میں پہنچا اس وقت ان کے ساتھ تین سو

بیس افراد تھے اور سب کا ارادہ حج بیت اللہ تھا یہ سب حضرات کمبل اور جبہ پہنے ہوئے تھے نہ توشہ دان ساتھ تھا اور نہ کچھ کھانے پینے کا سامان ہمراہ تھا۔ ہم سب شہررے میں ایک سوداگر کے یہاں اترے یہ سوداگر بھی ایک عابد درویش تھے، ہم سب لوگوں کی انہوں نے رات کو دعوت کی۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے شیخ حاتم اصمؒ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمن اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو (میں فراہم کردوں گا) میں ایک فقیہ کی عیادت کے لئے جانا چاہتا ہوں کہ وہ عرصہ سے بیمار ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر فقیہ دوست بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی (عیادت) ہمارے لئے موجب فضل ہے اور فقیہ کو دیکھنا بھی عبادت میں داخل ہے پس میں بھی تمہارے ساتھ ان کی عیادت کو چلتا ہوں۔ یہ علیل فقیہ محمد بن مقاتل قاضی شہررے تھے چنانچہ ہم سوداگر کے ساتھ ان کے یہاں پہنچے۔ ان کا مکان بڑا عالیشان تھا۔ بلند و بالا دروازہ تھا۔ حاتم اصم اس اونچے دروازے کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئے اور کچھ دیر متفکر رہنے کے بعد کہنے لگے کہ عالم کا دروازہ اور اس قدر بلند و بالا! جب سب کو مکان کے اندر جانے کی اجازت ملی تو دیکھا کہ مکان کے اندر بہت نفیس فرش بچھا ہے، پردے پڑے ہیں نوکر چاکر خدمت میں مصروف ہیں اور بہت سے لوگ (بغرض ملاقات و عیادت) جمع ہیں یہ دیکھ کر حاتم اصم پھر فکر میں ڈوب گئے کچھ دیر توقف کرکے اس دالان کی طرف بڑھے جہاں قاضی صاحب فراش تھے، اس مجلس میں پہنچ کر دیکھا تو نفیس فرش یہاں بھی بچھے تھے اور قاضی صاحب اس نفیس فرش پر استراحت فرما رہے تھے اور ان کے سرہانے ایک امرد مورچھل ہاتھ میں لئے جھل رہا ہے، اصم کے دوست سوداگر رے تو فقیہ کے پاس بیٹھ گئے لیکن حاتم اصم اسی طرح کھڑے رہے، ابن مقاتل نے ان سے اشارے سے کہا کہ بیٹھ جاؤ! حاتم اصم نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا، تب ابن مقاتل نے کہا کہ کیا تم کو کسی چیز کی ضرورت ہے، حاتم اصم نے کہا کہ ہاں، ابن مقاتل نے کہا کہو کیا حاجت ہے؟ حاتم اصم نے کہا کہ آپ سے ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں، ابن مقاتل نے کہا کہ پوچھو کیا پوچھنا ہے؟ حاتم نے کہا کہ پہلے آپ اٹھ کر بیٹھ جائیں تب میں آپ سے سوال دریافت کروں گا۔ پس ابن مقاتل نے حکم دیا اور ان کے لئے تکیہ لگا دیا گیا۔ تب حاتم نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ علم (دینی) کہاں سے حاصل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے ثقات سے حاصل کیا ہے (ان لوگوں سے جو ثقہ تھے) حاتمؒ نے کہا کہ انہوں نے کس سے حاصل کیا! ابن مقاتل نے کہا کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ حاتمؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم کہاں سے حاصل ہوا؟ ابن مقاتل نے کہا کہ جبرئیل (علیہ السلام) سے یہ سن کر حاتم نے کہا کہ اے فقیہ رے! وہ چیز جس کو جبرئیل اللہ سے لائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچایا اور اصحاب رسول نے ثقہ مسلمانوں تک پہنچایا اور ان ثقہ حضرات نے آپ سے بیان کیا تو کیا تم نے ان حضرات سے کبھی یہ سنا کہ جو شخص اپنے گھر میں امیر ہو اور اس کے بہت سے نوکر چاکر ہوں، اللہ کے یہاں بھی اس کی یہی منزلت و شان ہوگی (جس طرح دنیا میں کثرت مال رکھتا ہو اللہ کے یہاں مرتبہ میں وہ بلند ہوگا) ابن مقاتل نے کہا کہ نہیں میں نے ایسا نہیں سنا، حاتم نے کہا کہ پھر کس طرح سنا ہے۔ تو ابن مقاتل نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ جس شخص نے دنیا سے زہد کیا (کنارہ کش رہا) اور آخرت سے رغبت کی اور مساکین کو دوست رکھا اور آخرت کے لئے (توشہ) پہلے سے بھیج دیا، اللہ کے نزدیک اس کا رتبہ زیادہ ہے۔ یہ سن کر حاتم نے کہا کہ اے فقیہ رے! پھر آپ نے اس کی اقتداء اور پیروی کی، آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

ان کے اصحاب اور صالحین کی یا فرعون و نمرود کی پیروی کی، جنہوں نے سب سے پہلے چونے اور اینٹوں سے عالیشان عمارتیں اور محل تعمیر کرائے! اے دنیا پرست عالمو! اے علمائے سو تم ایسے لوگوں کو اگر کوئی جاہل طالب دنیا، دنیا پرست دیکھے تو یہی کہے کہ عالم اور اس حال میں! میں (طلب دنیا میں) اس عالم سے بدتر نہیں ہوں، یہ کہہ کر حاتم اصمؒ، ابن مقاتل کے پاس سے چلے آئے! ابن مقاتل، حاتم اصم کی اس تقریر سے حیران رہ گئے۔

فقیہ طنافسی سے ایک سوال

شدہ شدہ یہ خبر اہل رے کو پہنچی کہ حاتم اصمؒ اور ابن مقاتل میں اس قسم کی گفتگو ہوئی ہے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ ابو عبدالرحمن (حاتم اصمؒ) قزوین میں ایک بہت ہی زبردست عالم موجود ہے آپ ان سے ملئے (لوگوں کا اشارہ قزوین کے عالم طنافسی کی جانب تھا) حاتم اصمؒ قزوین سے ملنے پہنچے اور بروقت ملاقات ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ ایک عجمی شخص ہوں میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دین کی سب سے پہلی بات سکھائیں جو میری نماز کی کنجی ہے، اور بتلائیں کہ میں وضو کس طرح کروں، انہوں نے کہا بہت اچھا پھر اپنے غلام سے کہا کہ پانی لاؤ۔ غلام ایک برتن میں پانی لے کر آیا اور حاتم اصمؒ وضو کے لئے بیٹھ گئے پھر انہوں نے تین تین دفعہ عمل کیا (یعنی ہاتھ دھوئے، کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا) پھر جب کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا نمبر آیا تو انہوں نے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک چار بار دھویا۔ اس وقت طنافسی نے کہا کہ تم نے ایک چلو پانی کا اسراف کیا، حاتم نے کہا کہ میں نے ایک چلو پانی کا اسراف کیا اور آپ کی یہ شان و شوکت اسراف نہیں ہے طنافسی سمجھ گئے کہ اس کا ارادہ کچھ سیکھنے کا نہیں تھا بلکہ مجھ پر طنز کرنا تھا اور شرمندگی سے گھر کے اندر چلے گئے اور چالیس روز تک باہر نہ نکلے اور نہ لوگوں سے ملاقات کی۔

حاتم اصمؒ کی تین خصلتیں

یہاں سے حاتم اصمؒ بغداد پہنچے تو اہل بغداد جوق در جوق ان کے پاس آئے، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ابو عبدالرحمن تم ایک عجمی غیر فصیح شخص ہو، اور تمہاری حالت ہے کہ جو کوئی تم سے کلام کرتا ہے تو اس کو عاجز کر دیتے ہو یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں جن کی قوت سے میں اپنے دشمن پر غالب آجاتا ہوں۔ ان سے دریافت کیا کہ وہ کون سی خصلتیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک یہ کہ جب میرا دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں اور جب وہ خطا کرتا ہے تو میں رنجیدہ ہوتا ہوں۔ اور تیسرے یہ کہ میں اپنے نفس کی حفاظت اس سے کرتا ہوں کہ جہالت اس پر غالب آئے (جہالت کو نفس پر غالب نہیں آنے دیتا) حاتم اصمؒ کا یہ قول حضرت احمد بن حنبلؒ تک پہنچا تو انہوں نے کہا کہ سبحان اللہ یہ شخص کس قدر عقلمند ہے پھر وہ حاتم اصمؒ سے ملنے آئے اور ان سے کہا کہ ابو عبدالرحمن! دنیا سے سلامتی کیا ہے؟ حاتم اصم نے کہا اے ابو عبداللہ (حضرت امام احمدؒ بن حنبل کی کنیت) دنیا سے تم کو سلامتی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک یہ چار خصلتیں تمہارے اندر نہ ہوں گی۔ انہوں نے کہا! وہ کونسی ہیں؟ حاتم اصمؒ نے کہا کہ اول یہ کہ اگر لوگ جہالت

کریں تو ان سے درگزر کرو۔ (تمہارے ساتھ جہالت کا برتاؤ کریں تو تم درگزر کرو) اور اپنی جہالت سے ان کو باز رکھو (اپنا جہل ان سے مت برتو) اور ان کے لئے اپنی کوئی چیز خرچ کرو اور ان سے کسی چیز کے حصول کی توقع نہ رکھو! جب جاہلوں کے ساتھ (اہل دنیا کے ساتھ) تمہارا برتاؤ ایسا ہو جائے گا تو تم دنیا سے سلامتی کے ساتھ نکل جاؤ گے! پھر وہ بغداد سے مدینہ منورہ چلے آئے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء (اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہیں)
اس ارشاد ربانی میں علماء کا ذکر انما کے حکم کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ سے نہیں ڈرتے' ان سے علم کا انتفاع نہیں(1) ہوتا میں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ ایک شخص نے جس وقت یہ کہا کہ انما یدخل الدار بغدادی اس کے معنی یہ ہوئے کہ غیر بغدادی کو گھر میں داخل ہونا منع ہے یا سوائے بغدادی کے کسی دوسرے کا گھر میں آنا منتفی ہے پس علمائے آخرت کے لئے یہ بات واضح ہو گئی کہ زہد و تقویٰ کے بغیر مقامات قرب اور مواقع عرفان تک راہ نہیں مل سکتی۔ زہد تقویٰ کے بغیر یہ راستے مسدود ہیں۔
حضرت ابو یزیدؒ نے اپنے احباب سے فرمایا کہ کل رات میں صبح تک کوشش کرتا رہا کہ میں لا الہ الا اللّٰہ کہوں لیکن میں اس کے کہنے پر قادر نہ ہو سکا' احباب نے دریافت کیا یہ کیسے ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ لڑکپن میں میں نے ایک کلمہ تھا تو اب اس کلمہ کی وحشت نے مجھے آلیا اور اس کلمہ کے کہنے سے مجھے روک دیا اور مجھے اس شخص سے حیرت ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور وہ کسی شے کے ساتھ اس کی صفات سے متصف ہے۔

صفائے تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی سے علم راسخ ہوتا ہے

پس یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ صفائے تقویٰ اور دنیا سے کمال درجہ بے رغبتی رکھنے ہی سے بندہ علم میں راسخ ہوتا ہے۔ واسطیؒ فرماتے ہیں کہ علم میں راسخ وہی لوگ ہیں جو اپنی ارواح کے ساتھ غیب الغیب میں رازوں کے راز سے راسخ ہو گئے پس ہر کس و ناکس ان کو نہیں پہچان سکتا ان کو بس وہی پہچان سکتے ہیں جو اس شناخت کی صلاحیت و اہلیت رکھتے ہیں! یہ حضرات (الراسخون فی العلم) وہ ہیں جو فہم کے ساتھ دریائے علم میں ڈوب گئے تاکہ ترقی حاصل کریں اس وقت ان کے لئے جمع شدہ خزانے (علم و معرفت) کے کھل گئے ان خزانوں کے ہر ایک حرف کے نیچے کلام اور خطاب کے عجائبات فہم موجود

---

(1) صوفیائے کرام نے اس ارشاد کی تشریح اسی طرح فرمائی ہے۔ (2) بچپن میں ایک بات کہی تھی وہی بات رات یاد آگئی اور ذہن سے دور نہیں ہوئی

تھے پھر اس آگاہی کے بعد حاکم کے ساتھ گفتگو کی گئی (جب ان راسخون فی العلم کے فہم نے ان جمع شدہ خزانوں کی معرفت حاصل کرلی جہاں عجائبات فہم کی ایک کائنات موجود تھی اس وقت پھر وہ مامور ہوئے ان کو حکم دیا گیا۔

بعض صوفیائے کبارؒ فرماتے ہیں کہ راسخ وہ شخص ہے جو خطاب کے محل مراد سے واقف ہو (یعنی خطاب کا محل مراد کیا ہے اور اس کا منشائے خطاب کیا ہے) شیخ فرازؒ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمام علوم میں کامل ہیں اور تمام علوم کی معرفت سے بہرہ ور ہیں اس طرح وہ تمام خلائق کی ہمتوں سے آگاہ ہوئے شیخ ابو سعیدؒ کا اس سلسلہ میں جو قول ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ راسخ العلم کو تمام جزئیات علوم سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ ہرچند کہ انہوں نے تمام علوم میں کمال حاصل کرلیا ہے اور وہ تمام خلائق کی ہمتوں سے آگاہ ہو چکے ہیں اور یہ قول جو ابو سعیدؒ کا ہے اس سے یہ مراد نہیں راسخ فی العلم کو لازم ہے کہ تمام علوم کی جزئیات سے بھی آگاہی رکھتا ہو' اور ان علوم پر پورا کمال اور عبور رکھتا ہو' اس لئے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راسخین فی العلم سے تھے اس پر بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی میں توقف کیا فاکھتہ وابا (طرح طرح کے میوے اور گھاس) اور فرمایا "اب" کیا چیز ہے پھر خود ہی کہا یہ بجز "تکلیف" اور کچھ نہیں ہے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ "اب" کے معنی میں یہ توقف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا نہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے! پس اس علم سے حضرت ابو سعیدؒ کی مراد (تمام جزئیات کا علم نہیں ہے بلکہ ان کی مراد وہی ہے جو اس سے قبل بیان کر چکے ہیں۔ اطلعوا علی ھمم الخلائق کلھم اجمعین[1] ○ اس لئے کہ متقی نے تقویٰ کے حق کا اور زاہد نے زہد کے حق کا اثبات کر دیا جس سے اس کا باطن صاف اور قلب کا آئینہ روشن ہو گیا اور لوح محفوظ سے کسی قدر اس کا آمنا سامنا ہو گیا[2] اور اس نے اپنی صفائے باطن سے علوم و اصول علوم کا ادراک کرلیا۔ پس علوم میں علماء کا جو منتہائے اقدام ہو سکتا ہے (یعنی علماء علوم میں جس حد تک جاسکتے ہیں اور جہاں تک پہنچ سکتے ہیں) اس سے وہ واقف ہے اور اس طرح کل علم کا فائدہ اس کو حاصل ہے۔ اب علم جزئیہ سے عدم آگاہی کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ علوم جزئیہ تعلیم اور ممارست سے نفوس انسانی میں منقسم ہیں ان علوم کلی نے ان کو اس امر سے مستغنی کر دیا ہے کہ وہ جزئیات کی طرف توجہ کریں اور ان میں مشغول رہیں اور صاف ظاہر ہے کہ جزی کلی کو منقطع نہیں کر سکتا یعنی اگر علم جزی حاصل نہیں تو اس کو اس امر کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ چونکہ علم جزی حاصل نہیں اس لئے علم کلی بھی حاصل نہیں یا اس کے اہل تو وہی ہیں جو اس کے ظروف ہیں' پس ان لوگوں کے ظروف نفوس ان جزئیات سے بھر گئے اور اسی میں مشغول ہو کر رہ گئے اس طرح جزی کے سبب وہ کلی سے منقطع اور الگ ہو گئے۔

علمائے زاہدین کے نفوس نے اصل دین کی جو ضروری چیزیں تھیں اور جس کی بنیاد شرع پر رکھی گئی تھی اخذ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کیا اور اشیاء سے قطع تعلق کر لیا تو اس وقت ان کی ارواح قرب الٰہی کے مقام سے واصل ہو گئیں اس وقت ان ارواح نے جو مقام قرب سے اتصال پا چکی تھیں ان کے دلوں پر انوار پہنچائے جس کے باعث وہ قلوب ادراک

---

(1) وہ آگاہ ہیں تمام مخلوق کی ہمتوں سے پورے طور پر۔ اب اگر کوئی امر جزی امر احاطہ سے رہ جائے تو اس سے کل کی نفی نہیں ہو سکتی جیسا کہ (اب) کے معنی کے سلسلہ میں بیان کیا گیا۔ (2) متقی اور زاہد کا قلب روشن کسی قدر لوح محفوظ کے محاذو مقابل میں آگیا اور بقدر اپنی محاذات کے اس سے مستفید و مستفیض ہوا۔

علوم کے لئے آمادہ اور صاحب استعداد بن گئے پس ان کی ارواح نے عالم ازلی کی توجہ کے باعث ادراک علوم کی حد سے قدم آگے بڑھایا اور اس دم وہ ایسے وجود سے مجرد اور منفرد ہو گئیں جو علم کے لئے ظرفیت کی صلاحیت رکھتا تھا اور اس وقت ان کے قلوب اس کی نسبت کے باعث جو ان کو اپنے نفوس کے ساتھ ہے ظروف وجودی بن گئے' اب یہ قلوب علوم سے اور علوم ان قلوب سے باہم مل جل گئے۔ علوم کا یہ تائف اس اتصال علوم کی مناسبت سے ہے جو لوح محفوظ سے اتصال کے نتیجہ سے پیدا ہوا یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اتصال کے معنی یہاں صرف یہ ہیں کہ ان کا انتقاش لوح محفوظ میں ہے اور کسی دوسرے میں نہیں اور قلوب کا اتصال مقام ارواح سے یہ معنی رکھتا ہے کہ قلوب کا انجذاب نفوس کی طرف ہوتا ہے پس ان دونوں متصل ہونے والوں یعنی قلوب اور علوم میں ایک نسبت اشتراک موجود ہے یہی نسبت اشتراک امتزاج اور تائف کا موجب ہے جب یہ امتزاج و تائف پیدا ہوا تو علوم خود بخود حاصل ہو گئے اور عالم ربانی اس طرح راسخ فی العلم ہو گیا۔

علم تمہارے قلوب میں رکھا گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے بعض کتب سماوی میں نبی اسرائیل کی طرف وحی فرمائی کہ اے نبی اسرائیل! تم یہ مت کہو کہ عالم آسمان سے علم کون اتارے' نہ یہ کہ زمین کے اطراف اور کناروں میں سے اس کو کون چڑھائے اور نہ یہ کہو کہ دریاؤں کے اس پار سے کون اتر کر جائے کہ اس کو لے کر آئے۔ علم تو تمہارے دلوں میں رکھا گیا ہے' فرشتوں کے آداب کی طرح میرے سامنے ادب کرو اور صدیقین کے اخلاق کے ساتھ میرے حضور آؤ۔ میں تمہارے قلوب کو علم سے بھر دوں گا۔ یہاں تک کہ وہ تم کو چھپا لے گا۔ بلکہ تم کو اس میں دبا لے گا! پس اس شخص کے لئے فرشتوں کے آداب سے مودب ہونا' نفس کو اس کی طبعی امور کی خواہشات سے باز رکھنا اور تمام افعال قول و فعلی سے اس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا' درست اور موزوں ہے۔ جس نے جانا اور قرب حاصل کیا اور حق سبحانہ' تعالیٰ کے سامنے حضوری کا راستہ پایا بس ایسا شخص حق کے واسطے حق کے ساتھ محفوظ ہوتا ہے۔

جو چیز تم نہیں جانتے اس کا علم طلب کرو

شیخ ابو النجیب سہروردیؒ سے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے بروایت الاوزاعی' حسان بن عطیہ سے یہ سنا کہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ دوران سفر ایک منزل پر اترے اور فرمایا کہ دستر خوان ہمارے سامنے لاؤ تاکہ ہم اس سے بازی کریں (دل بہلائیں) لوگوں نے یہ بات ان سے سن کر کراہت کا اظہار کیا (کہ دستر خوان سے بھی کوئی بازی کرتا ہے) اس وقت انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میں نے کوئی بات زبان سے نہیں نکالی کہ میں نے اس کو مہار (لگام) نہ لگائی ہو' ایک لگام لگانے کے بعد دوسری لگام لگاتا ہوں تم اس کے باعث میرے اوپر خفگی کا اظہار نہ کرو! پس یہی مثال ہے کہ فرشتوں کے آداب سے ادب حاصل کرتا ہے۔ انجیل میں آیا ہے کہ تم کو جس کا علم نہ ہو اس کا علم طلب کرو لیکن جب تک تم اس پر عمل

یعنی وہ لوح محفوظ میں منقش و مندرج ہیں۔

نہ کرلو جو کچھ تم جانتے ہو' اسی طرح ایک حدیث میں آیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان الشیطان ربما یسوفکم بالعلم ○ (شیطان اکثر علم میں تم پر سبقت لے گیا ہے)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس طرح کہ وہ ہم سے علم میں سبقت لے گیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقول اطلب العلم ولا نعمل حتی تعلم (وہ کہتا ہے کہ علم طلب کر اور عمل نہ کر یہاں تک کہ تو علم حاصل نہ کرلے) اس لئے بندہ ہمیشہ علم ہی حاصل کرتا ہے اور عمل کو ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ مرجائے اور عمل نہ کیا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہے (کثرت روایت کا نام علم نہیں ہے) بلکہ علم نام ہے خوف کا"۔ اور حسن کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ صاحب علم و صاحب روایت کی پروا نہیں کرتا اگر پروا کرتا ہے تو فہم و صاحب درایت کی کرتا ہے۔ تمام علوم وراثت علوم درایت سے نکلے ہیں۔ علوم درایت خالص دودھ کی مثال ہیں جو پینے والوں کے حلق سے با آسانی اتر جاتا ہے اور علوم وراثت کی مثال مکھن کی ہے جو خالص دودھ سے نکلتا ہے اگر دودھ نہ ہو تو مکھن ہی نہ ہو گا' مکھن ایک قسم کی چکنائی ہے۔ جو دودھ سے مطلوب ہوتی ہے اور یوں پانی اور دودھ اپنی مائیت (پانی پن) میں ایک ہیں لیکن دودھ کے ساتھ روح دہنیت (چکنائی) قائم ہے اور پانی پن کے ساتھ اس کا قوام اور رابطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَيٍّ۔ اور پانی سے ہم نے ہر ایک شے کو زندہ کیا۔

مزید ارشاد فرمایا:۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ۔ بھلا وہ شخص مردہ تھا پھر اس کو ہم نے زندہ کیا۔

یعنی وہ اپنے کفر کے باعث مردہ تھا پس اسلام سے اس کو زندہ کیا! تو اسلام سے زندگی بخشا وہی قوام اول ہے اور اصل اول ہے۔ اسلام کے لئے بہت سے علوم ہیں انہی کا نام ہے مبائی اسلام کے علوم! اسلام ایمانی کے بعد صرف تصدیق کے اعتبار سے ہے اور جب ایمان اسلام کے ساتھ متحقق ہو گیا تو اس کے بہت سے فروع ہیں اور اس کے بہت سے مراتب ہیں۔ جیسے علم الیقین اور حق الیقین (یہ سب مراتب ایمان ہیں) یہ الفاظ اور مراتب کبھی کبھی توحید معرفت اور مشاہدہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

علوم اللسان اور علوم الایمان

جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ ایمان کے لئے بہت سے فروع ہیں' ان فروع میں سے ہر فرع کے بہت سے علم ہیں۔ پس علوم الاسلام علوم اللسان ہیں اور علوم الایمان علوم القلوب ہیں اس طرح ان کے لئے وصف عام اور وصف خاص ہے (ان کی دو طرح سے تعریف کی جاتی ہے) بالفاظ دگر وصف عام کو علم الیقین کہا جاتا ہے اور اس علم الیقین تک کبھی تو بحث و استدلال سے پہنچا جاسکتا ہے اور اس خصوصیت میں یعنی بحث و استدلال میں علمائے دنیا' علمائے آخرت کے ساتھ شریک ہیں لیکن وصف خاص صرف علمائے آخرت کے ساتھ مخصوص ہے (علمائے دنیا اس میں شریک نہیں ہیں) یہ وصف خاص وہ سکینہ (سکون و طمانیت) ہے جو مومنین کے قلوب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے جس سے ان کے ایمان اور زیادہ ایمان پذیر ہوتے ہیں (ایمان میں اضافہ ہوتا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ اسم ایمان اپنے وصف خاص کے ساتھ تمام مراتب ایمان کو مشتمل ہے

اور وصف عام کے ساتھ مشتمل نہیں ہے اس طرح وصف عام کے اعتبار سے یقین اور اس کے تمام مراتب زائداز ایمان ہیں اور مشاہدہ یقین کے وصف خاص میں داخل ہے اور اس کا نام عین الیقین ہے اور جب یہی عین الیقین وصف خاص کے ساتھ مختص ہوتا ہے تو پھر وہ حق الیقین بن جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حق الیقین اس وقت مشاہدہ سے بڑھ جاتا ہے کہ حق الیقین کا مقام اور مستقر آخرت ہے اور دنیا میں تو جو اس کے اہل ہیں ان کو صرف اس کا ایک لمحہ (ایک کرن) میسر آتا ہے۔ (کل نہیں) اور یہ حق الیقین علم الٰہیہ کے تمام اقسام میں سب سے زیادہ بلند اور افضل ہے کہ اس کا وجدان علم صوفیاء اور زاہدان ذی علم کے اعتبار سے، ان علمائے دنیا کے علم کے مقابلے میں جو بحث و نظر اور استدلال سے درجہ یقین کو پہنچے ہیں اس چیز کی مثال ہے جس کا ذکر ہم وراثت و درایت میں کر آئے ہیں گویا ان کا علم دودھ کی مثال ہے جسے ہم یقین و ایمان سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ اصل وہی ہے اور علم صوفیاء کا اللہ تعالیٰ کی طرف مقامات مشاہدہ سے ہے (صوفیائے کرام اپنے علم سے مقامات مشاہدہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں) اور عین الیقین و حق الیقین مسکہ (مکھن) کے مانند ہیں جو دودھ سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صوفیائے کرام کا علم، علمائے دنیا کے علم سے بدرجہا بلند ہے کہ ان علمائے دنیا کے علم سے صرف علم الیقین حاصل ہوتا ہے، ہرچند کہ اصل ایمان یہی ہے لیکن صوفیائے کرام کا علم مشاہدات کی بدولت علم الیقین کے مرتبہ سے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین کی منزل پر پہنچ جاتا ہے جو علم الیقین سے بمراتب بلند ہے۔

علم کی فضیلت سے ایمان کی فضیلت ہے

جو کچھ ہم نے سابق میں بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایمان کی فضیلت علم کی فضیلت سے ہے (جس قدر علم افضل و اعلیٰ ہو گا اسی قدر ایمان اپنی فضیلت کے اعتبار سے بلند ہو گا) زرانت اعمال (پختگی) اور اس کا وقار تو بس اسی قدر ہے کہ جتنا حصہ علم کا حاصل کیا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے فضل العالم علی العابد کفضلی علی امتی عالم کو اسی طرح عابد پر فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے اپنی امت پر فضیلت حاصل ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بیع و شرا طلاق و عتاق کا علم نہیں ہے بلکہ حضور کا اشارہ علم باللہ (وہ علم جس سے معرفت الٰہی حاصل ہو) اور قوت یقین کی طرف ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ عالم باللہ ہوتا ہے اور اس کی بدولت صاحب یقین کامل لیکن اس کے پاس فرض کفایات کا علم نہیں ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ عالم باللہ ہوتا ہے اور اس کی بدولت صاحب یقین کامل لیکن اس کے پاس فرض کفایات کا علم نہیں ہوتا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب گرامی (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) علمائے تابعین رحمہم اللہ سے کہیں زیادہ عالم اور صاحبان یقین کامل تھے۔ حقائق یقین اور دقائق معرفت سے پوری پوری آگاہی رکھتے تھے اور علمائے تابعین میں کچھ ایسے حضرات موجود تھے جو علم فتویٰ اور احکام کے اندر بعض کی نسبت بڑی عظیم اور استوار تھی چنانچہ روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ فرما دیتے کہ (حضرت) سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما دیا کرتے تھے کہ (حضرت) جابر بن رضی اللہ عنہ عبداللہ سے معلوم کرو۔ اگر اہل بصرہ ان کے فتوے پر

عمل کریں تو رخصت ہے۔ اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے آقا حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو اس لئے کہ ان کا علم تازہ ہے اور ہم بھول گئے ہیں۔ تو ان صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ وہ علم فتویٰ اور احکام میں لوگوں کو تابعین کی طرف رجوع کرنے کے لئے فرما دیتے تھے حالانکہ یہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تابعین حضرات کو حقائق یقین اور وقائق معرفت سکھایا کرتے تھے۔ یہ بات اس وجہ سے تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ وقائق معرفت اور حقائق میں تابعین حضرات سے زیادہ قوی اور اعلم تھے کہ وحی منزل کی طراوت سے معرفت رکھتے تھے وحی الٰہی کا ان کے سامنے نزول ہوتا تھا (اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی اس سے اصحاب کو آگاہ فرمایا کرتے تھے اور تابعین کو یہ شرف حاصل نہیں تھا اس سے ثابت ہوا کہ اگر صاحب یقین کامل کے پاس فروض کفایات کا علم نہیں تو وہ اس کے عین الیقین کے منافی نہیں ہے اور نہ اس کے مرتبہ میں اس سے کچھ تنزل واقع ہوتا ہے)۔ اور کثرت و وفور علم مجمل و مفصل بدون علم مجمل کے حاصل کیا اور صورت حال یہ ہے کہ مجمل اصل علم ہے اور اس مجمل کا مفصل تو طہارت قلوب اور قوت عزیزی اور کمال استعداد کے لئے حاصل کیا گیا اور یہ علم مفصل خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔

بعض قلوب میں قبول دعوت کی صلاحیت موجود ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعوت اسلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ○

(اے رسول آپ ان (مشرکین) کو اپنے پروردگار کی راہ پر بلائیے اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان کے ساتھ ایسے بحث کیجئے جو نیک ہو) مزید ارشاد فرمایا:

ادعوا الی اللّٰہ علیہ بصیرۃ ۔ (آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں تم کو اللہ کی طرف بصیرت سے بلاتا ہوں)

مخلوق کے دل ان دعوتوں کے قبول کرنے اور ان راہوں پر گامزن ہونے کی صلاحیت کے قابل ہیں لیکن ان میں سے بعض نفوس سرکش اور جامد ہیں کہ وہ اپنی طبیعت اور جبلت کی گرفتگی اور خشونت کے باعث اسی پر قائم ہیں، پس ایسے قلوب کو تخویف و وعید کی آگ سے پگھلایا اور وعظ و تربیت سے نرم کیا اور بعض نفوس ان میں پاک وصاف اور پاک مٹی سے بنے ہوئے ہیں اور وہ قلوب سے بھی زیادہ پاک ہوتے ہیں پس ایسے شخص کو جس کا نفس اس کے قلب کا معاون و مددگار ہے وعظ و نصیحت کے ذریعہ بلایا جاتا ہے۔ اور ایسا شخص جس کا قلب اس کے نفس کا معین و مددگار ہو اس کو حکومت کے ساتھ طلب کیا جاتا ہے، پس جو دعوت پند و وعظ سے تھی اس کو ابرار نے قبول کرلیا اور یہ دعوت جنت و دوزخ سے تعلق رکھتی ہے، قبولیت میں انعام جنت ہے اور عدم قبول میں اس کی سزا جہنم ہے اور وہ دعوت جس کا تعلق حکمت سے ہے اس کو مقربین نے قبول کیا اور یہ دعوت عطائے قرب، صفائے معرفت اور اشارہ توحید کی صراحت سے ہے، جب ان مقربین نے اس دعوت کو قبول کرکے تلویحات حقانی (تجلیات الٰہی) اور تعریفات ربانیہ کو پایا اور اپنی ارواح اور قلوب و نفس کے ساتھ اس کو قبول کرلیا تو اس صورت اجابت نفوس سے متابعت اقوال کی ہو گئی اور اجابت قلب سے متابعت اعمال کی ہو گئی اور اجابت روح سے وہ مقربین

صاحب احوال بن گئے اس طرح اجابت صوفیاء کی بالکلیہ ہے (یعنی انہوں نے اقوال و اعمال اور احوال کی متابعت حاصل کرلی) اور غیر صوفیاء کی اجابت بالکلیہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض ہے (بعض میں متابعت پائی گئی) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے رحم اللّٰہ صہیبا لولم یخف اللّٰہ لم یعصہ (یعنی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے صہیب رضی اللہ عنہ پر کہ اگر اللہ سے خوف نہ کرتا جب بھی معصیت میں مبتلا نہ ہوتا یعنی اگر اس کے پاس آتش دوزخ سے امان کی کتاب نہ ہوتی تو صرف معرفت الٰہی کی عظمت ہی اس کو اس امر پر برانگیختہ کرتی کہ وہ حق عبودیت واجبی طور پر ادا کرے اس وجہ سے کہ اس نے حق کی عظمت کو پہچان لیا تھا۔ پس صوفیاء کی اجابت دعوت کسی اور اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ان کی اجابت دعوت محبوب کے لئے اجابت محبت کی راہ سے ہے (یہ دعوت محبت لذات کا حصول اور تنگی کا دور کرنا اس کا مقصود نہیں ہے اور غیر صوفیاء کی یہ اجابت، مجاہد و مساعی سے بچنے کے لئے ہے۔ ان کی یہ اجابت دعوت ایسی ہے کہ اس کا اثر چند ساعتوں میں حقائق استقامت و عبودیت کے قیام سے ظاہر ہو جاتا ہے (غیر صوفی عبودیت کے قیام پر استقامت صرف چند ساعتوں تک دکھا سکتا ہے اس کو مداومت نہیں دے سکتا۔

اس حالت کا استدلال قرآن پاک سے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری ○ (پس جس نے دیا اور خوف کیا اور نیک بات کو سچ جانا تو قریب ہے کہ ہم اس کو آسانی سے پہنچا دیں گے (اس پر تمام امور مشکلہ کو آسان بنا دیں گے)۔

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس نے دارین کو دے دیا اور کسی چیز کو نہ دیکھا اور بے فائدہ باتوں اور گناہوں سے پرہیز کیا اور صدق بالحسنی کے معنی ہیں طلب قرب پر اصرار کیا (جما رہا) کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ان آیات میں ایک وجہ آخر اور بھی ہے (ان آیات کی تاویل اس طرح بھی کی گئی ہے)۔

اعطیٰ اعمال پر مواظبت کی واتقی وساوس شیطانی اور ہوائے نفس سے پرہیز کیا وصدق بالحسنی لوث وجود کی

---

(۱) یہاں قارئین کرام کی توجہ اس تفسیر کے موقع پر ایک امر خاص کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے اعطی سے آخر تک آیت یعنی فسنیسرہ للیسری تک جو معانی بیان کئے ہیں وہ یقیناً آپ کی نظر میں عجیب و غریب معلوم ہوں گے اور جب آپ ان کی تصدیق کے لئے کسی تفسیر سے رجوع کریں گے تو اس میں بھی نہیں پائیں گے آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ یہ میری تفسیر بالرائے ہے میں نے عوارف المعارف مطبوعہ بیروت کے 46 سطر 4 تا 9 کا لفظی ترجمہ پیش کر دیا ہے یہ حقیقت میں تفسیر اشاری ہے جس کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے تفسیر تستری سے پیش کیا ہے تفسیر تستری مصنفہ شیخ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کی تفسیر ہے۔ حضرت سہل تستری المتوفی 284ھ صوفیائے کرام میں خاص شہرت رکھتے ہیں آپ طبقہ اول کے صوفیائے کرام سے ہیں حضرت سہلؒ بن عبداللہ تستری پہلے مفسر ہیں جنہوں نے تفسیر میں صوفیاء کا مسلک اختیار کیا ہے لیکن اہل ظاہر کی موافقت بھی بالکلیہ ترک نہیں کی ہے اسی رنگ کی دوسری تفسیر، تفسیر کاشانی ہے جو تاویلات کاشانی کے نام سے بھی مشہور ہے اس کے مصنف شیخ کمال الدین ابو الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین کاشی سمرقندی المتوفی 887ھ ہیں۔ اسی رنگ کی تیسری مشہور تفسیر حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی ہے۔ شیخ اکبر کی یہ تفسیر کئی جلدوں میں ہے۔ اور صرف سورہ کہف تک ہے یہ بھی اہل تصوف کے مذاق اور طریقے پر لکھی گئی ہے۔ جو ان تمام تفاسیر میں الفاظ کے لغوی معنی یا معنی بالآثار و اخبار بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ معانی کو طریقت اور تصوف کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے جیسے آپ نے مذکورہ آیت کے معنی ملاحظہ فرمائے کہ ان کو آثار و اخبار سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مشائخ عظام اور ارباب طریقت نے ان کے جو معنی متعین کئے ہیں وہی بیان کر دیے ہیں۔

مزاحمت سے موارد شہود کا تصفیہ باطن کے لزوم کے ساتھ (یعنی موارد شہود جو قلب ہے اس کو لوث وجود سے پاک کرنا اس طرح کہ باطن بھی صاف ہو جائے) فسنیسرہ للیسری ہم اس پر سہولت فی العمل وانس کے دروازے کھول دیں گے واما من بخل جس نے اعمال سے بخل کیا واستغنی اور احوال سے مرگیا و کذب بالحسنی اپنی بصیرت کے نفوذ سے عالم ملکوت میں گرد پھرنے والا نہ تھا فسنیسرہ للعسری ○ اس پر اعمال میں ہم اپنی آسانی کا دروازہ بند کر دیتے ہیں' اور تکاسل و سستی کا دروازہ اس پر کھول دیتے ہیں۔

اس طرح ثابت ہوا کہ جب صوفیائے (کرام) کے نفوس و قلوب اور ارواح ظاہراً اور باطناً دعوت حق قبول کرلیں قرآن کے حصہ علم میں سب سے زیادہ اور معرفت میں سب سے کامل ہوئے' اس سے ان کے اعمال بھی ازکی (سب سے زیادہ پاکیزہ) اور افضل ہو گئے۔

قوی الیقین اور ضعیف الیقین کی ایک مثال!

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے کہا کہ آپ مجھے ان دو شخصوں کے بارے میں بتائیے کہ ان کی حالت کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے کہ ان میں سے ایک شخص عبادت میں ہر دم کوشاں کثیر العمل اور کم گنہگار ہے لیکن ضیعف الیقین ہے اس کو متواتر شک لاحق رہتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے عمل کو اس کا شک باطل کرتا ہے تو اس شخص نے کہا کہ آپ اس شخص کے بارے میں بتائیے جو کم عمل لیکن قوی الیقین ہے مگر بہت گنہگار ہے یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے تو اس شخص نے کہا کہ خدا کی قسم اگر پہلے شخص کا ضعف یقین اس کے نیک اعمال کو باطل کرتا ہے تو اس قوی یقین رکھنے والے کا یقین ضرور اس کے کل گناہوں کو باطل و محو کر دے گا' یہ سنتے ہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا ہاتھ پکڑلیا اور فرمایا کہ میں نے اس شخص سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔

یقین عمل سے افضل ہے

نعمان نے اپنے بیٹے کو جو نصائح کی تھیں ان میں یہ نصائح بھی تھیں کہ اے بیٹے! عمل کی استطاعت یقین ہی کے ساتھ ہوتی ہے اور انسان عمل نہیں کرتا مگر اسی قدر جتنا کہ اس کا یقین ہے اور عامل عمل میں قصر نہیں کرتا جب تک اس کے یقین میں قصر نہ ہو' پس یقین علم سے افضل ہے کہ اس یقین نے اس کو عمل کی دعوت دی اور اگر اس کو عمل کی دعوت یقین نہ دیتا تو وہ عبودیت کا ارادہ نہیں کرتا' اور اگر یقین اس کو عبودیت کی دعوت نہ دیتا تو وہ حق ربوبیت ادا کرنے کے لئے قیام نہ کرتا۔ پس کمال حظ یقین سے وابستہ ہے اور علم باللہ صوفیہ کے ساتھ اور علمائے زاہدین کے ساتھ مخصوص ہے' اس سے ان صوفیہ اور علمائے زاہدین کا فضل اور ان کے علم کی برتری ثابت ہے۔

زاہد و عارف عالم کا فضل

اب میں ایک مسئلہ کی صورت بیان کرتا ہوں جس سے زاہد' عارف' عالم کا فضل اپنے صفات ذاتی کے لحاظ سے غیر زاہد و

عارف عالم پر ظاہر ہو جائے گا- اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عالم کسی مجلس میں آیا اور اس جگہ بیٹھ گیا جو اس کے علم کے شایان شان تھی اور جسے وہ اپنے لحاظ سے مناسب و موزوں جانتا تھا پھر ایک دوسرا شخص اسی کا ہمسر آیا اور اس سے اونچی جگہ پر بیٹھ گیا- جب پہلے عالم نے دیکھا تو بہت جزبز ہوا- اور دنیا اس کی آنکھوں میں تیرہ و تار ہو گئی اور اس کا بس چلتا تو وہ اس عالم کو مار بیٹھتا- پس یہ ایک عارضہ تھا جو اسے لاحق ہوا اور ایک مرض تھا جس میں وہ مبتلا ہو گیا اور اس کو اس کی بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ ایک مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اور علاج کا محتاج ہے اور اس نے اس طرف بالکل توجہ نہیں کی کہ اس مرض کا منشاء اور اصل کیا ہے اگر وہ جانتا کہ یہ اس کا نفس ہے جو ابھرا ہے اور اپنے جہل کے ساتھ نمودار ہوا ہے اور اس کا یہ جہل اس کے کبر کی وجہ سے ہے اور اس کا کبر اس وجہ سے ہے کہ اپنی ذات کو اپنے غیر سے بہتر اور اعلیٰ سمجھتا ہے اور عالم اول نے اس کبر کے باعث یہ جان لیا ہے کہ وہ اپنے غیر سے بہت افضل ہے اس کے اس خیال اور ارادے کو قوت سے فعل میں لانے والی چیز تکبر ہے جب وہ دوسرے عالم سے تنگ آیا تو اس کے فعل سے تکبر پیدا ہوا اور صوفی عالم زاہد کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو کسی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ تمیز نہیں کرتا (بڑا نہیں سمجھتا) اور نہ وہ اپنے نفس کو مقام ممتاز پر فائز دیکھنا چاہتا ہے کہ کوئی اس کو مخصوص مقام پر بیٹھا ہوا دیکھ کر ممتاز سمجھے اور اگر بالفرض اس کے لئے ایسا کیا جائے (تاکہ اس طرح اس کی آزمائش کی جائے) اور اگر وہ دوسرے شخص کے امتیاز اور ترفع سے افسردہ ہوتا ہے' نفس اس مرض کو دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ یہ مرض ہے اس کے علاج میں سستی اور بے پروائی کرے تو یہ حال اس کا گناہ ہو جاتا اس وقت وہ فوراً اپنے مرض کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور اپنے نفس کے ظہور کی شکایت اس کے حضور میں پیش کرتا اور خوب توبہ عمل میں لاتا اور اس طرح نفس کی اس حرکت کا قلع قمع کر دیتا اور قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اس کا یہ اشتغال مرض نفس کے دیکھنے اور علاج کے طلب کرنے سے اس کو نجات دے دیتا اور وہ اس فکر سے آزاد ہو جاتا کہ اس کا ہمسر اس سے اونچے مقام پر بیٹھ گیا اور پھر وہ اکثر اس اونچے بیٹھنے والے شخص سے تواضع و انکسار سے پیش آتا تاکہ کفارہ اس کے گناہ کا ہو جائے اور اس طرح اپنے مرض لاحقہ کا علاج کرتا- اس مثال سے دونوں شخصوں کا فرق ظاہر ہو گیا-

پس جب امتیاز کرنے والے نے امتیاز کیا تو اس نے اپنے نفس کا حال اس مقام پر عوام الناس اور مناصب دنیا کے طالب کی طرح پایا پس اب غور کرنا چاہیے کہ اس شخص میں اور اس میں جس کو اس کا کچھ علم نہیں کیا فرق ہے (ظاہر ہے کہ دونوں کا حال یکساں ہے- اور کچھ فرق نہیں)- اگر ہم ان اکثر مسائل کی تمثیل جن سے زاہدوں کی فضیلت اور دنیا سے رغبت رکھنے والوں کا نقصان نمایاں ہے' پیش کریں تو قارئین کے لئے باعث زحمت ہو گا- یہ امور (جو مہتم بالشان ہیں) علوم الصوفیہ کے ابتدائی خدوخال ہیں اس سے آپ ان کے علوم فقیہہ کا اور احوال شریفہ کا اندازہ کر لیجئے کہ وہ کس منزل پر ہوں گے-

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!

صواب کی توفیق اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے!

باب 4

صوفیہ کے احوال اور ان کے مختلف طریقے

دل کو کینہ سے خالی رکھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

شیخ العالم ضیاء الدین" ابو احمد عبدالوہاب بن علی براویان مختلفہ سعید رضی اللہ عنہ بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے فرزند! اگر تجھے اس بات پر قدرت ہو کہ تو صبح اور شام اس حال میں (بسر) کرے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ ہو تو ایسا کر' پھر آپ نے فرمایا کہ اے فرزند! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ رکھا (اس کا احیاء کیا) اس نے گویا مجھے جلایا اور جس نے مجھے جلایا وہ میرے ساتھ جنت میں گیا۔

پس یہ سب سے عظیم شرف اور کامل ترین فضل ہے جس کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں دی ہے جس نے سنت نبوی کا احیاء کیا۔ پس صوفیہ (کرام) وہی حضرات ہیں جنہوں نے اس سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احیاء کیا اور اپنے دلوں کو غل و غش (کدورت کینہ و بغض) سے پاک کیا' ان کے کام کی بناء بلند ہے اور اس سے ان کا جوہر ظاہر ہو گیا۔ اور ان کی فضیلت عیاں ہو گئی۔ اور احیا سنت پر قادر ہونے اور اس کے حق واجب کے ساتھ مستعد ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے دنیا سے زہد کو اختیار کیا اور اسے دنیا پرستوں اور اس کے طالبوں کے لئے چھوڑ دیا۔ کہ کینہ اور نفاق کی پرورش اور ان کا اٹھان دنیا اور اہل دنیا کے نزدیک رفعت و منزلت کی محبت ہے اور صوفیائے کرام" نے اس سلسلہ میں بالکل بے پروائی اور بے رغبتی برتی ہے جیسا کہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہمارا طریقہ انہی لوگوں کی اصلاح اور دوستی کے لئے ہے جنہوں نے اپنی ارواح کے مزبلوں (گھوروں) کو کوڑا کرکٹ (علائق دنیا) سے پاک و صاف کرلیا ہے اور جب ان لوگوں کے قلوب سے دنیا کی محبت اور رفعت کی چاہت نابود ہو گئی تو انہوں نے صبح و شام اس حال میں بسر کی کہ ان کے دلوں میں کسی کی طرف سے بغض و کینہ نہ تھا۔ پس ان کا یہ قول کہ اپنی ارواح کو گھوروں سے پاک و صاف بنایا اس سے اشارہ نہایت تواضع کی جانب ہے اور اس طرف ہے کہ وہ اپنے نفس کو اب ایسا نہیں پاتا کہ کسی مسلمان پر اس کو اس خیال سے ترجیح دے کہ دوسرا اس کے نزدیک حقیر ہے (یعنی کسی کو حقیر جان کر اس کا نفس خود کو ترجیح نہیں دیتا) اور وہ اس سے ممتاز ہے پس جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو بغض و کینہ کا سدباب خود بخود ہو جاتا ہے' بعض صوفیہ کا یہ قول جب مشہور ہو گیا تو بعض فقراء نے ہمارے اصحاب سے کہا کہ ہمارے خیال میں اس قول مشہور کے معنی "کہ انہوں نے اپنی ارواح کو گھوروں سے پاک کیا" یہ ہیں کہ گھوروں سے اشارہ نفوس کی جانب ہے کہ گھورے کو پاک و صاف کر دیا اس لئے کہ ارواح صوفیہ مقامات قرب میں ہیں اور

نفوس میں ان کا نور سرایت کرتا ہے اور نور روح کے ملنے سے نفس پاک و صاف ہو جاتا ہے اور جتنی خراب چیزیں (عفونت والی اور نجاستیں) جیسے بغض اور کینہ خبث اور حسد اس میں موجود ہیں اس نور سے سب کے سب زائل ہو جاتے ہیں۔ یعنی نفس نور روح سے پاک و صاف ہو جاتا ہے یہ معنی جو بیان کئے گئے بالکل صحیح ہیں اگرچہ قائل نے یہ معانی اپنے اس قول سے مراد نہیں لئے تھے۔

اہل بہشت کی صفت

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینہ تھا اس کو نکال لیا بھائی بن کر وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ جو قلوب اللہ تعالیٰ کی محبت سے مالوف اور اس کی محبت پر متفق اور اس کی مودت پر مجتمع اور اس کے ذکر سے مانوس ہو گئے ہیں ان میں کینہ اور حسد کس طرح باقی رہ سکتا ہے' بیشک یہ دل نفسانی وسوسوں اور طبعی کدورتوں (تاریکیوں) سے پاک و صاف ہیں بلکہ توفیق کے نور سے سرگیں ہیں تو پھر وہ سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے جب صوفیہ کے نفوس کے صفات حالاً' قولاً اور اور فعلاً احیاء سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باصلاحیت ہو گئے اور ان کے نفوس کی صفات بدل گئیں اور حجاب اٹھ گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت اور ہر شے میں آپ کی متابعت واقع ہو گئی تو اس صورت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہو گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اللہ سے محبت کی نشانی ہے

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو بندے سے اپنی محبت کی نشانی قرار دیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن متابعت کی جزا بندے کے لئے اللہ نے اپنی محبت رکھی ہے تو اس صورت میں جس شخص کو جتنا وافر حصہ متابعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو گا اتنا ہی زیادہ حصہ اس کو اللہ کی محبت سے نصیب ہو گا۔ مسلمانوں کے طبقات میں صوفیائے کرام کا طبقہ اور گروہ ہی ایسا ہے جو حسن متابعت میں کامیاب ہوا ہے' اس لئے کہ اس طبقہ نے اور حضرات صوفیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل کی اور آپ نے جس جس کام کا حکم دیا اس پر ثابت قدمی سے عمل کیا اور جن باتوں سے روکا اس سے رک گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ جو کچھ رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس لائیں اس کو لے

فَانْتَهُوا ○ لواور جس چیز سے وہ تم کو منع فرمائیں اس سے باز رہو!

چنانچہ ان صوفیہ" نے اپنے اعمال میں آپ کی (کمال درجہ) پیروی کی اور متابعت کی جدوجہد سے عبادت، تہجد، نوافل، روزہ، نماز اور جو کچھ اس کے سوا ہے اس کی بجا آوری میں آپ کی متابعت کی اور اقوال و افعال میں متابعت سے یہ لوگ آپکے اخلاق سے متخلق ہوئے یعنی حیا- حلم- درگزر- مہربانی- شفقت- ہدایات- نصیحت اور تواضع سے بہرہ مند ہونے اور اس کی بدولت ان کو آپ کے اموال پاک سے کچھ حصہ خوف، تسکین، (سکینہ) ہیبت، تعظیم، صبرو رضا، زہد اور توکل سے مل گیا تو انہوں نے متابعت کے تمام اقسام کو پورا پورا حاصل کیا (کامل متابعت کی) اور اس طرح انہوں نے تابحد کمال سنت کا احیا کیا!

صوفی کون ہے؟

شیخ عبدالواحد سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدر فہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہیں! اور اپنے دلوں کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں- (سنت پر بصمیم قلب متوجہ اور عاکف ہیں) اور اپنے نفوس کی شرارتوں سے بچنے کے لئے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں میری نظر میں یہ لوگ صوفی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی صوفی کی پوری پوری اور جامع تعریف ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آقا اور مولا کے ساتھ ہمیشہ فقر کا تعلق رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے طرفہ العین کے لئے بھی نفس کے حوالے مت کر اور میری نگہبانی اس طرح فرما جیسے بچے کی کرتے ہیں،

جن چیزوں میں صوفیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں کامیاب ہوئے ان تمام میں اشرف اور اعلیٰ ان کا وصف دائم الافتقار ہوتا ہے (فقر دوامی) اور دوام الالتجا (ہر وقت اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا) اور اس صدق افتقار کے وصف سے وہی بندہ متصف ہو سکتا ہے جس کا باطن صفائے معرفت سے صاحب کشف بنگیا اور جس کا سینہ نور یقین سے روشن ہو گیا اور اس کا دل بساط قرب تک جا پہنچا اور جس کا راز ہمکلامی کی لذت سے پر ہو گیا (لذت مسائرت جس کو میسر آگئی) اس صورت میں اس کا نفس حکمی طور پر اسیر سلطانی بنجاتا ہے (اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں بجالاتا ہے) اس کمال کے باوجود (جو اس کو حاصل ہو گیا ہے) وہ اپنے نفس کو ہر آفت و شر کا گھر سمجھتا ہے کہ اگر اس کی ایک چنگاری باقی رہ جائے تو وہ سارے عالم کو پھونک دے کہ یہ چنگاری (نفس کو بدی) بہت پلٹنے والی بدلنے والی اور پیچ و تاب کھا کر بلند آگ بن جانے والی ہوتی ہے،

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے صوفی پر سے اس کا کسی قدر انکشاف فرمادیا اور اس کو شناسا کر دیا اس چیز سے جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کشف فرمادی تھی- یعنی شر نفس سے اس کو کسی قدر آگاہ کر دیا ور اس کی معرفت تھوڑی بہت اسے حاصل ہو گئی کہ یہ آگاہی اور معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل طور پر حاصل تھی) یہی وجہ ہے کہ صوفی ہمیشہ اپنے مولیٰ سے شر نفس کا استغاثہ و فریاد کرتا رہتا ہے گویا اسے بندے کے حق میں تازیانہ بنادیا گیا ہے کہ وہ نفس اس تازیانے کو ہلاتا رہے- بندے کو اس کی معرفت (شر نفس) حاصل ہوتی رہے اس حالت کے ساتھ کہ بندے کی نظر التجا کے آستانہ پر لگی ہے اور صدق نیاز کے ساتھ مصروف دعا ہے (کہ نفس کے شر سے محفوظ رہے) اس طرح صوفی نفس کے مطالعہ

سے ایک لمحہ کے لئے بھی خالی نہیں رہتا۔ جس طرح کہ وہ اپنے رب سے دم بھر کو غافل نہیں ہوتا' اس طرح اللہ تعالیٰ نے معرفت نفس کو اپنی معرفت کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ یعنی جس شخص نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا! یہ ارتباط' معرفت نفس و معرفت رب بالکل ایسا ہی ہے جیسے معرفت لیل کا ربط معرفت نہار سے ہے۔

صوفی ہی تمام سنت ہائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کرتا ہے

پس سوائے صوفی کے اور کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے اس سنت کا احیاء کرے کہ وہی عالم باللہ اور زاہد فی الدنیا ہے' تقویٰ کو مضبوط ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے' (تقوی پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہے) اور صوفی کے سوا اور کون ہے جو اس حالت کے فائدے سے آگاہ ہو کہ وہی (یعنی صوفی) ہمیشہ کی نیاز مندی کو اپنے پروردگار کی جناب میں تمسک اور دست آویز بنائے ہوئے ہے اور اسی کے ساتھ وہ پناہ طلب کرتا ہے اور اس پناہ طلبی اور پناہ جوئی میں روح کا استغراق اور دل کی متابعت محل دعا (جناب باری) میں ہے ہر وقت اس استغراق اور پناہ طلبی ---- جناب باری میں مصروف دعا ہے اور اس طرح اس تدبیر کے ساتھ جو صرف اللہ کی طرف سے ہے وہ کینہ (نفاق) حقد و حسد اور تمام اخلاق رذیلہ کے گزند سے محفوظ اور مامون ہے تو یہ حال ہے صوفی۔

احوال صوفیاء پر دو چیزیں حاوی ہیں

تمام صوفیہؒ کے احوال پر یہ دو چیزیں حاوی ہیں اور یہ دونوں صوفیاء ہی کے اوصاف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ان دونوں اوصاف کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع لائے اس کو راہ راست دکھلاتا ہے) پس ان صوفیا میں سے ایک گروہ اس اجتبا (برگزیدگی) کے ساتھ مخصوص ہو گیا اور ایک گروہ ہدایت کے ساتھ مختص ہوا بشرطیکہ انابت کی شرط بجالائے اور رجوع کرے لیکن اجتباء صرف کسی بندے کی علت نہیں ہے یہ محبوب مراد کا حال ہے جس کی ہدایت حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی عطاؤ بخشش سے ہوتی ہے بغیر کسی سابقہ کسب کے (اس موہبت اور بخشش کے لئے کسی سابقہ کسب کی شرط نہیں ہے) اور اس کا اجتہاد اس کے کشف پر مقدم ہو' اس صورت میں صوفیائے کرام کے ایک طبقہ کا حال تو یہ ہوا کہ پردے ان کے دلوں سے اٹھ گئے اور نور یقین کے لمعہ نے سرعت کی اور اس سے ان کے اس حال میں جو ان پر وارد ہے' اجتہاد و اعمال کی خواہش کو برانگیختہ کیا (تحریک اجتہاد پید ہوئی) تب انہوں نے اعمال پر ان لذات اور خواہشات کو قبول کر لیا جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک موجود تھی اور اس کشف نے ان پر اعمال کو بہت سبک اور آسان کر دیا۔ جس طرح فرعون کے ساحروں پر اس لذت نے جو فضائے عرفان سے ان پر نازل ہوئی اس بات کو آسان کر دیا کہ انہوں نے فرعون کی وعید (عذاب کی دھمکی) کو برداشت کر لیا اور وہ بیساختہ پکار اٹھے:۔

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ۔ (ان واضح دلائل پر جو ملے ہیں کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہیں دینگے)

اس مقام پر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان ساحران فرعون کو عنایات ازلی کی ہوائیں لگیں تو وہ سجدہ شکر میں گر پڑے اور یک زبان ہو کر سب نے کہا کہ:۔ امنابرب العالمین (ہم رب العالمین پر ایمان لائے)۔

اہل خالصہ کون ہیں

ابو زرعہ طاہربن ابو الفضل کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ دقاق نے روایت کی کہ میں نے ابو سعید خرازؒ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ اہل خالصہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا گیا ہے اور اپنی نعمتیں ان پر تمام کردی ہیں اور ان کے لئے کرامت مہیا فرمائی اور ان سے حرکات طلب (خواہشات) کو ساقط کر دیا اور عمل و خدمت میں ان کی حرکات اور الفت و محبت میں ان کی خدمات و حرکات، صرف ذکر و مناجات کی لذات اور قرب میں انفرادیت حاصل کرنے پر مبنی ہو گئیں (اور کچھ ان کی حرکات اور اعمال کا مقصد نہیں رہا بجز اس کے کہ وہ الفت و محبت الٰہی میں مستغرق ہوں اور اس کے قرب میں انفرادیت و یکتائی کا درجہ حاصل کریں! انہی اسناد کے ساتھ ابو عبدالرحمن سلمٰی بیان کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن الحسن الحمصی سے سنا کہ انہوں نے کہا میں نے فاطمہ سے جو جوہریہ کے عرف سے معروف ہیں اور ابو سعید کی شاگردہ ہیں سنا ہے کہ انہوں نے کہا" میں نے حضرت خرازؒ سے سنا کہ انہوں نے مراد کی تشریح اس طرح فرمائی کہ وہ اپنے حال سے بھرپور اور اپنی حرکات پر مدد دیا ہوا ہے اور خدمت میں اس کی سعی پوری اور کفایت کی گئی ہے (مراد میں یہ اوصاف ہوتے ہیں کہ منجانب اللہ حرکات و اعمال پر اس کو مدد دی جاتی ہے اور اس کی مساعی کو کامل اور کافی بنا دیا جاتا ہے) اور وہ شواہد و نواظر سے محفوظ ہوتا ہے اس کی خدمات اور اس کی مساعی دیکھنے اور مشاہدہ میں نہیں آتیں) ایسا ہی کچھ اس امر میں شیخ ابو سعیدؒ نے فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مراد ایسا ہے جس کی حقیقت طائفہ صوفیاء پر مشتبہ ہے اور وہ کثرت نوافل کے قائل نہیں ہوئے اور مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ نوافل میں قلت سے کام لیتے تھے تو ان کو گمان ہوا کہ ان مشائخ کی یہ حالت (قلت نوافل) مطلقاً دائمی ہے۔ (وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں) اور وہ یہ نہ سمجھے کہ جن لوگوں نے ترک نوافل اور فرائض میں اختصار کیا ان کی یہ ابتدائی حالت تھی جو مریدین کی ہوتی ہے لیکن جب اس مقام سے ترقی کر کے راحت و آسودگی حال کو پہنچ گئے اور ریاضت کے بعد کشف ان کو حاصل ہوا تو وہ کیفیت حال سے مملو اور مالا مال ہو گئے۔ پس انہوں نے اعمال کے نوافل اور زوائد کو ترک کر دیا اور مراد لوگوں کے اعمال و نوافل بدستور باقی رہے کہ ان ہی چیزوں میں تو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یہ چیزیں ان کے لئے موجب سرور و شادمانی ہیں) اور یہ مرتبہ اس اول سے زیادہ اتم اور کامل ہے۔ جو کچھ ہم نے توضیح کی یہ صوفیائے کرام کے ایک طریقے کے بارے میں تھی۔ (گویا یہ طریقہ طریق مراد ہے)۔

دوسرا طریقہ یعنی طریقہ مریدین

دوسرا طریقہ مریدین کا طریقہ ہے جن کے لئے انابت کی شرط رکھی گئی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ویھدی الیہ من ینیب (اللہ اسی کو اپنی طرف راہ دکھلاتا ہے جو توبہ اور اسکی طرف رجوع کرے) تو یہ اجتہاد کا مطالبہ ان سے جو کیا گیا۔ یہ کشف

سے پہلے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی اور مجاہدہ کیا یقیناً ہم ان کو اپنی راہ دکھلا دیں گے) اسی کا نام مجاہدہ قبل کشف ہے' اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مجاہدہ کو مدارج کشف میں مندرج فرماتا ہے جن میں ہر طرح کی ریاضت اور محنت ہے یعنی شب ہائے تاریک کی بیداری' تپتی ہوئی دو پہروں کی تشنگی اور طلب و شوق کے شعلے' ان مساعی میں بھڑکتے ہیں اس وقت تک کامیابی کے انوار ان کے برابر حجاب میں ہوتے ہیں' یہ لوگ ارادت کی گرم ریگ میں کروٹیں بدلتے ہیں اور پھر یہ ہر عادت اور مالوف سے الفت کا رشتہ توڑ لیتے ہیں- اسی کا نام انابت ہے جس کی شرط اللہ تعالیٰ نے ان کی کامیابی کے لئے لگا دی ہے اوم اس انابت سے ہدایت کو مقرون و مشروط کر رکھا ہے- یہ ہدایت جو انابت سے مقرون ہے یہ بھی ایک ہدایت خاص ہے اس لئے کہ یہ ہدایت خاص اس ہدایت عام سے ایک الگ چیز ہے جو امرو نہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے' یہ ہدایت خاص سالک محبت مرید کا حال ہے- اب یہ بات واضح ہو گئی کہ انابت اس ہدایت عام سے کوئی الگ چیز ہے جو ہدایت خاص کا ثمر ہوتی ہے اور اس کی جانب صوفی کو سیدھی راہ جب میسر آتی ہے جب مساعی کے ذریعہ وہ ہدایت عام حاصل کر لیتا ہے اس وقت وہ عسر کی تنگی سے نکل کر یسر کی پر فضا فراخی میں پہنچ جاتا ہے اور اجتہاد کی کلفت اور سوزش سے نجات پا کر احوال کی راحت میں امن و امان پاتا ہے اس طرح اس اول گروہ کی ریاضتیں ان کے کشف و کرامات سے پہلے نہیں اور مراد (گروہ ثانی) کے کشف و کرامات ان کے جہد و اجتہاد سے پیشتر ہیں (یہی دونوں گروہ کا فرق ہے)

حضرت جنیدؒ کا قول کہ انہوں نے تصوف کس طرح حاصل کیا

شیخ ابو الفتح محمد بن عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے مختلف راویوں کے توسط سے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا "ہم نے یہ علم تصوف قیل و قال کے ذریعہ حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بھوک' ترک دنیا اور ترک مالوفات (وہ چیزیں جن سے انسان کو الفت ہوتی ہے) و مستحسنات سے قطع تعلق کر کے پایا ہے- یہی قول حضرت خفیف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ مراد کی ارادت یہ ہے کہ وہ طلب میں عروج کرتا ہے اور ارادت کی حقیقت یہ ہے کہ جدوجہد میں مداومت کی جائے اور راحت کو ترک کر دیا جائے۔

شیخ ابو عثمان فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے مر گیا ہو (دل میں کسی چیز کی خواہش نہ ہو) وہ فقط اللہ کو چاہتا ہے اس کے قرب کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کا مشتاق! یہاں تک کہ اس کے دل کی تمام خواہشات شوق الٰہی کی شدت سے اس کے قلب سے نکل جاتی ہیں' ان ہی کا قول ہے کہ مریدوں کے دل کا عذاب یہ ہے کہ وہ معاملات و مقامات سے محجوب ان کے اضداد کی طرف ہو جائیں پس یہ دونوں طریقے احوال صوفیہ کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں-

ان دو طریقوں کے علاوہ دو طریقے اور بھی ہیں لیکن وہ ثبوت تحقق تصوف کے طریقوں سے نہیں (ان سے تحقیق و ثبوت طریق ہائے تصوف کا نہیں ہوتا)

ان دو طریقوں میں سے ایک طریقہ تو مجذوب کا ہے کہ جو کشف کے بعد اجتہاد کی طرف رجوع نہیں ہوا اور اپنے جذب پر قائم رہا اور دوسرا طریقہ اس عابد و مجتہد کا ہے جو اجتہاد کے در پے رہا اور مقام کشف تک نہیں پہنچا اور صوفیہ کے

نزدیک ان دونوں طریقوں میں حسن متابعت کے بغیر صحت نہیں ہو سکتی (یہ دونوں طریقے اسی وقت صحیح ہو سکتے ہیں کہ ان میں حسن متابعت پیدا ہو) اور یہی صوفیہ کی ان سے فصل کی وجہ ہے (صوفیہ اسی حسن متابعت کے نہونے کے باعث ان طریقوں سے الگ تھلگ ہیں) جس شخص نے یہ خیال کیا کہ وہ بغیر متابعت کے فائز المرام اور کامیاب ہو جائے گا تو وہ دھوکے میں آگیا ہے اور پسماندہ ہے، شیخ ابو سعیدؒ کہتے ہیں کہ وہ باطن ظاہر اس کے خلاف ہو ناچیز اور ناحق ہے۔ شیخ جنیدؒ پر سنت کو قول و فعل میں حکمران بنا دیا تو اس نے حکمت کے ساتھ کلام کیا اور جس نے ہوا و ہوس کو اپنے نفس پر فرمانروا بنا دیا قولاً و فعلاً تو اس نے بدعت کی گفتگو کی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک واقعہ!

حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارے میں یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو آج چل کر دیکھیں جس نے خود کو ولی مشہور کر رکھا ہے۔ اور یہ شخص اپنے گرد و نواح میں زہد و عابد مشہور تھا۔ (اس کے زہد و عبادت کی شہرت تھی۔ چنانچہ ہم لوگ اس کی طرف چلے جب وہاں پہنچے تو وہ مشہور ولی اپنے گھر سے مسجد کی طرف جانے کے لیے نکلا اور اس نے قبلہ کی طرف تھوکا یہ دیکھ کر حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ الٹے پاؤں پھر چلو ہم سب کے سب واپس آگئے یہاں تک کہ اس سے سلام علیک تک نہ کی۔ حضرت بایزید نے ہم سے کہا تھا کہ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بھی معتمد امین نہیں ہے تو پھر یہ مقامات اولیاء اور صدیقین کے دعوؤں کا امین کس طرح ہو سکتا ہے۔

مرتے وقت بھی حضرت شبلیؒ کو سنت نبوی ﷺ کا پاس تھا

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ تم نے ان کی وفات کے وقت کیا مشاہدہ کیا، خادم نے کہا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا اور ان کی زبان لڑکھڑا گئی اور پیشانی پر (موت کا) پسینہ آگیا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ مجھے وضو کرا دو پس میں نے ان کو وضو کرایا لیکن میں ان کی داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میری انگلیوں کو اپنی داڑھی میں خلال کے لیے ڈال لیا (اللہ اللہ یہ تھا پاس سنت نبوی ﷺ کا)

حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں، ہر وہ وجد (کیفیت) جو کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے پس وہ باطل ہے (جس جد کی کتاب و سنت سے شہادت نہ ملے وہ باطل ہے) پس یہ ہے صوفیہ کا حال اور ان کا طریقہ اس صورت کے علاوہ جو حال کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور گمراہ ہے۔

---

(1) حضرت شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ نے یہاں لفظ مشبک استعمال کیا ہے فرمایا ہے علمنا ھذا مشتبک بحدیث رسول اللہ ﷺ لفظی معنی تو یہ ہوں گے کہ ہمارا یہ علم رسول اللہ کی حدیث سے چمٹا ہوا ہے، میں نے ان کا ترجمہ مستنبط و ماخوذ کر دیا ہے (مترجم)

باب 5

تصوف کی ماہیت

بہشت کی کنجی مساکین اور صابر فقراء کی محبت ہے

حضرت نافعؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر شے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی، مساکین اور صبر کرنے والوں سے محبت کرنا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں"۔ پس یہی فقر تصوف کی ماہیت میں موجود ہے اور یہی اس کی اساس اور اس کا قوام ہے! (اسی پر وہ قائم ہے اور یہی اس کی بنیاد ہے)

حضرت رویمؒ کا قول

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے اول تمسک بالفقر و افتقار (فقر اور محتاجگی کو اختیار کرنا) دوم بذل و ایثار ہونا۔ سوم تعرض اور اختیار کو ترک کرنا۔ (یعنی مشغولیت اور اختیار کو چھوڑ دینا)۔

حضرت جنیدؒ کا ارشاد

حضرت جنیدؒ سے جب تصوف کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغیر کسی علاقہ کے رہو حضرت معروفؒ کرخی فرماتے ہیں کہ تصوف نام ہے حقائق کے حصول اور خلائق کے مال و متاع سے ناامیدی کا (مال و متاع خلق سے کچھ امید نہ رکھنا) اور جو شخص صاحب فقر نہیں، صاحب تصوف نہیں ہے۔

حضرت شبلیؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ فقیر کی کیا حقیقت ہے تو فرمایا فقیر وہ ہے جو حق تعالیٰ کے سوا کسی کی پروا نہ کرے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ

حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو پر سکون ہو، مضطرب نہ ہو اور جب کچھ موجود ہو تو بذل و ایثار سے کام لے۔

بعض مشائخ عظام نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے کہ غنا سے احتراز کرے، اس خوف سے کہ اگر اس کے پاس غنی آئے گا تو اس کے فقر کو تباہ کر دے گا۔ جس طرح غنی کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو فقر آکر اس کے غنا کو تباہ و برباد کر دے۔ ان اسناد

کے ساتھ جو پہلے گزر چکی ہیں ابو عبدالرحمٰن" نے کہا کہ میں نے عبد اللہ رازی" سے سنا' انہوں نے کہا میں نے مظفر قرمیسینی سے سنا کہ انہوں نے فرمایا۔ "فقیر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف حاجت نہ ہو' اور وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوبکر حضری" سے پوچھا' فقیر کی کیا تعریف ہے؟ انہوں نے کہا کہ فقیر وہ ہے جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو' یہ جو انہوں نے کہا کہ فقیر وہ ہے جس کو اللہ کی طرف حاجت نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کی عبودیت کے وظیفوں میں مشغول ہے اپنے رب کے اوپر اس کو پورا پورا اعتماد ہے اور جانتا ہے کہ وہ اس کا اچھی طرح نگران ہے' اس کو اپنی حاجتوں کے عرض کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ وہ جانتا ہے' اللہ تعالیٰ میرے حال کا جاننے والا ہے اس لیے وہ عرض حاجت و سوال کو درمیان میں لانا فضول سمجھتا ہے۔ اس طرح مشائخ کے اس بارے میں جو اقوال ہیں ان کے طرح طرح کے معنی اور مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے ان میں احوال کی طرف اشارے کئے ہیں! اور یہ اشارے ایک وقت سے مخصوص ہیں اور دوسرے وقت کے حال سے مختلف ہیں۔ اس لیے ہم کو اس سلسلہ میں چند اصول و ضوابط استعمال کرنا ہوں گے جو اس کے بعض کو بعض سے جدا کر سکیں اس لیے کہ انہوں نے بہت سی باتیں ایک ساتھ تصوف کے معنی میں بیان کر دی ہیں جس کی مثال فقر کے منافی ہے ان حضرات نے فقر کے معنی میں بھی بہت سی چیزیں ایک ساتھ بیان کر دی ہیں۔ پس جس مقام پر شبہ واقع ہو تو وہاں فاصل (فصل پیدا کرنے والا) بیان ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ مذکورہ تعریفات میں' کہیں ایسا ہوا ہے کہ کبھی فقر کے بارے میں اشارۃ کہا گیا ہے اس سے زہد کے معنی مشتبہ ہو گئے ہیں اور کبھی تصوف کے معنی میں ایسا ہو گیا ہے اور اس طرح جو طالب رشد و ہدایت ہے وہ ایک معنی سے دوسرے معنی میں تمیز نہیں کر پاتا اس لیے ہم یہاں اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تصوف غیر فقیر ہے اور زہد بھی غیر فقیر ہے اور تصوف غیر زہد ہے پس تصوف ایک ایسا اسم ہوا جو جامع ہے معنی فقر اور معنی زہد کو مع دوسرے اوصاف و اضافات کے کہ ان اوصاف و اضافات کے بغیر انسان صوفی نہیں ہو سکتا خواہ وہ فقیر اور زاہد کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو حفص" فرماتے ہیں کہ تصوف کلیۃً آداب ہیں کہ ہر وقت کا ایک ادب ہے اور ہر حال کے لے ایک ادب ہے اور ہر مقام کا ایک ادب ہے او جس شخص نے آداب اوقات کو اپنے ذمہ لے لیا تو وہ مردوں کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور جس نے ان آداب کو ضائع کر دیا تو وہ اس راہ سے بعید ہے کہ قرب کا گمان رکھے اور وہ قبول کے درجہ سے مردود ہے' (اس کو قبول کی امید نہیں رکھنا چاہیے) حضرت ابو حفص" یہ بھی فرماتے ہیں ظاہری حسن ادب باطنی حسن ادب کا عنوان ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ' یعنی اگر انسان کا دل خاشع (خشیعت کرنے والا' خشوع کرنے والا) ہے تو اس کے جوارح اور اعضاء بھی خشوع کرنے والے ہوں گے'

شیخ ابو محمد جریری" سے تصوف کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ تصوف کیا ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہو جانا (ہر اعلیٰ خلق کو اپنانا) اور ہر خلق رذیلہ یا ادنی خلق سے نکل آنا (ترک کر دینا) پس جب تصوف کی تعریف اعلیٰ اخلاق کا حصول اور ادنیٰ اخلاق کا رد قرار پائی اور اس طرح اس کی حقیقت کا اعتبار کر لیا گیا تو اس وقت ثابت ہوا کہ تصوف زہد اور فقر دونوں سے بڑھ کر ہے۔

بعض مشائخ کا قول ہے کہ فقر کی انتہا اس کے شرف کے ساتھ تصوف کی ابتداء ہے۔

اہل شام کا طریقہ

اہلِ شام (صوفیہ اور مشائخ شام) تصوف اور فقر میں تمیز روا نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (ان فقراء کے لیے جو اللہ کی راہ میں محصور ہوئے) وصف صوفیہ ہے' فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقراء کے نام سے ذکر فرمایا ہے میں عنقریب ہی اس بات کی وضاحت کروں گا جس سے تصوف اور فقر کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے گا! چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو اپنے فقر پر گرفت کئے ہوئے ہے اور اس کی فضیلت کے باعث اس کو غنا اور تونگری پر ترجیح دیتا ہے اور اس بات سے مطلع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فقر کا جو کچھ عوض رکھا ہے۔ جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یَدْخُلُ فُقَرَاءُ اُمَّتِیْ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِیَآءِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَهُوَ خَمْسَمِائَةِ عَامٍ " (میری امت کے فقیر جنت میں دولت مندوں سے نصف یوم پیشتر داخل ہوں گے اور یہ نصف یوم پانچ سو برس کا ہے) پس جیسے ہی انہوں نے اس عوض باقی کو دیکھ لیا یہ لوگ فانی حاصلات سے رک گئے (حاصلات فانی سے منہ موڑ لیا) اور انہوں نے فقرو فاقہ کو گلے لگا لیا اور یہ لوگ ہمیشہ زوال فقر سے ترساں اور ڈرتے رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فضیلت فقر اور معاوضہ فقر سے ہم محروم رہ جائیں۔ یہ طریقہ صوفیہ میں عین اعلال (علت و سبب کا کام میں لانا) کہلاتا ہے یعنی فقر کو انہوں نے عوض کے سبب اختیار کیا ہے اس لیے کہ ان فقراء نے عوض فقر کو ہمیشہ مد نظر رکھا ہے اور اسی کے باعث دنیا کو ترک کر دیا ہے۔

طریق صوفیہ طریق فقراء سے بالکل جدا ہے!

لیکن صوفی ترک تعلقات اجر موعودہ کے باعث نہیں کرتا بلکہ وہ اموال موجودہ کے سبب سے تمام چیزوں کو ترک کئے ہوئے ہے اس لیے کہ وہ ابن وقت (وقت شناس) ہے نیز یہ کہ حصہ عاجلہ کو فقیر کا ترک کرنا اور لذت فقر کو حاصل کرنے کے لیے فقر کی طرف لوٹنا اس کے ارادہ و اختیار سے ہے اور صوفی کے حال میں ارادہ و اختیار ایک علت ہے (جس سے صوفی ہمیشہ گریزاں رہتا ہے) اس لیے کہ صوفی کا قیام تمام اشیاء میں اس کے ارادہ اور اختیار سے نہیں ہے بلکہ یہ ارادہ الٰہی سے ہوا ہے پس اس کو نہ صورت فقر میں فضیلت نظر آتی ہے اور نہ صورت غنا میں بلکہ اس کو فضیلت صرف اس چیز میں نظر آتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہے' حق تعالیٰ نے جس کی اسے توفیق بخشی ہے اور وہ خود کو اسی میں داخل رکھتا ہے اور اس کو اس بات پر یقین ہے کہ اس دخول کا حکم اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے (یعنی صوفی جس حال میں داخل ہے اس حال میں اس کا دخول حکم الٰہی سے ہوا ہے' اس کے اختیار و ارادہ کو کچھ دخل نہیں ہے) اور کبھی وہ بحکم الٰہی آسودگی کی حالت میں آ جاتا ہے جو فقر کے خلاف ہے' لیکن اس حالت آسودگی میں بھی وہ خود کو فضیلت سے ہمکنار پاتا ہے کہ اس آسودگی میں بھی اس کا دخول اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوا ہے (نہ کہ اس کے ارادہ و اختیار سے) جب وہ اس وسعت میں داخل ہو جاتا ہے تب بھی وہ اس کی مزید کشادگی (فسحت) کی کوشش نہیں کرتا' اس کشادگی میں دخول صرف صادقین کا حصہ ہے اور وہ بھی اس صورت

میں کہ حکم الٰہی کا علم ان میں قوی اور محکم ہو جائے تب وسعت میں وہ داخل ہوتے ہیں اور اس حال (وسعت) میں لغزش قدم کے خطرات ہیں اور مدعیین کے دعوے کے لیے ایک دروازہ موجود ہے (اس حال وسعت میں پہنچ کر اکثر حضرات کے قدموں کو لغزش ہو گئی ہے اور وہ دعویٰ قرب کر بیٹھے ہیں) حالانکہ کوئی حال ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ صاحب حال متحقق ہو مگر یہ کہ اس کی حکایت کو ایک امر محال سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے یَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (جو ہلاک ہوتا ہے وہ بینہ سے ہلاک ہوتا ہے اور جو زندہ ہوتا ہے وہ بھی بینہ سے ہوتا ہے)

فقر تصوف کی اساس ہے

اب جب کہ ظاہر ہو چکا تو فقر اور تصوف کا فرق واضح ہو گیا' ہاں یہ ضرور ہے کہ فقر تصوف کی اساس ہے اور اس کا اس کے ساتھ معنوی رابطہ اور قوام ہے کہ تصوف کے مراتب تک فقر کے راستہ سے پہنچا جا سکتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تصوف کے وجود سے فقر کا وجود لازم آتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ وہ تجھ کو تجھ ہی سے مارے اور اسی سے آپ تجھے زندہ کرے (تیری زندگی اور موت میں تیرا کچھ اختیار نہ ہو) اور یہی وہ بات ہے جس کا ذکر ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔ صوفی قائم فی الاشیاء اللہ کے حکم کے ساتھ ہے اپنے نفس (ارادہ و اختیار) کے ساتھ نہیں ہے اس کے مقابل میں دیکھے تو فقیر اور زاہد دونوں اپنے نفس کے ساتھ اشیاء میں موجود ہیں اور اپنے ارادے سے واقف ہیں اور بقدر اپنے علم کے جدوجہد میں مصروف ہیں اور صوفی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کی جانب باوجویکہ اس کا علم مستقل اس کو حاصل ہے' غیر مائل ہے اور صرف اپنے رب کی مراد سے قائم ہے' (اپنے نفس کی مراد سے نہیں)

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول!

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے کہ نہ طلب اس کو تھکائے اور نہ سلب کو جگہ سے ہلائے۔ (طلب دنیا میں مارا مارا نہ پھرے اور حالت فقر میں بے چین اور مضطرب نہ ہو) حضرت ذوالنونؒ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء پر موثر جانا اور اس کو برگزیدہ و مقدم رکھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو تمام اشیاء سے برگزیدہ فرما دیا۔ اور ان کے ایثار سے ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفوس کے علم پر علم الٰہی کو اور اپنے نفوس کے ارادے پر ارادہ الٰہی کو پسند کیا ہے (اور علم نفس اور ارادہ نفس کو ترک کر دیا ہے)۔ بعض صوفیہ سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم گروہ کی صحبت اختیار کریں (کن لوگوں کے پاس بیٹھیں) تو انہوں نے کہا کہ صوفیہ کے پاس! کہ برے ان کی نظر میں عذر کے باعث عزیز ہیں اور بڑے اپنے عمل کے اعتبار سے ان کی نظر میں عزیز ہیں اور اس صورت میں یہ خدشہ باقی نہیں رہے گا کہ وہ تم کو بڑے لوگوں کی طرح سمجھیں اور اس طرح تمہارے نفس میں عجب و غرور پیدا کریں اور نہ تم اس کو ان کی صحبت میں اپنی پستی کا احساس ہو گا کہ وہ لوگ قبیح کو معذور سمجھتے ہیں' یہ وہ علم ہے جو نہ فقیر کے پاس موجود ہے اور نہ زاہد کے پاس اس لیے کہ زاہد ترک کی عظمت نہیں کرتا ترک کو برا سمجھتا ہے اور اسی طرح لینے اور اخذ کرنے کو بھی اچھا نہیں جانتا اور یہی حال فقیر کا ہے ان کی

یہ حالت اس لیے ہے کہ ان کے ظرف چھوٹے ہیں۔

صوفی کی مزید تعریف

بعض مشائخ نے کہا کہ صوفی وہ ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو اچھے حال پیش ہوں یا دو اچھے اخلاق میں اس کو اختیار دیا جائے تو وہ احسن کو پسند کرے، لیکن فقیر اور زاہد یہ دونوں پوری تمیز دو اچھے اخلاق میں نہیں کرتے بلکہ وہ اخلاق سے بھی اسی کو اختیار کر لیتے ہیں جو ترک کی طرف مائل ہو اور مشاغل دنیا سے باہر جانے کی ان کو دعوت دے، پس فقیر اور زاہد اس انتخاب میں بھی اپنے علم سے فیصلہ کرتے ہیں لیکن صوفی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے انابت اور صدق التجا اور حظ قرب کے باعث، احسن و اشرف کا فیصلہ خود نہیں کرتا بلکہ اس کے انکشاف کا منجانب اللہ خواستگار ہوتا ہے کہ اس کو تو خط اپنے رب کی حضوری اور مکالمہ سے ہے وہ اس کا خواستگار ہے اور احسن خلق کے لیے اور مشورہ انتخاب کے لیے اشارہ کا منتظر رہتا ہے۔

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ دینا تصوف ہے جیسا وہ چاہے اور پسند کرے۔ جناب عمرو بن عثمان المکی فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اس حال میں مشغول رہے جو اس وقت میں افضل و اولیٰ ہے (اقتضائے وقت کا خیال رکھے جو اس وقت میں افضل اولیٰ ہے اس کو اختیار کرے۔

تصوف کا اول و اوسط و آخر

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ تصوف کا اول علم ہے اور اس کا اوسط عمل ہے اور آخر موہبت ہے (عنایات ایزدی) اور اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے ذکر با جماعت، وجد با سماعت اور عمل بہ تقلید وبیعت کا بعض حضرات کا قول ہے کو تصوف ترک تکلف اور بذل روح کا نام ہے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ کا ارشاد

حضرت سہیلؒ بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف، فکر سے خالی اور اللہ کے لیے انسانوں سے منقطع ہے اور جس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہے۔ بعض ارباب تصوف سے جب اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مخلوق کی موافقت سے دل کو صاف کرنا اخلاق طبیعی سے الگ ہونا، صفات بشری سے سرد ہو جانا (جمود پیدا کرنا) نفسیاتی خواہشات سے الگ تھلک ہو جانا، صفات روحانیہ کی منزل بننا، علوم حقیقہ سے تعلق پیدا کرنا اور شریعت میں حضرت رسول خدا ﷺ کی کامل اتباع کرنے کا نام تصوف ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کو ایک عورت کا جواب

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سواحل شام میں کسی جگہ ایک خاتون کو دیکھا۔ میں نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ بی بی تم کہاں سے آئی ہو، اس خاتون نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے پاس سے آئی ہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (جو خواب گاہوں کو اپنے پہلوں سے الگ رکھتے ہیں) یہ سن

کر میں نے کہا کہ تم کو کہاں جانا ہے؟ خاتون نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے پاس جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت کھیل میں ڈالتی ہے) یہ سن کر میں نے کہا کہ ان حضرات کی کچھ اور صفات بیان کرو تو اس خاتون نے یہ اشعار پڑھے۔

قَوْمٌ هُمُوْمُهُمْ بِاللّٰهِ قَدْ عَلِقَتْ ۔ فَمَا لَهُمْ هُمَمٌ تَسْمُوْ اِلٰی اَحَدِ
ارادے ان کے سارے اپنے خالق سے ہیں وابستہ ۔ نہیں ایسے وہ دوں ہمت کہ جوڑیں غیر سے رشتہ
فَمَطْلِبُ الْقَوْمِ وَ مَوْلَاهُمْ وَ سَيِّدِهُمْ ۔ يَا حُسْنِ مَطْلَبَهُمْ لِلْوَاحِدَ الصَّمَدِ
بس ان کا آقا و مولیٰ ہی ایک مقصود ہے ان کا ۔ ہے ان کا مقصد ومطلب خدائے واحد و یکتا
مَا اِنْ تَنَازَعْهُمْ دُنْيَا وَلَا شَرَفٌ ۔ مِنَ الْمَطَاعِمِ دَاللَّذَّاتِ وَالْوَلَدِ
نہیں دنیا سے مطلب کیا نزاع ہے کیسا ہے جھگڑا ۔ لذائذ سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ اولاد کا دھڑکا
وَلَا لِلَبْسِ ثِيَابٌ فَالِقٌ وَالُقٌ ۔ وَلَا لِرُوْحِ سرور حَلْ فِيْ الْبَلَد
لباس فاخرہ کی آرزو دل میں نہیں مطلق ۔ خوشی اور غم سے بالا ہے جو اس کوچے میں ہے آیا
اِلَّا مُسَارِعَةِ فِيْ اَثِرْ مُنْزِلَةٌ ۔ قد قارب الخطو فِيْهَا باعدا الابد
بس ان کو آخرت کے مرتبہ کی ایک خواہش ہے ۔ اسی مقصد کی خاطر ہے ابد سے بھی گریز ان کا
فهم رها من غدران واودية ۔ و فی الشوامخ تلقاهم مع العدد
ہوئے آباد وہ دنیا سے کٹ کر سیل گاہوں میں ۔ پہاڑوں کی بلندی پر ملے گا آستاں ان کا

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ صوفی زمین کی مثال ہے کہ اس پر ہر بڑی چیز ڈال دیتے ہیں لیکن اس میں سے جو چیز نکلتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے اور یہ قول بھی حضرت جنیدؒ ہی کا ہے کہ صوفی زمین کے مانند ہے جسے نیک و بد ہر ایک روندتا ہے اور وہ ابر کے مانند ہے کہ ہر ایک پر سایہ فگن ہوتا ہے اور بارش کی طرح ہے کہ ہر ایک سیراب کرتا ہے۔

تصوف کی بابت صوفیائے کرام کے ہزاروں اقوال موجود ہیں جن کا یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہم یہاں ایک ضابطہ بیان کئے دیتے ہیں جو تصوف کے معنی پر حاوی محیط ہے خواہ الفاظ مختلف ہوں لیکن معنی یکسانیت اور قربت ہوگی۔

صوفی وہ ہے جو اپنے اوقات کو ہمیشہ کدورت سے پاک رکھتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے قلب اور نفس کی گندگی سے ہمیشہ صاف کرتا رہتا ہے اور اس تصفیہ کو مدد اس امر سے پہنچتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مولیٰ کا محتاج رہتا ہے اس ہمیشہ کے فقر و احتیاج کے باعث وہ کدورتوں سے پاک رہتا ہے اور جب کبھی اس کا نفس جنبش میں آتا ہے اور اپنی صفات میں سے کسی صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو صوفی اپنی بصیرت نافذہ سے ادراک کر لیتا ہے اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے پس اس طرح اس کے اس تصفیہ دوامی کی بدولت اس کو جمیعت حاصل رہتی ہے (اگر اس کو اپنے نفس کی اس جنبش پر قابو نہ ہو تو اس سے اس کی جمیعت میں تفرقہ پڑ جائے اور صفا میں کدورت پیدا ہو جائے) اس طرح وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب کے ساتھ اپنے نفس پر (نگران) قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۝ (تم اللہ کے لیے قائم اور سیدھے گواہ عدل کے ساتھ ہو!) یہی قوامیت نفس پر اللہ کے لیے بالتحقیق تصوف ہے، بعض ارباب تصوف کا ارشاد ہے کہ تصوف سراپا اضطراب ہے (سراپا اضطراب کا نام تصوف ہے) اور وقوع سکون تصوف نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ روح بارگاہ الٰہی کی طرف کھینچی گئی ہے، مقصد اس کا یہ ہے کہ صوفی کی روح مقامات قرب کی طرف انجذاب کی گھات میں ہر وقت لگی رہتی ہے (یہی دوام اضطراب و سراپا اضطراب ہے) حالانکہ نفس اپنی حالت وضعیہ میں (جس طرح کہ وہ بنائی گئی اور وضع کی گئی) اپنے عالم (عالم نفوس) کی طرف تہ نشین ہونے والی ہے (جہان سکون ہی سکون ہے) لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انقلاب (الٹنا پلٹنا) بھی لگا ہے، رسوب کو ہمیشہ الٹا پلٹا بھی جاتا ہے پس صوفی کے لیے حرکت دوام ضروری ہے لیکن اس طرح کہ اس کے ساتھ ساتھ افتقار (فقرو محتاجی) اور دوامی فرار کے صفات بھی موجود ہوں اور اس کے ساتھ اصابت نفس کے مواقع پر بھی اس کی نظر ہو (جانتا ہو کہ نفس کب اور کہاں صواب اندیشی سے کام لے رہا ہے ایسے مواقع پر فرار نافع نہیں ہو گا بلکہ قرار کی ضرورت ہو گی بشرطیکہ صوفی ان مواقع کی چھان بین کرتا ہے) اب جو کوئی ہماری ان باتوں سے آگاہ ہو گیا وہ تصوف کے معنی میں ان تمام متفرقات کو پائے گا جو اشارات میں بیان کئے گئے ہیں یعنی تصوف کی تعریف میں جو متفرق اشارات کئے گئے ہیں وہ سب یہاں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

باب 6

صوفی کیوں نام رکھا گیا؟

رسول اللہ ﷺ صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے، سواری کے لیے گدھا استعمال فرماتے تھے اور صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے، اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس لباس کی ظاہری نسبت سے صوفیا نام رکھ دیا اور انہوں نے لباس اس لیے اختیار کیا کہ وہ ہلکا اور ملائم ہوتا ہے اور انبیاء علیہ السلام کا پہناوا رہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ روحا کے صخرہ (چٹان) سے ستر انبیاء علیہم السلام عبا پہنے ہوئے بیت الحرام جانے کے قصد سے گزرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ بھی ہے کہ "اِنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ كَانَ يَلْبِسُ الصُّوْفَ وَالشُّعَرَ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام صوف اور بالوں کا لباس پہنا کرتے تھے، ان کی غذا اور درختوں کے پھل تھے اور جہاں شام ہو جاتی وہیں رات بسر کرنے کے لیے رہ جاتے (وہی ان کی منزل اور مکان ہوتا تھا)

ستر اصحاب بدر صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر ایسے اصحاب بدر کو دیکھا ہے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے (جنگ بدر میں شریک تھے) حضرت ابو ہریرہ و حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ ان کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ بھوک کی شدت سے جب حضرات غش کھا کر زمین پر گر جاتے تو بدو لوگ ان کو دیوانہ سمجھتے تھے، ان تمام لوگوں کا لباس صوف (اون) کا تھا۔ جب ان حضرات میں سے کسی کو بہت زیادہ پسینہ آتا یا ان کے کپڑے بارش میں بھیگ جاتے تو ان سے بھیڑی (چرم جیسی) بو آنے لگتی تھی اور بعض اصحاب ایک دوسرے سے کہنے لگتے کہ ان کی بو نے تو ہم کو پریشان کر دیا ہے کیا تم ان کو ان کی بو ناگوار نہیں گزر رہی ہے اور کیا یہ لوگ اسی بو کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ان حضرات نے دنیا کی زینت ترک کر کے یہ صوف کا لباس اختیار کر لیا تھا اور انہوں نے سد رمق کھانے (بہت ہی تھوڑی خوراک) اور ستر عورت چھپانے پر قناعت کر لی تھی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آخرت کے معاملات میں مستغرق تھے۔ وہ اپنے مولیٰ اور آقا اور آخرت کے کاموں میں اس قدر اور اس طرح مشغول تھے کہ انھیں لذت و راحت کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

صوفی صوف سے مشتق ہے

اگر باعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ موزوں اور مناسب ہے کہ جب کوئی پشمین (صوف) کا لباس پہنتا تو عرب کہتے' "تصوف" یعنی صوف پہنا۔ جس طرح کوئی قمیص پہنتا ہے تو کہتے "قمص" اس نے قمیص پہنی! چونکہ ان کا حال عالم سیر و طیر کے مابین رہتا ہے اور ان کے اقوال بدلتے رہتے ہیں اور ایک بلندی سے دوسری بلندی پر ان کو عروج ہوتا ہے (ایک درجہ سے دوسرے درجہ پر عبور کرتے ہیں پس کوئی تعریف ان کو کماحقہ مقید نہیں کرتی اور نہ کسی تعریف سے ان کے احوال محدود ہو سکتے ہیں' اس کے مزید حال (ترقی) اور علم کے دروازے ان پر ہمیشہ کشادہ رہتے ہیں ان کا باطن مجمع علوم اور معدن حقیقت ہے اسی لیے ان کا کسی حال کے ساتھ مقید ہونا دشوار ہے جس کا سبب ہم بتا چکے ہیں کہ ان کا وجدان گوناگوں ہے پس ان کو کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا لہٰذا ان کو ان کے لباس ظاہری سے منسوب کرکے صوفی کہنے لگے۔ کہ اس لفظ سے ان کو موصوف اور منسوب کرنے میں ان کے اوصاف کی وضاحت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ پشمین لباس پہننا ان کے اسلاف (صوفیائے متقدین) کا لباس ہمیشہ سے شعار رہا ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں اس لیے اور بھی ان کو صوفی کہا جانے لگا کہ ان کا حال ویسا ہے جیسا مقربین بارگاہ خداوندی کا ہے پس اس صورت میں اگر قرب الٰہی سے ان کو منسوب و متصف کیا جاتا اور ان کی عظمت کی طرف اشارہ کرنا ایک امر دشوار تھا (کہ اس میں ان حضرات کا قطعی تعین نہیں ہو سکتا تھا) اس لیے ان کو حال (قرب) کو چھپانے اور ان کے باعظمت مقام کو اشاروں کی کثرت اور اس قربت الٰہی کے تذکرے کو عوام الناس کی زبانوں سے محفوظ رکھنے کے لیے محض لباس کی مناسبت سے ان کا نام صوفی رکھ دیا گیا[1] کہ یہی ادب کا تقاضہ تھا' اور ادب ہی وہ چیز ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل میں صوفیہ کا ہمیشہ سے اس پر مدار رہا ہے۔

لفظ صوفی کے استعمال کی ایک اور خاص وجہ

ارباب زہد و تقویٰ کو صوفی سے منسوب کرنے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ جب ان کو ان کے صوف سے منسوب اور متصف کیا گیا تو وہ اس امر کا بھی مظہر بن گیا کہ دنیا ان کے پاس بہت کم ہے اور نفسانی خواہشات کی طرف ان کو بہت کم رغبت ہے (نفس ہی نفیس اور اعلیٰ پہنے پر راغب کرتا ہے اور حرص دلاتا ہے) یہاں تک کہ جب کوئی فرد ان کی صحبت میں داخل ہوتا ہے اور ان کے طریقے کو اختیار کرتا ہے تو وہ بھی ان ہی کی طرح اپنے نفس کو تھوڑے پر قانع کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ لباس کی طرح اس کا کھانا پینا بھی اسی ڈھنگ اور طریقے کا ہونا چاہیے' یہی بات سمجھ کر وہ مرید نو ان کے طریقے میں داخل ہوتا ہے' مرید ابتدا ہی میں اس بات کو سمجھ لیتا ہے اور اگر کوئی دوسرا نام رکھا جاتا تو مبتدی کو اصل صفت[2] کے سمجھنے میں دشواری ہوتی۔

اس کے علاوہ اس نام سے منسوب کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ان کو صوفی کے نام سے پکارا جاتا ہے تو

1۔ اگر مقرب بارگاہ کے نام سے ان کو موسوم کیا جاتا تو ان کے حال کا اخفا نہیں ہو سکتا تھا اور ان کا قرب عوام الناس کی زبانوں پر چڑھ کر شہرت پا جاتا

2۔ مبتدی کو ان کے احوال کو سمجھنا کم کھانا اور معمولی لباس کے اختیار کرنے کے وصف کو سمجھنا ان کے لیے ایک مشکل امر ہوتا۔

روحانی حیثیت سے تو یہ ایک عظیم دعویٰ ہے اور حجت بتایا جاتا ہے کہ چونکہ یہ صوف کا لباس پہنتے ہیں اس لیے ان کو صوفی کہا جاتا ہے تو یہ معنی دعوے سے بالکل دور ہیں (اس میں کسی قسم کا دعویٰ نہیں ہے) اور جو چیز دعویٰ سے دور ہے وہی ان کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

لفظ صوفی کے استعمال کا ایک اور فائدہ

صوفیہ کا پشمین لباس کا پہننا ان کی ظاہری حالت کو ظاہر کرتا ہے ان کے کسی حال یا مقام کا تعلق ان کے باطن سے ہے پس اس صورت میں ظاہر کے ساتھ حکم کرنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اس نام سے تواضع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ صوفی نام کی ایک توجیہہ یا وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ ان حضرات نے شکستگی تواضع، انکسار، فروتنی اور گمنامی کو اپنا شعار بنالیا ہے تو وہ ایسے ہی ہو گئے جیسے پھٹے پرانے چیتھڑے جن کو پھینک دیتے ہیں اور کوئی ان کی حیثیت نہیں اور ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا پس اس صوفہ (چیتھڑوں) کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے!

لفظ صوفہ سے صوفی اسی طرح ہے جسے کوفہ سے کوفی یہ توجیہہ بعض اہل علم حضرات نے پیش کی ہے اور کہتے ہیں کہ لفظی اشتقاق کے اعتبار سے یہ درست ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ سے زاہد، عابد اور متقی لوگوں کا لباس اسی صوف کا رہا ہے۔

کیا صوفی صفہ سے منسوب ہے؟

شیخ ابوزرعہ طاہرؒ نے اپنے مشائخ کی سندوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَوْمَ كَلَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صَوْفٍ وَ سَرَاوِيْلُ صَوْفٍ وَ كِسَاءُ صَوْفٍ وَعَةٌ مِنْ صَوْفٍ وَ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ غَيْرِ مَزْكِى (الحديث)

کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (طور پر) کلام فرمایا تو وہ صوف کا جبہ صوف کی شلوار اور صوف کی چادر جس کی آستینیں بھی صوف کی تھیں پہنے ہوئے تھے اور آپ کے پاؤں میں گدھے کی کھال کی جوتیاں تھیں جو بغیر کمائے ہوئے چمڑے کی تھیں

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان حضرات کا نام صوفیہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی علوہمت اور اس سے دلی تعلق رکھنے اور اس کے سامنے اپنے باطنی اسرار پیش کرنے کے باعث صف اول میں ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ اسم دراصل صفوی تھا جو اپنے ثقل کے باعث صوفی بن گیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ صوفیہ نام صفہ کی نسبت سے رکھا گیا ہے جو رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں غریب اور نادار مہاجرین کے پڑ رہنے کے لیے ایک چبوترہ تھا ان غریب و نادار مہاجرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ○

یہ ان ناداروں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں محصور ہوئے (روکے گئے) اور وہ زمین پر سفر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

اگرچہ صفہ سے مشتق ہونا اشتقاق لغوی کے قاعدے کے اعتبار سے درست نہیں ہے لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے کہ صوفیہ کا حال اصحابہ صفہ کے حال سے بالکل مشابہہ رہا ہے کہ یہ اصحاب بھی اہل صفہ کی طرح باہم مل جل کر رہتے ہیں آپس میں الفت و محبت ہے جس طرح اصحاب صفہ کو' ان کی تعداد تقریباً چار سو افراد تھی اور مدینہ منورہ میں ان کا نہ کوئی خاندان تھا نہ کوئی کنبہ وہ سب کے سب مسجد نبویؐ کے اس چبوترے پر رہتے تھے جس طرح صوفیہ خانقاہوں اور زاویوں میں رہتے ہیں' اصحاب صفہ نہ کھیتی باڑی کرتے تھے نہ ان کے پاس دودھ والے جانور تھے اور نہ وہ تجارت کرتے' وہ دن بھر لکڑیاں چنتے اور کھجور کی گھٹلیاں توڑتے اور تھکے ہوئے رات کو عبادت کرتے اور قرآن مجید ان کو پڑھایا جاتا اور پھر وہ اس کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے' رسول اکرم ﷺ ان کی دلدہی اور غمخواری فرمایا کرتے تھے اور اپنے اصحاب کرام کو بھی ان کی غمخواری پر آمادہ فرماتے' حضور ﷺ انکے پاس بیٹھتے اٹھتے اور ان ہی کے ساتھ کھاتے پیتے۔

بارگاہ الٰہی میں اہل صفہ کی شان

اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب صفہ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

اور اے پیغمبر! ان لوگوں کو مت نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے خواہاں ہیں۔

اور دوسری یہ آیت

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

آپ خود ان لوگوں کے ساتھ صبر اختیار کریں جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔

اور یہ آیت کریمہ ابن ام کلثوم کے بارے میں نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○

آپ نے تر شروئی اختیار کی (چین بجبیں ہوئے) اور منہ بھی پھیر لیا جب آپ کے پاس وہ نابینا آیا!

حضرت ابن ام مکتوم اصحاب صفہ میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنے رسول اکرم ﷺ کی بے اعتنائی کو پسند نہیں فرمایا اور اس کا اظہار فرمایا (تو یہ شان تھی حضور احدیت میں اصحاب صفہ کی) رسول اکرم ﷺ جب ان سے مصافحہ فرمایا کرتے تھے تو آپ مصافحہ سے ہاتھ خود نہیں کھینچتے تھے تاوقتیکہ وہی جدا نہ کرتے' اہل صفہ کی معاشی کفالت کے لیے حضور اکرم ﷺ ان کو خوشحال لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے (خوشحال اصحاب کے حوالے فرما دیتے تھے) ایک ایک صحابی کے ساتھ تین تین اور چار چار اصحاب صفہ کو بھیج دیا کرتے تھے' حضرت سعد بن معاذ ان میں سے اسی حضرات کو اپنے گھر لے جاتے اور ان سب کو کھانا کھلاتے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اصحاب صفہ سے ستر ایسے اصحاب کو

دیکھا کہ بس وہ ایک ہی کپڑے سے نماز پڑھتے تھے ان میں سے بعض حضرات تو ایسے تھے کہ ان کا کپڑا ان کے زانو تک بھی نہیں آتا تھا جب وہ رکوع کرتے تو ہاتھ سے اس کپڑے کو پکڑ لیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستر کھل جائے۔

اہل صفہ کا فقر اور رسول اکرم ﷺ کی تسلی

اصحاب صفہ میں سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک دن ہم کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھواروں نے تو ہمارے پیٹ تباہ کر دیئے (جلا دیئے) پیٹوں میں سوزش رہنے لگی ہے' رسول خدا ﷺ ان کی یہ شکایت سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے جو کہتے ہیں کہ چھواروں نے ہمارے پیٹ میں سوزش پیدا کر دی ہے! کیا تم نہیں جانتے کہ یہ چھوارے مدینے والوں کا کھانا ہے اور اسی کے ساتھ اہل مدینہ نے ہماری غمخواری کی ہے اور اسی سے ہم نے تمہاری غمخواری کی! میں قسم کھاتا ہوں اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ دو مہینے ہو گئے ہیں محمدؐ کے گھر سے دھواں نہیں اٹھا (کوئی چیز گھر میں نہیں پکی ہے) اور گھر والوں کے پاس پانی اور کھجوروں کے سوا کچھ نہیں ہے!

اہل صفہ کو رسول خدا ﷺ کی بشارت

شیخ ابوالفتوحؒ محمد بن عبدالباقی باسناد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول کریم ﷺ اصحاب صفہ کے پاس تشریف لے گئے جب آپ نے ان کا فقر' عبادت میں ان کی جدوجہد اور اس حال میں بھی ان کی خوش دلی کو ملاحظہ فرمایا تو ان سے فرمایا کہ اے اصحاب صفہ! تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جو کوئی ان خوبیوں پر قائم رہے گا جن پر آج تم لوگ قائم ہو۔ اور اس حالت پر خوش رہے گا تو وہ یقیناً قیامت کے دن میرا رفیق ہو گا۔

اہل خراسان ان لوگوں کو شگفتیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں

کہتے ہیں کہ انہی حضرات میں سے کچھ حضرات خراسان میں ایسے ہیں جو غاروں اور کھوہوں میں رہتے ہیں اور انہوں نے شہر و قریہ کی سکونت کو ترک کر دیا ہے' خراسانی ان حضرات کو شگفتیہ کہتے ہیں "شگفت" ایک غار کا نام ہے جس میں ان میں سے بعض حضرات رہتے ہیں لہٰذا ان کو اسی غار سے منسوب کر دیا۔ اہل شام ان حضرات کو "جوعیہ"[1] کہتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے صاحبان فوز و فلاح کا ذکر متعدد بار کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کو ابرار کے نام سے اور ایک کو مقربین کے نام سے موسوم کیا ہے۔ بعض مقامات پر انہی لوگوں کو صابرین - صادقین - ذاکرین - محبین (صابروں - صادقوں - ذاکروں اور محبوں) کے الفاظ سے ذکر کیا ہے' بہر حال لفظ صوفی ان تمام متفرق ناموں پر جو مذکور ہوئے محیط و حاوی ہے' ہاں یہ ضرور ہے کہ لفظ صوفی (صوفی کا نام) حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود نہیں تھا (ان مذکورہ بالا ہستیوں کو صوفی کے لفظ سے موسوم نہیں کیا جاتا تھا) کہتے ہیں کہ یہ لفظ تابعین کے زمانے میں استعمال کیا گیا۔

---

(1) لیکن اس نام سے اب کوئی گروہ مشہور نہیں ہے۔

ابو الہاشم پہلے صوفی ہیں

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے ایک صوفی کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا میں نے اس کو کچھ دینا چاہا لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میرے پاس چار دمڑیاں (کوڑیاں) ہیں جو میرے لیے کافی ہیں (اس سے بھی لفظ صوفی کا استعمال حسن بصریؒ کے عہد میں پایا جاتا ہے) اس روایت کی تائید میں یہ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی باریک باتوں سے واقف نہ ہوتا) مجھے انہوں نے بتایا میں نے ان سے سیکھا کہ ریاکاری کیا چیز ہے) یہ روایت امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لفظ (صوفی) قدیم زمانے سے مشہور و معروف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ دوسری صدی ہجری تک استعمال نہیں کیا گیا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مسعود میں آپؐ کے اصحاب ایک دوسرے کے لیے لفظ صحابی استعمال کرتے تھے۔ اور ان حضرات کے لیے رسول خدا ﷺ کے شرف صحبت سے متصف ہونے سے افضل اور بہتر اور کون سا اشارہ یا نام ہو سکتا تھا۔

عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد مسلمانوں کی عام حالت

رسول خدا ﷺ کا عہد مسعود ختم ہونے کے بعد جن حضرات نے صحابہ کرام سے تعلیم حاصل کی (اور شرف صحبت پایا) انکو تابعی کے نام سے موسوم کیا گیا لیکن جب عہد رسالت اور انقطاع وحی کو مدت مدید گزر گئی اور نور مصطفوی ﷺ روپوش ہوئے ایک عرصہ گزر گیا لوگ مختلف الآرا ہو گئے اور لوگوں کے راستے الگ الگ ہو گئے اور ہر صاحب الرائے اپنی رائے میں خود رائے ہو گیا اور اس طرفہ خیالی اور آزادروی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نفسیاتی خواہشات نے علمی فضا کو مکدر کر دیا' پرہیزگاروں کی بنیادیں ہل گئیں اور زاہدوں کے ارادے متزلزل ہو گئے' جہالتوں نے غلبہ پالیا اور اسکے کثیف پردے دلوں میں پڑ گئے' عادتیں بگڑ گئیں اور ارباب دنیا مزخرفات دنیا میں گھر گئے اور خطا کاریوں میں مبتلا ہو گئے' لوگ اعمال صالح کو چھوڑ بیٹھے۔ بد اعمالیوں میں گرفتار ہو گئے۔ نہ صدق عزیمت ان میں باقی رہی اور نہ قوت دینی' اور یہ سب دنیا اور دنیا کی محبت میں پھنس کر رہ گئے[1]

تصوف کی بنیاد کس طرح پڑی

ایسے ناشائستہ اور غیر صالح ماحول میں کچھ حضرات نے عزلت اور گوشہ نشینی کو غنیمت سمجھا اور زاویوں میں جا کر بیٹھ گئے کبھی کبھار وہاں یہ لوگ جمع ہوتے اور پھر الگ ہو جاتے' ان میں اہل صفا کا نمونہ موجود تھا' اسباب کو انہوں نے چھوڑ دیا اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ انکے نیک اعمال کے اچھے نتائج بر آمد ہوئے اور اس ریاضت کے باعث ان میں صفائے فہم پیدا ہوئی اور علوم الہیہ کے قبول کرنے کے لائق بن گئے اور اسطرح ان کو ظاہری زبان کے ساتھ ساتھ باطنی زبان اور عرفان حاصلہ سے ایک اور نیا عرفان حاصل ہوا اور اسطرح ایمان ظاہری کے ساتھ ہی ساتھ وہ ایمان باطنی سے بھی بہرہ ور ہو گئے جیسا کہ حضرت حارثہؓ

نے فرمایا کہ جب مجھے غیر معمولی ایمان کے مرتبہ کا کشف ہوا جو عام لوگوں میں نہیں پایا جاتا تو اس وقت میں حقیقی اور صحیح معنوں میں مومن بن گیا' ان علوم نے ان زاویہ نشینوں اور گوشہ نشینوں کو نئے علوم سے واقف کرایا اور انہوں نے ان علوم جدیدہ کے لیے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو ان کے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے وجدان و باطنی کیفیات کو ظاہر کر سکیں انہی اصطلاحات اور انہی علوم جدید کو تعلیمات تصوف یا تصوف کہا جانے لگا اور پھر اخلاف نے اپنے اسلاف سے اسکی تعلیمات حاصل کرنا شروع کیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہو گیا اور یہاں تک کہ زمانہ مابعد میں اس نے ایک باقاعدہ علم و رسوم کی شکل اختیار کرلی اور اسی وقت سے یہ لفظ صوفی بھی ان میں رائج ہو گیا اور یہ حضرات خود بھی اسی نام سے موسوم ہو گئے (صوفی کہلائے) پس اس وقت سے یہ علم انکی نشانی ہے اور علم الٰہی ان کی صفت ہے' عبادت الٰہی ان کا سراپا ہے اور تقویٰ ان کا لباس ہے' حقیقت الٰہیہ کے اسرار انکے حقائق ہیں۔

صوفی کی تعریف

یہ حضرات (جو فضائل کے مالک ہیں) اپنے کنبوں اور قبیلوں کو چھوڑ کر اور ان سے منہ موڑ کر غیرت کے قبوں میں رہتے ہیں اور حیرت کی دنیا میں آباد ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے لحظہ بہ لحظہ ترقی و صعود کی جانب رواں ہیں' محبت کی آگ ان کے دل میں شعلہ زن ہے اس پر بھی ان کی تشنگی کا یہ عالم ہے کہ ھل من مزید (ہے کوئی جو اور زیادہ کرے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ الٰہی! ہمارا حشر اسی گروہ کے ساتھ کرنا اور ان کے حالات باطنی ہم کو نصیب فرمانا! واللہ اعلم۔

---

(۱) عہد بنوامیہ اور بنی عباس کی تاریخ ملاحظہ کیجئے۔ مصنف علام کا ایک ایک لفظ ان دونوں ادوار کی اخلاقی اور ایمانی حالت پر صادق آتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے میری ترجمہ تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطیؒ" (شمس)

باب 7

صوفی اور صوفی سے مشابہ افراد

ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردیؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کب آئے گی؟ رسول خداؐ (اس شخص کو جواب دیئے بغیر) نمار کے لیے کھڑے ہو گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں! آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لیے کیا سامان کیا ہے (کچھ تیاری کی ہے؟) اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادہ نماز اور روزہ کا سامان تو نہیں کر سکا ہوں بہت زیادہ روزے میں نے نہیں رکھے اور نہ بہت زیادہ نماز پڑھی ہے) اور عمل کثیر کی کوئی تیاری میں نے نہیں کی ہے سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے یعنی تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے بعد مسلمانوں کو میں نے کبھی اتنا خوش و خرم نہیں دیکھا جس قدر کہ وہ اس ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسرور ہوئے۔

متشبہ صوفی، صوفی حقیقی کے ساتھ ہو گا

پس وہ شخص جو صوفیہ سے مشابہ ہے یا اس نے ان سے تشبہ اختیار کیا ہے اور کسی دوسرے گروہ سے تشبہ اختیار نہیں کیا ہے اور ان کی محبت میں محو نہیں ہے اگرچہ وہ ان اوصاف کے حاصل کرنے سے قاصر ہے جو صوفیہ میں موجود ہیں تو وہ بھی صوفیہ کے ساتھ ہو گا اس لیے کہ متشبہ کو صوفیہ کے ساتھ ارادت و محبت ہے (ہر چند کہ اس میں وہ اوصاف نہیں) جو حدیث ہم نے بیان کی ہے اس سے واضح تر یہ حدیث ہے جسے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص کسی جماعت سے محبت تو کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرتا تو اس کے ساتھ کیا صورت پیش آئے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذرؓ! تم اسی کے ساتھ ہو گے جس کے ساتھ محبت کرتے ہو! یہ سن کر ابوذرؓ نے عرض کیا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہوں، حضور نے فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو! حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے یہی بات پھر دوہرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی ارشاد فرمایا جو پہلے ارشاد کیا

متشبہ کا مقام

بہر حال جو لوگ حضرات صوفیہ سے تشابہہ رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں یہ ان کی اسی روحانی بیداری کا نتیجہ ہے جو صوفیہ میں موجود ہے اس لیے کہ اللہ اور اللہ سے محبت رکھنے والے افراد کے کاموں سے محبت رکھنا روحانی کشش ہی کا نتیجہ ہے پس دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مشابہہ افراد کی راہ (قرب) میں نفسانی تاریکیاں حائل ہیں اور صوفی اس ظلمت روحانی سے آزاد ہو چکا ہے' اور متصوف صوفی کے درجہ تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہے پس متصوف اور متشبہ میں مماثلت صرف اتنی بات میں ہے کہ یہ دونوں نفسانی خواہشات میں ایک دوسرے کے شریک ہیں- متشبہ میں بھی نفسانی خواہشات باقی ہیں اور متصوف میں بھی

صوفیہ اپنے مکاشفات کے باعث دوسروں سے ممتاز ہیں

حضرات صوفیہ کے طریق کار کا آغاز ایمان سے ہوتا ہے' ایمان کے بعد علم کا درجہ ہے اور آخر میں وجدان اور ذوق کا پس متشبہ یہی صاحب ایمان ہے' اس ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو صوفیہ کے طریقے کے مطابق ہو اور یہی ایمان تصوف کی عظیم بنیاد ہے- حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے کہ ہمارے مسلک کے مطابق ایمان لانا ولایت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ اپنے احوال نادرہ' اور آثار غریبہ و عجیبہ کے باعث اکثر مخلوق کے نزدیک ممتاز ہیں- اس لیے کہ ان حضرات کو اپنے مکاشفہ کے ذریعہ قضاو قدر اور علوم غریبہ کا علم حاصل ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عظیم حکم اور قرب کی جانب اشارہ کئے ہیں اور ان سب باتوں پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے برابر ہے قوم کے اکثر افراد نے کرامات اولیاء سے انکار کیا ہے حالانکہ جیسا ابھی ہم نے بیان کیا ہے ان کرامات پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے مترادف ہے درحقیقت صوفیہ حضرات کے پاس اس قبیل کا علم موجود ہے' پس ان کے طریقے پر وہی لوگ ایمان لائیں گے جو مزید فضل خداوندی سے مختص اور مخصوص ہوں گے-

متشبہ اور متصوف کا فرق

مذکورہ تصریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ متشبہ صاحب ایمان ہے اور متصوف صاحب علم ہے کیوں کہ اس نے ایمان لانے کے بعد صوفیہ کے طریقہ کے مطابق مزید علم حاصل کر لیا ہے جس کے باعث اس کی معلومات میں اور صلاحیت میں اضافہ ہو گیا اور مزید علم سے اس کے اتمام و کمال پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور صوفی صاحب ذوق ہے پس جو صادق متصوف ہے صوفی کے حال سے کسی حد تک بہرہ ور ہے اسی طرح متشبہ کو بھی صوفی کے حال سے کچھ حصہ ملا ہے (اس صورت میں دونوں صوفی سے کچھ حصہ ضرور پاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ ایسا صاحب حال جسے ذوق میسر ہے اس کو اپنے درجہ سے بلند اور اعلیٰ درجہ کا علم بذریعہ مکاشفہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ وہ اپنے پہلے حال میں تو صاحب ذوق ہے اور اس حال میں جس کا اس کو کشف ہوا ہے وہ صاحب علم ہو گا اور جب اس سے بلند درجہ پر پہنچے گا تو وہ صاحب ایمان ہو جائے گا- پھر جس طریق پر وہ گامزن ہے اس سے وہ

کبھی نہیں ہٹے گا۔ اس طرح مرتبہ ذوق میں وہ صاحب قدم اور حال علم میں وہ صاحب نظر اور اس سے بلند حالت میں صاحب ایمان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ عَلَی الْاَرَائِکِ یَنْظُرُوْنَ ○ بے شک نیک بندے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے۔ دیکھ رہے ہوں گے۔

اس ارشاد باری میں نیک بندوں کی تعریف کی گئی ہے' ان کو جو شراب (شربت) عطا ہو گی اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اس شراب میں تسنیم کے چشمے کی شراب کی آمیزش ہے جس کو یہ مقربین پییں گے

یعنی شراب ابرار میں مقربین کی شراب کی آمیزش ہو گی' یعنی جسے مقربین صرف کریں گے۔ پس صوفی کے لیے یہ شراب خالص ہے اور متصوف کی شراب میں اس کی آمیزش ہے اور متصوف کی شراب سے متشبہ کی شراب میں میل ہے۔ لہٰذا صوفی بساط قرب سے مرکز روح تک پہنچنے میں سبقت حاصل کر گیا (اور متصوف وہاں تک نہ پہنچ سکا) اس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ متصوف صوفی کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے زاہد کے مقابلے میں تزہد (یعنی تزہد کے عمل میں کوشش اور عمل کا دخل ہے) تزہد کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ متصوف' تصوف اور روحانیت کے طریقے پر گامزن ہے اور اس راہ میں جدوجہد کر رہا ہے۔

صوفی کو مقام مفردین حاصل ہے

رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے: سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفْرِدُوْن ○ (چلو بڑھو کہ مفردین آگے بڑھ گئے ہیں) یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ "مفردین" کون ہیں؟ حضور ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مفردین! ذکر الٰہی پر وہ شیفتہ اور فریفتہ لوگ ہیں جن کے بوجھ ان کے ذکر نے ان سے اتار دیئے ہیں اور قیامت کے دن وہ ہلکے پھلکے اور سبک بار آئیں گے۔ پس صوفی انہی مفردین کے مقام میں ہیں اور متصوف مقام سایرین (چلنے اور سفر کرنے والے) میں ہیں وہ اپنی اس روحانی سیر میں ذکر الٰہی اور مراقبہ قلبی کے توسط سے قلب کے مرکز تک پہنچ جائیں گے اور اپنے قلب کی نگرانی اور مراقبت اور درست نگاہی کی بدولت اس مقام پر باریاب ہو جائیں گے جہاں اللہ تعالیٰ دل پر نظر فرماتا ہے۔

لہٰذا صوفی کی تلوین (ایک حال سے دوسرے حال میں پہنچنا) اس کے قلب کے وجود سے ہے اور متصوف کی تلوین اس کے نفس کے وجود سے قائم ہے لیکن یہ تلوین' متشبہ کو میسر نہیں' اس لیے کہ یہ تلوین صرف ارباب حال کے لیے ہے اور متشبہ افراد ارباب حال نہیں ہیں بلکہ وہ سالک اور طالب حقیقت ہیں اور صاحب حال کی منزل پر ابھی نہیں پہنچے ہیں۔ لیکن یہ سب دائرہ اصطفا میں شامل ہیں۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کا ذکر کس طرح کیا گیا ہے!

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ پھر ہم نے کتاب (قرآن مجید) کا وارث ان بندوں کو بنایا جن کو ہم نے

اَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ

اپنے دوسرے بندوں سے چن لیا (انتخاب کر لیا) تھا ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے اور کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے تھے اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے۔

اس آیت کی تشریح میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظالم سے مراد زاہد' مقتصد سے مراد عارف اور سابق سے مراد عاشق الٰہی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ظالم وہ ہے جو مصیبت اور آزمائش کے وقت جزع و فزع کرے (گھبرا جائے' پریشان ہو جائے) اور مقتصد وہ ہے جو بلاؤں پر صبر کرے اور سابق وہ ہے جو بلاؤں سے لطف اندوز ہو۔ (مصیبت کو لذت خیال کرے) ایک اور بزرگ نے ان تینوں گروہوں کی یہ توجیہہ کی ہے کہ ظالم وہ ہے جو غفلت اور اپنی عادت کے ساتھ مصروف عبادت ہو۔ مقتصد وہ ہے جو رغبت اور خوف الٰہی سے مصروف عبادت ہو اور سابق وہ ہے جو ہیبت اور احسان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو!

ایک اور بزرگ نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے کہ ظالم وہ ہے جو ذکر الٰہی صرف اپنی زبان سے کرے' مقتصد وہ ہے جو خدا کا ذکر اپنے قلب سے کرے اور سابق وہ جو اپنے رب کو کبھی فراموش نہ کرے۔ حضرت عاصم انطاکیؒ اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ظالم سے مراد صاحب اقوال ہے اور مقتصد صاحب احوال ہے۔ مذکورہ بالا آیت کی توضیح و تشریح میں جس قدر اقوال ہم نے بیان کئے ہیں وہ متشبہ (مشابہہ) متصوف اور صوفی کے حالات سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ یہ سب حضرات اہل فلاح و نجاح ہیں[1] اور سب کے سب دائرہ اصطفاء میں داخل ہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کی بخشش خاص سے نسبت رکھتے ہیں (ان سب پر اللہ تعالیٰ کی عطائے خاص ہے)

ظالم' مقتصد اور سابق ہر ایک جنت میں داخل ہو گا

حضرت شیخ رضی الدینؒ ابو الخیر احمد بن اسماعیلؒ سے باسناد شیوخ' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ الخ یہ جو تین قسم کے لوگ بیان کئے گئے ہیں یہ سب کے سب جنتی ہیں۔ ابن عطا کہتے ہیں کہ ظالم[2] وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو آخرت کی وجہ سے خدا سے محبت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جس نے اپنے مطالب و مقاصد کو اللہ تعالیٰ کی مراد میں فنا کر دیا ہے (خود ان کا ارادہ و مقصد کچھ نہیں ہے) یہی درجہ اور حال صوفی کا ہے۔

متشبہ یا مشابہہ وہ شخص ہے جو صوفیہ کرام کا حال مشاہدہ کر کے ان کے قریب رہنے کی خواہش کرتا ہے اور اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے اور آئندہ چل کر یہی قرب اس کے لیے ہر خیر کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

---

[1] "نجاح" رہائی۔ نجات قید و بند سے آزاد ہونا 2۔ ظالم کے قارئین وہ معنی نہ سمجھ لیں جو عرف عام میں مشہور ہیں یہاں ظالم کے وہ اصطلاحی معنی مراد ہیں جو بیان کئے گئے ہیں یعنی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اور یہ مقبول بارگاہ خداوندی ہے۔

متشبہ یا مبتدی کا طریقہ ہدایت

میرے شیخ ابو النجیب سہروردیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دنیا دار حضرت شیخ احمد غزالیؒ[1] کے پاس آیا اور (یہ وہ وقت تھا کہ میں اصفہان میں مقیم تھا) وہ شخص حضرت احمد غزالیؒ سے خرقہ حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ شیخ نے فرمایا کہ تم فلاں شخص کے پاس جاؤ کہ وہ تم کو خرقہ کے معنی اور مفہوم سے آگاہ کر دے وہاں سے جب تم آؤ گے تو تم کو خرقہ دوں گا۔ اس گفتگو میں جس شخص کے پاس جانے کا آپ نے اشارہ کیا تھا اس سے مقصود میری ذات تھی چنانچہ وہ شخص میرے پاس آیا میں نے اس کو خرقہ کے معنی اس کے آداب اور اس کے مقتضیات سے آگاہ کیا۔

میں نے اس کو یہ بھی بتایا کہ اس کو پہننے کا حقدار کون ہے' میری باتیں سن کر اس کو خرقہ پہننا بہت ہی دشوار معلوم ہوا اور اس کو پہننے سے تذبذب میں پڑ گیا۔ (کبھی چاہتا پہنے اور کبھی خیال کرتا کہ نہ پہنے) حضرت شیخ کو جب معلوم ہوا کہ میری باتوں سے طلب خرقہ کے بارے میں اس کے خیالات بدل گئے ہیں تو آپ نے مجھے بلا کر ملامت کی اور فرمایا کہ میں نے اس شخص کو تمہارے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ تم اس سے اس قسم کی گفتگو کرو کہ اس کے دل میں خرقہ پہننے کی رغبت زیادہ ہو جائے لیکن تم نے اس سے اس طرح بات چیت کی اور اس کو خرقہ کے بارے میں کچھ بتایا کہ اس کی ہمت ہی ٹوٹ گئی۔ اگرچہ تم نے جو کچھ اسے بتایا وہ درست اور صحیح تھا اور خرقہ پوشی کے حقوق وہی ہیں جو تم نے بتلائے لیکن اگر ہم مبتدی کے لیے ایسی تمام باتیں ضروری قرار دیں تو پھر وہ اکھڑ جائے گا۔ نفرت کرنے لگے گا اور ان شرائط پر قیام سے اپنے عجز کا اظہار کرے گا پس ہم ان شخص کو خرقہ پہنا دیں گے تاکہ کم از کم وہ ہماری جماعت سے مشابہہ ہی ہو جائے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ جب وہ صوفیہ کے لباس میں ہو گا ان کی محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہو سکے گا اور اس طرح ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور خلط ملط ہونے کی برکت سے اور ان کی عادات و اطوار کا مطالعہ کر کے ان کے مسلک سے اس کی دلچسپی بڑھے گی اور وہ چاہے گا کہ وہ بھی اس راستے پر چلے اور اس طرح اس کو ان بزرگوں کے احوال سے کچھ حاصل ہو جائے گا۔

حضرت شیخ احمد الغزالیؒ کے اس قول کے مطابق ہمارے شیخ کا ارشاد ہے جو انہوں نے چند واسطوں سے حضرت جنیدؒ کا قول دوہرایا ہے کہ انہوں نے فرمایا جب تم کسی درویش سے ملاقات کرو تو اس سے علمی گفتگو نہ کرو بلکہ نرم کلامی سے آغاز کرو' کیونکہ اگر علمی گفتگو شروع کر دو گے تو اس کو وحشت ہونے لگے گی لیکن نرم کلامی سے وہ تم سے مانوس ہو جائے گا۔

بہر حال صوفیہ حضرت جب متشبہ افراد سے نرم کلامی اختیار فرماتے ہیں تو اس سے ایک طالب حقیقت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ پس جو شخص مرتبہ میں جس قدر کامل اور علم سے مالا مال ہو گا اسی قدر وہ مبتدیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک سے پیش آئے گا۔

اس سلسلے میں ایک بزرگ کا واقعہ

کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ کے ساتھ ان کا ایک مرید طالب علم رہتا تھا' یہ بزرگ اس کی وجہ سے خوب خوب ریاضت

[1] امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ کے برادر محترم۔ (مترجم)

رہتے اور مجاہدات میں مشغول رہتے تاکہ ان کا مبتدی مرید ان مجاہدات و ریاضات کو اچھی طرح دیکھ لے اور ان سے ادب و اخلاق حاصل کرے اور اپنے عمل میں ان کی اقتداء کرے اور یہی وہ نرمی کا طریقہ ہے کہ جب اس کو کسی معاملہ میں اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی زیب و زینت بڑھ جاتی ہے (یعنی نمونہ پیش کرکے تقلید کی طرف آمادہ کیا جاتا ہے زبردستی مائل نہیں کیا جاتا)

لہٰذا ایک سچا متشبہ صوفیہ کے طریقے پر ایمان لاتا ہے اور ان کے سلوک و اجتہاد کے مطابق عمل کرتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ صاحب مراقبہ اور صاحب مشاہدہ صوفی بن جاتا ہے لیکن جو متشبہ متصوف اور صوفی کے اعمال اور حال کی تقلید نہیں کرتا اور نہ وہ ان کے ابتدائی ضوابط اور اصول پر عمل کرتا ہے صرف وہ ظاہری لباس اور شکل و صورت ان جیسی بنالیتا ہے' ان کی سیرت اور عادتوں کو اختیار نہیں کرتا وہ صوفی کے مشابہہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کو مشتبہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے اعمال و احوال صوفیہ کی تقلید نہیں کی بلکہ صرف (وہ ظاہری طور پر ان سے مشابہہ ہو گیا ہے' بایں ہمہ ان صوفیائے کرام کی صحبت میں جو کوئی بیٹھے گا وہ بے بہرہ نہیں رہے گا۔ کہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم سے شمار ہو گا۔ پس متشبہ کا شمار بھی صوفیہ میں ہو گا۔

نیکوں کا ہم نشین بھی ناکام و نامراد نہیں رہتا

شیخ ابوالفتح محمد بن سلیمان نے اپنے مشائخ کے واسطوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ

"لوگوں کے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ بھی کچھ فرشتے ہیں جو راہوں پر گشت کرتے ہیں اور مجالس ذکر کو ڈھونڈھتے ہیں (کہ اللہ کا ذکر کہاں ہو رہا ہے) تو جب وہ کسی جماعت کو مصروف ذکر پاتے ہیں تو وہ باہم ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ آؤ! آؤ!! مقصود مل گیا جس محفل کی تلاش تھی وہ محفل مل گئی پس وہ اصحاب جماعت کو اپنے بازوؤں میں آسمان تک ڈھک لیتے ہیں سب اللہ تعالیٰ (وہ سب سے بڑا علیم و خبیر ہے) فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے تھے فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی! وہ تیری حمد و ثناء بیان کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے کیا مجھے ان لوگوں نے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں تو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مجھے دیکھ لیتے تب کیا ہوتا! فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ اور بھی زیادہ تیری تمجید و تحمید کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں کہا وہ تجھ سے طلبگار بہشت ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں! تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اگر بہشت کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اس کے حصول کی آرزو' طلب اور زیادہ پیدا ہوتی' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور کیا کہتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا نہیں! تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے دیکھتے تو! تب! فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ اور زیادہ پناہ مانگتے' اور اس سے بھاگتے' پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم اس پر گواہ رہنا کہ بے شک

و شبہ میں نے ان کو بخش دیا۔ پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ الہ العالمین ان میں سے ایک شخص وہاں موجود نہیں ہے وہ فقط ایک ضرورت سے آیا تھا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ باہم ہم نشین اور ہم صحبت ہیں پس ان کا ایک ہم نشین اور ہم صحبت بے نصیب اور بے بہرہ نہیں رہے گا (ہم اس کو بھی جنت عطا فرمائیں گے) پس صوفیہ کا ہم جلیس اور ان کا متشبہ اور محب (الطاف الٰہی سے) محروم نہیں رہتا۔

باب 8

فرقہ ملامتیہ اور ان کے احوال

ملامتی کسے کہتے ہیں

بعض صوفیہ کا ارشاد ہے کہ ملامتی وہ ہے جو خیر کو ظاہر نہ کرے اور اپنے شر کو بھی نہ چھپائے، اس کی توضیح یہ ہے کہ چونکہ ملامتی کے رگ و پے اخلاص سے لذت یاب ہوتے ہیں اور وہ سراپا صدق بنجاتا ہے اس لئے وہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے احوال و اعمال سے کسی کو خبر ہو (کہ یہ بات منافی اخلاص ہے)۔

شیخ ابوزرعہؒ طاہر بن ابو الفضل المقدسی نے اپنے شیوخؒ کی اسناد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور اخلاص کیا ہے؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت جبریل (علیہ السلام) سے اخلاص کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے رب العزت جل شانہ سے اخلاص کے بارے میں معلوم کیا تو رب العزت نے فرمایا کہ وہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جس کو میں اپنے بندوں میں سے اس شخص کے دل میں بطور امانت رکھ دیتا ہوں جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔"

پس ملامتہ کے لئے مزید اختصاص بس یہی ہے کہ وہ اخلاص کی راہ پر گامزن ہیں اور اخلاص سے متمسک ہیں، یہ لوگ اپنے احوال و اعمال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی میں ان کو لطف آتا ہے، اپنے احوال کے چھپانے میں وہ اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ اگر ان کے احوال و اعمال کسی پر ظاہر ہو جائیں تو وہ اس طرح پریشان اور متوحش ہو جاتے ہیں جیسے ایک گنہگار اپنی معصیت کے انکشاف سے حیران و پریشان ہوتا ہے۔

صوفی اور ملامتی کا فرق

پس ملامتی وقوع اخلاص اور اس کے محل وقوع کی اسی طرح قدر و منزلت کرتے ہیں اور اس کو اسی مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں۔(اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں) اور صوفی کی حالت یہ ہے کہ وہ اس کے اخلاص کو دیکھ کر اپنے اخلاص سے گم ہو جاتا ہے، صوفی ملامتی کے اخلاص کو دیکھ کر اپنے اخلاص کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور پھر اس میں گم ہو جاتا ہے،

ابو یعقوب السوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنے اخلاص میں ان کا اخلاص مشاہدہ کیا تو وہ اس اخلاص سے ایک دوسرے اخلاص کے محتاج ہو گئے، (اپنے اخلاص کو انھوں نے کامل نہیں پایا۔

علامات اخلاص

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں اخلاص کی علامات تین ہیں اول یہ کہ صاحب اخلاص کے لئے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو (وہ اپنے حق میں لوگوں کی تعریف اور مذمت کو یکساں خیال کرے)۔ دوم اعمال میں اعمال کے مشاہدہ سے بے نیاز ہو جائے۔ عمل کرنے کے بعد ان اعمال کو بھول جائے' سوم اس بات کا خواستگار نہ ہو کہ آخرت میں اس کے اعمال کا اس کو اجر ملے گا!

شیخ ابو زرعہ نے اپنے شیوخ کی اسناد کے ساتھ بیان فرمایا کہ ابو عثمان جنیدی سے منقول ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ اس کے حال کو دیکھ کر نفس محظوظ نہ ہو یہ عوام کا اخلاص ہے اور خواص کا اخلاص یہ ہے کہ خواہ حالات ان کے موافق نہ ہوں لیکن وہ اپنی طاعات و بندگی میں یکسور ہیں اور یہ طاعات ان کی نظر میں کچھ نہ ہوں اور نہ وہ ان کا کچھ شمار کریں (یعنی طاعات و بندگی میں وہ اپنی بندگی اور طاعت کو کچھ اہمیت نہ دیں اور نہ اجر وصلہ کے امیدوار ہوں) یہ اخلاص خواص کا اخلاص ہے۔

شیخ ابو عثمان المغربی نے صوفی اور ملامتی میں اس طرح فرق کیا ہے کہ ملامتی اپنے حال اور اپنے فعل میں مخلوق سے نکل گیا۔ اس کو مخلوق کی پروا نہیں مخلوق کو ان سے الگ رکھتا ہے لیکن اپنے نفس کا ثبات رکھتا ہے (خود فراموش نہیں' اپنی ذات کو باقی رکھتا ہے) پس وہ مخلص ہے اور صوفی اپنے حال اور اپنے نفس (اپنی ذات) کو بھی الگ کر دیتا ہے' جس طرح اس نے دوسروں کو اس سے الگ کر دیا ہے پس وہ بھی مخلص ہے لیکن مخلص خالص اور مخلص محض میں عظیم فرق ہے' مدعا یہ کہ ملامتی مخلص محض ہے اور صوفی مخلص خالص ہے۔

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں کہ مخلص کے خلوص کا نقصان بس یہی ہے کہ وہ اپنے اخلاص کا مشاہدہ کرے (خود کو مخلص گردانے اور شمار کرے) پس جب اللہ تعالیٰ کسی کے اخلاص کو خالص بنا دینا چاہتا ہے تو اس شخص کے دل سے اپنے اخلاص کے مشاہدہ کی خواہش کو نکال لیتا ہے (پھر اس مخلص کو اپنے اخلاص کے مشاہدہ کی آرزو باقی نہیں رہتی) اس طرح وہ مخلص (چھٹکارا پایا ہوا) بن جاتا ہے! مخلص تو پہلے ہی تھا اب مخلص بھی بن گیا گویا مخلص و مخلص دونوں بن گیا۔

عارفوں کا ریا مریدوں کا اخلاص سے افضل ہے!

شیخ ابو سعید حزاز کا ارشاد ہے کہ عارفوں کا ریا بھی مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے اور وضاحت اس قول کی یہ ہے کہ مریدوں کا اخلاص رویت اخلاص کی علت سے پاک نہیں (ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے اخلاص کا مشاہدہ کریں) اور عارف اس علت سے منزہ اور پاک ہے کہ یہ عمل کو باطل کر دینے والی چیز ہے (رویت اخلاص کی آرزو سے عمل کا بطلان ہو جاتا ہے) مگر عارف کے احوال و اعمال سے اس کے علم کامل کے باعث کچھ نہ کچھ مرید کی کشش کے لئے ظاہر کر دیتا ہے یا اس لئے یا اس لئے وہ حال و عمل کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے نفسانی' اخلاقی میں سے کوئی خلق اپنی اصلاح کے لئے زحمت کشی کا محتاج ہے (اس کا خلق زحمتوں سے دوچار ہو کر اصلاح پذیر ہو جائے لیکن یہ طریقہ بھی ریا سے بالکل پاک ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں عارفوں کے پاس ایک بہت ہی دقیق اور مخصوص علم ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کو معلوم نہیں

ہے' مذکورہ صورت حال میں اگر کسی ناقص العلم کو یہ ریا نظر آئے تو (یہ اس کی نظر کا دھوکا ہے) یہ ریا نہیں ہے بلکہ ان کا یہ فعل خدا کے حکم کے عین مطابق صرف اللہ ہی کے لئے ہے جس میں نفس کا شائبہ شامل نہیں ہے اور نہ اس میں کسی آفت کا وجود ہے (جیسے ریا وغیرہ)

حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہے کہ اگر اس صاحب اخلاص کو اس کے عوض دارین کی پیشکش کی جائے تو وہ اس کو قبول نہ کرے یا اس کے کسی حصہ پر راضی نہ ہو (دارین سے کچھ لینے پر راضی نہ ہو)۔

اخلاص کی تعریف بعض اور مشائخ کی نظر میں

بعض مشائخ کا ارشاد ہے کہ صدق اخلاص یہ ہے کہ صاحب اخلاص مخلوق کو دیکھنے کو فراموش کر کے ہمیشہ حق کی طرف نظر رکھے اور ملامتی مخلوق پر نظر رکھتا ہے اور پھر اپنے حال اور عمل کو اس سے چھپاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اخلاص صوفی کا وصف ہے اور اس بنا پر حضرت زقاق نے کہا ہے کہ ہر مخلص اپنے اخلاص کے دیکھنے پر مجبور ہے' لیکن یہ کمال اخلاص کا نقصان ہے (ایسے صاحب اخلاص کامل نہیں جو اپنے اخلاص پر نظر رکھے) اخلاص تو وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے صاحب و والی کا محافظ خود ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی تکمیل کر دے۔

صدق اور اخلاص میں فرق

شیخ جعفر الخلدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم جنیدؒ سے سوال کیا کہ اے شیخ کیا صدق اور اخلاص میں کچھ فرق ہے انھوں نے فرمایا ہاں! صدق اصل ہے اور پہلے ہے اور اخلاص اس کی فرع اور اس کے تابع ہے (بعد میں ہے) یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں ایک اور فرق بھی ہے کہ اخلاص عمل میں آئے بغیر نہیں ہوتا یعنی اخلاص کے لئے عمل ضروری ہے مزید فرمایا کہ یہی اخلاص ہے اور اسی کو مخالصتہ الاخلاص کہتے ہیں' اسی مخالصتہ الاخلاص میں اخلاص کا وجود ہے۔ اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ اخلاص ملامتی کا حال ہے اور مخالصتہ الاخلاص کہتے ہیں' اسی مخالصہ جو مخالصہ میں موجود ہے وہ مخالصتہ الاخلاص ہی کا ثمرہ ہے۔ اس مخالصتہ الاخلاص کی وضاحت بالفاظ دگر اس طرح کی جا سکتی ہے کہ مخالصتہ الاخلاص نام ہے بندہ کا تمام رسوم کو ترک کر کے ہمیشہ قائم رہنے والے خدا کی ذات میں فنا ہو جانے کا اس طرح کہ اپنے قیام کی رویت سے بھی محروم ہو جائے اور آثار (موجودات) کی ذات سے الگ تھلگ ہو کر عین ذات میں اس طرح مستغرق ہو جائے کہ اخفا و استفسار سے بھی اس کو نجات مل جائے اس مقام پر پہنچ کر صوفی کا حال بھی مفقود ہو جاتا ہے اس کے برعکس ملامتی اپنے اخلاص کے باطن میں مقیم رہتا ہے (اس کا اخلاص برقرار رہتا ہے) لیکن اس طرح حقیقت اخلاص سے اس کو آگاہی حاصل نہیں ہوتی (یعنی حال اخلاص تو اس کو میسر آجاتا ہے لیکن حقیقت اخلاص سے بے بہرہ رہتا ہے) اس جگہ صوفی اور ملامتی کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ خراسان میں ہمیشہ ملامتیوں کا ایک گروہ رہتا ہے اور ان کے بھی مشائخ ہیں جو ان کی بنیادوں کو درست کرتے ہیں اور ان کے احوال کی شروط سے ان کو آگاہ کرتے ہیں۔

عراق میں فرقہ ملامتیہ

ہم نے عراق میں خود ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کا تعلق فرقہ ملامتیہ ہے لیکن عراق میں یہ لوگ اس نام سے مشہور و معروف نہیں ہیں- اہل عراق بھی اس نام کو اپنی گفتگو اور بول چال میں بہت کم استعمال کرتے ہیں' ملامتیوں کے سلسلہ میں ایک روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک ملامتی سے درخواست کی کہ وہ ان کی محفل میں سماع میں شریک ہو لیکن اس نے انکار کر دیا اس سے جب عدم شرکت کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر میں محفل سماع میں شریک ہوں گا تو مجھے وجد آئے گا اور اس طرح لوگوں کو میرے حال کی خبر ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے حال سے واقف ہوں-

روایت ہے کہ احمد ابن الحواریؒ نے ابو سلمان الدارانیؒ سے کہا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو مجھے اپنے معاملات (احوال) میں ایسی لذت ملتی ہے جو مجھے جلوت میں نصیب نہیں ہوتی- ابو سلیمان ابدارانی نے یہ سن کر فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم ابھی کمزور ہو (اپنے احوال میں پختہ نہیں ہوئے ہو) پس اگرچہ ملامتی اخلاص کے دامن سے وابستہ ہے اور بساط صدق پر متمکن ہے لیکن ابھی تک وہ رویت خلق کی قید سے آزاد نہیں ہوا (مخلوق کا مشاہدہ کر رہا ہے) اور اخلاص و صدق تحقیق کا بقیہ جو اس میں سب سے اعلیٰ اور عمدہ ہے اس میں باقی ہے یعنی یہ بقیہ صدق و اخلاص اس کی نظر میں احسن ہے اور اس میں موجود ہے' اور صوفی اس بقیہ سے پاک و صاف ہے عمل کے اعتبار سے بھی اور ترک خلق کے لحاظ سے بھی اور اس نے دونوں سے کلیتہ اپنے آپ کو دور کر لیا ہے' اس نے ان دونوں کو فنا اور زوال کی نظر سے مشاہدہ کیا ہے چنانچہ اس کے لئے ناصیہ توحید کھل گئی ہے اور اس نے اس ارشاد خداوندی کا راز پالیا-

كُلُّ شَيٍ هَالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهٗ (ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا فانی ہے)

چنانچہ بعض صوفیہ کرام نے اپنے غلبہ کے وقت جو کہا ہے کہ فی الدارین غیر اللہ (دونوں عالم میں اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے) وہ آیت مندرجہ بالا کے یہی معنی مراد لیتے ہیں-

ملامتی دو وجوہ سے اپنا حال چھپاتا ہے

لیکن ملامتی دو وجود سے اپنے حال کو پوشیدہ کرتا ہے ایک وجہ تو یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ اسے اخلاص اور صدق کی تحقیق ہو جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ جذبہ اخفا اس وجہ سے ہے کہ غیرت کی وجہ سے وہ چاہتے ہیں ان کا حال غیر سے پوشیدہ رہے اس لئے کہ جو کوئی اپنے محبوب کے ساتھ خلوت نشین ہوتا ہے تو اس کو برا معلوم ہوتا ہے کہ غیر اس سے آگاہ ہو- جبکہ صدق محبت کی منزل پر تو اسے یہ بھی برا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو یہ بھی معلوم ہو کہ وہ اپنے محبوب کو چاہتا ہے (ہر چند کہ محبت کا یہ اعلیٰ مقام ہے) لیکن بطریق صوفیہ یہ بھی ایک نقص ہے اور اس کو بھی ایک علت قرار دیا گیا ہے۔ بہر حال ملامتی کا درجہ متصوف سے تو بلند ہے مگر صوفی سے کم ہے-

ملامتیہ فرقہ میں ذکر کے اصول

کہتے ہیں کہ ملامتی کے اصول کے اعتبار سے ذکر چار قسم کا ہے (1) ذکر زبان (2) ذکر قلب (3) ذکر خفی ذکر باللہ (4) ذکر روحی جب ذکر روحی کی نوعیت درست ہو جاتی ہے تو ذکر سرو' ذکر قلب اور ذکر زبان کی ضرورت نہیں رہتی' اس وقت زبان و قلب اور سر خاموش ہو جاتے ہیں اسی کا نام ذکر مشاہدہ ہے۔ اور جب ذکر سر (ذکر خفی) کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس وقت زبان اور دل ذکر سے خاموش ہو جاتے ہیں (ذکر سر جاری ہو جاتا ہے) اس ذکر کو یہ لوگ ذکر ہیبت کہتے ہیں اور جب ذکر قلب درست ہو جاتا ہے جو زبان ذکر نہیں کرتی اس ذکر کو ذکر احسانات و نعمت (الاء والنعم) کہتے ہیں اور جب دل ذکر میں سست ہو جاتا ہے تو زبان مصروف ذکر ہو جاتی ہے۔ یہ ذکر عادت ہے۔

ملامتیوں کے خیال کے مطابق ان اذکار چہار گونہ میں سے ہر ذکر میں آفت بھی موجود ہے۔

آفات ذکر!

ذکر روح کی آفت یہ ہے کہ سرباطن کو اس پر اطلاع ہو جائے اور ذکر سرباطن کی آفت یہ ہے کہ قلب کو اس سے آگاہی ہو جائے' اور ذکر قلب کی آفت یہ ہے کہ نفس اس کے حال سے آگاہ ہو جائے اور ذکر نفس کی آفت اس کی نمود (اظہار) اور اس کی عظمت کا تصور یا طلب ثواب ہے یا یہ خیال کرنا کہ اس کے ذریعہ سے مقامات تک رسائی ہو سکتی ہے۔

ملامتیہ کے نزدیک سب سے کم ترین شخص وہ ہے جو اپنے مقام و ذکر کا اظہار اس نیت سے کرے کہ اس کے ذریعہ وہ خلق خدا میں مقبول ہو جائے گا۔ ملامتیہ کے یہاں ذکر کی اصل اصول یہ ہے کہ ذکر روح ذکر ذات ہے اور ذکر سری (ذکر باطن) ذکر صفات ہے' اور دل جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے انعامات کا ذکر کرتا ہے وہ آثار صفات کا ذکر ہے اور ذکر نفس خامیوں کا اظہار ہے' ان کے اس قول کے معنی یہ ہیں کہ باطن کا روح سے آگاہ ہو جانا یہ ہے کہ ذکر ذات کے وقت فنا ثابت ہو گئی (جب ذکر ذات میں بندہ مشغول ہوتا ہے تو اس کی ذات مرتبہ فنا میں ہوتی ہے) اس حال میں ذکر ہیبت اگر کیا جائے تو ذکر صفات بن جاتا ہے۔ لیکن وجود ہیبت اس سے مرتبہ فنا میں ہوتی ہے) اس حال میں ذکر ہیبت اگر کیا جائے تو ذکر صفات بن جاتا ہے۔ لیکن وجود ہیبت اس سے مرتبہ ثبوت کو پہنچتا ہے اور وہ وجود ہیبت مقتضی اس امر کا ہے کہ وجود اور بقا دونوں چیزیں موجود ہیں اور یہ صورت حال فنا کے منافی ہے (جب وجود ہے تو پھر فنا کیسی؟) اسی طرح ذکر سر میں ہیبت کا جو وجود موجود ہے' جس کو ذکر صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے حصہ قرب کا احساس ہوتا ہے۔ ذکر قلب جیسا کہ کہا گیا کہ وہ احسانات اور نعمتوں کا ذکر ہے اس سے دوری اور بعد کا پتہ چلتا ہے کہ نعمتوں کے ذکر میں محور مشغول ہو کر ذاکر منعم سے دور ہو جاتا ہے(1)۔ اور عطا و بخشش پر

---

(1) جتنی دیر ذاکر نعمتوں کے ذکر میں مشغول رہتا ہے اتنی دیر منعم کے ذکر کو فراموش کر دیتا ہے اسی کو بعد اور دوری سے تعبیر کیا ہے بظاہر تو یہی کہا جائے گا کہ نعمت کا ذکر منعم کا ذکر ہے کہ نعمت کا وجود مسلزم وجود منعم ہے۔

جب نظر ہو گی تو منعم کا مشاہدہ نہیں ہو سکے گا (گویا نعمتوں کا مشاہدہ منعم کے مشاہدہ سے محروم رکھتا ہے) اسی وجہ سے ذاکر کی منزل ایک حد تک دور ہو جاتی ہے- اور اگر ذاکر کا نفس ثواب کی طرف متوجہ ہے تو اس سے وجود اعمال کا شمار ہوتا ہے- یہی درحقیقت اعتدال ہے-

یہ ہے فرقہ ملامتیہ کا نظریہ ذکر جس کی تفصیل ہم نے پیش کی اور اس گروہ ملامتی کی یہ قسمیں ہیں' ان میں تمام لوگ ایک ہی منزل کے راہ رو اور ایک ہی مرتبہ کے حامل نہیں ہیں- مختلف درجات ہیں- بعض لوگ بعض افراد سے اعلیٰ ہیں- بعض پست ہیں- بعض متوسط درجہ پر ہیں- واللہ اعلم!

باب 9

نام کے صوفی

یہ کون لوگ ہیں

کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خود کو کبھی قلندریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کبھی ملامتیہ کے نام سے، ملامتیہ کے بارے میں ہم پچھلے اوراق میں لکھ چکے ہیں اس (ملامتیہ) فرقے کے لوگوں کا حال شرف کی فضیلت رکھتا ہے اور عزت مآب ہے، یہ فرقہ سنت نبوی کا متبع اور اخبار و آثار کا پابند ہے اور ان میں اخلاص و صدق موجود ہے اور یہ ملامتی حضرات ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جائے کہ یہ شریعت سے بیگانہ ہیں۔

قلندریہ سے ایک ایسے گروہ کی طرف اشارہ ہے جن کے دلوں پر خوش دلی اور طیبت کے نشہ نے قبضہ کر لیا ہے (جن کے دلوں پر خوش دلی چھائی ہوئی ہے) یہاں تک کہ ان کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، اس خوش دلی کے نشہ نے انھیں تباہ و برباد کر دیا ہے، آداب مجلس سے بیگانہ بن گئے، لوگوں سے ملنے جلنے کے اطوار و آداب کی ان کو پرواہ نہیں انھوں نے آداب مجالست اور اختلاط کی بیڑیوں کو پاؤں سے اتار کر پھینک دیا ہے) ہمہ وقت ترنگ میں رہتے ہیں، خوش دلی کے میدان میں پھرنے کی بدولت روزہ نماز سے غافل ہوتے ہیں، بس کچھ فرائض ادا کر لئے ہیں۔ ان کو ماکولات و مشروبات کے استعمال کی بھی کچھ پرواہ نہیں جنھیں شریعت نے جائز کیا ہے، اس جواز شرعی اور رخصت سے بہت ہی کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قلندروں کے اوصاف

اس طبقہ میں اکثر لوگ ایسے ہیں جنھوں نے صرف اجازت پر اکتفا کیا ہے (رخصت شرعیہ پر عمل کرتے ہیں) لیکن عزیمت کے حقائق کے طلب گار نہیں بنتے (سعی و عمل سے دور ہیں)۔ بایں ہمہ قلندریہ طبقہ کے افراد مال و دولت جمع کرنے سے بیزار و بے تعلق ہیں اور نہ زیادہ کی حرص و آرزو میں گرفتار ہیں لیکن ان کی روش عبادت گزار بندوں زاہدوں اور عابدوں سے بالکل الگ تھلگ ہے، بس وہ اسی مسرت اور خوشدلی کو کافی سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو ہے (حاصل یہ ہے کہ نہ مال و دولت کی پروا ہے اور نہ زاہدوں کی طرح زہد و اتقا کی طرف مائل ہیں) اسی طیب خاطر کو وہ اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں اور انھیں مزید معرفت شناسی کی خواہش نہیں۔

ملامتیوں کے اور قلندروں کے مابین فرق

ملامتی تو اپنی عادات اور طاعات کو چھپاتا ہے اور قلندر اپنی عادتوں کی تخریب میں مصروف رہتا ہے' ملامتی جزو احسان کے اصولوں پر کار بند ہے اور اسی میں فضل و برتری سمجھتا ہے لیکن اپنی وجدانی کیفیات اور احوال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے اور اپنی وضع و قطع لباس و حرکات میں عوام کی طرح رہتا ہے محض اس لئے کہ اس کا حال عوام سے پوشیدہ رہے اس کے باوجود وہ در پردہ روحانیت میں اضافہ کا طالب رہتا ہے' اپنے ایک حال پر قانع نہیں رہتا اور اپنی تمام تر مساعی قرب الٰہی کے حصول میں صرف کر دیتا ہے (ہر اس بات پر جس سے بندہ کو قرب الٰہی حاصل ہو جہد بلیغ کرتا ہے) لیکن قلندر کسی صورت کے ساتھ مقید و پابند نہیں ہے نہ اسے اس امر کی پروا ہے کہ کوئی اس کے حال سے واقف ہے یا ناواقف' اس کو صرف اپنی خوش دلی سے کام ہے کہ وہی اس کا اصل سرمایہ اور اس کی پونجی ہے۔

صوفی کا طریقہ کار

صوفی ان دونوں سے الگ ہر چیز کو اس کے موقع و محل کے اعتبار سے دیکھتا اور عمل میں لاتا ہے' اپنے علم ذریعے اپنے اوقات کی تدبیر کرتا ہے' اس کا لائحہ عمل تیار کرتا ہے' خلق کو خلق کے مرتبہ پر رکھتا ہے اور امر حق کو اس جگہ پر (خلق کے حکم کا اور امر حق کا فرق اور دونوں کا مرتبہ اس کی نظر میں ہے) جس چیز کو چھپانا چاہے اس کو چھپاتا ہے اور جس کا ظاہر کرنا مناسب ہے اس کو ظاہر کرتا ہے الغرض تمام امور خواہ ان کا تعلق زندگی سے ہو یا معرفت و حق طلبی سے ہر ایک کو حضور عقل' صحت توحید' کمال معرفت اور رعایت صدق و اخلاص کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

نام کے صوفی

ایک گمراہ جماعت نے جو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا ہے خود کو ملامتیہ کہنا شروع کر دیا اور انہوں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا تاکہ ان کو صوفی سمجھا جائے کبھی وہ یہ لباس اپنے بچاؤ اور تحفظ کے لئے پہن لیتے ہیں۔ حالانکہ صوفیہ یا صوفیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کی خود فریبی ہے۔ وہ اہل اباحت (رندوں) کا راستہ چلتے ہیں اور بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے قلوب (تمام تر) اللہ تعالیٰ کے اخلاص سے بہرہ یاب ہو گئے اور اس وقت وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے اپنا مقصد پالیا۔ یہی مقصود ہماری کامیابی ہے۔ رسومات شریعہ کی پابندی کرنا عوام اور کم خردوں کا کام ہے جو تقلید اور اقتداء کی گھاٹی میں پھنسے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے یہی اقوال' عین زندقہ اور بے دینی ہیں اس لئے کہ ہر وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہے وہ زندقہ ہے' یہ مبتلائے فریب لوگ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ شریعت نام ہے حق عبودیت کا (یعنی حق بندگی شریعت ہے' اور جسے حقیقت کہا جاتا ہے وہ یہی حق بندگی ہے) اور جو اہل حقیقت بننا چاہتا ہے وہ ضرور حق بندگی میں وابستہ ہو گا اور اس سے اس کے علاوہ بھی کاموں کا مطالبہ کیا جائے گا (جو محبت ہے) اس کا مطالبہ ان سے نہیں کیا جا سکتا جو حقیقت کے درجہ تک نہیں پہنچے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی گردنوں کو تکلیفات شرعیہ سے آزاد کر دیا گیا ہے یا ان کی گردنوں سے یہ بوجھ اتار دیا گیا ہے اور ان کے بطون کو تحریف و کجروی سے بھر دیا گیا ہے۔

شیخ ابو زرعہؒ نے اپنے شیوخ کی اسناد سے عتبہ بن مسعودؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں لوگوں (مسلمانوں) کا مواخذہ وحی سے کیا جاتا تھا اور اب وحی کا یہ بسلسلہ ختم ہو گیا تو اب ہم تمہارے اعمال سے تمہارا مواخذہ کرتے ہیں۔ جو ہمارے لئے اظہار خیر کرے گا اس کو ہم امن دیں گے اور اپنے سے قریب کریں گے' اس کے باطن سے مواخذہ و محاسبہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اگر اس سے سوائے نیکی کے اور کچھ ظہور میں آیا تو ہم اس کو امان نہیں دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے تہمت اور الزام سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو وہ لوگوں کی بدگمانی پر کسی کو ملامت نہ کرے۔ ایسے شخص کو لوگ ضرور ملامت کریں گے۔

ہم یہ دیکھیں گے کہ کوئی شخص حدود شرعی میں سستی کر رہا ہے' فرض نماز کو چھوڑے ہوئے اور دوسرے فرائض کی ادائیگی سے بھی اغماض و اہمال برت رہا ہے' تلاوت قرآن مجید اور روزہ و نماز کی حلاوت اور لذت کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا اور حرام و مکروہات میں مبتلا ہے تو ہم ایسے شخص کو رد کر دیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور نہ ہمارے نزدیک اس کا یہ دعویٰ قابل قبول ہو گا کہ اس کا باطن نیک اور درست ہے!

شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے

میرے شیخ ضیاء الدین ابو النجیبؒ سہروردی نے اپنے شیوخ کی اسناد کے ساتھ حضرت جنیدؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ ایک شخص سے معرفت کا تذکرہ فرما رہے تھے تو اس شخص نے کہا کہ اہل تقویٰ اور عارف باللہ تو زہد و تقویٰ کو ترک کر کے اللہ تک پہنچ جاتے ہیں یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ قول اس گروہ اور جماعت کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیک اعمال بجالانے کی پابندی سے آزاد ہیں اور میری نزدیک یہ ایک بڑی بلا ہے' جو شخص چوری اور زنا کرے وہ ایسے شخص سے بہتر ہے جو ایسا کہتا ہے' اس میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ عارف باللہ نے یہ اعمال اللہ ہی سے حاصل کئے ہیں' اس سے یہ اعمال اس کو ملے ہیں اور انہی اعمال کے ساتھ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے' اگر میں ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تب بھی میں اعمال حسن سے ایک ذرہ کم نہیں کروں سوائے اس کے کہ کوئی رکاوٹ ان کی ادائیگی میں پیدا ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی اعمال میری معرفت کے مولد اور میرے حال کے لیے باعث تقویت ہیں۔

عقیدہ حلول

انہی گمراہوں میں سے ایک جماعت وہ ہے جو حلول کا عقیدہ رکھتی ہے' ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کرتا ہے۔ یہ حلول ہر ایک جسم میں نہیں ہوتا بلکہ وہ جن جسموں کو پسند فرماتا ہے ان میں حلول کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ عقیدہ عیسائیوں کے لاہوت و ناسوت کے نظریہ سے ماخوذ ہے (ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو خوبصورت چیزوں پر نظر کرنا مباح سمجھتے ہیں) اور اس سلسلے میں کچھ اشارے ان کو بعض صوفیہ کے ان کلمات سے ملے ہیں جو ان کی زبان سے غلبہ کی صورت میں نکل گئے ہیں' جیسے حلاج کا "انا الحق" کہنا یا جس طرح ابویزید (البسطامی) کے قول "سبحانی" سے ظاہر ہوتا ہے خدا نہ کرے کہ

ہمارا عقیدہ ہو کہ ابو یزیدؒ کی زبان سے (سبحانی یا اعظم شانی) ایسے کلمات اپنی ذات کے بارے میں نکلے ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی قول نقل کیا ہو گا' ایسا ہی حلاج کے قول کے بارے میں قیاس کرنا چاہیے (کہ انہوں نے بھی بطور قول یہ بات کہی ہو گی)۔

اللہ تعالیٰ حلول سے پاک ہے

اگر ہم کو یہ یقین ہوتا کہ حلاج نے یہ قول ازروئے حلول (ہم روحی) بیان کیا ہے تو ہم منصور حلاج کو بھی رد کر دیتے بالکل اس طرح جیسے ہم نے اس فرقہ کی تردید کی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے ایک روشن شریعت لائے ہیں' اس شریعت غزا نے تمام نشیب و فراز ختم کر دیئے اور سب کو مستقیم کر دیا۔ ہماری عقول نے ان چیزوں کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کوئی شے اس میں حلول کرے یا وہ کسی چیز میں حلول کرے' البتہ یہ ممکن ہے کہ ان فریب میں آئے ہوئے لوگوں میں سے جو قطعی طور پر گمراہ ہیں کسی ایک شخص کو قدرتی طور پر فطانت و ذکاوت حاصل ہو اور اس نے باطنی طور پر ایسے کلمات اپنے دل سے گڑھ لئے ہوں اور ان کو خدا کی طرف منسوب کر دیا ہو' اور ان کو خدائی کلمات کا نام دے کر یہ کہہ دیا ہو کہ خدا نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے خدا سے وہی کہا۔ اس صورت میں یا تو یہ شخص اپنے نفس اور اس کی باتوں سے ناواقف ہے یا اپنے پروردگار کے مکالمے کی کیفیت اور نوعیت محادثہ سے آگاہ نہیں یا یہ صورت ہے کہ وہ اپنی ان باتوں کے باطل ہونے کا علم رکھتا ہے لیکن اس کی نفسانی خواہشات اس کو برانگیختہ کر کے اس دعویٰ پر مائل اور مجبور کرتی ہے یا وہ اس وہم میں گرفتار ہے کہ وہ اس معاملے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ سب ضلالت کی باتیں ہیں۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اس بات کے اظہار کی جرات کیوں ہوئی! اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے بعض اہل حقیقت سے ایسے کلمات سنے ہیں جو ان پر ان کے ظاہری اور باطنی معاملات کے طویل ہو جانے کے بعد وارد ہوئے ہیں' لیکن اس نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ اہل حقیقت اپنے طبقہ کے اصول کے مطابق زہد و تقویٰ کے ہر طرح پابند رہے ہیں (ان کے زہد و تقویٰ میں قصور کا گمان نہیں کیا جا سکتا) اس ضیائے باطن کے باعث ان کے بطون میں ایک شکل حاصل کر لی کہ وہ تمام کے تمام قرآن و حدیث کے مطابق ہوتے ہیں (القائے ربانی سے قلوب مشرف ہوتے ہیں اور وہ اس القائے الٰہی کا اظہار کلام کی صورت میں کرتے ہیں لیکن انکا یہ کلام تمام تر قرآن و حدیث کے مطابق ہوتا ہے) ان اصحاب سے یہ خطاب اس حال میں ہوتا ہے کہ ان کے قلوب کلیتاً مستغرق بحق ہوتے ہیں لیکن یہ کلام نہیں ہے جس کو وہ سنتے ہیں بلکہ اس کی مثال ایک بات (حدیث) کی ہے جو نفس میں پیدا ہوا اور فکر نے اس کو پالیا لیکن یہ کسی حال میں بھی کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوتے اور یہ ان کے علم کے مطابق ہوتے ہیں' یہ کلام دراصل ان کے اسرار و بطون کی ایک مناجات ہے۔ اس کلام (الہامات و القا) سے وہ اپنے نفوس کے لئے مقام بندگی اور اپنے مولا کے لئے ربوبیت کو مزید ثابت کرتے ہیں (ان الہامات سے وہ مقام بندگی میں اضافہ اور باری تعالیٰ کی ربوبیت کا مزید عرفان حاصل کرتے ہیں)۔

اس طرح جو کچھ اس مقام پر ازراہ الہام و القاان کو حاصل ہوتا ہے اس کی نسبت تو وہ اپنے نفس اور اپنے مالک کی

طرف کرتے ہیں (کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نفس پر اس طرح الہام یا القا فرمایا) لیکن بایں ہمہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ ایک علم حادث ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بطون میں پیدا کر دیا ہے۔ پس اس راہ میں جو لوگ صحیح النفس اور صحیح الفہم ہیں وہ ان تمام باتوں کو جو ان کے نفوس بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتے ہیں یہاں تک کہ ان کا میدان باطن ہوائے نفسانی (گندگی) سے پاک ہو جاتا ہے اور پھر ان کے باطن میں ایک چیز الہام کرتی ہے اس کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح منسوب کرتے ہیں جس طرح ایک حادث کی نسبت محدث (پیدا کرنے والا) کی طرف ہوتی ہے' ایسی نسبت نہیں جو کلام کو متکلم کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ وہ کجروی اور تحریف سے محفوظ رہیں۔

ملامتیوں میں ایک گروہ جبریہ کا ہے!

انہی لوگوں میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ توحید کے ذخار سمندروں میں غرق ہیں لیکن ان کو اس حالت میں ثبات و قرار نہیں ہے' ان کا عقیدہ ہے کہ ان کا نفس صدور فعل پر بالا رادہ قادر نہیں ہے بلکہ وہ مجبور محض ہیں' اور اللہ تعالیٰ کے عقل و ارادہ کے مقابلے میں انھیں کوئی اختیار نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفسانی افعال اور گناہوں کے صدور میں وہ خود کو بے بس سمجھ کر ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں (معاصی ان سے سرزد ہوتے ہیں) سست روی اور آرام و غفلت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دین و ملت کے جو حدود قائم کئے ہیں ان سے نکل آتے ہیں اور اس منزل پر وہ شرعی احکام اور حلال کی پابندی ترک کر دیتے ہیں۔

کسی نے حضرت سہل رحمتہ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو کہتا تھا کہ میں تو ایک دروازہ کی مانند ہوں' جب تک مجھے کوئی جنبش نہیں دیتا میں جنبش نہیں کرتا۔ اس کا یہ قول سنکر حضرت سہلؒ نے فرمایا کہ یہ قول دو ہی شخصوں کا ہو سکتا ہے یا تو صدیق کا یا زندیق کا۔ اگر یہ قول کسی صدیق کا ہے تو اس قول میں اشارہ اس امر کی طرف ہو گا کہ اشیاء کا قوام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ صدیق کا ہے تو اس کے اس قول میں اشارہ اس امر کی طرف ہو گا کہ اشیاء کا قوام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن وہ صدیق شریعت کے اصول کا اور عبودیت کے تمام حقوق ادا کرتا ہو گا اس وقت وہ یہ کہے گا کہ تمام اشیاء کا دار و مدار اللہ تعالیٰ پر ہے' اور زندیق یہ بات کہہ کر تمام ذمہ داریاں خدا کے حوالے کر دیتا ہے (خود ان ذمہ داریوں سے ہٹ جاتا ہے) اور اپنے نفس سے ان کا تعلق نہیں رکھتا' اپنے نفس سے تمام اعمال کو ساقط کر دیتا ہے اور دین کے دائرے اور اس کے رسوم سے الگ ہو جاتا ہے۔ (خود کو کسی بات کا مکلف ہی نہیں سمجھتا۔

پس جو شخص[1] حلال و حرام اور شرعی حدود اور اس کے احکام کا معتقد ہے تو جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس امر کا قائل ہے کہ اس گناہ پر توبہ کرنا چاہئے۔ (پس وہ توبہ کرتا ہے) تو ایسا شخص صحیح

(۱) ایک گنہگار مسلمان اس زندیق و ملحد سے کہیں بہتر ہے ہر چند کہ اس گنہگار سے معاصی کا صدور ہو جائے لیکن یہ تو ہے کہ وہ حلال و حرام میں تمیز کرتا ہے۔ اگرچہ وہ لذائذ دنیاوی سے خوب بہرہ اندوز ہو رہا ہے۔ شیخ کی تلاش میں ادھر ادھر کے سفر کر رہا ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کو توفیق فرما دے گا۔

مسلمان ہے' خواہ ادائے احکام میں سے اس سے سستی اور غفلت ظاہر ہوتی ہے' اور خواہشات نفسانی کی تحریک سے دنیا کے سفر کرتا ہو' لذتوں سے خوب لطف اندوز ہوتا ہو یا وہ کسی ایسے شیخ کی خدمت میں باریاب نہ ہوا ہو جو اس کو ادب سکھائے اور جو عیوب اس کی ذات میں ہیں ان سے اس کو آگاہ کرے (کسی شیخ کا دامن ابھی تک اس نے نہ پکڑا ہو) اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باب 10

مرتبہ شیخ اور مشیخت کی شان

رسول خدا کا ارشاد گرامی

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو وہی افراد محبوب ہیں جو اس کے بندوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبہ کو بیدار کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس (مقصد کی تکمیل) کے لئے سرگرم عمل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وصف کا تذکرہ اپنے ارشاد میں فرمایا ہے یہ مرتبہ مشیخت اور دعوت الی اللہ کا ہے، مشائخ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں اور خدا کے بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑتے ہیں۔

خدا کی طرف دعوت دینے اور بلانے میں ان کی مساعی بارگاہ الٰہی میں قبولیت پاتی ہیں (اور خدا بھی ان سے محبت کرنے لگتا ہے) اسی بناء پر تصوف کے طریقہ! طریقہ تصوف میں شیخ کا مرتبہ ایک اعلیٰ اور افضل مرتبہ ہے بلکہ اس دعوت الی اللہ میں وہ پیغمبروں کی نیابت کرتا ہے۔ شیخ اپنے مرید مین اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح پیدا کرتا ہے کہ وہ اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے راستے پر لگا دیتا ہے اور جو صحیح طریقہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمانے لگتا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی	آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو
یحببکم اللہ (پارہ 3 رکوع 12)	میری پیروی اور اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

شیخ مرید کو اللہ کا پیارا کس طرح بناتا ہے!

شیخ لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت اس طرح پیدا کر دیتا ہے کہ وہ مرید کو تزکیہ نفس کے راستے پر چلاتا ہے اور جب نفس مزکی اور پاک ہو جاتا ہے تو دل کا آئینہ جلا پاتا ہے اور اس میں عظمت الہیہ کی تجلیات پر تو فگن ہو جاتی ہیں اور جمال توحید اس میں جلوہ فرما ہو جاتا ہے۔ چشم بصیرت کی سیاہی جلال قدم کے انوار اور کمال ازلی کے نظارہ میں مصروف ہو جاتی ہے (وہ

مشاہدہ حق میں مصروف ہو جاتا ہے) اور اس تزکیہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے محبت کرنے لگتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قدافلح من ذکاھا O — جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اس نے فلاح پائی۔

اور فلاح کی صورت یہی ہے کہ بندہ خداوند تعالیٰ کی معرفت میں کامیاب ہوا۔ فلاح کی ایک اور بھی صورت ہے وہ یہ کہ جب بندہ کا آئینہ قلب مزکی ہو گیا اور اس کو جلا نصیب ہو گئی تو اس وقت اس کو اپنے اندر کی تمام کدورتیں اور برائیاں نظر آئیں اور اس کی اصل حقیقت اس پر نمایاں ہو گئی اور آخرت کی بھی اصل اور اس کی تمام خوبیاں اس کو نظر آگئیں تو اسی وقت اس کی چشم بصیرت پر دونوں جہاں کے حقائق اور نتائج منکشف ہو گئے تو اس وقت بندہ خدا (مرید) نے دائمی چیز کو اختیار کر لیا اور اس سے محبت کرنے لگا اور فانی چیز کو چھوڑ دیا۔ اس طرح تزکیہ نفس کا ایک فائدہ اور نکلا کہ اس سے مشائخ کا مرتبہ اور ان کی تربیت کے اثرات بھی واضح ہو جاتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ شیخ اللہ تعالیٰ کے لشکر کے ناصر و معین سے ہے یعنی مشائخ اللہ تعالیٰ کی فوج ہے جن کے توسط سے وہ مریدوں کو صحیح راستہ پر لگاتا ہے اور طالبان حقیقت کی اس سے رہنمائی کرتا ہے۔

مشائخ کی کیا ضرورت ہے

مشائخ کی اسناد کے توسط سے ہم تک روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عبد اللہ بن بشرؓ فرماتے ہیں کہ اگر ایک جگہ بیس یا اس سے زیادہ افراد جمع ہوں اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے والا ہو تو پھر سب لوگوں کا معاملہ خطرناک ہو جاتا ہے (ہر ایک معرض خطر میں پڑ جاتا ہے) پس مشائخ اللہ کے وقار سے آگاہی کا ذریعہ ہیں کہ مرید ان سے ظاہری اور باطنی ادب حاصل کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ — یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو ان کی
فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ — ہدایت کی پیروی کر۔

پس جب کہ مشائخ ہدایت یاب اور راہ یافتہ ہوئے تو وہ اس کے مستحق اور اہل ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا دیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا (حدیث قدسی)

اذا کان الغالب علی عبدی الاشتغال بی جعلت ھمتہ ولذتہ فی ذکری O — جب میرے بندہ پر میرے ساتھ مشغولی غالب ہوتی ہے تو میں اس کی تمام تر اور لذت اپنے ذکر پر مرکوز کر دیتا ہوں۔

مشائخ کے احوال

اور جب میں اپنے ذکر میں اس کی ہمت اور لذت کو مرکوز کر دیتا ہوں تو وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتا ہے' اور میں

اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں اور میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہے اس کو اٹھا دیتا ہوں اس وقت اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب اور لوگ بھول جاتے ہیں تو وہ نہیں بھولتا۔ ان کا کلام انبیا کا کلام ہے' یہ لوگ ابطال حق (بطل عظیم) ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میں ساکنان زمین پر کوئی عذاب کرنا چاہتا ہوں اور اہل زمین کو ان کے کیفر کردار پر پہچانا چاہتا ہوں تو یہ لوگ مجھے یاد آجاتے ہیں اور محض ان کی وجہ ہی سے ان لوگوں سے اپنے عذاب کو روک لیتا ہوں۔

سالک طریقت مرتبہ شیخ تک پہنچ جاتا ہے

سالک (طریقت) کے رتبہ مشیخت تک پہنچنے میں راز یہ ہے کہ سالک سیاحت نفس پر مامور ہے لیکن وہ اس کی صفات میں مبتلا ہوتا ہے۔ بایں ہمہ وہ ہمیشہ صدق معاملہ کے ساتھ سلوک کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفس (ایک منزل پر پہنچکر) مطمئن ہو جاتا ہے اور اس طمانیت کی بدولت اس کی فطری برودت[1] اور یبوست (سردی اور خشکی) دور ہو جاتی ہے' وہ اسی برودت اور یبوست ہی سے تو سرکشی اور اطاعت و انعقاد سے روگردانی کیا کرتا تھا (جب یہ دونوں چیزیں زائل ہو گئیں تو عدم اطاعت و سرکشی کی قوت بھی فنا ہو گئی) اور نفس کو جب روح کی گرمی پہنچتی ہے تو اس گرمی سے ایسی نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وہ نسبت اور نرمی ہے جسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ○

ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی ذکر کے لئے نرم پڑ جاتے ہیں۔

جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو وہ عبادت کی اجابت کرتا ہے اور اطاعت و بندگی کے لئے پسیجتا ہے (طاعت و بندگی کے لئے ہمہ تن آمادہ ہو جاتا ہے)۔

مومن کے دل کا مقام

مومن کا دل روح اور نفس کے مابین ہے اور اس کے دو رخ ہیں' ایک رخ تو نفس کی طرف ہے اور ایک رخ روح کی جانب ہے' باعتبار روح وہ روحانی اثرات سے بہرہ ور ہوتا ہے اور نفس کے رخ کے اعتبار سے اس پر نفسانی اثرات اثر انداز ہوتے ہیں اس طرح اس کے باطن میں یہ کشمکش جاری و ساری رہتی ہے لیکن جب نفس کو سکون حاصل ہو جاتا ہے تو گویا اسے سیاحت نفس کا تکملہ کر دیا۔ اس کا سلوک منتہا کو پہنچ گیا اور وہ سیاحت نفس پر متمکن ہو گیا۔ اس کا نفس اس کا منقاد و مطیع بن گیا اس وقت وہ خداوند تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں رجوع ہو جاتا ہے۔ نفس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پھر سالک قلب کی طرف متوجہ اور اس کی اصلاح کے لئے مستعد ہوتا ہے کہ قلب میں جو میلان نفس کی طرف ہے اور قلب جو نفس کی طرف متوجہ ہے' اس وقت تمام مریدین' طالبین اور صادقین کے نفوس شیخ کی نظر میں اس کا نفس ہوتے ہیں۔ کیونکہ وجود

---

(1) تعمیر وجود میں اربعہ عناصر یعنی آب' آتش' خاک و باد کار فرما ہیں۔ مزاج و نفس کی تعمیر انہی سے ہوتی ہے۔ اخلاط اربعہ کا وجود انہی عناصر اربعہ یا آخشیجان سے ہوتا ہے' آب سے برودت' خاک سے یبوست' آتش سے حرارت اور باد سے صفرا کا تعلق ہے۔

جنسی کے اعتبار سے ان نفوس میں اور شیخ کے نفس میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ غیبت ہوتی ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ "نسبت" کے اعتبار سے وہ اس کے ہم جنس ہیں' ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شیخ و مرید کے درمیان ایک روحانی رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ الفت الٰہی دونوں میں موجود ہے اور یہی رشتہ الفت دونوں میں مشترک ہے- چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے-

لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ○ (پارہ 10- رکوع 4)

اگر تم وہ سب کچھ خرچ کر دیتے جو روے زمین میں ہے تب بھی تم ان کے دلوں کو نہیں ملا سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں ملا دیا-

مرید کا نفس شیخ کا عین نفس ہے

(اس طرح شیخ و مرید میں تالیف موجود ہے اور یہی مطلب ہے من رجعہ کا) اسوقت جب مریدوں کے نفوس شیخ کے عین نفس (حیثیت کے اعتبار سے) بن جاتے ہیں اسوقت شیخ مریدوں کے نفوس کی بھی اسی طرح تادیب کرتا ہے جیسی کہ اس نے اپنے نفس کی تادیب کی تھی- اسوقت شیخ "تخلقوا باخلاق[1] الله" کا مصداق بن جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے-

الا لحال شوق الابرار الی تعالی وانی الی لقائهم لاشد شوقا (حدیث قدسی)

دیکھو' میرے ابرار کا شوق میرے دیدار کیلئے طول پکڑ گیا ہے (ان میں شوق دیدار بڑھ گیا ہے) اور بیشک میں انکے دیدار کا ان سے زیادہ شائق ہوں-

چونکہ اللہ تعالیٰ نے صاحب (مرید) اور مصحوب (شیخ) میں ایک حسن تالیف قائم رکھا ہے (ایک رشتہ روحانی دونوں میں قائم ہے) اس لئے اس مقام پر مرید جز شیخ بنجاتا ہے' جیسا کہ ایک نومولود اپنی ولادت میں اپنے باپ کا جزو ہے (اور بیٹے کی پیدائش پر ولادت کا شمار کیا جاتا ہے حالانکہ ولادت تو دو بار ہو چکی' ایک ولادت روحانی اور ایک ولادت طبعی) جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کی ولادت دو مرتبہ نہیں ہوئی' آسمان کے مقام ملکوت میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا- ولادت اول میں تو اس کا اس عالم سے تعلق اور ارتباط قائم ہو جاتا ہے اور ولادت روحانی کی بدولت روحانی دنیا اور ملکوت سے اس کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے-

وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین ○

اور ایسے ہم دکھلاتے تھے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنتیں تاکہ وہ اہل یقین سے ہو جائے-

یقین خالص

یقین خالص اپنے کمال کے ساتھ حلاوت روحانی میں حاصل ہوتا ہے اور اسی حلاوت روحانی سے شیخ میراث انبیاء کا مستحق بنتا ہے پس جس کو میراث انبیاء سے حصہ نہیں ملا بالفاظ دگر وہ پیدا ہی نہیں ہوا خواہ وہ کمال درجہ فطنت و ذکاء رکھتا ہو

---

(1) اپنے اندر اللہ تعالیٰ جیسے اخلاق پیدا کرو-

اس لئے کہ فطانت و ذکاوت عقل کا نتیجہ ہے اور جب عقل نورِ شرع سے متیز اور منور نہیں تو وہ ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتی اور وہ ہمیشہ ملک ظاہر میں عالم تذبذب میں رہے گی اور صرف علوم ریاضی جو علوم عقلیہ ہیں ان تک ہی اس کا تصرف رہے گا اور عالم ملکوت پر پرواز نہیں کر سکے گی۔ یہ ملک ہستی اس کا ظاہر ہے اور ملک ملکوت اس کا باطن ہے۔ عقل روح کی زبان ہے اور بصیرت و دانائی جس سے ہدات کی شعاعیں پھوٹتی ہیں قطب روح ہیں' زبان قلب کی ترجمان ہے اور جو مضمون یہ ترجمان ادا کرتا ہے اس سے قلب تو آگاہ ہے لیکن ترجمان اس کی حقیقت شناس قلب نہیں ہے) یہی وجہ ہے کہ وہ افراد جن کے پاس عقلیں تو ہیں لیکن وہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔ یا نور ہدایت سے محروم ہیں جو عطیہ خداوندی ہے اور ان لوگوں کو عطا کیا گیا ہے جو صحیح پیروی کرنے والے ہیں۔ پس یہ افراد (جن کی عقول نور ہدایت سے محروم ہیں) سیدھے اور صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان کے آگے پردے پڑے ہوئے ہیں کیونکہ ان کی حیثیت محض ایک ترجمان کی ہے اور وہ جو کچھ بیان کر رہے ہیں اس کی حقیقت سے محروم و ناواقف ہیں۔

خطاب الست بربکم سے ایک دلیل

جس طرح ولادت طبعی میں ذرات وجود اولاد باپ کی صلب (پشت) میں ودیعت رکھے گئے تھے' یہ ذات اولاد کی تعداد کے مطابق آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں' جیسا کہ ہم سابق میں کسی مقام پر بیان کر چکے ہیں' یہی وہ ذرات ہیں جن سے خداوند تعالیٰ نے یوم میثاق کے وقت الست بربکم کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ فرمایا تھا اور ان ذرات نے اس خطاب ربانی کے جواب میں بلٰی (ہاں) کہا تھا! اس وقت جب اللہ تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام پر مسح فرمایا اور یہ واقعہ بطن نعمان کے مقام پر پیش آیا (جو مکہ اور طائف کے مابین واقع ہے) تو پشت آدم علیہ السلام سے یہ ذرات اس طرح رواں ہوئے جیسے جسم سے پسینہ بہتا ہے' جس قدر اولاد آدم تعداد میں تھی اسی قدر یہ ذرات رواں ہوئے تھے' یعنی ہر ولد کے لئے ایک ذرہ تھا' اس میثاق (الست بربکم قالو بلی) کے بعد وہ ذرات پشت آدم علیہ السلام میں پھر واپس بھیج دیئے گئے تو ہمارے ان آباء میں بعض ایسے تھے جن کی صلب میں ان ذرات کا نفوذ ہوا اور بعض ایسے تھے کہ ان کی صلب میں ان ذرات کا نفوذ بالکل نہیں ہوا اور ان کی نسل منقطع ہو گئی (ان کی اولاد پیدا نہیں ہوئی اور وہ منقطع النسل ہو گئے) ایسا ہی کچھ حال مشائخ کا ہے کہ ان میں سے کوئی شیخ تو ایسا ہے کہ جس کے اولاد (اولاد معنوی یا مریدین) کثرت سے ہوئی اور اس شیخ سے وہ مرید (اولاد) علوم و احوال حاصل کرتے ہیں (اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے) اور پھر اسے دوسرے کی امانت میں دے دیتے ہیں یہ لوگ دوسروں کو فیض اسی طرح پہنچاتے ہیں جس طرح ان کو اپنے مشائخ کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا ہے اور بعض مشائخ ایسے ہیں جن کی نسل منقطع ہو گئی ہے یعنی یہ اولاد معنوی نہیں ہے اور یہ وہی نسل ہے جس کا طعنہ کفار مکہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نسل بریدہ ہیں! اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس طرح فرمایا۔

شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ ○ بے شک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہے

اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل تو تا قیامت باقی رہے گی اور اس نسبت روحانی اور معنوی

کے اعتبار سے آپ کے علم کی میراث اہل علم کو پہنچتی رہے گی۔

میراث پیغمبراں کا مقام

ہمارے شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردیؒ نے اپنے مشائخ کے حوالوں سے کثیر بن قیس سے یہ روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو الدرداؓ کے ساتھ جامع مسجد دمشق میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو الدردا میں آپ کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر "مدینہ" سے وہ حدیث حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ جس کے بارے میں مجھے علم ہوا ہے کہ آپ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے واسطے (عن) سے بیان فرماتے ہیں' (آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے بغیر کسی واسطے کے) حضرت ابو الدرداؓ نے ان سے کہا کہ آپ یہاں کسی تجارتی کام سے یا اور کسی کام سے آئے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ صرف اسی کام سے! یہ سن کر حضرت ابو الدرداؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور فرماتے تھے کہ جس شخص نے علم کے لئے راستہ طے کیا اور علم کی خواہش میں سفر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستوں میں سے کسی راستے پر لگا دے گا۔ (مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يلتمس بِهٖ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيقًا مِنْ طرف الْجَنَّة)۔

طالب علم کی فضیلت

حقیقت یہ ہے کہ طالب علم کو خوش کرنے کے لئے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں' آسمان و زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں تمام طالب علم کی مغفرت کی دعا کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس دعا میں شریک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عالم کی فضیلت عابد محض پر اس طرح ہے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہے' بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں جو ورثہ میں نہ دینار دیتے ہیں اور نہ درہم دیتے ہیں' ان کا ورثہ بس یہی علم ہے' پس جس نے اس کو حاصل کیا اس نے اس میراث سے حصہ پالیا۔ وہ اول شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سپرد فرمایا وہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں پھر ان سے یہ علم و حکمت ورثہ میں پایا اور انسان نے نسیان اور خطا اور خواہشات نفسانی کو بھی اسی طرح ان سے ورثہ میں پایا۔

ترکیب جسد آدمؑ

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین کے تمام اجزاء سے ایک مٹھی بھر کر لائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ایک جوہر کو پیدا کیا اور پھر اس سے زمین کے تمام اجزاء کو مرکب کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان مرکب اجزاء پر ایک نظر ڈالی تو ان میں کلمات خداوندی سننے اور جواب دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو اس طرح خطاب فرمایا:

اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ تم دونوں آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی کے ساتھ تو دونوں نے جواب دیا کہ ہم فرمانبردار بن کر آئے

اس وقت زمین کے اجزاء نے اس خطاب سے ایک خاصیت کو اخذ کر لیا اس کے بعد اس سے یہ خاصیت اس طرح لے لی گئی کہ اس سے صورت آدم (علیہ السلام) کو ترکیب دیا جائے، تب ان اجزائے زمین سے جسم آدم کی ترکیب کی گئی کہ یہ ترکیب اس خاصیت اخذ کردہ کا تقاضہ تھا، پھر ان اجزائے ارضی کی نسبت سے اس میں آرزو اور خواہش شامل ہو گئی۔ یہاں تک کہ فنا کے درخت کی طرف اس نے ہاتھ بڑھائے۔ اور یہ شجر فنا وہی ہے جس کو بعض اقوال میں گیہوں کا پودا بتایا گیا ہے، اس طرح اس قالب نے فنا کا راستہ پالیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت لطف و کرم سے روح پھونکی جس کی خبر اس ارشاد ربانی میں موجود ہے۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي — جب میں نے اس کو برابر کیا اور اس پر اپنی روح سے کچھ پھونکا

اس وقت یہ جسد صاحب علم و حکمت ہوا (اس طرح اس نے علم و حکمت کو حاصل کیا) اور تسویہ سے وہ نفس منفوسہ کا مالک بن گیا۔ (کہ تسویہ سے اس میں قبول نفس کی صلاحیت پیدا کر دی گئی تھی) اور نفخ روح سے اس میں روح روحانی پیدا ہو گئی (تسویہ اور نفع روح نے اس جسد آدم میں دونوں اوصاف پیدا کر دیئے یعنی اس کو نفس کا مالک اور روحانیت کا حامل بنا دیا) اگر اس قول کی شرح کی جائے تو موجب طوالت ہو گا۔ مختصر یہ کہ آدم کا قلب معدن حکمت اور ان کا قالب معدن ہواء نفس بن گیا۔ پھر اس جسد آدم سے یہ علم ہوئی منتقل ہونا شروع ہوا ور اولاد آدم کی میراث بن گئے۔ پس وہ جسد اپنے ان طبعی رجحانات کی وجہ سے جو خواہشوں کا مرکز ہیں وہ حقیقی باپ بنا مگر علم کے ذریعہ سے نیز روحانی اور معنوی ولادت سے اس نے روحانی باپ کا مرتبہ بھی حاصل کیا، اب یہ ولادیت ظاہری فنا پذیر ہو جائیگی مگر معنوی ولادت باقی رہے گی۔ کیونکہ اس ولادت روحانی و معنوی کا تعلق جنت کے اس درخت سے ہے جس کو درخت علم کہا جاتا نہ کہ گیہوں کے درخت (پودے) سے، اس گیہوں کے درخت کا نام شجرۃ الخلد، ابلیس نے رکھ دیا تھا کہ ہر وہ چیز کو متضاد نقطہ نظر سے دیکھتا ہے، اس بحث سے ثابت ہوا کہ شیخ روحانی باپ اور معنوی باپ ہے اسی لئے ہمارے شیخ الاسلام حضرت ابو النجیب اسہروردی یہ فرمایا کرتے تھے، --------- کہ میرا فرزند وہ ہے جو میری راہ پر چلے اور میری مثال اور میرے نمونے سے ہدایت حاصل کرے۔

شیخ کا مسلک اور مشیخیت کے اقسام

پس شیخ جو اس کے طریق سے کسب احوال کرتا ہے تو کبھی محبین کے ابتدائی حال میں اس کو چلایا جاتا ہے اور کبھی محبوبین کے انداز پر اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سالکین اور صالحین کا حال چار قسموں پر منقسم ہے یعنی سالک مجرد۔ مجذوب مجرد۔ سالک مابعد مجذوب اور مجذوب مابعد سالک یاد رکھو کہ ان میں سالک محض (سالک مجرد) مشیخت کا اہل نہیں ہے، شیخ نہیں بن سکتا اور نہ وہ اس مقام مشیخت تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ ایک ہی مقام پر پہنچ کر رک گیا ہے اور یہ مقام جہاں وہ ٹھہر گیا ہے مقام معاملات اور مقام ریاضت ہے وہ اس سے بلند مقام پر صعود نہیں کر سکتا اس لئے کہ صفات نفس اس میں باقی ہیں اور وہ رحمت الٰہی سے حصہ حاصل کرنے کے وقت اپنے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ اس حال سے ترقی کر کے اس حال تک نہیں پہنچ سکتا جس کے سبب وہ صعوبات کی سوزش سے راحت و آرام پائے۔ یہی کچھ حال مجذوب محض کا ہے کہ بغیر سلوک

کے اللہ تعالیٰ اس پر آیات یقین (یقین کی نشانیاں) ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے قلب سے کچھ پردے ہٹا دیتا ہے لیکن وہ معاملات کے راستہ پر گامزن نہیں ہوتا حالانکہ معاملات کا اثر کامل ہے (ہم عنقریب اس نکتہ کی وضاحت کریں گے) یہ بھی مشیخت کا اہل نہیں ہے' یہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حظ اور بہرہ لینے کے وقت اپنے حال پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اپنے اعمال میں سوائے چند فرائض کے ماخوذ نہیں ہے۔ (چند فرائض کے علاوہ اور اعمال پر اس کا مواخذہ نہیں ہے)۔

سالک مابعد مجذوب

سالک مابعد مجذوب وہ ہے جس کی ابتداء مجاہدہ محنت کشی یعنی ریاضت' معاملات بالاخلاص اور ایفا شرائط کے ساتھ ہو' جب وہ ان مراتب پر پورا اترتا ہے تو اس کو مجاہدہ کی تپش سے نکال کر راحت حال پر پہنچا دیا جاتا ہے گویا اس نے تلخ حنظل کے بعد شہد شیریں پالیا اور فضل کی بلندی پر آرام پاتا ہے کیونکہ وہ مجاہدہ کی تنگی سے نکال کر آسانی کے میدان میں آگیا ہے۔ (مجاہدہ کی سختی سے نکل کر راحت و آرام کی منزل پر آگیا ہے) یہاں پہنچ کر وہ قرب الٰہی کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مشاہدہ کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے درد کی دوا حاصل کر سکے۔ اس وقت اس کا ظرف مشاہدہ کی لذت سے لبریز ہو جاتا ہے اور کلمات حکمت اس کی زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں۔ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں' اور اس پر فتوحات غیبی متواتر ہونے لگتی ہیں اس طرح اس کا ظاہر تو مسدود ہو جاتا ہے لیکن باطن معرض شہود میں آجاتا ہے اور جلوہ کے لائق بنجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی جلوت میں خلوت کے خواص پیدا فرما دیتا ہے اس منزل پر پہنچ کر وہ ایسا غالب بن جاتا ہے کہ کوئی اس کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ اور وہ دوسروں پر تصرف کرتا ہے دوسرا اس پر تصرف نہیں کر سکتا ایسا شخص مشیخت کے لائق ہے (شیخ بن سکتا ہے) اس لئے کہ اس نے محبین کے طریقے کو اختیار کیا اور احوال مقربین پر پہنچ گیا۔ چونکہ وہ ابرار صالحین جیسے عمل کر کے اس سلسلہ میں داخل ہوا ہے

مشیخت کا بلند ترین اور کامل ترین مقام

لیکن مشیخت کا بلند ترین اور کامل ترین مقام "مجذوب مابعد سالک" کا مقام ہے جس کو اللہ تعالیٰ پہلے ہی کشف اور انوار یقین عطا فرما دیتا ہے اور اس کے قلب سے تمام پردے اٹھا دیتا ہے اور اس کو مشاہدہ کے انوار سے منور فرما دیتا ہے اور اس کے دل کو انشراح و فراخ حاصل ہوتا ہے۔ ہے وہ اس دار غرور (دنیا) سے دور ہوتا ہے اور دارالخلد کی طرف رجوع ہوتا ہے اس وقت وہ دریائے حال سے سیراب ہو کر اغلال (بندشوں) اور اعلال (اسباب) سے رہا ہو جاتا ہے اس وقت وہ علانیہ کہہ اٹھتا ہے کہ "لا اعبد ربا لم اره" (میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے نہ دیکھا ہو (یعنی وہ مشاہدہ میں عبادت کرتا ہے) اس وقت اس کے باطن سے اس کے ظاہر کو فیض پہنچتا ہے اور مجاہدہ اور معاملت کی صورت بغیر کسی دقت اور زحمت کے جاری ہو جاتی ہے بلکہ یہ مجاہدہ و معاملت (کے شدائد) اس کو لذیذ و خوشگوار محسوس ہوتے ہیں اس وقت اس کا قالب بھی اس کے قلب کی طرح محبت الٰہی سے پر اور مملو ہو جاتا ہے اور اس کی جلد میں ایسی ہی نرمی پیدا ہو جاتی ہے جیسی اس کے قلب میں ہے۔ اس کی جلد کے نرم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا قالب بھی عمل کو اسی طرح قبول کرنے لگتا ہے

جس طرح اس کا دل قبول کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے خاص ارادوں کو بڑھاتا ہے اور بامراد محبوبوں جیسی خالص محبت اس کو عطا فرماتا ہے' اس سے محبت کو منقطع کرتا ہے اور پھر محبت کرنے لگتا ہے' اعراض فرمانے لگتا ہے اور پھر سلسلہ پیام جاری فرما دیتا ہے۔ نفس کے جمود کو اس سے دور کر دیتا ہے اور روح کی گرمی سے اس کو گرماتا ہے' اس وقت نفس کی رگیں اس کے دل سے الگ ہو جاتی ہیں (تنكمش عن قلبه عروق النفس) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ

اللہ وہ ہے جس نے بہترین کلام کی کتاب نازل فرمائی جس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور دوہرائے ہوئے ہیں' اس کلام سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے پسیج جاتے ہیں۔

آیات مندرجہ بالا میں یہ خبر دی گئی ہے کہ جس طرح دل پسیج جاتے ہیں اسی طرح جلدیں بھی نرم پڑ جاتی ہیں اور یہ حال صرف انہی کا ہو سکتا ہے جو محبوب المراد ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ابلیس نے قلب تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا تو اس سے کہا گیا کہ یہ راستہ تیرے لئے ممنوع ہے۔ البتہ تجھے نفس کی ان رگوں کے ذریعے راستہ مل سکتا ہے جو نفس کے ذریعے قلب سے ملتی ہیں' جب تو ان رگوں میں داخل ہو گا تو ان تنگ نالیوں (کے فشار) کی وجہ سے تو پسینہ سے شرابور ہو جائے گا اور تیرا پسینہ اس دل میں آب رحمت سے مل جائے گا جو قلب کی جانب سے ایک ہی سمت میں ٹپکتا رہتا ہے اس طرح تیرا تسلط قلب پر ہو جائے گا لیکن جس کو میں پیغمبر یا ولی بناؤں گا اس کے قلب کے بطن سے میں ان رگوں کو دور کر دوں گا اس طرح وہ قلب (پیغمبر اور ولی کا قلب) تیری رسائی سے محفوظ رہے گا اگر تو ان رگوں میں داخل بھی ہو جائے گا تب بھی قلب تک تیری رسائی نہ ہو سکے گی اور ان لوگوں کے دلوں پر تیرا تسلط نہ ہو سکے گا۔

شیخ کا قلب شیطان کے تسلط سے محفوظ ہے

پس وہ بامراد محبوب جو مشیخت کا سزاوار اور اہل ہے اس کا قلب سلیم سادہ اور اس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کی جلد نرم ہو جاتی ہے اس طرح اس کا قلب روح کا اور اس کا نفس قلب کا ہم مزاج بن جاتا ہے اس طرح وہ نفس جو بدی کا حکم دینے والا ہے اس کی جلد بھی نرم پڑ جاتی ہے اور جب وہ روحانی کیفیات سے بہرہ ور ہو جاتا ہے تو وہ عمل کی طرف رجوع ہوتا ہے اس طرح ہمیشہ اس کی روح خداوند تعالیٰ کی طرف کھینچتی ہے اس صورت میں قلب روح کا تابع ہو جاتا ہے' قلب کا تابع نفس بن جاتا ہے اور نفس کا تابع قالب ہو جاتا ہے اس طرح اعمال قلبی اور اعمال قالبی میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جاتے ہیں اور ظاہر باطن کی طرف اور باطن ظاہر کی طرف ہو کر یک رنگ ہو جاتے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا' حکمت قدرت میں' اور قدرت حکمت میں' دنیا آخرت میں اور آخرت دنیا میں سمو جاتے ہیں اور ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں' ایسے موقع پر وہ بامراد محبوب یہ کہنے میں حق بجانب ہوتا ہے کہ اگر تمام پردے اٹھا دیئے جائیں تب بھی میرے ایمان و یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا۔ پس اس حال میں پہنچ کر وہ بامراد محبوب حال کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ خود حال پر غالب آجاتا ہے۔

قلب و نفس کی غلامی سے کس طرح آزادی ملتی ہے

وہ شیخ جو محبین کے راستے سے محبوب تک پہنچنا چاہتا ہے وہ نفس کی قید سے تو آزاد ہوتا ہے لیکن قلب کی قید سے آزاد نہیں ہوتا لیکن وہ شیخ جو بجائے محبین کے راستے کے محبوبیت کے راستے سے محب تک پہنچنا چاہتا ہے وہ قید نفس اور قید قلب دونوں سے آزاد ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس تو ارضی تاریکیوں کا پردہ ہے اس لئے پہلی قسم کا شیخ اس سے آزاد ہوتا ہے (ارضی تاریکیاں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں وہ ان سے آزاد ہوتا ہے) اور قلب ایک آسمانی اور نورانی حجاب ہے اس سے صرف وہی شیخ آزاد ہوتا ہے جو محبوبین کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ اپنے دل کا مقید نہیں ہوتا بلکہ بالکل اپنے رب کا ہو جاتا ہے اسی طرح وقت اس کے لئے ہو جاتا ہے' وہ وقت کا پابند اور وقت سے متعلق نہیں رہتا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی حق کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اس پر صدق کے ساتھ ایمان لاتا ہے اور پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ فکر و خیال میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز رہتا ہے' دل بھی اس کا مومن بن جاتا ہے اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے (سراپا بندگی بن جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض سجدوں میں ارشاد فرمایا کرتے تھے اس وقت اللہ کی بندگی اور عبودیت سے ایک بال بھی اعراض و اختلاف نہیں کرتا۔ رواں رواں اور ایک ایک بال اس کے حضور میں سجدہ ریز ہے۔ اس وقت ایسی عبادت ملائکہ کی عبادت کی طرح بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے سب کے سب خداوند تعالیٰ کی چارو ناچار عبادت کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ ریز رہتے ہیں۔

سجدہ کرنے والے سائے عارفونکے قالب ہیں

پس سجدہ کرنے والے سائے' اجسام عارفین ہیں۔ یعنی یہ ظاہری دنیا میں مقرب ارواح کے سائے ہیں (جب ہی تو وہ ہمہ وقت سجدہ ریز ہیں) اس دنیائے ظاہر کے اجسام تو کثیف ہیں لیکن ان کے ظلال لطیف ہیں اور عالم غیب میں اصل لطیف ہے اور ظلال کثیف' پس جو نیک قالب ہیں ان کے لطیف و کثیف (قوالب و ظلال دونوں) سجدہ ریز رہتے ہیں' یہ جو حال بیان کیا گیا ان مشائخ کا ہے جو محبوب کے راستے پر گامزن ہیں اور جو مشائخ محبین کے راستے پر گامزن ہیں ان کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ وہ اعمال ظاہری کی پیروی کرتے ہیں اور وجدان حال کی کیفیات سے ان کے دل لبریز نہیں ہوتے ہیں یہ حالت ان کی قصور علم کے سبب سے ہے (علم عرفان کی کمی) اور حظ محبت سے کم مائیگی (کم نصیبی) اس کا باعث ہے اگر وہ کثیر العلم ہوتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ اعمال کا احوال کے ساتھ ایسا ہی رابطہ ہے جیسا روح کا جسم کے ساتھ! اور پھر وہ سمجھ لیتے کہ اعمال سے اغماض اور بے پروائی اسی طرح ناممکن ہے جس طرح عالم شہادت (دنیا) میں اجسام سے گریز نا ممکن ہے بس جب تک قوالب موجود ہیں اعمال بھی موجود اور باقی ہیں۔

عارف محقق اور شیخ مطلق

جس نے اس مقام کو پالیا اور جو کوئی اس حال کے مطابق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا تو وہی شیخ مطلق، عارف محقق اور محبوب و ارستہ و آزاد ہے' اس کی ایک نگاہ دوا کا کام کرتی ہے اور اس کا کلام شفا ہے' وہ اللہ ہی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے (جو کچھ کہتا ہے منجانب[1] اللہ کہتا ہے اور خاموش رہتا ہے تو اللہ ہی کے ساتھ' جیسا کہ حدیث فارسی میں وارد ہوا ہے کہ۔

وَلَا یزال الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوافِلِ حَتّٰی اُحِبُّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعًا وَ بَصَرًا وَیَدًا وَ مویدًا بِیْ یَنْطِقُ وَ بِیْ یَبْصِرُهٗ (الحدیث)	ہمیشہ بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب چاہتا ہے تاآنکہ میں اس کو چاہوں اور جب میں اس کو چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان ہاتھ آنکھ بن جاتا ہوں' وہ میرے ساتھ دیکھتا' میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ بولتا ہے

پس یہی حال شیخ کا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ بخشتا ہے اور اللہ کے ساتھ روکتا ہے' نہ اس کی اپنی رغبت دینے میں ہے اور نہ روکنے میں بلکہ وہ اللہ کی مراد اور مرضی کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ اس پر اپنی مرادیں ظاہر فرما دیتا ہے تو پھر سب کچھ (جو اس سے سرزد ہوتا ہے) اللہ کی مراد سے ہوتا ہے۔ اس کی نفسانی مراد کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ صاف ستھری صورت میں نمودار ہو تو وہ اس مراد الٰہی کو پورا کرنے کے لئے ایسی ہی (صاف و ستھری) صورت اختیار کر لیتا ہے نہ اس لئے کہ صاف ستھری شکل و صورت قابل تعریف[2] ہے۔ بخلاف اس خادم کے جو عباد اللہ کی خدمت پر قائم ہے (خدا کے نیک بندوں کی خدمت کرنے والے خادم کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے۔

---

(1) اسی مقام کو پیر رومیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے گفتہ او گفتہ اللہ بود: گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔

(2) اس لئے کہ اللہ جمیل و یحب الجمال۔

باب 11

صوفیہ کا حقیقی اور مشابہ خادم

خدام صوفیہ

باری تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ "اے داؤد! جب تم میرے کسی طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ"۔

ایسا خادم بزرگوں کی خدمت محض اس لئے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے۔ خادم ان لوگوں کی خدمت انہیں آرام پہنچانے اور اللہ والوں (شیوخ حضرات) کو ذریعہ معاش سے فارغ و بے نیاز کرنے کے لئے کرتا ہے' وہ اس سلسلہ میں جو کام کرتا ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے' پس جس طرح شیخ اللہ تعالیٰ کی مراد اور منشاء (نیت) سے واقف ہے اسی طرح خادم بھی اپنی (خلوص) نیت سے واقف ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کے لئے کرتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح شیخ جو کچھ کرتا ہے محض اللہ کے لئے کرتا ہے پس دونوں میں فرق یہ ہے کہ شیخ مقربین بارگاہ کی منزل پر فائز ہے اور خادم (صوفیہ) مقام ابرار پر متمکن ہے' پس خادم بذل و ایثار خدمت اور غیروں کے غیر سے بھی نرمی کا برتاؤ اختیار کرتا ہے (خدمت خلق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے)۔ اور اپنا سارا وقت بندگان الٰہی کی خدمت میں صرف کر دیتا ہے اور وہ اپنے اس کام (خدمت خلق) کو نوافل اور اعمال حسنہ پر ترجیح دیتا ہے۔

شیخ و خادم میں اشتباہ

پس خادم کی یہ خدمت' بذل و ایثار دیکھ کر بہت سے لوگ جو خادم اور شیخ کے حقیقی فرق سے آشنا نہیں ہیں خادم کو شیخ کا ہم مرتبہ سمجھنے لگتے ہیں' اسی طرح بعض خادم بھی اپنے مرتبہ سے ناواقف رہ کر خود کو شیخ سمجھ بیٹھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اس زمانے میں علوم تصوف اور علوم متداولہ کی کمی ہو گئی ہے اور بہت سے مشائخ فقراء نے لقمہ کھلانے پر قناعت کر لی ہے۔ (لقمہ کھلانا ہی کافی سمجھ لیا ہے) چنانچہ ان کا یہ خیال ہے کہ جو زیادہ لقمے (کھانا) کھلاتا ہے وہ شیخ بننے کا زیادہ مستحق ہے۔ لیکن انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص خادم صوفیہ ہے شیخ نہیں ہے (کھانا کھلانا ایک خدمت ہے) اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ خادم کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے بلکہ خادم کے اس مقام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقام حسن حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو بہرہ صالح کہا گیا ہے' چنانچہ یہ حدیث خادم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے جس کو ہمارے شیخ ابو

زرعہؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران کے مقام پر تشریف فرما تھے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا' آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ "تم بھی کھاؤ"۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا روزہ ہے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اپنے دو ساتھیوں کے لئے ٹھہر جاؤ! اور اپنے دو ساتھیوں کا کام کرو! تم نزدیک آؤ پھر کھاؤ یعنی تم دونوں روزہ رکھنے یعنی خدمت کے باعث ضعیف ہو گئے' پس تم کو ایسے شخص کی حاجت ہے جو تمہاری خدمت کرے' پس تم دونوں کھاؤ اور اپنی ذات کی خدمت کرو۔

اس لحاظ سے خادم فیضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے (حصول فضل پر حریص ہے) پس وہ کبھی کسب کو اس کا ذریعہ بناتا ہے اور کبھی وہ دوسروں سے مدد طلب کرتا ہے اور دریوزہ گری کرتا ہے اور کبھی وہ مال وقف کا منتظم بن جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کی بہتر نگرانی کر سکتا ہے اور اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس مال وقف کو ان لوگوں تک پہنچا دے جن کے لئے مال وقف کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کی شریعت نے ممانعت نہیں کی ہے (لیکن لوگ پسندیدہ نظروں سے اس حیثیت کو نہیں دیکھتے) تاکہ وہ خدمت خلق کا ثواب حاصل کر سکے۔[1]

شیخ کی بصیرت

شیخ طریقت اپنی کامل بصیرت اور علمی قابلیت سے یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ خرچ اور انفاق کے لئے علم کامل کی ضرورت ہے اور نیت نفس کی پوشیدہ خواہشوں سے بالکل پاک اور صاف ہونا چاہیے تب وہ خرچ اور انفاق کے مواقع کو سمجھ سکے گا اور اس سلسلہ میں خدمت انجام دے سکے گا۔ لیکن اگر اس کی نیت خالص ہوتی اور شائبہ نفس شامل نہ ہوتا تو وہ اس معاملہ میں رغبت نہ کرتا' اس کا اس امر میں رغبت کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی مراد (حصول فضل) اس میں موجود ہے' لیکن شیخ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ اس میں اس کی کوئی آرزو اور خواہش ہے کہ شیخ تو ترک مراد کی منزل پر پہنچ چکا ہے وہ تو صرف مراد حق تعالیٰ کو پورا کرتا ہے (اس کی ذاتی مراد کچھ نہیں ہے)۔

جنت کا مختصر راستہ

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ کہ یہ فرماتے سنا ہے کہ جنت کو سیدھے جانے کا ایک مختصر راستہ ہے' میں اس سے واقف ہوں۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کونسا راستہ ہے' انہوں نے فرمایا کسی سے کچھ طلب نہ کرے اور نہ کسی سے کچھ لے' تیرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے کہ اس سے تو کسی کو کچھ دے (کسی کو کچھ دینے کے لئے تیرے پاس کچھ نہ ہونا چاہیے)۔

مگر خادم یہ سمجھتا ہے کہ جنت کا راستہ بذل و ایثار ہے' اس لئے کہ نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے ہرچند کہ

---

(۱) اس خصوص میں بزرگان دین کے بیشمار واقعات موجود ہیں کہ خدمت خلق کے جذبہ میں انہوں نے ادنی سے ادنی ترین کام کو بصد شوق اختیار کیا ہے بشرطیکہ شریعت کی جانب سے اس کام سے نہ روکا گیا ہو۔

خادم نوافل کے ثواب پر یقین رکھتا ہے لیکن بایں ہمہ خدمت کو ان نوافل پر ترجیح ہے جو حصول ثواب کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن یاد رہے کہ اس سے وہ نوافل مراد نہیں ہے جن کے ذریعہ روحانی حال اور کیفیت (باطن) کو درست کیا جاتا ہے کہ یہ نقد قبل از وعدہ ہے

(وعدہ ثواب سے پہلے ہی حال کی درستی موجود ہے)- یہ جو کہا گیا کہ نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے' یہ روایت اس قول کی دلیل ہے جو ہم سے ابو زرعہ" نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا ایک سفر میں ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ہم میں سے بعض کے روزے تھے اور بعض بغیر روزے کے تھے' سخت گرمی کا دن تھا' اس میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا' ہم میں بعض اپنے ہاتھوں کو سورج کی اوٹ بنائے ہوئے تھے اور جن کے پاس چادریں تھیں انہوں نے چادروں کی اوٹ بنالی تھی اور اس کے سائے میں بیٹھ گئے تھے' جو لوگ روزہ دار تھے وہ سائے میں سو گئے لیکن جو بغیر روزے کے تھے وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے خیمے گاڑے اور سواریوں (اونٹوں وغیرہ) کو پانی پلایا (ان کی یہ خدمت دیکھ کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج بے روزہ والے ثواب لے اڑے-" یہ حدیث دلیل ہے کہ نوافل پر خدمت کو فضیلت حاصل ہے اور خادم کے لئے مقام نادر ہے جس کی اس کو رغبت ہوتی ہے'

حقیقی خادم نہ ہونا اور خادم کے مشابہہ ہونا

وہ شخص جو اپنے نفس کی آمیزش سے خدمت کے لئے نیت خالص نہیں رکھتا بلکہ وہ خادم کی مشابہت پیدا کرتا ہے اور فقراء کی خدمت اسی تشابہ کے ساتھ کرتا ہے' اور خدام صوفیہ کی تقلید میں حسن عقیدت کے ساتھ انہی کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے شخص کی خدمت نیکی اور بدی کا مجموعہ ہوتی ہے چنانچہ نتیجہ اس آمیزش کا یہ ہوتا ہے کہ- کبھی تو وہ اپنے ایمان اور حسن عقیدت کی بناء پر صوفیہ کی صحیح خدمت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی اپنے نفس کی آمیزش کی وجہ سے اس خدمت میں ناکام رہتا ہے اور وہ ایک شے کو اس کے غیر محل میں استعمال کرتا ہے اور کبھی یہی خادم اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر ان لوگوں کی خدمت کرتا ہے جو اس خدمت کے مستحق نہ تھے' اس خدمت کی ایک وجہ حصول ثواب اور رضائے حق تعالیٰ کی توقع کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ مخلوق خدا سے تعریف و ستائش کی توقع رکھتا ہے بلکہ اکثر اوقات تو اس کی خدمت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں- کبھی ایسے خادم کی یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ اس کو کسی شخص کی کوئی بات ذاتی طور پر ناگوار گزری تو وہ اس کی خدمت سے رک گیا اس طرح وہ خوشی اور ناخوشی دونوں حالتوں میں خدمت خلق سے اعراض اور کوتاہی کرتا ہے کیونکہ ذاتی عداوت اور رنجش کے سبب سے اس کی طبیعت اور اس کا مزاج بدل جاتا ہے (پس ایسا شخص متخادم ہے خادم نہیں ہے) اور جو سچا خادم ہوتا ہے وہ خوشی اور غضب دونوں صورتوں میں خدمت خلق بجالاتا ہے اور نفس کی پیروی نہیں کرتا- نہ خدا کی راہ میں اس کو ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ ہوتی ہے بلکہ وہ ہر مقام اور ہر حالت میں جو مناسب ہوتا ہے وہی کرتا ہے[1]

[1] بضع الشئی الوضعه- مناسب حال جو ہوتا ہے وہی کرتا ہے' شی کو اس کی جگہ پر جس کے لئے وہ وضع کی گئی ہے رکھتا ہے۔

پس ایسا شخص جس کی وضاحت ہم نے اوپر کی ہے، جھوٹ موٹ کا خادم ہے، حقیقت میں خادم نہیں ہے اور خادم و متخادم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے جس کو صحت نیت کا علم ہو، اور جو دوسروں کی خواہشات کو کدورتوں سے پاک و صاف کر سکے۔ ہر شخص خادم و متخادم میں تمیز نہیں کر سکتا۔

متخادم کا ثواب

اکثر نجیب متخادم کو بھی بعض خدمتوں اور کاموں کا ثواب مل جاتا ہے لیکن یا لنمہ وہ خادم کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ اس کا حال نفسانی خواہشات کی آمیزش سے پاک و صاف نہیں ہوتا، لیکن جو شخص فقراء کی خدمت پر مامور ہے اور مال وقف اس کے سپرد ہے یا وہ مال وقف کو بڑھاتا ہے یا حصول جاہ یا فوری طور پر کسی مفاد کی خاطر خدمت خلق میں مصروف رہتا ہے اس صورت میں وہ حقیقی خدمت نہیں کرتا بلکہ اس طرح وہ اپنی ذات کی خدمت کرتا ہے اگر اس کا یہ ذاتی مفاد ختم ہو جائے تو وہ اس خدمت کو بھی ترک کر دے گا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ خدمت کرنے والا دوسروں سے اپنی خدمت لیتا ہے اس طرح وہ دوسروں کی خدمت اپنے حظ نفس کے لئے کرتا ہے وہ محفلوں میں ان سے کثرت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے جاہ و منصب میں یہ ظاہر کرکے اضافہ کرتا ہے کہ اس کے ماننے والے (خدمت گار) بہت ہیں، ایسا شخص درحقیقت اپنے نفس کا غلام ہے اور دنیا کا طالب ہے اور رات دن دنیاوی چیزوں کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے اور ان کا حریص بنا رہتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنی قدر و منزلت قائم کر سکتا ہے اس طرح وہ اپنے نفس اور زن و فرزند کو خوش رکھتا ہے، اس کی دنیاوی حرص بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس کی دنیاوی شان و شوکت بڑھتی چلی جاتی ہے، وہ ایسا لباس پہنتا ہے جو خادموں اور فقراء کا نہیں ہوتا اس کا نفس، لذتوں کی طلب پر اس کو ابھارتا ہے، اس طرح ریاست و امارت اس پر غالب آجاتی ہے۔ جس قدر اس کا منافع بڑھتا جاتا ہے اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے پھر وہ فقراء پر دست درازی اور زیادتی شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح فقراء اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کی زیادہ خوشامد کریں تاکہ اس خوشامد سے اس کی رضا حاصل کر سکیں اور اس کی دست درازیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ انہیں یہ خوف رہتا ہے کہ اگر وہ اس کی خوشامد نہیں کریں گے تو جو وظیفہ ان کو وقف سے ملتا ہے۔ صاف وقف یا منتظم وقف اس کو بند کر دے گا۔ پس ایسا شخص نہ خادم ہے نہ متخادم بلکہ وہ مستخدم (خدمت لینے والا ہے)۔

ان تمام باتوں کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ فقراء برکات سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور سبب اس بہرہ وری کا یہ ہے مستخدم فقراء کی خدمت کو غیروں کی خدمت پر ترجیح دیتا ہے اور مقدم سمجھتا ہے اور اس صورت میں اسے فقراء کے ساتھ نسبت حاصل ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں ہم ایک قول بطور سند پیش کر چکے ہیں کہ ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھی اور ہم نشین ان کی بدولت بدنصیب اور محروم نہیں ہوتے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ مستخدم خادموں کے ساتھ والوں میں شمار ہو کر خادموں کے اجر سے محروم نہیں ہوتے اور ان کا شمار بھی خادموں ہی میں کیا جاتا ہے۔

---

(۱) ایسی خوشلد اور رضاجوئی سے فقیری پر حرف آتا ہے۔ حصول رزق کے لئے غیر کی خوشلد توکل کے خلاف ہے اور شان عبدیت کے منافی ہے۔

باب 12

صوفیہ اور مشائخ کا خرقہ

خرقہ پوشی

خرقہ پوشی یا خرقہ، شیخ اور مرید کے مابین ایک رشتہ ارتباط ہے اور مرید کی جانب سے شیخ کی خدمت میں ایک ذریعہ تحکیم ہے (یعنی مرید شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کرلیتا ہے) جب مصالح دنیوی کے لئے یہ تحکیم (حاکم بنانا) شریعت میں جائز ہے اور پسندیدہ امر ہے تو پھر منکر خرقہ (خرقہ پوشی) اس کا کس طرح انکار کرتا ہے جو ایک ایسے طالب صادق کو شیخ پہناتا ہے جو اس کے پاس حسن عقیدت کے ساتھ آیا ہے اور مذہبی امور میں اس کو اپنا رہبر بناتا ہے تاکہ شیخ اس کو راہ ہدایت پر لگائے اور اس کو آفات نفس کی بصیرت عطا کرے، اعمال کے فساد سے وقوف بخشے اور بتائے کہ نفس دشمن کن کن راستوں سے راہ پالیتا ہے!

اس طرح مرید اپنے نفس کو شیخ کے حوالے کردیتا ہے اور اس کی رائے کو تسلیم کرلیتا ہے اور تمام معاملات میں اس کی صوابدید کا پابند ہوتا ہے، پس خرقہ پوشی اس امر کا اظہار ہے کہ اب شیخ کو اس پر پورا تصرف حاصل ہوگیا ہے اور جب مرید نے خرقہ پہن لیا تو گویا اس نے خود کو شیخ کے سپرد کردیا اور مرید کا شیخ کے حکم کے تابع ہو جانا اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کا تابع ہو جانا ہے اور اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کو تازہ کرتا اور اس کی تجدید کرتا ہے جو ایک سنت ہے۔

خرقہ پوشی عین بیعت ہے

شیخ ابو زرعہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور فراخی مسرت اور غم ہر حال میں آپ کے احکام بجالائیں گے اور ہم اولی الامر کے احکام بجالانے میں نزاع نہیں کریں گے، ہم جہاں ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔ پس خرقہ پوشی عین بیعت ہے اس طرح خرقہ صحبت شیخ کے حصول کی دہلیز ہے اور مقصود کلی وہی صحبت شیخ اور اس ہمنشینی ہے اور صحبت ہی کے باعث مرید سے خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔

تصرف و تربیت شیخ کے اثرات!

حضرت ابو القاسم قشریؒ اپنے شیخ ابو علی الدقاقؒ سے روایت کرتے ہیں َ۔ اس درخت میں جو خود رو ہوتا ہے اور جس کو باغباں نہیں لگاتا اس میں پتے تو نکل آتے ہیں لیکن اس میں پھل نہیں آتا اور وہ ایسا درخت ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنَّهَا تَثْمُرُ كَالاَ شْجَارِ الَّتِىْ فِى الْاَوْدِيَةِ وَالْجِبَالِ لٰكِنْ لاَّ يَكُوْنُ بِفَاكِهَتِهَا طُعْمُ فَاكِهَةِ البَسَاتِيْنِ۔

اور ممکن ہے کہ اس میں پھل بھی آجائے جس طرح پہاڑی جنگلی درختوں میں پھل آجاتا ہے لیکن اس کا ذائقہ اس پھل کی طرح نہیں ہوتا جیسا کہ باغات کے پھلوں کا ہوتا ہے۔

اور جب باغبان اس کی پود لگاتا ہے اور پھر ایک جگہ سے نکال کر اس کو دوسری جگہ منتقل کرتا ہے تو اس کی حالت اچھی ہو جاتی ہے اور اس میں خوب پھل آتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تصرف کیا جاتا ہے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے پھر وہ خوب پھلتا ہے جس طرح شریعت نے پڑھائے ہوئے (سدھائے ہوئے) کتے کے علم کا اعتبار کیا ہے (کہ اس کا شکار کیا ہوا جانور حلال کیا ہے اور جو سدھایا ہوا نہ ہو اس کے شکار کو حلال نہیں کیا ہے)۔ میں نے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ "من لم یر مفلحا لا یفلح۔" جس نے فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھا وہ فلاح نہیں پائے گا۔ پس ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارک موجود ہے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام علوم اور آداب کی تعلیم حاصل کی ہے جیسا کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کی تعلیم دی یہاں تک کہ مکروہات سے بھی ہم کو واقف کرا دیا۔ پس جب مرید صادق' حکم شیخ کے تحت داخل ہو جاتا ہے (اس کا تابع ہو جاتا ہے) اور اس کی صحبت میں رہتا اور اس سے ادب سیکھتا ہے تو شیخ کی باطنی قوت مرید کے باطن میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے جیسے ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن ہو جاتا ہے (شیخ اپنے مرید کے باطن کو بھی روشن کر دیتا ہے) شیخ کا کلام مرید کے باطن کو معمور کر دیتا ہے اور اس وقت شیخ کے ارشادات و مقالات جو حال کے نفائس کا خزانہ ہیں اپنی تمام ترکیفیات کے ساتھ فیض محبت اور سماع کے ذریعہ شیخ سے مرید میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب مرید خود کو شیخ کے لئے وقف کر دے۔ اور اپنے نفسیاتی ارادوں اور اختیارِ نفس کو ترک کر کے شیخ میں فنا ہو جائے۔

خرقہ' اللہ تک رسائی کا مبرا ہے

اس تألف و رابطہ الٰہی کی بدولت' صاحب و مصحوب (مرید و مراد شیخ و مرید کے مابین روحانی نسبت اور فطری طہارت کی مناسبت سے ایک ایسا امتزاج اور ارتباط پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث مرید اپنا رشتہ شیخ سے منقطع نہیں کر سکتا' اور اسی طرح ترک اختیار کے ساتھ ادب حاصل کرتے ہوئے وہ شیخ کے ساتھ ترک اختیار کی منزل سے ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ

ترک اختیار کی منزل پر پہنچ جائے گا (اب اس کا اختیار اس کا اختیار نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہو گا) اس وقت وہ خدا کا کلام اسی طرح سمجھنے لگے گا جس طرح وہ شیخ کا کلام سمجھتا تھا۔

اس خیر کل مبدا اور اس روحانی ترقی کا سرچشمہ شیخ کی ملازمت اور صحبت ہے اور خرقہ اس کا مقدمہ اور نقطہ آغاز ہے۔

خرقہ پوشی، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

شیخ ابو زرعہؒ نے اپنے شیوخ کی اسناد کے ساتھ حضرت ام خالد بنت خالدہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ کپڑے (لباس) پیش کئے گئے۔ اس میں ایک چھوٹی سیاہ کملی (خمیصہ) بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کملی کو کون پہنے گا یہ سن کر حاضرین خاموش ہو گئے، حضورؐ نے فرمایا ام خالد کو میرے پاس لاؤ چنانچہ میں حاضر خدمت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے وہ کملی پہنائی اور دوبارہ فرمایا "اس کو پہنو اور پرانا کرو۔" آپ نے اس کملی کی سرخ اور زرد دھاریوں کو دیکھ کر فرمایا "اے ام خالد یہ بہت ہی اچھی ہے"[1]

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح اور جس ہیئت میں اس زمانے کے شیوخ خرقہ پوشی کرتے ہیں ایسا طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں نہیں تھا۔ یہ صورت موجود اور اس پر مسلسل عمل اور اس کو ضروری سمجھنا اس وجہ سے ہے کہ شیوخ اس کو مستحسن سمجھتے ہیں اور اس کی اصل تو وہی حدیث ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں (حضرت ام خالدؓ کی حدیث) اور اس پر وہ تحکیم شاہد ہے جس کا ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں، بہرحال اس سے زیادہ موکد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور کیا ہو سکتا ہے کہ خلق خدا کو، خدا کی طرف دعوت دی جائے (کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد خاص یہی تھا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جائے پس شیخ بھی اس کی اتباع کرتا ہے اور وہ مخلوق کو دعوت حق دیتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم (قرآن مجید) میں امت کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم (حکم، تسلیم کرنا آیت تحکیم میں بیان کیا گیا ہے اس بناء پر مرید کا اپنے شیخ کو حاکم تسلیم کرنا اس آیت تحکم کا احیا اور اس کا تازہ کرنا ہے۔ آیت تحکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پارہ ۵ سورہ نساء)

پس قسم آپ کے رب کی۔ وہ ایمان والے نہیں ہیں جب تک وہ آپ کو حکم اور منصف نہ مان لیں اس معاملے میں جس میں وہ آپس میں جھگڑتے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اس فیصلے سے جو آپ کر دیں اور وہ اس کو اچھی طرح قبول اور تسلیم کرلیں۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک دوسرے صحابیؓ نے رسول خدا صلی

---

(1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ "سناہ" ہے اور سناہ حبشی زبان میں اچھے اور حسن کو کہتے ہیں (یا ام خالد هذا سناه والسناه هو الحسن بلسان الحبشه) عوارف المعارف 97 چاپ بروت لیس الخرقته علی الهیة التی تعتدها الشیوخ فی هذالزمان لم یکن فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حرۃ میں واقع آب رسانی کی ایک نالی کا تنازعہ پیش کیا- دونوں حضرات اس شراج (آب رسانی کی نالی) سے اپنے خرمے کے درختوں کو پانی دیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معاملہ سن کر ارشاد فرمایا کہ اے زبیر! تم آبپاشی کرو اور پھر اپنے ہمسائے کے لئے پانی جانے دو (اس کو بھی اس شراج سے پانی لینے دو) اس طرح آپ نے آب رسانی میں پہلا حق حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تسلیم کیا یہ فیصلہ سن کر وہ صحابیؓ جز بز ہوئے اور کہا کہ رسول اللہؐ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کیا (رعایت کی) اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب سے پیش آنے کی تعلیم دی گئی اور اس ادب کو شرط

ایمان قرار دیا گیا (یعنی ظاہری اور باطنی اطاعت و رضا شرط ایمان ہے)۔

شیخ کے تصرفات باطنی

پس یہی شرط مرید کے لئے شیخ کے ساتھ ہے جب کہ وہ اس کو اپنا حاکم تسلیم کرے، پس خرقہ پہن لینا گویا اس بات کا اقرار ہے کہ اس نے تمام حالات میں شیخ کو متہم کرنے یا اس پر اعتراض کرنے سے خود کو محفوظ کر لیا ہے، اور شیخ پر اعتراض مریدوں کے حق میں زہر قاتل ہے اور وہ مرید جو شیخ کے تصرفات باطنی پر اعتراضات کرتا ہے وہ ارادت میں کامیاب نہیں ہو سکتا اس کو فلاح میسر نہیں آسکتی، جب شیخ کے باطنی تصرفات مرید کے فہم میں نہ آئیں تو اس وقت اس کو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرنا چاہیے کہ کس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے باطنی تصرفات پر اعتراض کئے تھے لیکن جب اصل حقیقت ان پر ظاہر کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام کو اس میں وجہ صواب نظر آئی[1]- (اور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جو کچھ حضرت خضر علیہ السلام نے کیا وہ درست تھا)۔

خرقہ پہنانے میں نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

پس مرید کو سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ کے ان تمام تصرفات میں جن میں مرید کو بظاہر اشکال نظر آتا ہے، شیخ کے پاس اس کی صحت کی حجت اور دلیل موجود ہے (شیخ جو کچھ کر رہا ہے وہ درست ہے) مرید کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ شیخ کے خرقہ پہنانے میں شیخ کا ہاتھ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کر رہا ہے- اور آپ کے دست مبارک کا قائم مقام ہے پس وہ شیخ کی قیادت کو تسلیم کر کے اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کو تسلیم کر رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ○

اے پیغمبر! وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ در حقیقت خدا کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں- خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے پس جو کوئی اس بیعت کو توڑے گا وہ اپنے ہی نقصان کے لئے توڑے گا۔

---

(۱) بقول علامہ اقبال :- کشتی مسکین، جان پاک و دیوار یتیم - علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش!

فیضان خرقہ پوشی

چنانچہ جب شیخ مرید کو خرقہ پہناتا ہے تو وہ مرید سے خرقہ کے شرائط بجالانے کا عہد و پیمان لیتا ہے اور اس کو خرقہ پوشی کے تمام حقوق سے آگاہ کر دیتا ہے' پس شیخ مرید کے لئے ایک ایسی صورت ہے جس کے پیچھے مطالبات الٰہی اور مرضیات نبوی اس کو نظر آتی ہیں۔ (شیخ کے توسط سے مرید فرائض الٰہی اور سنت رسول اکرم ﷺ سے آگاہ ہوجاتا ہے)۔ یہ چیزیں اس کو بالکل اسی طرح نظر آتی ہیں جیسے تنگ لباس سے اعضائے جسمانی نظر آتے ہیں۔ اس وقت مرید کا یہ اعتقاد اور بھی راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے کہ شیخ ایک دروازہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آستانہ لطف و کرم کی طرف کھول دیا ہے جہاں سے وہ آستانہ کرم الٰہی میں داخل ہوتا ہے اور لوٹ کر وہیں پہنچ جاتا ہے۔ پھر شیخ ہی کے ساتھ اس کی تمام وارداتیں دینی اور دنیوی مہمات سرانجام ہوتی ہیں اور اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اس پر خداوند تعالیٰ جو فضل و کرم نازل فرما رہا ہے وہ شیخ ہی کی بدولت اور اسی کے واسطہ سے نازل ہو رہا ہے' اور جس طرح وہ اپنے شیخ کی طرف رجوع ہوتا ہے اسی طرح شیخ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے لطف کرم کا دروازہ شیخ کے لئے خواہ وہ عالم بیداری میں ہو یا حالت خواب میں ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ شیخ بھی ہوائے نفسانی سے مرید کے معاملات میں کام نہیں لیتا کیونکہ مرید شیخ کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے اور وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں مرید کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے فریاد کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سے وہ اپنی ضرورتوں اور اپنی دینی اور دنیاوی حالتوں کے پورا کرنے کے لئے فریاد کرتا ہے۔

شیخ کا استغاثہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔

(اور کسی آدمی کی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ سے کلام کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں القاء فرما دے یا پردے کے پیچھے (بذریعہ الہام) سے یا کسی رسول (قاصد) کو بھیجے۔

لہٰذا قاصد یا وحی کے ذریعہ کلام کرنا تو پیغمبروں اور رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے' البتہ پردے کے پیچھے یعنی بذریعہ الہام و القاء ہاتف غیبی یا خوابوں کے ذریعہ مشائخ اور جلیل القدر علماء سے کلام فرماتا ہے (پس اللہ تعالیٰ انہی واسطوں میں سے کسی واسطے سے بغیر وحی اور قاصد کے مشائخ کے استغاثوں کا جواب دیتا اور ان سے کلام فرماتا ہے۔

صحبت شیخ کے مدارج و مراتب

مریدین کی صحبت شیخ کے ساتھ دو مراتب و مدارج میں تقسیم ہے پہلا مرتبہ شیر خوارگی کے مانند ہے اور دوسرا مرتبہ ترک شیر خوارگی کا ہے' مرتبہ خوارگی کے دور اولین یعنی ولادت معنوی کے بارے میں ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ شیر خوارگی کا دور وہ زمانہ ہے جب کہ مرید شیخ کی صحبت میں ہمہ وقت حاضر رہتا ہے شیخ کو اس شیر خوارگی کی مدت کا علم ہوتا ہے پس مرید کو چاہیے کہ شیخ کی اجازت کے بغیر اس سے جدا نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ادب سکھانے اور

سیکھنے کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (پارہ 18 سورہ نور)

مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ اس کے ساتھ کسی کام میں شریک (جمع) ہوتے ہیں تو وہاں سے اس وقت تک نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کرلیں، لہٰذا جب وہ آپ سے (جانے کی) اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیا کریں۔

امر جامع، دینی کام سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے پس شیخ مرید کو خود سے جدا ہونے کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب وہ جان لیتا ہے اور اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ اب اس کی شیر خوارگی چھڑانے کا زمانہ آگیا ہے (اب مرید کو مجھ سے جدا ہو جانا چاہیے) اور شیخ یہ اندازہ کرلیتا ہے کہ اب اس (مرید) کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو گیا ہے، استقلال نفس (مختاری) سے کام کر سکتا ہے، مرید کے استقلال نفس کا ثبوت یہی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔ جب مرید اس مرتبہ پر پہنچ جائے کہ وہ اپنے حوائج اور مہمات کو بالواسطہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں پیش کر سکے اور خداوند تعالیٰ اپنے سائل محتاج بندے کو ہدایات اور تنبیہات کرتا ہے اس کا فہم اس میں پیدا ہو جائے تب سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی شیر خوارگی کی مدت ختم ہو گئی (یا اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ آگیا) اور اگر وہ شیر خوارگی کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی شیخ سے جدا ہو گیا تو پھر وہ ان بدعتوں میں پھنس جائے گا جو دنیا کی طرف رجوع کرنے والی ہیں اور وہ خواہشات کی پیروی کرنے لگے گا اور اس کو ایسی ہی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جیسی اس شیر خوار بچے کو پیش آتی ہیں جس کا دودھ قبل از وقت چھڑا دیا جاتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس مرید کے لئے جو خرقہ ارادت پہن لیتا ہے شیخ کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔

خرقہ ارادات اور خرقہ تبرک

خرقہ مشائخ دو طرح کا ہوتا ہے ایک خرقہ ارادت اور ایک خرقہ تبرک۔ اور مشائخ اپنے مریدین کے لئے جو خرقہ اختیار کرتے ہیں اور انہیں پہناتے ہیں وہ خرقہ ارادت ہے، خرقہ تبرک، خرقہ ارادت سے ملتا جلتا خرقہ ہی ہوتا ہے، خرقہ ارادت مرید حقیقی کے لئے مختص ہے اور خرقہ تبرک متشبہ کے لئے (مرید غیر حقیقی) جو حقیقتاً مرید نہیں لیکن ان جیسا بننا چاہتا ہے۔ (یہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ جو جس جماعت کے مشابہہ ہوتا ہے اس کا شمار اسی جماعت میں کیا جاتا ہے اس طرح مرید متشبہ بھی جماعت مریدین ہی میں شمار کیا جاتا ہے)۔

خرقہ کا راز یہ ہے کہ جب ایک طالب صادق شیخ کی صحبت میں داخل ہوتا ہے اور خود کو شیخ کی سپردگی میں دے دیتا ہے تو اس وقت وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے باپ کے پاس اور اس کی نگہداشت میں ہوتا ہے، اور شیخ کو فقر صادق اور حسن استقامت کی بدولت جو کچھ علم حاصل ہوا ہے وہ اسی علم باطن اور اپنی زبردست بصیرت کے مطابق اپنے اس مرید کے باطن کی نگرانی کرتا ہے چنانچہ اگر مرید (اپنے زہد پر اعتبار کرتے ہوئے) زاہدوں اور قانع درویشوں (متقشفین) کی طرح

موٹا اور کھردرا لباس پہننا شروع کر دیتا ہے (اور ابھی وہ اس کا اہل نہیں ہوا ہے) اور اس کے نفس میں جو ایک پوشیدہ خواہش ہے اس کی بنا پر وہ چاہتا ہے کہ یہ لباس پہننے کے بعد اس کو زاہد سمجھا جائے تو شیخ (اس کے اس باطن سے خبردار ہو کر) اس کو نرم و لطیف لباس پہنواتا ہے اور اگر مرید کی یہ خواہش ہوتی ہے اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ وہ چھوٹی آستین یا لمبی آستین اور فراخ دامن کا مخصوص لباس پہنے یا وہ نرم یا سخت لباس میں سے بالتخصیص کسی ایک لباس کو پسند کرتا ہے تو شیخ اس کو ایسا لباس پہنواتا ہے جس سے اس کو جھوٹی خواہش نفسانی کو شکست ہو اور کبھی مرید بدن پر نرم اور باریک کپڑے پہنے ہوتے ہیں! اس کو کسی مخصوص طرز اور وضع کے لباس کی خواہش ہوتی ہے تو شیخ اس کی خواہش کو مٹانے اور پامال کرنے کے لئے اس کے خلاف لباس پہناتا ہے۔

شیخ مرید کے اطوار کی اصلاح کرتا ہے

جس طرح شیخ لباس کے معاملہ میں مرید کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح وہ مرید کے کھانے پینے' روزہ رکھنے نہ رکھنے اور دوسرے دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں مرید کی بھلائی ہو چنانچہ کبھی وہ اس کو ہر وقت ذکر میں مشغول رکھتا ہے' نماز (فرائض) کے ساتھ نفلوں کا پڑھنا ضروری کر دیتا ہے' تلاوت کلام اللہ میں مصروف رکھتا ہے یا دوسروں کی خدمت میں لگا دیتا ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کسب معاش میں لگا دیتا ہے کبھی فتوح و نذرانے پر گزر بسر کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ غرض کہ شیخ کو انشراح باطن ہوتا ہے اور مختلف مریدوں کی مختلف استعدادات پر اس کو اطلاع ہوتی ہے (جو مرید جیسی اصلاح اور تربیت کا اہل ہوتا ہے ویسی ہی اس کی اصلاح اور تربیت کی جاتی ہے) اور مرید کو معاد و معاش میں اس کی استعداد کے مطابق حکم دیتا ہے کہ اسی میں اس کی اصلاح حال پنہاں ہوتی ہے' چونکہ مریدوں کی استعداد و صلاحیت مختلف ہوتی ہے اس لئے ان کی معاد و معاش کے سلسلہ میں احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔

دعوت مراتب کا فرق استعداد کے اختلاف کے باعث ہے

چونکہ مریدوں کی استعداد میں تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے ان کی دعوت ہدایت کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن ۞	اے رسول! آپ اللہ کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت' عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے احسن طریقے پر بحث کرو!

اس سے ثابت ہوا کہ دعوت ہدایت کے تین مراتب ہیں' حکمت موعظت اور مجادلہ (بحث) پس جس کو حکمت کے ذریعہ دعوت دی جائے گی اس کو موعظت اور مجادلہ کے ذریعہ دعوت نہیں دی جائے گی اور جس کو موعظت اور مجادلہ کے ذریعہ دعوت کی ضرورت ہے اس کے لئے حکمت کا ذریعہ سود مند نہیں ہو گا۔ ہر ایک کا مرتبہ الگ الگ ہے' پس شیخ کو اس کا علم ہوتا ہے کہ مریدوں اور طالبان حق میں کون ابرار کی وضع پر ہے اور کون مقربین کے ڈھنگ اور طرز پر ہے۔ کس کو ذکر

دوام کی ضرورت ہے اور کس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ نمازیں پڑھتا رہے' کون ایسا ہے کہ اس کے لئے موٹے کپڑے یا باریک کپڑے پہنانا مناسب ہے۔ اس طرح وہ مرید کی عادت چھڑا کر اس کو نفس کے ضغط سے نکالیتا ہے اور پھر اس کو اپنے اختیار سے (اس کی حالت کے مطابق) کھلاتا ہے اور اپنے اختیار سے جیسا اس کے مناسب حال ہوتا ہے لباس پہناتا ہے اور اس کی وضع اور ہیئت معین کرتا ہے اور اس طرح مخصوص خرقہ اور ہیئت سے اس کی خواہشات نفسانی کا علاج کرتا ہے اور اس طرح وہ مرید کو راضی برضائے الٰہی ہونے کی تربیت دیتا ہے (مقام رضا کے قریب لاکر کھڑا کر دیتا ہے)۔

حقیقی مرید ایک مار گزیدہ شخص کی طرح ہے

وہ مرید صادق جس کا باطن آتش ارادت سے شعلہ بار ہے وہ ابتدائے کار (کار ارادت) اور شدت ارادت میں ایک مار گزیدہ شخص کی طرح ہوتا ہے جو (زہر کا اثر زائل کرنے کے لئے) دوا دارو اور جھاڑ پھونک کرنے والے کا متلاشی اور حریص ہوتا ہے' (ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ کوئی ایسا مل جائے جو یہ اثر زائل کردے) اور جب اسے ایسا شیخ مل جاتا ہے تو شیخ کے باطن سے ایسے مرید کے لئے خود بخود ایک توجہ صادق نمودار ہوتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شیخ کو اس کی سچی ارادت سے آگہی ہے اور خود مرید کا باطن بھی شیخ کی محبت سے معمور اور لبریز ہو جاتا ہے' دلوں کی یہ باہمی الفت اور ارواح کی یہ باہمی قربت اور ازل سے دونوں میں جو باطنی رابطہ تھا اس کا یہ ظہور محض اللہ کے لئے' اللہ کی طرف سے' اللہ کے ساتھ ہوتا ہے' (کوئی نفسانی غرض اس میں شامل نہیں ہوتی محض اللہ تعالیٰ کے لئے یہ رابطہ اور تعلق پیدا ہوتا ہے) اس لئے وہ قمیص جو مرید صادق سے حاصل کرتا ہے اور شیخ پہناتا ہے وہ ایک ایسا خرقہ ہے جو مرید کو اس امر کی بشارت اور نوید دیتا ہے کہ شیخ کی خصوصی توجہ اس کے حال پر مبذول ہے اور یہ خرقہ (قمیص) مرید کے لئے وہی کام کرتا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا (کہ ان کی بصارت واپس آگئی تھی)۔

قمیص یوسف علیہ السلام کی اصل کیا تھی؟

منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے (آتش نمرود میں آپ کو پھینکا گیا) تو آپ کے بدن سے تمام کپڑے اتار لئے گئے تھے اور آپ کو برہنہ آتش نمرود میں ڈال دیا گیا تھا' اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے لئے بہشت سے حریر کا ایک حلہ لیکر آئے اور ان کو پہنایا' مدتوں یہی حلہ (قمیص) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہا پھر ان سے ان کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کو ورثہ میں ملا' حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ترکہ میں پہنچا' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو ایک تعویذ میں رکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس تعویذ کو ہمیشہ پہنے رہتے تھے اور خود سے کبھی جدا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو (بھائیوں نے) برہنہ کنوئیں میں ڈال دیا تو جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور آپ کے تعویذ سے وہ قمیص ابراہیمی نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دی۔

شیخ مجاہد باسناد شیوخ مروی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت زبردست عالم تھے (اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا تھا) لیکن ان کو یہ علم نہیں تھا کہ ان کی اس قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بصارت (جو ان کے فراق میں روتے روتے زائل ہو گئی تھی) واپس آجائے گی[1] کیونکہ یہ قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی' اسی سلسلہ میں حضرت مجاہدؒ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم اپنی قمیص (باپ کے پاس کنعان) بھیج دو' اس لئے کہ اس میں بہشت کی خوشبو ہے یہ جس مصیبت زدہ یا بیمار کو سنگھائی جاتی ہے وہ تندرست ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت یوسف نے ایسا ہی کیا اور (فار تد بصیرا) ان کو بینائی واپس مل گئی۔

اسی طرح شیخ کا خرقہ بھی مرید صادق کے لئے جنت کی خوشبو سے بسا ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ذکر کے سلسلہ میں اس کے حصہ میں آیا ہے اور خرقہ کا پہننا اس قبیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل اس مرید شامل حال ہے' یہ تو تھی صورت خرقہ ارادت کی۔ اب ہم خرقہ تبرک کے سلسلہ میں وضاحت کرتے ہیں'

خرقہ تبرک کی طلب

اور جو شخص خرقہ تبرک کا خواہاں ہے تو اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ صوفیہ کے اس لباس سے برکت حاصل کرے اس میں وہ تمام شرائط ملحوظ نہیں رکھے جاتے جو خرقہ ارادت کے لئے ضروری ہیں بلکہ ایسے شخص کو جسے یہ خرقہ دیا جاتا ہے نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ حدود شرعیہ کی پابندی کرے اور صوفیہ کی جماعت کے ساتھ اٹھے بیٹھے تاکہ اس کی برکات سے مستفید ہو اور ان سے علوم آداب حاصل کرے (ان کے آداب سیکھے جائیں) اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خرقہ تبرک حاصل کرنیوالا خرقہ ارادت حاصل کرنے کا اہل بن سکے' یہی وجہ ہے کہ خرقہ تبرک تو ہر طالب حقیقت کو دیا جا سکتا ہے لیکن خرقہ ارادت صرف طالب صادق ہی کے لئے مخصوص ہے (باقی لوگوں کے لئے ممنوع ہے)۔

خرقہ کس رنگ کا ہونا چاہئے

نیلی فام خرقہ مشائخ کی نظر میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور اگر شیخ کی خواہش ہے کہ مرید نیلگوں خرقہ یا لباس کے علاوہ کسی اور رنگ کا لباس یا خرقہ پہنے تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ مشائخ کی آرا تقاضائے وقت کے مطابق ہوتی ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں بہ تقاضائے وقت کرتے ہیں جیسا کہ ہمارے پیر طریقت کا ارشاد ہے۔

کہ "ایک فقیر چھوٹی آستین کا لباس پہنتا تھا تاکہ وہ خدمت کے وقت اس کا معاون ہو (خدمت کے وقت چھوٹی آستینیں حارج نہ ہونگی)۔ شیخ کے لئے اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ مرید کو متعدد خرقے متعدد بار پہنائے' اس میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ مصلحت ہے کہ وہ مختلف قسم کے رنگ دار یا سادہ خرقوں سے اس کی خواہشات نفسانی کا ملاج

(۱) قرآن مجید میں اس طرح ارشاد ربانی ہے کہ اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علیہ وجہ ابی یات بصیرا (حضرت یوسف نے بھائیوں سے کہا کہ میرا یہ پیراہن کنعان لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ آنکھیں جیسی روشن تھیں۔ ویسی ہی روشن ہو جائیں گی)۔ فلما ان جاء البشیر القہ علیہ وجہہ فارتد بصیرا (پھر خوشخبری دینے والا (یہودا) کنعان میں پہنچا اور یوسف علیہ السلام کا پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو پھر وہ بینا ہو گئے۔ (پارہ 13 - سورہ یوسف)

کرنا چاہتا ہے اور عام طور مشائخ جو نیلا رنگ پسند کرتے ہیں اس میں خوبی یہ ہے کہ نیلا رنگ میل کو چھپاتا ہے اور اسے جلد جلد دھلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی اس لئے یہی رنگ درویش کے لئے زیادہ مناسب سمجھا گیا ہے۔ بعض ارباب تصوف نے نیلے رنگ کے سلسلہ میں جو مختلف توجیہات کی ہیں وہ سب تصنع پر مبنی ہیں اور اپنے قول کو باور کرانے کے لئے پیش کی ہیں' حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ دین سے ان کا کوئی واسطہ اور رابطہ ہے۔

لباس کثیف کی توجیہہ

میں نے حضرت شیخ سدید الدین ابوالفخر ہمدانیؒ سے سنا کہ آپ نے فرمایا "ایک مرتبہ میں بغداد میں شیخ ابوبکر الشروطی کے پاس مقیم تھا' زاوئے سے ایک فقیر نکل کر ہمارے سامنے آیا' اس کا لباس بہت میلا تھا' بعض فقیروں نے اس سے کہا کہ تم اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتے اس فقیر نے جواب دیا کہ مجھے اتنی فرصت کہاں ہے' بھائی! شیخ ابو الفخرؒ فرماتے ہیں میں اس فقیر کے جواب کی لذت "مجھے اتنی فرصت کہاں ہے" آج بھی اپنے دل میں پاتا ہوں۔ واقعی اس فقیر کا یہ کہنا بالکل درست تھا' اس لئے میں اس کی بات یاد کرکے اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں' ارباب طریقت نے رنگین لباس اسی وجہ سے پسند کیا کہ وہ شغل (ذکر الہی) میں مشغول رہتے ہیں اور ان کو لباس دھونے کی فرصت کم ملتی ہے اب اگر شیخ مرید کے لئے سفید لباس یا کسی اور رنگ کا لباس تجویز کردے تو اس کو اس کا حق ہے اس میں کوئی اچھا مقصد پنہاں ہے اور اس کا وفور علم اس کا حق رکھتا ہے۔
ہم نے بعض ایسے مشائخ بھی دیکھے ہیں کہ وہ مریدوں کو خرقہ نہیں پہناتے اور بہت سے حضرات ان سے بغیر خرقہ ہی کے آداب سلوک حاصل کرتے ہیں اور علوم معرفت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

بزرگان سلف میں بعض حضرات خرقہ سے واقف نہیں تھے

بزرگان سلف میں اکثر مشائخ خرقہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے چنانچہ وہ اپنے مریدوں کو خرقہ نہیں پہناتے تھے پس جو مشائخ خرقہ پہناتے ہیں ان کا مقصد بھی نیک ہے اور عمل صحیح ہے' اس کی اصل سنت سے ثابت ہے اور شریعت میں موجود ہے (شریعت کے خلاف نہیں ہے) اور جو نہیں پہناتے ان کا طریقہ بھی درست ہے اور ان کا مقصد بھی نیک ہے۔ مشائخ خواہ کوئی طریقہ اختیار کریں ان کے تصرفات صحیح اور ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کی نیت نیک و صالح ہوتی ہے (خواہ وہ کوئی کام کریں) اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اور ان کے آثار سے انشاء اللہ خلق خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

باب 13

خانقاہ نشینوں کی فضیلت

وہ گھر جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِی بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالاٰصَالِ رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ (سورہ نور پارہ 18)

یہ وہ گھر ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہاں خدا کا ذکر بلند کیا جائے وہاں وہ لوگ صبح و شام خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں جنہیں خدا کے ذکر، نماز ادا کرنے اور زکوۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں "فی بیوت"۔ "یہ وہ گھر ہیں" سے مراد مساجد ہیں، بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے مراد مدینہ الرسول کے مکانات ہیں، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ان گھروں میں علیؓ اور فاطمہؓ کا گھر بھی شامل ہے حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں! وہ ان میں بڑھ کر ہے!

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین کے تمام گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ گاہ بنا دیئے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے ذکر کرنے والے لوگوں کی تخصیص کی گئی ہے نہ کہ جگہوں کی چہار دیواری کی (یعنی آیت مندرجہ بالا میں اہمیت ذاکرین کی ہے نہ کہ کسی مخصوص چہار دیواری یا گھر کی) پس جس جگہ اور جس مقام پر بھی ذاکرین جمع ہوں گے وہی مقامات ایسے گھر مراد لئے جائیں گے جن میں خدا کے حکم سے اس کا ذکر صبح و شام بلند کیا جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ کی صراحت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی صبح اور شام نہیں گزرتی کہ زمین کے بعض حصے دوسرے حصوں سے یہ نہ پوچھتے ہوں کہ "آج تم پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے تم پر (تمہاری جگہ پر) نماز پڑھی ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو، پس بعض مقامات اثبات میں اور بعض نفی میں جواب دیتے ہیں، جو اجزاء اثبات میں جواب دیتے ہیں ان کو دوسرے اجزاء زمین پر فوقیت

وفضیلت دی جاتی ہے اور جو بندہ کسی خطہ زمین پر اللہ کا ذکر کرتا ہے یا نماز ادا کرتا ہے تو وہ خطہ زمین خداوند تعالیٰ کے حضور میں اس بات کی شہادت دیتا ہے اور اس عبادت گزار بندے کے مرنے پر روتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں موجود ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ ۝ اور ان (کافروں کے مرنے) پر آسمان اور زمین نہیں روتے۔ اس ارشاد ربانی سے یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل طاعت کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آسمان اور زمین ان (کی موت) پر گریہ کناں ہوتے ہیں اور ان پر نہیں روتے جو دنیا کی طرف مائل اور خواہشات نفسانی کے پابند ہوتے ہیں۔ پس ساکنان خانقاہ وہ لوگ ہیں جن کے نفوس طاعت الٰہی میں مشغول ہیں اور اس سے ان کا ارتباط ہے اور دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہمہ تن مشغول ہیں (اس جزا میں) اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کا خادم بنا دیا ہے (وہ دنیا کے خادم نہیں ہیں)۔

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے (سب کچھ اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی اور رزق ایسی جگہ سے دے دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا' اور جو کوئی دنیا کا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو ہمہ تن دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

لفظ "رباط" کی تحقیق اور اس کی اصل

رباط لغت میں اس مقام اور جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں (یعنی اصطبل) پھر اس لفظ کو ان سرحدوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا جو مملکت اسلامیہ اور مملکت کفار کی حد فاصل ہوتی ہے (ثغر) اور قوم یا دوسرے لوگ (سپاہی) جن کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس جس طرح سرحد کا محافظ مجاہد اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ شخص جو خانقاہ نشین ہے' رباط میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی طاعت میں مشغول ہے وہ بھی دعاؤں اور اطاعت گزاری سے بندوں اور شہروں سے بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

شیخ العالم رضی الدین ابو الخیر احمد بن اسماعیل قزوینی نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نیک اور صالح مسلمان کے ذریعہ اس کے سو گھر والوں اور پڑوسیوں سے بلاؤں کو ٹال دیتا ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ - اگر اللہ کے عبادت گزار بندے' شیر خوار بچے اور چرنے والے مویشی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب نازل فرماتا کہ تم سب (کافر) اس عذاب میں پس کر رہ جاتے"۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت' اس کی اولاد' اولاد کی اولاد' اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے کاموں کو سدھار دیتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفظ و اماں میں رہتے ہیں"۔

داؤد بن صالحؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ "اے ابن عم! کیا تمہیں خبر ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تھی:۔ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ (صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور ثابت قدم رہو)

میں نے کہا جی نہیں، مجھے نہیں معلوم! انہوں نے فرمایا اے برادر زادے! رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسی جگہیں نہیں تھیں جن میں گھوڑے باندھے جائیں (اصطبل نہیں بنائے گئے تھے) پس یہاں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا[1] مراد ہے اور رَابِطُوا سے مراد جہاد نفس ہے، اور جو خانقاہ میں رہتا ہے وہ مجاہد نفس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۝ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ یہاں جہاد سے مراد "مجاہدہ نفس" اور مجاہدہ خواہشات ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد کا حق ادا ہوتا ہے یہی جہاد اکبر ہے جیسا کہ خبر میں آیا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات سے واپس تشریف لائے تو اس وقت آپ نے فرمایا

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰى جِهَادِ الْاَكْبَرِ ہم جہاد اصغر سے لوٹ کر جہاد اکبر کے لئے آگئے ہیں"۔

روایت ہے کہ کسی بندہ صالح نے اپنے بھائی کو خط لکھا جس میں اس کو غزوہ میں شرکت کی دعوت دی تھی اور اس کو لکھا تھا کہ "اے بھائی تمام سرحدیں میرے ایک گھر میں جمع ہو گئی ہیں اور مجھ پر گھر کا دروازہ بند ہو گیا ہے"۔ اس کے بھائی نے اس کے جواب میں لکھا:۔

"اگر تمام لوگ یہی طریقہ اختیار کریں جو تم نے اختیار کیا ہے تو مسلمانوں کے تمام کام درہم و برہم ہو جائیں اور کفار غالب آجائیں، اس لئے جنگ و جہاد بہت ضروری ہے"۔

اس جواب کے جواب میں اس کے بھائی نے لکھا۔ "اے برادر عزیز! اگر تمام لوگ وہ کام کرنے لگیں جس میں میں مصروف ہوں اور وہ اپنے زاویوں میں اپنے مصلوں پر بیٹھ کر "اللہ اکبر" کا نعرہ لگائیں تو مسلمان قسطنطنیہ کے قلعہ کو منہدم کر دیں!"۔

بعض دانشمندوں نے کہا ہے۔ "عبادت خانوں سے آوازوں (تکبیرات و تسبیحات) کا بلند ہونا جب کہ حسن نیت کے ساتھ ہوں اور خلوص قلب شامل ہو، ان تمام گرہوں کو کھول دیتا ہے جن کو گردش فلکی مضبوطی سے باندھ دیتی ہے (تقدیر کے مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور گرہیں کھل جاتی ہیں)۔

پس اگر خانقاہ والے صحیح طور پر اپنے مقاصد (روحانی) پر عمل پیرا ہوں، حسن معاملت اور رعایت اوقات کو ملحوظ رکھیں اور ان چیزوں سے گریز کریں جو اعمال کو ضائع کرنے والی ہیں اور اعمال کو درست کرنے والی باتوں پر سختی سے قائم رہیں تو وہ ملک و ملت کے لئے خیر و برکت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

حضرت سری سقطیؒ کا ارشاد حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اس ارشاد ربانی "اصبروا و صابروا و رابطو"۔ کی تشریح

---

[1] رابطو کا تعلق رباط یعنی سرائے سے نہیں ہے۔

اس طرح کرتے ہیں کہ:۔

"سلامتی کی توقع رکھتے ہوئے شدائد دنیوی پر صبر کرو اور جنگ (جہاد) کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور نفس لوامہ کی خواہشات کو روک دو اور ان باتوں سے بچو جن کا انجام ندامت ہے، جب یہ شرائط بجالاؤ گے تو امید ہے کہ عزت کی بساط پر تم کامیابی حاصل کر سکو"۔

بعض حضرات نے اس ارشاد ربانی کی اس طرح تشریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اے میرے بندو! میری بلاؤں پر صبر کرو، میری نعمتوں پر اپنی حد سے تجاوز نہ کرو، میرے دشمن کے گھر پہنچ کر جہاد کرو، میرے سوا اسے محبت کرنے سے بچو، شاید کہ کل قیامت میں تم میرے دیدار سے کامیاب ہو جاؤ"۔

خانقاہ نشینوں کے فرائض

خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ مخلوق سے قطع تعلق کر لیں، اور حق کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں، ترک کسب کر کے مسبت الاسباب کی کفالت پر اکتفا کریں، میل جول اور ارتباط سے اپنے نفس کو روکیں، برے کاموں سے اجتناب کریں اور اپنی تمام پچھلی عادتوں کو ترک کر کے رات دن عبادت میں مشغول رہیں، اپنے اوقات کی نگہداری کریں، اورادو وظائف میں مصروف رہیں، نمازوں کا انتظار کریں (نماز ادا کرنے کے لئے تیار رہیں) اور غفلتوں سے خود کو محفوظ رکھیں، اگر ان باتوں پر اہل خانقاہ و زاویہ نشین عمل پیرا ہو جائے گا تو وہ ایک زبردست مجاہد (مرابط) بن جائے گا۔

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

میرے شیخ ابو النجیب سہروردیؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد و طرق سے حضرت سعید بن مسیب سے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکروہات (دنیا) میں وضو کا پورا کرنا اور قدموں کا مسجدوں کی طرف بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، تمام خطاؤں کو اچھی طرح دھو ڈالتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"سنو! میں تم کو اس بات کی خبر دوں جس سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف اور تمہارے درجات بلند فرما دے گا"۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"مکروہات میں وضو کا پورا کرنا، مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم بڑھانا، اور ایک نماز (ادا کرنے) کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا رباط ہے، یہ رباط ہے، یہ رباط ہے۔ یعنی اس میں جہاد کا ثواب ہے"۔

باب 14

خانقاہ نشینوں کی اہل صفہ سے مشابہت

اصحاب رسول ﷺ کا وصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ (پارہ 11 سورہ توبہ)
(بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر رکھی گئی پہلے ہی دن سے اس بات کی مستحق تھی کہ آپ اس میں قیام فرمائیں، اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ خوب ہی پاک و صاف ہوں، بیشک اللہ اہل طہارت کو دوست رکھتا ہے)

اس ارشاد ربانی میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی گئی ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ تم لوگ کیا عمل کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس قدر تعریف (طہارت کے سلسلہ میں) فرمائی ہے ان حضرات نے جواب دیا کہ ہم ڈھیلے لینے کے بعد پانی سے طہارت کرتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے جو دوسرے آداب طہارت ہیں وہ صوفیہ کا روز مرہ کا معمول ہیں۔ وہ ہر وقت اپنی خانقاہ میں رہتے ہیں، اور اس کی خبر گیری کرتے رہتے ہیں گویا رباط (خانقاہ) ان کا گھر ہے اور وہی ان کا خیمہ و خرگاہ ہے، جس طرح ہر قوم کے افراد کے گھر ہوتے ہیں اسی طرح صوفیہ کے گھر خانقاہیں ہیں پس اس صورت میں وہ اہل صفہ سے مشابہ ہیں، اس مشابہت کا مزید ثبوت اس حدیث شریف سے ملتا ہے جو حضرت ابو زرعہؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

> "جب کوئی شخص مدینۃ الرسول میں باہر سے آتا اور اس کا یہاں کوئی شناسا ہوتا تو وہ اس کے یہاں قیام کرتا اور اگر کوئی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ صفہ پر آجاتا اور یہاں قیام کرتا میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اہل صفہ کے ساتھ قیام کیا تھا (یعنی مجھے بھی اہل صفہ کے ساتھ قیام کرنے کا اتفاق ہوا ہے)"۔

پس اہل رباط بھی ایسے لوگ ہیں جن کے آپس میں ربط و ضبط ہوتا ہے ان کے ارادے یکساں اور عزم ایک جیسا ہوتا ہے اور سب کے احوال میں یک رنگی ہوتی ہے ان کا یہ ربط باہمی اہل جنت جیسا ہے جس کا قرآن پاک میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ○ (پارہ 14 رکوع) اور ان کے سینوں سے جو کینہ اور رنجش تھی اس کو نکال دیا اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں

یہ آمنے سامنے بیٹھا رہنا اس وجہ سے ہے کہ اب ان کا ظاہر و باطن یکساں ہو گیا ہے، اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے دل میں کینہ رکھتا ہے تو ہرچند کہ اس کا رخ اس کے سامنے ہو (وہ سامنے بیٹھا ہو) لیکن اس کے لئے مقابلہ (آمنے سامنے) کا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا اور اہل صفہ اس آیت کے مصداق تھے (کیونکہ ان کے دل کینے سے پاک و صاف تھے) کینہ، حسد دنیا داری سے پیدا ہوتا ہے جب دنیا کے جھمیلے ساتھ ہوتے ہیں تو دل میں یہ چیزیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کے دل دنیا سے بالکل الگ تھلک تھے، دنیا کی محبت ان تمام برائیوں کی اصل ہے اور تمام گناہوں کی جڑ ہے اور اہل صفہ نے دنیا کے جھمیلوں سے قطع تعلق کر لیا تھا نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور نہ وہ جانور (مال مویشی) پالتے تھے (جس سے دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوتا) پس ان کے دلوں سے کینہ مٹ گیا اور حسد رخصت ہو گیا۔ یہی حال اہل خانقاہ کا ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں یک رنگ ہیں۔ باہمی الفت اور محبت میں ان میں یکسانیت ہے اور اس پر سب جمع ہیں ایک ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی باہمی گفتگو میں یک رنگی ہے اختلاف نہیں ہے یعنی اکٹھے گفتگو کرتے ہیں، اکٹھے کھاتے پیتے ہیں اور اس اجتماعی زندگی کی برکت سے بخوبی واقف ہیں۔

اکٹھے ہو کر کھانا برکت ہے

وحشی بن حرب اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ کرامؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہو! تم اکٹھے ہو کر خدا کا نام لے کر کھانا کھاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس میں برکت پیدا کرے گا۔ "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی خوان میں کھانا کھایا اور نہ کبھی بڑے پیالے میں اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی (نہ کبھی چپاتیاں تناول فرمائیں"۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ پھر آپ کس چیز پر کھانا نوش فرماتے تھے؟ حضرت انس بن مالکؓ نے جواب دیا کہ "آپ دستر خوان (سفرہ) پر کھانا تناول فرماتے تھے۔

عزلت نشینی

اگر کوئی کہے کہ عابدوں اور زاہدوں نے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار کیا (اور اجتماعی زندگی سے ان کے گریز کا کیا سبب ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس تنہائی کو آفات سے محفوظ رہنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ اجتماع میں آفتوں کا سامنا ہے، ان کے نفوس خواہشوں میں گرفتار ہو کر ان چیزوں پر غور کرنے لگتے ہیں جو ان کا مقصود اصلی نہیں ہیں۔ اس صورت میں ان کو (جو اجتماعی زندگی سے پیدا ہوتی ہیں) تو انہوں نے اپنے زاویوں اور خانقاہوں میں اپنے مصلوں (سجادوں) پر جمع ہونا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کا اپنا سجادہ (مصلی) اس کا زاویہ بن گیا۔ اور پھر ہر ایک اپنے مقصد میں مصروف و کوشاں

ہو گیا- اور ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں کہ اس نے اپنے سجادہ (زاویہ) سے قدم باہر رکھنے کا قصد کیا ہو یا اس سلسلہ میں کوشش کی ہو کہ وہ اپنے سجادہ سے باہر نکلے' ان کی یہ سجادہ نشینی سنت رسول بھی ہے جس کا ثبوت یہ حدیث بھی ہے جس کو حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالرحمنؓ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا ہے- آپ نے فرمایا کہ :-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھجور کی چھال کی چٹائی بنائی تھی جس پر آپ رات کی نماز (تہجد) ادا فرمایا کرتے تھے"-

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ مسجد میں اپنے لئے کھجور (کی چٹائی) کا ایک چھوٹا مصلی نماز پڑھنے کے لئے بچھایا کرتے تھے-

زاوئے اور خانقاہ میں نوجوان' بوڑھے' خادم اور تنہائی پسند ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن ان سب میں مشائخ ضعیف گوشہ نشینی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور وہ اس کے لئے زیادہ موزوں ہیں' اس اعتبار سے کہ ان کا نفس آرام اور خواب کا زیادہ خواستگار ہوتا ہے وہ اپنے حرکات و سکنات میں آزادی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے وہ تفرد اور آرام کے خواہاں رہتے ہیں' برخلاف نوجوانوں کے کہ ان کی طبیعت زاویہ نشینی اور جماعت خانے میں بیٹھے رہنے سے گریز کرتی ہے اور غیروں کی نظریں ان پر پڑتی رہتی ہیں اس کے لیے مقید ہو کر رہنا تادیب کا ذریعہ ہے- لیکن یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک جماعت خانے یا خانقاہ میں حفظ اوقات' ضبط انفاس اور حواس کی نگہداشت کا انتظام اور اہتمام نہ ہو' یعنی خانقاہ میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو جوانوں کے حفظ اوقات' ضبط انفاس اور تربیت حواس کا انتظام و اہتمام کر سکیں' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کرتے تھے'

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ (آج کے دن ان میں سے ہر ایک کی نرالی شان ہے جو انکے لئے کافی ہے)

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت کی فکر اس طرح دامن گیر تھی کہ ان کو ایک دوسرے کے مال کی خبر نہیں ہوتی تھی- پس ارباب صدق اور صوفیہ کے لئے یہ سزاوار ہے کہ ان کا اجتماع ان کے تضیع اوقات کا موجب نہ ہو (ورنہ یہ اجتماعی ہیئت بالکل بیکار اور مضرت رساں ہو گی)- اور اگر جوانوں کے اوقات میں لہو و لعب اور لذائذ زندگی کے خلل انداز ہونے کا امکان ہو تو پھر ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ تنہائی طلب کریں اور گوشہ نشینی کو اپنے لئے لازم کر لیں' ایسی صورت میں شیخ زاویہ جو ان کو ایک گوشہ خلوت عطا کر دے تاکہ اس سے وابستہ ہو کر اپنے نفس کو خواہشات اور فضول باتوں سے باز رکھے اور اس طرف اس کا خیال نہ جائے-

شیخ کو جماعت خانہ (زاویہ) میں رہنا چاہئے کہ اس کی حالت میں پختگی ہوتی ہے اور وہ لوگوں کی مدارات کو گوارا کر سکتا ہے- اور صحبت و اختلاط کے ناپسندیدہ انجام سے مصون و محفوظ رہنے کی اس میں صلاحیت موجود ہے' جماعت میں اس کو وقار حاصل ہے- دوسرے لوگ اس سے انضباط و ضبط نفس کا سبق حاصل کر کے خرابی اور تکدر سے بچ سکتے ہیں-

خدمت خلق عبادت کا درجہ رکھتی ہے

جو شخص خانقاہ میں تازہ وارد ہو اور اس نے علم (معرفت) کا ذائقہ نہ چکھا ہو اور روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز نہ ہوا ہو تو

ایسے شخص کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے یہ خدمت اس کی عبادت محسوب کی جائے گی- وہ اپنی حسن خدمت سے اہل اللہ کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلے گا اور ان کی برکات اس کے شامل حال ہو جائیں گی اور اس طرح وہ اپنے عبادت گزار بھائیوں کا اپنی خدمت کے ذریعے سے معین و مددگار ثابت ہو گا-

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ :- "مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں' ہر ایک دوسرے سے بعض ضروریات کا طالب ہے پس ان میں جو لوگ اپنے دوسرے بھائی کی ضرورت پوری کریں گے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی ضروتیں پوری کریگا"-

علاوہ ازیں خادم خدمت کے باعث بطالت اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے اور یہی بطالت و بیکاری دل کی موت ہے' مختصر یہ کہ خدمت بھی صوفیہ کے نزدیک نیک کاموں میں شامل ہے' اور ان طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جن کے ذریعہ اوصاف جمیلہ حاصل کئے جاتے ہیں' اور انسان میں اوصاف حسنہ پیدا ہوتے ہیں لیکن جب خادم اپنی جنس سے نہ ہو (ارباب تصوف سے نہ ہو) اور جو مخدوم سے ہدایت کا طالب نہ ہو' ایسے شخص سے خدمت لینا مناسب نہیں ہے-

شیخ الثقہ ابو الفتح اپنے مشائخ کے ذریعوں سے بیان کرتے ہیں کہ وثیق رومی کہتے ہیں کہ میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا غلام تھا' انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم اسلام قبول کرلو کہ جب تم اسلام قبول کرلو گے تو تم کو مسلمانوں کی امانت (ذمہ داریوں) پر مقرر کرسکوں گا' اس لئے کہ جو مسلمان نہیں ہے اس کو میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں کا امین نہیں بنا سکتا! ان کے اس ارشاد پر جب میں نے اسلام لانے سے انکار کردیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین میں زبردستی نہیں ہے)- جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور مجھ سے فرمایا "جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ-

مشائخ اور صوفیہ غیروں یا نااہلوں سے صرف خدمت لینا ہی پسند نہیں کرتے بلکہ ان سے ارتباط و اختلاط بھی ان کو پسند نہیں تھا کیونکہ جو شخص ان کے طریقے کو پسند نہیں کرتا تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان کے طور طریقے دیکھ کر بجائے فائدے کے نقصان اٹھاتا ہے- صوفیہ سے بتقاضائے بشریت ایسے افعال سرزد ہو جاتے ہیں کہ اغیار اپنی کوتاہی علم کے باعث ان سے کراہت کرتے ہیں (اغیار ان افعال کو پسند نہیں کرتے) اس لئے اغیار سے خدمت لینے سے ان حضرات کا گریز کسی کبر و نخوت پر مبنی نہیں ہے' نہ یہ بات ہے کہ وہ کسی مسلمان پر اپنی برتری جتا رہے ہیں بلکہ ان کے گریز کی اصل وجہ خلق خدا پر شفقت کے باعث ہے-

خادم' مخدوم کی عبادت کے ثواب میں شریک ہے

خادم جو ان جب ان حضرات کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت بندگی میں مصروف ہیں تو وہ بھی ان کے ثواب میں شریک ہو گیا' جہاں خادم یہ دیکھے کہ وہ کسی شیخ کی خدمت اس کے احوال بلند کے باعث شایان شان طور پر انجام نہیں دے سکتا ہے تو اس کی خدمت میں مصروف نہ ہو بلکہ ایسے شخص کی خدمت کرے جو اس کی خدمت کا اہل ہے

کہ اہل قرب کی خدمت اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی ہے۔
حضرت انس بن مالکؓ سے باسناد مروی ہے کہ جب رسول خدا ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ سفر کیا اور فراخ راستوں اور وادیوں سے تمہارے ساتھ گزرے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! وہ تو مدینہ میں رہ گئے تھے (پھر ہمارا ان کا ساتھ کس طرح ہوا؟) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا' ہاں! انکو عذر نے روک لیا تھا (مگر ثواب میں وہ تمہارے شریک ہیں)۔ پس وہ شخص جو صوفیہ کی خدمت کرتا ہے لیکن اپنی کسی خامی کے باعث انکے مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکا لیکن اس پر بھی وہ خدمت میں مصروف رہ کر خانقاہ یا زاوئے کے گرد چکر لگاتا رہا اور انکی خدمت میں اپنی بھرپور کوشش کے ساتھ سرگرم رہا اور یہ خیال کرتا رہا کہ اگر وہ انکی نگاہ لطف سے محروم رہا تو کیا ہے شاید خدمت سے اسکی کچھ تلافی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسکی خدمت پر بھی اس کو ضرور بلند پایہ جزا دے گا۔ وہ اپنی اس خدمت سے اسکے بلند پایہ فضل کا سزاوار بن جاتا ہے۔
اسی طرح اہل صفہ بھی نیک کاموں اور تقویٰ میں تعاون کرتے تھے اور دینی مصالح پر اپنی جان و مال سے مدد کرنے کے لئے مل جل کر کام کرتے رہتے تھے (پس وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کے سزاوار بن گئے)۔

باب 15

صوفیہ اور ارباب خانقاہ کی خصوصیات

اہل خانقاہ کے خصائص

اس قسم کی خانقاہوں اور زاویوں کی بنیاد اس ہادی و مہدی قوم کی زینت ہے۔ اہل خانقاہ اور زاویہ نشینوں کی خصوصیات ایسی ممتاز ہیں جن کے باعث وہ دوسری جماعتوں سے ممیز و ممتاز ہو گئے ہیں یعنی یہ اوصاف و خصوصیات دوسری جماعتوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ"۔

(یہی وہ لوگ ہیں جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں اس لئے تم ان ہی کی ہدایت کی پیروی کرو!)

ہمارے زمانے کے بعض لوگوں میں جو کچھ کوتاہیاں نظر آتی ہیں اور اسلاف کے طریقے سے وہ لوگ روگردانی کرنے لگے ہیں۔ (بزرگان سلف کے طریقے پر عمل پیرا نہیں ہیں) تو ان کی اس کمزوری اور کوتاہی سے ان کے اصل معاملہ اور ان کے طریقہ کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا (یہ ان کی ذاتی کمزوریاں ہیں نہ کہ طریق خانقاہی اور طریقت کے مسلک کی خرابی ہے)۔ اب بھی جو کچھ روحانی اثر باقی ہے اور خانقاہوں میں صوفیہ کا جو اجتماع نظر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے لطف و کرم سے مشائخ حال کے لئے مہیا فرما دیا ہے' یہ سب کچھ فیض ہے مشائخ سلف کا اور ان کی جمیعت خاطر کی برکات اور عطائے حق کے آثار ہیں۔ اب بھی خانقاہوں میں اطاعت خداوندی اور آداب ظاہری کے رسوم کی ایک ہیئت اجتماعیہ نظر آتی ہے وہ بھی حقیقت میں اس نور جمیعت (خاطر) کا ایک عکس اور پرتو ہے جو اسلاف کے باطنوں سے پرتو فگن ہوتا تھا اور اسلاف کے مسلک کے اتباع کے کچھ آثار ہیں! (کہ اب بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جو صحیح طریقہ پر اپنے اسلاف کے مسلک اور ان کے طریقہ پر گامزن ہیں)۔

تمام اہل خانقاہ ایک جسم کی طرح متحد ہیں!

خانقاہ میں جسقدر لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے اتحاد اور متحدہ اداروں کے باعث ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں دوسری جماعتوں میں یہ بات نہیں ہے ان میں ایسا اتحاد نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف اس طرح فرمائی ہے كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○ (وہ مومنین ایسے متحد متفق ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جیسے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار) اور اس کے برعکس اعدائے مسلمین کا ذکر اس طرح فرمایا ہے!

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ○ (تم ان کو متحد و متفق خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل پراگندہ ہیں)۔
حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :۔
"بیشک مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے تو تمام جسم میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔
اسی طرح اگر کسی مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تمام مومنین اس کی تکلیف محسوس کرتے ہیں"[1]

صوفیہ کے لئے جمعیت خاطر ضروری ہے

تمام صوفیہ کے لئے یہ ایک لازمی اور ضروری وظیفہ (فریضہ) ہے کہ وہ اجتماعی خاطر (جمعیت خاطر) کی بھرپور حفاظت کریں' دلوں میں پراگندگی پیدا نہ ہونے دیں' دلی اور روحانی اتحاد سے اس پراگندگی کا ازالہ کر دیں اس لئے کہ وہ سب ایک روحانی رشتہ میں منسلک ہیں اور تالیف الٰہی کے رابطہ سے باہم مربوط ہیں اور مشاہدہ قلوب کے ساتھ وابستہ ہیں بلکہ خانقاہوں میں ان کی موجودگی ہی اس لئے ہے کہ تزکیہ قلب اور آراستگی نفس حاصل ہو اور اسی بنا پر ان کے مابین ربط و ضبط کا سلسلہ قائم ہے (کسی دنیاوی غرض سے ایسا نہیں ہے) اس صورت میں ان کے لئے باہمی خیرسگالی اور محبت و رافت اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت سے پیش آتے ہیں' اور اس شخص میں کچھ بھی بھلائی نہیں ہے جو نہ خود دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں۔"

شیخ ابو زرعہ طاہر بن یوسفؒ اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

> رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "ارواح ایک لشکر کی طرح ہیں جو ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں' تو جان پہچان والی ارواح آپس میں مانوس ہو جاتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے متعارف نہیں وہ الگ تھلگ رہتی ہیں"۔

پس یہی حال اہل خانقاہ کا ہے کہ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے دل اور ان کے باطن بھی مجتمع ہو جاتے ہیں اور (اجتماع سے جمعیت خاطر پیدا ہو جاتی ہے) اور ان کے نفوس ایک دوسرے کے مقید ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے مال کے نگراں ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے"۔ پس جب کسی میں وہ تفرقہ (پریشانی خاطر اور پراگندگی قلب) کا ظہور پاتے ہیں' وہ دیکھتے ہیں کہ کسی صوفی میں تفرقہ پیدا ہو گیا تو وہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں (اس سے بچتے ہیں) اس لئے کہ تفرقہ کا ظہور نفسانی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے اور غلبہ نفس سے وقت کا زیاں ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی کسی درویش میں یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ نفس کا شکار ہو جاتا ہے تو یہ لوگ اس کو پہچان

---

(1) حضرت مصنف یعنی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے محبوب مرید حضرت شیخ سعدیؒ نے اس حدیث شریف کے مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند   کہ در آفرینش زیک جوہر اند   چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

لیتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ یہ شخص اب جمعیت کے دائرے سے خارج ہو گیا اور یہ لوگ فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ اس نے حکم وصیت کو ضائع کیا' ضبط نفس میں سستی برتی اور حسن رعایت اوقات کو ترک کر دیا اس وقت اس کے ساتھ نفرت کا برتاؤ کر کے اس کو پھر دائرہ جمعیت میں کھینچ کر لایا جاتا ہے۔

تنافر اور محاسبہ موجب خیر ہے

ہمارے شیخ ضیاالدین ابو النجیب سہروردیؒ اپنے مشائخ کی روایات کے ساتھ شیخ محمد بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے شیخ رویمؒ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "صوفیوں میں خیر اسی وقت تک ہے جب تک وہ آپس میں تنافر رکھیں اور اگر وہ آپس میں مصالحت کرے گے اور باہم مل بیٹھیں گے تو تباہ برباد ہو جائیں گے"۔ حضرت رویمؒ نے اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے

کہ وہ باہم ایک دوسرے پر نظر رکھیں اور ایک دوسرے کا محاسبہ کرتے رہیں (دیکھیں کہ کہیں کسی کا نفس اس پر غالب تو نہیں آگیا ہے) اور جب وہ اس قسم کے محاسبہ اور نگہداشت کو ترک کر دیں گے تو ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ آپس میں چشم پوشی اور درگزر سے کام لینے لگیں اور طریقت کے دقیق اور پوشیدہ آداب سے اغماز کرنے لگیں اور ان سے غافل رہ جائیں اس صورت میں ان کا نفس ان پر غالب آجائے گا' اس لئے ضروری ہے کہ آپس میں تنافر رکھیں اور ایک دوسرے کا محاسبہ کرتے رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے مجھے میرے عیوب سے باخبر کیا! شیخ ابو زرعہؒ اپنے مشائخ کی اسناد سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں جس میں مہاجرین و انصار دونوں موجود تھے فرمایا کہ "اے حاضرین! اگر میں تم کو بعض امور میں رخصت (اجازت) دیدوں تو تمہارا طرز عمل میرے ساتھ کیا ہو گا؟ یہ سن کر لوگ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکرر یہی ارشاد کیا۔ تیسری مرتبہ جب آپ نے فرمایا کہ بعض امور میں تم کو میں رخصت و اجازت دیدوں تو تم کیا کرو گے' اس وقت جناب بشر بن سعدؒ نے جواب دیا کہ اگر آپ ایسا کریں تو ہم آپ کو طعنوں کے تیروں کا نشانہ بنا ڈالیں گے (آپ پر اعتراض کریں گے کہ آپ کو اس کا حق نہیں ہے)۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اب تم ہو۔ یعنی تم اپنی اعلیٰ اور مخصوص صفات ایمانی کے ساتھ قائم ہو۔

مخاصمت کے وقت صوفی کی روش کیا ہونا چاہیے

جب کوئی صوفی نفس سے مغلوب ہو کر اپنے کسی بھائی سے جھگڑ بیٹھے یا آمادہ پیکار ہو تو دوسرے بھائی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اس کے نفس کا مقابلہ اپنے قلب سے کرے کیونکہ جب نفس کا تقابل قلب (صافی) سے کیا جاتا ہے تو برائی اور شر کا مادہ زائل ہو جاتا ہے اور اگر اس نے بھائی کے نفس کا مقابلہ اپنے نفس کیا تو پھر ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے اور عصمت رخصت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ○	تم اچھے طریقے سے (دشمن کی دشمنی کی) مدافعت کرو تاکہ وہ شخص جس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے، تمہارے گہرے دوست کی طرح ہو جائے اور یہ طریقہ صرف وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو صابر ہیں۔

پس اگر شیخ یا خادم کے پاس کوئی درویش اپنے بھائی کی شکایت لے کر پہنچے (شکایت کرے) تو اس کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے (جس کو شکایت ہے اور جس سے شکایت ہے) جس پر چاہے خفگی کا اظہار کرے، اگر زیادتی کرنے والے سے خفگی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس سے کہے کہ تو نے اپنے بھائی پر یہ ظلم تعدی کیوں روا رکھی اور جس پر تعدی اور زیادتی ہوئی ہے اس سے کہے کہ تم سے کونسا ایسا گناہ سرزد ہوا جس کی پاداش میں تم پر یہ زیادتی ہوئی اور وہ تم پر مسلط ہوا؟ تم کو چاہیے تھا کہ تم اپنے قلب سے اس کے نفس کا مقابلہ کرتے، تم نے ایسا کیوں نہیں کیا اور اپنے بھائی سے رفق و مدارا کا طریقہ کیوں اختیار نہیں کیا اور حق صحبت کیوں ادا نہیں کیا اس طرح وہ دونوں ہی قصوروار ہیں اور جمعیت کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں اس لئے دونوں کو ملامت کر کے جمعیت و اتحاد کے دائرے کی طرف واپس لایا جائے گا۔ پس وہ استغفار کرے گا اور اپنی بے گناہی پر اصرار نہیں کرے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اُحْسِنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا سَاءُ وَا اَسْتَغْفِرُوْا ○	الٰہی تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے جو اچھا کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور جب ان سے برائی سرزد ہوتی ہے تو استغفار کرتے ہیں،

اس طرح تعدی کرنے والے اور جس پر تعدی کی گئی ہے ان کی استغفار ظاہری طور پر بھائیوں کے ساتھ ہو گی اور باطن میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو گا، استغفار کرتے وقت وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کریں گے، اس طرح وہ مصالحت میں استغفار و انکسار کو اپنا کر خاکساری کے نقطہ کمال پر یعنی ایسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں۔ (خاکساری کا کمال ان کو حاصل ہو گا)۔

شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کا طریقہ مصالحت

ہمارے شیخ کا طریقہ مصالحت یہ تھا اور اس سلسلہ میں ان کا معمول اس طرح تھا کہ جب کسی درویش کی اپنے بھائیوں کے ساتھ رنجش ہو جاتی تھی تو آپ اس درویش سے فرماتے تھے اٹھو! اور استغفار پڑھو اس پر وہ درویش کہتا تھا کہ میرا باطن صاف نہیں ہے (استغفار کس طرح پڑھوں) تو آپ فرماتے تھے تم کھڑے ہو جائے اور استغفار تو پڑھو تمہاری کوشش اور صلح کی خاطر قیام سے تم کو صفائے باطن بھی میسر ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا اس کو صفائے باطن عطا ہو جاتی تھی اس کے دل میں نرمی پیدا ہو جاتی اور دوسرے درویشوں سے جو رنجش اس کے دل میں ہوتی وہ دور ہو جاتی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جماعت صوفیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ باطنی کدورت (کسی کی رنجش) کے ساتھ رات نہیں گزارتے اور نہ اس حال میں وہ کھانے کے لئے جمع ہوتے ہیں، جب تک یہ تفرقہ دور نہیں ہوتا اور سب کو جب تک جمعیت

خاطر حاصل نہیں ہوتی وہ اس وقت تک کسی کام کے لئے جمع نہیں ہوتے' پس شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی ایسا درویش استغفار کے لئے کھڑا ہو تو اس کی معافی کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ معاف کر دینا چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا اور معاف کر دو (تاکہ تم سزاوار معافی بن جاؤ) تم کو بھی معاف کیا جائے گا۔

شیخ کی دست بوسی

استغفار کے بعد شیخ کی دست بوسی کی اصل بھی سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود ہے' حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ایک فرستادہ لشکر میں مجاہد کی حیثیت سے شریک تھا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس سریہ میں لوگ دشمن سے مقابلہ میں بھاگ پڑے اور میں بھی ان بھاگنے والوں میں شریک تھا۔ آخر کار ہم لوگوں کو خیال آیا کہ اس طرح بھاگنے سے تو ہم غضب الٰہی کے سزاوار بن گئے ہیں اب کیا کیا جائے' ہم لوگوں نے یہ طے کیا کہ مدینہ پہنچ کر توبہ کرلیں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خود کو پیش کر دیں گے اگر حضور نے ہماری توبہ قبول فرمالی تو بہتر ہے ورنہ دوبارہ پھر لڑنے کے لئے جائیں گے۔ چنانچہ مدینہ (منورہ) میں آکر ہم لوگ نماز فجر سے پہلے ہی کاشانہ نبوت پر پہنچ گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لاکر دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم بھگوڑے خدمت میں حاضر ہوئے ہیں' آپ نے فرمایا نہیں! تم بھگوڑے نہیں ہو بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو! تم مسلمانوں کے گروہ سے ہو۔ یہ مژدہ سن کر ہم آپ کے قریب پہنچے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

روایت ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دست بوسی کی' اسی طرح حضرت المرثد الفتویؒ سے مروی ہے کہ جب ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر ہم نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دست بوسی کی۔ ان احادیث سے دست بوسی کا شرعی جواز ملتا ہے لیکن ایک صوفی کے ادب کامل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دوسرے اس کی دست بوسی کریں اور اس سے اس کے نفس میں رعونت پیدا ہو اور وہ خود کو دوسروں سے معزز سمجھنے لگے تو وہ اس طریقہ سے باز آجائے (دست بوسی کے طریقہ کو ترک کر دے) اور اگر اس کا احتمال نہ ہو تو معافی مانگنے کے بعد معذرت خواہ کو دست بوسی کی اجازت دیدے اس وقت کوئی حرج نہیں ہے۔ غرض کہ اس طرح باہمی رنج و ملال کے بعد صلح و آشتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

ان کی یہ وقتی ناتفاقی ایک قسم کا راز فراق[1] ہے وہ یہاں سے لوٹ کر دل جمعی اور طمانیت قلب کے ساتھ پھر وطن واپس پہنچ جاتے ہیں یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ غلبہ نفس کے باعث کچھ عرصہ کے لئے مسافر بن گئے تھے جب ان کو اس کا احساس ہوا تو نفس کو ملامت کرکے اور معافی طلب کرکے اپنے (وطن) اصل مقام یعنی جمعیت و اتحاد روحانی کی طرف پھر واپس آگئے ہیں۔

---

(۱) اس سر فراق سے اکثر درویش کو سلوک کی منزل میں دو چار ہونا پڑتا ہے۔ سر فراق بھی ایک لذت ہے جس سے صوفیہ کے قلوب لطف اندوز ہوتے ہیں یہ صوفیہ کے لئے محض ایک چند روزہ سفر ہے۔

معذرت قبول کرلینا چاہیے

اگر کسی نے اپنے بھائی سے اپنی غلطی پر معافی طلب کی اور دوسرے نے اس کی معافی اور معذرت کو قبول نہیں کیا تو اس نے غلطی کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت قبول نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی ہے' روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص کے سامنے اس کے بھائی نے معذرت کی اور اس نے وہ معذرت قبول نہ کی تو اس پر وہی عائد ہو گا جو اس شخص پر عائد ہو گا جو خراج وصول کرنے اور بیع پر مامور ہے اور اس میں بددیانتی کرے"۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

"اگر کسی شخص سے کسی نے معافی مانگی اور معذرت کی اور اس نے اس معذرت اور معافی کو قبول نہیں کیا تو وہ حوض کوثر پر نہیں آسکے گا"۔

استغفار کے بعد بطور ہدیہ کچھ پیش کرنا سنت ہے

یہ طریقہ بھی مسنون ہے کہ استغفار کے بعد اپنے بھائیوں کی خدمت میں کچھ پیش کرے' چنانچہ روایت ہے کعب بن مالک[1] رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال سے دست بردار ہو جاؤں اور اپنے خاندان کے ان گھروں کو چھوڑ دوں جہاں بیٹھے رہ کر مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اس مال کا تہائی حصہ تم دیدو یہ کافی ہے۔

اس وقت سے صوفیہ کی یہ سنت ہو گئی ہے کہ استغفار و توبہ کے بعد توبہ کرنے والے سے تاوان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل تائف و تالیف پر مبنی ہے اور (وہ چاہتے ہیں کہ آپس میں الفت و محبت قائم رہے) تاکہ ان کے باطن جمعیت سے محروم نہ رہیں (جمعیت خاطر پراگندہ نہ ہو) جس طرح ان کا ظاہر ربط و ضبط سے آراستہ ہے اسی طرح ان کے باطن میں یہ ربط و الفت قائم رہے' یہ وہ خصوصیت ہے جو مسلمانوں کے سوا اور کسی گروہ میں نہیں پائی جاتی۔

خدام خانقاہ کی قوت لایموت

صادق و مخلص فقیر جو خانقاہ میں مقیم ہے اور چاہتا ہے کہ خانقاہ کے مال وقف سے یا اس مال سے جو اہل خانقاہ کے لئے در در سے اکٹھا کیا جاتا ہے' کھائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا کے ذکر میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ اگر وہ روزی کماتا تو ایسا ذکر اس کے لئے ممکن نہ ہوتا اور اگر خانقاہ میں اس کو اوقات فرصت میسر ہیں یا وہ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہتا ہے اور وہ اہل باطن کی طرح ریاضت اور محنت کے فرائض پورے نہیں کر رہا ہے (ریاضت باطنی میں مصروف نہیں ہے) تو ایسے درویش کو خانقاہ کے مال وقف یا دوسرے ذرائع سے جو مال خانقاہ کے لئے آیا ہے اس سے کھانا روا نہیں بلکہ اس کو خود اپنے لئے روزی کمانا چاہیے' اس لئے کہ خانقاہ کا کھانا تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو یاد الٰہی میں اس طرح مصروف و

[1] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ محض تساہل کے باعث ایک غزوہ میں شرکت سے رہ گئے تھے اور وہ اپنی شرکت کو امروز فردا پر ٹالتے رہے یہاں تک کہ آخر تک شریک نہ ہوئے۔

متغرق ہیں کہ دوسرے کاموں کی ان کو فرصت ہی نہیں اور وہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے مولیٰ کی یاد میں مصروف ہیں اس لئے دنیاوالے ان کی خدمت (فتوحات سے) کرتے ہیں۔

البتہ اگر ایسا شخص ہے جو پیر طریقت سے استفادہ کر رہا ہے اور اس کی زیر تربیت ہے اور اس کی ہدایت سے راہ راست پر گامزن ہے اس کے بارے میں اگر شیخ کی رائے ہے کہ اس کو خانقاہ سے کھانا دیا جائے تو شیخ کا فیصلہ ضرور کسی بصیرت پر مبنی ہو گا (وہ اس کو کھانا کھلا سکتا ہے)۔ بشرطیکہ شیخ کا یہ خیال بھی ہو کہ اس کو فقیروں کی خدمت میں لگا دیا جائے گا ایسی صورت میں خادم جو کھانا کھا رہا ہے وہ اس کی خدمت کا معاوضہ سمجھا جائے گا۔

شیخ ابو عمرو الزجاجی سے منقول ہے کہ میں ایک عرصہ دراز تک حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں رہا' اس پوری مدت میں حضرت جنیدؒ نے نہ مجھ پر نظر ڈالی نہ یہ دیکھا کہ میں کس قسم کی عبادت میں مشغول ہوں اور نہ کبھی انہوں نے مجھ سے کلام کیا یہاں تک کہ ایک روز خانقاہ بالکل خالی تھی اس وقت میں اٹھا' میں نے اپنے کپڑے اتارے' خانقاہ کو خوب اچھی طرح صاف و ستھرا کر دیا۔ ہر طرف پانی چھڑکا' بیت الخلاء کو بھی دھو ڈالا۔ شیخ جنیدؒ جب خانقاہ میں آئے اور یہ تمام صفائی دیکھی اور میرے اوپر گرد و غبار پڑا ہوا دیکھا تو میرے لئے دعا کی اور مرحبا! جزاک اللہ اور رضیت علیک بہا' تین بار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مشائخ عظام نوخیز جوانوں کو خدمت پر معمور کر دیتے ہیں تاکہ وہ بدکاری سے محفوظ رہیں اس طرح ان کو دو حصے مل جاتے ہیں۔ ایک حصہ معاملے کا دوسرا حصہ خدمت کا! (روحانی مراتب بھی حاصل ہوں اور اجر خدمت بھی میسر آئے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب اکرم کو مختلف خدمات پر مامور کر دیا تھا

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے اذان دینے کی خدمت مقرر فرما دی تھی' بنی ہاشم کے لئے چاہ زمزم سے پانی کھینچنے اور پلانے کا حکم مقرر تھا اور بنی عبدالدار کے ذمہ دربانی کے فرائض معین و مقرر تھے' اس سنت کی پیروی میں مشائخ بھی خادموں کو مختلف خدمات پر مامور کر دیتے ہیں' پس خادم کے ذمے کسی قسم کی خدمت رکھی جائے وہ ان کے بجالانے میں عذر نہیں کرتا۔ اور صرف اسی شخص کو خدمت کی بجا آوری سے معذور رکھتے ہیں جو ہر وقت مشغول رہتا ہے اور کامل الشغل ہے' پورے طور پر مشغول ہونے سے ہماری مراد ہاتھ پاؤں سے مشغول ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ وہمہ وقت محاسبہ نفس اور یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہو اور اس کی یہ مشغولیت کبھی دل اور جسم کے ساتھ ہو اور کبھی بغیر جسم کے یعنی صرف اس کا دل مشغول ہو (بہر دو صورت مشغولی میں محسوب کیا جائے گا) عبادت اور مشغولی کی کمی و بیشی کا اس کو بالکل خیال نہ رہے اس واسطے کہ فقیر کا حقوق وقت پر پوری طرح قائم ہونا ہی شغل کامل ہے' جب یہ چیز اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے وہ نعمت فراغت اور نعمت کفایت (صحت) کا شکر ادا کرتا ہے پس مشغولی میں دو شکر ہیں اور اس کے برخلاف بیکاری نعمت فراغت اور نعمت کی ناسپاسی اور شکر ناگزاری ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قدر نعمت نہیں جانتا اس سے نعمت کو اس طرح سلب کر لیا جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شیخ (ضعیف شخص) کسب سے معذور ہوتا ہے اس کی پیری مانع کسب ہوتی ہے اور رباط کے کھانے میں اس کو شریک کر

لیا جاتا ہے۔ لیکن جوان کے لئے یہ عذر نہیں ہے وہ کسب کر سکتا ہے۔ جماعت صوفیہ میں یہ طریقہ عموماً جاری و ساری ہے!

اس خصوص میں شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر خانقاہ کے وقف میں یہ شرط موجود ہے کہ ہر صوفی (خواہ بوڑھا خواہ جوان) اور صوفیوں جیسا لباس پہننے والا (متصوف) اور خرقہ پوش اس مال وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اس صورت میں ہر جوان اور بوڑھے کے لئے یہاں کا کھانا کھانا ازروئے شریعت و فتویٰ جائز ہے لیکن یہ صرف جواز کی صورت ہے اہل باطن کے بلند ارادے اور بلند ہمتی کے خلاف (وہ اس طرح وہاں کا مال کھانا شایان شان نہیں سمجھتے اور اپنی بلند ہمتی کے منافی خیال کرتے ہیں) اور اگر وقف میں شرط یہ ہے کہ جو شخص عملاً اور حالاً طریق صوفیہ پر گامزن ہے، صرف وہی خانقاہ کے لنگر سے مستفید اور متمتع ہو سکتا ہے تو اس صورت میں بیکار لوگوں اور تضیع اوقات کرنے والوں کے لئے وہ جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے معمولات اور ان کے طریقے مشہور ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی!

شیخ الثقہ ابو الفتح نے اپنے مشائخ کے حوالوں سے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

"مومن کی مثل ایک ایسے گھوڑے کی ہے جو اصطبل سے بدکتا ہے اور پھر اصطبل ہی لوٹ کر آتا ہے۔ ایسطرح مومن سہو کرتا ہے اور پھر ایمان کیطرف رجوع کرتا ہے اس لئے تم اپنا کھانا پرہیز گاروں اور جو مومنین تم میں صاحب معرفت ہیں انکو کھلاؤ"۔[1]

---

(1) حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ مثل المومن كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِی اٰخِیَتِه یحول وَيَرْجِعُ اِلٰی اٰخِیَتِه، وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یسْهُوْ ثُمَّ يَرْجِعُ الْاِيْمَانَ ! فَاَطْعِمُوْ طَعَامَكُمَ الْاِتْقِيَا وَاُوْلُوا مَعْرُوْفَكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

باب 16

سفرو حضراور مشائخ کے احوال

اختلاف احوال

سفرو حضر میں مشائخ کے احوال مختلف ہوتے ہیں- ان میں سے کچھ حضرات ابتداء میں سفراور انتہا میں اقامت اور بعض ابتدا میں اقامت اختیار کرتے ہیں اور انتہا میں سفر کرتے ہیں اور بعض محض اقامت پذیر رہتے ہیں سفر نہیں کرتے اور بعض ہمیشہ سرگرم سفر رہتے ہیں کبھی اقامت پذیر نہیں ہوتے- اب ہم مذکورہ بالا گروہوں میں سے ہر ایک کے حال کی تشریح و تصریح اور ان کے مقاصد کو بیان کرتے ہیں یعنی ان مختلف احوال کے اختیار کرنے سے ان کے مقاصد کیا ہیں-

ابتداء میں سفر بعد میں اقامت کرنے والے صوفیہ

وہ حضرات جو ابتدائے حال میں سفر کرتے ہیں اور انتہائے حال میں اقامت کو ترجیح دیتے ہیں' ان کا مقصد سفر اکتساب فیض ہوتا ہے یعنی وہ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے- "علم طلب کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو"- (اس کے لئے تم کو چین ہی کیوں نہ جانا پڑے) کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شام سے یمن تک کا سفر اس مقصد کے لئے کرے کہ وہ ایک کلمہ ہدایت کا سیکھ لے تو اس کا سفر ضائع نہیں ہو گا"-

منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محض ایک حدیث شریف سننے کے لئے مدینہ منورہ سے یمن تک کا راستہ ایک ماہ میں طے کیا-

طلب علم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنے گھر سے طلب علم کے لئے باہر نکلتا ہے تو جب تک لوٹ کر (گھر واپس) آتا ہے وہ اللہ کے راستے پر گامزن رہتا ہے- اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد السائحون کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد "علم کے طلب گار" ہیں-

شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی ---- اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم ابو سعید کے پاس گئے تو وہ فرمانے لگے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت کیا خوب ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا لوگ

---

(1) حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں اطلبو العلم ولو کان بالصین ○

تمہارے تابع ہیں' لوگ تمہارے پاس چاروں طرف سے مذہبی بصیرت اور دین کو سمجھنے کے لئے آئیں گے۔ پس جو لوگ آئیں اس وقت تم

ان کو نیکی کی تعلیم دو"۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ○ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے!

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کا یہ ارشاد میں نے سنا کہ۔ "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ جو شخص حصول علم کے لئے سفر اختیار کرے گا تو میں اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دوں گا"۔

سفر کے مقاصد میں سے ایک مقصد شیخ کی ملاقات بھی ہے

وہ مشائخ جو ابتدائے حال میں سفر اختیار کرتے ہیں ان کے مقاصد سفر میں ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشائخ اور مخلص بھائیوں سے ملاقات کریں' اس طرح ہر مرید اپنے مخلص بھائی کی زیارت سے مزید فائدہ اٹھاتا ہے اور جس طرح لوگوں کی گفتگو سے استفادہ کیا جاتا ہے اس طرح ان کا دیدار بھی فائدہ بخش ہوتا ہے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تمہارے لئے کسی کا دیدار سود مند نہیں ہے تو اس کا کلام بھی تمہارے لئے سود مند نہیں ہو سکتا۔

اس خصوص میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مخلص اور راست باز انسان اپنے کردار سے اتنا فائدہ پہنچا دیتا ہے جتنا اپنے اقوال سے نہیں پہنچا سکتا (اس کے اقوال سے زیادہ اس کے کردار سے فائدہ پہنچ جاتا ہے)۔ جب ایک مخلص شخص اپنے مہمان طالب علم کو اٹھتے بیٹھتے' خلوت میں' جلوت میں' گفتگو میں اور خاموشی میں غرضیکہ ہر حال میں اس کو دیکھتا ہے' ہر حال میں اس پر نظر پڑتی ہے تو اس مشاہدہ اور اس نظر سے طالب علم بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر جس کے احوال و افعال میں خلوص نہیں ہے تو ایسے شخص کی گفتگو بھی اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ ایسے شخص کی تمام تر گفتگو نفسانی خواہشات سے بھرپور ہو گی اور یہ ایک کلیہ ہے کہ دل جس قدر نورانی ہوتا ہے کلام بھی اسی قدر نورانی ہوتا ہے' اور نورانیت قلب بقدر استقامت ہوتی ہے (انسان میں جس قدر استقامت ہو گی قلب بھی اسی قدر نورانی ہو گا) اور وہ فرائض بندگی اور حق عبودیت ادا کرتا ہو گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ علمائے کرام اور صاحبان باطن کی ایک نظر تریاق کا اثر رکھتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی کسی مخلص انسان کی طرف دیکھتا ہے تو اپنی بصیرت کے باعث وہ اس بات کا اندازہ کر لیتا ہے کہ اس مخلص اور راست باز انسان میں حسن استعداد ہے یا نہیں اگر ہے تو کس قدر ہے اور اس کی وہ مخصوص قابلیت جو مسند فیض کے لئے ضروری ہے اس صاحب بصیرت انسان پر فوراً منکشف ہو جاتی ہے اس طرح مخلص اور سچے عقیدت مندوں کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو جاتی ہے اور پھر وہ ایسے مخلصوں کو محبت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں چونکہ یہ حضرات خداوند تعالیٰ کے مردان لشکر ہیں اس لئے ان بزرگوں کی نگاہ کیمیا اثر کی بدولت مخلصوں کو بلند مراتب حاصل ہو جاتے ہیں اور ان کا حال کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے اور اس کو ایک حیات تازہ میسر آجاتی ہے' کوئی منکر اس حال سے انکار کس طرح کر سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اژدہوں کو یہ

خاصیت عطا کی ہے کہ جب وہ کسی انسان کو نظر بھر کر دیکھ لیتے ہیں تو اس کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ (جانوروں کی ایک نظر جب ہلاک کر سکتی ہے تو کیا انسان کی ایک نظر کایا نہیں پلٹ سکتی)۔

حضرت شیخ ابو النجیبؒ سہروردی کا معمول!

ہمارے شیخ محترم کا دستور تھا کہ وہ منیٰ کی مسجد خلیف میں چکر لگاتے رہتے اور لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھا کرتے تھے جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے بعض ایسے بھی بندے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ سعادت سے مالا مال ہو جاتے ہیں' پس میں ایسی ہی نظر کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

سفر کا ایک مقصد مجاہدہ نفس بھی ہے

سفر کے منجملہ مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مالوفات سے قطع محبت ہو جائے (نفس جن چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو ان سے آزاد ہو جائے) اور جن چیزوں کی طرف نفس کی رغبت ہے وہ رغبت ختم ہو جائے اور اس طرح نفس کو عزیزوں' دوستوں اور وطن کی جدائی کی تلخیاں گوارا ہو جائیں پس جس نے ان علائق محبت کی جدائی پر صبر کر لیا اور ان کو اپنے لئے گوارا بنا لیا اس کو بارگاہ الٰہی سے صبر عطا ہوتا ہے' گویا اس نے ایک بہت عظیم فضیلت حاصل کر لی۔

شیخ ابو زرعہؒ ابن ابو الفضل الحافظ المقدسی اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مدنی شخص کا مدینہ ہی میں انتقال ہو گیا' رسول اکرم ﷺ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کاش یہ شخص اپنے مولد کی بجائے کہیں اور فوت ہوتا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے جائے پیدائش کے علاوہ اور کہیں وفات پاتا ہے تو اس کے مولد سے اس مقام تک جہاں اس نے انتقال کیا ہے (جہاں اس کے آثار ختم ہوئے ہیں) وہ تمام حصہ جنت میں شمار ہوتا ہے۔

سفر نفس کی بیماری کا علاج ہے!

سفر کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد یہ بھی ہے کہ نفس کے تمام راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اور نفس کی رعونت اس کی خود پسندی اور دعاوی بٹ جاتے ہیں (نفس اس سے عاری ہو جاتا ہے) اور یہ طے شدہ بات ہے کہ یہ حقائق بغیر سفر کے انسان پر آشکار نہیں ہوتے اسی وجہ سے سفر کو سفر کہتے ہیں کہ وہ اخلاق کو نمایاں کر دیتا ہے (نفس کی برائیاں سفر میں ظاہر ہو جاتی ہیں) اور جب انسان پر اس کے نفس کی برائیاں اور اس کا مرض ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس کے علاج کے لئے تیار ہو جاتا ہے (علاج کی طرف توجہ کرتا ہے)۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مبتدی کے نفس پر سفر کا اثر ایسا ہوتا ہے جس طرح نماز روزہ اور تہجد کے نوافل اثر کرتے ہیں جس طرح نفل خواں (عابد و زاہد) اپنی نفلی عبادت سے غفلت کے مقامات کو چھوڑ کر قرب الٰہی کے مقام کی طرف سفر کرتا ہے اسی طرح ایک مسافر جب صرف خدا کے لئے حسن نیت کے ساتھ قطع منازل کرتا ہے' دشت پیمائی اور بیابان نوردی کرتا ہے تو وہ

لذات دنیا کو ترک کر کے سیر الی اللہ کا قصد کرتا ہے (اس کا یہ سفر سیر الی اللہ بن جاتا ہے)۔

ہمارے شیخ محترم اپنے شیوخ کے حوالوں سے شیخ نوری علیہ الرحمتہ کا یہ ارشاد بیان فرماتے تھے کہ انہوں نے فرمایا تصوف نام ہے خطوظ نفسانی کے ترک کر دینے کا' لہٰذا جب ایک مبتدی نفس کے لذائذ کو ترک کر کے سفر اختیار کرتا ہے تو اس کا نفس قرار پاکر نرم پڑتا ہے جس طرح نفلوں کی مداوت سے نفس نرم پڑتا ہے۔ سفر کے ذریعے نفس ایسا صاف اور نرم پڑ جاتا ہے جس طرح دباغت کے عمل سے چمڑا صاف ملائم اور نرم پڑجاتا ہے اور اس کا کھردرا پن ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی فطری خشکی اور بدبو ختم ہو جاتی ہے اور صاف و شفاف نکل آتا ہے اسی طرح مسافر کی نفسانی سرکشی بھی سفر سے دور ہو جاتی ہے اور جس طرح غیر مدبوغ چمڑا دباغت کے بعد لباس کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح مسافر کے نفس کی سرکشی دور ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ اس میں فطرت ایمانی عود کر آتی ہے۔

آثار و عبر کا مشاہدہ

سفر کے منجملہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسافر دوران سفر آثار و عبر کا مشاہدہ کرتا ہے (ایسے مقامات کا مشاہدہ کرتا ہے جن کے دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان کی نظر افکار کے میدانوں میں پھرتی ہے اور وہ روئے زمین کے مختلف حصے بلند و بالا پہاڑوں اور بزرگوں کی قدم گاہوں کی زیارت اور سیر کرتا ہے اور جمادات کے ذروں سے سبحان اللہ کا غلغلہ اس کے کانوں میں پہنچتا ہے (ان ذروں کی تسبیح سنتا ہے) اور ادہر ادہر کے قطعات ارضی کی زبان حال کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ مختلف قطعات زمین (اپنی زبان حال سے اس کو کیا پیام دے رہے ہیں) تو ان عبرت خیز مناظر کے مشاہدے اور عبرت آگین آثار کے مطالعہ سے اس کی روح بیدار ہوتی ہے اور نظر میں ہوشیاری آتی ہے کیونکہ قدرت کے بہت سے آیات و آثار اس صورت میں اس کے مشاہدے سے گزرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (پارہ 24 سورئہ دخان)

ہم ان کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر کھل جائے کہ وہ حق ہے۔

حضرت سری سقطیؒ صوفیائے کرام سے خطاب کیا کرتے تھے کہ جب جاڑے نکل جائیں بہار کا موسم آجائے اور درختوں پر نئے پتے نکل آئیں تو اس وقت سیر و سفر خوب[1] ہے۔

سفر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سے مبتدی کو گمنامی (کا شرف) حاصل ہوتا ہے وہ گمنامی قبول کرتا ہے اور حسن قبول (عوام) کو ترک کر دیتا ہے کیونکہ جب کسی راست باز اور مخلص کی صداقت پورے طور پر آشکارا ہو جاتی ہے تو خلق کی طرف سے اس کو حسن قبول حاصل ہوتا ہے' ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک راست باز انسان جو اخلاص کے دستہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے (مخلص ہے) اور اس کا دل نور معرفت و صداقت سے آباد ہے اس کو قبول عام میسر نہ آتا ہو۔ میں نے ایک

---

(۱) کہ ایسے وقت میں بقول حضرت سعدی علیہ الرحمتہ برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار مسافر قدم قدم پر ان آثار سے معرفت حاصل کرتا ہے۔

بزرگ کا یہ قول سنا ہے کہ وہ اپنے احباب و اصحاب سے کہتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ خلق خدا کا میرے پاس آنا جانا ہو' اس لئے نہیں کہ اس سے میں اپنے نفس کو خوش کروں' مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ لوگ میرے پاس آئیں یا نہ آئیں۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ مخلوق کا آنا جانا صحت حال کی علامت ہے۔ (اگر لوگوں کی میری پاس آمد و رفت ہو گی تو اس سے مجھے اپنی صحت حال کا اندازہ ہو جائے گا)۔

پس جب کوئی طالب حقیقت اس قبول عوام میں مبتلا ہو تو اس میں یہ خطرہ ہے کہ کہیں وہ اس قبولیت کی بنا پر مخلوق کی طرف مائل نہ ہو جائے کہ بعض اوقات ایسی صورت میں نفس نکوئی کے راستے سے اس میں مداخلت کرتا ہے اور اسباب محمودہ کے ساتھ اس میں راہ پالیتا ہے (اس وقت وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ خلق میری طرف اس وجہ سے رجوع ہوئی ہے کہ میں ابرار میں سے ہوں) اس وقت نفس وجہ مصلحت اور بزرگان خدا کی خدمت کی فضیلت' اس کو دکھاتا ہے اور وہ جو کچھ اس کے پاس موجود رہے اس کو خرچ کرنا بہتر سمجھنے لگتا ہے۔

ان امور کو وہ اپنے لئے مستحسن بایں اعتبار سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے باعث خلق خدا اس کی طرف رجوع ہوتی ہے حالانکہ نفس اور شیطان مدتوں ایسی صورت میں اس کے ساتھ موجود رہے ہیں اور یہ دونوں (نفس اور شیطان) اس کو اسباب دنیا سے سکون حاصل کرنے اور قبول خلق سے لطف اندوزی کی طرف اس کو کھینچ لیتے ہیں اور اس طرح اکثر نفس اور شیطان دونوں غالب آجاتے ہیں اور اس میں تصنع اور تکلف پیدا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور اس طرح طالب حقیقت (گدڑی پوش) کی روحانیت متاثر ہوتی ہے اور اس میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ انہوں نے اپنے مرید سے فرمایا کہ "اب تم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہو کہ اب تمہارے اندر بدی (شر) کے راستے سے شیطان داخل نہیں ہو سکتا (تم سے گناہ ظاہری سرزد نہیں ہو گا) لیکن وہ طریق خیر کے ذریعہ تمہارے اندر داخل ہو سکتا ہے۔ یہ بڑا نازک مقام ہے اس مقام پر قدم ڈگمگا جاتے ہیں لہٰذا جب کوئی راستباز اور مخلص کسی ایسی خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو خداوند بزرگ و برتر اپنی سابقہ عنایتوں اور پیش آنے والی مرحمتوں سے امداد غیبی کے ذریعہ اسکو سفر کے لئے آمادہ فرما دیتا ہے اس وقت وہ دوست اور آشناؤں سے قطع تعلق کر کے اپنے اس مقام کو ترک کر دیتا ہے جہاں اس پر قبول خلائق کا دروازہ کھلا تھا اب وہ ہر ایک سے منقطع ہو کر محض خدا کا ہو کر سفر کے لئے نکلتا ہے یہ ایک بہترین مقصد سفر ہے جو صادقین کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے منفرد اور مجرد بن جاتا ہے (سوائے اللہ کے کسی سے کچھ تعلق نہیں رہتا)۔

پس یہ تمام مقاصد سفر جو ہم نے بیان کئے ہیں وہ ہیں جو مشائخ کو حج' غزوہ اور زیارت بیت المقدس کے سفروں کے علاوہ دوسرے سفروں کی ابتداء میں درکار رہتے ہیں (یہ مقاصد ان کو پیش نظر رکھنا چاہیے) روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور جب وہاں پہنچ گئے تو صرف پانچ نمازیں ادا فرما کر (پورا دن گزار کر) بہت عجلت کے ساتھ مدینہ منورہ دوسرے دن واپس آگئے۔ زیادہ قیام کو مناسب نہیں سمجھا۔

قیام کے بعد منزلت میں اضافہ

جب اللہ تعالیٰ راستباز اور مخلص انسان پر ابتدائے حال ہی میں (یعنی ابتدائے سفر ہی میں) احسان فرمائے تو وہ مخلص سفروں

سے عبرت حاصل کرتا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق علم سے بہرہ ور ہوتا ہے اور صالحین کی ہم نشینی سے استفادہ کرتا ہے اور اس کے دل پر متقین کے احوال کے مشاہدات کے فوائد نقش ہو جاتے ہیں اور بارگاہ الٰہی کے مقربین کی معرفت کی عطر بیزیوں سے اس کا باطن عطر آگیں ہو جاتا ہے (مہک اٹھتا ہے) اور وہ اہل اللہ کی نظروں کی حفاظت میں آجاتا ہے' ان کے خواص اور ان کے احوال نفسانی کی سیر اس کو میسر آجاتی ہے۔ نیز سفر اس کی اخلاقی قدروں اور اس کی پوشیدہ خواہشوں کو بھی اجاگر کر دیتا ہے' اس وقت اس کے باطن سے قبول عام کی خواہش ہٹ جاتی ہے' پھر وہ ہر مقام پر غالب ہو گا مغلوب نہیں ہو گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے (فرعون کو) یہ خبر دی کہ :-

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَ جَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ (پارہ 19 سورہ الشعرا)

جب مجھے تم سے خوف پیدا ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار کر گیا۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے مجھے حکومت اور مجھے پیغمبر بنایا۔

ان مراحل کے تکملہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس راستباز اور مخلص کو اس کے مقام کی طرف واپس بھیج دیتا ہے اور اپنے عظیم انعام سے اس کو سربلند فرماتا ہے' اس کو متقین کا پیشوا بنا دیتا ہے اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں اور متقین کا اس کو پیشوا بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے ہدایت یاب ہوں۔

ابتداء میں قیام' انتہا میں سفر کی صورت اور وجوہ

وہ راستباز مخلص جو ابتداء میں مقیم اور انتہائے حال میں سیاحت و سفر کو اختیار کرتا ہے وہ ایسا شخص ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ابتدائے حال میں ہی صحبت صحیح فراہم کر دیتا ہے اور ایک شیخ عالم اس کو میسر آجاتا ہے جس کی نگرانی میں وہ اس راستہ کو طے کرتا ہے اور تحقیق کی منازل تک پہنچا دیتا ہے اس صورت میں وہ اپنی ارادت کے مقام کو نہیں چھوڑتا (اسی جگہ جمع رہتا ہے) اور اسی شیخ کی صحبت میں مستقلاً مقیم رہتا ہے جو اس کی عادتوں کی اصلاح کرتا ہے۔ جس طرح حضرت شبلیؒ نے اپنے مرید حضریؒ سے ابتدا ہی میں فرمادیا تھا کہ اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں اللہ کے سوا کسی اور کا گزر ہو تو تمہیں میرے پاس آنا حرام ہے[1]۔ پس جس طالب کو ایسی صحبت میسر آجائے تو اس کے لئے سفر حرام ہے۔ اس لئے کہ ایسی صحبت ہر اس سفر اور فضیلت سے بڑھ کر ہے جس کے حصول کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔

شیخ رضی الدین ابو الخیر احمد بن اسماعیلؒ اپنے مشائخ کے حوالوں سے حضرت ابوبکر الزقاق کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کوئی مرید اس وقت تک حقیقت میں مرید نہیں ہوتا جب تک اس کی بائیں جانب کا فرشتہ (جو برائیاں لکھنے پر مامور ہے) بیس سال تک اس کی کوئی برائی اور کوئی گناہ اس کا تحریر نہ کرے۔ پھر جس شخص کو ایسے بلند پایہ شخص کی صحبت نصیب ہو جو اس کو اعلیٰ روحانی مراتب اور بلند مقاصد کی تعلیم دے اور عزم مستحکم اس میں پیدا کرے تو اس مرید کو اپنے ایسے شیخ کی صحبت ترک کر کے سفر اختیار کرنا حرام ہے۔

---

(1) اگر دل میں ماسوا اللہ کا گزر ہو تو میرے پاس نہ آنا کہ اس صورت میں تمہارا دل اس قابل نہیں کہ معرفت الٰہی سے بہرہ ور ہو سکے۔

کب سفر اختیار کیا جائے

جب ایسے بلند پایہ شیخ کی صحبت میں رہ کر اس کے معاملات اور روحانی بنیاد مضبوط ہو جائے اور وہ حسن اقتداء سے بہرہ ور ہو جائے اور احوال کے چشمہ سے خوب سیرابی حاصل ہو جائے یہاں تک کہ وہ خود ایسا مرد کامل بن جائے کہ اس کے دل سے آب حیات کے چشمے بہنے لگیں (روحانی فیضان جاری ہو جائے) اور اس کا نفس نیکی اور سعادتوں کا اہل بن جائے اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ اطراف و اکناف عالم میں رہنے والے بھائیوں کے پر معرفت سینوں سے رحمت الٰہی کی خوشبوئیں سونگھ سکے تو اس وقت وہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے اطراف عالم میں نکل سکتا ہے اور دنیا کی سیر کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو اپنے بندوں کی فائدہ رسانی کے لئے اس کو شہروں شہروں کی سیر کراتا ہے اس وقت اہل صدق کے لئے اس کے حال کا مقناطیس اپنی کشش سے اس کے پوشیدہ اسرار کو باہر نکال لاتا ہے کیونکہ یہ اہالیان زمین بھی ایسے مخبر حق کے انتظار میں تھے جو ان کے دلوں میں خیر و فلاح کی تخم پاشی کرے، اس تخم پاشی کے ذریعہ ان کے پاس انفاس اور فیض صحبت سے بکثرت اہل صلاح تیار ہو جاتے ہیں (بہت سے بندگان خدا ان سے اکتساب فیض کر کے اہل فلاح و صلاح بن جاتے ہیں) لوگوں کے دلوں میں خیر و فلاح کی تخم پاشی کرنے والے ایک ایسی رہنمائی کرنے والی قوم ہیں جن کے بارے میں انجیل میں یہ مثال بیان کی گئی ہے (جس کو قرآن میں ان الفاظ میں پیش کیا ہے)۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ۔ (پارہ 26 سورۃ الفتح)

ایسی کھیتی جس کے پودے نے اپنی کونپلیں نکالیں اس کے بعد وہ بڑھی اور موٹی ہوئی یہاں تک کہ وہ اپنے تنوں پر قائم ہو گئی۔

اس طرح ان مشائخ کی برکات ایک سے دوسرے کی طرف پھیلتی ہیں اور اس طرح بطور ورثہ یہ روحانی عمل سب میں سرایت کر جاتا ہے اور علم تصوف (طریقہ معرفت) افادہ کا پرچم اڑاتا ہے (سب کو فائدہ پہنچاتا ہے)۔

ہادی اور اقتداء کرنے والے کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلایا اس کو اسی قدر ثواب ملتا ہے جتنا اس کی اتباع کرنے والوں کو ملتا ہے بغیر اس کے کہ ان کے اجر سے کچھ کم کیا جائے (ان کے اجر سے کچھ کم نہیں ہوتا)۔ اور جو کوئی گمراہی کی طرف بلاتا ہے تو اس پر اس کی اتباع کرنے والوں کے گناہ کے برابر گناہ ہوتا ہے اور متبعین کے گناہوں میں سے کچھ نہیں گھٹتا۔

مقیم پر خیر کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

جو صاحب حال اور مخلص بندہ اپنے مقام پر مقیم رہا اور اس نے سفر نہیں کیا وہ ایسے شخص کی طرح ہے جس کو خداوند تعالیٰ نے خاص اپنی تربیت میں لے لیا ہو اور اپنے لطف و کرم سے اپنی طرف کھینچ کر اس پر فلاح و صلاح کے دروازے کھول دیئے ہوں۔ کبھی یہ جذبہ ایسا شدید ہوتا ہے جو دونوں جہاں کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔ بہرحال طالب صادق کی طلب و

راستبازی کا علم شیخ کو ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو صدیقین میں سے کسی کے پاس تربیت کے لئے پہنچا دیا جاتا ہے جو اپنے لطف و کرم اور کلام صدق مقال سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اپنی روحانی طاقت سے اس کی مشکلات کا حل کرتا ہے' چونکہ ایسی حالت میں مراد و مرید یا طالب و مطلوب دونوں کی روحانی اہلیت اور قابلیت درجہ کمال پر ہوتی ہے تو تھوڑی سی صحبت بھی کسب فیض اور اصلاح حال کے لئے کافی ہو جاتی ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے عالم اسباب کے قانون کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ (کہ اللہ تعالیٰ نے طالب کے لئے ایک مطلوب پیدا کر دیا اور اس کو سبب بنا دیا طالب کی اصلاح کا) کہ یہ مختصر صحبت حکمت کی نشانی بن جاتی ہے لیکن اس کو بے مایہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ قلیل صحبت' بہت زیادہ صحبت' بہت زیادہ مشاہدات اور سیر و سفر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ شیخ کے انوار باطنی کی چند کرنیں (یا صحبت کے چند لمحات) آثار و اخبار کے مشاہدے کا بدل بن جاتی ہیں (دوسری چیزوں کے مشاہدے کی ضرورت باقی نہیں رہتی) جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے "اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو"۔

لیکن میں کہتا ہوں "کہ آنکھیں بند کرو اور دیکھو"۔

مشاہدہ جلوہ طور

بعض صالحین اور ارباب باطن کاملہ سے میں نے یہ بات سنی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ خدا کے بہت سے نیک بندے ایسے ہیں جو اپنے کاسہ زانو پر سر رکھ کر طور سینا کا جلوہ دیکھتے ہیں (گھٹنے پر سر رکھ کر مشاہدہ حق کر لیتے ہیں[1]) گویا جب وہ گھٹنوں پر سر رکھتے ہیں تو مقام قرب میں پہنچ جاتے ہیں' پس جن لوگوں کی خلوت کی تاریکیوں سے آب حیات کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں تو ان کو آب حیات کی تلاش میں "ظلمات" کی تلاش کی کیا ضرورت ہے۔ (کہ وہ ظلمات کا سفر کریں اور آب حیات وہاں پہنچ کر حاصل کریں' اور جس کی شہود کی پلیٹ میں آسمان کے طبق موجود ہوں (جو مشاہدہ میں آسمانی طبقوں کی سیر کرلے) تو اس کو آسمانوں کی طرف نظریں دوڑانے کی کیا ضرورت ہے اور جس کے حدقہ ہائے چشم میں تمام کائنات سمٹ کر آگئی ہو تو اس کو بیابان نوردی اور دشت پیمائی کی کیا ضرورت ہے اور جس کو اپنی فطری صلاحیت کے باعث ارواح کے جمگھٹوں میں (اژدہام) باریابی مل گئی ہو تو دل کو پھر عالم صورت کی کیا حاجت رہی (کہ وہ چلتی پھرتی صورتوں کا مشاہدہ کرتا رہے)۔

حضرت ذوالنون مصریؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے مابین سوال و جواب

روایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک شخص کے ذریعہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس یہ پیغام ارسال کیا کہ:۔

"ان سے کہہ دو کہ کب تک خواب راحت میں رہو گے! قافلہ تو روانہ ہو گیا"۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے پیامبر کو جواب دیا کہ جاؤ میرے بھائی سے کہہ دو کہ:۔

"مرد وہ ہے جو تمام رات سوئے اور صبح دم قافلہ سے پہلے ہی منزل پر پہنچ جائے"۔

یہ سن کر حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مصری نے فرمایا! مرحبا! ان کو مبارک ہو' یہ وہ کام ہے جہاں تک ہماری روحانیت کی رسائی

---

(۱) اردو اور فارسی کے شعرا کے یہاں اس مضمون کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت حاصل ہے' ہزاروں اشعار آپ کو اس موضوع پر مل جائیں گے (مترجم)

نہیں! حضرت شیخ بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ اے قاریو! اے طالبو! سفر کرو سفر! تاکہ تم خوش رہو (پاک و صاف رہو) اس لئے کہ پانی جب زیادہ دیر تک ایک جگہ ٹھہرا رہتا ہے تو وہ متغیر ہو جاتا ہے (رنگ اور مزہ سب کچھ بدل جاتا ہے)۔ یہ ارشاد سن کر ایک بزرگ نے کہا کہ سمندر بن جاؤ تاکہ متغیر نہ ہو سکو[1]۔ (سمندر کا پانی ایک جگہ قائم رہتا ہے لیکن متغیر نہیں ہوتا)۔

سفر کی تکالیف اور اس کے مفید نتائج

جب ایک مرید یعنی طالب حقیقت اپنے باطنی اور روحانی سفر میں مداومت کرتا ہے اور اس کو ہمیشہ جاری رکھتا ہے تو وہ نفس امارہ کی مسافتیں جلد ہی طے کر لیتا ہے اور اس وقت منازل آفات (نفس کی خرابیوں) سے گزر جاتا ہے، اس کے مذموم اخلاق، پاکیزہ اور محمودہ اخلاق میں بدل جاتے ہیں اور صدق و اخلاص کے ساتھ وہ خداوند جلّ و علا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اس وقت اس کی تمام پراگندیاں جمیعت خاطر سے بدل جاتی ہیں اور حضر میں سفر سے زیادہ اس کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ کوئی سفر بھی صعوبات اور پریشانیوں سے خالی نہیں، سفر کی زحمتیں جب ناتوانوں کے علم میں آتی ہیں تو ان کا ضعف از سر نو تازہ ہو جاتا ہے۔ سفر کی نئی نئی مشکلات پر قابو پانا ایک بڑے طاقتور انسان کا کام ہے، ان پر قابو پانا کمزوروں کے بس کی بات نہیں!

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کسی کے تزکیہ نفس کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ کسی ایسے سفر میں رہے ہو جس کے ذریعے اس کے شریفانہ اخلاق پر استدلال کیا جا سکے، تو اس شخص نے نفی میں جواب دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ پھر میرے خیال میں تم اس شخص کو اچھی طرح نہیں جانتے[2]۔

پس اللہ تعالیٰ جس شخص کو اس کے ابتدائے حال میں سفر کی پریشانیوں سے بچالے اور اس کو وطن ہی میں دلجمعی اور حسن اقبال سے آسودہ حال فرما دے اور اس کو ایسے اشخاص کی صحبت لطف خداوندی سے میسر آجائے جو اس کے حال کی اصلاح کر دیں اور اس کی روحانی زندگی سدھر جائے تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر بڑا احسان ہے، اس احسان کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موجود ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (پارہ 28۔ سورہ طلاق)

جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلصی کی راہ نکالے گا اور اس کے لئے ایسی جگہ سے رزق فراہم کرے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان میں نہیں ہوگا۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ الطاف و انعام ایسے شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے ہے اور جب اس کو کسی مذہبی معاملہ میں کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایسا کوئی شخص بھیج دیتا ہے جو اس کی اس مشکل کو حل کر دیتا ہے پس اگر طالب حق ابتدائی شرطوں پر قائم رہا اور اس کے قدموں کو لغزش نہیں ہوئی تو اس کو بغیر سفر کے حضر ہی میں

---

[1] یہ بات ظاہری کے اعتبار سے درست لیکن کمال باطنی کے اعتبار سے دریا کا پانی شیریں ہے اور سمندر کا تلخ، دریا کے پانی سے لوگ سیراب ہوتے ہیں لیکن سمندر کے پانی کی تلخی کے باعث اگل دیتے ہیں۔ اور سیرابی تو در کنار پیاس بھی نہیں بجھتی۔ پس سمندر بن کر دوسروں کو بالنا سیراب کریں گے۔

[2] سفر کے مصائب و شدائد انسانی اخلاق کی کسوٹی اور معیار ہیں۔ انسان کی خوبیاں سفر ہی میں پرکھی جا سکتی ہیں۔

انتہائی مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں اس طرح وہ ابتداء سے انتہا تک ایک ہی مقام پر ٹھہرا رہتا ہے (مقیم رہتا ہے) ایسا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ہی مقبول بندوں کو حاصل ہوتا ہے (ہر ایک کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا)۔

ہمیشہ سفر میں رہنے والے مشائخ

بعض بزرگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں کہیں قیام نہیں کرتے اس لئے کہ وہ اپنے احوال کی اصلاح اور تزکیہ نفس کا ذریعہ سفر ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے ہی بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ "تم کوشش کرو کہ تم ہر رات ایک نئی مسجد میں مہمان بنو (ہر رات تمہارا قیام نئی مسجد میں ہو) اور جب تمہاری موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم دو شہروں کے مابین ہو (سفر میں ہو)۔

شیخ ابراہیم خواصؒ کا تعلق ایسے ہی مسافر طبقے سے تھا (ان کا گروہ ہمیشہ حالت سفر میں رہتا تھا) اور آپ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ چالیس دن سے زیادہ کسی جگہ مقیم رہے تو ان کے توکل میں فرق آجائے گا۔ اس لئے کہ اس عرصہ میں لوگ ان کو اچھی طرح جان لیں گے (اور ان کا رجوع شروع ہو جائے گا) اس طرح یہ واقفیت توکل کے منافی ایک بنیادی عیب بن جائے گی۔

حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے ایک جنگل میں قیام کیا اور گیارہ دن تک کچھ نہیں کھایا آخر کار نفس نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں جنگل کی گھاس ہی کھالوں (تاکہ پیٹ میں کچھ پڑ جائے) اس وقت میں نے دیکھا کہ جنگل کی سبزی میری طرف بڑھ کر آرہی ہے، یہ دیکھتے ہی میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا جب میں نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ سبزہ واپس ہو گیا تھا۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اس سبزے سے کیوں بھاگے تو آپ نے فرمایا کہ میرے نفس کو اس سبزے سے مدد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو گیا تھا (نفس چاہتا تھا کہ اس کو کھا کر بھوک کو مٹاؤں)۔

حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کے تحفظ کے لئے ادھر ادھر دنیا میں بھاگتے پھرتے ہیں اور ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔ حضرت شیخ ابو زرعہؒ اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو مسافر سب سے زیادہ محبوب ہیں"!۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سے مسافر ہیں؟۔ آپ نے فرمایا:

وہ لوگ اپنے دین کے تحفظ کے لئے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں! وہ سب قیامت کے دن حضرت عیسیٰ ابن مریم، علیہ السلام کے پاس اکٹھا ہوں گے۔

بہرحال سفر و حضر کے اعتبار سے یہ مختلف مراحل و روحانی مدارج ہیں۔ جن کا ہم نے ذکر کیا لیکن ان سب حالتوں میں لوگوں کی نیت نیک ہی ہوتی ہے (پہلے سفر پھر مقام۔ پہلے مقام پھر سفر۔ ہمیشہ مقام) ان تمام مراحل سے گزرنے والوں کے حسن نیت میں شبہ نہیں اور حسن نیت کا تقاضا یہ ہے کہ صدق کو طلب کیا جائے، خواہ احوال میں کیسی ہی تبدیلی کیوں نہ ہو جائے صدق کا جذبہ ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ پس جو کوئی سفر اختیار کرے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے حال کا نگران رہے اور نیت کو

درست رکھے (تاکہ سفر کے فوائد سے بہرہ اندوز ہو سکے) یہ خلوص نیت اور حسن نیت بھی کوئی آسان بات نہیں ہے کہ اپنی نیت کو خواہشات نفسانی سے وہی شخص پاک و صاف رکھ سکتا ہے جو بہت بڑا عالم اور زبردست پرہیز گار ہو اور لذائذ دنیاوی کی جانب اس کا بالکل میلان نہ ہو' اس کے برعکس اگر کوئی ایسا شخص ہے جس کے اندر کوئی نفسانی خواہش دبی ہوئی ہے اور حسن نیت کے لئے جس تقویٰ اور زہد کی ضرورت ہے وہ اس میں موجود نہیں ہے اور وہ اسی رغبت اور نفسانی جذبہ کے تحت سفر شروع کرے اور یہ خیال کرے کہ میرا یہ "جذبہ جذبہ حق" ہے اور وہ جذبہ حق اور جذبہ نفس میں تمیز نہ کر سکے۔ ایسا شخص حسن نیت کی معرفت کا محتاج ہے تاکہ جذبہ نفسانی میں تمیز کر سکے! جب تک نفسانی وسوسوں کا علم نہ ہو گا نیت کی درستی کا علم نہیں ہو سکتا لیکن یہ علم اس قدر وسیع ہے کہ اگر میں صراحت کے ساتھ اس کو بیان کروں تو اس کے لئے ایک الگ فصل (باب) کی ضرورت ہو گی۔ بہرحال میں یہاں ان لوگوں کے لئے اجمالاً اس سلسلے میں کچھ بیان کرتا ہوں جو ان وساوس نفسانی میں مبتلا ہیں کیونکہ بہت سے درویش اس سے ناواقف محض ہیں۔

نشاط نفس کے نقصانات

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے طبعی رجحانات یا نشاط نفس میں اکثر اوقات فقراء مبتلا ہو جاتے ہیں اور فقیر کا دل چاہتا ہے کہ وہ بھی جنگلوں اور باغوں کی طرف نکل جائے اگرچہ بظاہر یہ خواہش دل کو بہت بھلی لگتی ہے' حقیقت میں یہ نشاط خاطر بہت نقصان پہنچانے والی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی وقت نشاط خاطر کو پورا کر دیا جاتا ہے تو اس سے نفس کو کشادگی حاصل ہوتی ہے اور نفسانی غرض پوری ہو جاتی ہے یعنی جنگلوں اور باغوں کی سیر سے نفس پھیل جاتا ہے اور جب نفس کو یہ کشادگی میسر آتی ہے تو وہ قلب سے اتنا ہی دور ہو جاتا ہے اور قلب سے دور ہو کر پھر وہ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے جب یہ صورت پیدا ہوئی تو قلب کو جنگلوں کی سیر سے سکون کہاں حاصل ہوا یہ تو نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہو گیا بلکہ اس کو جو بظاہر سکون حاصل ہوا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس اس سے دور ہو گیا ہے جیسے کسی انسان سے ایسا ساتھی دور ہو جائے جو قربت میں اس کے لئے باعث زحمت تھا۔

اب درویش جب اس سیر سے فارغ ہو کر اپنے زاویہ میں واپس آئے گا اور اپنے معاملات کا دفتر کھول کر چھان بین کرے گا تو وہ اپنے نفس کو اپنے قلب کے قریں پائے گا لیکن اس طرح کہ وہ مزید گراں بار ہو گیا ہے اور دل کو نفس سے مزید بیزار پائے گا اور جیسے جیسے نفس کا بوجھ بڑھتا جائے گا قلب کا تکدر بھی بڑھتا جائے گا اس مزید گرانباری اور تکدر قلب کا سبب یہ ہے کہ قلب نے اس کی نفسانی خواہشات پر پابندی لگا رکھی ہے اس لئے جنگل اور باغ کی طرف جانا قطعی طور پر ایک روحانی بیماری بن جاتی ہے' مگر درویش یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کے لئے سکون کا باعث اور اس کے درد کا درماں ہے' اور اگر درویش نے تنہائی اور خلوت کی عادت ڈال لی ہے تو نفس سرکش مطیع ہو کر سبک اور لطیف بنجائے گا (گراں بار نہیں رہے گا) اور قلب کا ایک اچھا ساتھی بن جائے گا اور قلب کے لیے بار خاطر نہ رہے گا اسی طرح سفر کی خواہش کو قیاس کر لینا چاہیے (اگر سفر سے خواہش نفس پوری ہوئی ہے تو اس سے تکدر قلب پیدا ہو گا نہ کہ سکون قلب) کیونکہ بہت سی ایسی نفسانی خواہشات ہیں جن سے راحت و آرام پہنچتا ہے لیکن وہ شخص جو اس نکتہ کو سمجھتا ہے وہ اس عارضی لطف و آرام کے قریب بھی نہیں آسکتا جس میں

انجام کار کوئی خوبی نہیں ہے۔ پس اس کے خطرات کو کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ دل میں سفر کا ارادہ پیدا ہو تو اس قسم کے وسوسوں اور اندیشوں کو نظرانداز نہیں کر دینا چاہیئے۔ بلکہ نفس اور اس کے فریب سے بھی آگاہ رہنا چاہیے۔

اسی قبیل سے غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "ان الشمس تطلع من بین قرنی الشیطان" ○ (خورشید شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے طلوع کرتا ہے) کیونکہ طلوع آفتاب ہی کے وقت نفس میں امنگیں اور خواہشیں پیدا ہوتی ہیں لوگ اس کو مزاج اور طبائع کی نشاط انگیزیاں قیاس کرتے ہیں، اس نکتہ کی شرح بہت طویل اور بہت دقیق ہے اس لئے میں بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ بہرحال اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ بیمار کی بیماری صبح کے وقت نسبتاً کم ہو جاتی ہے اور شام کے وقت اس میں اضافہ اور شدت پیدا ہو جاتی ہے پس سمجھ لینا چاہیے کہ نفس کا اہتزاز (نشاط خاطر) اکثر کشادگی قلب کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور فقیر اس قسم کی آفات میں اکثر مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ تہنیت قلبی (نشاط قلب) سمجھ کر اکثر اہتزاز نفس میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ حرکات قلب ہیں حالانکہ وہ حرکات نفس ہوتی ہیں اور بسا اوقات وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ وہ اللہ تک پہنچ گیا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے کلام کر رہا ہے اور اللہ کی طرف سے حرکت کر رہا ہے، اس قسم کے اشتباہ عام درویشوں کو نہیں ہوتے بلکہ ان حضرات کو ہوتے ہیں جو ارباب قلوب اور ارباب حال ہیں پس اس مقام پر عوام کے نہیں بلکہ خواص کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں لہٰذا اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس کا علم بہت ہی گرانقدر ہے۔

سفر کے لئے استخارہ کرنا ضروری ہے

درویش کے لئے سفر کی ابتداء میں صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے کم سے کم یہ ضروری ہے کہ وہ نماز استخارہ پڑھ لے، اس نماز کو کسی حالت میں نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ درویش پر سفر کی صحیح صورت حال واضح ہی کیوں نہ ہو جائے یا سفر کی مصلحت اس پر ظاہر ہو جائے پھر بھی استخارہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ صحت خاطر یا نیک نیتی کے اعتبار سے لوگوں کے مراتب جداگانہ ہیں، کچھ لوگوں پر حقیقت امر جلد آشکار ہو جاتی ہے اور کچھ پر دیر میں لیکن اتباع سنت کے لحاظ سے کسی مرتبہ پر بھی صلوٰۃ استخارہ کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں برکت ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے جیسا کہ ہمارے شیخ ضیاء الدین ابو النجیب السہروردی علیہ الرحمتہ نے چند مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن پاک کی کسی سورۃ کی تعلیم دے رہے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی کسی کام یا سفر کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل نماز پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔

اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ سفر کا مقصد کہیں نفسانی خواہشات کی تکمیل تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو سفر سے باز رہے اور نفسانی وسوسہ اور نفسانی تسویلات کا شائبہ پائے تو سفر اختیار کرکے پھر بھی نفس کی چالوں اور اس کی فریب کاریوں کو کسی حالت میں کسی وقت نہ بھولے۔

دعائے استخارہ یہ ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ ○ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلاَ اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلاَ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ ○ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (وَیُسَمِّیْهِ بِعَیْنِهٖ) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَمَعَادِیْ وَ عَاقِبَةَ اَمْرِیْ اَوْقَالَ عَاجِلُ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ، وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُهٗ شَرًّا لِّیْ ---- مِثْلِ ذٰلِکَ ---- فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاَصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ○

خدایا! میں تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں اور میں تیری ذات سے توفیق کا خواہاں ہوں اور تیرے عظیم فضل کا طلب گار ہوں کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں لاچار ہوں- تو جاننے والا ہے اور میں ناواقف ہوں تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے' الٰہی اگر تیری مشیت یہ کام (کام کا نام لے) میرے دین میری معاش' میری آخرت اور میرے انجام کار کے لئے بہتر سمجھتی ہے اور میرے موجودہ اور آئندہ مفاد کے لئے مناسب ہے تو مجھے اس کام کے سرانجام دینے کی ہمت عطا فرما اور اگر تیری مشیت میرے موجودہ کام کو میرے لئے مفید نہیں سمجھتی اور وہ میرے لئے مناسب نہیں ہے تو مجھے اس کام سے دور رکھ' اور جہاں کہیں بھلائی ہو اس کی مجھے توفیق عطا فرمادے-

باب 17

سفر میں صوفی کے فرائض و فضائل

سفر کے مسائل اگرچہ فقہ کی کتب میں مذکور ہیں اور وہ مسائل اس کتاب کا موضوع نہیں ہیں لیکن بایں ہمہ فقہ کے ایسے بنیادی مسائل کو جو احکام شرعیہ سے ہیں تبرکا بسبیل اختصار یہاں بیان کرتے ہیں اولاً صوفی مسافر کے لئے تیمم' موزوں پر مسح اور نماز قصر اور جمع فی الصلوۃ کے مسائل کا جاننا ضروری ہے' پس تیمم مرض کی حالت میں اور ناپاکی کی حالت میں یا وضو ٹوٹ گیا ہے اور دوبارہ وضو کرنا ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے علاوہ ازیں اگر پانی کے استعمال سے جان کے تلف ہو جانے کا خوف ہے یا مال کے زیاں کا اندیشہ ہے' یا مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے تو قول صحیح یہی ہے کہ ان صورتوں میں تیمم جائز ہے۔

پانی تو پاس موجود ہے لیکن پیاس لگی ہے یا کوئی ساتھی پیاسا ہے یا جانور کو پانی پلانا ہے اور اس میں یہ پانی خرچ ہونا ہے تو بھی ان تمام حالتوں میں تیمم کے ساتھ نماز پڑھے اور ایسی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے علاوہ ازیں پانی کی سردی سے خائف ہے پانی کے استعمال سے سردی لگ جانے کا خطرہ ہے اس صورت میں بھی تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جب یہ خوف زائل ہو جائے تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے' تیمم اسی صورت میں جائز ہے جب کہ پانی کو مناسب مقامات پر تلاش کر لیا گیا' مقامات طلب سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں مسافر رک کر (یا پڑاؤ ڈال کر) ایندھن اور گھاس وغیرہ کی تلاش کرتا ہے' پانی کی تلاش اس وقت کرنا چاہیے جب نماز کا وقت ہو جائے خواہ سفر قصیر ہو یا طویل۔

اگر مسافر صوفی کو نماز کے آخری وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو لیکن اس نے تیمم سے نماز پڑھ لی تو قول صحیح یہی ہے کہ نماز ہو جائے گی اور جتنی نماز تیمم سے پڑھی ہے اس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا خواہ ابھی نماز کا وقت باقی تھا۔ لیکن اگر شروع ہی سے پانی کے حصول کا گمان ہو تو اس صورت میں تیمم باطل ہو جائے گا۔ جیسے کوئی قافلہ آجائے (تو اہل قافلہ سے پانی مل جانے کی توقع کی جاسکتی ہے اس لئے تیمم جائز نہیں ہو گا) یا اور کوئی صورت پانی مل جانے کی متوقع ہو۔ اگر نمازی نے تیمم سے نماز شروع کی لیکن اثنائے نماز میں اس کو پانی نظر آگیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی اور نہ اس کے اعادہ کی ضرورت ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ نماز توڑ دے اور پانی سے وضو کر کے پھر نماز پڑھے یہی اصح ہے۔

فرض نماز کے لئے قبل از وقت تیمم نہیں کرنا چاہیے۔ ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرنا چاہیے البتہ ایک تیمم سے فرض اور نفل پڑھے جاسکتے ہیں لیکن نفل نماز کے لئے جو تیمم کیا ہے اس سے فرض نہیں پڑھے جاسکتے۔ اگر کسی کو پانی اور مٹی دونوں میں سے کچھ نہ ملے تو وہ نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جب ان دونوں (پانی اور مٹی) میں سے کوئی چیز دستیاب ہو جائے تو نماز کا اعادہ

کرے۔ جس شخص کو نہ پانی ملا ہے اور نہ مٹی (نہ وہ وضو کر سکا ہے اور نہ تیمم) ایسا شخص نماز تو پڑھ سکتا ہے لیکن قرآن شریف کو نہیں چھو سکتا اور اگر وہ محدث نہیں بلکہ جنبی ہے (یعنی اس پر غسل فرض ہے) تو اس کو نماز میں قرآن شریف پڑھنا بھی منع ہے وہ قرآن کے عوض صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتا ہے۔

تیمم خالص پاک مٹی سے جائز ہے

تیمم خالص پاک مٹی سے جائز ہے ایسی مٹی جس میں ریت اور چونا ملا ہو اس سے تیمم نہیں ہو سکتا' البتہ اس غبار سے تیمم کرنا جائز ہے جو کسی حیوان کی پشت پر موجود ہو یا کپڑے پر! تیمم کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے' تیمم کرنے والے کو چاہیے کہ مٹی پر ہاتھ مارنے سے پہلے نماز کے مباح ہونے کی نیت کرے۔ جب چہرے کا مسح کرے تو چاہیے کہ ہاتھ کی تمام انگلیاں باہم ملی ہوں' تمام چہرے کا مسح کرنا ضروری ہے اگر کوئی محل فرض[1] بغیر مسح کے رہ گیا تو تیمم درست نہیں ہو گا' دوبارہ ہاتھوں کے مسح کے لئے جب مٹی پر ہاتھ مارا جائے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہونا چاہیے اور دھونے کے ضروری مقامات[2] پر ہاتھ پھیرنا چاہیے' اگر مسح پورا کرنے کے لئے دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارنے کی ضرورت ہے تو ایسا کیا جا سکتا ہے تاکہ مٹی سے تمام ضروری مقامات (مسح) کا مسح ہو سکے' جب ایک ہتھیلی فارغ ہو جائے تو دوسری ہتھیلی کا اس سے مسح کرے تاکہ اس طرح دونوں ہتھیلیوں کا مسح ہو جائے' پھر داڑھی کے نیچے تک ہاتھوں کو پھیرے' اس میں داڑھی کے بالوں کے نکلنے کی جگہ تک مٹی پہنچانے کی شرط نہیں ہے۔

موزوں کا مسح

سفر میں موزوں کا مسح تین دن رات کی مدت تک (تین شبانہ روز تک کام دے سکتا ہے بشرطیکہ اس مدت میں محدب نہ ہو) اور مقیم کے لئے یہ مدت دن رات ہے' اس مدت کا آغاز اس وقت سے ہو گا جب کہ وہ بے وضو ہو جائے نہ کہ اس وقت سے جب کہ اس نے موزے پہنے ہوں' موزہ پہننے کے وقت نیت کی حاجت نہیں ہے بلکہ مکمل طہارت کی ضرورت ہے۔ لہذا اگر کسی نے ایک موزہ پہن لیا اور دوسرا پاؤں دھونے سے قبل موزے پر مسح کر لیا تو یہ مسح درست نہیں[3] ہو گا (دونوں موزوں کو پہن کر مسح کرے)۔ موزہ جس پر مسح درست ہے ایسا موزہ ہونا چاہیے جس کو پہن کر چلنا ممکن ہو اور محل فرض اس سے چھپ جائے' موزوں کے اوپر ہلکا مسح درست ہے اولیٰ اور مناسب یہ ہے کہ موزے کے اوپر اور نیچے (تلے پر) مسح بغیر تکرار کے کرے' جب مدت معینہ گزر جائے یا محل فرض (موزے کے پھٹ جانے سے) کھل جائے تو مسح کا حکم جاتا رہے گا خواہ موزے کی لپیٹ پاؤں پر باقی ہی کیوں نہ ہو اور وہ باطہارت ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ بغیر وضو کئے دونوں پاؤں دھو لئے جائیں۔

اگر مسح کرنے والا مسافر وطن میں آجائے یا مقیم ہو جائے تو اسی طرح مسح کرے جس طرح حضر (مقام کی حالت) میں کرتا

---

(1) محل فرض سے وہ مقام مراد ہے جس کا وضو میں دھونا از قبیل فرائض ہے یعنی پیشانی کے بالوں کے پیچھے سے ٹھوڑی کے نیچے تک لمبائی میں اور دونوں کانوں کی بنا گوش تک چوڑائی میں تمام چہرہ محل فرض ہے (2) اگر مسح میں کوئی جگہ اس میں سے باقی رہ گئی تو تیمم درست نہیں ہو گا

(3) حضرت شیخ کے الفاظ یہ ہیں حتی لو لبس احد الخفین قبل غسل الرجل الاخری لایصح ان یمسح علی الخف ٥

ہے اسی طرح اگر کوئی مقیم مسافر بن جائے تو پھر وہ مسافر کی طرح مسح کرے اگر جرابوں پر نمدا یا سخت کپڑا چڑھا لیا جائے ان پر بھی مسح کرنا درست ہے۔ جرابوں (شرج) پر بھی مسح جائز ہے بشرطیکہ دھونے کا مقام ظاہر نہ ہو (تمام پاؤں چھپ جائے) پھٹے ہوئے موزوں پر مسح درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بعض حصے کھلے ہوتے ہیں اور پاؤں کے بعض حصے کھلے ہوتے ہیں اور پاؤں کے بعض حصے چھپے ہوتے ہیں۔

قصر اور جمع صلوٰۃ (دو نمازوں کا جمع کرنا)

سفر کی حالت میں جہاں تک قصر اور ایک وقت میں ظہر و عصر کی نمازوں کا جمع کرنا ہے' تو نماز ظہر و عصر کو ایک وقت میں جمع تو کیا جاسکتا ہے لیکن ہر ایک نماز کے لئے جداگانہ تیمم کرنا ہو گا اور گفتگو وغیرہ سے دونوں نمازوں نے مابین فصل پیدا نہ کرے[1]۔ اسی طرح مغرب و عشا کو مسافر جمع کر سکتا ہے لیکن نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔ اور نہ نماز فجر میں قصر ہے ان دونوں نمازوں (مغرب و فجر) کو بالکل اسی طرح ادا کرے جس طرح بغیر قصر و جمع کے ادا کیا جاتا ہے۔ سنت ہائے موکدہ کو دو سنتوں میں جمع کر کے ظہر و عصر کے فرائض سے پہلے پڑھے اور جب دونوں فرائض سے فارغ ہو جائے تو نماز ظہر کے فرائض کے بعد جو دو سنتیں یا چار سنتیں پڑھتا ہے وہ پڑھے۔ اسی طرح نماز مغرب و عشا جمع پڑھنے کے بعد ان کی سنت ہائے موکدہ پڑھے اور سنتیں ادا کرنے کے بعد (عشا کے) وتر ادا کرے۔

سواری پر بیٹھ کر فرض ادا نہیں کئے جاسکتے

سواری پر (سوار رہ کر) فرض کسی حال میں ادا کرنا جائز نہیں ہے بجز اس کے کہ غزوہ میں شریک ہو اور لڑائی برابر جاری ہو' البتہ سنت ہائے موکدہ اور نوافل سواری پر ادا کر سکتا ہے' اس حال میں رکوع و سجود اشارے سے ادا کرے لیکن سجدے کے اشارے میں رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکے مگر اس وقت جبکہ وہ جھکاؤ پر قادر ہو (جم کر بیٹھا ہو) جیسے کجاوہ ہو یا اور کسی چیز میں بیٹھا ہو' سواری کی حالت میں منہ کا راستہ کی طرف ہونا رو بہ قبلہ ہونے کا قائم مقام ہو گا' راستہ کی جانب سے منہ کو سوائے قبلہ کے کسی اور طرف نہ کرے' اگر اس نے اپنی سواری کو اس سمت سے موڑ لیا جدھر وہ رواں تھی اور وہ سمت قبلہ کی نہیں ہے (جدھر سواری کو موڑا ہے) تو اس صورت میں وہ نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر مسافر پیدل سفر کر رہا ہے تو سفر میں اس کو نفل بھی پڑھنا چاہیے اگر مسافر محرم نہیں ہے تو راہ کے رخ پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن اگر مسافر محرم ہے تو حالت احرام میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے' رکوع و سجود کے لئے اس کو اشارہ کافی ہے۔ سوار کے لئے احرام کے واسطے بھی رو بقبلہ ہونے کی حاجت نہیں ہے۔

اگر مسافر مقیم ہو گیا اور پھر سفر اختیار کر لیا تو اس کے لئے اس دن کا روزہ پورا کرنا ضروری ہو گیا اسی طرح اگر مسافر تھا پھر

---

(۱) : تمام مسائل فقہ شافعیہ کے اعتبار سے ہیں کہ شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ کا مسلک شافعیہ تھا

مقیم ہو گیا جب بھی اس کے لئے یہی صورت ہو گی کہ روزہ دار بن کر دن تمام کرے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے سے یہ افضل ہے اسی طرح (حالت سفر میں) نماز قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ جس قدر ہم نے یہاں سفر کی حالت میں صوفی کے لئے شرعی احکام کو بیان کیا ہے ان کا جان لینا اس کے لئے کافی ہے۔ (یعنی اس قدر شرعی احکام کا سفر کے دوران صوفی کا جان لینا کافی ہے)۔

رفیق سفر کی ضرورت

سفر میں یہ مستحب ہے کہ صوفی مسافر کسی رفیق سفر کو تلاش کرے اور وہ ایسا ہو جو دینی معاملات میں اس کا ممد و مددگار ثابت ہو سکے جیسا کہ کہا گیا ہے"۔ پہلے کوئی ساتھی تلاش کرو پھر سفر کرو' الرفیق ثم الطریق " حضرت رسول اکرم ﷺ نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں اگر کوئی صوفی اپنے نفس کی آفتوں سے باخبر ہے اور صحیح بصیرت کے بعد وہ تنہا سفر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے تنہا سفر کرنے میں کوئی ہرج اور خطرہ نہیں ہے۔

امیر جماعت کا اجتماعی سفر میں ہونا ضروری ہے

اگر سفر جماعت کے ساتھ کیا جا رہا ہے تو ان میں جو کوئی بہتر ہو اس کو امیر بنا لیا جائے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے' "اگر سفر میں تم تین افراد ہو تو تم اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لو"۔ یہی وہ امیر جماعت ہوتا ہے جس کو صوفیہ "بشیر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں' امیر اس شخص کو ہونا چاہیے جو زہد و پرہیز گاری میں سب سے بڑھ کر ہو بلکہ تقویٰ میں سب سے زیادہ اور مروت و سخاوت میں سب سے بیش اور سب سے زیادہ شفیق ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ بہتر اور نیک ہو"۔

شیخ عبداللہ مروزی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار ابو علی الرباطیؒ ان کے ہم سفر بنے تو شیخ عبداللہ نے کہا میں امیر بنوں یا آپ بنیں گے۔ ابو علی الرباطی نے کہا کہ آپ امیر ہیں! چنانچہ اپنا اور اپنے رفیق سفر (یعنی ابو علی) کا سامان اپنی کمر پر لادے چلتے رہے۔ اسی حالت سفر میں ایک رات بارش ہو گئی چنانچہ شیخ عبداللہ مروزی تمام رات شیخ ابو علی الرباطی کے سرہانے کھڑے رہے اور ان کو بارش سے بچانے کے لئے اپنی کملی سے ڈھانپے رہے اور جب ابو علی الرباطی ان کو اس فعل سے روکتے تو وہ فرماتے کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں اور کیا تم پر میری اطاعت و انقیاد واجب نہیں ہے!

عزت و وقار کے حصول کے لئے امیر بننا

اگر کوئی درویشوں کے ساتھ محض ان سے طاعت کرانے اور ان پر حکم چلانے اور اپنی عزت افزائی کے لئے امیر بن کر رہے اور اس کی خواہش ہو کہ وہ امیر بن کر ان خانقاہ نشینوں اور خادموں پر مسلط ہو جائے اور اس طرح اس کا نفس اپنی آرزو کو پہنچ جائے تو یہ طریقہ جاہل بو الہوسوں کا ہے جو صوفیائے کرام کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے' یہ طریقہ ان دنیا پرستوں کا

ہے جو اموال دنیا جمع کرنا چاہتے ہیں پس وہ اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے ایسے ہی رفقاء سفر کو انتخاب کرتا ہے جو دنیا کی طرف مائل ہوں اور پھر یہ سب مل کر اغراض نفس کی تکمیل میں مصروف ہو جاتے ہیں اور دنیا پرستوں کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں تاکہ مقاصد نفسانی کو پورا کر سکیں' ان لوگوں کے یہ اجتماع غیبت اور دوسرے مکروہات سے خالی نہیں ہوتے اور اس سفر سے مقصود ان کا سیر و تفریح اور حلب منفعت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کسی خانقاہ سے ان کے مفادات وابستہ رہتے ہیں تو یہ لوگ وہاں اپنے قیام کی مدت کو طویل کر دیتے ہیں خواہ اسباب دینی وہاں میسر نہ آسکیں (دینی فوائد حاصل نہ ہو سکیں لیکن دنیاوی مقاصد کے حصول کے باعث پڑے رہتے ہیں) اور جب دیکھتے ہیں کہ وہاں آمدنی اور فتوح کی قلت اور کمی ہے تو خانقاہ سے رخصت ہو جاتے ہیں حالانکہ اسباب دینی کا حصول وہاں آسان ہوتا ہے اور ان کی کثرت ہوتی ہے (لیکن چونکہ دین ان کا منتہائے مقصود نہیں ہے اس لئے وہاں سے کھسک لیتے ہیں) پس یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صوفیہ کا طریقہ نہیں ہے۔

بھائیوں کو وداع کرنا مستحبات سے ہے

سفر کے موقع پر اپنے بھائیوں کو رخصت اور وداع کرنا مستحبات سے ہے اور دعائے ماثورہ ان کے حق میں کرنا چاہیے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ تک گیا پھر جب میں ان سے جدا ہونے لگا تو انہوں نے میری مشایعت کی (مجھے چھوڑنے کچھ دور تک گئے) اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جناب لقمان نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے فرزند! کہ بلاشبہ جب کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی امانت میں دے دیا جاتا ہے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور میں تیرا دین اور تیری امانت اور تیرے عمل کا خاتمہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں!

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی سفر اختیار کرے تو تم کو چاہیے کہ اپنے بھائی کو اللہ کے سپرد کر دو کہ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں میں برکت عطا فرماتا ہے جو وہ اس (مسافر) کے حق میں کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ کسی کو وداع فرماتے تو ارشاد فرماتے۔ خداوند تعالیٰ تقویٰ کو تیرا زاد راہ بنائے اور تیرے گناہ بخش دے اور جو جس طرف توجہ کرے اس میں خیر عطا فرمائے۔

جب ایک بھائی اپنے مسافرت کا ارادہ کرنے والے بھائی کو وداع کرے تو وہ اس بات کا اعتقاد رکھے کہ جب وقت وداع اس کو یہ اللہ کے سپرد کر رہا ہے اور اس کے لئے دعائے خیر کر رہا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی دعا اس مسافر بھائی کے حق میں قبول فرمائے گا۔

ایک عجیب واقعہ

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے عہد خلافت میں) لوگوں کو عطیات دے رہے تھے کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر آیا۔ (تاکہ اس کو بھی عطیہ مل جائے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ جیسا تیرا بیٹا تجھ سے مشابہہ ہے میں نے ایسی مشابہت کسی اور باپ بیٹے میں نہیں پائی۔ تو اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین میں آپ

کو اس مشابہت کا قصہ سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب میں نے سفر کا ارادہ کیا تو میرا یہ بیٹا اپنی ماں کے پیٹ میں تھا' میرے رخصت ہوتے وقت اس کی ماں نے مجھ سے کہا کہ تم جاتے ہو اور میں اس حال میں ہوں (تم مجھے اس حالت میں چھوڑے جا رہے ہو) میں نے بیوی سے کہا کہ میں اس کو جو تیرے پیٹ میں ہے اللہ کے سپرد کرتا ہوں' یہ کہہ کر میں سفر پر چلا گیا جب کچھ مدت کے بعد میں سفر سے واپس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری بیوی مرچکی ہے' لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے میری بیوی کی موت کے سلسلہ میں باتیں کر رہے تھے کہ یکایک اس کی قبر پر آگ روشن نظر آئی۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ یہ آگ کیسی ہے' انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہاری بیوی کی قبر ہے' اس پر روزانہ رات کو ہم یہ آگ روشن دیکھتے ہیں' میں نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ عورت (یعنی میری بیوی) بڑی عابدہ قائم اللیل اور روزہ دار تھی۔ میں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ساتھ لیا اور ہم اس قبر پر پہنچے' ہم لوگوں نے اس قبر کو کھود ڈالا' کھودتے میں یکبارگی ایک جلتا ہوا چراغ نظر آیا۔ اور اسی کے ساتھ اس قبر میں اس لڑکے کو چلتا ہوا دیکھا۔ اس دم ہاتف غیبی نے کہا کہ لے یہ تیری امانت ہے اگر تو اس کی ماں کو بھی ہماری امانت میں (وقت سفر اسی طرح) دے دیتا تو اس کو بھی زندہ پاتا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیشک وہ تجھ سے اس سے زیادہ مشابہہ ہے جتنا ایک گھوڑا دوسرے گھوڑے کے مشابہ ہوتا ہے۔

دو رکعت نماز پڑھ کر سفر پر روانہ ہونا چاہیے

سفر کرنے والے کو چاہیے کہ جس منزل سے کوچ کرے تو دو رکعت نماز (نفل) پڑھ کر کوچ کرے اور اسطرح دعا کرے۔ اللھمہ زدفی التقوی واغفرلی ذنوبی و وجھنی للخیر اینما توجھت ٥ (الٰہی! تو مجھے تقویٰ کا توشہ عطا فرما اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میں جس طرف متوجہ ہوں (جہاں کہیں جاؤں) مجھے بھلائی کیطرف متوجہ فرما)۔

رسول اکرم ﷺ کا معمول

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی منزل پر نزول فرماتے تو جب وہاں سے روانگی فرماتے تو دو رکعت نماز ادا فرما کر روانہ ہوتے پس درویش مسافر کو چاہیے کہ جب وہ کسی منزل یا خانقاہ سے کوچ کرے تو دو رکعت نماز پڑھ کر کوچ کرے اور جب سواری پر سوار ہو جائے تو یہ دعا پڑھے:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّالَهٗ مُقْرِنِیْنَ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٥ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَى الظَّهْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى الْاُمُوْرِ ٥

پاک ہے وہ ذات جس نے اس (جانور) کو ہمارا مطیع اور تابع فرمایا ہے ورنہ ہم اس کو تابع نہیں بنا سکتے تھے میں خدا کے نام سے سفر کو شروع کرتا ہوں اور اللہ بہت بڑا ہے' میں نے اس پر بھروسہ اور تکیہ کیا ہے' طاقت اور قدرت صرف اللہ کے لئے ہے جو سربلند اور عظمت والا ہے! الٰہی! تو ہی اس جانور کی پیٹھ پر مجھے سوار کرانے والا ہے اور میں تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد کا طالب ہوں۔

منزل سے روانگی کا مسنون طریقہ

روانگی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ منزل سے علی الصبح کوچ کیا جائے اور سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے کی جائے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوائے جمعرات کے بہت کم اور کسی دن سفر شروع فرماتے تھے۔ اور جب آپ کہیں سَرِیَہ[1] روانہ فرماتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ مستحب ہے کہ جب کسی منزل اور پڑاؤ کے قریب پہنچے تو یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰھُمَّ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَ رَبُّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَ رَبُّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرِیْنَ، وَ رَبُّ الْبِحَارِ وَمَا جَرِیْنَ، اَسْئَالُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَیْرَ اَھْلِہٖ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْمَنْزِلِ وَ شَرِّ اَھْلِہٖ ○

بار الٰہا! جو تمام آسمانوں کا پروردگار ہے جن پر وہ سایہ افگن ہوتے ہیں اور تمام زمینوں اور ان کی اٹھائی ہوئی چیزوں کا رب ہے وہ جو تمام شیاطین اور ان کے گم راہ افراد کا، ہواؤں اور ان چیزوں کا جو ان سے اڑتی ہیں، اور جو سمندروں اور ان چیزوں کا جو ان پر بہنے والی ہیں، پروردگار ہے! میں تجھ سے اس منزل اور اس منزل کے رہنے والوں کی بھلائی کا خواہاں ہوں اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس منزل اور اس منزل کے رہنے والوں کے شر سے۔

اور جب منزل پر پہنچ جائے تو دو رکعت نماز ادا کرے۔

مسافر کے پاس طہارت کا جملہ سامان موجود ہونا چاہیے۔ روایت ہے کہ شیخ ابراہیم خواصؒ چار چیزیں اپنے پاس حضر و سفر میں ہر دم رکھتے تھے (چار چیزوں کو خود سے جدا نہیں کرتے تھے)۔ یعنی لوٹا۔ سوئی دھاگا۔ قینچی اور رسی۔

رسول اکرم ﷺ کا معمول!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر فرماتے تھے تو آپ کے پاس یہ پانچ چیزیں ہوتی تھیں۔ آئینہ۔ سرمہ دانی۔ استرا۔ مسواک اور کنگھا ایک روایت میں قینچی کا بھی ذکر آیا ہے، اور صوفیہ تو عصا بھی ساتھ رکھتے ہیں (اس کو کبھی نہیں چھوڑتے) اور یہ بھی مسنون ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے منبر کو اختیار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اور اگر میں عصا کو اختیار کروں تو عصا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اختیار کیا ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عصا پر تکیہ لگانا انبیاء علیہ السلام کے اخلاق میں سے ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عصا تھا جس سے آپ تکیہ لگایا کرتے تھے اور اصحابؓ کو عصا سے تکیہ لگانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی طرح لوٹا پاس رکھنا بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حضرت جابرؓ[2] نے

(۱) سریہ وہ لشکر ہے جس میں اصحاب شریک ہوتے اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس میں شریک نہیں فرماتے تھے برعکس غزوہ۔

متن کے الفاظ یہ ہیں:۔ روی جابر عن عبد اللہ قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ یعنی حضرت جابرؓ نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کیا، یہاں اشتباہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ سے یہ واقعہ مروی ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح ایسا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے سے وضو فرما رہے تھے کہ لوگ عجلت و سرعت کے ساتھ آپ کی طرف بڑھے جس طرح روتے ہوئے بچے کی طرف ماں جھپٹ کر جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس عجلت اور جھپٹ کر آنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں پانی نہیں مل سکا ہے
کہ ہم پئیں اور وضو کریں یہی پانی موجود ہے جو حضور کے پاس ہے (اس لئے ہر ایک چاہتا ہے کہ جلدی سے پہنچ کر تھوڑا سا پانی حاصل کرے) یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹے پر اپنا دست مبارک رکھ دیا، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے پانی اس طرح ابل رہا تھا جس طرح چشمے سے ابلتا ہے! پس اس پانی سے تمام لوگوں نے وضو کر لیا (اور وہ سب کے لئے کافی ہو گیا) میں نے ان سے (یعنی حضرت جابرؓ نے حضرت عبداللہؓ سے) دریافت کیا کہ آپ کتنے لوگ تھے، حضرت عبداللہ نے کہا کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لئے کافی ہوتا، اس وقت ہم غزوہ الحدیبیہ میں صرف پندرہ سو افراد تھے (یعنی یہ واقعہ غزوہ حدیبیہ کا ہے اس وقت وہاں مسلمانوں کی تعداد صرف پندرہ سو تھی)۔

کمربستہ ہونا بھی صوفیہ کی سنت ہے

کمر کا باندھنا بھی صوفیہ کی سنت ہے، حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک حج کے لئے پیادہ سفر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹپکوں سے اپنی کمریں کس لو! پس ہم نے اپنی کمریں ٹپکوں سے باندھ لیں اور آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے۔

آداب صوفیہ میں سے یہ بھی ہے کہ جب سفر کے لئے روانہ ہوں تو صبح دو رکعت نماز ادا کر کے خانقاہ سے نکلیں، جس طرح ہم نے گھر سے نکلتے وقت دو رکعت نماز کے ادا کرنے کے لئے بیان کیا ہے۔ خانقاہ سے روانہ ہوتے وقت موزے اپنے آگے رکھے اس کے بعد عبا کی داہنی آستین پہلے پہنے اس کے بعد بائیں آستین پہنے، پھر ٹپکے سے اپنی کمر کو کسے اور جوتے رکھنے کی تھیلی اٹھائے اور اولاً اس کو جھاڑے پھر اس جگہ جائے جہاں موزے پہننا مقصود ہوں وہاں پہلے مصلے کو دوہرا کر کے بچھائے، پھر دونوں جوتوں کے تلوں کو ایک دوسرے سے رگڑے (تاکہ نجاست خشک ان سے چھوٹ جائے) اب بائیں ہاتھ میں جوتا اور داہنے ہاتھ میں جوتے رکھنے کی تھیلی کو پکڑے اور تھیلی میں جوتے اس طرح رکھے کہ ان کی ایڑیاں تھیلی میں نیچے کی طرف ہوں پھر تھیلی کا منہ بند کر دے (باندھ دے) جوتا تھیلی میں بائیں ہاتھ اور بائیں رخ پر رکھے، پھر اس تھیلی کو کمر کے ساتھ باندھ لے، اب مصلے پر بیٹھ جائے، بائیں ہاتھ سے موزے کو اٹھا کر جھاڑے اور پہلے دائیں پاؤں میں پہنے، موزے پہنتے وقت کمربندیا جوتے کا کوئی حصہ زمین پر نہ گرے۔ موزے پہننے کے بعد ہاتھ دھو ڈالے اور اب اس مقام کی طرف رخ کر کے جہاں سے سفر کے لئے روانہ ہو رہا ہے، حاضرین کو الوداع کہے۔

اگر کوئی رفیق (از راہ خدمت یا محبت) اس کا سامان مثلاً بستر یا عبا وغیرہ اٹھا کر خانقاہ کے باہر تک چلنا چاہے تو اس کو منع

نہیں کرنا چاہیے۔ خانقاہ کے باہر مشایعت کرنے سے روک دے اور اس کو رخصت کر دے! باہر آکر جب مشکیزہ باندھے تو پہلے (بطور رسم صوفیہ) اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی داہنی بغل کے پیچھے سے نکالے پھر بائیں جانب مشکیزے کو باندھ لے، دایاں کندھا خالی رہنا چاہیے۔ مشکیزے کی گرہ دائیں جانب رہنا چاہیے۔ اثنائے سفر میں اگر کسی اچھے مقام پر پہنچے یا اس کے کچھ برادران طریقت اس کی پیشوائی کسی جگہ کریں یا شیخ طائفہ کسی جگہ اس کو خوش آمدید کہے (تو وہاں مقام کرنا چاہیے) تو مشکیزہ کو کاندھے سے اتار کر زمین پر رکھ دے اور ان لوگوں کا خود بھی استقبال کرے اور انہیں رخصت کرے جب وہ لوگ رخصت ہو جائیں تو مشکیزہ کو حسب سابق پھر باندھ لے! اگر ایسی صورت پیش نہ آئے اور اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ جائے خواہ خانقاہ وغیرہ ہو یا نہ ہو، تو وہاں مشکیزہ کو اتار دے اور اتارتے وقت اسے اپنی بائیں بغل کے نیچے رکھ لے، اسی طرح اپنے عصا اور چھاگل (لوٹے) کو بائیں ہاتھ میں لے لے۔

رسوم سفر کی پابندی اور ان کا ترک

یہ وہ طریقے ہیں اور وہ رسوم ہیں جو خراسان اور جبل کے فقیروں اور صوفیوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں لیکن عراق و شام اور مغرب کے صوفیہ اور فقراء ان رسوم کی پابندی نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ان رسوم کی پابندی امر مستحسن نہیں ہے کہ ان کی پابندی کرنے سے محض رسوم دنیوی کی پابندی ہوتی ہے اور نتیجۃ اہل حقائق سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ان رسوم کی پابندی کرتے ہیں وہ کہتے کہ یہ آداب سفر ہیں جو ہمارے اسلاف نے وضع کیے ہیں۔ (ہمارے بزرگوں سے چلے آرہے ہیں) اور جب یہ لوگ اس رسوم کی ادائیگی میں کوئی کمی اور خامی دیکھتے ہیں تو ایسے شخص کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ صوفی نہیں ہے"۔ حق یہ ہے کہ دونوں گروہ (پسند و ناپسند میں) افراط و تفریط کا شکار ہیں صحیح اور درست صورت حال یہ ہے کہ جو کوئی ان رسوم کی پابندی کرتا ہے اور ان کا انکار نہیں کرتا تو وہ قابل مذمت نہیں ہے کہ یہ رسوم شریعت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ آداب میں داخل ہیں (ان کو آداب کہا جاسکتا ہے) اور جو کوئی اس کی پابندی نہیں کرتا اس کے لئے بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ یہ رسوم و آداب نہ شرع میں واجب ہیں اور نہ ان پر تاکید آئی ہے۔ خراسان اور جبل کے بیشتر فقراء اس رسوم کی ادائیگی میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ بحد افراط پہنچ گئے ہیں اور عراق و شام ممالک غربی کے جو فقراء ان آداب و رسوم کی پابندی نہیں کرتے وہ ان رسوم سے گریز کرتے ہیں اور حد تفریط تک پہنچ گئے ہیں۔

زیادہ مناسب اور سزاوار بات تو یہ ہے کہ جس چیز کو شریعت میں منع کیا گیا ہے وہ بری اور ناپسندیدہ ہے اور جو شریعت میں منع نہیں ہے وہ بری اور ناپسندیدہ نہیں ہے (شریعت میں جس سے روکا گیا ہے اس سے رک جائے اور جس سے نہیں روکا گیا اس سے انکار نہ کرے)۔ ایسی صورت میں بزرگان تصوف (درویش بھائیوں) کے معمولات و تصرفات کو قابل اعتذار سمجھنا چاہیے جب تک کہ منکرات میں مبتلا نہ ہوں یا ان کے ان آداب سے مستحبات میں خلل پیدا نہ ہوتا ہو۔

------------ اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا دینے والا ہے۔

باب 18

مراجعت سفر و قیام خانقاہ

سفر سے واپسی

چاہیے کہ جب سفر سے واپس آئے تو آفات مقام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے جس طرح اس نے سفر کی سختیوں سے پناہ مانگی تھی اور اس وقت یہ دعائے ماثورہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَا السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْقِلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدْ

الٰہی! میں سفر کی صعوبات اور مسافرت کے رنج سے اور اہل و مال و اولاد کی بدحالی (بد منظر) سے بچ کر تیری پناہ مانگتا ہوں۔

○

اور جب اس شہر کے قریب پہنچے جس میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے تو تمام اہالیان شہر (زندہ اور مردہ) پر سلام بھیجے (سلام علیکم کہے) اور جس قدر قرآن شریف پڑھ سکتا ہو پڑھے اور وہاں کے مردوں کے لئے ایصال ثواب کرے اور زندوں کو بھی وہ ثواب پہنچائے اور تکبیرات کہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ جب آپ غزوہ یا حج سے تشریف لاتے اور جب کسی بلندی پر آپ کا گزر ہوتا تو تین بار فرماتے:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

سوائے ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس کے لئے حکومت ہے اور تمام تعریفیں اسی کے واسطے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس آرہے ہیں عبادت کرتے ہوئے اور ہم اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے ہوئے اور اسی کی تعریف کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تن تنہا لشکروں کو شکست دے دی۔

اور جب شہر نظر آئے تو یہ پڑھے:۔ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا"[1] اگر اس وقت غسل کرے تو زیادہ بہتر ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ حضور نے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت غسل فرمایا تھا۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب غزوہ احزاب سے واپس تشریف لائے اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپ نے

---

(۱) اے اللہ اس شہر کو ہمارے لئے قرار اور اچھے رزق کی جگہ بنا دے۔

جسم اطہر سے زرہ اتاری اور غسل فرمایا! اور حمام کیا (حمام میں تشریف لے گئے)۔

اگر بوقت مراجعت شہر میں داخلہ کے وقت غسل نہ کر سکے تو وضو کرے، سفید کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے اور اپنے بھائیوں (دوسرے درویشوں) سے ملاقات کی تیاری کرے اور جو خدا رسیدہ شہر میں ہوں ان سے برکت حاصل کرے اور انکی زیارت کرے۔

دوسروں سے محض اللہ کے لئے محبت کی جائے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے گھر سے اپنے ایک بھائی سے ملاقات کے لئے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتہ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے! اس نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، فرشتے نے کہا کہ کیا اپنی قرابت کے اعتبار سے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں صرف اللہ کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ اور تمہیں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ تم دونوں کی اس باہمی محبت کی وجہ سے اللہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ بھی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو یاد کرتا ہے یا محض اللہ کے لئے اس کی زیارت یا اس سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرماتا ہے کہ "تم بہت خوش وقت رہے اور تمہارا سفر اچھا رہا ہے اور تم جنت کو اپنا ٹھکانہ بنالو"۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "پہلے میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا مگر اب تم ان کی زیارت کرو کیونکہ ان کی زیارت سے تم کو آخرت کی یاد آئے گی (وہ تم کو آخرت کی یاد دلائے گی)۔

پس اس طرح درویش کو زندوں اور مردوں دونوں سے فیض حاصل ہو گا۔ لازم ہے کہ جب درویش سفر سے واپسی میں شہر میں داخل ہو تو کسی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کر کے اس کی ابتدا کرے (داخلہ کی ابتدا کرے) اگر جامع مسجد میں جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ اور اکمل طریقہ ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سفر سے واپس) تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے اس کے بعد کاشانہ نبوت تشریف لے جاتے۔ فقیر کے لئے رباط، خانقاہ ہی بمنزلہ مکان کے ہے اس لئے خانقاہ کا قصد کرنا بھی گویا سنت ہے جیسا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص مدینہ منورہ میں داخل ہوتا تو اگر اس کا کوئی شناسا ہوتا تو وہ اپنے اس شناسا کے پاس قیام کرتا اور اگر کوئی شناسا نہ ہوتا تو وہ صفہ میں قیام کرتا تھا۔ میں بھی انہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے صفہ میں قیام کیا تھا (کیونکہ مدینہ منورہ میں میرا کوئی شناسا نہیں تھا)۔

آداب خانقہی

جب خانقاہ میں داخل ہوا تو ایسی جگہ جائے جہاں موزے اتارتے ہیں وہاں پہنچ کر کھڑے کھڑے اپنا پٹکا کمر سے اس کے بعد تھیلے کو اپنے بائیں ہاتھ سے داہنی آستین سے نکالے اور سیدھے ہاتھ سے تھیلے کا منہ کھولے اس کے بعد اس میں سے

بائیں ہاتھ سے جوتے نکال کر زمین پر رکھ دے، اس کے بعد اپنا پٹکالے کر تھیلے میں رکھ دے، اس عمل کے بعد اپنے الٹے پاؤں کا موزہ اتارے اگر باوضو ہے تو موزے اتار کر پاؤں کو پسینہ دور کرنے کے لئے دھوڈالے۔ جب مصلے پر قدم رکھے تو مصلے کے الٹے کرنے کو الٹ کر اس سے گیلے پاؤں کو پونچھ ڈالے پھر قبلہ رو ہو کر دو رکعت (نفل) ادا کرے۔ یہ خیال رہے کہ مصلے کی سجدے کی جگہ اس سے پامال نہ ہو۔ الغرض یہ تمام رسوم ظاہری ہیں جن کو بعض ارباب تصوف نے مستحسن کہا ہے اور پسند کیا ہے اور جو صوفی ان رسوم کا پابند ہو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اکثر مشائخ نے ان رسوم کو پسند کیا ہے اور ان کی پسندیدگی کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ مرید کو ہر ایک امر میں ایک صورت خاص کے ساتھ پابند کر دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ ان کی پابندی کا خیال رکھے اور اپنی ہر حرکت اور ہر عمل میں اس مقصد کو پیش نظر رکھے اور اگر کوئی درویش ان رسوم میں سے کسی کی ادائیگی میں قصور کرے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے وہ ایسی حالت میں قابل اعتراض ہو گا جب کہ اس سے کسی واجب یا مستحب امر میں رخنہ پڑے (کسی واجب یا مستحب کو ترک کر دے)۔

اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) صوفیہ کی اکثر رسوم کے پابند نہیں تھے (ان کی بہت سی ایسی رسوم ہیں جن کی پابندی اصحاب کرام نے نہیں کی ہے)۔ نوجوان خانقاہ نشینوں کو زیبا نہیں کہ کسی نووارد خانقاہ پر ان تمام رسوم کی پابندی عائد کر دیں۔ بلکہ جو غلط باتیں اس سے ظہور میں آئیں ان میں نیت کو دیکھنا چاہیے یعنی نیک نیتی کا لحاظ رکھتے ہوئے ان رسوم کی پابندی کا مطالبہ کرنا چاہیے مثلاً ایک درویش اپنی آستین چڑھائے بغیر خانقاہ میں داخل ہوا اور تمام سفر میں وہ اپنی آستینیں چڑھائے سفر کرتا رہا تو اس کو بتایا جائے کہ وہ محض دکھاوے کے لئے یہ کام نہ کرے کیونکہ اس نے کسی مستحب امر کی خلاف ورزی تو نہیں کی لیکن جس طرح وہ تمام سفر میں رہا ہے اسی طرح خانقاہ میں داخل ہونے کے وقت بھی رہتا تو کوئی ہرج نہیں تھا اسی طرح پٹکا باندھنے کا حال ہے کہ پٹکا باندھنا مسنون ہے اس سلسلہ میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کمروں پر ٹپکے باندھ کر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک سفر کیا تھا۔

نووارد کو بتایا جائے کہ آستین چڑھانے کا فائدہ ہے کہ اس طرح مسافر کو سفر کرنے اور چلنے میں آسانی ہوتی ہے (ڈھیلی آستینیں لٹکی ہوئی اک الجھن پیدا کر دیتی ہیں) لہٰذا جو کوئی سفر میں پٹکا باندھے اور آستین چڑھا کر سفر کرے تو اس کو اسی طرح، اسی ہیئت میں خانقاہ میں داخل ہونا چاہیے اور اگر کوئی شخص کمربستہ ہو یا سوار ہو اور پٹکا نہ باندھا تو سچائی اور راستی کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ اسی طرح خانقاہ میں داخل ہو (اگر اس نے دوسری ہیئت اختیار کی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے صداقت کو چھوڑ دیا) محض دکھاوے کے لئے نہ آستینیں چڑھائے اور نہ کمر میں پٹکا باندھے اگر ایسا کرے گا تو یہ تکلیف اور ریاکاری ہو گی، جب کہ تصوف کی بنیاد صداقت پر ہے اور دکھاوے کی اس میں گنجائش نہیں ہے (بلکہ خلق کی نظر سے گرنا ہی اس کی بنیاد ہے)۔

خانقاہ میں داخل ہوتے وقت سلام نہ کرنے کی توجیہہ

اور جو لوگ صوفیہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ خانقاہ میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے

اور یہ طریقہ غیر مستحب ہے۔ ایسے نکتہ چین کو درویش کے ارادے اور اس کی نیت سے آگاہ ہوئے بغیر نکتہ چینی میں عجلت نہیں کرنا چاہیے، اس کے سلام میں پیش قدمی نہ کرنے یا سلام کا جواب دینے کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں منجملہ ان کے ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "سلام" خداوند تعالیٰ کا اسم مبارک ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ:۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، گزرنے والے نے آپ کو سلام کیا مگر آپ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ شخص آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، اس وقت آپ نے دیوار پر ہاتھ سے ضرب لگائی اور چہرے کا مسح فرمایا اس کے بعد آپ نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے سلام کا جواب لوٹانے میں یہ امر مانع آیا کہ میں اس وقت پاک نہیں تھا (یعنی پاک نہ ہونے کے باعث میں نے سلام کا جواب نہیں دیا"۔

ایک دوسری روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں۔

"آپ نے اس شخص کے سلام کا جواب اس وقت تک نہیں دیا جب تک آپ نے وضو نہیں فرمالیا اس کے بعد آپ نے معذرت کی اور فرمایا کہ "مجھے اس حال میں کہ میں پاک نہیں تھا یہ پسند نہیں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں"۔

پس سفر سے واپس آنے والے درویشوں کی جماعت میں کوئی بے وضو بھی ہو جاتا ہے پس اگر کوئی باوضو اسکو سلام کرے اور وہ بے وضو ہونے کے باعث اسکے سلام کا جواب نہ دے تو اسکا حال (محدث ہونا) ظاہر ہو جائے گا۔ پس سلام کرنے کا سلسلہ اس وقت تک ترک کر دینا چاہیے جب تک جو وضو کرنا چاہے وہ وضو کر لے اور جو اپنے پاؤں دھونا چاہے وہ پاؤں دھو لے اسطرح محدث کا حال پوشیدہ رہے گا اور وہ رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے طہارت کے بعد سلام کر سکیں گے۔

سلام میں پیش قدمی نہ کرنے کی ایک اور وجہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ حضرات جو مقیم ہیں ان میں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو باوضو نہیں ہوتے وہ طہارت کے بعد ہی سلام کا جواب دینے کے اہل بن سکتے ہیں کیونکہ "سلام" اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے (اب اگر داخل ہونے والا درویش سلام کرے تو کس طرح جواب دیں، اس طرح داخل ہونے والا سلام میں پہل نہیں کرتا) اس سلسلہ میں یہ بہترین توجیہہ ہے جو کی جاسکتی ہے۔ سلام میں پیش قدمی نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی بھائی سفر سے واپس آتا ہے تو دوسرے بھائی بغلگیر ہوتے ہیں اور آنے والا درویش سفر کے گرد و غبار سے آلودہ ہوتا ہے (وہ نہیں چاہتا کہ اس گرد و غبار کے ساتھ دوسرے بھائی اس سے گلے ملیں (وہ اگر سلام کرے گا تو دوسرے بھائی جواب دیں گے اور گلے ملیں

---

(۱) یا اس کو درویش کے عجب و غرور پر محمول کیا جائے تو ایسا نہیں ہے۔

گے) اس لئے وہ چاہتا ہے کہ وہ وضو کر کے "گرد و غبار سے پاک و صاف ہو جائے اس وقت وہ سلام اور معانقہ کرے' (وضو اور پاکیزگی سے پہلے سلام نہیں کرتا)۔

ایک وجہ سلام میں پہل نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ خانقاہ والے صاحبان حال وصاحبان مراقبہ ہوتے ہیں اگر یکبارگی اور اچانک ان سے سلام کریں (سلام علیکم کہے) تو صاحب مراقبہ چونک پڑتا ہے اور اس کا دل جو اس کا محافظ ہے اور مراقبہ میں مشغول ہے پریشان ہو جاتا ہے (مراقبہ میں خلل پڑتا ہے) اور تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے سلام سے پہلے انہیں مانوس کرنے اور رفتہ رفتہ آگاہ کرنے کے لئے درویش داخل خانقاہ ہو کر پاؤں دھوئے (گرد سفر سے پاک کرے) وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اس اثنا میں میں خانقاہ والے اس کی آمد سے آگاہ ہو کر اس سے ملنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور وہ خود بھی اس وقت ان سے ملنے کے قابل ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حتی تستانسوا" یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے مانوس ہو جاؤ) اس طرح تمام لوگوں کا آنیوالے سے مانوس ہو جانا بھی اس کے حسب حال ہو گا۔ (درویش کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہالیان خانقاہ سے مانوس ہو اجنبیت نہ رہے اس میں بھی آنے والے کے لئے بھلائی ہے)۔

خانقاہ درویش کا اپنا گھر ہے

سلام میں پہل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب سفر سے واپس آنے والا درویش خانقاہ میں داخل ہوتا ہے یہ جگہ اس کے لئے کوئی نئی نہیں ہے (کہ وہ وہاں قدم رکھتے ہی سلام کرے) بلکہ یہاں اس کے دوسرے بھائی رہتے ہیں اور ان کی روحانی محبت نے ان کو ایک رشتہ میں منسلک کر رکھا ہے' یہ منزل اس کی ہی منزل ہے اور یہ جگہ اس کی اپنی جگہ ہے کوئی غیر جگہ نہیں ہے اس لئے اس کے لئے یہاں کے لوگوں سے (سلام کر کے) رشتہ جوڑنا اس قدر اہم نہیں ہے اس لئے پہلے وہ خدا سے رشتہ جوڑنا چاہتا ہے (داخل خانقاہ ہو کر عبادت میں اولاً مشغول ہو جاتا ہے)۔

پس جس طرح آنے والا درویش سلام میں پہل کرنے سے بوجوہ مذکورہ بالا معذور ہے اسی طرح خانقاہ نشینوں کو بھی یہ لازم ہے کہ وہ خانقاہ میں داخل ہونے والوں پر سلام میں پہل نہ کرنے پر معترض نہ ہوں۔ کیونکہ سلام میں پہل نہ کرنے کی کئی معقول وجوہ ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں' لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جس طرح سلام میں پہل نہ کرنے کی چند وجوہ ہیں اسی طرح سلام میں پہل کرنے کی سلسلہ میں بھی ان کے پاس چند دلائل اور معقول وجوہ ہیں۔[1]

آداب شریعت اور آداب طریقت

حضرات صوفیہ کے لئے کچھ آداب تو وہ ہیں جن کا ثبوت شریعت سے ہے اور کچھ ایسے آداب ہیں جنہیں مشائخ کرام نے پسند کیا ہے (اور ان کا معمول رہے ہیں) وہ آداب جو شریعت سے ثابت ہیں ان میں کچھ کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں جیسے کمر باندھنا' عصا اور آفتابہ سفر میں رکھنا۔ موزے پہننے میں سیدھے پاؤں سے ابتدا کرنا اور اتارتے وقت بائیں پاؤں سے ابتداء کرنا۔ حضرت

1. مراد یہ ہے کہ درویش سلام میں پہل نہ کرنے کو بطور استدلال ہمیشہ پیش نہ کرے کہ سلام میں پہل کرنے کے بارے میں بھی احکام شرعیہ موجود ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم جوتے پہنو تو سیدھے پاؤں سے ابتدا کرو اور جب جوتے اتارو تو بائیں پاؤں سے ابتدا کرو یا دونوں کو یکساں پہنو' اور یکساں ہی اتارو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین مبارک بائیں پاؤں سے پہلے اتارتے تھے اور دائیں

پاؤں سے پہننے کی ابتدا فرماتے تھے۔ اسی طرح مصلی کا بچھانا بھی ایک مسنون طریقہ ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی سنت سے ثابت اور مشروع ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے مصلے پر نہ بیٹھے اور یہ ایک طویل حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے اختیار کی جگہ پر امامت نہ کرے اور نہ اس کی عزت کی جگہ (مسند) پر بغیر اس کی اجازت حاصل کئے بیٹھے۔

معانقہ' مصافحہ اور پیشانی کا بوسہ مسنون ہے

اسی طرح یہ بھی مسنون طریقہ ہے کہ جب کوئی اپنے بھائیوں کو سلام کرے تو ایک دوسرے سے بغلگیر ہوں جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ سے واپس تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بغلگیر ہوئے۔ اسی طرح بوسہ لینا بھی مسنون ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے روایت ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں کے وسط (وسط پیشانی) کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ مجھے فتح خیبر نے اتنا مسرور نہیں کیا جتنا جعفرؓ کی آمد نے مسرور کیا۔ اسی طرح بھائیوں سے مصافحہ کرنا بھی آداب شریعت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مسلمانوں بھائیوں سے مصافحہ کرنا بوسہ کا قائم مقام[1] ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا "یا رسول اللہ جب کوئی شخص اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکے (خم ہو کر ملے) آپ نے فرمایا نہیں! پوچھنے والے نے عرض کیا تو کیا اس سے لپٹے اور اس کا بوسہ لے؟ آپ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ مصافحہ کرے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! مصافحہ کرے۔

خانقاہ نشین درویشوں کے لئے یہ امر مستحب ہے کہ وہ آنے والے درویشوں کا مرحبا کہہ کر خیر مقدم کریں۔ حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ میں جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دوبارہ "مرحبا بالراکب المہاجر[2]" فرمایا! اگر آنے والے کے لئے (از روئے تعظیم) کھڑے ہو جائیں تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مسنون ہے۔ منقول ہے کہ جس روز حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ

---

(1) "قبلة المسلم اخاه المصافحة" (مسلمان کا بوسہ اپنے بھائی سے مصافحہ کرنا ہے)۔

(2) سوار ہجرت کرنے والے کو مرحبا

علیہ وسلم ان کے لئے (از راہ شفقت و محبت) کھڑے ہو گئے۔

آنیوالے کو کھانا کھلایا جائے

خادم خانقاہ کے لئے یہ امر مستحب ہے کہ آنے والے کے لئے کھانا پیش کرے۔ جناب لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کاشانہ نبوت میں موجود نہ تھے ہم وہاں ٹھہر گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حکم دیا کہ ہمارے لئے حریرہ تیار کیا جائے اور وہ ہمارے واسطے تیار ہوا اور ایک قناع میں بھر کر ہم کو بھیجا گیا، ہم سب نے حریرہ کھایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ہم لوگوں سے دریافت کیا، تم کو کچھ (کھانے کو) ملا؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں یا رسول اللہ۔

اسی طرح آنے والے کے لئے بھی یہ مستحب ہے کہ وہ اپنی آمد پر بطور حق قدم خانقاہ نشینوں کے لئے کچھ پیش کرے، منقول
ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے (مہمانی) کے لئے ایک اونٹ ذبح کرایا تھا۔

عصر کے بعد سفر سے واپس نہیں ہونا چاہیے

عصر کے بعد (سفر سے واپس) آنا مکروہ ہے اور اس کی توجیہہ سنت میں موجود ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے رات کے چلنے سے منع فرمایا ہے یعنی رات میں سفر سے واپس نہیں آنا چاہیے صوفیہ عصر کے بعد رات کے استقبال کی تیاری میں طہارت وغیرہ میں لگ جاتے ہیں اور ذکر و استغفار کی تیاری کرتے ہوتے ہیں (ایسے وقت اگر کوئی خانقاہ میں آئے گا تو ان کا ہرج ہو گا)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم میں سے جب کوئی سفر سے واپس آئے تو رات کے وقت اپنے اہل کے پاس نہ جائے" کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ سفر سے دن چڑھے واپس تشریف لایا کرتے تھے، اور دن چڑھے آنے کو مستحب سمجھتے تھے، اس طرح دن کے اول وقت میں آنا مستحب ہے اور صوفیہ نے اس کو پسند کیا ہے، ہاں اگر ضعف کے باعث دیر ہو جائے یا کچھ ایسی ہی بات ہو تو عصر کے وقت تک ان کی آمد کو (آنے والے کو) معذور سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ پیدل چلنے یا ضعیفی کی وجہ سے دیر میں پہنچنے کا ایک احتمال ہو سکتا ہے مگر جب عصر کا وقت ختم ہو جائے اور اس وقت درویش آئے تو سمجھا جائے گا کہ دن کے شروع میں آنے کی سنت میں اس سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔ کہ یہ صوفیہ حضرات عصر کے بعد آنے کو (سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی نہ کرنے کے باعث) ناپسند کرتے ہیں۔

پس اگر داخل ہونے سے قبل عصر کا وقت ہو جائے تو اپنی واپسی دوسرے دن پر ملتوی کر دے تاکہ دوسرے دن چاشت

قناع - بادیہ - گہرا بڑا پیالہ۔

کے وقت داخل ہونے سے سنت کی پیروی ہو جائے اس سلسلہ میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ عصر کے بعد نماز (نفل وغیرہ) پڑھنا مکروہ ہے اور مسافر کے لئے ضروری ہے کہ جب داخل ہو تو دو رکعت نماز (نفل) ادا کرے، جب عصر کے بعد آنا ہو گا تو نماز ادا نہیں کر سکے گا۔

آنے والے کے ساتھ مودت سے پیش آنا چاہیے

کبھی کبھار ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے کہ خانقاہ میں داخل ہونے والے آداب داخلہ سے کم آگاہ ہوتے ہیں اس وقت وہ گھبرا جاتے ہیں (ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں) اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ اہل خانقاہ ان کے پاس آکر بیٹھیں اور ان سے بے تکلفی اور محبت کے ساتھ ملیں تاکہ احساس بیگانگی اور آداب سے عدم واقفیت سے جو تحیر ان میں پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو جائے اور ان کی سراسیمگی جاتی رہے، اس میں بڑی فضیلت ہے۔

حضرت ابو رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب (بار اول) میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ ایک مسافر شخص حاضر ہوا ہے وہ اپنے دین کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہے اس کو نہیں معلوم کہ دین کیا ہے! وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور خطبہ آپ نے چھوڑ دیا لو ہے کہ پاؤں والی ایک کرسی لائی گئی۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور پھر آپ نے مجھے دینی امور کی تعلیم دی اس کے بعد آپ نے پھر خطبہ شروع فرما دیا اور اس کو تکمیل پر پہنچایا۔

پس یہ بات فقراء اور صوفیہ کے اعلیٰ اخلاق میں داخل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی اور مدارات سے پیش آئیں اور اگر کچھ ناپسندیدہ باتیں سننا پڑیں یا ناپسندیدہ باتیں دیکھنا پڑیں تو ان کو برداشت کریں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خانقاہ میں ایسا فقیر آجاتا ہے اور مراسم صوفیانہ کی خلاف ورزی اس سے ہوتی ہے تو اس کو جھڑکنا اور نکال باہر کر دینا بہت بڑی غلطی ہے اس لئے کہ بہت سے صالح بندے اور اولیاء اللہ ایسے بھی ہیں جو آداب خانقاہی سے پوری پوری واقفیت نہیں رکھتے ہیں لیکن وہ خانقاہ میں سچے ارادے اور پوری پوری عقیدت کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو جب ان سے برا سلوک کیا جاتا ہے ان کے دل پراگندہ اور پریشان ہو جاتے ہیں (جمعیت خاطر رخصت ہو جاتی ہے) اس کراہت اور نامناسب امور سے دین دنیا کی تباہی کا امکان ہے پس اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حضور کس درجہ رفق و مدارا فرمایا کرتے تھے اور یہ صحیح روایت ہے کہ ایک بدوی مسجد (نبوی) میں ایا اور اس نے وہاں پیشاب کر دیا، یہ دیکھ کر حضور ﷺ کے حکم کے مطابق بڑے ڈول میں پانی بھر کر اس کو بہا دیا گیا اور حضور ﷺ نے اس اعرابی کو جھڑکا نہیں، بلکہ نہایت نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ اس کے فرض سے آگاہ کر دیا گیا۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ سختی درشتی اور بدکلامی خبث باطنی کی علامت ہے جو صوفیہ کے حالات کے بالکل منافی ہے، اگر خانقاہ میں کوئی ایسا شخص آئے جو اس قابل نہ ہو کہ اس کو وہاں رکھا جائے تو اس کو ماحضر پیش کرنے کے بعد وہاں سے رخصت کر دیا جائے لیکن ملائمت اور نرمی کے ساتھ، کہ ارباب خانقاہ کا یہی طریقہ ہے۔

مہمان کے جسم کا مساج اور دبانا

خانقاہ میں آنے والے درویش کے جسم کو دبانا اور مساج کرنا بھی ایک امر مستحسن ہے اور اس کا ثبوت بھی اسوہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ایک غلام آپ کی کمر دبا رہا تھا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کی تو آپ نے فرمایا اونٹنی نے مجھے گرا دیا تھا (کمر میں تکلیف ہے اس لئے کمر دبوا رہا ہوں)۔

جسم دبانے کا خوگر نہیں ہونا چاہیے

لیکن یہ طریقہ اسی وقت مستحسن اور پسندیدہ ہے کہ جب تکان ہو یا سفر سے واپسی پر جسم کو دبایا جائے تاکہ سفر کی کلفت دور ہو جائے لیکن اگر کوئی جسم دبوانے کا عادی ہو جائے اور ہاتھ پاؤں دبوانے کو پسند کرنے لگے اس خیال سے کہ اس سے نیند آجاتی ہے اور جب تک نیند نہ آجائے ہاتھ پاؤں دبائے جاتے رہیں تو ایسا کرنا فقیروں کے لیے مناسب نہیں ہے خواہ شریعت میں اس کی رخصت اور اس کا جواز موجود ہو۔ بعض فقراء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو ہاتھ پاؤں دبوانے کے عادی ہو گئے تھے اور اس عمل سے لذت اندوز ہوتے تھے تو ان کو احتلام ہو جاتا تھا۔ چنانچہ وہ اس احتلام کو ہاتھ پاؤں دبوانے کی سزا تصور کرتے تھے یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں ارباب عزیمت کے لئے رخصت (جواز) کی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس طرف ان کو رغبت کرنا چاہیے۔

سفر سے آنے والا کلام میں خود ابتداء کرے

منجملہ آداب سفر ایک یہ بات بھی ہے کہ جب سفر سے واپس آئے اور آرام سے بیٹھ جائے تو اہالیان خانقاہ سے کلام کی خود ابتداء کرے یہ انتظار نہ کرے کہ دوسرا مجھ سے بات کرے گا تب میں بات کروں گا۔ مسافر کے لئے مستحب ہے کہ جب مکان پر پہنچ جائے تو تین روز تک ملنے جلنے سے توقف کرے اور اس اثنا میں ملنے کا ارادہ نہ کرے نہ کسی مجلس میں جائے (کہ اسی غرض سے وہ شہر میں آیا ہے) جب سفر کا تکان وغیرہ جاتی رہے اور اس کا دل ٹھکانے آجائے' کلفت دور ہو جائے (اس لئے کہ سفر سے طبیعت میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور بہت سے عوارض آگھیرتے ہیں اور مزاج میں فرق آجاتا ہے)۔ اسی مصلحت سے تین روز کا یہ وقفہ رکھا گیا ہے کہ اس مدت میں طبیعت کی گرانی اور مزاج کا تکدر رفع ہو جائے گا۔ حواس ٹھکانے آجائیں گے' باطن میں صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور وہ اپنے نور باطنی سے مشائخ کی ملاقات اور زیارت کے لئے مستعد اور آمادہ ہو جائے گا۔ اس لئے جب باطن روشن ہو جاتا ہے اس وقت شیخ اور برادران طریقت کی ملاقات سے اس کو حظ باطنی میسر آسکتا ہے۔

میں نے اپنے شیخ محترم کو اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کرتے سنا ہے کہ تم اہل طریقت سے ایسے وقت کے سوا جو ان کے پاس بہت ہی خوشگوار ہو باتیں نہ کرو! اس میں تمہارے لئے زبردست فائدہ ہے اس لئے کہ کلام کا نور قلب کے نور کے مطابق

ہوتا ہے اور سماعت کا نور بھی قلب کے نور کے مطابق ہوتا ہے"۔

اس طرح وقت صافی میں ہمکلامی سے بھی قلب صافی کو فائدہ پہنچتا ہے۔

رخصت کی اجازت ضرور مانگنا چاہیے

جب کوئی اپنے شیخ طریقت یا برادران طریقت کے پاس آئے اور ملاقات سے فارغ ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ جب معاودت اور رخصت کا ارادہ کرے تو اجازت طلب کرے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے اور اس کی ہم نشینی حاصل کرے تو اس کی اجازت کے بغیر نہ اٹھے (واپس نہ ہو)۔

اگر آنیوالا (مہمان) چند روز اس کے پاس قیام کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس اتنا وقت ہے اور اس کے نفس کو بیکار اور خالی رہنے کے یہ اوقات گراں ہیں تو اس کو چاہیے کہ شیخ سے عرض کرے کہ اس کے سپرد کوئی خدمت کر دی جائے جس کو وہ بجالائے اور جو شخص ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہونے کا عادی ہے تو اس کے لئے یہ شغل کافی ہے (وہ عبادت میں مشغول رہے) اگرچہ اہل خانقاہ کی خدمت بھی عبادت ہے (لیکن یہ اسی وقت مناسب ہے کہ خدمت کا وقت موجود ہو اور اس کو عبادت سے انفراغ ہو)۔

آنے والے کو چاہیے کہ شیخ زاویہ یا سجادہ نشین کی اجازت کے بغیر خانقاہ سے باہر نکلے اور نہ کوئی کام اس کی رائے کے بغیر کرے۔ یہ جو کچھ آداب ہم نے بیان کئے ہیں ایسے آداب ہیں جن پر اہل خانقاہ عمل کرتے ہیں اور ان کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی توفیق افادیت میں ترقی فرمائے۔

باب 19

وابستہ اسباب و تارک اسباب صوفی

صوفیہ کے احوال مختلف

صوفیائے کرام کے احوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ وہ اسباب کو اختیار کریں یا اسباب عالم سے اعراض کریں، بعض حضرات ان میں ایسے ہیں کہ وہ اسباب سے بالکل بے تعلق ہیں' وہ صرف فتوح* پر گزر بسر کرتے ہیں' نہ وہ مال دنیا کی طرف مائل ہیں نہ کسی پیشہ سے ان کا تعلق ہے اور نہ وہ کسی سے سوال کرکے اپنی روزی فراہم کرتے ہیں اور بعض حضرات ان میں ایسے ہیں کہ کسب کے ذریعہ روزی کماتے ہیں' بعض وہ ہیں کہ جب فاقہ کی نوبت پہنچ جاتی ہے تو اس وقت سوال کرتے ہیں۔ بہرحال ان تمام حالتوں میں بھی وہ ایک حد تک بڑھتے ہیں اور اس مقررہ حد سے آگے قدم نہیں بڑھاتے اور تجاوز نہیں کرتے۔

جب فقیر اپنے علم سے اپنے نفس کی سیاست کرتا ہے' علم کے زور سے نفس کو قابو میں کرتا ہے تو ہر معاملہ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس کو فہم و فراست عطا ہوتا ہے خواہ وہ اسباب کو ترک کرے یا اسباب کو اختیار کرے پس فقر کو حتی الوسع سوال نہیں کرنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال نہ کرنے کے سلسلہ میں ترغیب اور ترہیب (تنبیہہ) دونوں طریقہ سے منع فرمایا ہے' ترغیب کے ذریعے منع فرمانے میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے کہ انہوں نے کہا ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو میری ایک بات قبول کرے اس کے لئے میں جنت کا ذمہ دار ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگو' اس ترغیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا کوڑا اگر گر جاتا تو آپ اس کے اٹھانے کے لئے کسی سے نہیں کہتے بلکہ گھوڑے سے اتر کر اس کو خود اٹھا لیتے تھے۔

ترغیب کے سلسلہ میں بعض دوسری روایات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے کوئی شخص ایک رسی سے لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھے اور اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کھائے اور صدقہ دے تو اس بات سے بہتر ہے کہ کسی شخص کے پاس آئے اور اس سے سوال کرے پھر جس سے

---

*فتوح' نذرانہ وغیرہ جو مشائخ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے خواہ کسی قبیل سے ہو۔ (طعام' لباس یا نقد)۔

سوال کیا ہے وہ اس کو کچھ دے یا نہ دے پس بہر صورت اونچا ہاتھ (دینے والا) نیچے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

حضرت بلال بن حصین ؓ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ آیا اور ابو سعید ؓ کے یہاں مہمان ہوا' ہم اور وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے تو باتوں باتوں میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک دن جب ہم صبح کو اٹھے تو گھر میں ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا میں نے بھوک سے مجبور ہو کر اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔ اس وقت میری بیوی نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ کہ آپ نے فلاں شخص اور فلاں شخص کو جب وہ آپ کے پاس مانگنے آئے تو آپ نے ان کو کچھ دیا تھا۔ تم بھی جاؤ اور حضور سے کچھ مانگو ضرور کچھ نہ کچھ عطا کریں گے۔ یہ سن کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے چاہا کہ میں آپ سے کچھ مانگوں' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے اور ارشاد کر رہے تھے۔

مَنْ يَّسْتَعَفَّ يَعْفِهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنَنَ يُغْنَهُ اللّٰهُ وَمَنْ سَالَنَا فَوَجَدْنَاهُ اَعْطَيْنَاهُ وَ وَاسَيْنَاهُ وَمَنْ اسْتَعَفَ عَنْهُ وَاسْتَغْنٰى فَهُوَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِمَّنْ سَالَنَا ○

جو نہیں طلب کرے گا اللہ اس کو محفوظ رکھے گا اور جو لینا نہ چاہے گا اللہ اس کو غنی فرما دے گا۔ اور جو ہم سے کچھ مانگے اگر وہ چیز ہم کو ملے تو ہم اس کو دے دیں اور اس کی غمخواری کریں اور جو کوئی اسے چھوڑ دے اور اس سے بے پروائی کا اظہار کرے تو وہ ہم کو سوال کرنے والے سے زیادہ عزیز ہے۔

حضور کا یہ ارشاد سن کر میں الٹے قدموں پر واپس آگیا اور میں نے کچھ نہیں مانگا بس اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد میرے رزق میں اتنی وسعت عطا فرمائی کہ میں انصار میں سے کسی ایک ایسے شخص سے واقف نہیں جو مجھ سے زیادہ تونگر ہو (انصار میں سب سے زیادہ مالدار بن گیا)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کے سلسلہ میں ترہیب و تخویف جس طرح فرمائی اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی دست سوال دراز کرتا رہے گا (مانگتا رہے گا) وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس شکل میں جائے گا کہ اس کہ چہرے پر گوشت کا نام و نشان نہیں ہو گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک لقمہ دو لقمے اور ایک چھوہارا یا دو چھوہارے ملیں بلکہ مسکین وہ شخص ہے جو لوگوں سے سوال نہ کرے اور کوئی اس کا مکان نہ جانتا ہو کہ مکان پر جا کر اس کو کچھ دے"۔

پس صادق اور مفلس فقیر کا حال اس حدیث بالا کا مصداق ہوتا ہے جو متصوف اور حقیقی فقیر ہے وہ لوگوں سے کچھ طلب نہیں کرتا بلکہ ان میں کچھ ایسے مودب افراد ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دنیا کی کوئی چیز مانگتے ہوئے شرماتے ہیں یہاں تک ان میں حیا اور ادب ہوتا ہے کہ جب ان کا نفس سوال کا ارادہ کرتا ہے تو ہیبت الٰہی مانع سوال ہو جاتی ہے اور وہ سوال کو گستاخی پر محمول کرتے ہیں' اس صورت میں اللہ تعالیٰ بغیر سوال ہی کے اس کو وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال کرنے سے انکار

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام (اس وقت جب کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا) تشریف لائے اور وہ اس وقت تک فضا میں تھے، انہوں نے خلیل اللہ سے کہا کہ اے خلیل آپ کی کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ اپنے رب سے کچھ مانگئے آپ نے فرمایا کہ اسے میرے حال کا علم ہے! (پھر سوال کی کیا ضرورت ہے)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ نہ کھانے پینے سے درویش کمزور ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے قوت بندگی طلب کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اس کو اتنی طاقت دیدے کہ وہ بندگی کر سکے) اور مخلوق سے سوال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا حصہ مخلوق سے سوال کے بغیر پہنچا دیتا ہے۔

خواہش نفس پر اللہ سے رجوع کرے

کسی صالح بندے کا یہ قول ہے کہ جب درویش کا نفس کسی چیز کی خواہش کرتا ہے یا اس میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا یہ مطالبہ یا خواہش یا تو اس رزق کے لئے ہو گی جو عنقریب اللہ کی طرف سے اس کو پہنچنے والا ہے اور اس خواہش کے وقت درویش کو اس کا علم ہو گیا تھا اس لئے درویشوں کے نفوس اکثر ان باتوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ جو وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہیں اور ہونے والی باتوں سے ان کو خبردار کر دیا جاتا ہے۔ یا یہ خواہش نفس کسی گناہ کی عقوبت اور سزا ہوتی ہے جو اس سے سرزد ہوا ہے پس جب فقیر کو یہ بات معلوم ہو اور اس کا نفس اس چیز کا بار بار مطالبہ کرے تو اس وقت فقیر کو چاہیے کہ اٹھے اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ الہیٰ! اگر یہ مطالبہ نفس کسی گناہ کی سزا ہے تو میں تجھ سے بخشش اور مغفرت کا طالب ہوں (میرا گناہ بخش دے) میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اور اگر میرے نفس کا یہ مطالبہ اور خواہش اس رزق کے لئے ہے جو تو نے میرے لئے مقدر کر دیا ہے تو پھر اس کو جلد میرے پاس پہنچا دے، پس اگر رزق اس کے مقسوم میں ہے تو اللہ تعالیٰ جلد اس کے پاس پہنچا دے گا۔ ورنہ اس کے باطن سے یہ خواہش رخصت ہو جائے گی (مٹ جائے گی)۔

فقیر کی اصل شان

پس فقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجتیں پیش کرے تو اللہ تعالیٰ یا تو وہ چیزیں اس کو عطا فرما دے گا یا ان کی خواہش اس کے دل سے دور کر دے گا یا اس کو ان خواہشوں پر صبر عطا فرما دے گا۔ خداوند بزرگ و برتر ہی کے لئے

تیرے کرم نے دل سے طلب کو مٹا دیا   باقی رہی سکت نہ زبان سوال میں (حسن بریلوی)

جب حضرت خلیل اللہ نے سوال کرنے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ کا یوں ارشاد ہوا قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم ۞ (مترجم)

حکمت و قدرت کے بہت سے دروازے ہیں وہ ان دروازوں میں سے حکمت و تدبیر کا دروازہ کھول دے گا یا قدرت کی راہ سے فتحیاب فرمادے گا اور بطور خرق عادت اس کے پاس کچھ نہ کچھ پہنچ جائے گا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آذوقہ پہنچ جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمَحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ○

جب کبھی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس آتے تھے محراب (عبادت خانہ) میں 'تو ان کے پاس رزق موجود پاتے تھے۔ (چنانچہ انہوں نے ایک بار) پوچھا! اے مریم یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے

اللہ تعالیٰ فقیر پر قدرت و حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے

ایک درویش اپنا واقعہ (اس سلسلہ) میں بیان کرتے ہیں میں ایک دفعہ بہت بھوکا تھا اور میرے حال کا تقاضہ یہ تھا کہ میں کسی سے کچھ مانگوں' میں بغداد کے کچھ گھروں کے سامنے سے گزرا کہ شاید کسی گھر سے مجھے کچھ مل جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ہاتھ سے مجھے کچھ دلوا دے لیکن کچھ بھی تو کہیں سے نہیں ملا اور میں اسی طرح بھوکا سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ فلاں جگہ جاؤ اور وہ جگہ مجھے خواب میں دکھادی اور کہا کہ جا ایک میلے کپڑے میں روٹی کے کچھ ٹکڑے ہیں ان کو اپنے خرچ میں لا (چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا)۔

پس جو شخص مخلوق سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور صرف اللہ کا ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ ایسے بے نیاز سے وابستہ ہو جاتا ہے جس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اس پر حکمت و قدرت جیسے چاہے کھل جاتے ہیں۔

درویش کے لئے بہتر یہ ہے کہ جب وہ اپنے نفس سے کسی چیز کا مطالبہ کرے تو صبر جمیل کا مطالبہ کرے۔ مخلص انسان کا نفس اس کا کہنا مان لیتا ہے (اگر صبر جمیل چاہے گا تو اس کو میسر آجائے گا)۔ ہمارے شیخ (حضرت ابو النجیب سہروردیؒ) نے (اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں نازل ہوں) یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز میرے پاس میرا فرزند آیا اور مجھ سے کہا کہ مجھے ایک دانگ چاہئے میں نے اس سے کہا کہ بیٹا دانگ کو کیا کرو گے' اس نے کہا کہ میں اس سے فلاں چیز خریدوں گا! پھر کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں حبہ کسی سے قرض لے لوں' شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ ہاں جاؤ اپنے نفس سے قرض لے لو کہ اس سے قرض لینا دوسروں سے قرض لینے سے بہتر ہے' اس مضمون کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

اِذَا شِئْتَ اَنْ تَسْتَقْرِضَ الْمَالَ مُنْفِقًا — اگر تو چاہتا ہے کہ مال قرض لے اور اس کو صرف کرے
عَلَى الشَّهَوَاتِ النَّفْسِ فِى زَمَنِ الْعُسْرِ — نفس کی خواہشات میں' تنگی کے زمانے میں'
فسل نَفْسَكَ الانفاق مِن كَنْزِ صَبْرِهَا — تو نفس سے سوال کر کہ وہ صبر کے خزانے تیرے لیے
عَلَيْكَ وَاِرْفَاقًا اِلٰى زَمَنِ الْيُسْرِ — خرچ کر دے..... جب فارغ بالی کا زمانہ آئے
فَكُلُّ مَنُوْعٍ بَعْدَهَا وَاسِعُ الْعُذْرِ — تو اس صورت میں ہر ایک بخیل نہ دینے پر معذرت طلب کرتا ہے
فَاِنْ فَعَلَتْ كُنْتَ الْغَنِىَّ وَاِنْ اَبَتْ — پھر نفس اگر یہ کام کر دے تو تو غنی ہے اور اگر انکار کر دے

سوال کب کیا جاسکتا ہے

پس جب فقیر اس سلسلہ میں اپنی کوششوں کو حد پر پہنچا دے (سعی بلیغ کرے) اور ضعف و توانائی اپنی حد کو پہنچ جائے اور اس کی ضرورت درجہ ثبوت کو حاصل کرلے اور وہ اپنے مولی سے سوال کرنے کے بعد بھی کچھ نہ پائے اور اپنے روحانی مشغلہ کے باعث اس کو پیشہ اور کسب کے لئے وقت نہ مل سکے تو اس منزل پر پہنچ کر وہ سبب کا دروازہ کھٹکھٹائے اور سوال کرے کہ بعض صالحین نے فاقہ کی اس نوبت پر پہنچ کر ایسا کیا ہے۔ حضرت ابو سعید" خراز کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ فاقہ کی اس نوبت پر پہنچ کر وہ اپنا ہاتھ پھیلاتے تھے اور فرماتے تھے۔"کچھ اللہ واسطے دے دو!"۔ اسی طرح شیخ ابو جعفر الحداد" کا قصہ ہے (آپ حضرت شیخ جنید" کے استاد تھے) کہ وہ فاقہ کی حالت میں مغرب و عشاء کے درمیان گھر سے نکلتے تھے' ایک یا دو دروازوں پر سوال کرتے اور جب بقدر حاجت ایک دن یا دو دن کے لئے کچھ مل جاتا تو واپس آجاتے اور جب خرچ ہو جاتا تو پھر نکلتے!

حضرت ابراہیم بن ادھم" کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بصرہ کی جامع مسجد میں مدتوں تک اعتکاف میں رہے (گوشہ گیر رہے) تین راتیں جب گزر جاتیں تو وہ افطار کرنے کے لئے دروازوں سے کچھ مانگ لاتے تھے (تیسرے روز سوال کرکے افطار کرتے تھے)۔

حضرت سفیان ثوری" کا معمول

حضرت سفیان ثوری" سے منقول ہے کہ جب وہ حجاز سے یمن (صنعا) کا سفر کرتے تھے تو راستے میں لوگوں کی مہمانی پر گذارا کرتے تھے۔ لوگوں کے سامنے جاتے اور حدیث ضیافت بیان کرتے (ضیافت کا ثواب حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کرتے) تو لوگ ان کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیتے تھے۔ پس وہ اس میں سے بقدر حاجت لے لیتے تھے اور باقی چھوڑ دیتے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ہے اور اس نے کسی سے نہیں مانگا (اور پیٹ نہیں بھرا) اور حالت گرسنگی میں وہ مرگیا تو وہ جہنم میں داخل ہوا۔ اور جو شخص صاحب علم و معرفت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو ایک حال حاصل ہے یعنی روحانی تعلق ہے تو اس کو اس کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ علم کے باعث مانگنے سے محفوظ رہے گا اور اگر سوال کرے گا تو علم ہی کے ساتھ سوال کرے گا۔ (علم معرفت نے اس کو جو روحانی درجہ عطا کیا ہے اس کے مطابق عمل کرے گا) چنانچہ اس سلسلہ میں ایک شخص کا بڑا عجیب و غریب واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ شخص بڑا گناہ گار تھا جب اسے ہوش آیا تو گناہوں سے تائب ہوا اس کی توبہ قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا روحانی تعلق استوار ہو گیا۔ اس شخص نے اپنا قصہ اس طرح بیان کیا کہ "میں نے ارادہ کیا جو قافلہ حج کے لئے جا رہا ہے اس کے ساتھ میں بھی جاؤں اور حج کرلوں"۔ میں نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا اور میں نے اس کو کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے۔ چند روز تک میں قافلہ کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت مجھے کھانا اور پانی فراہم کر دیتا تھا پھر یکایک یہ کیفیت ختم ہو گئی (یہ غیبی انتظام رک گیا) اور مجھے کھانے پینے کو کچھ نہیں ملا۔ چند روز اسی طرح بھوکے پیاسے گزر گئے۔ حتی کہ میرے بدن میں چلنے

کی طاقت نہیں رہی اور رفتہ رفتہ میں قافلے سے بچھڑتا گیا' یہاں تک کہ قافلہ بہت آگے نکل گیا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب واقعی سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہے (مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ نے خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا ہے چونکہ اضطرار کی حالت ہے اس لیے مجھے سوال کرنا چاہیے (تاکہ میرا نفس ہلاکت سے محفوظ رہے) جب میں نے سوال کا ارادہ کیا تو میرے ضمیر نے مجھے سوال سے روکا اور میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے (اس میں کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا) میں اس عہد کو نہیں توڑوں گا اچھا ہے کہ میری عہد شکنی سے پہلے مجھے موت آجائے! یہ فیصلہ کرکے میں ایک درخت کے سایہ میں جا بیٹھا اور میرا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ جس طرح موت سے پہلے سر ایک طرف کو ڈھلک جاتا ہے' قافلہ اس وقت بہت دور نکل چکا تھا' میں اسی حال میں تھا (اور موت کا انتظار کر رہا تھا) کہ یکایک ایک نوجوان گلے میں تلوار حمائل کئے آیا اور اس نے مجھے ہلایا تو میں نے آنکھیں کھولیں' اس کے پاس ایک برتن میں پانی تھا اس نے مجھ سے کہا لو پانی پیو میں نے پانی پیا پھر اس نے میرے سامنے کھانا رکھا اور کہا کھاؤ' میں نے کھانا کھایا۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم قافلہ کے پاس پہنچنا چاہتے ہو' میں نے کہا کہ چاہتا تو ہوں لیکن مجھے کون پہنچائے گا (جب کہ وہ دور نکل چکا ہے) اس جوان نے مجھ سے کہا کہ اٹھو اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میرے ساتھ چند قدم چلا پھر مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ تمہارا قافلہ یہاں پہنچا ہی چاہتا ہے۔ میں کچھ دیر بیٹھا ہوں گا کہ میں نے دیکھا قافلہ مجھے تلاش کرتا ہوا میری جانب بڑھ رہا ہے۔ پس یہ شان اس شخص کی ہے جو اپنے مولی کے ساتھ صدق دل سے اپنا معاملہ کر لیتا ہے (اللہ سے جس کا روحانی تعلق پیدا ہو جاتا ہے)۔

شیخ ابو طالب مکی کا ارشاد

شیخ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ ایک صوفی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی کہ۔ "سب سے زیادہ حلال کھانا مومن کے لئے اس کے ہاتھ کا کمایا ہوا ہے"۔ اس طرح تاویل کی ہے کہ اس سے مراد فاقہ کے وقت سوال کرنے سے ہے' لیکن شیخ ابو طالب نے اس بزرگ کی اس تاویل سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جعفر غلدی نے اس تاویل کو ایک شیخ سے سنا تھا اور اس کو نقل کر دیا لیکن میرے خیال میں مذکورہ صوفی نے ہاتھ کے کسب سے وہ مراد نہیں لی ہے جس سے شیخ ابو طالب مکیؒ نے انکار کیا ہے (اور اللہ ہی زیادہ دانا تر ہے) بلکہ ہاتھ کے کسب سے مراد حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ کا اٹھانا ہے اور یہی سب سے زیادہ حلال کھانا ہے جس کو مومن کھاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو قبول فرمائے اور اس کی طرف رزق روانہ فرمائے۔ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کو مکالمتہ ارشاد فرمایا ہے

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیرہ — بار الہا! میں اسی رزق کا محتاج ہوں جو تو نازل فرمائے!

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ارشاد کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ موسی علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب کہ ترکاری کی سبزی لاغری کی وجہ سے ان کے پیٹ سے نظر آتی تھی حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں حضرت موسی علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا جب کہ وہ کھجور کی ایک گٹھلی تک کے ضرورت مند تھے۔ (کھانے کے لئے چھوہارے کی ایک گٹھلی بھی ان کے پاس نہیں تھی)۔

شیخ مطرف" فرماتے ہیں کہ سمجھو! خدا کی قسم! اگر نبی اللہ کے پاس کچھ بھی ہوتا تو وہ عورت کے پیچھے نہ جاتے، لیکن جھدو طالب نے ان کو اس عمل پر اکسایا! شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیٰ" نصر آبادی فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ "انی لما انزلت الی من خیر فقیر"۔ تو ان کا یہ سوال خلق سے نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ سے تھا، انہوں نے اس سوال میں نفس کی غذا نہیں مانگی تھی بلکہ غذائے روحانی یعنی سکون قلب طلب کیا تھا۔

مخلوق کا تردد مالھم اور ما الیھم میں

حضرت ابو سعید خراز" فرماتے ہیں کہ مخلوق مالھم اور ما الیھم کے درمیان تردد اور فکر میں ہے یعنی جو کچھ اس کے لئے ہے اور جو چیز اس کی طرف ہے"۔ کے درمیان تردد میں ہے، پس جو شخص ان چیزوں میں غور کرتا ہے، جو اس کے لئے ہیں تو وہ اس وقت ناز و ادا کی زبان استعمال کرتا ہے! کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان اشیاء کا خواص دیکھا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کیا تو انہوں نے کہا ارنی انظر الیکؕ۔ اور جب انہوں نے اپنے نفس کے معاملہ پر نظر کی تو اپنے فقر پر نظر کرتے ہوئے کہا کہ انی لما انزلت الی من خیر فقیرہ (الٰہی! میں اسی رزق کا محتاج ہوں جو تو نازل فرمائے!)[1]

شیخ ابن" عطا فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عبودیت کی نظر سے ربوبیت کی طرف دیکھا تو خصوع و خشوع کی زبان سے کلام کیا اور نیاز مندانہ زبان میں گفتگو کرنے لگے اور ان پر انوار الٰہی کا ورود ہوا۔ یہاں نیاز مندی کو سمجھ لینا چاہیے یہاں وہ نیاز مندی مراد ہے جو ایک غلام کو اپنے مولی سے ہر حال میں ہوتی ہے، وہ نیاز مندی نہیں جو سوال و طلب کے وقت سوالی میں ہوتی ہے

حقیقی محتاجی

شیخ حسین فرماتے ہیں کہ قول مذکورہ میں حضرت موسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ الٰہی! جب تو نے مجھے علم الیقین سے مخصوص فرمادیا تو جب میں محتاج ہوں اس کا، تو مجھے عین الیقین اور حق الیقین تک ترقی عطا فرمائے۔ مذکورہ بالا قول میں "نازل کر" کا جو لفظ آیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کا مرتبہ اس وقت قرب الٰہی کی حقیقت سے دوری کا تھا اس لئے کہ نازل کرنا تو بعینہٖ، فقر کی حالت سے مختص ہے، اسی وجہ سے انہوں نے صرف "نزل" پر قناعت کی (کہ جو چیز نازل کی جارہی ہے وہ کافی ہے) بلکہ انہوں نے قرب نزل انا نازل کرنے والے کے قرب) کا ارادہ کیا۔

---

[1] جب حضرت موسی علیہ السلام نے خدائی کلام کے خواص معلوم کئے تو پکار اٹھے۔ الٰہی مجھے اپنا جلوہ دکھاتا کہ میں تیرا دیدار کر سکوں۔ یہ حال ماالیھم پر شاہد ہے۔ یہ تفسیر حاکم کی ہے۔ لما انزلت انی من خیر فقیرہ کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں جب تک حضرت موسی علیہ السلام کا واقعہ پیش نظر نہ ہو دشواری ہوگی۔ ہرچند کہ عوارف المعارف کے اس ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے قارئین اس واقعہ اور قرآنی قصہ سے بخوبی واقف اور آگاہ ہیں لیکن میں ضمیر میں مختصرا اس واقع کو پیش کر رہا ہوں تاکہ میرے ترجمہ کے ایسے قاری اس سے استفادہ کر سکیں جن کے اذہان اس سے خالی ہیں۔

بہرحال جس فقیر کا فقر صحیح اور درست حالت پر ہوتا ہے تو اس کی نیاز مندی ہر حال میں خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے' یکساں حالت میں رہتی ہے (دنیا اور آخرت کے کاموں میں اس کی نیاز مندی یک رنگ ہو گی) اور وہ دونوں جہان کے کاموں میں اسی کی طرف رجوع کریگا اور وہ دونوں منزلوں کی ضروریات اسی مولی سے طلب کرے گا جس کا وہ نیاز مند ہے' اور اس کی نظر میں دونوں جہانوں کی ضرورت ایک ہی جیسی ہوں گی کیونکہ دونوں جہان میں خداوند تعالیٰ کے سوا اور کسی طرف مشغول نہیں ہے۔

باب 20

فتوح پر گزر اوقات

جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ صوفی کا تعلق خاطر مکمل ہو جاتا ہے اور تقویٰ کے باعث اس کے زہد کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کے لئے مقتضائے حال یہ ہے کہ وہ سب کو ترک کر دے اور توحید صریح اور کفالت کامل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر منکشف ہو جائے تو اس وقت اس کے باطن سے رنگا رنگ اور متنوع اہتمام کی ضرورت جاتی رہتی ہے یعنی اس کے دل سے فکر معاش دور ہو جاتی ہے اور اس رتبہ کا علم اس کو اس طرح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے اپنے ہر کام کی سزا و جزا کا علم ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ اگر اس سے کوئی معمولی سی ایسی غلطی بھی سرزد ہو جائے جو شریعت کے اعتبار سے قابل مواخذہ ہے تو اس کو فوراً اسی وقت اور اگر اس وقت نہیں تو اسی دن یہ ضرور معلوم ہو جائیگا جیسے اس سے کوئی کہہ رہا ہے "مجھے اپنے اس گناہ کا اور اس خطا کا علم ہے جو اپنے غلام کے بارے میں مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔

کسی صوفی کے موزے کو چوہے نے کتر ڈالا جب انہوں نے وہ موزہ دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ:

لَو كُنْتَ مِن مَازِنٍ لَمْ تَسْتَبِحْ اِبِلِی	اگر تو قبیلہ ذہل بن شیبان سے
بنو اللقيطة ميں ذهل بن شيبانا	ہوتا تو تیرے اونٹ کو اپنے لقیطہ کیوں چرا لے جاتے

(اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تو اہل توکل سے ہوتا تو تجھے اپنے موزے کے کترے جانے کا اس طرح افسوس نہ ہوتا' یعنی جو ہوا وہ تیرے کئے کی سزا ہے)۔

جب صوفی اس منزل پر پہنچ جائے گا تو اس میں ہر کام کی جزا حاصل ہونے سے مزید خدا شناسی حاصل ہو گی اور وہ صحیح طور پر مراقبہ اور محاسبہ نفس میں محصور ہو کر حقوق عبودیت کے ضائع کرنے سے محفوظ ہو جائے گا اور اس وقت صرف احکام الٰہی کے بجالانے کا اس کو ہوش رہے گا اور غیر اللہ (کی طاعت و بندگی) کے اثرات اس کے دل سے محو ہو جائیں گے اس وقت اس کو اس امر کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ رزق کا دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہی اس کا روکنے والا ہے' یہ مشاہدہ جذبہ اور شوق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ علم و ایمان پر اکتفا کرنے سے حاصل نہیں ہو گا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو رزقاً اور مالاً مولیٰ اور مانع جان لیتا ہے نہ کہ علما اور ایمانا اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اور صریح توحید اور صرف فعل الٰہی کی توفیق اس کو عطا کرتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کو اپنے رزق کے حصول کی فکر دامن گیر ہوئی اور وہ اس کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گئے وہاں ایک پرندے قبرہ کو دیکھا جو اندھا۔ لنگڑا اور بہت ہی ضعیف تھا۔ درویش اس کو بہت ہی تعجب سے دیکھنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس عاجزی و مجبوری کے باوجود کس طرح رزق دیتا ہو گا وہ ابھی اسی فکر میں تھا کہ زمین

پھٹی اور اس میں سے دو سکورے (آبخورے) برآمد ہوئے ایک سکورے میں صاف تل رکھے ہوئے تھے اور دوسرے آب خورے میں صاف پانی موجود تھا۔ قبرہ نے وہ تل کھائے اور سیر ہو کر پانی پیا' زمین پھر شق ہو گئی اور وہ دونوں آبخورے اس میں غائب ہو گئے' یہ ماجرا دیکھ کر درویش کے دل سے طلب رزق کا خیال جاتا رہا اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسی طرح رزق دیگا جس طرح اس قبرہ کو دیا ہے۔ جب بندہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے باطن سے گوناگوں رزق کے حصول کا خیال رخصت ہو جاتا ہے اس وقت وہ کسی سے سوال کرنے کو عوام کا مرتبہ سمجھنے لگتا ہے (وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ کسی سے رزق مانگنا عوام کا کام ہے) وہ اس وقت سبب کو بھی ترک کر دیتا ہے اور وہ خود مسلوب الاختیار بن کر غیروں کا سہارا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے انعام کا مشاہدہ کرنے والا بن جاتا ہے اس وقت اس کا نصیبہ (کا رزق) خود بخود اس کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور مولا کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور بڑی مداومت کے ساتھ افعال الٰہی کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے اور امر الٰہی جب حادث ہوتے ہیں تو اس کے نظارے سے اس پر تجلیات الٰہی کا کشف بصورت افعال الٰہی ہونے لگتا ہے۔

تجلی بطریق افعال ایک مقام قرب ہے

تجلی بطریق افعال قرب کا ایک مرتبہ ہے۔ صوفی اس مرتبہ اور اس منزل سے ترقی کر کے تجلی بطریق صفات کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اور اسی منزل اور مرتبہ سے اس کو تجلی ذات کا حصول ہوتا ہے۔ ان تجلیات میں مراتب یقین کی جانب ایک اشارہ ہے اور حقیقت توحید کے مقامات تمام اشیائے مکوفات سے اعلیٰ اور برتر مقام پر ہیں' جب صوفی پر افعال کے ذریعے تجلیات کا نزول ہوتا ہے تو اس میں تسلیم و رضا کا جذبہ بدرجہ اتم پیدا ہو جاتا ہے اور تجلیات صفات سے ہیئت (جلوہ حقیقی) اور انس و محبت پیدا ہوتی ہے۔ تجلی بالذات صوفی میں فنا اور بقا کی کیفیتوں کو پیدا کرتی ہے۔

مرتبہ فنا

اختیار و ارادے کے ترک اور فعل الٰہی سے وقوف کا نام فنا ہے یعنی اپنے ارادہ ہواؤ خواہشات کو بالکل فنا کر دیا جائے (ارادہ خواہش کی لطیف ترین صورت کا نام ہے) یہ فنا' فنائے ظاہری ہے اور خود شہود کی تجلیات کے ظہور سے وجود کے آثار کا مٹ جانا اور محو ہو جانا فنائے باطن ہے' یہ حالت تجلی ذات کی صورت میں جلوہ پذیر ہوتی ہے اور یہ اقسام یقین کی سب سے کامل ترین صورت یا قسم ہے جو دنیا میں میسر ہو سکتی ہے' حکم ذات کی تجلی آخرت کے سوا اور کسی عالم میں ممکن نہیں ہے یہی وہ مقام ہے جس سے شب معراج میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہرہ اندوز ہوئے اور لن ترانی کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے مشاہدہ سے منع کر دیا گیا تھا۔

روایت البصیرت

یہ جو کچھ میں نے تجلی کے سلسلہ میں کہا ہے تو یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ تجلی سے یہاں ہماری مراد بصیرت ہے یا درجہ یقین کے مراتب! بندہ تجلی کے ابتدائی اقسام کی منزل پر پہنچ جائے گا۔ یعنی دوسروں کے فعل سے قطع

نظر کر کے صرف فعل الٰہی کا مطالعہ کرے گا تو اس وقت اس کو مختلف اقسام کی فتوحات حاصل ہوں گی۔

فتوح کو رد نہیں کرنا چاہیے

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو بغیر طلب اور توقع کے خلاف رزق مل جائے تو چاہئے کہ اس کو قبول کرلے اور جو رزق اس کے پاس موجود ہے اس میں اس سے وسعت پیدا کرے اور اگر یہ رزق پانے والا غنی ہے (اس کو حاجت نہیں ہے) تب بھی اس کو واپس نہ کرے بلکہ ایسے شخص کو دے دے جو اس سے زیادہ ضرورت مند ہے! یہ حدیث شریف اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص اس نیت سے اپنی ضرورت سے زیادہ بھی قبول کر سکتا ہے کہ وہ اس کو ایسے دوسروں پر خرچ کر دے گا جو اس کے ضرورت مند ہوں گے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ وہ کسی طرح اس رزق کو قبول نہیں کرے گا جب کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ عطائے رزق فعل الٰہی ہے۔

پس صوفی جب یہ فتوح حاصل کرلے تو اس کو ضرورت مندوں پر خرچ کر دے' وہ لوگ جو اس کو خرچ کرنے سے روکے رکھتے ہیں وہ اس کو اس وقت خرچ کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ خاص علم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لیا ہے وہ بھی حق (درست) ہے اور اس کا خرچ بھی حق ہے (اس وقت یعنی اس علم کے بعد یہ حضرات اس فتوح پر تصرف کرتے ہیں)۔

عطایا قبول کرنا

شیخ ابو زرعہؒ طاہر نے اپنے شیوخ کی اسناد کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ اس شخص کی مرحمت فرمادیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "لے لو اور یا تو اپنے خرچ میں لے آؤ یا دوسروں کو دے دو"۔ جب تمہارے پاس ایسا کوئی مال آئے جس کی تم کو ضرورت نہیں ہے' اور نہ تم نے اس کو مانگا تھا تو اس کو قبول کرلو اور جو نہ آئے اس کی طمع مت کرو۔

حضرت سالمؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف کی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی ان کو کچھ عطیہ میں پیش کرتا تو اس کو کبھی رد نہیں کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احکام کے ذریعہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو اس طرف اچھی طرح مائل کر دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا بغائر مطالعہ کریں اور اپنی تدبیر ترک کرکے اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر کا مشاہدہ کریں۔

علم حال کیا ہے؟

حضرت سہلؒ بن عبداللہ تستریؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ علم حال کسے کہتے ہیں' آپ نے فرمایا ترک تدبیر کا نام علم حال ہے' اگر یہ بات کسی ایک میں بھی روئے زمین پر پائی جائے تو وہ اوتادالدینؒ بن جائے (یعنی ترک تدبیر کلیۃً کسی میں بھی

ؒ نام روئے زمین کا قطب بن جائے۔

نہیں پایا جاتا)۔

حضرت زید بن خالدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر کسی شخص کو اس کے بھائی (مسلمان) سے بغیر مانگے کچھ ملے اور نہ وہ احسان جتاتا ہو تو چاہیے کہ اس کو قبول کرلے اس لئے کہ ایسی چیز رزق اللہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کے پاس پہنچایا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رزق کو قبول کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے تو وہ خطروں سے مامون و مصون ہے' خطرہ تو اس شخص کے لئے ہے جو رزق اللہ کو رد کرتا ہے اس لئے کہ جو شخص آئے ہوئے رزق کو رد کرتا ہے تو اس کا نفس اس پر مسلط ہو جاتا

ہے اور یہ نفس اس کو بتاتا ہے کہ اگر یہ رزق قبول کرلیا تو خلق کی نظر سے گر جاؤ گے۔ لہذا اس کو واپس کر دینا ہی بہتر ہے' لیکن جو اس کو قبول کرلیتا ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے یا ریاکاری کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس قبولیت سے اس کا صدق اور اخلاص ظاہر ہو گا کہ دوسروں سے قبول کرکے حاجت مندوں کو پہنچا رہا ہے۔ اس طرح یہ دونوں حالتوں میں زاہد ہے دوسرے لوگ اس کو نظر استحسان سے دیکھیں گے اور لوگوں کو اس کی حالت (فقر) کا علم کم ہو گا یہی وہ مقام ہے جہاں "الزہد فی الزہد" ثابت ہوتا ہے یعنی زہد میں زہد!

اہل فتوح کے مختلف احوال

اہل فتوح میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو علم ہوتا ہے کہ ان کے پاس فتوحات آئیں گے اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ ان کو فتوحات کی آمد کا علم نہیں ہوتا' بعض وہ ہیں جو فتوح (نذرانہ) کا مال نہیں کھاتے بجز اس صورت میں کہ ان کو پیشتر علم اس کا اللہ کی طرف سے ہو گیا ہو' یعنی نذرانوں کا مال اس وقت کھاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو علم ہو جاتا ہے کہ اس کو کھالینا چاہیے۔ بعض ایسے ہیں کہ خدا کی طرف سے علم کا انتظار کئے بغیر ہی فتوح کا استعمال کرلیتے ہیں کہ ان کا ہر فعل خدا کا فعل ہوتا ہے اور یہ شخص اس شخص سے بڑھ کر ہے جو تقدم علم کا منتظر ہوتا ہے اس وجہ سے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت کامل حاصل ہے اور ترک اختیار میں ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ارادے اور ذاتی علم کو فنا کر دیا ہے ان میں بعض وہ صوفیہ ہیں جن کے پاس فتوح اس طرح آتی ہے کہ ان کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوتا یا وہ اللہ کی طرف فعل کی نسبت کریں یا فعل الٰہی کا اس میں مشاہدہ کریں' ایسے لوگ شراب محبت سے سرشار ہو کر محض مشاہدہ نعمت ہی کے ذریعہ رزق حاصل کرلیتے ہیں۔ البتہ کبھی کبھی یہ شراب محبت' مخصوص نعمت کے تغیر سے مکدر بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ حال پہلی دو حالتوں کے مقابل کمزور تر ہے کیونکہ بقول صدیقین اس حال میں محبت و صداقت کی کمزوری پائی جاتی ہے۔

صاحب فتوح صرف فتوح میں بھی اشارہ غیبی کا منتظر رہتا ہے

جس طرح صاحب فتوح کے قبول کرنے میں علم الٰہی کا منتظر رہتا ہے اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب فتوح اس نذرانے اور تحفے کے خرچ کرنے میں بھی علم (اشارہ الٰہی کا منتظر رہتا ہے اس لئے کہ جس طرح نفس فتوح کو قبول کرنے پر

ابھارتا ہے اور پشت پناہی کرتا ہے۔ بہرحال کامل ترصوفی وہ ہے جو فتوح کے قبول کرنے اور اس کے خرچ کرنے دونوں میں مختار اور آزاد ہو بشرطیکہ صحت تصرف کی تحقیق اس کو ہو چکی ہو اس لئے علم کا انتظار (دونوں صورتوں یعنی قبول فتوح اور خرچ فتوح) میں اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ تہمت نفس کا اندیشہ ہوتا ہے (کہ ردو قبول یا قبول و خرچ میں شائبہ نفس تو نہیں ہے) اور جب شائبہ نفس باقی نہ رہے یعنی التزام نفسانیت دور ہو جائے اور علم صریح حاصل ہو جائے تو پھر نئے علم کی از سرنو ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ اس وقت اس کی حالت اس شخص کی طرح ہو جاتی ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قدسی ارشاد فرمائی کہ۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت اور قوت بصارت بن جاتا ہوں اور پھر وہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا ہے اور بولتا ہے"۔ پس اس طرح جب فتوح کی خود صوفی کو صحیح معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ صحیح تصرف بھی کر سکتا ہے۔ مگر یہ وصفت بہت ہی عنقا ہے، کبریت احمر کی طرح ناپید ہے۔

ہمارے شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ حماد الدباس" کا یہ ارشاد بیان فرماتے تھے کہ شیخ دباس نے فرمایا "میں فضل کے کھانے کے سوا دوسرا کھانا نہیں کھاتا اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ خواب میں کسی شخص کو بتا دیا جاتا ہے کہ میرے (حماد دباس) پاس کوئی چیز بھیجی جائے بلکہ خواب دیکھنے والے کو یہ بھی بتایا دیا جاتا ہے کہ اتنی مقدار میں بھیجی جائے ادھر شیخ حماد دباس" اپنے خواب میں مشاہدہ کر لیتے تھے کہ تمہارے لئے فلاں شخص پر یہ چیزیں اتاری گئی ہیں (خواب میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ چیزیں بطور نذرانہ تمہارے حضور میں پیش کرے) شیخ حماد دباس" فرمایا کرتے تھے جو جسم رزق فضل (خدائی رزق) سے پرورش پاتا ہے وہ بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

خدائی رزق یا رزق فضل سے مراد وہ فتوحات ہیں جو صحیح طریقے پر اہل باطن کو حاصل ہوں۔ بہرحال جس کو یہ فتوح حاصل ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنی اور تونگر بنا رہتا ہے یعنی وہ غنی باللہ ہوتا ہے۔

شیخ واسطی" فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نیاز مند ہونا مریدین کا بہترین درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے (مخلوق سے) بے نیاز ہو جانا صدیقین کا اعلیٰ مرتبہ اور درجہ ہے۔ شیخ ابو سعید الخراز" فرماتے ہیں کہ عارف کی تدبیر خدا کی تدبیر میں فنا ہو جاتی ہے اس لئے فتوح حاصل کرنے والا اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

فتوحات کے بارے میں چند حکایات

اس سلسلہ میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور بہت سی حکایتیں مشہور ہیں ان تمام حکایتوں میں یہ حکایت سب سے خوب ہے کہ کسی شخص نے شیخ نوری" کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اور سوال کرتے ہوئے دیکھا، اس شخص کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری اور وہ حضرت جنید" کے پاس (ان کی شکایت لے کر) آیا اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا حضرت جنید" نے اس شخص سے کہا کہ تم کو نوری" کا یہ سوال کرنا ناگوار نہیں گزرنا چاہیے اس لئے کہ نوری" لوگوں سے سوال نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ تو لوگوں کی آخرت کی کچھ ضرورتیں پوری کر رہے ہیں اور لوگ اس طرح اجر پا رہے ہیں کہ ان کا اس میں کچھ نقصان

نہیں ہے- شیخ جنیدؒ کا یہ فرمانا ایسا ہے جیسا کہ کسی کا مقولہ ہے "دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی دینے والا ہاتھ ہمیشہ لینے والے ہاتھ سے سربلند اور اونچا رہتا ہے- یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ ترازو لاؤ چنانچہ ترازو لائی گئی اور آپ نے ایک سو درہم اس میں تولے اور پھر ایک مٹھی بھر کر درہم ان سو درہموں میں ڈال دیئے اور اس شخص سے جو شخص نوریؒ کی گداگری کی شکایت لے کر آیا تھا کہا کہ انہیں شیخ نوریؒ کے پاس لے جاؤ- راوی کہتا ہے کہ میں اپنے دل میں سخت متردد تھا اور سوچتا تھا کہ شیخ جنیدؒ نے پہلے تو ان کی تعداد معلوم کرنے کے لئے تولا تھا پھر تلے ہوئے درہموں میں بغیر گنے درہم (مٹھی بھر) کیوں ملا دیئے حالانکہ وہ بہت درویش انسان ہیں' اس تردد کے باوجود میں شیخ جنیدؒ سے اس کا راز معلوم کرنے کی جرات نہیں کر سکا- اور مجھے شرم محسوس ہوئی- پھر میں تھیلی لے کر شیخ نوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو تھیلی پیش کی انہوں نے ترازو منگا کر سو درہم تول کر الگ کر دیئے اور مجھ سے کہا کہ یہ ان کو واپس کر دو اور کہہ دو کہ میں تمہاری کوئی چیز قبول نہیں کرتا مگر سو درہم سے زیادہ جس قدر درہم تھے (مٹھی بھر کر شیخ جنیدؒ نے ملائے تھے) وہ لے لئے-یہ حال دیکھ کر مجھے پہلے سے زیادہ تعجب ہوا تو میں نے شیخ نوری سے اصل معاملہ دریافت کیا فرمانے لگے- شیخ جنید بہت ہی دانشمند شخص ہے چاہتا ہے کہ رسی کو دونوں طرف سے پکڑے رہے سو درہم وزن کر کے مجھے ثواب کی نیت سے بھیجے اور ایک مٹھی بھر بغیر وزن کئے اس میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ملا دیئے پس میں نے اس میں سے وہ درہم لے لئے جو محض اللہ کے لئے ملائے گئے تھے اور وہ لوٹا دیئے جو انہوں نے اپنے نفس (ثواب کے حصول) کے لئے بھیجے تھے' میں یہ سو درہم لے کر حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام حال کہہ سنایا- روئیداد سن کر حضرت جنیدؒ رونے لگے اور فرمایا کہ نوریؒ نے اپنا مال لے لیا اور ہمارا مال واپس کر دیا-

غیبی امداد

ہم نے اپنے شیخ کے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب سے یہ واقعہ سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہمارے شیخ محترم نے فرمایا آج ہم کو ایک چیز کی ضرورت ہے (جو مجھے معلوم ہے) تم لوگ اپنی خلوت گاہوں میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرو بس اللہ تعالیٰ تم کو جو فتوح فرمائے (جس چیز کا انکشاف تم پر ہو) وہ مجھے آ کر بتا دو! چنانچہ حسب ارشاد ہم سب نے ایسا ہی کیا اور پھر ہم ان کے پاس واپس آئے- ہم میں ایک صوفی اسماعیل البطائحی بھی تھے جب سب لوگوں نے اپنی اپنی معلوم شدہ چیز بتائی تو انہوں نے ایک کاغذ پیش کیا جس پر تیس دائرے بنے ہوئے تھے وہ کاغذ پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میری فتوح یہ ہے (مجھے غیب سے یہ ملا ہے) شیخ نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک میں لے لیا' ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ایک شخص (خانقاہ میں) آیا جس کے پاس سونا تھا' اس نے وہ سونا شیخ محترم کے ہاتھ میں دے دیا شیخ نے وہ سونے والا کاغذ کھولا تو اس میں تیس اشرفیاں تھیں اور جب شیخ نے وہ اشرفیاں شیخ اسماعیل البطائحی کے دائروں والے کاغذ پر رکھیں تو ہر ایک اشرفی ٹھیک ٹھیک دائرے میں آ گئی اس وقت شیخ محترم نے فرمایا یہ فتوح شیخ اسماعیل البطائحی کی ہے- اور پھر اس مکاشفہ کا مفہوم تمام حاضرین (مریدین) کو سمجھایا'

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کا واقعہ

میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ تمہارے پاس فلاں شخص کا غلہ اور سونا (بطور امانت رکھا ہے) تم اس میں سے مجھے اتنا غلہ اور سونا دے دو' اس شخص نے جواب میں عرض کیا کہ امانت میں کس طرح میں تصرف کر سکتا ہوں (امانت سے کس طرح آپ کو دے سکتا ہوں) اگر آپ سے اس امر میں فتویٰ لوں تو کیا آپ جواز کا فتویٰ دے دیں گے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کے اس عذر کے باوجود حسب طلب سونا اور غلہ دینے پر اصرار کیا- اور اس نے اس حسن ظن کی بنا پر جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے تھا تو مطلوبہ غلہ اور سونا دے دیا- اس کے بعد اس امین کو امانت رکھنے والے کی طرف سے نواحی عراق سے ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ اتنا اتنا سونا اور غلہ میری امانت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو پیش کر دو بہ بعینہٖ وہی مقدار تھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اس شخص سے طلب کر لی تھی- جب اس کو یہ خط مل گیا تو حضرت شیخ نے امین کو توقف کرنے میں ملامت فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم فتوح کے بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ ان کے اشارے صحت پر مبنی نہیں ہوتے (دیکھا میرا اشارہ صحیح نکلا یا نہیں)-

بندے کا اللہ کے ساتھ معاملہ

اگر بندے کے معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوں اور وہ اپنی خواہشات کو رضائے الٰہی میں فنا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے دنیا کے غموں کو دور کر دیتا ہے اور اس کے قلب کو غنی بنا دیتا ہے اور اس پر رفق و مدارا کے دروازے کھول دیتا ہے- بعض فقراء کے دل پر جو ہجوم افکار طاری رہتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس صوفی کا اللہ کے ساتھ شغل کامل نہیں ہوا ہے' اس کی مشغولیت مکمل نہیں ہے اور حقائق عبودیت کی رعایت میں ابھی کوتاہی ہے (حقائق عبودیت مکمل طور پر ادا نہیں ہو رہے ہیں) پس جس قدر ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم ہو گا وہ اتنے ہی دنیا میں مبتلا ہونگے اور وہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو افکار دنیا سے ان کو واسطہ نہیں رہے گا' ان کی قناعت و روحانیت میں ترقی ہو گی-

حضرت عوف ابن عبداللہ مسعودی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ان کے تین سو ساٹھ مخلص احباب تھے اور وہ ہر ایک کے پاس ایک دن ٹھہرتے (اس طرح ان کا پورا سال مہمانی میر گزر جاتا) ایک اور صاحب تھے ان کے تیس مخلص دوست تھے وہ بھی ہر ایک کے پاس ایک دن ٹھہرتے (اس طرح ان کا ایک مہینہ مہمانی میں گزر جاتا) ایک اور صاحب تھے ان کے سات بھائی تھے وہ ہفتہ میں ایک ایک دن ہر ایک کے یہاں ٹھہرتے (اس طرح ایک ہفتہ مہمانی میں گزر جاتا) یہ سب میزبان بھائی جانے پہچانے لوگ تھے (آپس میں مغائرت نہیں تھی) جب کسی کو حق تعالیٰ کامل خدا رسیدہ شخص' کی خدمت میں لگا دیتا ہے تو یہ ایک بہت ہی خوشگوار نعمت ہوتی ہے-

رزق شوم نہیں بلکہ مبارک ہے

ایک شخص شیخ ابو المسعود رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ ابو مسعودؒ بہت ہی خدا رسیدہ صاحب حال' اشیاء

کائنات میں فعل الٰہی کے رموز سے واقف تھے اپنے حال میں متمکن اور اختیار کی نفی کرنے والے تھے بلکہ ترک اختیار میں وہ تمام مقدمین صوفیہ سے ممتاز تھے' ان کی روحانیت کے اعلیٰ مراتب اور قوت و تمکین کا مشاہدہ تو ہم نے بھی کیا ہے۔ اس شخص نے حضرت شیخ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے پاس روزانہ کچھ روٹیاں بھیج دیا کروں لیکن پھر مجھے صوفیہ کا یہ قول یاد آتا ہے کہ "مال نحس" ہوتا ہے (المعلوم شوم) یہ سن کر شیخ ابو مسعودؒ نے فرمایا کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "معلوم شوم" کو ہمارے واسطے پاک و صاف کرکے بھیج دیتا ہے تو پھر ہم کس طرح اس رزق کو نحس کہیں اور اس کے اس فعل کو ہم دیکھتے ہیں پس وہ جو کچھ ہمارے حصہ کا عطا فرماتا ہے اس کو ہم مبارک سمجھتے ہیں' اس کو شوم نہیں سمجھتے!

شوم غذا سے انشراح خاطر نہیں ہوتا

شیخ ابو زرعہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کے حوالوں سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ابوبکر بن شاذانؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوبکر الکتانیؒ سے یہ واقعہ سنا کہ انہوں نے فرمایا میں اور عمرو المکی اور عیاش بن المہدی تیس سال تک اس طرح ایک ساتھ رہے کہ ہم صبح کی نماز ظہر کے وضو سے پڑھا کرتے تھے (ظہر' عصر' مغرب' عشا اور فجر سب ظہر کے وضو سے ادا ہوتی تھیں)۔ ہم لوگ مکہ میں بحالت تجرد بیٹھے رہتے اور ہمارے پاس ایک پیسہ برابر مال بھی نہیں تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم ایک ایک دو' دو اور تین' تین' چار چار' پانچ پانچ دن بھوکے رہتے لیکن ہم کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ جب کبھی کچھ فتوح حاصل ہوتی اور وہ بغیر سوال یا پیسے کے ہمارے پاس آتی تو ہم قبول کر لیتے اور کھا لیتے اگر ایسا نہیں ہوتا (فتوحات حاصل نہیں ہوتیں) تو بھوکے رہتے' جب بھوک بہت شدید لگتی اور اندیشہ ہوتا کہ اب فرائض کے ادا کرنے کی بھی طاقت جسم سے ختم ہو رہی ہے تو ہم لوگ ابو سعیدؒ خراز کے پاس چلے جاتے وہ ہم کو طرح طرح کے کھانے کھلاتے بس ان کے علاوہ اور کسی کے پاس ہم نہیں جاتے تھے۔ انشراح خاطر ان کے کھانے ہی سے ہم کو حاصل ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ہم ان کے زہد و تقویٰ سے خوب واقف تھے۔ (ہم کو یقین ہوتا تھا کہ ان کا مال مال شوم نہیں ہو گا۔

کسی شخص نے ابو یزید سے کہا کہ آپ کوئی کام تو کرتے نہیں پھر آپ کی معاش کہاں سے آتی ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ تو دیکھتا ہے کہ میرا مولا جو کتے اور خنزیر کو روزی دیتا ہے تو کیا وہ ابو یزید کو روزی نہیں دے گا۔

سلمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ رازی سے یہ روایت سنی ہے کہ انہوں نے کہا "میں نے مظفر القرمینسی کی زبان سے سنا ہے' وہ کہتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ سے اپنی کوئی حاجت بیان نہ کرے۔ کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ فقر کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حاجت کا دل میں پیدا ہونا اور سوائے رب کے ہر ایک کی جانب سے اس کا مٹ جانا کسی اور سے نہ کہنا (تمام لوگوں سے رشتہ طلب منقطع ہو جانا) فقر ہے۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ فقیر کا خیرات لینا اس ذات کی طرف سے ہے جو اس کو دیتا ہے (یعنی جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے) اس شخص کی طرف سے نہیں ہے جس کے ہاتھ سے خیرات ملی ہے'

کے الفاظ یہ ہیں: الفقیر الذی لایکون لہ الی اللہ حاجتۃ ○

اور جس شخص نے درمیانی واسطوں (وسائط) سے قبول کیا' بس وہ نام کا درویش ہے کیونکہ اس کی ہمت پست ہے (پست ہمتی کی دلیل ہے)۔

ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مشائخ کے واسطوں سے بیان فرماتے تھے کہ شیخ سلیمان الدارانی نے فرمایا ہے' زاہدوں کا آخری قدم (آخری منزل) توکل کرنے والوں کا پہلا قدم ہے (زاہدوں کی آخری منزل توکل کرنے والوں کی پہلی منزل ہے)۔

رہبانیت منع ہے

روایت ہے کہ ایک عارف نے دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کی کہ لوگوں سے بچ کر جنگل میں نکل گئے (بستی سے منہ موڑ کر جنگل میں پہنچ گئے) اور یہ عہد کر لیا کہ میں کسی شخص سے کوئی چیز طلب نہیں کروں گا میرا رزق خود میرے پاس آئے گا تب کھاؤں گا۔ چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا اور وہاں سات دن تک بیٹھا رہا لیکن کھانے کو کوئی چیز نہیں ملی یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ الہیٰ اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو میرا رزق مجھے عطا فرما دے جو تو نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے ورنہ مجھے موت دے دے!

اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے انکو الہام ہوا کہ "میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں میں تمکو اس وقت تک رزق نہیں دوں گا جب تک تم بستی میں نہ جاؤ اور لوگوں کیساتھ رہنا سہنا نہ شروع کردو"۔ اس الہام کے بعد وہ شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں (سے ملے جلے اسی وقت کوئی انکے لئے کھانا لایا اور کسی نے پانی پیش کیا' جب وہ خوب کھا پی چکے تو انکو کچھ دہشت ہوئی اس وقت ہاتف غیبی نے ان سے کہا کہ تم چاہتے تھے کہ دنیا تیاگ کر نظام عالم اور حکمت الٰہی کو باطل کردو' کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کے ہاتھوں رزق دینے سے زیادہ محبوب و مرغوب یہ ہے کہ بندے بندوں کو رزق پہنچائیں۔

نظریہ توحید اگر درست ہے تو اسباب معدوم ہو جاتے ہیں

بہرحال جو صوفی فتوحات پر تکیہ کئے ہے اور اس کا خوگر ہے اس کے لئے انسان کا ہاتھ اور فرشتوں کا ہاتھ یکساں ہے' وہ قدرت و حکمت میں کوئی فرق نہیں کرتا اس کے لئے جنگلوں میں پھرنا اور قطع تعلقات کرکے بیٹھ جانا دنیاوی اسباب کا گرویدہ بن جانا یکساں ہی ہے کہ جب اس کا نظریہ توحید درست ہو گا تو انسان کی نظر سے تمام دنیاوی اسباب معدوم ہو جائیں گے۔

معاش کا دروازہ کلید قدرت الٰہی سے کھولو

محمد اسکافؒ نے کہا ہے کہ میں نے یحیٰی بنؒ معاذ رازی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ "جس نے معاش کے دروازے کو قدرت کی کلید کے بغیر کھولنا چاہا وہ مخلوق کے سپرد کر دیا گیا (اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے) ایک عابد و زاہد اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اچھا خاصا پیشہ ور شخص تھا' خدا کو یوں منظور ہوا کہ میں اسے ترک کر دوں اسی وقت میرے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی کہ معاش کہاں سے آئے گی؟ اس دم ہاتف غیب نے مجھے آواز دے کر کہا کہ تم دنیا کو چھوڑ کر میری

طرف راغب ہو (بہ سبب محبت) لیکن افسوس کہ رزق کے معاملہ میں مجھ پر تہمت لگاتے ہو! یہ تو میرا ذمہ ہے کہ میں اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کو تیرا خادم بنا دوں یا ایک منافق کو جو میرے دشمنوں میں سے ہو تیرا مسخر اور محکوم کر دوں (ہر ایک تجھے رزق پہنچائے گا' اب جس کو تو پسند کرے)

صوفی دنیا کا مخدوم بننا پسند نہیں کرتا

پس صوفی کا روحانی مقام درست اور وہ اپنی خواہشات سے الگ تھلگ ہو گیا اور کسی شوق سے اس کا تعلق باقی نہ رہا تو اس وقت وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ دنیا اس کی خدمت کرے گی اور اس کی خادمہ بن کر رہنا پسند کرے گی مگر وہ اس کا مخدوم بننا پسند نہیں کرے گی بلکہ فتوح خور (صاحب فتوح) نفس کی ہر خواہش اور ہر جنبش کو ایک گناہ اور جرم سمجھے گا۔

حکایت ایوب حمالؒ

روایت ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز شارع باب الشام کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر انہوں نے آٹا خریدا اس وقت کوئی قلی یا حمال وہاں موجود نہ تھا آخر کار ایوب نامی حمال اتفاق سے مل گیا' امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ وہ آٹا اٹھوا کر گھر لائے۔ حضرت امام احمد نے ایوب حمال کو اجرت دی۔ جب اجرت دے کر گھر میں واپس آئے تو دیکھا کہ گھر کے لوگوں نے تمام آٹے کی روٹیاں پکالی ہیں۔ اور چونکہ روٹیاں بہت ہو گئی تھیں۔ اس لئے سکھانے کے لئے تخت پر پھیلا دی تھیں' ایوب حمال نے انہیں دیکھ لیا تھا' ایوب ہمیشہ روزے سے رہا کرتا تھے' امام احمدؒ نے اپنے فرزند صالح سے کہا کہ تم ایوب کو روٹی دے دو' صالح نے ایوب کو دو روٹیاں دیں مگر انہوں نے واپس کر دیں امام احمدؒ نے فرمایا "انہیں یہاں رکھ دو"۔ جب کچھ دیر گذر گئی تو انہوں نے فرمایا ایوبؒ کو روٹیاں دے دو اس بار جب صالح نے ان کو روٹیاں دیں تو انہوں نے لے لیں' صالح بہت تعجب کرتے ہوئے واپس آئے تو امام احمدؒ نے ان سے فرمایا کہ تم پہلی دفعہ روٹیاں واپس کرنے اور دوبارہ لے لینے پر حیران ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں! حضرت امام احمدؒ نے فرمایا ایوب ایک نیک اور صالح مرد ہیں! پہلی مرتبہ جب انہوں نے روٹیوں کو دیکھا تو ان کے نفس میں ان کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ ان کی خواہش نفسانی کو پورا کرتے ہوئے جب ان کو روٹیاں دی گئیں تو انہوں نے واپس کر دیں (کہ وہ نفس کی خواہش کو پورا کرنا نہیں چاہتے تھے) اور جب وہ ملنے سے مایوس ہو گئے تو دوبارہ ہم نے ان کو بھیجیں اور انہوں نے (اس کو فتوح جان کر) قبول کر لیا۔

یہ حالت ارباب صدق کی ہے اگر وہ کبھی سوال کرتے ہیں تو صحیح علم کے ساتھ سوال کرتے ہیں اور اگر سوال سے رکتے ہیں (سوال نہیں کرتے) تو وہ بھی ایک حال اور ایک روحانی کیفیت ہوتی ہے اور جب کسی چیز کو قبول کرتے ہیں علم کے بعد (جب شبہ دور ہو جاتا ہے) قبول کرتے ہیں۔

بے ضرورت طلب کرنے والا صوفی نہیں ہے!

وہ صوفی جس کو فتوح کا حال میسر نہیں ہوا (فتوح کا مرتبہ اس سے پوشیدہ ہے) تو اس کے لئے صحیح علم کی شرط کے سوال یا

کسب کی اجازت ہے مگر وہ سائل جو ضرورت کے وقت کے بغیر اور حاجت سے زیادہ طلب کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ارباب تصوف سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کو مانگتے ہوئے سنا تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ میاں! میں نے تم سے کہا تھا کہ سائل کو کھانا دیدو! انہوں نے کہا جی! میں نے کھانا دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی بغل کے نیچے ایک جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ تیرے اہل و عیال ہیں اس نے کہا نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو سائل نہیں ہے بلکہ سوداگر ہے' یہ کہہ کر اس کی جھولی لے لی اور ضرورت مند حضرات کے سامنے خالی کر دی اور اس کے درے مارے۔

فقر عذاب بھی ہے اور ثواب بھی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں فقر میں ثواب بھی رکھا ہے اور فقر میں عذاب بھی رکھا ہے۔ وہ فقر جس میں ثواب موجود ہے اس کی علامت یہ ہے کہ صاحب فقر کے اخلاق نکو ہوں' اپنے رب کا اطاعت گذار بندہ ہو اور اپنے حال کی شکایت لب پر نہ لائے اور اپنے فقر پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے' اور وہ فقر جس میں عذاب ہے اس کی علامت یہ ہے کہ صاحب فقر کے اخلاق برے ہوں اور اپنے رب کا نافرمان ہو' اپنے فقر پر بہت شکوہ شکایت کرے اور حکم الٰہی یا تقدیر پر غصہ کرے۔

اسی لئے صوفیائے کرام کا طریقہ یہ رہا ہے کہ خواہ ان کو فتوح حاصل ہو یا وہ علم کے ساتھ سوال کریں۔ ہر موقع پر وہ حسن ادب کو ملحوظ رکھتے۔ اور ہر بدلتی ہوئی حالت کے ساتھ اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔

باب 21

صوفیوں کی ازدواجی زندگی

صوفی کا تجرد اور تاہل

صوفی اگر متاہل زندگی اختیار کرتا ہے یعنی اگر نکاح کرتا ہے تو صرف اللہ کے لئے! بالکل اسی طرح جیسے وہ صرف اللہ کے لئے اب تک مجرد رہا تھا' جس طرح اس کے تجرد کا ایک مقصد اور وقت ہے اسی طرح اس کی متاہل زندگی کا بھی ایک مقصد اور وقت ہے' جو صوفی صادق ہے وہ تجرد اور تاہل کا وقت جانتا ہے اس لئے کہ صوفی کی سرکش طبیعت کے دہانہ میں علم کی لگام ڈال دی گئی ہے' جب تک اس کے لئے تجرد کی زندگی بہتر ہوتی ہے مجرد رہتا ہے اور اس کی طبیعت نکاح جلد کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتی اور اسی لئے وہ تزویج پر قدم نہیں اٹھاتا (نکاح نہیں کرتا) ہاں جب نفس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے اور نرمی کرنے کا اس کو استحقاق ہو' جب نرمی پیدا ہو جائے' یہ امور اسی وقت سرزد اور رونما ہوتے ہیں جب کہ نفس پورے طور پر مطیع و منقاد ہو اور جو کچھ اس سے چاہا جائے اس کو وہ قبول کرے جیسے ایک لڑکا کہ وہ ہمیشہ دل پسند بات کرے اور نقصان و ناگوار چیز سے باز رہے۔

تو جب نفس منقاد و مطیع ہو جائے اور وہ حکم الٰہی بجالانے کی تحریک کرے اور قلب کے ساتھ جنگ کرنے سے بیزار ہو تو دونوں کے مابین انصاف اور عدل سے صلح کرا دی جائے اور دونوں میں سے ہر ایک کے معاملہ پر انصاف کی نظر کی جائے۔

صوفی کے لئے بیوی کا انتخاب

اور صوفیہ میں سے جس کسی نے تجرد کی لذت پر صبر کیا تو یہ صبر اس وقت تک ہی ہو سکتا ہے جب کہ کتاب اپنی حد کو پہنچ جائے یعنی مقدر کا لکھا پورا ہو جائے' اس وقت صوفی کے لئے بیوی کا (انتخاب کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہو گا اور اس کے اسباب مہیا فرما دے گا اور ایک ایسا رفیق زندگی اس کو انعام فرمائے گا جس کے ساتھ نکاح کر کے وہ اپنی زندگی خوشی سے بسر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف رزق بھیجے گا۔

اور اگر صورت حال یہ ہے کہ مرید (صوفی) نکاح کرنے میں جلدی کرے اور اس کی طبیعت نکاح (کی زمہ داریوں) سے خوف زدہ نہ ہو اور خیانت کا اس میں شائبہ ہو اور شہوت نفسانی کا وسواس اس سے بلند ہونے لگے جو علم کی شمع کو گل کر دیتا ہے اور وہ اپنے اعلیٰ انجام سے (جو اس کے حال کا تقاضا اور اس کی ارادت کا باعث ہے اور صدق طلب کے لئے شرط ہے) نشیب میں گر جاتا ہے' اس اعلیٰ مقام کھو دیتا ہے' اور پھر وہ صداقت و عقیدت کے شرائط کی بجا آوری نہیں کر سکے گا بلکہ وہ

اس سہولت اور نام اجازت کی پستی میں گر جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے عام مخلوق کے لئے از راہ الفت و کرم مقرر فرمادی ہے (عوام کی طرح نکاح سے لذت اندوز ہو گا) لیکن سمجھ لینا چاہیے کہ اس طریقے سے درویش کی روحانی زندگی کو زبردست نقصان اور خسارہ پہنچتا ہے پس اس قسم کی جلد بازی مردان کار کی پستی کا باعث بن سکتی ہے!

شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جب مرید اس حالت میں ہو جہاں سے ترقی اور افزونی حالت کی امید ہو اور ایسی حالت میں وہ کسی ابتلا میں داخل ہو جائے اور اس کو پست حالی کی طرف واپس آنا پڑے تو یہ درویش کے لئے عظیم حادثہ ہے۔

ایک درویش کا عجیب جواب

ایک صوفی سے کہا گیا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے انہوں نے جواب دیا کہ عورت صرف مردوں کے لئے ہوتی ہے اور میں ابھی تک مردوں کے مقام تک پہنچا نہیں ہوں پس میں کس طرح شادی کر سکتا ہوں' اس حکایت کا مطلب یہ ہے کہ مخلص اور صادق درویشوں کے بلوغ کا ایک خاص وقت (عوام کے وقت سے الگ) ہوتا ہے جب وہ اس بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں اس وقت وہ نکاح کرتے ہیں۔

تجرد و تزویج کی فضیلت

بہرحال مجرد ہونے اور نکاح کرنے کے سلسلہ میں جو اخبار و آثار موجود ہیں ان میں تعارض ہے یعنی تجرید کی فضیلت بھی موجود ہے اور تزویج کی بھی! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی میں اس بارے میں جو تنوع (رنگارنگی) پائی جاتی ہے[1]۔ یعنی لوگوں کے حالات کے اعتبار سے بعض احادیث تجرید کی فضیلت میں ہیں اور اسی طرح بعض لوگوں کے احوال کے تقاضہ کے بموجب بعض احادیث تاہل و تزویج کی فضیلت میں ہیں[2]۔ بہرحال یہ تعارض آثار و اختلاف صرف ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے کامل تقویٰ اور ضبط نفس سے اپنی آتش شہوت کو سرد کر لیا ہے (پس ان کے لئے تجرید ہی وجہ فضیلت ہے) وگرنہ وہ شخص جسے مجرد رہنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو اور شہوت کا اس پر غلبہ ہو۔ تو اس کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے اور تاہل ہی میں اس کے لئے فضیلت ہے۔ البتہ ائمہ کرام کے یہاں ایسے شخص کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس پر شہوت غالب نہ ہو (بعض مجرد رہنے کے حق میں ہیں اور بعض نکاح کرنے کے حق میں)۔

بہرحال جب کسی صوفی کی شادی ہو جائے تو اس کے دوسرے روحانی بھائیوں پر لازم ہے کہ اگر ان کا صوفی بھائی خستہ حال

---

[1] وتنوع کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک لتنوع الاحوال ○ مخلوق کے حالات کی رنگارنگی کی باعث ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تنوع پایا جاتا ہے۔

[2] یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مخلوق میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے تجرید میں فضیلت ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جن کے لئے تزوج وجہ فضیلت ہے'

ہے اور کمال کے درجہ پر ابھی نہیں پہنچا ہے تو اس کے ساتھ ایثار سے پیش آئیں اور اگر وہ دوسروں سے زیادہ طلب کرے تو اغماض اور چشم پوشی سے کام لیں! جیسا کہ ہم اس شخص کے قصے میں بیان کر چکے ہیں کہ جس نے صبر اختیار کیا اور کامیابی اس وقت حاصل کی۔ جب اس کی کامیابی کا وقت آگیا تھا (یہ حکایت سابق میں بیان ہو چکی ہے)۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جب مال غنیمت آتا تھا تو آپ اس کو

اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے تقسیم اس طرح ہوتی تھی کہ شادی شدہ مسلمانوں کو دو حصے اور مجرد کو ایک حصہ دیا جاتا تھا' ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت عمار بن یاسرؓ سے پہلے طلب فرمایا (ورنہ ہمیشہ پہلے ان کو ہی طلب کیا جاتا تھا) اور مجھے دو حصے مرحمت فرمائے اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو ایک حصہ دیا۔ وہ حصہ انہوں نے لے لیا لیکن عمار بن یاسرؓ اس قدر ملول ہوئے کہ ان کے بشرے سے تمام حاضرین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اندازہ کر لیا کہ عمار بن یاسرؓ کو ایک حصہ ملنے سے کوفت اور ملال ہوا ہے اس وقت تمام مال غنیمت تقسیم ہو چکا تھا صرف سونے کی ایک زنجیر باقی رہ گئی تھی' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصائے مبارک کی نوک سے اس کو اٹھاتے لیکن وہ پھسل کر گر جاتی اس وقت آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ "جب تمہارے پاس یہ (سونا) زیادہ ہو جائے گا تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی؟ کسی شخص نے کوئی جواب نہیں دیا صرف حضرت عمارؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس سے زیادہ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں (انہوں نے اپنی ضرورت کی طرف سے اس قول سے اشارہ کیا)

تجرد کی زندگی

درویش کے لئے تجرد کی زندگی مفید ہوتی ہے' عالم تجرد میں اس کے خیالات یکسو رہتے ہیں اور اس کو جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے اس طرح اس کی زندگی بڑی خوشگوار گزرتی ہے پس ابتدائی زمانے میں درویش کے لئے بھی مناسب ہے کہ وہ تمام تعلقات سے انقطاع کر کے تمام رکاوٹوں کو دور کر کے سفر اختیار کرے سفر میں خطرات سے دوچار ہونا چاہیے اس طرح معرفت اور خدا شناسی کے راستے میں تمام ظاہری اسباب سے الگ تھلگ رہ کر ان رجحانات کو دور کر دے جو مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔

اس کے برعکس اگر وہ ازدواجی زندگی کے جھمیلوں میں گرفتار ہے تو اس ازدواجی زندگی کی مصروفیات سے اس کے روحانی عزم میں بجائے بلندی کے پستی آجاتی ہے اور بے فکری کی زندگی کے بجائے پریشان روزگار اور پریشان حال بن جاتا ہے بلکہ انسان بال بچوں کے جھمیلوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور ایسے مقامات کے اردگرد چکر لگانے لگتا ہے جو مشتبہ ہوتے ہیں (شبہ کی روزی کے حصول تک پہنچ جاتا ہے)۔ ترک دنیا کر چکا تھا ازدواجی زندگی میں گرفتار ہو کر پھر دنیا کی طرف مائل ہونا پڑا اور اپنے مزاج اور عادات کے مطابق خواہشات نفسانی میں گرفتار ہو جاتا ہے (اپنی طینت و فطرت کے بقدر شہوت نفسانی میں گرفتار ہونا پڑتا ہے)۔

شیخ ابو سلیمان الدارانیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے تین چیزوں کو طلب کیا وہ دنیا کا ہو گیا! اول معاش' دوم نکاح' سوم احادیث

لکھنا' اور میں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ شادی کرنے کے بعد اپنے بلند مقام پر قائم رہا ہو- (بلکہ وہاں سے اس کو تنزل ہوا)-

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد مردوں کے لئے عورت سے زیادہ مضرت رساں اور کوئی فتنہ نہیں ہو گا- حضرت معاذؓ بن جبل فرماتے ہیں کہ ہم سختی اور تنگدستی میں گرفتار ہوئے تو اس موقعہ پر ہم نے صبر سے کام لیا مگر جب ہم کو خوش حالی کے ساتھ آزمایا گیا تو ہم صبر نہ کر سکے (اور جادہ ثواب سے ہٹ گئے) مجھے جن فتنوں کا ڈر ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عورتوں کا ہے' اس حال میں جب کہ وہ سونے کے کنگن' شام کی ریشمی چادر اور یمن کے سرخ سبخاف کا لباس پہنے ہوں گی- اور دولت مندان کے عشوہ و انداز سے مات کھا جائیں گے (اور اگر فقیران کے دام میں آجائیں گے) تو وہ فقیروں کو ایسی چیزیں مہیا کرنے پر مجبور کریں گے جن پر ان کی دسترس نہیں ہو گی-

کسی دانشمند نے کیا خوب کہا ہے کہ مجرد رہنے کا علاج' عورتوں کے نکاح کے علاج سے آسان ہے! شیخ سہلؒ بن عبداللہ تستری سے عورتوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا عورت کے نہ ہونے پر صبر کر لینا اس کی باتوں پر صبر کرنے سے بہتر ہے (اور بہت آسان ہے) اور ان کے معاملات پر صبر کرنا آگ کے عذاب سے بہتر ہے- اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ — اور انسان کو ناتواں پیدا کیا گیا ہے!

مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انسان اس وجہ سے کمزور ہے کہ وہ بغیر عورت کے نہیں رہ سکتا اور اسی طرح اس ارشاد ربانی میں فرمایا گیا ہے:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ○ — اے ہمارے پروردگار ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے!

اس ارشاد خداوندی میں طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے مراد قوت شہوانی ہے- پس فقیر اگر نفس کے مقابلہ پر قادر اور حسن معاملت سے معالجہ نفس میں اس کو وافر حصہ ملا ہے اور وہ عورتوں پر صبر کر لے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے پورا فضل حاصل کیا ہے- اور اپنی عقل کو کام میں لایا اور ایک آسان کام کی طرف راستہ پالیا-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو سو برس کے بعد تمہارے درمیان سب سے بہتر شخص "حفیف الحاذ" ہے' صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ "حفیف الحاذ" کیا چیز ہے' فرمایا وہ شخص ہے جس کے نہ بیوی ہو اور نہ اولاد ہو-

ایک فقیر سے جب کہا گیا کہ تم نکاح کر لو تو انہوں نے کہا کہ میں نکاح سے زیادہ حاجت مند اپنے نفس کو طلاق دینے کا ہوں- حضرت بشر بن حارثؒ سے کہا گیا کہ لوگ آپ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں' انہوں نے کہا کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ نکاح نہیں کرتے اس لئے تارک سنت ہیں' بشر بن حارثؒ نے کہا کہ ان لوگوں سے کہدو کہ میں سنت ہی سے فرض میں مشغول ہوں (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میں سنت ہی سے فرض کی ادائیگی میں مشغول ہوں)

شیخ بشر بنؒ حارث ہی کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں ایک مرغی بھی پال لوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ایک ایسا جلاد بن جاؤں گا جو پل پر کھڑا ہو (جہاں سے عافیت اور بچ نکلنا ناممکن ہے) یعنی ایک مرغی کی پرورش بھی توجہ الی اللہ میں رخنہ اندازی ہوتی ہے اور توجہ الی اللہ سے تنزلی بربادی ہی بربادی ہے۔

صوفی ہردم نفس کشی میں مشغول رہتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ صوفی تجرد نفس اور اس کے مطالبات کی کشمکش میں گرفتار ہوتا ہے اور وہ ہر وقت نفس کشی کے کام میں مصروف رہتا ہے اب ان مطالبات کے ساتھ ہی ساتھ وہ نکاح کرے اور اس کی بیوی کے مطالبات کا بھی اس میں اور اضافہ ہو جائے تو اس کی جدوجہد کمزور ہو جائے گی اور عبادت و زہد کے عزم و ارادے میں فتور پڑ جائے گا کیونکہ نفس کا تو یہ خاصہ ہے کہ اگر اس کو طمع پر ڈال دیا جائے تو وہ اس کا عادی بن جائے گا اور اگر قناعت کے راستے پر ڈال دیا جائے تو وہ قانع ہو جائے گا۔

ہمیشہ روزے رکھنا نفسانی خواہش کا علاج ہے

نوجوان صوفی اور مرید نکاح کی خواہش کو دبانے کے لئے ہمیشہ روزے رکھتا ہے اس لئے کہ روزے نفس کو مغلوب کرنے اور اس کی خواہشوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بہت مفید کار آمد ہے حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَمَاعَةٍ مِّنَ الشَّبَانِ وَهُمْ يَرْفَعُوْنَ الْحِجَارَةَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الشَّابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَصُمْ فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَاءٌ"۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، وہ لوگ پتھر اٹھا رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کر سکتا ہو وہ نکاح کرے اور جو نکاح نہ کر سکے وہ روزہ رکھے کیونکہ روزے شہوت کے لئے وجاء کا حکم رکھتے ہیں"۔

(وجاء کے معنی ہیں خصی کرنا، عربوں کا دستور تھا اور اب بھی برصغیر ہندوپاک میں یہ دستور ہے کہ بکروں کو خصی کر دیتے ہیں تاکہ ان کی قوت نرینہ ختم ہو جائے اور وہ خوب فربہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجَوْيَنَ ○ یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے خصی کئے ہوئے دنبے قربانی فرمائے)۔

کہتے ہیں کہ اگر نفس کو تم کسی کام میں مشغول نہیں رکھو گے تو وہ تم کو کسی کام میں مشغول رکھے گا، پس اگر نوجوان مرید ہمیشہ کام میں مشغول رہے اور عبادت میں مصروف رہ کر نفس کشی کرتا رہے تو اس عمل سے نہ صرف یہ کہ نفس کے خطرات کم ہو جائیں گے بلکہ جو عبادت وہ کرتا رہا ہے اس کے ثمرہائے شیریں بھی اس کو حاصل ہوں گے! یعنی کثرت عبادت کا شوق پیدا ہو گا! اور اس پر آسانیوں کے دروازے کشادہ ہو جائیں گے اور عمل میں اس کو لذت محسوس ہو گی پس اس کو اس بات سے غیرت آئے گی کہ اس کی بیوی کے باعث اس کے حال اور وقت میں کدورت پیدا ہو۔

عالم تجرد میں حسن ادب

عالم تجرد میں مرید کا حسن ادب یہ ہے کہ مرید عورتوں کی خواہش کو اپنے باطن میں جگہ نہ دے اور جب کبھی اس کے دل میں عورت اور شہوت کا خطرہ گزرے تو حسن انابت (عصمت و عفت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف گریز کرے، حق تعالیٰ اس کو اس خواہش کے تدارک کے لئے قوت عزیمت عطا فرمائے گا یعنی قوت غریمت سے اس کا تدارک فرمادے گا۔ اور نفس کی مخالفت میں اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرمائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے نفس پر اس کے قلب کا نور عکس افگن ہو گا اور یہ ثواب اس کے حسن توبہ کا ہو گا۔ (اس کو توبتہ النصوح کا اجراس طرح دیا جائے گا) جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو نفس مطالبہ نکاح سے ساکن ہو جائے گا (نفس اس مطالبے سے باز آجائے گا) اس وقت (جب مرید کا نفس حالت سکون میں ہو) شیخ کو چاہیے کہ مرید کو ان تمام نامناسب باتوں سے آگاہ کرے جن سے نکاح کرنے کے بعد اس کو گزرنا پڑے گا مثلاً اس کو نکاح کرنے کے بعد (ضروریات زندگی کے حصول کے لئے) ایسی جگہوں پر جانا پڑے گا جو ذلت و خواری کے مقام ہیں (غیرت و شرف کے نہیں) بعض چیزوں کو بے وجہ حاصل کرنا پڑتا ہے اور قطع رحم کرنے والوں سے (وہ عزیزم و رشتہ دار جو رشتہ داری کا پاس و لحاظ نہیں کرتے) بھی امید کرنا پڑتی ہے چونکہ طبیعت بیوی کی طرف مائل ہے اور اس کی عدم موجودگی میں نگرانی اور حفاظت بھی درکار ہے غرض یہ کہ اس قسم کی بہت سی تکلیفیں ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔

جہد بلا

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ جہد بلا کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کثرت عیال اور قلت مال، بعض حضرات نے کہا ہے کہ عیال کی کثرت دو غربتوں میں سے ایک غریبی اور مفلسی اور اہل و عیال کی کمی دو تونگریوں میں سے ایک تونگری ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ جو صوفی عورتوں کی رانوں کا عادی ہو (جس کی راتیں عورت کے ساتھ گزر رہی ہوں) وہ فلاح و نجات نہ پاسکے گا۔ اس میں شک نہیں کہ عورت آسودگی اور آرائش جسم و تن کی طرف مائل کرتی ہے اور مشغول باللہ ہونے کے لئے قیام کرنے اور شب و روز کے روزے رکھنے سے باز رکھتی ہے ایسے مرد کے باطن پر مفلسی کا خوف اور مال جمع کرنے کی محبت غالب آجاتی ہے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے تجرد سے دوری کا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سو سال گزر جانے کے بعد تجرد میری امت کے لئے مباح ہو گا۔

خواہش نکاح

اگر درویش کے دل میں نکاح کی خواہش بار بار (علی التواتر) پیدا ہو، متواتر یہ خطرہ دل میں گزرے اور نماز ذکر اور تلاوت میں اس باطن اس فکر فلاح سے متاثر ہو تو ایسے مرید (صوفی) کو چاہیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اس کے بعد اپنے مشائخ اور برادران طریقت سے بے کم و کاست تمام حالت بیان کرے، مساجد اور زیارت گاہوں میں جائے اور اس کو

ایک اہم کام جانے اور اسے کوئی معمولی کام نہ سمجھے اس لئے کہ یہ ایک بہت بڑے فتنہ اور خطرے کا دروازہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ بے شک تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد، تمہاری دشمن ہے پس ان سے بچتے رہو۔

پس صوفی (خواستگار نکاح) کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب ہی تفرع اور زاری کرے اور تنہائی میں اس کے حضور خوب ہی گریہ و زاری کرے اور بار بار استخارہ کرے، استخارہ کے ذریعہ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہتر صورت منکشف ہونے سے پہلے اگر اس کو صبر و طاقت میسر آجائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ فضل الٰہی اگر شامل حال ہو تو خواہ ممانعت ہو یا اجازت خواب کے عالم میں ہو یا بیداری کے عالم میں یا ایسے شخص کا اشارہ ہو کہ اس کی زبان پر اس کے ذہن پر اور اس کی حالت پر صوفی یا طالب نکاح کو بھرپور وثوق اس بات کا ہو کہ اس کا اشارہ چشم دل کی بصیرت پر مبنی ہوتا ہے اور جب وہ حکم کرتا ہے تو حق کے ساتھ کرتا ہے (یعنی مرشد برحق کا اگر اشارہ ہو) تو اس کا نکاح کرنا ایسا ہے جس میں کوئی تدبیر اور مصلحت شامل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کا ارشاد گرامی

ہم نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ کسی صالح شخص نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے عرض کیا کہ آپ نے نکاح کس غرض سے کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمایا اور حکم نہیں دیا کہ "نکاح کر" یہ سن کر اس شخص نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں اجازت دی ہے پھر صوفیہ اس ارادے پر الزام کیوں دیتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت شیخ نے کیا جواب دیا البتہ میں یہ کہوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کا حکم دیا ہے (اجازت ہے) اور شریعت نے نکاح کی اجازت دی ہے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اس کا نیاز مند بن کر اس سے استخارہ کرتا ہے تو عالم خواب یا بذریعہ کشف اللہ تعالیٰ اس کو متنبہ فرماتا ہے تو اس وقت یہ حکم رخصت پر نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کا اتباع ارباب عزیمت کرتے ہیں کیونکہ یہ علم حال سے ہے اور حکم سے نہیں ہے اور جو امر بذریعہ القایا کشف دل میں واقع ہو اس کی صحت پر دلیل حضرت شیخ عبدالقادر کا یہ قول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"میں مدت سے شادی کا خواستگار تھا مگر وقت کے خراب ہونے کے باعث میں شادی کرنے کی جرات نہیں کرتا تھا، لہٰذا میں صبر کرتا رہا، یہاں تک کہ جب اس کا مقررہ وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیویاں عطا فرمائیں، ان میں سے ہر ایک بیوی میری مرضی اور منشا کے مطابق نکلی۔ پس یہ ثمرہ میرے اس صبر جمیل کا ہے جو شادی کرنے کے سلسلہ میں کرتا رہا"۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ فقیر جب صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کشود کار کا طالب ہوتا ہے تو اس کو کشود کار حاصل ہو جاتی

ہے اور دشواری سے نجات کا راستہ مل جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ○ (سورہ الطلاق پارہ 28)

جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ بناتا ہے اور اس کو اس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

فقیر کو تضرع اور دعا کے بعد نکاح کرنا چاہیے

پس اگر فقیر نے زیادہ تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد نکاح کر لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت حاصل ہو گئی (بذریعہ القا و کشف) تو اس کی مراد پوری ہو گئی۔ (فہو المراد) پھر تو کیا ہی کہنے! اور اگر اجازت حاصل ہونے سے پہلے ہی اس کا پیمانہ صبر چھلک گیا اور تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرنے پر اس نے اپنی پوری قوت صرف کر دی (لیکن اشارہ غیبی سے محروم رہا) تو اس صورت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہرہ یاب ہو گا اور اس کی نیک نیتی' صدق مطلب' حسن امید اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے کے باعث اس کو تائید ایزدی حاصل ہو گی (چنانچہ وہ بہرہ یاب رہے گا جس کو بھی ہم نے مذکور کیا) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ "جوان جب تک شادی نہ کرے اس کی عبادت کا تکملہ نہیں ہوتا"۔

شیخ خراسان کا واقعہ

مشائخ خراسان سے ایک شیخ کا ذکر ہے کہ وہ نکاح بہت کیا کرتے تھے وہ کبھی دو یا تین بیویوں سے خالی نہ رہتے تھے ان کی اس عادت پر صوفیوں نے بڑی لے دے کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو یہ کہہ سکے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیٹھا (مراقبہ میں رہا) یا وہ روحانی مراقبہ میں مشغول ہوا اور اس کے دل میں کبھی شہوت کا وسوسہ اور خطرہ نہیں پیدا ہوا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے (دل میں وسوسہ شہوت پیدا ہوتا ہے) یہ سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر میری تمام عمر میں ایک بار بھی تمہاری جیسی صورت حال پیش آتی تو میں ہرگز نکاح نہ کرتا میری حالت یہ ہے کہ اگر میرے دل میں کبھی ایسا وسوسہ شہوت پیدا ہوتا ہے جو میری روحانی حالت میں رکاوٹ پیدا کر دے تو میں اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس وسوسہ کو دور کرنے کے بعد میں پھر اپنے روحانی مشغلہ میں مشغول ہو جاتا ہوں (کثرت ازدواج میرے ذکر و یاد الٰہی میں کبھی دخل انداز نہیں ہوتی) وہی بزرگ فرماتے ہیں کہ "چالیس سال سے میرے دل میں کبھی معصیت یا گناہ کا وسوسہ پیدا نہیں ہوا"۔

مصلحت ازدواج

اللہ تعالیٰ کے سچے اور دوست بندے فکر و بصیرت کے بعد نکاح کرتے ہیں اور ان لوگوں کی مراد نکاح (یا ازدواجی زندگی سے) نفسانی خواہشات کا قلع قمع کرنا ہوتا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں بعض علمائے راسخین اور زبردست قوت باطن رکھنے والے حضرات ایسے وقت اور ایسے احوال میں نکاح کرتے ہیں جو انہی کے ساتھ مختص ہوتے ہیں' اس کی صورت یہ ہوتی ہے

کہ بڑے بڑے مجاہدوں، مراقبوں اور ریاضتوں کے بعد ان کے نفوس مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے قلوب متوجہ ہو جاتے ہیں- کیوں کہ قلوب ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے- کبھی وہ متوجہ ہوتے ہیں اور کبھی وہ بے رخی برتتے ہیں، بعض صوفیائے کرام کہتے ہیں قلوب کے واسطے اقبال و ادبار دونوں حالتیں ہیں جب وہ اعراض (ادبار) کرتے ہیں تو نرمی کے ساتھ راحت پاتے ہیں (ان میں شورش نفسانی برپا نہیں ہوتی) اور جب وہ متوجہ ہوتے ہیں ان کو میثاق (وعدہ ازلی) کی طرف پھیر دیا جاتا ہے بس اس صورت میں ان کی یہ توجہ (اقبال) کچھ دیر ہی کے لئے ہٹتی ہے ورنہ وہ دوامی طور پر متوجہ رہتے ہیں- اور توجہ کا یہ دوام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفوس مطمئن ہو جاتے ہیں اور منازعت سے رک جاتے ہیں اور قلوب کے معاملت میں یہ نفوس مداخلت نہیں کرتے جب نفوس اس وصف سے متصف ہو جاتے ہیں اور اس کا طیش، اس کی سرکشی اور بدخوئی جاتی رہے تو اس صورت میں اس کے بہت سے حقوق قلوب پر عائد ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ان حقوق کے متعدد حصے جمع ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں (نکاح کرنے والا درویش) ادائے حقوق سے مطمئن ہو جاتا ہے اور نفس حظ اٹھا کر اور کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے- یہ علم صوفیہ کا ایک بہت ہی دقیق نکتہ ہے- (ہر ایک اس کو نہیں سمجھ سکتا) کیونکہ یہ حضرات نکاح مسنون کے ذریعہ نفس کو اس کا حق ادا کرنے کی گنجائش اور مواقع فراہم کر دیتے ہیں اور اس سے پہلے صورت حال یہ تھی کہ وہ اپنی خواہشوں کی مخالفت کرتا رہا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ خود اس کا درد اس کے لئے دوا بن گیا ہے، جائز خواہشات اور لذتیں نہ اس کے لئے مضر ہوتی ہیں اور نہ اس کے ارادوں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے یعنی اس کے ارادوں میں مخل نہیں ہوتیں بلکہ جب کبھی پاک و صاف نفوس (نفوس زکیہ) اپنے حظوظ سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو قلب میں اس سے اور زیادہ انشراح (کشادگی) اور وسعت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح قلب و نفس میں مخالفت کے بجائے موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر ایک دوسرے کے حال پر مہربان ہو جاتا ہے اور باہمی تعاون کا جذبہ قوی ہو جاتا ہے اور ایک کو جب کوئی حصہ ملتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو اس سے زیادہ میسر آئے (زیادہ حصہ ملے) اس طرح جب کبھی قلب اللہ تعالیٰ کے لطف سے بہرہ یاب ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی طمانیت و سکون کا خلعت پہناتا ہے اس صورت میں قلب اور بھی زیادہ اطمینان اس وجہ سے حاصل کرتا ہے کہ نفس کو زیادہ اطمینان حاصل ہو گیا ہے، بقول شاعر:-

اِن السَّماءِ اِذَا الكَتَسَتَ كَسَتَ الشُّعرىٰ
حلا يديحها انعمام الراهم

آسمان پوشاک بدلے تب کہیں..... بدلے زمیں
ابر نے پوشاکیں دونوں کے لئے تیار کیں (شمس)

ایسی صورت میں جب کبھی نفس محظوظ ہوتا ہے تو قلب کو بھی ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جس طرح ایک شفیق شخص اپنے پڑوسی کے آرام سے مسرور ہوتا ہے- میں نے کسی درویش کا یہ قول سنا ہے کہ "نفس قلب سے کہتا ہے اگر تو میرے ساتھ کھانے میں میرا شریک بنے تو نماز میں تیرا شریک بنوں گا مگر ایسے روحانی احوال کمیاب ہیں، سوائے ایک عالم ربانی کے دوسرے میں اس کی صلاحیتیں مفقود ہیں حالانکہ بہت سے اس حالت کے مدعی ہیں لیکن وہ ایسا دعویٰ کر کے خود تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، ایسا ہی شخص نکاح کر کے اپنے احوال سے ترقی کرتا ہے اور اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ بندہ کا علم روحانی جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس میں دوسری اشیاء سے فوائد اخذ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اشیاء اس پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں (نکاح

کر کے وہ روحانی فوائد حاصل کرتا ہے اور نفسانی خواہش اس پر اثر انداز نہیں ہوتی)

بزرگوں کے اقوال:۔ ان کو بیوی کی کس قدر احتیاج ہے

حضرت جنیدؒ کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے کہ مجھے بیوی کی اتنی ہی احتیاج ہے جس قدر مجھے غذا کی ضرورت ہے، کسی عالم نے کسی شخص کو صوفیوں کی برائی کرتے سنا تو پوچھا کہ تمہارے خیال میں ان میں کیا برائی ہے تو اس شخص نے کہا' جناب! یہ لوگ کھاتے بہت ہیں' تو انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی ان کی طرح کھانے لگو اگر تم ان کی طرح بھوکے رہو۔ اس شخص نے کہا دوسری برائی یہ ہے کہ وہ نکاح بہت کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم بھی اتنے ہی باعصمت بن جاؤ جتنے وہ باعصمت ہیں۔ (جتنی وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اگر تم بھی اتنی ہی حفاظت کرو) تو تم بھی اتنی زیادہ شادیاں کرو! پھر اس عالم نے دریافت کیا کہ اور کیا خرابی ہے تو اس نے کہا کہ وہ گانا بہت سنتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ جس طرح (گانا سنتے وقت) ان کی نظر پاک ہوتی ہے اگر تیری بھی نظر ان جیسی ہوتی تو تو بھی ان ہی کی طرح گانا سنتا۔

و کان سفیان بن عیینه یقول' کثرة النساء لیست من الدنیا لان علیا رضی الله عنه کان ازهد اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم و کان له اربع تسوة وسبع عشره سریه
O عوارف 169۔

شیخ سفیان بن عنیئیہؒ فرماتے ہیں کہ بہت سی بیویاں ہونا دنیا داری نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو تمام اصحاب کرام میں سب سے زیادہ زاہد تھے چار بیویاں اور 17 لونڈیاں رکھتے تھے۔

اخبار الانبیاء سے ایک خبر

انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں سے ایک قصہ ہے کہ ایک عابد دنیا سے قطع تعلق کر کے عبادت میں مشغول ہو گیا' اس نے ایسی عبادت کی کہ وہ زہد و عبادت میں دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ گیا ایک بار اس کی عبادت و ریاضت کا ذکر کسی شخص نے اس وقت کے نبی اللہ کے سامنے کیا کہا کہ وہ ایک اچھا انسان ہے مگر اس نے ایک سنت کو چھوڑ دیا ہے' جب عابد کو یہ خبر ہوئی (کہ اللہ کے نبی کا اس کے بارے میں یہ خیال ہے) تو اس کو بہت ملال ہوا اور انس نے کہا کہ جب میں نے ایک سنت کو ترک کر دیا تو پھر اس عبادت سے کیا فائدہ' یہ سوچ کر وہ ان نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حقیقت معاملہ دریافت کی' انہوں نے فرمایا کہ تم نے سنت کو ترک کیا ہے' اس شخص نے کہا کہ میں نے سنت نکاح کو اس لئے ترک نہیں کیا کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا ہوں' بلکہ اس لئے ہے کہ میں ایک فقیر اور نادار شخص ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے (میں اس وجہ سے نکاح نہیں کر سکا) میں خود لوگوں پر بار ہوں کبھی مجھے کوئی کھلاتا ہے اور کبھی کوئی اور! پس مجھے یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوئی کہ میں کسی عورت سے نکاح کروں اور اس کو سختی اور بلا میں پھنسا دوں (جس میں خود میں پھنسا ہوا ہوں) اور خواہ مخواہ اس کو میں تنگ کروں۔ تب ان نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا صرف یہی بات نکاح کرنے سے تم کو مانع ہے؟ اس نے کہا

جی ہاں! انہوں نے فرمایا میں تجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں اور انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح اس پارسا شخص سے کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کہا کرتے تھے کہ میری عمر میں اگر دس دن بھی باقی رہ جائیں تب بھی مجھے یہ بات محبوب و مرغوب ہے کہ میں نکاح کروں اور اللہ تعالیٰ سے مجرد (حالت میں) نہ ملوں! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے وہ سب شادی شدہ تھے کسی ایسے نبی کا ذکر نہیں ہے جو شادی شدہ نہیں تھا۔

کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے محض سنت کی اتباع کے لئے نکاح کر لیا تھا انہوں نے بیوی سے کبھی قربت نہیں کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے تو وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہو گی، یہ بھی کہا گیا کہ شادی شدہ شخص کی ایک رکعت نماز مجرد شخص کی ستر رکعت سے بہتر ہے۔

رسول خداؐ کا ارشاد گرامی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلنِّكَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ فَتَزَوَّ جُوْا فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمْ ٥ (الحدیث)

نکاح میری سنت ہے، پس میری سنت پر جس نے عمل نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں ہے پس تم لوگ نکاح کرو، تاکہ میں تم سے امت کو زیادہ کرنے والا بنوں۔

پس جو شخص ذی مقدرت ہو تو اس کو چاہیے کہ نکاح کرے اور جس کو مقدور نہ ہو اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے اس لئے کہ روزے شہوت کو دور کر دیتے ہیں، شادی شدہ شخص کو چاہیے کہ بیوی کے ساتھ زیادہ اختلاط نہ کرے، زیادہ اختلاط سے پرہیز کرے۔ تاکہ اس کے اوراد و وظائف اور نظم اوقات میں خلل نہ واقع ہو، اس لئے کہ قربت کی افراط سے نفس اور اس کا لشکر قوی ہو جاتا ہے اور مرد کی عبودیت میں فتور واقع ہوتا ہے، شادی شدہ شخص کے لئے بیوی کے باعث دو آفتیں موجود ہیں ایک آفت اس کے عام حال سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری اس کے خاص حال سے۔ عام حال کی آفت تو یہ ہے کہ بیوی کے سبب سے اس کو اسباب معیشت میں زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم زن مرید شخص کی صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل دوزخ میں ڈال دے (بیوی کا مرید یا اس کی خواہشات و فرمائشات پوری کرنے والے شخص سے معصیت کے صدور کا قوی امکان ہے) خبر میں ہے کہ ایک زمانہ لوگوں کے لئے ایسا آئے گا کہ مرد کی موت، اس کی بیوی، اس کے ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں ہو گی، کہ وہ اس کو مفلسی کا طعنہ دے کر شرمائیں گے اور اس کو ایسی چیزوں کی فراہمی کے لئے مجبور کریں گے۔ جس کی اس کو طاقت نہیں ہو گی۔ تب وہ ایسے ٹھکانوں پر پہنچے گا جہاں اس کا ایمان جاتا رہے اور اس طرح وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (ایمان کی ہلاکت صاحب ایمان کی ہلاکت ہے)۔

---

(۱) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیر شادی شدہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے لیکن یہاں مصنف علام کا ارشاد بالعموم ہے بالخصوص نہیں ہے۔ بعض اقوال میں آپ کا شادی شدہ ہونا بھی مذکور ہے اور نزول زمین کے بعد آپ کا شادی کرنا بھی مذکور ہے۔ (۲) یہاں خود مصنف علیہ الرحمۃ کے قول سے تائید ہو گی کہ رفع السماء کے وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح نہیں ہوا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے پاس کچھ لوگ آئے آپ نے ان کی ضیافت کی اس کی وجہ سے آپ باربار گھر میں آتے جاتے رہے' آپ کی بیوی آپ کو برابر ستا رہی تھی اور ان پر زیادتی کر رہی تھی لیکن آپ خاموشی کے ساتھ اس کی یہ سختیاں برداشت کرتے رہے' آپ کے مہمان اس صورت حال سے آگاہ تھے لیکن ادب کے باعث آپ سے دریافت کرتے ڈرتے تھے آپ صورت حال کو سمجھ گئے اور اپنے مہمانوں سے فرمایا کہ تعجب نہ کرو اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ الٰہی جو عذاب مجھ پر آخرت میں کرے وہ دنیا ہی میں مجھے دے دینا اس پر مجھے حکم ہوا کہ اے یونس (علیہ السلام) تیرا عذاب فلاں شخص کی بیٹی ہے' اس سے نکاح کرلے۔ پس میں نے اس سے نکاح کرلیا اب اس کے ہاتھوں مجھ پر جو عذاب ہو رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو لیکن میں اس پر صابر ہوں۔

پس اگر فقیر بیوی کی خاطر مدارات میں حد سے تجاوز کرے گا(اس کے ناز و نخرے اٹھائے گا) تو یقیناً اخراجات میں حد اعتدال سے بڑھ جائے گا اور حد سے زیادہ خرچ کرے گا تاکہ بیوی کی رضامندی اسے حاصل ہو اور وہ اس سے خوش رہے۔ ایسا چاہیے کہ یہ صورتحال اسکے لئے ایک آفت ہے یہ آفت تو اسکی عام حالت سے تعلق رکھتی ہے' بیوی اسکے حال خاص کے لئے بھی آفت ہو گی اور حالت خاص کی آفت کی صورت یہ ہے کہ جب وہ بیوی کے ساتھ کثرت سے اختلاط رکھے گا اور مباشرت میں حد سے تجاوز کرے گا اس صورت میں نفس اعتدال کی قید سے آزاد ہو جائے گا اور جس قدر یہ سلسلہ بڑھے گا اسی قدر وہ خواہشات کا مطیع اور فرماں پذیر بنے گا اس صورت میں اسکے قلب پر سہو اور غفلت طاری ہو جائے گی اور وہ ایسی حالت کو پسند کرنے لگے گا۔ جہاں اسکو سستی اور کاہلی کے مواقع میسر آئیں اس طرح اسکے اوراد میں کمی واقع ہو جائے گی اور واردات قلب میں کمی پیدا ہو گی اور شرائط اعمال میں سستی کرنے سے اسکا حال مکدر ہو جائے گا۔ ان دونوں آفتوں میں موخرالذکر عادت زیادہ شدید ہے اور یہ اہل قرب و حضور کے ساتھ مخصوص ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نفس کے تعلقات (ازدواجی تعلقات) کے مواقع فراہم ہوئے ہیں اور ایسے مواقع کے بکثرت ظہور میں آنے سے (ہر وقت بیوی سے قربت کرنے میں) نفس امارہ قوی ہوتا ہے اور اس میں سرکشی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس کی افسردگی اور فطرت کی نمناکی اور خواہش کی بجھی ہوئی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے (نفس سرکشی اختیار کرکے مباشرت کی لذتوں کے قریب ہو جاتا ہے) اس آفت کا تدارک صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ بیوی کی مجالست اور صحبت میں بھی اس کی باطن کی آنکھیں کھلی رہیں اور وہ ان باطنی آنکھوں سے اپنے مولا کا مشاہدہ کرتا رہے اور ظاہری ارادوں کو وہ بیوی کی ہم نشینی کی خواہش کے پورا کرنے میں مستعد رکھے۔

اِنِّیْ جَعَلْتُکَ فی الفواد محدثی فَالْجِسْمُ مِنَ الْجَلِیْسِ مُوَانِس وَاَبَحْتُ جِسْمِی مَنْ ارادَ جلوسی وَ حَبِیْبُ قَلْبِیْ فِی الْفُوَادِ اَفِلَیْسی

میرے دل کا تو ہم نشین ہو گیا ہے اک یار سے جسم کی دوستی بلا سے! کوئی جسم کا یار ہے مگر یار دل کا مرا یار ہے!

ان آفتوں میں سے دوسری آفت زیادہ طلب و پاکیزہ ہے اور مقابل اس سے خطرہ محسوس کرتا ہے اور وہ آفت یہ ہے کہ

روح کو لطف جمال سے آفت کی طلب ہوئی ہے یعنی روح حسن و جمال کی رعنائی سے اس قدر متاثر ہو جاتی ہے کہ وہ اس ذوق و شوق میں بھی حائل ہو جاتا ہے جس کا تعلق بارگاہ الٰہی سے ہے اس صورت میں یعنی روح کے اس تاثر سے باطنی روح میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر فتوحات کی ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے روح کی اس افسردگی کا شعور بہت مشکل سے ہوتا ہے اس لئے تم کو اس افسردگی روح سے ڈرنا اور بچنا چاہیے۔

مشاہدہ جمال کی لطافت ایک فتنہ بن گئی ہے

مشاہدہ جمال کی لطافت کا فتنہ ایک گروہ میں پھیل چکا ہے (یہ گروہ ان حضرات کا ہے جو حسن مجازی سے مشاہدہ حق کے قائل ہیں) اب اندازہ کرو کہ جب ایک حلال ذریعہ سے (منکوحہ سے محبت اور اس کے حسن سے تاثر قبول کرنے کے باعث) روح میں افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اور عشق حقیقی میں مداخلت کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور روح اس قابل نہیں رہتی کہ وہ محبت الٰہی کے وظائف کے بجاآوری کر سکے تو ذرا اس بارے میں غور و تامل کرو جو غیر شرعی طریقہ سے اس کا دعویٰ کرے (کہ عشق مجازی سے عشق حقیقی کا راستہ مل جاتا ہے) اور وہ سکون نفس کے فریب میں مبتلا ہو گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص یہ خیال کر کے دھوکے میں آجاتا ہے کہ اگر اس کی محبت نفسانی ہوتی تو نفس کو سکون حاصل نہیں ہوتا (یہی سب سے بڑا دھوکا ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر نفس کا سکون عارضی ہوتا ہے دوامی نہیں ہوتا بلکہ وہ روح کے سکون کو سلب کر کے اس طرح اخذ کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ نفس کی ان برائیوں سے میں بچ گیا ہوں۔ جن میں دوسرے لوگ مشاہدہ حسن ظاہری پر مفتون ہو کر مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ خیال کرنا بھی فریب سے خالی نہیں) میں نے اس معاملے میں بہت غور و حوض کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں فسق و فجور کا رنگ موجود ہے یہ تو شہوت کی شراب کا جھاگ اور کف (پھین) ہے، اگر اس میں شراب کا اثر باقی نہ رہے تو یہ جھاگ اور کف بھی باقی نہ رہتا، جس طرح شراب میں سکر و نشہ ہے اسی طرح اس کے کف اور جھاگ میں بھی نشہ ہے، پس اس سے پرہیز کرنا چاہیے (حسن مجازی کو عشق حقیقی کا ذریعہ یا واسطہ نہیں سمجھنا چاہیے) اگر کوئی شخص اس امر (مشاہدہ حسن مجازی) میں حال اور صحبت کا دعویٰ کرے (روحانیت سمجھے) اس کی اس بات کو قبول نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء نے کہا ہے کہ مباشرت اور جماع سے عشق کے ہیجان میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ خواہ وہ عشق محبوب کے علاوہ کسی اور سے ہو، لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس دعوے کی بنیاد شہوت پر مبنی ہے اور جو اس میں روحانیت یا حال کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ یہ تمام آفتیں اور مشکلات تو ان کی ہیں جو متاہل زندگی بسر کر رہے ہیں۔

تجرد کا فتنہ

مجرد شخص کا فتنہ یہ ہے کہ اس کے خیال میں عورت کا تصور پیدا ہو (عورتیں اس کے خیال میں جگہ پالیں) مگر جس مجرد شخص کا باطن پاک ہے وہ ان شہوانی اور نفسانی آفات سے اپنے باطن کو محفوظ رکھنے کے لئے توبہ اور فقراء کی محبت اور قربت

کی پناہ اختیار کرتا ہے اور ان آفات کو دل و دماغ سے ہٹا دیتا ہے' جب اس کی فکر اس قسم کے وسوسے پیدا کرتی ہے اور تصورات ایسے افسانے تراشتے ہیں تو خیال دل سے نکل کر سینے میں پہنچ جاتا ہے' اس صورت میں اعضائے حسی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے' اس وقت اس کو اعضائے احساس کا پورا پورا خوف کرنا چاہیے گویا یہ ایک بالکل پوشیدہ عمل ہے اور اس شخص کے لئے جو مخلص اور حق پرست ہے اور جو بیداری کے عالم میں حضوری (مشاہدہ) کی کوشش کر رہا ہے' بہت برا ہے' عضو کا احساس بھی ایسے شخص کے لئے بہت برا ہے اور ایک عظیم خطرہ ہے' کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ عارفوں کے قلب میں کسی خیال فحش کا گزرنا ایسا ہے جسے عوام سے اس فعل ناروا کا صادر ہونا۔

واللہ اعلم

باب 22

سماع کی فضیلت و قبولیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

اے رسول! میرے ان بندوں کو خوشخبری پہنچا دیجئے جو بات کو سن کر اس کے بہترین کلام کی اتباع کرتے ہیں' یہ وہی لوگ ہیں جن کو (اللہ تعالیٰ) نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشمند ہیں۔ (پارہ 29)

بعض صوفیہ نے اس ارشاد باری کے سلسلہ میں کہا ہے کہ "احسن" کے معنی یہ ہیں کہ زیادہ ہدایت اور رشد پہنچانے والا ہو (زیادہ سے زیادہ راہ راست دکھانے والا.....) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۔ (پارہ 17)

اور جب وہ کلام جو رسول اللہ پر اتارا گیا' سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں کو تم آنسو بہاتا دیکھو گے' کیونکہ ان کو حق بات معلوم ہوئی ہے۔

سماع کی حقیقت

یہ سماع (سننا) جن کا سننا ہے جس کے بارے میں اہل ایمان بھی اختلاف نہیں کرتے (کسی کو اختلاف نہیں ہے) اسکے سننے والوں کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ صاحب عقل اور ہدایت یافتہ ہے یہ وہ سماع ہے کہ اسکی حرارت یقین کی برودت (ٹھنڈک) سے متاثر ہو کر آنکھوں سے اشکباری کا سبب بنتی ہے' کبھی یہ آنسو حزن و ملال کے آنسو ہوتے ہیں کہ حزن و ملال میں حرارت ہے۔ کبھی یہ ذوق و شوق کے آنسو ہوتے ہیں اور شوق بھی (مزاجاً) گرم ہے بس جب ان صفات سے متصف سماع اس صاحب دل پر اثر آفریں ہوتا ہے یقین کی برودت سے مملو اور پر ہے تو اس تصادم سے آنسو ٹپکنے اور بہنے لگتے ہیں (ظاہر ہے کہ حرارت اور برودت کے تصادم سے پانی ٹپکتا ہے) اور جب دل میں سماع کا نزول ہوتا ہے تو وہ نزول دو طرح کا ہوتا ہے' اگر وہ نزول خفیف ہے تو اسکا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ (پارہ 23 سورہ الزمر)

"اس (کلام کے اثر) سے ان لوگوں کی جلدوں کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں"۔

کبھی اس کا نزول عظیم ہوتا ہے اور اس کا اثر دماغ کے اوپر ہوتا ہے اس چیز کے مانند جو عقل کی مخبر ہوتی ہے اس حادث اور نئی چیز کے نزول کے اثر سے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور کبھی اس اثر کا نزول روح پر ہوتا ہے اور اس سے روح میں ایسا تموج اور اہتزاز ہوتا ہے کہ جسمانی قالب کا دروازہ اس کے لئے تنگ ہو جاتا ہے (اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

روح اس دائرہ تنگ سے نکل جائے گی) اور اس میں سمانا مشکل ہو جاتا ہے اس وقت چیخیں نکلنے لگتی ہیں اور ایک ہلچل برپا ہو جاتی ہے' یہ تمام احوالِ ارباب حال میں پائے جاتے ہیں' کبھی کبھار خواہش نفسانی کی شہ پر جھوٹے مدعی اس حالت کی نقل اتارتے ہیں (جھوٹ موٹ اپنے اوپر جد اور حال طاری کرلیتے ہیں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو اکثر ایسا ہوتا کہ آپ نے ایک آیت تلاوت فرمائی تو گریہ در گلو ہو جاتے (آنسوؤں سے ان کا گلا رندھ جاتا) اور اگر وہ کھڑے ہوتے تو گر پڑتے اور پھر یہ حالت ہو جاتی کہ ایک دن یا دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ لوگ آپ کی عیادت کو تشریف لاتے اور یہ سمجھتے کہ آپ بیمار ہو گئے ہیں' پس سماع اللہ تعالیٰ سے جلب رحمتہ کا ذریعہ ہے۔

بعض اور عجیب و غریب روایات

حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآت فرمائی۔ قرآن پاک سن کر تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرام سے فرمایا کہ رقت کے وقت دعا کو غنیمت جانو (جب اس طرح رقت طاری ہو تو دعا مانگا کرو)۔

جناب ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندے کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت اس سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سوکھے درخت سے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندے کے جسم پر اللہ کے خوف سے رونگٹے (بال) کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ اور یہ وہ تمام امور ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

لحن کے ساتھ اشعار کا سننا

البتہ لحن کے ساتھ اشعار سننے میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت اقوال ہیں اور احوال بھی مختلف ہیں' بعض لوگ جو اس کے منکر ہیں وہ اس کو فسق سے تعبیر کرتے ہیں اور جو لوگ اس کے حریص (اور عادی) ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ "حق واضح" ہے (یعنی ایک واضح حقیقت ہے) لیکن یہ دونوں فریق افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ کسی شخص نے ابو الحسن بن سالم رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ سماع کا انکار کس طرح کرتے ہیں جب کہ حضرت جنید بغدادیؒ' حضرت سری سقطیؒ اور حضرت ذوالنون مصری (رحمہم اللہ تعالیٰ) اسے سنا کرتے تھے' انہوں نے جواب دیا کہ میں سماع کا انکار کس طرح کر سکتا ہوں جب کہ اسے اس شخص نے جائز رکھا ہے اور سنا ہے جو مجھ سے بہت بہتر ہے۔ حضرت جعفر طیارؓ بھی سماع سے شغل رکھتے تھے' سماع منکر وہی ہے جس میں لہو و لعب ہو اور یہی قول صحیح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت دو کنیزیں آپ کے سامنے گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ردائے مبارک اوڑھے ہوئے تھے' ان لونڈیوں کو گاتے اور دف بجاتے پاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا' اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا اے ابوبکرؓ ان دونوں کو چھوڑ دو (مت جھڑکو) کہ یہ عید کے دن ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک اور روایت مروی ہے کہ' میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا کہ وہ مجھے اپنی چادر (مبارک) میں چھپائے ہوئے تھے اور میں ان حبشیوں کو دیکھتی رہی جو مسجد میں کھیل رہتے تھے۔ میں اتنی دیر تک یہ تماشہ دیکھتی رہی کہ آخر کار خود اکتا گئی (تھک گئی) حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس کے جواز پر دلیل ہے' اور انہوں نے اس کو بہت سے تابعین اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے' اس سلسلہ میں ان کا قول معتبر ہے کہ وہ وفور علم' کمال حال' زہد و ذرع' تقویٰ اور تجربہ سے متصف اور احوال سلف سے آگاہ تھے' زیادہ صحیح اور درست فیصلہ کرسکتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ سماع حرام بھی ہے اور حلال بھی! جس نے اسے نفس کی تحریک اور شہوت اور ہوا و ہوس سے سنا وہ حرام ہے اور جس نے اس کو معقولیت اور مباح طریقہ پر اپنی کنیز یا بیوی سے سنا اس کی صورت مشتبہ ہے کیونکہ بہرحال اس میں لہو کا عنصر موجود ہے اور جس نے اس کو قلب کی توجہ سے سنا اور اس میں ایسے معانی کا مشاہدہ کیا جو اس کے لئے دلیل راہ ہیں (یعنی رہبر اصلی کے راستے پر لگا دے) تو ایسا سماع مباح ہے (یہ قول شیخ ابو طالب مکیؒ کا ہے اور یہی صحیح ہے)۔

لیکن اس قول کو مطلقاً سماع کی تحریم اور اس کی ممانعت پر دلیل نہیں بنا سکتے جس طرح قاری' زاہد بنے ہوئے لوگ اور اس کی حرمت میں مبالغہ کرنے والوں کا وطیرہ اور طریقہ ہے (کہ وہ سماع کو مطلقاً حرام کہتے ہیں) اور نہ اس کے برعکس مطلقاً اس کو مباح کہا جا سکتا ہے جس طرح لہو و لعب کے رسیا اور اس کو شہرت دینے والے اور اس کی اباحت پر اصرار کرنے والے (کہ بعض شرائط و آداب کے ساتھ سماع مباح ہے) کہتے ہیں۔

سماع کے سلسلہ میں قول فیصل

اب میں تفصیل کے ساتھ اس کی حرمت و اباحت پر بحث کرتا ہوں اور تحریم و حلت کے ساتھ اس کی ماہیت اور حقیقت کو پیش کروں گا (اور بتاؤں گا کہ حلال کس صورت اور ماہیت میں ہے او حرام کس صورت میں ہے)۔

دف اور شبابہ (ربانہ ایک قسم کا ساز) کا جہاں تک تعلق ہے تو شافعی مذہب میں اسکی کافی گنجائش ہے (شافعی مذہب میں اسکی ممانعت نہیں) لیکن احتیاط ان سے پرہیز کرنا بہتر ہے' تاکہ اختلافی مسائل معرض بحث میں نہ آئیں' ہاں اگر جنت' دوزخ آخرت کا شوق وذوق اور خداوند قدوس کی حمد وثنا' عبادتوں کا ذکر' خیرات کی ترغیب پر مشتمل اشعار پڑھے جائیں تو انکار کی

مطلقاً گنجائش نہیں ہے' اسی ذیل میں وہ قصائد اور نظمیں بھی شامل ہیں جو حاجیوں اور مجاہدوں کے لئے لکھے جائیں جن میں جہاد اور حج کی خوبیاں بیان کی گئی ہوں جن کا ایسا اثر مرتب ہو سکے جو جہاد کے عزم میں حرکت پیدا کرے اور حج کے شوق کو بڑھائے!

البتہ ایسے اشعار جن میں محبوب کے خدوخال' قدوقامت کا ذکر ہو یا عورتوں کے حسن جمال کی تعریف ہو' جن محفلوں میں پڑھے جائیں ایسی محفلوں میں دیانتدار اور دیندار لوگوں کا گزر بھی نہیں ہونا چاہیے یا ایسی محفلیں قائم کرنا انکے نمایان شان نہیں ہے۔ ہاں اگر اشعار ایسے ہوں جن میں جوانی اور وصل' اغراض اور آرزوؤں کا بیان ایسے رموز اور کنایات کے ساتھ ہو جنکو حق تعالیٰ کی ذات پر محمول کرنا دشوار نہ ہو (اشارے اور کنائے کے ساتھ حمد و ثنا بیان کی گئی ہو) یا ان اشعار میں مریدوں کے احوال کی چکونگی' طالبین حقیقت پر آفات کا نزول' ایسے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی انکو سنے تو اپنے کئے پر نادم ہو یا کسی ارادے اور عزم کی اس میں تجدید ہوتی ہو تو اس قسم کے سماع سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ کہا جاتا ہے کہ بعض ارباب وجد کی غذا صرف سماع ہے اور وہ لوگ اسی سماع کے ذریعے مدارج قرب و وصال کو طے کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ ان میں ایسا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ فقر و فاقہ (بھوک) کی سوزش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک صاحب حال ایک شعر سنتا ہے اور اس کو حضور قلب میسر ہوتا ہے تو اس وقت اس کی کیفیت اور حالت یہ ہوتی ہے کہ جیسے اس نے یہ شعر کسی حدی خواں سے سنا ہے اس نے اس کی آتش شوق کو بھڑکا دیا ہے۔ مثلاً:۔

اَتُوْبُ اِلَیْکَ یَا رَحْمٰنُ اِنِّیْ ۔ اَسَاتُ وَ قَدْ تَضَاعَفَتُ الذُّنُوْبُ

الٰہی توبہ کرتا ہوں میں تجھ سے کہ ہیں حد سے فزوں میری خطائیں

فَاَمَّا مِنْ هَوٰی لَیْلٰی وَ حَبِیْبِیْ زیارتها فَاِنِّیْ لَا اَتُوْبُ

نہیں ہوں عشق لیلیٰ سے میں تائب ملاقاتوں کی ہیں ہر وقت گھاتیں۔

اس طرح امر حق پر قائم رہنے کے لئے ان کی قوت ارادی میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں ایک نیا عزم پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے سماع کے اثر سے وہ ذکر حق میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

حالت وجد کی شناخت

ہمارے بعض احباب کا بیان ہے کہ ہم اپنے دوستوں کے وجد کی حالت کا اندازہ تین چیزوں میں کر لیا کرتے تھے۔ اول سوال کے وقت' دوم غصہ کے وقت' سوم سماع کے وقت' حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس گروہ (صوفیہ) پر تین موقعوں پر خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اول' کھانے کے وقت کیونکہ وہ فاقہ کشی (کی صعوبت برداشت کرنے) کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ دوم جب باہم مل کر ذکر الٰہی کرتے ہیں' اس لئے کہ وہ اس وقت احوال صدیقین اور احوال انبیاء میں کلام کرتے ہیں' سوم سماع کے وقت' اس لئے کہ اس وقت وہ اس کو روحانی کیفیتوں کے ساتھ سنتے ہیں اور باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں (یہی تین مقامات ان پر نزول رحمت کے ہیں)۔

حضرت ادہم کا جواب وجد کے بارے میں

کسی نے حضرت ادہمؒ سے سماع کے وقت صوفیہ کے وجد کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ان باتوں سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب وہ ان معانی سے سرور حاصل کرتے ہیں تو اس وقت وہ معانی ان کو اشارہ کرکے اپنی طرف بلاتے ہیں اسی حال میں اچانک ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے اور وہ اس مسرت و فرح کے بجائے نالہ و بکا میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر اس وقت یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی (اس غم سے) کپڑے پھاڑتا ہے' کوئی روتا ہے اور کوئی چیختا ہے۔

ابو ذرعہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مشائخ کے واسطوں سے محمد بن سلیمانؒ کا یہ قول سنا ہے کہ سماع کا سامع حجاب اور تجلی (مشاہدہ) کے بین بین ہوتا ہے' حجاب سے اس کے اندر سوز پیدا ہوتا ہے اور تجلی سے مزید نور پیدا ہوتا ہے۔ حجاب سے مریدیں کے حرکات پیدا ہوتے ہیں اور یہ ضعف و عجز کا محل و مقام ہے اور تجلی سے واصلین (حق) کو سکون حاصل ہوتا ہے اور یہ مقام اور درجہ ان لوگوں کا ہے جن کو (اس راہ میں) تمکین و استقامت حاصل ہے' اسی طرح یہ محل حضوری بھی ہے کہ اس مقام پر سوائے اس کے کہ صاحب حال ہیبت کے مقامات کے باعث صدمہ پر صدمہ اٹھاتا ہے۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کا ارشاد

شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے جد محترم سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ مستمع (صاحب سماع) کو چاہیے کہ وہ دل (کے کانوں) سے سنے اور نفس اس کا مردہ ہو (دل زندہ اور نفس مردہ ہو تب سنے) اس شخص کے لئے جس کا دل مردہ ہے اور نفس زندہ ہے' سماع جائز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَایَشَاءُ) "وہ مخلوق میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے"۔ کی تفسیر یہ ہے کہ اس اضافہ میں اچھی آواز بھی شامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَللّٰہُ اَشَدُّ اُذُنًا بِالرَّجُلِ الحَسَنِ الصَّوتِ بالقرآن مِن صَاحِبِ قنیة الی قنیة۔

اللہ تعالیٰ خوش الحان شخص کی تلاوت قرآن کو اس شخص سے زیادہ متوجہ ہو کر سنتا ہے جو اپنی مطربہ کنیز کے گانے کو کان لگا کر سنتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا' میں نے اس سے کہا کہ تو ہمارے دوستوں پر کس چیز سے غالب آتا ہے یا ان سے کوئی چیز حاصل کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ان پر غالب آنا اور قابو پانا دشوار ہے اور ان سے کچھ حاصل کرنا بہت مشکل ہے سوائے دو موقعوں کے! میں نے کہا کہ وہ دو وقت یا دو موقعے کونسے ہیں؟ تو اس نے کہا ایک تو سماع کے وقت اور دوسرے دیکھتے وقت کہ میں اس وقت ان سے کچھ چرا لیتا ہوں اور اس سے میں ان پر قابو پالیتا ہوں"۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے ایک شیخ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں یہ خواب دیکھتا تو اس سے کہتا اے احمق (شیطان) کیا تو ان لوگوں کے حقیقی سماع اور حقیقی نظر سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے یا کچھ حاصل کر سکتا ہے' یہ جواب سن کر میں

نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا! (حقیقی سماع اور حقیقی نظر شیطان کے غلبہ سے محفوظ ہے)۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کا گانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ "میرے پاس ایک کنیز تھی جو مجھے کچھ گانا سنا رہی تھی اسی اثنا میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ کنیز بدستور گاتی رہی' پھر حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آئے تو وہ کنیز ان کو دیکھ کر بھاگ گئی اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے کس بات پر تبسم فرمایا -- ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کنیز کے گانے کا واقعہ بتایا! (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک میں وہ نہ سن لوں جو کچھ اللہ کے رسول نے سماعت فرمایا ہے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کو حکم دیا اس نے وہی گانا سنایا"۔

شیخ ابو طالب مکی کا ارشاد

شیخ ابو طالب مکی سے روایت ہے کہ شیخ عطاؒ کے پاس دو خوش گلو لونڈیاں تھیں جو گانا سنایا کرتی تھیں' ان کنیزوں کے بھائی ان کے پاس آتے تھے (اور گانا سنتے تھے) شیخ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو مروان سے ملاقات کی' ان کے یہاں بھی متعدد کنیزیں تھیں جو گانا گایا کرتی تھیں جو صوفیہ کے لئے جمع کی گئی تھیں (کہ وہ صوفیائے کرام کو گانا سنائیں) یہ قول جو میں نے نقل کیا ہے ابو طالب مکی کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس سے اجتناب اور پرہیز زیادہ بہتر ہے' سماع اسی وقت قبول کیا جا سکتا ہے (مناسب ہے) جب کہ پاک ہو اور آنکھیں بند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اس شرط کو پورا کیا جائے کہ (یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور) اللہ تعالیٰ آنکھوں کی بددیانتی سے اور دلوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے' اس سے آگاہ ہے"۔ (یعنی دل پاک ہو اور آنکھ خیانت نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ پوشیدہ نہیں ہے) میں کہتا ہوں (شیخ سہروردی) کہ شیخ ابو طالب مکی کا یہ قول عجیب و غریب ہے۔ بہرحال اس جیسے امر سے بچنا اور پاک رہنا ہی صحیح ہے۔

حدیث شریف میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عمدہ آواز کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ اپنے نفس پر جب نوحہ کرتے اور زبور کی تلاوت فرماتے تو ان کی اچھی آواز سننے کے لئے انسان' جنات اور پرندے تک جمع ہو جاتے اور اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ان کی ایسی مجلس سے ہزاروں جنازے اٹھائے جاتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی (عمدہ آواز کی) تعریف میں فرمایا ہے کہ "انہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے سازوں[1] میں سے ایک ساز عطا کیا گیا ہے۔

شعر کی حقیقت اور شعر خوانی

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے: "شعر میں بھی بیشک حکمت ہے (دانائی کی باتیں ہیں)

---

(1) مزامیر۔ دف و چنگ' مزار اس کا واحد ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس وقت کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے اور کچھ اشعار پڑھنے میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے عرض کیا کہ قرآن (بھی پڑھا جا رہا ہے) اور شعر (خوانی بھی ہو رہی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "کبھی یہ چیز (ہوتی ہے) اور کبھی وہ (چیز ہوتی ہے)

ایک بار نابغہ (مشہور شاعر عرب) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ اشعار پڑھے کہ

وَلَا خَيْرَ فِيْ حُكْمٍ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ بَوَادِرُ تَحْمِيْ صَفْوَهٗ اَنْ يُكَدَّرَا

کس کام کی وہ عقل میسر نہ ہو جسے ایسے اصول، کھوٹے کھرے کو پرکھ سکے

وَلَا خَيْرَ فِيْ اَمْرٍ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَلِيْمٌ اِذَا مَا اَوْرَدَ الْاَمْرَ اَصْدَرَا

ایسے ہی کامیاب نہیں ہے وہ شخص بھی ذی ہوش و حکم فرما نہ رہبر جسے ملے

نابغہ کے یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو لیلیٰ اللہ تمہارا منہ نہ بند فرمائے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے نابغہ تقریباً سو سال تک زندہ رہے اور ان کے اگلے دانت لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے (ان کے اگلے دانت اتنی طویل عمر کے بعد بھی نہیں گرے اور ان کا منہ بند نہیں ہوا) اس طرح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر آپ (حضرت حسان) ان لوگوں کی ہجو میں اشعار پڑھا کرتے تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا میں نازیبا باتیں کہتے تھے۔ ایسے موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، روح القدس (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اس وقت تک حسانؓ کے ساتھ ہیں جب تک وہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت کرتے رہیں گے۔

حضرت ابو العباس خضرؒ کا واقعہ

کسی صالح شخص نے حضرت ابو العباس خضرؒ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کا سماع کے بارے میں کیا خیال ہے کہ ہم لوگوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہے تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ سماع ایک صاف و شفاف پانی ہے اس پر سوائے علماء کے اور کسی کے قدم نہیں ٹھہر سکتے۔ حضرت شاد النوریؒ کا ارشاد ہے کہ "میں خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا پس میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا آپ اس سماع سے انکار فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، اے ابو علی تم ان باتوں کو برداشت کرو کہ وہ تمہارے دوست اور اصحاب ہی تو ہیں! اس واقعہ کے بعد ہمیشہ شاد النوریؒ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے کنیت (ابو علی) عطا فرمائی ہے۔

صورت انکار

انکار کی صورت یہ ہے کہ تم ان مریدوں کو جنہوں نے طریقت باطنی میں قدم رکھا ہے اور اس کی ابتدا کی ہے اور ان کے نفوس نے صدق مجاہدہ کی مشق بہم نہیں پہنچائی ہے جس کے باعث ان پر صفات نفس اور احوال قلب بخوبی ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اس ابتدائے حال میں ان کی حرکات میں ضبط و نظم پیدا نہیں ہوتا اور حرکات کا یہ ضبط و نظم علم (طریقت) کے قانون ہی

کے ذریعے سے ہو سکتا ہے' ان مریدوں کو اسی وقت (جب قانون علم کے ذریعہ کی ان حرکات میں انضباط پیدا ہو جائے)۔ معلوم ہو سکتا ہے اور وہ اپنے مشاغل میں اچھائی برائی کو سمجھ سکتے ہیں (پس ابتدائے حال میں مریدوں سے ایسی حرکات ظہور میں آجاتی ہیں جو سماع کے لئے انکار کی صورت پیدا کر دیتی ہیں)۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا ایک واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب وہ بغداد تشریف لائے تو ان کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا ان لوگوں نے حضرت ذوالنونؒ سے اجازت طلب کی کہ وہ قوال کچھ آپ کو سنائے! آپ نے اجازت دے دی تو قوال نے یہ اشعار پیش کئے:۔

صَغِیْرٌ هَوَاكَ عَذَّبَنِی فَكَیْفَ بِهٖ اِذَا احْتَكَا
کم ہے تو اس پہ بھی یہ محبت عذاب ہے کیا حال ہو اگر یہ اپنے کمال میں
وَ اَنْتَ جَمَعْتَ مِنْ قَلْبِیْ هَوَیً قَدْ كَانَ مُشْتَرَكًا
ذرے جو منتشر تھے محبت کے ہر طرف سب جمع کر دیئے ہیں دل پر ملال میں
اَمَاتَرْثِیْ لَمُكْتَئِبٍ اِذَا ضَحِكَ الْخَلِیُّ بُكٰی
آتا نہیں ترس تجھے اس غمزدہ پہ حیف گریہ کناں ہے تیری ہنسی کے خیال میں

یہ اشعار سن کر ذوالنونؒ پر کیف طاری ہو گیا اور وہ جوش میں کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے اور ان کی پیشانی پر خون بہنے لگا لیکن یہ زمین پر نہیں ٹپک رہا تھا' ذوالنونؒ کا یہ وجد دیکھ کر حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا تاکہ وہ بھی وجد کرے حضرت ذوالنونؒ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے شخص اس ذات سے ڈر اور اس کا خوف کر جو تجھے دیکھتا ہے جب کہ تو کھڑا ہوتا ہے یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا کہ اس کا اس طرح بیٹھنا اس کی صداقت حال اور علم کی وجہ سے تھا اس لئے کہ وہ شخص کامل حال نہیں تھا اور وجد کے لئے کھڑے ہونے کے قابل اور اس کا اہل نہیں تھا۔

بس اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سماع کی محفل میں کوئی شخص وجد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جو اس کے راز سے آگاہ نہیں اور حقیقت سے بے خبر ہے اس کا اس طرح کھڑا ہو جانا اس سبب سے ہوتا ہے کہ جب وہ ایک موزوں اور مناسب راگ لحن کے ساتھ سنتا ہے اور نفس کا حجاب جو انبساط و نشاط (نغمہ) کے باعث لہراتا ہے دل کے چہرے پر پڑ جاتا ہے اور اس کا خوف اور طبع کی دہشت کم ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک اور ذہنیت کے ساتھ رقص شروع کر دیتا ہے لیکن یہ تصنع سے خالی نہیں ہوتا اور ایسا وجد اہل حق کے نزدیک حرام ہے کہ ایسا رقص کرنے والا محض اپنے گمان سے یہ قیاس کرتا ہے کہ یہ رقص نشاط قلب ہے لیکن اس کا یہ انبساط قلب اللہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا قلب نفس کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے جو نفسانیت کی طرف مائل اور ہلاکت قلب کے موافق ہے (ہلاکت قلب کا ذریعہ ہے) اس لئے کہ اس نے اب تک وجہ قلب اور محض اللہ کے لئے انبساط کا مشاہدہ ہی نہیں کیا ہے۔ ایسے شخص کو ان حرکات رقص سے نہ حسن نیت کی طرف راستہ ملتا ہے اور نہ ارادت کی

صحت کی شناخت ہو پاتی ہے' چنانچہ ایسے ہی رقص کے لئے کہا گیا ہے اَلرَّقْصُ نَقْصٌ (رقص ایک زیاں ہے) اس لئے کہ وہ طبعیت سے ظہور میں آیا ہے (اہتزار روح و قلب سے نہیں) اور نیت صالح کا اس میں دخل نہیں ہے' خاص طور پر جب کہ اس کا حرکات رقص میں نفاق صریح اور دو رنگی کی آمیزش ہو تا کہ حاضرین مجلس کا دل بہلایا جائے اور نیک نیتی کے بغیر وہ رقص کی حرکات میں (اپنی نشاط نفس سے مغلوب ہو کر) کبھی معانقہ کرتا ہے کبھی دست بوسی کرتا ہے اور کبھی پابوسی کرنے لگتا ہے ارباب تصوف ان حرکات کا قابل اعتبار نہیں سمجھتے' ایسے شخص کا سوائے لباس اور ظاہری صورت کے اور کوئی تعلق نہیں ہے (یعنی محض صوفیوں کی صورت بنالی ہے اور ان جیسا لباس پہن لیا ہے)۔

امرد قوال کے فتنے

اگر قوال یعنی ایسا نوجوان ہے جو بے ریش و برودت ہے' ایسا قوال نفس کے لئے جاذب توجہ بنجاتا ہے (لوگ اس کی صورت سے متاثر ہونے لگتے ہیں) اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور باطن میں برے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور اگر کہیں عورتیں بھی اس مجلس کے قریب ہوں اور ان کی توجہ اس طرف ہو تو ایسے موقع پر وہ لوگ جن کا باطن نفسانی خواہشات سے پر ہے رقص کی حرکات اور وجد کے ذریعے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر فسق ہے' جس کی حرمت پر اجماع ہے یعنی بالاجماع حرام ہے' ان لوگوں سے جو اس قسم کی حرکات سے اپنا خمیر گندہ کرتے ہیں اہل مواخیر (بازاری لوگ) زیادہ بہتر ہیں کہ ان کا فسق و فجور سب پر عیاں ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں کھلم کھلا کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنی ان بدکاریوں کو ناواقفوں کے سامنے عبادت ظاہر کرتے ہیں۔ یہ قبیح حرکات ایسی ہیں کہ کوئی دیانتدار شخص ان کو گوارا نہیں کر سکتا! انہی برائیوں کے باعث تو منکرین سماع کو انکار کا موقع ملا ہے اور اس صورت میں وہ معذور بھی ہیں۔ (واقعی ان انکار درست بھی ہے) کہ ایسی حرکات قابل نفرت ہیں سوائے تضیع اوقات اور کیا ہے؟ اگر کوئی منکر سماع کسی نو آموز سالک کے سامنے ایسی حرکتوں کو پیش کرکے انکار سماع کی دلیل بنائے تو ایسی مجلسوں اور صحبتوں سے وہ نو آموز مرید رک جاتا ہے اور پرہیز کرتا ہے تو ایسا انکار صحیح ہے۔

صادقین کا رقص

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض صادیقین (سچے درویش) وجد و حال کا اظہار کئے بغیر رقص کرنے لگتے ہیں اور اس میں ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بعض فقراء سے حرکات رقص میں موافقت کریں۔ پس وہ موزوں حرکات کے ساتھ رقص شروع کر دیتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ وجد و حال کا دعویدار ہو۔ لیکن ان کی یہ حرکات بھی لغو ہی شمار کی جاتی ہیں' اگرچہ شرعی نقطہ نظر سے یہ حرام نہیں ہیں لیکن یہ روحانیت کی رو سے جائز نہیں ہیں کہ ان میں ایک گونہ لہو و لعب موجود ہے۔ البتہ ان حرکات کو مباح کاموں میں شمار کیا جا سکتا ہے جیسے اہل و عیال سے جنسی دل لگی ان کے ساتھ ملاعبت (کھیل کود) اور یہ تمام باتیں ترویح قلب (دل لگی) میں داخل ہیں اور ان میں سے بعض حسن نیت کے باعث عبادت بھی کہی جا سکتی ہیں بشرطیکہ نفس کی تکان دور کرنے کے لئے ہو جیسا کہ حضرت ابو الدرداءؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں باطل شے سے اپنے نفس کی تکان کو دور کرتا

ہوں تاکہ یہ میرے حق کے لئے مددگار ثابت ہو یہی وجہ ہے کہ آرام کی غرض سے بعض مخصوص اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ قرار دیا گیا ہے تاکہ اللہ والے (کچھ دیر) آرام کر سکیں اور ترک عمل (عبادات) سے نفس کی بعض ضروریات پوری ہوں اور اس مہلت سے اس کو انبساط حاصل ہو۔

انسان اپنی خلقت میں مختلف اجزا (اربعہ عناصر) سے مرکب ہے اور اپنی تخلیق کے اعتبار سے گوناگوں ہے (اس کی تشریح ہم کسی جگہ پہلے کر چکے ہیں) پس اس کے قوائے جسمانی محض حق پر صبر نہیں کر سکتے تو اس قسم کی تفریح مباح کاموں میں بھی مشغول رکھا جاتا ہے جن کی طرف اس کا رجحان ہو تاکہ امور حق کی ادائیگی کے لئے وہ مستعد ہو سکے۔ مباح شریعت میں باطل نہیں ہے اس لئے کہ مباح کی تعریف یہ ہے کہ اس کے اطراف برابر ہوں یعنی دونوں جانب اعتدال ہو (عمل اور عدم عمل برابر ہو) لیکن یہ احوال (طریقت) کی نسبت سے باطل ہے یعنی روحانی نقطہ نگاہ سے باطل ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ

میں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا یہ قول صادق کی تعریف میں پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا جہل اس کے علم کی افزونی کا موجب ہو اور اس کا ہر باطل اس کے حق کے ازدیاد کا سبب اور اس کی دنیا اس کی آخرت کے اضافہ کا موجب ہو۔ اسی واسطے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتیں مرغوب تھیں تاکہ یہ امر آپ کے نفس شریعت کے خط اور اس کی طہارت و تقدیس کا سبب بن جائے، اسی لئے ان خطوط کے باعث ان (امہات المومنین) کے حقوق بھی آپ کے لئے زیادہ ہو گئے تھے، اسی وجہ سے وہ مباح امور جو دوسروں کے لئے شرعاً جائز تھے اور طریقت و حال میں جن کو پسند کیا گیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں از قسم عبادات تھے، جیسا کہ نکاح کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ ایک قسم کی عبادت ہے، اسی وجہ سے نکاح کو از روئے قیاس دین و دنیا کی مصلحتوں پر محمول کیا گیا ہے، فقہاء نے اس کی طویل شرح ترک نوافل نفلی کے سلسلہ میں کی ہے (جیسا کہ اس سے قبل اس بارے میں کہا جا چکا ہے)۔

اس اصول مذکورہ کے تحت رقص کرنے والا درویش جو روحانی وجد اور حال کا مدعی نہیں ہے، وہ منکر کے انکار سے خارج ہے (اس سماع سے خارج ہے جس کا لوگ انکار کرتے ہیں) لہٰذا ایسا رقص نہ اس درویش کے لئے مفید ہے اور نہ اس کے لئے مضر ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حسن نیت کے باعث ایسا تفریح کام عبادت بن جاتا ہے خصوصاً جب کہ فاعل کے نفس میں اس تفریح سے مقصود الطاف الٰہی پر نظر رکھنا ہو، یعنی تفریح امور میں الطاف الٰہی کی یاد کرے اور خیال کرے کہ ان امور میں بھی رحمت الٰہی اس کے شامل حال ہے، لیکن ایسا رقص شیوخ (طریقت) کے شایان شان نہیں ہے اور نہ ان کی اقتداء کرنے والے حضرات کے لئے زیبا ہے کیونکہ اس میں بھی لہو و لعب کا ایک پہلو موجود ہے یا وہ لہو و لعب سے مشابہ ہے اور ظاہر ہے کہ لہو و لعب ان کے منصب بلند کے شایان نہیں ہے اور اس قسم کی بات صاحب تمکین کے حال کے خلاف ہے!

مطلق سماع کا انکار نہیں کرنا چاہیے

سماع کا مطلقاً انکار ممنوع ہے کیونکہ بغیر کسی صراحت کے سماع کا انکار ان تین حال سے خالی نہیں ہوگا اول یہ کہ منکر سماع

یا تو سنن و اخبار سے واقف نہیں ہے یا وہ اپنے نیک کاموں پر مغرور ہے یا وہ ایسا مردہ دل اور بد ذوق ہے کہ اپنی مردہ دلی اور بد مذاقی کی وجہ سے اس کا انکار کر رہا ہے۔ اب ہم ان تینوں باتوں کا (یعنی وجوہ انکار) کا ایک ایک کرکے جواب دیتے ہیں۔

اگر پہلی صورت ہے یعنی وہ آثار و اخبار سے ناواقف ہے تو اس کو وہ حدیث پڑھنا چاہیے جو ہم اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی پیش کر چکے ہیں اور دیگر آثار و اخبار جو اس سلسلہ میں موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو رقص کرنے کی اجازت دی تھی، جیسے مسجد نبوی میں حبشی کا رقص کرنا اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رقص کا دیکھنا! لیکن یہ اسی وقت ہے کہ رقص کرنے والے کی حرکات اور اس کی جنبش ان مکروہات سے پاک ہو جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انت منی وانا منك (تم مجھ سے ہو اور میں تم سے) تو یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اچھلے اور کودے! اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے جب فرمایا کہ تم مجھ سے خَلق اور خُلق میں مشابہ ہو تو وہ بھی کمال مسرت سے اچھلے اور خوب کودے! نیز آپ ﷺ نے حضرت زید (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا "اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا" (تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولا ہو) تو وہ بھی خوشی سے اچھلنے لگے۔ اسی طرح حضرت جعفرؓ حضرت حمزہؓ کی بیٹی کے قضیہ میں اپنے حق میں فیصلہ ہونے پر خوشی سے اچھلے تھے اس قضیہ میں حضرت علی اور حضرت جعفر اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نزاع واقع ہوا[1] تھا۔

دوسری صورت اور وجہ انکار یہ کہ منکر کو اپنے نیک کاموں پر فخر و غرور ہے (اس لئے وہ سماع کا منکر ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ تسلیم ہے کہ تم اپنی عبادات کے باعث مقرب بارگاہ الٰہی ہو تو ذرا غور کرو کہ یہ درجہ تم کو اس لئے حاصل ہوا کہ تمہارے اعضا عبادات میں مشغول رہے اور اگر تمہارے دل کی یہ نیت نیک نہ ہوتی تو تمہارے جوارح یعنی ہاتھ پاؤں کے اس عمل (وجد) کی بھی قدر نہ ہوتی اس لئے کہ تمام اعمال نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ (انما الاعمال بالنیات) ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی ہے یعنی عمل کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اسی نیک نیتی کی بنا پر تم اللہ تعالیٰ کی طرف امید و بیم سے دیکھتے ہو بس اسی طرح جب کوئی صوفی یا درویش شعر سنتا ہے تو وہ اس شعر کے مفہوم پر غور کرکے اپنے پروردگار کی طرف شادی یا غم، عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ دیکھتا ہے اسی تاثر سے اس کا دل خدا کے ذکر سے بے چین ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب درویش (صوفی) کسی پرندے کی آواز سنتا ہے اور وہ دل کش آواز اس کو پسند آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور قدرت پر غور کرنے لگتا ہے کہ معبود برحق نے اس پرندے کا گلا کتنا اچھا بنایا ہے اور اس کو کس طرح آواز (حلق) پر قابو دیا ہے اور کس طرح یہ اچھی آواز اس کے حلق سے نکل رہی ہے اور کانوں تک پہنچ رہی ہے بس اسی فکر میں خداوند

---

(1) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی کی پرورش یہ تینوں اصحاب چاہتے تھے اور ہر ایک ان میں سے خواہاں تھا چونکہ حضرت جعفر کی بیوی بچی کی خالہ تھیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے لہٰذا بچی حضرت جعفرؓ کے سپرد کر دی گئی۔

قدوس کی تسبیح اور اس کے ذکر میں معروف ہو جاتا ہے اسی طرح جب وہ کسی (خوش گلو) شخص کی آواز سنتا ہے تو اس وقت اسی قسم کے تصورات اور خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اس وقت اس کا دل ذکر حق میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس صورت میں سماع کی خوبیوں سے کس طرح انکار کیا جاتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک نیک اور صالح شخص کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا وہ سمندر کے کنارے جدہ کی ایک مسجد میں معتکف تھے ایک روز میں نے اس مسجد کے ایک گوشہ میں لوگوں کو شعر خوانی میں معروف پایا' ان کی یہ شعر خوانی مجھے بہت ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اللہ کے گھر میں شعر خوانی کر رہے ہیں اس روز رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی گوشہ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے ہیں اور وہ کچھ اشعار پڑھ رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم توجہ سے ان اشعار کو سن رہے تھے اور اپنا دست مبارک سینہ اقدس پر اس طرح رکھے ہوئے تھے جیسے کوئی وجد کی حالت میں ہو۔ یہ دیکھ کر میں نے اسی عالم میں اپنے دل میں کہا کہ مجھے ان لوگوں کو برا نہیں سمجھنا چاہیے تھا جو (دن کے وقت گوشہ مسجد میں) شعر سن رہے تھے جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اشعار پڑھ رہے ہوں اور حضور والا مرتبت سماعت فرما رہے ہوں۔ اسی عالم رویا میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سماعت فرما کر ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ "حق باحق" یا "حق از حق" ہے۔

سماع کس صورت میں منع ہے

ہاں جس وقت یہ آواز (گانا) امرد کی ہو کہ اس کو دیکھ کر فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہو یا کسی غیر محرم عورت کی آواز ہو اور اس کی آواز سے بھی ذکر و فکر کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہو جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ تو اس صورت میں بھی اس اندیشہ کی وجہ سے کہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا امکان ہے' ایسا سماع حرام ہو گا۔ اس حرمت میں آواز کا دخل نہیں ہے بلکہ فتنہ پیدا ہونے کے اندیشہ کی بنا پر حرام کہا جائے گا کہ ہر حرام یا ہر ایک حرمت کے لئے ایک حد معین ہے جہاں پر بربنائے حکمت حرمت کا خط کھینچ دیا جاتا ہے' جس طرح نوجوان روزہ دار کے لئے روزہ کی حالت میں بوسہ لینا منع ہے کہ وہ حرام مباشرت کی چہار دیواری یا اس کے لئے حریم ہے (بوسہ سے مباشرت کو تحریک پہنچتی ہے اور روزے میں مباشرت حرام ہے) اسی طرح تنہائی میں نامحرم عورت سے ملنا بھی منع ہے۔ (کہ اس میں بھی اندیشہ ہوتا ہے) بالکل اسی طرح بعض خاص مصلحتوں کی بنا پر سماع سے بھی روکا جاتا ہے یعنی جب کہ یہ یقین ہو کہ سامع پر سماع کا برا اثر مرتب ہو گا (اس کے حیوانی جذبات کو تحریک ہو گی) ایسی صورت میں اس کو سماع سے روک دینا گویا فعل حرام سے روک دینا ہے۔

سماع کے منکر کے جذبات مردہ

کبھی کبھار سماع کا انکار ایسا شخص بھی کرتا ہے جس کا دل مردہ ہے اور اس کی طبیعت جامد ہے یعنی اس میں رونق، سماع ہی

نہیں تو اس وقت کہا جائے گا کہ وہ اس نامرد شخص کی طرح ہے جو لذت جماع سے نا آشنا ہے گویا وہ ایک نابینا ہے جو حسن و جمال کی رعنائیوں سے بیگانہ محض ہے اور جو شخص نا آشنائے رنج و غم ہے وہ رنج غم اور استرجاع (انا اللّٰہ و انا الیہ راجعون) کو کیا جانے!

جب یہ صورت حال ہے تو اس سے پوچھنا چاہیے کہ پھر بھلا تو اس عاشق صادق کی محبت کا کیوں منکر ہے جس کا باطن محبت اور شوق محبوب میں پرورش پا رہا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کی روح قفس عنصری کے تنگ مجبس میں محبوس ہے اور اس آزاد ہونے کے لئے پھڑا پھڑا رہی ہے' اس کی روح کو جب نسیم وطن کے سرد سرد جھونکے مس کرتے ہیں تو وہ ان سے لطف اندوز ہوتی ہے' اس کو عرفان الٰہی اور معرفت کے لشکر کی ایک جھلک نظر آرہی ہے لیکن اس کی روح نفس کی دنیا میں پردیسی کی صورت میں مقیم ہے اور ہجر کے جام سے جدائی کے تلخ گھونٹ پی رہی ہے اور عالم عنصری میں مجاہدے کے بوجھ کے نیچے (بارسے) سسک رہی ہے اور اس کو عالم شہود (مشاہدہ) کی کوئی جھلک بھی نظر نہیں آتی ہرچند کہ کثرت اعمال سے نفس کی منزلیں طے ہو رہی ہیں مگر کسی طرح کوچہ وصال تک رسائی نہیں ہوتی اور حریم جمال کے حجابات نہیں اٹھتے تو اس صورت میں صوفی ایک آہ سرد بھرتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے' سختی اور گزند کی شدت سے ہلاکت میں بھی ایک راحت پاتا ہے اس وقت وہ اپنے نفس اور شیطان سے کہ یہ دونوں اس کی راہ میں حائل ہیں اس طرح مخاطب ہوتا ہے۔

اَیَاجَبَلِی نعمان بِاللّٰہِ خَلِّیَا ۔۔۔ نسیم الصبح یخلص الی نَسِیْمِھَا
نعمان کے پہاڑو براہ خدا ہٹو! ۔۔۔ مجھ تک ذرا نسیم کے جھونکوں کو آنے دو
فَاِنَّ الصَّبَارِیحُ اِذَا مَا تنسمت ۔۔۔ عَلٰی قَلْبِ مَحْزون تَجَلَّت ھُمُوْمَھا
راحت فزا ہے میرے لیے اتنی وہ نسیم ۔۔۔ دل سے مرے ہٹاتی ہے غم کے ہجوم کو
اَجُدْ بُرُوْدَھَا اَوْ تشف منّی حَرَارَۃً ۔۔۔ عَلٰی کَبَدِ لَمْ یَبْقِ اِلاَّ صَمِیْمھَا
تحلیل مغز کا ہے خطر تاب عشق سے ۔۔۔ تسکین جگر کو جلد الٰہی نصیب ہو
اَلَا اِنْ اَدْوانی بَلَیْلٰی قدیمۃٌ ۔۔۔ وَاقْتَل داء العاشقین قَدِیْمُھَا
لیلٰی کے عشق کا یہ مرض مدتوں سے ہے ۔۔۔ جو ہے مرض قدیم وہ رسوا ہے کو بکو

(ترجمہ منظوم از شمس بریلوی)

شاید منکر یہ کہے کہ محبت تو حکم کا بجالانا اور اس کے سوا کچھ نہیں' اور اس میں اللہ کا خوف ہونا چاہیے' اس قول سے وہ منکر تو اس خاص محبت کا انکار کرتا ہے جو خواص اور اہل باطن کی محبت ہے حالانکہ یہ حضرات مراتب ایمانی میں عالم محسوسات سے بھی بلند پہنچ چکے ہیں اور کشف مشاہدات کی کثرت کے باعث وہ اپنے نفس اور اپنی روح کو بھی قربان کر چکے ہیں۔

بنی اسرائیل کا ایک لڑکا کثرت مشاہدہ کے بعد پہاڑ سے نیچے کود پڑا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک فرزند (لڑکے) کا

ذکر فرمایا کہ وہ ایک پہاڑ پر رہتے تھے' اس لڑکے نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ آسمان کس نے پیدا کیا' ماں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے' ماں سے دریافت کیا کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے جواب دیا اللہ نے' اس نے پھر پوچھا پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا' ماں نے جواب دیا' اللہ تعالیٰ نے' اس نے پھر پوچھا کہ بادلوں کو کس نے پیدا کیا' ماں نے جواب دیا' اللہ تعالیٰ نے' یہ سن کر لڑکے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس قدر شان و شوکت والا ہے (اس کثرت مشاہدہ کے بعد) اس لڑکے نے اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرایا اور پاش پاش ہو کر مر گیا۔

حسن ازلی فہم کی تعبیر سے بالاتر ہے

اللہ تعالیٰ کا حسن ازلی پاکیزہ روحوں پر جلوہ گر ہوتا ہے اور وہ حسن پاکیزہ عقل و ادراک کی رسائی اور ان کی تشریح و تعبیر سے پاک ہے (فہم و ادراک اس کی تعبیر نہیں کر سکتے) اس لئے کہ عقل کا تعلق عالم ظاہری سے ہے اس کو صرف خداوند عالم کا پتہ چلا ہے (بظاہر عالم سے اس نے باری تعالیٰ کو پہچانا ہے) اس کی معرفت اور حریم جلوہ تک اس کی رسائی نہیں ہے کہ وہ عالم غیب کی تجلیات میں مستور ہے لیکن ارواح قدسیہ پر اس کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

مشاہدہ جمال الٰہی

مشاہدہ جمال خداوندی ایک بہت ہی خاص درجہ ہے مگر یہ عام ہے اس سے بلند تر وہ محبت خاص کا درجہ ہے جب کہ کمال جمال کبریائی اور مستقل عطا و بخشش کے جمال کا مشاہدہ کیا جائے' اس میں وہ صفات خداوندی بھی شامل ہیں جو عالم دوام میں آشکار ہوئے اور وہ بھی ہیں جو ازل میں لوازم ذات رہے ہیں' حواس ظاہری ان کمالات کے جمال کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتے اور نہ عقل و قیاس ان کا کھوج لگا سکتے ہیں لہٰذا اس جمال کے مشاہدہ کے حصول کے سلسلے میں ایک جماعت ایسی ہے جس نے محض تجلی صفات کے لئے خود کو مخصوص کر لیا ہے پس اسی کے مطابق ان میں ذوق و شوق اور وجد و سماع کا جذبہ موجود ہے لیکن پہلی جماعت کو تجلیات ذاتی سے ایک بہرہ عطا ہوا ہے اسی لئے ان میں جو ذوق وجد ہے وہ بقدر وجود ہے اور ان کا سماع بھی بحد شہود ہے۔

بعض مشائخ کا پانی پر چلنا

چنانچہ ایک شیخ طریقت نے بیان کیا کہ ہم نے ایک ایسی جماعت دیکھی ہے جو پانی پر چلتی تھی۔ اور اسی حال میں سماع پر بے اختیار وجد کر رہی تھی۔ ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ ایک بار ہم ساحل پر تھے ہمارے ایک ساتھی نے جب سماع سنا تو وہ سطح آب ہی پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اور پانی پر ادھر سے ادھر آنے جانے لگے یہاں تک کہ (جب یہ حالت ختم ہوئی تو) وہ پھر اپنے مقام پر واپس آگئے (ساحل پر آگئے) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بزرگ سماع کے وقت آگ پر لوٹنے لگے اور آگ کی حرارت کا ان کو احساس بھی نہیں ہوا۔ ایک روایت ہے کہ بعض صوفیائے کرام جب سماع میں ان پر وجد طاری ہوتا تو وہ شمع کی لو آنکھ کے اندر کر لیتے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں ان کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھ سے ایسا نور نکلا جو شمع

کی لو پر پڑ رہا تھا اور اس کو روک رہا تھا (جس کے باعث شمع کا شعلہ آنکھ پر اثر انداز نہیں ہو سکا) یہ بھی روایت ہے کہ بعض مشائخ پر جب سماع میں وجد طاری ہوتا تو وہ زمین سے اٹھ کر ہوا میں معلق ہو جاتے (تقریباً چند گز اونچے) پھر وہ فضا میں چلتے اور پھر اپنے مقام پر لوٹ آتے۔

شیخ ابو طالب مکی کا قول

شیخ ابو طالب مکی اپنی تصنیف (قوت القلوب) میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مطلقاً (اور مجملاً) سماع کا منکر ہے تو اس طرح گویا وہ ستر صدیقین کا منکر ہے، اگرچہ ہم کو اس بات کا علم ہے کہ اس صورت (انکار سماع) سے ہم قاریوں اور عابدوں کے دلوں سے نزدیک ہو جائیں گے (قاری اور عابد سماع کے منکر ہیں) لیکن ہم اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کریں گے اس لئے کہ ہم ان قاریوں اور عابدوں سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اور ہم نے اپنے اسلاف اور حضرات تابعین سے سماع کے سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے اس کا ان لوگوں کو علم نہیں ہے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا یہ حضرت ابو طالب مکی کا قول ہے جن کو احادیث رسول اللہ اور اقوال و آثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بہت زیادہ علم تھا اور اس علم کے ساتھ اس مسئلہ میں انہوں نے اجتہاد سے بھی کام لیا ہے اور اس مسئلہ کی انہوں نے صحیح حقیقت معلوم کی۔ ان تائیدی اقوال کے باوجود ہم نے منکرین سماع کے دلائل بھی (عذر خواہی کے ساتھ) سماع کے جواز کے ساتھ ساتھ پیش کر دیئے ہیں۔

حضرت شیخ شبلیؒ نے کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا

اَسْئَلُ عَنْ سَلْمٰی فَهَلْ مِنْ مُخْبِرٍ   يَكُوْنُ لَهٗ عِلْمٌ بِهَا اَيْنَ تَنْزِلُ

مخبر سے پوچھتا ہوں کہ اتنا مجھے بتا   ہے کوئی ایسا! منزل سلمیٰ کا دے پتا!

یہ شعر سن کر انہوں نے ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ "نہیں خدا کی قسم! دونوں جہاں میں اس کے نزول کا پتہ دینے والا کوئی نہیں ہے!

ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ سماع صفات باطن کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس طرح اطاعت ظاہری صفات کا ایک راز ہے، اور جس طرح حرکت و سکون صفات ظاہری ہیں اسی طرح احوال و اخلاق صفات باطنی ہیں۔

شیخ ابو نصر السراج اور اہل سماع کے درجات

شیخ ابو نصر السراج فرماتے ہیں کہ اہل سماع تین قسم کے لوگ ہیں، پہلی قسم ان لوگوں کی ہے کہ بزم سماع میں وہ جو کچھ سنتے ہیں اسے سن کر وہ تجلیات حق کی جانب رجوع ہوتے ہیں (احکام الٰہی کی طرف مزید توجہ کرتے ہیں) دوسری قسم میں وہ لوگ داخل و شامل ہیں جو سماع کی بزم میں جو کچھ سنتے ہیں اس کو سن کر اپنے احوال کے مخاطبات، اپنے مقامات اور اوقات کے مخاطبات کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ لوگ وہ اصحاب علم و فضل ہیں جو اس صدق و حقیقت کا مطالبہ کرتے ہیں جس کے و[...] اس سماع میں اشارے پاتے ہیں (رجوع الی اللہ کے لئے) تیسری قسم میں وہ فقراء اور مجرد حضرت شامل ہیں جنہوں نے دنیا سے

تعلقات منقطع کر لئے ہیں اور جن کے دل اس سماع کے باعث لوث دنیا' اس کا مال جمع کرنے اور مال کو روک کر رکھنے کی کدورتوں سے ملوث نہیں ہوتے بلکہ سماع کو وہ اہتی و نشاط قلب کے لئے سنتے ہیں اور یہ سماع ان کے لئے سب سے زیادہ لائق اور موزوں ہے اور وہ تمام لوگوں میں سلامتی سے سب سے زیادہ قریب اور فتنوں سے محفوظ ہیں' اور بس!

جو دل سماع سن کر دنیا کی محبت میں اور بھی زیادہ گرفتار ہو جاتے ہیں ان کے لئے سماع تکلف اور تصنع ہے۔ کسی بزرگ سے سماع میں تکلف کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اس کی کیا حقیقت ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تکلف سماع کے دو پہلو ہیں' ایک تو یہ تکلف منفعت دنیاوی اور طلب مال کے لئے اختیار کرے تو یہ فریب اور خیانت ہے' دوسرا تکلف سماع میں یہ ہے کہ اس کو طلب حقیقت کے لئے اختیار کیا جائے جیسے کوئی اپنے اندر یہ تکلف وجد کی صورت اور کیفیت پیدا کرے تاکہ اس پر وجد طاری ہو جائے تو یہ کیفیت بعینہ ایسی ہے جیسے بحالت قرار رونے کی کوشش کرے۔

سماع کے اجتماع کو بدعت کہنے والا

کوئی یہ کہتا ہے کہ سماع کے لئے اجتماع کی یہ ہیئت مخصوصہ بدعت ہے تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدعت تو وہ ممنوع امر ہے جو کسی ایسی سنت کے خلاف ہو جس کا حکم دیا گیا ہے اور اگر ایسی صورت نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بطور مثال یوں سمجھئے کہ کوئی شخص کسی آنے والے کے استقبال کے لئے کھڑا ہو جائے تو عربوں میں یہ رسم نہیں تھی' لہٰذا کیا اس کا ترک کرنا ضروری ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر کہیں پر تشریف لاتے تو آپ کے لئے بھی لوگ کھڑے نہیں ہوتے تھے (کہ عربوں میں اس کا دستور نہیں تھا' مگر اس کے برخلاف بعض ممالک میں یہ طریقہ جاری و ساری ہے بس (اس ملک کے رواج کے مطابق) اگر کوئی شخص کسی کے استقبال کے لئے یا اس کی خاطر داری کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے بلکہ اگر کوئی اس طریقہ کو ترک کر دے (تعظم کے لئے کھڑا نہ ہو) تو دلوں میں رنجش پیدا ہو گی اور لوگوں کو رنج ہو گا۔ بنا بریں یہ طریقہ آداب مجلس میں شمار ہونے لگا ہے پس یہ ایک ایسی بدعت ہے جو جائز ہے کہ یہ کسی تسلیم شدہ یعنی سنت ماثورہ کے خلاف نہیں ہے (یہی حال محفل سماع کا ہے کہ وہ کسی سنت ماثورہ میں مزاحم یا اسکے خلاف نہیں ہے)۔

باب 23

سماع کا رد اور اس کا انکار

مجلس سماع کا انعقاد بربنائے نفس!

ہم نے گزشتہ اوراق میں سماع کے جواز کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں اور اس سلسلہ میں اہل صدق و صفا کے آداب اور طریقے بھی بیان کئے ہیں، لیکن چونکہ اس دور میں اس کی وجہ سے بہت سے فتنے رونما ہو گئے ہیں اور سماع کی پاکیزگی ان فتنوں کے باعث زائل ہو گئی ہے اور ابنائے زمانہ میں اس کا ذوق و شوق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اعمال حسنہ میں انہوں نے کمی کر دی ہے اور لوگوں کی حالتیں اس قدر بگڑ گئی ہیں کہ سماع کی محفلیں بڑی کثرت سے قائم ہونے لگی ہیں، نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض لوگ تو ان اجتماعات میں کھانا کھلاتے ہیں، اب دلی رغبت کے حصول کے لئے یہ اجتماع منعقد نہیں ہوتا جیسا کہ مخلص درویشوں کا طریقہ تھا بلکہ اب تو محض نفسانی خواہشات کی تحریک اور سیر تماشے کے لئے ایسے اجتماعات ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں مریدوں کی روحانی ترقی منقطع ہو گئی ہے اور اب اس طریقے سے سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور مزید برآں یہ کہ اس سے لطف عبادات بھی گھٹ گیا ہے۔

اب ایسے اجتماعات کا مقصد نفسانی خواہشات سے محظوظ اور عیش و عشرت سے لطف اندوز ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، بس ایسا اجتماع اور ایسی محفل سماع ارباب صدق و صفا کی نظر میں ناجائز و مردود ہے، ان حضرات کی نظر میں سماع صرف عارف و خدار سیدہ بزرگ کے لئے جائز ہے، مبتدی مرید کے لئے یہ مباح و جائز نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد!

آپ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ یہ مشاہدہ کرے کہ مرید کو سماع کا شوق ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں سستی اور اس کے ذوق عبادت میں تکاہل و تساہل باقی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے سماع کو ترک کر دیا تھا، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ پہلے تو آپ سماع سے رغبت رکھتے تھے (اب آپؒ نے اس کو کیوں ترک کر دیا) تو انہوں نے فرمایا کہ میں کس کے ساتھ سنتا تھا، لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے لئے سنتے تھے، آپ نے فرمایا کن لوگوں سے سنتا تھا پھر خود ہی فرمایا کہ اس کے اہل کے ساتھ سنتے تھے پھر جب ایسے لوگ نایاب اور ناپید ہو گئے تو چھوڑ دیا لہٰذا جب ایسی روحانی صحبت ختم ہو جائے تو سماع کو ترک کر دینا چاہیے۔

پس مشائخ نے سماع کو اس کے قیود اور آداب کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ آخرت کو یاد

کر کے جنت کی طرف راغب ہوں اور دوزخ سے محفوظ رہیں' طلب حق میں اضافہ ہو اور ان کے احوال میں حسن و دوستی آجائے' بایں ہمہ یہ محفلیں کبھی کبھار ہوتی تھیں (آجکل کی طرح ہر روز نہیں ہوتی تھیں) ان حضرات نے اس کو اپنا معمول اور عادت نہیں بنایا تھا- کہ اس کی وجہ سے اوراد و وظائف ہی کو ترک کر دیا جائے-

گانا مکروہ اور باطل شے ہے

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے' انہوں نے کتاب القضا میں کہا ہے کہ غنا (گانا) جو لہو کے لئے ہو وہ مکروہ ہے اور باطل سے مشابہہ ہے' نیز ارشاد فرمایا کہ جو کوئی کثرت کے ساتھ اس کو سنے وہ سفیہ و بیوقوف ہے اور اس کی گواہی مردود ہے- امام شافعی کے تمام اصحاب (پیروں) کا اس پر اتفاق ہے کہ غیر محرم عورت سے سماع جائز نہیں ہے خواہ وہ آزاد ہو یا کنیز ہو' بے نقاب ہو یا پردے کے پیچھے ہو (کسی صورت میں اس کا جواز نہیں ہے)- حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بانسری بجانا مکروہ ہے اس کو زندیقوں اور بے دینوں نے ایجاد کیا تھا تاکہ وہ اس میں مشغول کر کے لوگوں کی توجہ قرآن (پڑھنے اور سننے) سے ہٹا دیں' انہوں نے فرمایا کہ خوش الحانی اور اچھی آواز کے ساتھ قرآن خوانی میں کوئی حرج نہیں ہے- امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کنیز خریدے اور خریدنے کے بعد معلوم ہو کہ وہ مغنیہ (گانے والی ہے) تو اس کو اختیار ہے کہ وہ (اس عیب کی بنا پر) واپس کر دے اور یہی تمام مدینے والوں (علمائے مدینہ) اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے-

گانا سننا گناہ ہے

گانا سننا گناہ ہے' اس کو سوائے چند فقہا کے اور کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے' اور جن فقہا نے اس کو جائز قرار دیا ہے وہ بھی متبرک مقامات اور مساجد میں کھلم کھلا اس کا سننا جائز قرار نہیں دیتے- اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ۝) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لہو و لعب کی باتیں خریدتے ہیں) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غنا (راگ) اور اس کا سننا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ کی تفسیر میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کے معنی حمیری زبان میں گانے کے ہیں- اہل یمن جب کہتے ہیں کہ سَمَدَ فُلَانٌ تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ فلاں شخص نے گایا-

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (اے شیطان کر سکے تو ان میں سے جس کو چاہے اپنی آواز سے پریشان کر)- حضرت مجاہد رضی اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد باری میں شیطان کی آواز سے راگ اور ساز مراد ہیں-

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا كَانَ اِبْلِيْسُ اَوَّلَ مَنْ نَاحَ وَ اَوَّلَ مَنْ تَغَنّٰى ۝ سب سے پہلے ابلیس نے نوحہ کیا اور ابلیس ہی نے سب سے پہلے گانا گایا- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی

اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے دوبد مال آوازوں سے منع کیا ہے، ان میں ایک آواز گانے کی ہے اور ایک آواز مصیبت کے وقت (گریہ و زاری) کی ہے"۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس روز سے میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے اس روز سے میں نے آج تک نہ گانا گایا اور نہ اس کے سننے کی آرزو کی اور نہ سیدھے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھوا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے"۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر (ایک دفعہ) کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو احرام باندھے ہوئے تھے اور ان میں ایک شخص گانا گا رہا تھا آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ خدا تمہاری نہیں سنے گا (آپ نے یہ جملہ دو مرتبہ دہرایا)۔

ایک شخص نے جناب قاسم بن محمد ﷺ سے گانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس شخص سے کہا کہ "میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں اور تمہارے لئے اس کو مکروہ جانتا ہوں"۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کو الگ الگ کر دیا ہے تو سمجھ لو کہ گانا کس میں شامل ہو گا (یعنی گانا باطل میں داخل ہے)۔

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ گانا زنا کا منتر ہے، حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ راگ دل کو فساد میں مبتلا کرنے والا یعنی دل کو بگاڑنے والا اور پروردگار کو ناخوش کرنے والا ہے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے! راگ سے بچو! کہ راگ شہوت کو زیادہ اور مروت اور آدمیت کو تباہ کرنے والا ہے، راگ شراب کا قائم مقام ہے اور نشہ کی طرح کام کرتا ہے۔

بیشک ان بزرگ کا یہ قول صحیح ہے کہ جو شخص موزوں طبع ہے وہ تو راگ اور اشعار سن کر ہوش میں آتا ہے لیکن جو نفس کا بندہ ہے سماع سے ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے جنکو وہ خود پسند نہیں کرتا، جیسے انگلیاں نچانا اور چٹخانا، تالیاں بجانا اور رقص کرنا، تو اس موقع پر اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جنکو بدعقلی کے سوا اور کیا کہا جائے اور اس سے بیوقوفی کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ دف بجانا مسلمانوں کا شعار نہیں ہے اور اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ منقول ہے کہ آپ نے اشعار سماعت فرمائے تو اشعار کا سننا گانے کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ شعر تو کلام منظوم کا نام ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ کلام ہے وہ کلام منثور ہے، جو کلام (خواہ منظوم ہے یا منثور) عمدہ ہے وہ اچھا ہے اور جو کلام برا ہے وہ برا ہے لیکن غنا (صرف کلام منظوم سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ) الحان سے پیدا ہوتا ہے (سروں کے امتزاج سے راگ راگنیاں پیدا ہوتی ہیں) اب انصاف شرط ہے کہ اس زمانے کے مطربوں کا تصور کیجئے کہ مغنی دف ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے اور مجیرچی کے ہاتھ میں مجیرے ہیں اب ذرا غور کرے کہ کیا اس قسم کی نشست اور شعرخوانی کی یہ ہیئت عہد

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو سکتی تھی یا اس طرح کی ہوتی تھی اور کیا قوال قوالی گانے کے لئے لایا جاتا اور لوگ اس سے قوالی سننے کے لئے اسی طرح جمع ہوتے تھے۔

بیشک و شبہ ہر شخص اس کے جواب میں یہی کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ بات نہیں تھی پس غور کرنا چاہیے کہ اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اس سے کس طرح یوں بے اعتنائی فرماتے' لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ **(گانا سننایا قوالی سننا)** تو ایک **فضیلت** کا کام ہے اور اس کے سرانجام دینے کے لئے اجتماع ضروری ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے مدارج روحانی اور ان کے اعلیٰ ذوق و شوق سے واقف نہیں ہے بلکہ بعض متاخرین نے چونکہ اس فعل کو بنظر استحسان دیکھا' اس کو مستحسن کہا ہے وہ اسی سے مطمئن رہے' بہت سے لوگ اس سلسلہ میں مغالطہ میں مبتلا ہوئے ہیں کیونکہ جب ان کے سامنے سلف صالحین کی روایات پیش کی جاتی ہیں تو وہ اس کے جواب میں متاخرین (مشائخ) کی روایات پیش کرتے ہیں حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلاف کرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد باسعادت سے (بہ نسبت متاخرین کے) زیادہ قریب تھے اور ان کا طریقہ اور مسلک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس طریقے سے زیادہ مشابہہ تھا۔

تلاوت قرآن سن کر وجد کرنا

بہت سے ایسے درویش بھی دیکھے گئے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بھی بعض حرکات کرتے ہیں' حالانکہ وہ غلبہ شوق اور وجد سے خالی ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی جان اسماء بنت ابی بکر (رضی اللہ عنہ) سے دریافت کیا کہ (آپ کے زمانے میں) جب قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تھی تو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیفیت ہوتی تھی۔ انہوں نے فرمایا' جیسا کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے تھے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا کہ آج کل تو یہ حالت ہے کہ جب قرآن کریم کی تلاوت ان کے سامنے ہوتی ہے تو لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی غش کھا کر گر پڑتا ہے' یہ سن کر انہوں نے فرمایا۔ ''میں پھٹکارے ہوئے شیطان سے پناہ مانگتی ہوں[1]''۔

نقل ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک عراقی کے پاس سے گزرے جو وجد میں تصنع کے ساتھ گرنے کی کوشش کر رہا تھا' آپ نے وہاں موجود لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ یہ حرکت کیوں کر رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب اس شخص کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ اللہ کے ذکر کو سنتا ہے تو وہ اسی طرح گر پڑتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر کبھی ایسا نہیں کرتے تھے یعنی گرا نہیں کرتے تھے۔ اس کے اندر شیطان گھس گیا ہے' کیونکہ اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا نہیں کرتے تھے۔

---

(۱) یعنی یہ ایک شیطانی کام ہے۔

حضرت ابن سیرین کا ارشاد

حضرت ابن سیرین کے سامنے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا کہ ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو وہ گر پڑتے تھے' تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جائے پھر اس کے سامنے قرآن پاک اول سے آخر تک پڑھا جائے اور اس وقت وہ جذبہ سے سرشار ہو کر چھت سے گر پڑے' تب وہ سچا ہے۔

حضرت ابن سیرین کا یہ قول مطلقاً انکار پر مبنی نہیں ہے کہ کبھی کبھار صادق الحال درویشوں سے بھی ایسی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں' البتہ ان کا یہ قول ان لوگوں کے خلاف ہے جو بناوٹ اور تصنع کے ساتھ ایسی حرکات کرتے ہیں اور ان دنوں ایسے ہی لوگوں کی کثرت ہے' اور اس میں بھی دو صورتیں ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ عمل تصنع اور ریا پر مبنی ہوتا ہے اور بعض لوگوں سے ایسی حرکات ان کی کم علمی اور جہالت کے باعث سرزد ہو جاتی ہیں اور اس میں نفس کی آویزش بھی ہے' ان کو یہ علم نہیں ہوتا ہے کہ ان کی ایسی حرکات مذہبی حیثیت سے مضرت رساں ہیں اور نفس کی یہ عادت ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر چھپ چھپا کر کچھ باتیں سن لیتا ہے اور اپنی حدوں سے تجاوز کر جاتا ہے بہر صورت یہ بات صداقت اور حقیقت پسندی سے بہت دور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بار اپنی قوم کے سامنے وعظ فرما رہے تھے اس اثنا میں ایک شخص نے متاثر ہو کر اپنی قمیص پھاڑ ڈالی' یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا کہ اپنی قمیص کیوں پھاڑتا ہے بلکہ اپنے دل میں شرح اور وسعت پیدا کر۔

امرد غلام کا سماع مکروہ ہے

اگر سماع کسی امرد (بے ریش نوجوان) سے سنا جائے تو فتنہ پیدا ہونے کا امکان ہے اس لئے اہل حقیقت نے اس کو پسند نہیں کیا ہے بلکہ مردہ سمجھا ہے' یقبہ بن الولید کا قول ہے کہ اہل حق ایک امرد (بے ریش لڑکے) کی طرف دیکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

شیخ عطاء فرماتے ہیں کہ جس دیدار کے نتیجے میں دل میں خواہش پیدا ہو وہ فلاح و خیر سے خالی ہے' ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک پرہیزگار اور متقی نوجوان کے لئے ایک وحشی درندے سے بھی زیادہ خطرناک اس امرد کو سمجھتا ہوں جو اس کی صحبت میں رہتا ہے (امرد کی صحبت وہم نشینی متقی نوجوان کیلئے درندہ سے زیادہ خطرناک ہے) ایک اور تابعی بزرگ کا قول ہے کہ لوطی[1] تین قسم کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو صرف دیکھتے ہیں' دوسرے وہ جو مصافحہ کرتے اور بغلگیر ہوتے ہیں (یعنی

---

(1) لوطی' خلاف وضع فطری فعل کرنے والا۔

امرد کو لپٹاتے چمٹاتے ہیں) تیسرے وہ لوگ جو لواطت کے مرتکب ہوتے ہیں- پس صوفیائے کرام کے لئے ان باتوں سے بچنا ضروری ہے بلکہ ان کو چاہیے کہ مشتبہ مقامات سے بھی گریز کریں کہ تصوف تو سراپا صدق اور سراپا سعی و عمل کا نام ہے (پس ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہونا چاہیے جو صدق و صفا کے منافی ہو)- ایک بزرگ کا قول ہے کہ تصوف سراپا جدوجہد کا نام ہے اس میں کسی ہزل (نامعقول بات) کو شامل نہ کرو بہرحال یہ وہ روایات ہیں جو سماع سے اجتناب پر اکساتی ہیں اور ان سے سماع سے پرہیز ثابت ہوتا ہے-

اس سے پہلے باب میں سماع کا جواز مشروط طریقے سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ سماع کو مذکورہ بالا برائیوں سے پاک و صاف رکھنا چاہیے اور ہم نے متعدد و استعار اور راگوں کے مابین فرق سے اس کو بھی واضح کر دیا ہے' بہرحال یہ ایک حقیقت ہے (جس کو چھپایا نہیں جا سکتا) کہ صالحین حضرات کی ایک جماعت ایسی ہے جو سماع نہیں سنتی ہے' لیکن یہ حضرات ان لوگوں کو برا بھی نہیں سمجھتے جو حسن نیت اور تمام آداب کے ساتھ سماع سنتے ہیں!

باب: 24

سماع اور وجد کی حقیقت استغناء اور علو مرتبت کے لحاظ سے

یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ وجد کے ذریعہ انسان اس چیز کو پاتا ہے جسے کھو چکا ہے (کھوئی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے) پس جس شخص نے کوئی چیز کھوئی ہی نہیں ہے وہ پائے گا کیا! یعنی اگر گمشدگی کی کیفیت نہیں ہے تو وجد کی کیفیت بھی پیدا نہیں ہوگی، گمشدگی کی کیفیت کا وجود اس اعتبار سے ہے کہ جب بندے کا وجود اپنی صفات اور اس کے باقی ماندہ احوال سے متصادم ہوتا ہے پس اگر بندۂ خالص ہے یعنی جس نے خالص بندگی اختیار کی ہے وہ ہر چیز سے آزاد ہو کر وجد اور حال کی کثرت سے الگ اور آزاد ہو گیا، اس لئے کہ وجد و حال تو اسی بقایا کا شکار کرتا ہے جو عنایات و انعامات الٰہی کے پیچھے رہنے سے پائی جاتی ہیں (وجد میں وہ انہی چیزوں کو پاتا ہے جو انعامات الٰہی سے اس کو حاصل نہیں ہوئی تھیں)۔

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

شیخ حصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتنا زبوں حال ہے وہ شخص جو محرکات کا محتاج ہو (کسی تحریک سے ذوق و شوق محبت پیدا ہو) اس اعتبار سے سماع کا وجد ایک حق پرست انسان پر بھی ویسا ہی اثر کرتا ہے جیسا ایک باطل پرست پر، یہ دونوں قسم کے لوگ (حق پرست و باطل پرست) باطنی طور پر وجد سے متاثر ہوتے ہیں، ان کی ظاہری حالت پر بھی اس کا نمایاں اثر مرتب ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے جذبات و کیفیات بھی تبدیل ہوتے ہیں، لیکن ان دونوں کی کیفیات میں فرق ہوتا ہے اور فی مابین فرق یہ ہے کہ جو باطل پرست ہے وہ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر وجد میں آتا ہے اور حق پرست اپنے ارادۂ دلی کی بدولت وجد کرتا ہے اسی لحاظ سے یہ کہا گیا ہے کہ سماع سے خاص قلب میں حرکت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس سے وہ چیز حرکت کرتی ہیں جو دل میں موجود ہے (یعنی خواہشات، جذبات) لہٰذا جس کا باطن غیر اللہ سے وابستہ ہے سماع اس کو بھی متاثر کرتا ہے وہ اپنی نفسانی خواہشات کی بناء پر وجد میں آتا ہے اور جس کا باطن اللہ کی محبت سے وابستہ ہے وہ اپنے ارادۂ قلب کے ساتھ وجد کرتا ہے۔

باطل پرست حجاب نفس میں چھپا ہوا ہے اور حق پرست قلب کے حجابات میں پنہاں ہوتا ہے لیکن نفس کا حجاب ارضی و ظلماتی ہے اور قلب کا حجاب سماوی و نورانی ہے، پس جو شخص شہود حق کی تجلیات کے دوامی مشاہدہ کے باعث گم ہونے سے محفوظ ہے اور وجود کے دامنوں سے اس میں لغزش پیدا نہیں ہوئی ہے (موجودات کے مشاہدے کے باعث شہود حق سے غافل نہیں ہوتا ہے) وہ سماع نہیں سنتا اور اگر سنتا ہے تو سن کر وجد میں نہیں آتا۔

حضرت ممشاد دینوری کا ارشاد:

حضرت ممشاد دینوری کے ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن میں قوال موجود تھا) جب ان لوگوں نے آپ کو اپنے قریب دیکھا تو وہ لوگ خاموش ہو گئے (قوالی بند کر دی) آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم جس شغل میں مشغول ہو اس کو جاری رکھو' خدا کی قسم! اگر دنیا بھر کے تماشے (لہوولعب) میرے کان میں بھر دیئے جائیں تب بھی وہ میرے شغل اور میرے کام میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتے اور نہ وہ میری بیماری دور کر سکتے ہیں۔

پس وجد روح کی چیخ و پکار ہے اگر وجد کرنے والا باطل پرست ہے تو گرفتار نفس ہو جاتا ہے اور اگر حق پرست ہے تو گرفتار قلب بن جاتا ہے' پس دونوں صورتوں میں وجد و حال کا تعلق روح سے ہے۔

وجد کس طرح پیدا ہوتا ہے:

کبھی وجد اشعار کے معانی و مطالب کے سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی صرف نغموں اور راگوں سے پیدا ہوتا ہے اگر کسی شخص میں وجد فہم معانی و مطالب سے پیدا ہوا وہ سامع باطل پرست ہے' جب بھی اس باطل پرست کا نفس روح کے ساتھ سماع شریک ہو جاتا ہے اور اسی طرح حق پرست کا دل روح کے ساتھ شریک ہو گا لیکن وہ سماع جو محض نغموں پر محدود و منحصر ہے اس میں صرف روح شریک ہوتی ہے' البتہ باطل پرست کا نفس اور حق پرست کا دل چوری چھپے اس کو سنتا ہے۔

روح کا نغموں سے لذت یاب ہونا اس وجہ سے ہے کہ عالم روحانی حسن و جمال کا مجموعہ ہے اور کائنات میں تناسب کو پسند سمجھا گیا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی! نیز شکل و صورت کا تناسب بھی روحانیت کی میراث ہے پس جب روح عمدہ نغمات اور متناسب آوازیں سنتی ہے تو مناسب اور ہم جنس ہونے کے باعث ان کا اثر قبول کر لیتی ہے لیکن عالم حکمت کے مصالح کے پیش اسے شرعی قیود سے مقید کر دیا گیا ہے (ورنہ عظیم فتنے پیدا ہو جاتے) اور ان پابندیوں پر عمل کرنے ہی پر انسان کے حال اور مستقبل کی فلاح کا انحصار ہے۔

نغمات سے لطف اندوز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نغمات ایسے رموز و اشارے ہیں جن سے روح چپکے چپکے نفس سے باتیں کرتی ہے اور جس طرح عاشق و معشوق کے درمیان اشارے سے اور کنائے ہوتے ہیں اسی طرح نفس اور روح کے مابین اشاروں اور کنایوں سے باتیں ہوتی ہیں اور نفس و روح کے درمیان حقیقی عشق و محبت کا تعلق موجود ہے چنانچہ روح کو مذکر استعمال کیا جاتا ہے (عاشق ہے) اور نفس کو مونث (وہ معشوق ہے) اور مذکر و مؤنث کے درمیان عشق و محبت کا پایا جانا ایک فطری امر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا — ہم نے اس کا جوڑا بنایا کہ وہ آرام و سکون پائے

اس ارشاد میں ان تعلقات کا ذکر ہے جو باہمی تلازم اور میل یعنی عشق و محبت کا سبب ہیں لہٰذا روح نغمات کو اسی لئے

پسند رہی ہے کہ وہ عاشقوں کے درمیان راز و نیاز کا ایک واسطہ ہیں' جس طرح عالم حکمت میں حضرت حوا علیہا السلام کی آفرینش و تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اسی طرح عالم قدرت میں نفس کو روحانی روح سے پیدا کیا گیا اسی وجہ سے

ان میں یہ باہمی تعلق پیدا ہو گیا کہ نفس روح روحانی کے باعث اس کا ہم جنس بن گیا اور تمام حیوانی ارواح میں صرف اسی کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ روحانی روح کے زیادہ قریب ہے لہٰذا اس ظاہری عالم کے آدم و حوا کی طرح نفس بھی (حوا علیہا السلام) کی طرح روحانی روح سے پیدا ہوا ہے اس سبب سے ان کے درمیان عشق و محبت کے تعلقات پیدا ہو گئے اور ان میں سے ایک مذکر ہے اور دوسرا مونث (نفس مونث ہے اور روح مذکر ہے' روح عاشق ہے اور نفس معشوق) لہٰذا روح کو نغمات اسی وجہ سے پسند ہیں کہ وہ عاشق و معشوق کے درمیان مراسلت و مکالمت کا کام دیتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

فَنَحْنُ سُكُوْتٌ وَّالْهَوٰى يَتَكَلَّم　　تَكَلَّمَ مِنَّا فِيْ الْوُجُوْدِ عُيُوْنُنَا

ہم تو ہیں خاموش' لیکن عشق ہے محو کلام　　شمس اپنی ترجماں ہیں' ایسی آنکھوں کو سلام

جب روح نغمات سے محظوظ اور لذت اندوز ہوتی ہے تو اس نفس پر جو بیمار محبت ہے وجد طاری ہو جاتا ہے اور اس سے متعلق ہر چیز وجد میں آجاتی ہے اسی طرح قلب جو ارادہ کا معمول ہے وہ بھی ان اندرونی کشاکش کے باعث وجد میں آجاتا ہے۔ یعنی:

وَالْاَرْضِ مِنْ كَاسِ الْكِرَام نَصِيْب　　شَرَّبْنَا واَهَرقْنَا عَلَى الْاَرْضِ جُرعَةً

ہم کریموں سے اسے بھی ایک حصہ مل گیا　　میکشی کے وقت اک جرعہ زمیں کو بھی دیا

لیکن باطل پرست کا نفس اس کے آسمان کی زمین ہے اور حق کا قلب اس کے آسمان روح کی زمین ہے۔

ایک جوہر کامل کا مقام:

وہ شخص جو کامل مردوں کے مقام اعلیٰ پر پہنچ گیا ہے اور مختلف عارضی کیفیات سے آزاد ہے وہ تو ایک جوہر کامل ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کی طرح اپنے نفس اور اپنے قلب کی پاپوش کو مقدس وادی میں چھوڑ کر[1] سلطان باجبروت کے حضور حقیقت میں پہنچ جاتا ہے اور تجلیات الٰہی کے انوار کے ذریعہ اس نے (ان فانی) ادازوں کے اجرام کو جلا دیا ہے اور اس کی روح اس وقت اپنے محب کے راز و نیاز کی طرف متوجہ نہیں ہے کیونکہ اس وقت وہ آثار انوار محبوب کے مشاہدے میں مشغول ہے' وہ عاشق جو خود ضاجر ہے یعنی سرگرداں ہے ہے دوسرے عاشقوں کی ظلمتوں کے دور کرنے کی کس طرح فکر کر سکتا ہے' پس ایسے شخص پر جو اس مقام پر فائز ہو' سماع کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔[2]

(1) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ارشاد کیا گیا تھا "اے موسیٰ اپنی نعلین اتار دو کہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔

(2) حضرت ممشاد دینوی نے اسی وجہ سے سماع میں مصروف لوگوں سے کہا تھا کہ تمہارا سماع مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اور جب نغمات اپنی اس لطافت اور روحانی دلکشی کے باوجود اس کی روح پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تو پھر الفاظ و معانی کے اثر انداز ہونے کی کہاں گنجائش کہ وہ تو ان نغمات سے بھی زیادہ کثیف ہیں' وہ دل جو لطیف اشارات کے بار کا متحمل نہیں ہو سکتا وہ عبارات کے بارگراں کا کس طرح متحمل ہو سکتا ہے۔

وجد ایک وارداتی کیفیت ہے:

وجد اس وارداتی کیفیت کا نام ہے جو خداوند بزرگ و برتر کی طرف سے وارد ہوتی ہے لیکن جس بندے کا مقصود خود ذات الٰہی ہے وہ اس عطا کردہ واردت پر اکتفاء اور قناعت نہیں کر سکتا اور جو شخص قرب الٰہی کی منزل پر ہے اس شخص کو یہ واردات اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی ہیں (پس ایسا شخص وجد سے بے نیاز ہوتا ہے) اس لئے کہ یہ واردات خداوند مجد وعلا سے دوری اور بعد کی مظہر ہیں' مقرب بندہ اور ان واردات سے اس لئے بے نیاز ہوتا ہے کہ جس کو قرب الٰہی میسر آگیا' اس کو سب کچھ حاصل ہو گیا پس وہ ان واردات کی طرف متوجہ ہو کر کیا کرے۔

مقام قرب سے بعد' وجد کی منزل پر پہنچاتا ہے:

علاوہ ازیں وجد ایک آگ ہے اور مقرب بندے کا دل سراپا نور ہے' چونکہ نور نار سے لطیف تر ہے اس لئے وہ سراپا نور قلب پر مئوثر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کثیف شے کا غلبہ لطیف شے پر ناممکن ہے' پس جب تک ایسا مقرب بندہ اور مرد کامل اس جادۂ استقامت راہ قربت پر گامزن رہے گا اور اپنے جسمانی رجحانات کے باعث اپنے اس مقررہ راستے سے (راہ قربت) منحرف نہیں ہو گا اس پر سماع کے ذریعہ وجد طاری نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب اس میں فتور و قصور پیدا ہو جائے یا خداوند محسن کی جانب سے وہ کسی آزمائش میں ڈال دیا جائے اور وہ اس ابتلا کی مختلف صورتوں کو برداشت کرنے لگے تو اس وقت چونکہ وہ اپنے وجود کی دنیا میں داخل ہو جائے گا تو اس ابتلا کے باعث وہ حجاب القلب کی طرف لوٹ آئے گا۔ پس اگر کسی خدا رسیدہ شخص کے قدم ڈگمگا جائیں اور وہ مقام قلب پر گر جائے تو یہاں سے وہ مقام نفس کی طرف لوٹ جاتا ہے (مقام قلب پر پہنچ کر قدموں کی لغزش اس کو مقام نفس پر پہنچا دیتی ہے)

ہمارے ایک شیخ نے فرمایا کہ ایک شخص سماع میں وجد کرنے لگا' کسی بزرگ نے ان سے کہا کہ یہ کیا حال ہے' انہوں نے جواب دیا کہ میرے اندر کوئی چیز گھس گئی ہے جس نے مجھے اس وجد کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔

حضرت شیخ سہل تستریؒ کے ایک ساتھی نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ سہل کے ساتھ مدتوں تک رہا لیکن میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ تلاوت قرآن یا کسی اور چیز کی سماعت سے ان کی طبیعت میں تغیر آیا ہو' جب ان کی عمر کا آخری حصہ تھا تو ایک بار ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی گئی فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ (آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا)۔ یہ آیت سن کر سہل لرزہ براندام ہو گئے اور قریب تھا کہ گر پڑیں' جب میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اب میں

کمزور ہو گیا ہوں، اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے یہ آیت سنی اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰن "آج کے دن بادشاہت اور حکومت مہربان خدا کی ہو گی" یہ سنتے ہی وہ مضطرب اور بے چین ہو گئے، جب ان کے ساتھی ابن سالم نے ان سے سبب دریافت کیا تو فرمایا میں کمزور ہو گیا ہوں، یہ سن کر لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اگر کمزوری یہ ہے تو طاقت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا روحانی طاقت یہ ہے کہ شیخ پر جب کوئی وجد طاری ہو تو وہ اس کے ذریعے اس کیفیت وجد کو برداشت کر لے اور یہ عارضی جذبہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

اسی قسم کا ایک ارشاد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہم ایسے تھے لیکن اب تلاوت قرآن کے موقع پر کسی کو روتا دیکھ کر ہمارے دل بھی سخت ہو گئے ہیں۔" اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب قرآن کریم کی تلاوت کی ہیئت تاثیر سے دل مانوس ہو گئے ہیں اور اس کی تاثیر اور تجلیات سے اس قدر آشنا ہو چکے ہیں کہ اب وہ کوئی نئی اور عجیب چیز معلوم نہیں ہوتی، جس کے باعث طبیعت میں تغیر اور انتشار پیدا ہو۔" اسی کے مطابق ایک بزرگ کا یہ قول ہے کہ "میری روحانی کیفیت و حالت نماز سے پہلے بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی نماز کے بعد۔" اس قوت میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ میری حالت شہود حق کی حالت میں استمرار ہے (ہر حال میں یکساں ہے) اس لحاظ سے ان بزرگوں کی حالت ہر صورت میں اور ہر حال میں خواہ سماع ہو یا نہ ہو یکساں ہوتی ہے۔"

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت جنید بغدادی کا ارشاد ہے کہ اگر علم میں اضافہ ہو جائے تو اس کے ساتھ وجد و حال کی کمی نقصان دہ اور مضر نہیں ہے بلکہ علم کا اضافہ زیادہ اہم ہے، وجد و حال کے اضافہ سے، شیخ حماد کا قول ہے کہ گریہ و زاری وجود کا باقی حصہ ہے۔" بہرحال جو لوگ اشاروں اور کنایوں کے سمجھنے والے ہیں ان کے لئے یہ تمام اقوال جو ہم نے پیش کئے اپنے مفاہیم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب تر ہیں، ان میں فرق و تباین نہیں ہے لیکن ایسے لوگ اس زمانے میں کمیاب ہیں (ممکن ہے کہ یہ اقوال ان کے فہم میں نہ آسکیں)۔

سماع کے وقت گریہ و زاری:

سماع کے وقت کچھ لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے وہ گریہ و زاری کرنے لگتے ہیں، اس گریہ و زاری کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں کچھ لوگ خوف الٰہی سے ڈرتے ہیں کچھ شوق و محبت کے اہتزاز سے اشکبار ہو جاتے ہیں اور کچھ وفور مسرت سے آنسو بہانے لگتے ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

صَفَحَ السُّرُورُ عَلَيَّ حَتّٰى اَنَّنِیْ مِنْ عَظِیْمِ مَاقَدْ سَرَّنِیْ اَبْکَانِیْ

ہے تن بدن میں میرے یہ عالم سرور کا میں اس نشاط بخش کی عظمت سے' رو دیا
آپ کے التفات نے بخش دی ساری کائنات آپ جو مسکرا دیئے درد کو دل بنا دیا
(شمس بریلوی)

سماع عوام:

حضرت ابوبکر الکتانیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کا سماع ان کی طبیعت کا اقتضاء ہے لیکن مریدوں کے سماع میں رغبت (طبعی) اور خدمت و رِجا کا دخل ہے' اولیا اللہ کا سماع' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے انعامات کے پانے کے باعث ہے' عارف کامل کا سماع مشاہدۂ حق پر مبنی ہے لیکن اہل حقیقت کا سماع کشف و مشاہدہ ہے (سماع میں ان پر کشف و مشاہدہ کی کیفیت و حالت طاری ہوتی ہے) پس ان طبقات میں سے ہر ایک طبقہ کا ایک مخصوص مقام ہے' آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جب یہ واردات ظہور میں آتی ہیں تو وہ کسی نہ کسی شکل میں متصادف ہوتی ہیں اور اسی کا روپ دھار لیتی ہیں جو موافق اور ہمنوا میسر آجاتا ہے اس کے ساتھ ہو جاتی ہے' یہ اہل سماع کے روحانی تصورات اور ان کی باطنی کیفیات ہیں' مگر ابھی جو کچھ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا ہے وہ ان لوگوں کا حال ہے جو سماع کی احتیاج سے بالاتر ہیں۔ گریہ و زاری کی کیفیات کا یہ اختلاف مختلف نوعیتوں کا ہوتا ہے جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں یعنی خوف' شوق اور سرور! ان سب میں بلند اور اعلیٰ درجہ گریہ سرور کا ہے (اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص طویل سفر کے بعد اپنے اہل و عیال میں واپس آئے تو اس وقت وہ اپنے اہل و عیال کو دیکھ کر انتہائے مسرت سے آنسو بہانے لگے [1]

گریۂ ادراک:

گریہ و زاری کا آخری سب سے بلند درجہ یہی ہے جو نایاب ہے اور جس کا بیان بھی نادر اور اس کی شرح نادر تر ہے اس کی تصریح و تشریح اس وجہ سے نادر ہے کہ عوام کے فہم اس کے ادراک سے قاصر ہیں' بالعموم اس کا ذکر انکار کے مقابلہ میں ہوتا ہے اسی وجہ سے استکبار کے ساتھ اس کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے (اس کی عظمت اور اس کا کبر چونکہ عام طور پر فہم میں نہیں آسکتا اس لئے اس کو پوشیدہ کہتے ہیں) لیکن اس کو صرف وہ لوگ سمجھتے ہیں جو اس تک پہنچ پاتے ہیں (جن کو یہ حاصل ہو جاتا ہے) یہ گریۂ ادراک یا گریہ وجدان گریۂ سرور نشاط سے مختلف ہے یہ صرف حق الیقین کے درجہ پر ظاہر ہوتا ہے (وہی لوگ اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جو حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں) اس گریۂ وجدان یا ادراک کا موجب یہ ہوتا ہے کہ حادث اور قدیم میں اس تبائن و اختلاف کے باوصف جب تصادم ہوتا ہے تو عظمت الٰہی کی سطوت شعلہ زنی کرتی ہے اور اس سطوت اور رعب جلال کے باعث حادث سے آنسوؤں کا ترشح ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مختلف اجرام فلکی کے تصادم

سے بادلوں سے قطروں کا ترشح اور چکیدگی شروع ہو جاتی ہے گریہ کی قسم بہت نادر الوجود ہے بہرحال اس سے فنا کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے اور قیود ہستی سے آزاد ہو کر تجلیات الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے' پھر اس مرتبہ سے ترقی کر کے مقام بقا پر پہنچ جاتا ہے اور پھر جب وہ عالم ہستی کی طرف لوٹ آکرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی گریہ و زاری بھی اپنی تمام شؤن و اقسام کے ساتھ) واپس آجاتی ہے پس اس وقت جیسی بھی صورت حال ہو اسی کے مطابق' خوف' شوق' سرور اور وجدان کی' کیفیات بھی رونما ہوتی ہیں' ان مختلف کیفیات میں بظاہر بہت یہ لطیف سا فرق ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ان کے مابین کافی فرق ہے ہے جس کو ارباب تحقیق یعنی اصحاب حقیقت ہی معلوم و محسوس کر سکتے ہیں' مختصراً یہ کہ سماع کی کوئی نہ کوئی کیفیت اس کے ساتھ عود کر آتی ہے لیکن یہ سماع اس کے تابع ہوتا ہے اور صاحب سماع اس پر اس طرح غالب ہوتا ہے کہ جب چاہے اس کو اختیار کرے اور جب چاہے اس کو ترک کر دے' اس وقت سماع (کسی قسم کا ہو) کی حالت میں اس کا نفس مطمئن اور منور ہو گا لیکن اس حال میں نفس اپنی طبعی حالت سے مختلف ضرور ہوتا ہے کیونکہ (اب اس میں اضطرار باقی نہیں ہے) اس نے سکون و طمانیت حاصل کر لی ہے' جب یہ صورت حالت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت نفس سماع سے اس طرح لذت اندوز ہوتا ہے جس طرح وہ مباح اور جائز لذتوں سے لذت یاب ہوتا ہے اس وقت اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہ وہ سماع کی طرف متوجہ ہو یا اس میں اضافہ کرے' اس سے اثر قبول کر دے یا اثر کو رد کر دے اس وقت اس نفس کی حالت اس بچے کی طرح ہو جاتی ہے جو آغوش پدر میں ہے اور باپ اس کی کچھ خواہش پوری کر کے خاموش کروا سکتا ہے۔

شیخ ابو محمد الراشی کی سماع کے وقت کیفیت:

کہتے ہیں کہ شیخ ابو محمد الراشی کا بالکل یہی حال اور یہی کیفیت تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو سماع میں مشغول کر کے خود ایک گوشہ میں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے' بایں ہمہ سماع کے یہ نغمات نمازی کی نماز کی طرح باطن میں سرایت کر جاتے ہیں اور جب نفس (غیر ارادی طور پر) اس سے محظوظ ہوتا ہے۔

اس وقت مقام روح اس انس محبت کی وجہ سے اور بھی واضح اور صاف ہو جاتا ہے اور نفس روح سے دور رہتا ہے خواہ نفس اس صورت حال میں مطمئن ہی کیوں نہ ہو) لیکن وہ اپنی خلقت اور جبلت کے باعث روح سے اجنبی رہے گا' اس وقت نفس کی دوری کی وجہ سے روح کو طرح طرح کے فتوح حاصل ہوتے ہیں پس اگر نماز کے وقت یہ نغمات (سماع) کانوں تک پہنچے بھی تو یہ نمازی کی مناجات اور کلمات نماز کے معانی کی تفہیم میں کسی طرح حائل نہیں ہو سکتے بلکہ مصلی کی صلوٰۃ بغیر کسی مزاحمت یا خلل کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی جس کی وجہ صاف ظاہر ہے یعنی ایمان کی بدولت اس کے سینے کو کھول کر مزید وسیع کر دیا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ وہ محسن و منان ہے۔

سماع کچھ لوگوں کے لئے بمنزلہ دوا ہے:

اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ سماع کچھ لوگوں کے لئے بمنزلۂ دوا ہے اور ایک دوسری جماعت کیلئے روحانی غذا ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں ان کے لئے یہ صرف پنکھے کا کام کرتا ہے (گرمی اور حرارت کو برووت سے بدلتا ہے)۔

گریہ و زاری کے اقسام کے سلسلہ میں سرور کائنات ﷺ کی یہ حدیث شریف ہے کہ آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ارشاد فرمایا کہ "قرآن کریم کی تلاوت کرو۔" انہوں نے کہا کہ حضور کیا میں آپ کے سامنے قرآن پاک پڑھوں حالانکہ آپ پر قرآن مجید نازل ہوا ہے! حضور ﷺ نے ارشاد کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے قرآن مجید سنوں (اس لئے تم پڑھو) چنانچہ انہوں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ — اس وقت کیا حال ہو گا' جب ہم ہر قوم سے ایک گواہ طلب کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ مقرر کریں گے۔ (سورۃ النساء)

حضور سرور دو عالم ﷺ یہ آیت سن کر اشکبار ہو گئے (آپ کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں)۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار حجراسود کے پاس آئے اسے چوما اور بہت دیر تک اپنے لب مقدس اس پر رکھ کر اشکبار ہے اور فرمایا اے عمر (رضی اللہ عنہ) یہ وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔

پس جو شخص متمکن ہے اس کی طرف یہ اقسام بکا عود کرتے ہیں اور اس بکا میں ایک فضیلت موجود ہے جس کو حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے طلب فرمایا ہے' حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "الٰہی مجھے تو خوب رونے والی آنکھیں عطا فرمادے' یہ اشکباری اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اسی کے لئے ہے اور اسی کے ساتھ ہو اسی لئے یہ مکمل ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کے عطا فرمودہ وجود کے ساتھ مقام کی طرف لوٹتے ہیں' (اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی کے طفیل ہم کو مقام بقاء کی طرف واپس کرتا ہے)۔

باب 25

سماع کے آداب اور توجہ

اس باب میں ہم سماع کے آداب، جامہ دری اور مشائخ عظام کی اس باب کو ہدایات کو بیان کریں گے اور اس باب میں بتایا جائے گا۔ کہ اس سلسلہ میں کونسی باتیں قابل قبول ہیں اور کن باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

محفل سماع میں کس طرح آئے

تصوف کی بنیاد صداقت پر رکھی گئی ہے خواہ کوئی حالت ہو (وہ صدق سے خالی نہیں ہوتی) پس ایک طالب صادق کو خلوص نیت کے ساتھ سماع کی محفل میں حاضر ہونا چاہئے، لازم ہے کہ اس محفل میں نفسانی خواہشات سے پرہیز کرے بلکہ اس کو یہ توقع رکھنا چاہئے کہ یہاں آکر وہ مزید روحانیت حاصل کرے گا۔ پس جب وہ محفل میں شریک ہو تو سچائی، متانت اور وقار کو ہر طرح باقی رکھے۔

شیخ ابو بکر الکتانیؒ کا ارشاد ہے کہ صاحب سماع کو چاہئے کہ سماع میں شرکت سے ایسی لطف اندوزی اور حظ کی توقع نہ رکھے جس سے وہ وجد و شوق میں آکر مست نہ مدہوش بن جائے اور اس پر جذبات و کیفیات کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ وہ متانت و وقار کو ہاتھ سے دیدے، پس ایک طالب صادق کو چاہئے کہ ان تمام حرکات سے حتی الامکان گریز کرے جو وجد میں لانے والی ہو سکتی ہیں خاص طور پر مشائخ کرام کے سامنے اس قسم کی حرکات نہ کرے۔

حکایت

ایک نوجوان حضرت جنیدؒ بغدادی کے ساتھ رہتا تھا جب کبھی وہ سماع سنتا تھا تو چیختا تھا اور اس کی حالت بالکل غیر ہو جاتی تھی، ایک روز حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا اگر آئندہ تم سے سماع میں ایسی حرکت سرزد ہوئی تو تم کو میری صحبت ترک کرنا ہو گی آپ کی اس ہدایت کے بعد اس نے ضبط کرنا شروع کیا، جب وہ اس طرح اپنی چیخ کو ضبط کرتا تھا تو اس کے ہر عضو سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ (شدت ضبط سے یہ حالت ہو جاتی تھی) آخر کار اس نے ایک دن (محفل سماع میں) ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

سماع کی لغزش، بہت سے گناہوں کا موجب ہے

یہ امر صدق سے بعید ہے کہ بغیر وجد نازل ہوئے وجد کا اور بغیر حال کا دعویٰ کیا جائے بلکہ یہ عین نفاق ہے۔ مشہور ہے کہ نصری (۱) رحمتہ اللہ سماع کے بڑے حریص تھے ان کو سماع کا بہت شوق تھا) ان کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے ان پر اعتراض

(۱) نصر آبادی اس سے ابو القاسم بن محمد نصر آبادی مراد ہیں جو اپنے نام کے بجائے اپنے وطن کی نسبت سے زیادہ عوام میں مشہور تھے۔

کیا' ان کے اعتراض کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ سماع کا سننا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ ہم ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کریں' ان کے روحانی بھائی شیخ ابو عمرو بن مجیدؒ نے کہا اے ابوالقاسم! سماع میں جو لغزش واقع ہو جاتی ہے وہ کئی سال تک غیبت کرنے سے بھی بری ہے۔ ہم بیٹھ کر برسوں تک اگر لوگوں کی غیبت کریں' سماع کی لغزش تو اس سے بھی بری ہے اس وجہ سے کہ سماع کی لغزش میں اللہ تعالیٰ کے کئی گناہ ہیں (سماع کی لغزش میں اللہ تعالیٰ کی متعدد نافرمانیاں ہیں) ایک گناہ تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتا ہے یعنی مدعی ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روحانیت بخشی ہے حالانکہ وہ اس سے محروم ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگانا بدترین گناہ ہے دوسرے یہ کہ وہ اکثر حاضرین (مجلس سماع) کو یہ فریب دیتا ہے کہ وہ لوگ اس کی نسبت حسن ظن رکھیں اور فریب دینا ایک خیانت ہے یعنی دوغلا پن اور ناراستی ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس نے ہم کو فریب دیا وہ ہم میں سے نہیں۔" تیسرے یہ کہ اگر وہ باطل پرست ہے (خیال باطل میں مبتلا ہے) اور لوگ اس کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد لامحالہ اس سے ایسے امور سرزد ہوں گے جس سے ان حسن ظن اور عقیدت رکھنے والوں کی عقیدت میں فرق پیدا ہو گا جس کے نتیجے میں وہ بزرگوں سے بدعقیدہ ہو جائیں گے (اس باطل پرست پر قیاس دوسرے بزرگوں کا بھی کریں گے) چنانچہ اس طرح بالواسطہ ان لوگوں کو نقصان پہنچے گا جن کو بزرگوں کے ساتھ حسن ظن ہے اور اپنے اس بدعقیدہ پن کے باعث وہ نیک بندوں کی اعانت سے بھی محروم ہو جائیں گے' ان خرابیوں کے علاوہ بھی اس امر میں بہت سی خرابیاں پنہاں ہیں جو غور و فکر کے معلوم ہو سکتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ایسا جوٹا مدعی مشیخیت حاضرین مجلس کو مجبور کرے گا کہ وہ لوگ نشست و برخاست میں اس کی تقلید اور پیروی کو اپنا شعار بنائیں اس طرح وہ خود بھی تصنع اور تکلف کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی باطل پرستی کی تقلید پر مجبور کرتا ہے بایں ہمہ ایسی محفل اور مجلس میں کچھ ایسے صاحبان بصیرت بھی ہوتے ہیں جو اپنے نور فراست سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ مدعی باطل پرست ہے لیکن آداب محفل کا خیال رکھتے ہوئے اور ان کی پابندی کے باعث ایسے صاحبان بھی اسی قسم کے بیجا تکلفات کے ارتکاب پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کے گناہوں کی اگر تفصیل کی جائے تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے' مختصر یہ کہ ایسے معاملات میں خدا کا خوف کرنا چاہئے اور (بہ تصنع) وجد و حال کی حرکتیں نہیں کرنا چاہئے بجز اس کے کہ ایک رعشہ دار کی حرکت پر قابو نہ پا سکے یا چھینکنے والے کی طرح چھینک پر قابو پانا محال ہے (یعنی وجد و حال پر جب ضبط و قابو نہ رہے تو اس کا اظہار کرے)۔ یا اس کی حرکت وجد اس کی سانس کی طرح ہو جائے۔ (جس پر ارادہ غالب نہیں آسکتا) اس وقت قدرتی تقاضہ (یا غیر ارادی طور پر) اس کا حرکت کرنا درست ہو گا۔

شیخ سری سقطیؒ کا ارشاد

حضرت شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ وجد کرنے والا اس وقت نعرہ زن ہو سکتا ہے جب اس کی حالت ایسی ہو جائے (بیخودی اس منزل پر آجائے) کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار کا وار بھی کیا جائے تو اس کو تکلیف اور درد کا احساس نہ ہو' اہل وجد میں یہ حالت شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سماع اور وجد میں منہ سے ارادتاً اس طرح نعرہ نکل

جاتا ہے جس طرح سانس لے رہا ہو لیکن یہ نوعیت اور کیفیت اضطراری ہوتی ہے ارادی نہیں ہوتی۔ پس جب ایسی حرکات اور نعروں کا ضبط کرنا ہی ضروری ہے تو کپڑے پھاڑنے سے پرہیز اور گریز تو اور بھی ضروری ہونا چاہئے (بدرجہ اولیٰ لازم ہے) کیونکہ اس میں ایک قباحت تو مال کے ضیاع کی ہے اور ایک قسم کی فضول خرچی بھی!

قوال کی طرف خرقہ پھینکنا غیر مناسب ہے

کپڑے پھاڑنے کی طرح گانے والوں کی طرف خرقہ پھینکنا بھی نامناسب ہے البتہ اس صورت میں جب کہ ہر کیفیت اضطراری ہو اور اس میں ریاکاری اور تصنع کا شائبہ نہ ہو' ایسی صورت میں گانے والوں کی طرف خرقہ پھینکنے میں کوئی قباحت نہیں ہے' حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ جب وہ (قبول اسلام کے لئے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ نے وہ قصیدہ پیش کیا جس کا مصرعہ اول یہ ہے (1)
بَانَتْ سُعَادٍ فقلبی اَلْیَوْم مَسْتُول۔

جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا

اِنَّ الرَّسُولُ بَسْف یَستضاء بہٖ مُهَنَدٌ مِنْ شُیُوف اللّٰه مَسْلُول'

یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرما کر دریافت فرمایا تم کون ہو؟ اس کے جواب میں پہلے حضرت کعب نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰه' پھر کہا کہ حضور کعب بن زہیر ہوں! (اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام بتایا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک جو آپ اوڑھے ہوئے تھے ان کی طرف اچھال دی۔ (چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاصلہ پر تھے)۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت کعب بن زہیر کے پاس پیغام بھیجا کہ تم ہمارے ہاتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ردائے مبارک دس ہزار درہم میں فروخت کر دو تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس پوشاک پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا (اس کو کسی چیز کے عوض نہیں دوں گا) آخر کار جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد سے یہ ردائے مبارک بیس ہزار درہم کے عوض حاصل کر لی' یہی وہ ردائے مقدس ہے جو امام الناصر الدین اللہ' بادشاہ وقت کے پاس اب تک موجود ہے اور اس کی برکات سے ناصرالدین اللہ کا عہد ایک عہد زریں ہے۔ (2)

صوفیائے کرام کے آداب

صوفیائے کرام کے کچھ مخصوص آداب ہیں جن کا یہ حضرات التزام رکھتے ہیں اور لوگ صحبتوں میں ان مخصوص آداب

---

(1) یہ قصیدہ کعبؓ' عربی ادب میں قصیدۂ بانت معاد' کے نام سے مشہور ہے۔
میں نے متن میں جس طرح مہند لکھا ہے اسی طرح لکھ دیا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصرعہ ثانی میں ترمیم فرمادی تھی۔

(2) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے زمانے میں ناصرالدین اللہ تحت خلافت پر متمکن تھا۔

کی پابندی کو آداب معاشرت کہتے ہیں اگرچہ صوفیائے متقدمین نے ان آداب کی پابندی نہیں کی ہے لیکن انہوں نے ان آداب کو ناپسند نہیں سمجھا ہے اور ان آداب پر انہوں نے عمل کیا ہے، شریعت بھی ان امور (آداب) کا انکار نہیں کرتی ہے اس اعتبار سے ان آداب کو اب ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی' انہی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی صوفی پر سماع میں وجد کی کیفیت طاری ہو جائے اور حالت وجد میں اس کا خرقہ گر جائے یا وہ اپنا خرقہ قوال کی طرف پھینک دے تو اس وقت تمام حاضرین محفل ننگے سر ہو جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ عمل میر محفل یا شیخ کی طرف سے سرزد ہو اور اگر ایسا فعل شیوخ کی موجودگی میں نوجوان سے سرزد ہو تو شیوخ مجلس پر ان نوجوانوں کی تقلید ضروری نہیں ہے ایسی صورت میں دیگر حاضرین مجلس بھی شیوخ محفل ہی کی اتباع کریں گے' محفل کے نوجوانوں کی اتباع ان کے لئے ضروری نہیں ہے جب سماع کے بعد وہ وجد سے حالت سکوں میں آجائیں تو یہ خرقہ یا عمامہ قوال سے واپس لے لیا جائے گا اس وقت تمام حاضرین بھی اپنے اپنے اعمال نامے سر پر رکھ لیں گے تاکہ شیخ کی موافقت مکمل ہو جائے۔

تقسیم خرقہ کے بارے میں دو رائیں!

جب خرقہ قوال کی طرف پھینکا جاتا تو (وہ عطیہ کے طور پر) قوال کا ہو جاتا ہے بشرطیکہ صاحب حال نے اس کے عطا کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اگر قوال کو عطا کرنے کا ارادہ نہیں تھا تو ایسی صورت میں مشائخ کی دو رائیں ہیں' بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ قوال کا ہو جاتا ہے کہ اس کے وجد کا اصل محرک قوال تھا اور خرقہ پھینکنے کا اصل محرک وہی ہوا ہے (پس خرقہ اصل محرک یعنی قوال کا ہے) اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگرچہ وجد کا اصل محرک قوال کا قول ہے لیکن اس وجد میں تمام حاضرین محفل کی برکات بھی شامل ہیں ان سب کے نفوس کی برکات سے یہ وجد طاری ہو' اور نہ محض قوال کے اشعار یا قول سے وجد کی یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی البتہ قوال کو بھی افراد محفل میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ سے استناد!

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم بدر میں فرمایا کہ "جو شخص (آج) ایسے مقام پر ٹھہرے اس کے لئے یہ درجہ ہے (ثواب ہے) اور جو شہید ہو جائے اس کے لئے اس قدر ثواب ہے اور جو ہو اس کے لئے اس قدر اجر ہے' حضور کا یہ ارشاد سن کر نوجوان (مجاہدین) جلد جلد آگے بڑھ گئے اور ضعیف العمر اور سرداران لشکر اسلامی جھنڈوں کے قریب رہے' جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مند فرمایا تو نوجوان نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ فتح ان کے نام سے موسوم ہو۔ اس وقت معمر حضرات نے عرض کیا کہ اے نوجوانو! ہم تمہاری پشت و پناہ تھے (تمہاری پشت پر بطور محافظ تھے) لہٰذا اس مال غنیمت کو ہم سے الگ نہ رکھو' اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ○ (وہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے)۔ اس حکم خداوندی کے بعد آپ نے مال غنیمت تمام لوگوں میں بحصہ مساوی تقسیم فرما دیا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر قوال جماعت صوفیہ کا ایک فرد ہے تو اس کی حیثیت بھی ان ہی کے ایک فرد کی ہو گی اور اگر وہ کوئی غیر شخص ہے (جماعت صوفیہ سے نہیں ہے تو پھر اس کو کچھ نہیں ہے اور یہ خرقہ صرف درویشوں میں تقسیم ہو گا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوال اگر اُجرت اور معاوضہ پر بلایا گیا ہے تو اس کو خرقہ کے تبرکات سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اگر وہ بطیب خاطر بغیر معاوضہ یہ خدمت انجام دے رہا ہے تو اس کو بھی حصہ ملے گا۔ یہ تمام امور اس وقت کے ہیں کہ محفل میں شیخ موجود نہ ہو، جو حکم دے۔ اگر محفل میں ایسا شیخ موجود ہو جس کی بزرگی اور حکم کی اطاعت کرنا سب پر واجب ہو تو پھر جو حکم دے گا اس کے مطابق عمل کیا جائے گا)۔ (شیخ محترم اپنی رائے سے اس کا فیصلہ کرے گا) کیونکہ اس معاملہ میں حالات میں اختلاف پایا جاتا ہے پس شیخ محفل اپنی صوابدید کے مطابق کام کرے گا اور کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہو گا۔

خرقہ کے بدلہ نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے

اگر صاحب محفل یا مخلص شخص نے اس خرقہ کی رقم یا اس کا معاوضہ بصورت زر ادا کر دیا اور تمام حاضرین محفل اور قوال بھی اس زر معاوضہ پر رضا مند ہیں اور اس وقت وہ شخص اپنا خرقہ واپس لے لیگا۔ ہاں اگر کسی شخص نے اپنا خرقہ عطا کرنے کی نیت سے یا ایثار کے طور پر قوال پر پھینکا ہے (اور اس خیال کے تحت اس نے اپنا خرقہ اتارا تھا) تو اس صورت میں خرقہ قوال ہی کو دیا جائے گا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حالت وجد میں ایک باخلوص درویش روحانی جذبہ سے مغلوب ہو کر بے اختیاری میں اپنے خرقہ کو پھاڑ دیتا ہے ایسے دریدہ خرقہ کو اگر کوئی شخص حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے موقع پر صوفیائے کرام اس خرقہ کو مزید ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور پھر ان ٹکڑوں کو تبرک کے طور پر تقسیم کر دیتے ہیں چونکہ وجد خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کی ایک نشانی ہے اور خرقہ کا چاک کرنا اسی وجد کا ایک اثر ہے اس طرح خرقہ فضل الٰہی سے متاثر ہوا پس یہ سب لوگوں کا حق ہے (کسی کو اس سے محروم نہیں رکھنا چاہئے) جب اس دریدہ خرقہ سے حصہ ملے تو عزت و اکرام کے لحاظ سے اس کو سر پر رکھنا چاہئے، کسی شاعر کا قول ہے۔

تضوح ارواح بخد من ثیابہم   یَوم القدوم تقرب العہد بالدّار

اَرواح نجد تک ہیں معطر، لباس سے   وہ آج آرہے ہیں کہ یوم وصال ہے

(شمس)

معطر معطر، خراماں خراماں   نسیم آرہی ہے کہ وہ آرہے ہیں

(جگر مرحوم)

سرور کونین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ بادلوں کا استقبال کرتے اور ان سے برکت حاصل فرماتے اور ارشاد فرماتے! "یہ اپنے رب سے ابھی ہمکلام ہو کر آرہے ہیں، اسی طرح دریدہ خرقہ بھی اللہ تعالیٰ کے تقرب سے ایک تعلق رکھتا ہے پس دریدہ خرقہ کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے اور جو خرقہ دریدہ نہیں ہے اس کے بارے میں شیخ محفل ہی کا فیصلہ اٹل ہے اگر وہ چاہے تو بعض درویشوں کے لئے اس کو مخصوص کر سکتا ہے اور چاہے تو اس کو پارہ پارہ کر دے، بہرحال کسی صورت میں اعتراض کا موقع نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اسراف اور فضول خرچی ہے،

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت شدید کے وقت ایک چھوٹا خرقہ بھی بڑے خرقہ کا فائدہ پہنچاتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی شخص نے حریر کا لباس ہدیتہً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قبول فرما کر مجھے عطا فرما دیا' میں اس کو پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا جس چیز کو میں نے اپنی ذات کے لئے پسند نہیں کیا اس کو تمہارے لئے کس طرح پسند کروں گا' پھر اس کے ٹکڑے کر کے خواتین کی اوڑھنیاں (دوپٹے) بنا دیں۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اس لباس حریر کو لے کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "میں اس کا کیا کروں' کیا میں اس کو پہن لوں" تو آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ فَواطِم (فاطمہ بنت اسد' فاطمہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم) کے لئے اس کی اوڑھنیاں بنا دو' اس روایت میں ہے کہ یہ ہدیہ دوہرا سلا ہوا حریر کا لباس تھا۔ پس کپڑے کا ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دینا سنت ہے۔

نیشاپور کی ایک دعوت

نیشاپور میں کسی جگہ ایک دعوت میں بہت سے فقہا اور صوفیہ جمع ہوئے' کسی صاحب کا خرقہ گر پڑا اس مجلس میں شیخ الفقہا ابو محمد جوینی اور شیخ الصوفیہ استاد ابوالقاسم قشیری بھی موجود تھے صوفیہ نے حسب عادت اس خرقہ کو آپس میں تقسیم کر لیا' اس وقت شیخ الفقہاء ابو محمد جوینیؒ بعض فقہا کی طرف دیکھا اور چپکے سے کہا کہ (تقسیم خرقہ) اسراف اور اتلاف مال ہے' ان کی یہ بات استاذ ابو القاسم قشیریؒ نے سن لی' لیکن خاموش رہے جب لوگ خرقے کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو آپ نے خادم بلایا اور کہا کہ دیکھو کوئی بوسیدہ اور دریدہ مُصَلّٰی اگر یہاں مل جائے تو لے آؤ خادم اس طرح کا ایک مُصَلّٰی لے آیا اس وقت آپ نے کپڑے کے کاروبار سے واقف ایک شخص کو بلایا اور اس سے کہا کہ تم یہ مُصَلّٰی زیادہ سے زیادہ کتنے میں خرید سکتے ہو اس نے کہا کہ ایک دینار میں خرید سکتا ہوں' آپ نے فرمایا کہ اگر یہ صرف ایک ہی ٹکڑا (قطعہ ہوتا تب کتنے میں خریدتے' واقف کار نے کہا کہ تب نصف دینار میں خریدتا' اس وقت آپ شیخ ابو فقہا ابو محمدؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ مال کا اتلاف نہیں ہے۔

پارہ پارہ خرقہ کی تمام حاضرین مجلس میں تقسیم کرنا چاہئے خواہ وہ ہم مشرب ہوں یا ہم مشرب نہ ہوں' ہاں اتنا ضرور ہے کہ ان لوگوں کو (جو صوفی نہیں ہیں) صوفیائے کرام سے حسن ظن نہ ہو (ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے جو صوفیہ سے عقیدت و حسن ظن نہیں رکھتے)

طارق بن شہابؓ سے روایت ہے کہ اہل بصرہ نے نہاوند والوں سے محاربہ کیا' اہل کوفہ ان کی کمک کر رہے تھے' حضرت عمار بن یاسرؓ اہل کوفہ کے سردار تھے' اہل بصرہ اس محاربہ میں کامیاب ہوئے' کامیابی کے بعد اہل بصرہ نے مال غنیمت میں اہل کوفہ کو شامل کرنا نہیں چاہا۔ اس وقت بنی تمیم کے ایک شخص نے عمار بن یاسر سے اس طرح خطاب کیا کہ اے سردار! کیا تم

ہمارے مال غنیمت میں شریک ہونا چاہتے ہو' حضرت عمارؓ نے اس شخص کو تو کچھ جواب نہیں دیا لیکن انہوں نے (خلیفہ وقت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات لکھ بھیجی' حضرت عمرؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ مال غنیمت میں ہر اس شخص کا حصہ ہے جو جنگ میں شریک ہو۔'

قوال کو خرقہ دیا جانے کا استدلال ایک حدیث سے

بعض مشائخ کی رائے ہے کہ خرقہ وریدہ تو حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے لیکن جو غیر وریدہ ہو (حالت وجد میں جسے پھاڑا نہ گیا ہو) وہ قوال کا حصہ ہے' اسے دیا جائے گا اور ان حضرات نے اپنے اس قول کا استدلال حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں "غزوہ حنین جب ختم ہوا اور ہم لوگ لڑائی سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی شخص کو قتل کیا ہے مقتول کا سازو سامان اسی کو ملے گا۔ یہ استدلال غیر وریدہ اور صحیح وسالم خرقہ کے لئے تو مناسب ہے لیکن خرقہ وریدہ کے ٹکڑوں کو حاضرین میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر تقسیم کے وقت باہر سے کوئی اور شخص بھی آگیا تو اس کو بھی حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ہم فتح خیبر کے تین روز کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو بھی اس کا حصہ دیا (صرف یہ رعایت ہمارے ساتھ روا رکھی گئی) ورنہ ہمارے سوا اور جو کوئی اس فتح (غزوہ) میں موجود نہیں تھا اس کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا گیا۔"

حضرات صوفیہ میں بعض لوگ ذوق تصوف نہ رکھنے والے کو پسند نہیں کرتے جیسے ایسا عابد مرتاض جو ذوق سماع سے بہرہ یاب نہیں ہے پس وہ انکار کرتا ہے' یا کوئی ایسا شخص آجائے جو سماع کا منکر نہیں ہے لیکن دنیا دار ہے جو اس محفل' یا اپنی مدارات اور خاطر تواضع کا خواہاں ہے' یا کوئی ایسا شخص جو زبردستی وجد کی حالت اپنے اوپر طاری کرے اور اپنے ایسے وجد سے لوگوں کی پریشانی خاطر کا باعث بنے تو ایسے تمام لوگوں کو یہ حضرات یعنی ارباب تصوف پسند نہیں کرتے ہیں۔

شیخ ابو زرعہ طاہر چند واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "ہم لوگ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ نزول وحی کے ساتھ حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی امت کے فقراء آپ، کی امت کے دولت مندوں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کا ہو گا' حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ (خوشخبری) سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس وقت کچھ اشعار پڑھے' ایک دیہاتی شخص نے عرض کیا کہ جی ہاں یارسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اچھا سناؤ! اس وقت اعرابی نے یہ اشعار پڑھے۔"

قَد لَسعت حیَّة الھدیٰ کَبِدِی فَلاَ طَبیب لَھَا وَلاَ رَاقی
ڈس لیا ایسے سانپ نے مجھ کو جس کا تریاق اور علاج نہیں
اِلَّا الحبیب الَّذآی شغَفْتُ بِہٖ فَعِنْدَہٗ رَقیتِی وَتِریَاقی
ہاں! اگر ہے تو صرف یار کے پاس اس کا تریاق اور نہیں ہے کہیں
(شمس)

یہ اشعار سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور دوسرے اصحاب پر بھی وجد طاری ہو گیا' اسی وجد کی حالت میں آپ کے پیش مبارک سے ردائے مبارک ڈھلک گئی پھر جب یہ کیفیت ختم ہو گئی تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اس وقت معاویہ بن سفیانؓ نے کہا' یارسول اللہ! آپ کا یہ کمبل کتنا پیارا ہے' آپ نے فرمایا اے معاویہ خاموش رہو! وہ شخص صاحب دل (کریم) نہیں جو اپنے حبیب کا ذکر سننے پر اہتزاز اور حرکت میں نہ آئے' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ردائے مبارک کے سو ٹکڑے کئے اور حاضرین میں ان کو تقسیم کر دیا۔ یہ حدیث ہم نے سندوں (۱) کے

ساتھ پیش کر دی ہے جیسا کہ ہم نے سنا تھا لیکن اس کی صحت سے محدثین کرام نے اتفاق نہیں کیا ہے (انہوں نے اس کو حدیث صحیح نہیں کہا ہے) اور ہم نے بھی ایسی کوئی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں پائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجد فرمانا اور آپ کی کسی ایسی محفل کا ذکر ہو عصر حاضر کے وجد اور محفل سماع سے مشابہ ہو' سوائے حدیث مذکورہ بالا کے بہرحال اگر اس حدیث کو حدیث صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ صوفیہ حضرات کے لئے اور اس زمانے کی مجالس سماع اور خرقہ پارہ پارہ کرکے اس کو تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ایک حجت اور دلیل ہے'

خود میرے دل میں یہ دغدغہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ایسے اجتماعات کا ذوق و شوق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج مبارک اور طبع مقدس کے مطابق نہیں ہے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس قسم کی روش کو کبھی گوارا نہیں فرمایا' اسی لئے میرا دل اس کی صحت کا منکر ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا۔ (واللہ عالم بالصواب)

---

(۱) اس حدیث کے راویان حضرت شیخ الشائخ نے اس طرح بیان فرمائے ہیں: ابوذرعہؒ نے اپنے والد ابوالفضل حافظ مقدسی سے انہوں نے ابو منصور بن عبدالملک مظفری سرخسی سے انہوں نے ابوعلی الفضل بن منصور بن نصر الکاغدی السمرقندی سے بیان کیا ہے کہ ہثیم بن کلیب نے ابوبکر عمار بن اسحاق سے سنا انہوں نے کہا کہ ہم سے سعید عامرؒ نے ان سے شعبہؒ اور شعبہؒ نے عبدالعزیز بن صہیب سے اور ان سے حضرت انسؓ نے روایت کی ہے (اس کے بعد پوری حدیث ہے۔)

باب 26

اَربعین کی حقیت

یعنی

خلوت نشینی کے وہ چالیس روز جس کا التزام صوفیہ کرتے ہیں

اس چهل روزہ خلوت نشینی یعنی "چلہ" سے صوفیہ کا کوئی خاص ایسا مقصد نہیں ہے جس کو بعد میں پورا نہ کیا جا سکے (اور ایک وقت معین ہے اس کا ادا کرنا ضروری ہے) بلکہ اس کی تخصیص کا باعث یہ ہے کہ چونکہ لوگ (مریدین) وقت کی پابندی نہیں کرتے (پابندی وقت کے عادی نہیں ہوتے) اس لئے چلہ کشی کے ذریعہ اُن کو پابندی وقت کا عادی بنایا جاتا ہے تاکہ اس طرح وہ ہمیشہ پابندی وقت کے ساتھ انجام دے سکیں اور جس طرح ان چالیس دن میں وہ اپنے اوقات بسر کرتے ہیں اس طرح ہمیشہ اپنا وقت گزاریں'

چهل روزہ خلوت یا چلہ کی اصل

ان چالیس دن کی ذکر کے ساتھ تخصیص اس لئے رکھی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ اَخلص للّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحاً طھرت بنابِیْعُ الْحِکْمَۃَ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ (حدیث نبوی)

جس نے چالیس دن اللہ کے واسطے خالص کر دیئے (چالیس دن خلوص کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف رہا) تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے پھوٹ کر اس کی زبان پر آجاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں بھی اس اربعین (چلہ) کی تخصیص پائی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو (دس راتوں کا اضافہ کر کے) چالیس مکمل کرنے کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہوا:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ۝ (پارہ 9 سورہ اعراف)

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے اس کو دس راتوں کے ساتھ پورا کیا اس طرح وہ اپنے پروردگار کے پاس چالیس راتوں تک رہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس راتوں کی تفصیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وہ مصر میں تھے، بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور اُن کے چنگل سے بنی اسرائیل کو نجات مل جائے گی تو وہ ان کے لئے خداوند تعالیٰ کے پاس سے کتاب لائیں گے جس میں حلال و حرام اور دوسرے احکام و قوانین کا ذکر ہو گا چنانچہ جب فرعون کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے وہ کتاب مانگی (احکام شریعت) اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تیس دن روزے رکھیں (یہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا) جب یہ تیس دن ختم ہو گئے یعنی تیس راتیں پوری ہو گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے منہ کی بو ناگوار محسوس ہوئی تو انہوں نے خرنوب کی لکڑی سے منہ سے مسواک کی، اس وقت ملائکہ نے ان سے کہا کہ تمہارے منہ سے تو ہم مشک کی خوشبو سونگھتے تھے (مشک کی خوشبو آتی تھی) تم نے مسواک کر کے اس خوشبو کو ختم کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ماہ ذی الحجہ کے مزید دس روزے رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے موسیٰ! کیا تم کو نہیں معلوم کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے'

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روزہ کی کیفیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا روزہ ایسا نہیں ہوتا تھا کہ دن میں کھانا پینا چھوڑ دیں اور رات کو کھائیں پئیں بلکہ چالیسوں دن بغیر کھائے ان کو گذارنا پڑے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ معدہ کا کھانے سے خالی ہونا، اس سلسلہ میں اصل بنیاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے لائق اس وقت ہوئے (جب کہ ان کا معدہ غذا سے بالکل خالی تھا)

پس خدا رسیدہ بندوں کو (روحانی علوم یا علوم لدنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے وہ بھی ایک قسم کا مکالمہ ہے، پس جو شخص خالی معدہ کے ساتھ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر علوم لدنی کے دروازے کھول دیتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی میں چالیس دن کا تعین نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اور اس میں چالیس دن کی قید لگائی یعنی چالیس دن کی مدت مقرر کی اس میں ایک حکمت تھی جس کی حقیقت سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے دوسرا کوئی واقف نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حکمت سے آگاہ کرنا چاہا یا اس کے کچھ اور مخصوص بندے ہیں (انبیاء کے سوا) جن کو اللہ تعالیٰ نے اس حکمت سے وقوف عطا فرما دیا ہے۔ اس راز میں بھی ایک حکمت موجود ہے۔ (واللہ اعلم!)

میرے خیال میں چالیس دن کی قید میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کرنا چاہا (اسے منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمائے) تو اس مٹی کو خمیر کرنے کی مدت بھی چالیس دن مقرر کئے گئے تھے جیسا کہ روایت میں آتا ہے۔

خمر طینة أدم بیده اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا — اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی کو چالیس دن تک خمیر کیا

چونکہ آدم علیہ السلام دونوں جہان کی آبادی کے معمار (اول) تھے اور خداوند تعالیٰ کی یہ مشیت تھی کہ ان سے دنیا کی

آبادی اور تعمیر بھی ہو اور جنت کو آباد کیا جائے اس لئے ان کو مٹی سے اس ترکیب کے ساتھ پیدا کیا جو عالم حکمت و شہادت اور اس دار دنیا کے مناسب تھی، اگر اس میں سفلی اجزاء کی آمیزش نہ ہوتی تو قانون حکمت کے مطابق دنیا کی آبادی اس سے ممکن نہ ہوتی اس لئے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور چالیس دن تک اس طینت و شرست کو خمیر کیا تاکہ اس چالیس دن کی تخمیر (خمیر اٹھانے) سے ذات الٰہی اور ان کے درمیان چالیس حجاب حائل ہو جائیں' درگاہ الٰہی اور مقامات قرب سے وہ ٹھٹک کر رہ جائیں اگر یہ حجابات اُن کے مانع نہ ہوتے تو یہ دنیا معمور نہ ہوتی' پس عالم حکمت یعنی دنیا کی آبادی اور زمین پر خلیفتہ اللہ کے منصب پر فائز ہونے کے لئے مقام قرب سے انہیں دور رکھا گیا۔

چالیس پردوں کا اٹھنا کس طرح ممکن ہے

پس نبی آدم ہر روز متوجہ الی اللہ ہو کر اور حصول معاش (کی فکر) سے منہ موڑ کر ایک حجاب کو دُور کرتا ہے' پس جیسے جیسے یہ حجابات اٹھتے جائیں گے اُسی قدر بندہ بارگاہ احدیت کے قُرب میں پہنچتا جائے گا (کہ وہی تمام علوم کا مرکز اور سرچشمہ ہے اس طرح روزانہ طاعت اور حصول معاش سے آزاد رہ کر جب صوفی کے چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو وہ تمام چالیس حجابات اٹھ جاتے ہیں اور پھر اس پر علوم و معارف کی بارش ہونے لگتی ہے اور پھر یہ علوم و معارف عظمت الٰہی کے نورانی پر تو سے انوار و تجلیات الٰہی بن جاتے ہیں۔ حدیث نفس کے اعیان (نفس کا کلام) علوم الہامیہ میں تبدیل ہو جائیں گے اور عظمت الٰہی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر نفس اور اس کا کلام نہ ہوتا تو علوم الٰہیہ کا ظہور نہ ہوتا (علوم الٰہیہ کا ظہور اسی حدیث نفس اور نفس کے باعث ظہور میں آیا ہے) کہ حدیث نفس انوار الٰہیہ کو قبول کرنے کے لئے ظرف وجودی ہے جب کہ قلب میں بالذات قبول علم کے لئے کوئی شئے موجود نہیں ہے' سردار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں کہ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان سے جاری ہوں گے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قلب کا ایک رخ اس کی روح کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ اس کی توجہ عالم غیب کی طرف ہے اس سے ظاہر ہے کہ جو علوم نفس میں پیدا کئے گئے ہیں قلب ان سے خواستگار ہوتا ہے اور زبان کے حوالے کر دیتا ہے جو قلب کی ترجمان ہے' اس طرح علوم کا ظہور قلب سے (بالواسطہ) (۱) ہوتا ہے کہ علوم اس میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔ پس قلب اور روح کو قرب الٰہی سے وہ مراتب میسر آجاتے ہیں جو الہام کے مرتبہ اور منزل سے بھی (نور و مرتبت میں) افزوں ہیں' پس اس طرح بندہ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اور دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنی ہستی کی مسافت (بعیدہ) کو طے کرتا ہے اور اپنے نفس کی معاون سے علوم کے جوہر نکال لاتا ہے' حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

"لوگ سونے اور چاندی کے کانوں (معاون) کی طرح ہیں جو لوگ عہد جاہلیت میں بہترین ہیں وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ وہ صاحب فہم ہوں۔"

---

(۱) مصنف علام نے اوپر فرمایا ہے وَمَا لِلقلب فی ذاتِہِ بقبول علم شَیٌ کہ قلب میں بالذات قبول علم کے لئے کچھ نہیں" اس لئے اس موقع پر "بالواسطہ" کا اضافہ کیا گیا' شیخ الشیوخ فرماتے ہیں "فظهور العلوم من القلب لا نَّها متاصله فيه○

پس ایک طبقہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے عمل میں خلوص پیدا کر کے ان اَرضی اور خاکی طبقات کو دور کرتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے والے ہیں یہاں تک کہ چلہ کے چالیس دن پورے ہونے پر روزانہ ایک طبقہ یا حجاب دور ہونے کے حساب سے حجاب کے چالیسوں طبقات دور ہو جاتے ہیں اور جب اس چلہ کے بعد اس طالب حق کی پیاس دنیا سے کم ہو جائے اور وہ اس پُر فریب دنیا سے کنارہ کش ہو کر اس عالم کی طرف متوجہ ہو جائے جو غیر فانی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس پر چلہ کا صحیح اثر مرتب ہوا اور اس کی بندگی اور اخلاص میں صحت ہے (یعنی چلہ کا صحیح اثر و چلہ کشی کرنے والے کی بندگی اور اخلاص کی سمت کا اس وقت پتہ چلتا ہے کہ جب کہ چلہ کشی کرنے والے دنیا سے دلچسپی رکھنا کم کر دے اور وہ ترک دنیا پر عمل پیرا ہو جائے) کیونکہ یہ زہد و تقویٰ حکمت کے ظہور کے لئے ایک ضروری چیز ہے اور اگر اس نے دنیا سے قطع تعلق نہیں کیا تو اس کے لئے حکمت کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص چلہ کشی کے بعد بھی حکمت کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا (جو چلہ کشی میں اس پر عائد ہوئے تھے) اور وہ اس خلوت میں بھی خدا کے ساتھ اخلاص سے متوجہ نہیں ہوا اور جس شخص میں اخلاص نہیں وہ خداوند تبارک و تعالیٰ کی صحیح بندگی و عبادت نہیں کر سکتا' اللہ تعالیٰ نے ہم کو اخلاص (بندگی کا بھی اسی طرح حکم دیا جس طرح ہمیں علم کا حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ "ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی خلوص کے ساتھ کریں۔" وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ)

قیامت میں اخلاص مقبول ہوگا اور شرک مردود

شیخ طاہر بن ابی الفضل (باسناد) صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن اخلاص اور شرک دونوں دو زانو ہو کر خداوند جل و علا کے سامنے حاضر ہوں گے' خداوند تعالیٰ اخلاص کو حکم دے گا کہ تو اہل اخلاص کے ساتھ جنت میں جا اور شرک سے فرمایا جائے گا کہ تو اہل شرک کے ساتھ جہنم میں جا۔"

حدیث مذکورہ بالا کی اسناد کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ "میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اخلاص کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے دریافت کیا' انہوں نے رب العزت سے اس بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" "ھُوَ سِرٌّ مِن سِرِی اَدْدعتہٗ قلب من اُحببت من عَبادی" "وہ میرا ایک راز ہے جسے میں نے اپنے محبوب بندے کے دل میں بطور امانت رکھا ہے"

مخالفت نفس اور خلوت نشینی!

کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس کی مخالفت کر کے خلوت نشینی اختیار کرتے ہیں' اس لئے کہ نفس بالطبع خلوت نشینی سے بچتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے (جلوت) سے اس کو رغبت ہے پس جب اس کو اس کی مانوس جگہ سے ہٹایا جائے اور

اطاعت خداوندی کا عادی بنایا جائے تو ایسی ہر تلخی کے بعد قلب کو حلاوت نصیب ہوتی ہے!

خلوت نشینی کے سلسلہ میں مشائخ عظام کے ارشادات

خلوت نشینی کے سلسلہ میں حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے۔ "میں نے خلوت سے زیادہ اور کوئی چیز اخلاص پیدا کرنے والی نہیں دیکھی پس جس نے خلوت کو اختیار کیا اس نے گویا اخلاص کے ستون کو پکڑ لیا اور اس طرح صدق و حقیقت کے ایک بڑے رکن کو حاصل کر لیا۔

حضرت شبلیؒ نے ایک شخص کو جو ہدایت کا طالب تھا اس طرح نصیحت فرمائی۔ "خلوت کو اپنے لئے لازم کرے اور لوگوں سے اپنے نام کو مٹا دے' اس وقت تک جب کہ تجھے موت آئے دیوار کی طرف اپنا منہ رکھ۔"

یحییٰؒ بن معاذؒ رازی فرماتے ہیں کہ خلوت صدیقین کی آرزو ہے اور جس انسان کا باطن خلوت کی آسودگی اور فراغت کی طرف مائل ہو اور اس کا نفس اس کی طرف راغب ہو تو یہ اس کے کمال استعداد کی ایک کامل اور سب سے بڑی دلیل ہے۔"

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی حالت روایت کی گئی ہے جو خلوت نشینی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت زہری بروایت عروہؒ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اولاً آپ کو سوتے میں رویائے صادقہ نظر آتے تھے' آپ جو خواب دیکھتے تھے وہ صبح صادق کی طرح صحیح ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ تنہائی کو پسند فرمانے لگے اور غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں مسلسل کئی کئی رات تک قیام فرما رہتے اور عبادت میں مشغول رہتے' پھر آپ وہاں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور پھر پہلے کی طرح غار حرا میں واپس تشریف لے جاتے ثُمَّ یرجع اِلٰی خدیجة فیزدٌ وِلمثلھَا یہاں تک کہ غار حرا میں حق کا آپ پر نزول ہوا یعنی ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا' پڑھیئے۔" آپ نے جواب میں فرمایا "میں پڑھنا نہیں جانتا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا یہ جواب سن کر فرشتے نے مجھے اپنی گرفت میں لے کر اس زور سے دبوچا کہ میں ہلکان ہو گیا' اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھیے" میں نے پھر جواب دیا کہ "میں خواندہ نہیں ہوں" اس فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دبوچا اسی طرح تیسری بار دبایا اور یہاں تک دبایا کہ میں تنگ گیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ	اپنے رب کے نام سے پڑھو
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○	جس نے انسان کو پیدا کیا خون بستہ سے

اس فرشتے نے مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا' حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتے کے دفعتاً ظاہر ہو جانے سے دہشت زدہ حالت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئے اور فرمایا "مجھے کملی اُڑھا دو۔" "مجھے کملی اڑھا دو۔"

حضرت خدیجہؓ نے آپ کو کملی اڑھا دی یہاں تک کہ (کچھ دیر کے بعد) وہ کیفیت جاتی رہی' اس وقت آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اپنی عقل کے بارے میں خوف پیدا ہو گیا ہے اور تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے'

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا' ہرگز نہیں ایسا ہو گا' خداوند تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا (ابد تک) کہ آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں' سچ بولتے ہیں' دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں' تہی دست لوگوں کی مدد فرماتے ہیں' یتیموں کو کھانا کھلاتے ہیں' اور

لوگوں کی مصیبت میں کام آتے ہیں' پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں ورقہ عہد جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے چنانچہ وہ انجیل کو عبرانی زبان میں تحریر کیا کرتے تھے اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے پاس پہنچ کر حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے ان سے کہا کہ اے چچا ذرا اپنے بھتیجے کی باتیں تو سنئے۔ (۱)

ورقہ بن نوفل کی تقریر

ورقہ بن نوفل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ مجھے بتاؤ کیا بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری روئیداد سنائی' انہوں نے پورا ناجرا سن کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ یہی وہ ناموس (فرشتہ وحی) ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ بھیجتا تھا' کاش میں اس وقت زندہ اور جوان ہو تا جب تمہاری قوم تم کو شہر (مکہ) سے نکال دیگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ لوگ مجھے (مکہ سے) نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا ہاں! جو کوئی بھی اس قسم کا پیغام لے کر آیا ہے جیسا کہ پیغام تم لائے ہو تو اس کی قوم نے اس کے ساتھ دشمنی کی ہے' اگر میں اس وقت زندہ ہوا تو میں تمہاری مدد کروں گا۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ حضور "فترت وحی" (سلسلہ وحی منقطع ہو جانے) کا ذکر فرما رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی میں نے سر اوپر اٹھایا تو میں نے اسی فرشتہ کو دیکھا جو غار حرا میں نازل ہوا تھا' اس وقت وہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے' مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور میں وہاں سے پلٹ کر گھر آیا اور میں نے (حضرت خدیجہؓ) سے زملونی' زملونی' کہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ما وَالرُّجْزَ فَاْهُمْ ○	اے کمبل اوڑھنے والے' اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ فترت وحی کے زمانے میں کئی بار میں نے ارادہ کیا کہ میں پہاڑ کی چوٹیوں سے خود کو نیچے گرا کر ہلاک کر لوں! لیکن جب کبھی میں اس ارادے سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتا اور چاہتا کہ خود کو گرا دوں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہو کر کہتے!

یا محمّد! اِنَّكَ رسول اللّٰهِ حَقًّا○	اے محمدؐ! آپ درحقیقت اللہ کے رسول ہیں!

---

(۱) اکثر مفسرین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ورقہ بن نوفل ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر عم زاد تھے لیکن حضرت شہاب الدین سہروردی نے یہ تحریر فرمایا ہے فقالت لهٔ خديجه' يا عم اِسمع مِن ابن اخيك (عوارف المعارف صفحہ 311 طبع بیروت) میں نے ترجمہ میں اس کی پابندی کی ہے۔

یہ سن کر میرے دل کو تسکین ہو جاتی لیکن فترت وحی کا جب یہ زمانہ بہت طویل ہو گیا تو اس قسم کا خیال میرے اندر پھر پیدا ہوا اس وقت بھی جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے اور اسی قسم کے الفاظ پھر کہے!

پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائے بعثت کے یہ حالات ہی وہ اصل اور بنیاد ہیں جو مشائخ کبار اپنے مریدوں اور طالبان حقیقت کو خلوت نشینی کے سلسلہ میں تلقین و تعلیم کرتے ہیں' (مشائخ کی خلوت نشینی کی تعلیم کی بنیاد یہی حالات و واقعات ہیں) اس لئے کہ جب یہ خلوت اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو گئی تبھی وہ خلوت نشین ہو کر خلوص کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دل پر وہ باتیں ظاہر فرما دے گا جو خلوت میں ان کو مانوس ہوں (ان باتوں سے ان کے دلوں کو تسکین حاصل ہو)۔ گویا یہ فیضان الٰہی اس بات کا معاوضہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا (جلوت) کو ترک کیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خلوت نشینی تو ہمیشہ اور دوامی جاری ہونے والا عمل ہے' چلہ پورا کرنے سے تو حق سبحانہ' تعالیٰ کی بشارتوں اور اس کے پوشیدہ عطیات کی محض ابتداء ہوتی ہے۔

باب 27

چہل روزہ خلوت کے کشف و کرامات (فتوح اَربعین)

کچھ لوگوں نے خلوت نشینی اور چلہ کشی کے معاملہ میں فاش غلطی کی ہے اور غلط روش کو اپنایا ہے اور انہوں نے اس سلسلہ کے کلمات میں تحریف کی ہے اور الفاظ کو غلط معانی پہنائے ہیں گویا شیطان نے ان کے نفس پر غرور کا دروازہ کھول دیا ہے اور وہ اس اخلاص کے بغیر جو خلوت نشینی کا حق ہے، خلوت میں جا کر بیٹھ گئے ہیں، ان لوگوں نے یہ سن لیا تھا کہ مشائخ کبار اور صوفیائے عظام سے خلوت نشینی کے موقع پر خلاف عادت عجیب و غریب واقعات (کرامات) ظاہر ہوتے ہیں پس اسی چیز کو وہ حاصل کرنے کے لئے خلوت گزیں ہوتے ہیں لیکن (یاد رکھنا چاہیئے) یہ ایک روحانی بیماری اور تمام تر گمراہی وضلالت ہے۔

خلوت نشینی کی اہمیت

ہاں یہ درست ہے کہ صوفیائے کرامؒ نے خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو محض اپنے دین کی حفاظت احوال نفس کی جستجو اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت بجالانے کے لئے اختیار کیا ہے، شیخ ابو عمرو الاغاطی سے منقول ہے کہ ایک عقلمند کے لئے اپنے انجام کی باتوں کا سمجھنا اس وقت تک آسان نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان امور پر مضبوطی سے قائم نہ ہو جو ابتدائے حال میں اس پر واجب ہیں اور ان باطنی مقامات (مراحل) کی اصطلاح نہ کرلے جن کی معرفت ضروری ہے جن کے ذریعہ اسے معلوم ہو سکے کہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے یا تنزل کی!

پس طالب معرفت کے لئے ضروری ہے کہ وہ خلوت کے مواقع تلاش کرے تاکہ دوسرے مشغلے اس کی راہ میں حائل ہو کر اس کے اصل مقصد کو تباہ نہ کریں (کہ اس صورت میں وہ جو چاہتا ہے اس کو حاصل نہیں ہو سکے گا)۔

شیخ ظاہر بن ابوالفضل نے باسناد متعدد شیخ ابو تمیم مغربی کا یہ قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص خلوت کی جلوت (صحبت) پر ترجیح دے یعنی خلوت اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکر الٰہی کے علاوہ تمام افکار سے خالی ہو جائے اور اپنے رب کی مراد کے سوا تمام مرادوں کو ترک کر دے اور نفس جو ظاہری اسباب کا خوگر ہے ان سے بالکل خالی ہو (ظاہری اسباب سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو) اگر اس کی خلوت نشینی ان اوصاف سے متصف نہیں ہے تو پھر اس کی یہ خلوت اس کو یا تو کسی بلا میں مبتلا کرے گی یا کسی فتنے میں ڈال دے گی۔

حضرت ابو بکرؒ وراق کی نصیحت

محمد بن حامد سے روایت ہے کہ ایک شخص شیخ ابو بکر وراق کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت

فرمایئے' انہوں نے فرمایا کہ میں نے دنیا اور آخرت کو خلوت اور قلت میں پایا یعنی دنیا اور آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں ہے اور ان دونوں کی برائی کثرت اور اختلاط (جلوت) میں پائی۔ پس جو شخص کسی بہانے سے یا کسی سبب کی بنا پر خلوت نشین ہوا تو اس کا یہ فعل شیطانی ہے' شیطان اس کے اندر گھس کر طرح طرح کی خرابیوں کو آراستہ و پیراستہ کر کے اس کے سامنے پیش کر دے گا اور اس طرح وہ شیطان کے دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو کر بزعم خود یہ سمجھنے لگے گا کہ وہ اچھے روحانی مرتبہ تک پہنچ گیا ہے (لیکن اس کا یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک بہت بڑے فتنے میں پڑ گیا ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ ضروری آداب اور پابندی شرائط کے بغیر خلوت نشین ہو جاتے ہیں اور اسی حالت میں ذکر و افکار کرنے لگتے ہیں وہ اس طرح ایک عظیم فتنے میں پڑ گئے ہیں اس طرح وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر راہبوں اور برہمنوں (جوگیوں) کی زندگی بسر کر رہے ہیں (مسلمان خلوت نشین کا یہ طور طریقہ نہیں ہوتا)۔

خلوت نشینی کا حاصل خیالات کی یکسوئی ہے

اس میں کوئی کلام نہیں کہ تنہائی اور خیالات کے یکسو ہونے سے انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے اب اگر باطن کی یہ صفائی' مذہب کی اتباع اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پیروی کے باعث حاصل ہوئی ہے تو اس صفا سے روشن ضمیری (صفائے قلب) ذکر الٰہی کی حلاوت اور پر خلوص عبادات کا ظہور ہو گا اور اگر یہ صفائے باطن مذہبی رہنمائی اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ نہیں ہے تو اس سے محض صفائے نفس حاصل ہو گی اور اس صفائے نفس کا ذریعہ علوم ریاضیہ (1) حاصل ہو سکیں گے جو دہریوں اور فلسفیوں کو منتہائے مقصود ہیں پس ایسے شخص کو جس قدر اس سے انہماک ہو گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے اس کی دوری بڑھتی جائے گی۔ جو لوگ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوں گے خواہ وہ خانقاہ کے علوم (طریقت کے علوم) ہی کیوں نہ حاصل کریں شیطان ان کو فریب میں مبتلا کرتا رہے گا اور یہ فریب اس حد تک بڑھ جائے گا کہ وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کے یہ (باطل) تصورات سچے ہیں اور انہوں نے اپنی منزل مقصود پالی ہے حالانکہ ان کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی خلوت نشینی سے تو برہمن اور عیسائی راہب بھی فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن خلوت نشینی کا یہ اصل مقصد تو نہیں ہے' کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے' "حق سبحانہ' تعالیٰ تم سے استقامت کا طلبگار ہے مگر تم اس سے کرامت کے طالب ہو۔" (2)

کشف و کرامت

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں سے خلاف عادات کشف و کرامات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اور مستقبل کے بارے میں ان پر بعض باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور کبھی ظاہر نہیں ہوتیں لیکن کرامات کے اس عدم صدور سے ان کی حالت میں انقباض یا فتور پیدا نہیں ہوتا اور یہ بات کچھ ان کی شان کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان کے لئے قابل اعتراض بات تو یہ ہو گی کہ

---

(1) علم سرود النفس یعنی دم کشی کی مشق بھی انہی علوم ریاضیہ میں سے ایک علم ہے جو اکثر جوگیوں اور یوگیوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ (مترجم)

(2) کس قدر افسوس کی بات ہے۔

وہ جادۂ مستقیم سے منحرف ہو جائیں۔ اگر ایسے حضرات کو کشف عطا ہو جاتا ہے تو اس خصوصیت سے ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور ایمان کے ازدیاد کا موجب بن جاتی ہے میں اور وہ خلوص دل سے مزید ریاضیات' زہد و تقویٰ اور افعال حسنہ میں مصروف ہو جاتے ہیں (ان کی عبادات میں اور بھی ترقی ہو جاتی ہے)۔

شریعت کی عدم پیروی اور کشف!

اگر یہ کشف و کرامات ان لوگوں سے ظہور میں آئے جو شریعت کے پابند اور مفید نہیں ہیں تو وہ راہ حق سے ہٹ کر مزید غرور و حماقت میں گرفتار ہو جاتا ہے' ایسے لوگ خلق خدا پر دست درازی اور تعدی کرتے ہیں اور مخلوق کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حالت میں رہتے رہتے ایسی منزل آجاتی ہے کہ وہ کلیۃً اسلام کے حلقہ سے نکل کر قوانین شرعیہ اور حلال و حرام کے منکر ہو جاتے ہیں (دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں) ان لوگوں کا (نادانی سے) یہ خیال ہوتا ہے کہ عبادت سے مقصود صرف ذکر الٰہی ہے (رسول اکرمؐ کی اتباع' پیروی اور محبت کچھ ضروری نہیں) اس طرح وہ اتباع رسول اکرم ﷺ کو ترک کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ الحاد و بے دینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ ہم کو اس گمراہی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وقوع مشاہدہ

بسا اوقات بعض سالکان طریقت کے دلوں میں کچھ اس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کو وہ روحانی واقعات سمجھنے لگتے ہیں اور اصل حقیقت سے آگاہی کے بغیر وہ ان واقعات کو مشائخ کرام کے وقائع کے مماثل و مشابہہ خیال کرنے لگتے ہیں لیکن اصل حقیقت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر خدا کا کوئی مخلص بندہ ہے اور وہ چالیس روز تک خلوت میں بیٹھا ہے تو بسا اوقات مختلف لوگوں پر مختلف کیفیات کا ورود ہوتا ہے اس وقت بعض حضرات کا باطن یقین کامل کی بدولت بالکل صاف ہوتا ہے گیا ان کے دل سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور اس وقت ان کی ایسی حالت ہو جاتی ہے جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ "میرے قلب نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ کیا۔" یعنی صفائے باطن سے وہ مشاہدۂ حق کرتے ہیں۔ بعض لوگ (بجائے خلوت نشینی) کے اعمال حسنہ' منکرات سے نفس کو روک کر' نماز' روزہ' تلاوت قرآن مجید اور مقررہ وقت پر اذکار و اوراد کے فیضان سے اس مقام تک پہنچتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ صرف ایک ذکر ہی کی بدولت ان کو مشاہدہ حق حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی مسلسل اذکار' پنجگانہ نماز اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات میں ذکر ہی میں مشغول رہتا ہے (اور مشاہدہ حق نہیں ہوتا) ان کی ادائیگی میں کسی قسم کا تکاسل و تکاہل اس سے سرزد نہیں ہوتا یہاں تک کہ وضو کرتے اور کھانا کھاتے وقت بھی ذکر میں مصروف رہتا ہے (تب کہیں جا کر مشاہدۂ حق میسر آتا ہے' یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے)۔

کیا ذکر میں لا الٰہ الا اللہ کہنا کافی ہے

مشائخ ایک جماعت نے ذکر کے لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو قبول کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ باطن کو منور کرنے' خیالات

(۱) اور یہ نہیں سمجھتے کہ ؎ بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست (حکیم الامت اقبالؒ)

میں یک رنگی اور یکسوئی پیدا کرنے میں زبردست خاصیت رکھتا ہے بشرطیکہ حق پرست مخلص اس پر مداومت کرے اس وقت یہ کلمہ اس کے لئے عطیہ الٰہی بن جاتا ہے!

حضرت عیسیٰ السلام نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی

جناب ولیدؒ بن مسلم باسناد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار بارگاہ احدیت میں انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے اُمت مرحومہ (اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں آگاہ فرما! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں ایسے گوشہ نشین متقی، حلیم الطبع اور برگزیدہ علما موجود ہیں جو دوسرے پیغمبروں کی مانند ہیں' جو لوگ میری تھوڑی سی بخشش و مرحمت پر خوش ہو جانے والے ہیں اور میں بھی ان کے قلیل عمل کو قبول کرلیتا ہوں' میں ان کو لا الٰہ الاّ اللّٰہ کہنے پر جنت عطا کردوں گا۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) جنت میں انہی لوگوں کی کثرت ہو گی اس لئے کہ کسی اور قوم کے افراد نے لَاۤ اِلٰہَ الا اللّٰہ کی ایسی اطاعت نہیں کی جیسی کہ ان کی زبانوں نے کی ہے اور نہ کسی قوم کی گردنیں اس طرح سجدے میں جھکی ہیں جیسی ان کی گردنیں جھکی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ بیشک توریت میں یہ آیت مرقوم ہے۔

"ترجمہ: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم کو شاہد بشارت دینے والا اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا ہے (تم ان کے لئے پناہ اور ناخواندہ عربوں کے لئے خزانہ ہو) تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے جو نہ دل کے سخت ہیں اور نہ کڑوی بات کہنے والے ہیں نہ بازاروں میں چیخنے چلانے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے ہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں' میں ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کروں گا جب تک ان کے باعث کجرو ملت سیدھی نہ ہو جائے اس طرح کہ وہ لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کہہ کر اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھولیں۔

لا اِلٰہ الاَّ اللّٰہ کا ورد

اگر بندہ (خلوت میں) دل کے ساتھ اپنی زبان سے لا الٰہ اِلاَّ اللّٰہ کی تکرار کرتا رہے۔ تو یہ کلمہ اس کے دل میں اپنی جڑیں بنالیتا ہے اور نفس کی باتیں اس کے دل سے دور ہو جاتی ہیں اور اس کے دل میں اس کلمہ کا مفہوم کلمہ نفس کا قائم مقام بن جاتا ہے' پس جب یہ کلمہ دل پر مستول ہو جائے اور زبان اس کو بے تکلف ادا کرنے لگے تو اس وقت قلب اس کلمہ کو اپنے اندر اس طرح جذب کرلیتا ہے کہ کسی وقت اگر یہ کلمہ زبان اور قلب سے دور بھی ہو جائے تو اس وقت بھی اس کا نور قائم رہتا ہے اور اس وقت یہ ذکر مشاہدہ کے ساتھ قائم ہو کر ذکر ذات بن جاتا ہے' یہی وہ ذکر ہے جو ذکر نور کے ساتھ ایک جوہر بن جاتا ہے (قائم بالذات ہو جاتا ہے اور غیر کا محتاج نہیں رہتا) اسی کا نام مکاشفہ' مشاہدہ اور معائنہ ہے اور یہی خلوت نشینی کا منتہائے مقصود ہے۔

مختلف احوال ذکر

بعض اصحاب صدق و صفا ایسے ہیں کہ ان کو مقام (مکاشفہ و مشاہدہ) ذِکر کلمہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ قرآن پاک کی تلاوت سے یہ منزل حاصل ہوتی ہے' بشرطیکہ قاری قرآن کثرت کے ساتھ تلاوت قرآن حکیم کرتا ہو اور اسی کے ساتھ ساتھ زبان کی جدوجہد (تلاوت) کے ساتھ قلب بھی ہم آہنگ ہو۔ (بے حضور قلب صرف تلاوت کرلینا کافی نہیں ہے) تاکہ اس صورت میں تلاوت تو زبان سے جاری ہو اور کلام ربانی کا مفہوم نفسانی باتوں کا قائم مقام بن جائے (مفہوم قرآن کے وقت نفسانی کلام موجود نہ ہو) اس وقت تلاوت کی بدولت باطن منور ہو جاتا ہے اور کلام ربانی کا نور قلب کا جوہر بن جاتا ہے اس طرح وہ ذکر ذات بن جاتا ہے۔ (وَیَجوھر نورِ کلام فی القلب ویکون منه ایضاً ذکر الذات) کلام کا یہ نور عظمت الٰہی کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے (عظمت الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے)۔

حقائق کی تجلیات لباس تخیل میں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذکر و تلاوت کی اس حلاوت کے حصول سے پہلے اللہ تعالیٰ کے اس مخلص عبادت گزار بندے پر کمال انس و محبت اور ذکر کی حلاوت سے خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اس وقت حقائق کی تجلیات سوئے ہوئے انسان کی طرح تخیل کے لباس اور پیرائے میں نظر آتی ہیں مثلاً کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس نے سانپ کو مار ڈالا ہے تو خواب کی تعبیر یہ دی جائے گی کہ خواب دیکھنے والا اپنے دشمن پر غالب آجائے گا۔ اور حسب تعبیر وہ دشمن پر فتح یاب ہو گیا۔ چنانچہ یہ کشف تھا جس کا مکاشفہ حق تعالیٰ نے اس کو کرا دیا۔ اور یہ غلبہ یا فتح ایک روح مجرد کے مانند ہے جس کو فرشتہ خواب نے سانپ کے روپ میں پیش کر دیا تھا پس روح جو کشف فتح و ظفر ہے وہ خبر حق ہے۔

خیال کی حقیقت

اب رہا خیال وہ ایک صورت مثالی ہے جو بدن کے مانند ہے جو خواب دیکھنے والے کے نفس سے پیدا ہوئی ہے پس مکاشفے فتح و ظفر کی روح سانپ کے بدن مثالی سے مرکب ہو گئی تھی اسی وجہ سے اس کی تعبیر کی ضرورت پیش آئی' اگر اس حقیقت کو کشف جو روح ظفر سے بغیر کسی تمثیل کے ہو جاتا ہے تو تعبیر کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور وہ عالم خواب میں سانپ کے بجائے مجرد فتح و ظفر کو دیکھتا۔

خواب ہائے پریشاں

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عالم بیداری میں وہم خیال' عالم خواب میں گڈ مڈ ہو کر بغیر حقیقت حال کے نظر آتے ہیں ان کو خواب ہائے پریشان یا اضغاث احلام کہتے ہیں اور ان خواب ہائے پریشان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔
کبھی کبھار خلوت نشین اس حال سے بھی گزرتا ہے کہ اس کے تصور سے ایک ایسا خیال ابھرتا ہے جو حقیقت ظرف نہیں بن سکتا (جس کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی ہے) ایسے خیال پر کسی واقعہ یا حقیقت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اور نہ وہ اس

لائق ہوتا ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے کیونکہ وہ فقط خیال ہے کوئی واقعہ نہیں ہے۔

اگر کوئی حق پرست ذکر الٰہی میں اس طرح مشغول ہو کہ وہ عالم محسوسات سے بالکل بیخبر ہو گیا اور اس حال میں اس کے پاس کوئی شخص آئے تو اس شخص کی آمد کی اس کو مطلق خبر نہیں ہو گی کیونکہ وہ ذکر الٰہی میں گم ہے۔ جب ذکر ایسی حالت سے گزرتا ہے تو ابتداً اس کے نفس سے ایک مثال اور خیال رونما ہوتا ہے اور اس میں کشف کی روح پھونکی جاتی ہے (وہ خیال اور تمثیل کشف سے بدل جاتی ہے) پھر جب ذکر الٰہی میں محو' اپنے حال میں واپس آتا ہے تو ،فیضان الٰہی وہ خود اس تمثیل یا خیال کی تفسیر کرتا ہے کہ یہ تعبیر و تفسیر اس کے باطن سے ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے یا اس کی تشریح و تفسیر اس کا مرشد و شیخ بیان کرتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح معتبر خواب کی تعبیر بیان کرتا ہے تصوف میں اس کو "واقعہ" کہتے ہیں اس لئے کہ یہ تمثیل کے لباس میں کشف حقیقت ہے۔

ذکر میں خلوص شرط ہے

لیکن صحت واقعہ کے لئے یہ ضروری ہے یا اس کی پہلی شر یہ ۔ ذکر میں خلوص ہو' دوسری شرط ذکر میں محویت و استغراق ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور تقویٰ پر اس کو مداوت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "واقعہ" کے کشف کا سبب حکمت کا بتایا ہے اور حکمت کا تقاضہ زہد و تقوی ہے (اگر زہد و تقویٰ نہیں تو حکمت نہیں اور جب حکمت کا فقدان ہو گا تو کشف کا اظہار نہیں ہو سکتا)۔

خبر الٰہی اور کشف

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذاکر پر حقائق بغیر لباس تمثیل ہی کے منکشف ہو جاتے ہیں ایسے احوال کو کشف و خبر الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے' کبھی اس کا حصول مشاہدہ سے ہوتا ہے اور کبھی محض سماعت سے' کبھی ذاکر اس خبر کو اپنے باطن سے سنتا ہے اور کبھی ہوا کی حرکت سے محسوس کر لیتا ہے (باطن کے واسطے سے نہیں) جیسے ہاتف غیبی (غیب سے پکارنے والا) ان تمام صورتوں میں کبھی وہ اپنے بارے میں آگاہ ہو جاتا ہے (خبر اس کے بارے میں ہوتی ہے) یا کبھی کسی دوسرے شخص کے سلسلہ میں (جسے خداوند تعالیٰ بتانا چاہتا ہو) تاکہ اس صورت میں ذاکر کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو۔ اس کے علاوہ کشف کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ خواب میں بعینہٖ' کسی چیز کی حقیقت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

کشف کے سلسلہ میں چند روایات

کسی بزرگ کے سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ انہیں ایک پیالہ میں شربت پیش کیا گیا تو بجائے پینے کے انہوں نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا دنیا میں ایک عظیم حادثہ رونما ہو گیا۔ اب جب تک مجھے اس کے بارے میں (تفصیل سے) معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک میں یہ شربت نہیں پیوں گا۔ آخر کار ان کو کشف ہوا کہ مکہ معظمہ میں ایک جماعت داخل ہوئی تھی اور اس کو وہاں قتل کر دیا گیا

حضرت ابو سلیمان" الخواص نے فرمایا کہ "میں ایک دفعہ اپنے گدھے پر سوار چلا جا رہا تھا' "گدھے کو مکھیاں ستا رہی تھیں اور ان مکھیوں سے تنگ آکر وہ اپنا سر جھکائے ہوئے تھا' میں نے اس کے سر پر اپنا ڈنڈا مارا (تاکہ سر اٹھا کر چلے) تو گدھا اپنا سر اٹھا کر مجھ سے کہنے لگا۔ "تم یہ مجھے نہیں مار رہے ہو بلکہ اپنے سر پر مار رہے ہو۔" یہ سن کر لوگوں نے حیرت سے کہا کہ کیا یہ واقعہ آپ کے ساتھ پیش آیا یا آپ نے سنا ہے' انہوں نے فرمایا کہ گدھے کی یہ باتیں میں نے اسی طرح سنی ہیں جس طرح تم نے مجھ سے ابھی باتیں سنیں۔"

شیخ احمد بن عطارد" درباری کہتے ہیں کہ میں طہارت کے سلسلہ میں بہت احتیاط کرتا تھا' ایک رات میں استنجا کر رہا تھا یہاں تک کہ ایک تہائی رات اسی طرح استنجا کرتے گزر گئی لیکن طبیعت کا اطمینان نہیں ہوا میں اس صورت حال سے پریشان ہو کر رونے لگا اور بارگاہ الٰہی سے عرض کی کہ "اے پروردگار مجھے معاف فرما" اسی وقت غیب سے آواز آئی (میں نے کسی کو دیکھا نہیں) کہ اے ابو عبداللہ "علم میں معافی ہے۔"(1)

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر آیات و کرامات کا کشف اس لئے فرماتا ہے کہ اس کی مزید تربیت ہو اور اس کے یقین و ایمان کو تقویت حاصل ہو سکے۔

جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ایک روایت ہے کہ شیخ جعفر خلدی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک قیمتی نگینہ تھا۔ وہ ایک دن کشتی کے ذریعہ دریائے دجلہ عبور کر رہے تھے انہوں نے ملاح کو کرائے کے پیسے دینے کے لئے کبرا (گرہ) کھولی اس وقت وہ نگینہ دجلہ میں گر پڑا' شیخ جعفر خلدی" کو کھوئی ہوئی چیز مل جانے کے لئے ایک دعا یاد تھی۔ شیخ نے وہ دعا پڑھنا شروع کی' اور نگینہ ان کو ان کاغذوں ہی میں مل گیا جو انہوں نے کرایہ کے پیسے دیتے وقت الٹ پلٹ کئے تھے وہ دعا یہ ہے۔

يَاجَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّارَيْبَ فِيْهِ اِجْمَعْ ضَالَّتِيْ ○	اے لوگوں کو اس دن جمع کرنے والے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے میری کھوئی ہوئی چیز مجھے لوٹا دے۔

ہمارے ایک شیخ کو جو ہمدان میں تھے' کسی شخص نے یہ واقعہ سنایا کہ اس کی ایک بار خلوت نشینی کی حالت میں اپنے بیٹے کے سلسلہ میں یہ مکاشفہ ہوا کہ وہ اپنی کشتی سے دریائے جیحون میں گرنے والا ہے (بے خبری کے عالم میں قصداً نہیں) یہ معلوم ہونے پر انہوں نے اس کو یہیں سے (مقام مکاشفہ سے) جھڑکا' اور اس طرح وہ دریا میں گرنے سے بچ گیا۔ یہ شخص نواح ہمدان میں تھا اور اس کا بیٹا دریائے جیحون میں'۔ کچھ عرصہ کے بعد جب لڑکا واپس آیا تو اس نے بتلایا کہ میں پانی میں گرنا ہی چاہتا تھا کہ والد کی سرزنش کی آواز سن کر سنبھل گیا اور گرنے سے بچا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یاساریۃ الجبل فرمانا

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں (قبر رسول پر بیٹھ کر) جب "یا ساریۃ الجبل" فرمایا اور اس وقت

ساریہؓ کا لشکر نہاوند (فارس) میں تھا' یہ آواز سن کر نہاوند میں اسلامی لشکر نے پہاڑ کی آڑ پکڑی اور دشمن پر فتح یاب ہوئے' لوگوں نے جناب ساریہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے یکبارگی پہاڑ کی آڑ کیوں پکڑی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی کہ وہ فرما رہے ہیں یا "ساریة الجبل"

ایمان کے چار ارکان

ابن سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کے چار رکن ہیں' ایک ایمان بالقدرت۔ ایک رکن ایمان بالحکمت' ایک رکن قوت و طاقت سے مبرا۔ اور ایک رکن ہر ایک چیز میں خداوند جل و علا سے مددگار کا خواستگار ہونا۔ ان سے پوچھا گیا کہ ایمان قوت و طاقت سے مبرا کے کیا معنی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بات پر ایمان لانا اور انکار نہ کرنا کہ اللہ کا ایک بندہ مشرق میں داہنی کروٹ پر سو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے الطاف و کرم سے اس کو ایسی قوت عنایت فرما دے کہ جب وہ داہنی کروٹ سے بائیں کروٹ لے تو مشرق کی بجائے وہ مغرب میں ہو اور تم کو اس بات پر تعجب نہ ہو اور اس کو وقوع میں تم کوئی شک نہ کرو بلکہ اس پر ایمان لاؤ (کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسا ہو سکتا ہے)۔

حضرت شیخ سہروردیؒ سے روایت

مجھ سے ایک فقیر کے سلسلہ میں اسی طرح کی ایک حکایت بیان کی گئی کہ وہ بزرگ مکہ میں تھے اور ایک شخص بغداد میں' مکہ میں اس بغدادی کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس مکی بزرگ پر مکاشفہ سے یہ ظاہر کیا وہ بغدادی زندہ ہے اور بازار میں ایک سوار کے ساتھ چل رہا ہے' اس وقت ان بزرگ نے اس بغدادی کے احباب کو مطلع کیا کہ تمہارا دوست فوت نہیں ہوا ہے' اور حقیقت یہی تھی! خود اس درویش نے مجھے بتایا کہ "میں نے اس شخص کو بازار میں دیکھا ہے اور میں نے اپنے کانوں سے بغداد کے بازار کے ایک لوہار کے ہتھوڑے کی آواز سنی۔"

لیکن جس کو یقین کامل کی دولت حاصل ہو چکی ہے اس کو کسی چیز کی (از قسم کشف و کرامات) ضرورت نہیں ہوتی یہ تمام کرامات' دل میں ذکر کرکے جاگزیں ہو جانے اور قلب کے ذاکر ہو جانے سے کم درجے کی ہیں (قلب کے ذاکر بن جانے کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی ہے یعنی کبھی بعض حضرات کو ایسے واقعات کا مکاشفہ کرایا جاتا ہے اور مرتبہ کشف عطا کر دیا جاتا ہے یہ تمام باتیں تقویت یقین کے لئے ہیں لیکن وہ شخص جس کو شرف یقین حاصل ہے اس کو ان مکاشافات کی حاجت نہیں ہوتی) مکاشفات کی حکمت میں مریدوں کے لئے تقویت اور سوال کرنے والوں کے لئے تربیت کا سامان موجود ہے تاکہ اس کے ذریعہ ان کے یقین میں اضافہ ہوا اور وہ نفس کشی کی طرف مائل ہوں اور دنیا کی لذتوں کو ترک کر دیں اور اپنے نفس سے آمادہ پیکار ہو جائیں۔ ان کے پرسکون عزم میں ایک ہیجان برپا ہو جائے اور پھر وہ وقت ان کاموں میں صرف کریں جس کے ذریعے قرب الٰہی حاصل ہو سکے اور وہ اس منزل پر پہنچ جائیں کہ ان لوگوں کے طریقے کو پسند کرنے لگیں جن کو یقین کامل سے کشف کا حصول ہوا ہے' یہ اس لئے ممکن ہے کہ ایسے مریدوں میں کامل استعداد موجود ہے اسی لئے ان پر پیچیدہ مقامات کو سہل و آسان بنا دیا گیا اور پوشیدہ امور ان پر ظاہر کر دیئے گئے ہیں۔

عیسائی راہب اور ہندو یوگی ہدایت کے راستہ پر گامزن نہیں

گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ عیسائی راہبوں اور برہمنوں سے ایسے امور کا صدور کرایا جاتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستے پر نہیں چلتے بلکہ گمراہی اور ہلاکت کے راستے پر گامزن ہیں' ان سے ایسے امور کا صدور مکرو استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں (اپنی نادانی سے) اپنی اس حالت پر نازاں ہوتے ہیں' اس میں مشیت الٰہی یہ ہے کہ اس طرح وہ گمراہی و ضلالت اور بارگاہ خداوندی سے دوری میں گرفتار ہیں (پس ہندو یوگیوں' برہمنوں اور راہبوں کی خلوت نشینی' ان سے کشف و کرامات کا ظہور ایک قسم کا مکرو استدراج ہے جو ان کے شرف کا موجب نہیں بلکہ بارگاہ احدیت سے دوری' واماندگی اور محرومی کا باعث ہے' اس لئے ان میں یہ عزم پیدا کر دیا جاتا ہے اور ان کو ایسے امور پیش آنے لگتے ہیں)'۔

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنی کامیابی پر نازاں نہ ہو

سالک طریقت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر اس کو اس سلسلہ میں (از کشف و کرامات) کچھ حاصل ہو جائے تو وہ اس پر نازاں نہ ہو مثلاً اگر وہ پانی پر چلے یا ہوا میں اڑے تب بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا جب تک وہ زہد و تقویٰ کا پورا پورا حق ادا نہ کرے۔ اگر حق زہد و تقویٰ ادا کر رہا ہے تو یہ کرامت اس کی ترقی میں مانع نہیں ہوں گی' مگر جو شخص (سالک) اس غلط خیال میں الجھ کر رہ گیا یا اس غلطی پر قناعت کر بیٹھا (کہ اب کو مجھ سے کرامات کا صدور ہونے لگا ہے لہٰذا میں کمال پر پہنچ گیا) اور اس نے اپنی خلوت نشینی کو اخلاص سے مستحکم نہیں کیا (اس کی خلوت نشینی میں اللہ کے ساتھ اخلاص نہیں ہے) تو اس صورت میں نمکر کو اپنی خلوت میں لے کر جاتا ہے اور غرور و تکبر کو ساتھ لے کر وہاں سے نکلتا ہے' اس وقت وہ عبادات کو حقیر سمجھنے لگتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس سے روحانی لذت کو چھین لیتا ہے اس کے دل سے شریعت کا احترام رخصت ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں میں رسوا ہوتا ہے۔

پس ایک طالب صادق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خلوت سے مقصود اصل تقرب حق تعالیٰ ہے اس طرح کہ اس کے تمام اوقات اچھے کاموں یں بسر ہوں (صرف تنہائی میں بیٹھ جانا کافی نہیں ہے بلکہ شرط یہ ہے کہ خلوت کے تمام اوقات' طاعت و عبادات اور اعمال حسنہ میں بسر ہوں) وہ اپنے اعضاء جوارح کو مکروہات سے محفوظ رکھے۔

خلوت نشینوں کے لئے اوراد' تقسیم اوقات اور مداومت اذکار ان کے احوال سے غائب ہوتی ہے (ہر ایک کے لئے لائحہ عمل یکساں نہیں ہے) اور بعض اصحاب کے لئے صرف ایک ذکر کا ورد ہی موزوں اور مناسب ہوتا ہے' کچھ حضرات کے لئے اوراد کے بعد اذکار کو ضروری سمجھا جاتا ہے' ان فرق مراتب کا علم ایک شیخ کامل کو ہوتا ہے (وہ بالخصوص مریدوں کے احوال اور ان کی استعداد سے باخبر ہوتا ہے) ورنہ عام طور پر شیخ کا مطمع نظر عوام کی خیر خواہی ہوتا ہے اور وہ ان کے لئے ہمدردی کا جذبہ دل میں رکھتا ہے' وہ تو لوگوں کو اپنا نہیں بلکہ خداوند قدوس کا مرید (تابع فرمان) بنانا چاہتا ہے یعنی اس کی اس خواہش میں شائبہ نفس نہیں ہوتا' بلکہ وہ اتباع کو پسند کرتا ہے اس میں فساد راہ نہیں پاتا بلکہ مزید اصلاح ہو جاتی ہے'۔

باب 28

چلہ نشینی کس طرح کرنا چاہئے (چلہ نشینی کے آداب)

روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک غلطی میں مبتلاء ہوئے (1) تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں چالیس دن رات سجدہ ریز رہے' تب کہیں بارگاہ خداوندی سے ان کو معافی نصیبؔ ہوئی۔

اس سے ثابت ہوا کہ خلوت نشینی اور عزلت گزینی ارباب صدق و صفا کا طریقہ ہے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ اور جو شخص اس پر مداومت کرتا ہے اور ہمیشہ عمل پیرا رہتا ہے تو اس کی تمام عمر ہی اس میں گزر جاتی ہے اب اگر کوئی شخص متاہل زندگی بسر کر رہا ہے (اہل و عیال کی قیود میں اس کا نفس گرفتار ہے) تو ایسے شخص کو بھی اس خلوت نشینی سے کچھ حصہ حاصل کرنا چاہئے حضرت سفیان ثوری باسناد چند فرماتے ہیں کہ جو شخص خلوص دل کے ساتھ چالیس دن تک خداوند تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے' اس کو دنیا سے رغبت کم ہو جاتی ہے اور آخرت سے اس کا لگاؤ بڑھ جاتا ہے' دنیا کے امراض اور اس کے علاج کو واقف کر دیتا ہے اور اس طرح وہ بندۂ خدا سال میں (کم از کم) ایک مرتبہ اپنے نفس پر ضرور قابو حاصل کر لیتا ہے۔

چلہ کشی کی اصل

جب کوئی مرید خلوت نشینی کا ارادہ کرے تو اس کا سب سے اہم اور اصل اصول یہ ہے کہ وہ دنیا کو ترک کر دے اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے سب سے بے تعلق ہو جائے اور اپنے لباس' مصلے کی پاکیزگی و عبادت کی پوری دیکھ بھال کے بعد غسل کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے' نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ سے گریہ و زاری اور خضوع و خشوع کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرے' اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھے' اپنے دل سے مکر و فریب' بغض و حسد اور خیانت جیسی برائیوں کو دور کر دے اس کے بعد خلوت میں قدم رکھے۔

خلوت سے صرف نماز باجماعت کے ادا کرنے کے لئے نکلے

خلوت نشینی کے بعد وہاں سے پھر نماز جمعہ اور نماز (پنجگانہ) باجماعت ادا کرنے کے لئے قدم باہر نکالے کیونکہ نماز باجماعت کی پابندی توڑنا نامناسب و ناروا ہے۔ اگر وہ نماز باجماعت کی ادائیگی کے لئے خلوت گاہ سے باہر آنا کسی خرابی کا باعث

(1) قرآن مجید میں یہ واقعہ سورہ صٓ پارہ 23 میں واقع ہے!

سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں اپنے ساتھ ایک رفیق رکھے جس کے ساتھ وہ خلوت گاہ میں نماز باجماعت ادا کر سکے پھر منفرد نماز پڑھنا کسی صورت میں مناسب نہیں کہ ترک جماعت سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے' ہمارے مشاہدے سے یہ گزرا ہے کہ بعض لوگ خلوت نشینی میں فاتر العقل ہو گئے ہیں۔ (عقل و فہم سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں) شاید یہ بات ترک جماعت کی نحوست سے اُن میں پیدا ہو گئی۔ پس نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے خلوت سے باہر آنا چاہئے' نماز باجماعت بھی ایسا ذکر ہے (اس صورت میں بھی وہ ایسا ذاکر رہے گا)۔ جس سے اس کے ذکر خلوت میں فتور پیدا نہیں ہوگا۔

نماز باجماعت میں شرکت کے لئے نکلے تو احتیاط کرے

نماز باجماعت کے لئے جب خلوت گاہ سے نکلے تو اس امر کی احتیاط کرے کہ راستے میں بار بار ادھر ادھر نہ دیکھے اور آوازوں کی طرف زیادہ دھیان نہ دے' اس لئے کہ قوت مصورہ اور قوت متخیلہ الٰہی تختی کی طرح ہیں جس پر بہت سے مناظر اور شنیدہ کیفیات منقش ہو گئی ہیں۔ ان سے اس کے اندر وسوسے' نفسانی تصورات اور خیالات پریشان پیدا ہوں گے' پس اس کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ وہ جماعت میں ہر وقت شریک ہو جائے اور امام کے ساتھ اس کی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو' امام جب سلام پھیرے اور نماز ختم کر کے رخصت ہو جائے تو اس کو بھی خلوت گاہ میں واپس آجانا چاہئے' اس بات سے پرہیز کرے کہ خلوت گاہ سے نکلتے وقت مخلوق کی نظر اس پر نہ پڑے اور لوگ اس کی خلوت نشینی سے باخبر نہ ہوں جیسا کہ ارشاد ہے:

لَا تَطْمَعْ فِی الْمَنْزِلَةِ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَنْتَ تُرِیْدُ الْمَنْزِلَةَ عِنْدَ النَّاسِ	اگر تو لوگوں سے اپنی منزلت چاہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی نزلت (قدر افزائی) کی امید نہ رکھ

یہی وہ چیز اور نکتہ ہے جس کے باعث بہت سے اعمال خیر فاسد ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سے پرہیز نہ کیا جائے اور بہت سے احوال (باطنی) سدھر جاتے ہیں اگر اس کا لحاظ رکھا جائے (یعنی لوگوں پر اپنی خلوت نشینی کو اپنے بزرگی اور بڑائی بتانے کے لئے ظاہر نہیں کرنا چاہیئے جہاں تک ممکن ہو اس کو چھپائے) خلوت نشین کو چاہئے کہ اپنا تمام وقت خداوند تعالیٰ کی رضا کے حصول میں صرف کرے' قرآن پاک کی تلاوت کرے یا نماز پڑھے یا مراقبہ میں مشغول رہے اور جب ان چیزوں سے تھک جائے تو سو جائے' اگر سالک طریقت کا ارادہ ہو تو رکعتوں کی تعداد (معینہ) کو پورا کرے' یا تلاوت و ذکر کی مقررہ مقدار کو پورا کر لے (تب ہی سوئے) تو اس کو یہ کام بتدریج انجام دینا چاہئے (ایک عبادت کے بعد دوسری عبادت میں مشغول ہو) اور اگر وہ چاہتا ہے کہ وقت کی شرط کو پورا کرے (عبادت کا وقت مقررہ پورا ہو جائے) تو مذکورہ عبادتوں میں سے (تلاوت ذکر' نفلی یا ایک ہی رکوع یا ایک رکعت ہی میں گزارے تو ایسا کر سکتا ہے (اسے اختیار ہے)۔

دیگر آداب خلوت

خلوت میں ہمیشہ باوضو رہنا ضروری ہے' اور جب تک نیند کا غلبہ طاری نہ ہو اس وقت تک نہ سوئے بلکہ اس سے قبل (معمولی نیند) بار بار نیند کو ٹالنے کی کوشش کرے' بہرحال شبانہ روز اس کا یہی شغل رہنا چاہئے' اگر وہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذاکر ہے اور اس کی زبان اس ذکر سے تھک جائے تو پھر زبان کو حرکت دیئے بغیر اپنے قلب کو اس کا ذاکر بنائے! شیخ سہل بن عبداللہ

فرماتے ہیں جب تم کلمہ لَاَ اِلٰہ الاَّ اللّٰہ کہو تو اس کو خوب کھینچو اور قدم حق پر نظر رکھتے ہوئے اس کو دل میں قائم کرو اور ماسوائے حق سب کو باطل کر دو۔ خلوت نشین کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ امر (چلہ کشی) زنجیر کی طرح ہے جو مختلف کڑیوں کے ایک دوسرے سے ملنے پر مکمل ہوتی ہے پس اپنے اوپر لازم کرے کہ اس کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہو (ہر وہ کام کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو)۔

خلوت نشینی میں غذا کیا ہونا چاہئے

اَربعین یعنی چلہ میں غذا کیا ہونا چاہیئے اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رہے کہ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ روٹی اور نمک پر کفایت کرے، اور تمام رات کے لئے صرف ایک رطل غذا استعمال کرے (یعنی تقریباً 1/2 سیر) اور یہ عشاء کے بعد تناول کی جائے، اگر اس غذا کے دو حصے کر لئے جائیں یعنی نصف ابتدائے شب میں اور نصف آخر شب عشاء کے بعد استعمال کی جائے تو زیادہ اچھا ہے اور اس سے معدہ ہلکا رہے گا۔ اس طرح شب بیداری، نماز اور ذکر میں مدد ملے گی۔ اور اگر بطور سحری کے سحر کے وقت کھائے تو اس کا اسے اختیار ہے، اگر بغیر سالن کے اسے روٹی کھانا دشوار ہو تو سالن کا استعمال کرے اگر کوئی ایسی چیز ہو جو روئی کا بدل ہو سکتی ہے تو پھر اتنی مقدار میں روئی کم کر دے، اور اگر چاہتا ہے کہ ایک رطل سے بھی کم غذا استعمال کرے تو یکبارگی نہ گھٹائے بلکہ ہر روز ایک ایک لقمہ کم کرتا جائے اس طرح چلہ کے آخری عشرہ میں اس کی غذا کی مقدار نصف رہ جائے، اگر خلوت نشین قوی الجثہ یا طاقتور ہے تو اپنے نفس کو چلہ کے آغاز ہی سے نصف رطل کا عادی بنائے اور ہر رات تھوڑا تھوڑا گھٹانا شروع کرے یہاں تک کہ چلہ کے آخری عشرہ میں اس کی یہ غذا 1/4 رطل رہ جائے۔

مشائخ کی رُوحانیت کی بنیاد چار چیزوں پر ہے

مشائخ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہمارے روحانی معاملہ کی بنیاد ان چار چیزوں پر ہے (1) کم خوری، (2) کم خوابی، (3) کم سخنی، اور (4) عزلت گزینی، شدید بھوک یا انتہائی گرسنگی کے یہ دو وقت رکھے گئے ہیں، پہلا وقت چوبیس گھنٹے کے بعد ہوتا ہے اس حساب سے ہر دو گھنٹے کی خوراک مذکورہ رطل کے حساب سے دو دانیقہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں غذا عشاء کے بعد ایک مرتبہ کھائی جائے۔ بھوک کا دوسرا انتہائی وقت بہترویں گھنٹہ کی ابتداء کے وقت ہے، اس صورت میں دو راتیں (1) طے کی ہیں اور تیسری رات افطار کی۔ اس طرح ایک دن اور ایک رات کی غذا 1/3 رطل ہوئی، ان دو وقتوں کے علاوہ ایک درمیانی درجہ بھی موجود ہے یعنی ہر دو راتوں میں سے ایک رات کو افطار کرے اس طرح روزانہ کی خوراک کا اوسط نصف رطل ہو گا۔

یہ طریقہ اسی وقت مناسب اور سزاوار ہے کہ اس کے باعث خلوت نشین اپنے اندر ضعف اور تنگ دلی محسوس نہ کرے اور اس کے ذکر میں اس سے افسردگی اور انقباض پیدا نہ ہو اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی پیدا ہو پھر اس کو ہر رات افطار کرنا چاہیئے یعنی ایک رطل غذا دو وقت میں یا پھر ایک ہی وقت میں اس قدر کھالے۔ (یعنی ایک رطل)

---

(1) چونکہ ایسا عمل شرعاً روزے کی تعریف سے خارج ہے اس لئے اصطلاح صوفیہ میں اس کو روزہ یا صوم کے بجائے طے کہا جاتا ہے لغوی معنی بھوک اور اشتہا کے ہیں۔ شیخ المشائخ کے الفاظ یہ ہیں "فیکون الطی لَیلَیتَین والافطار فی اللّیلة الثالثه" ○

ابتدائے چلہ کشی میں اپنے نفس کو اس بات کا عادی بنائے کہ دو راتوں میں ایک رات افطار کرے اور اگر ہر رات افطار کرنے کا نفس خواہاں ہو تو قناعت کرے اور اگر نفس کو ہر رات افطار کرنے کا عادی بنا دیا ہے یا اس کو ہر رات افطار کرنے کی چھوٹ دیدی ہے تو وہ ایک رطل خوراک پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ سالن اور دوسرے لوازمات کی بھی خواہش کرنے لگے گا پس اسی پر دوسری باتوں کا قیاس کر لینا چاہئے' اس لئے کہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس کو طمع و حرص کے مواقع فراہم کئے جائیں گے تو وہ یقیناً حریص بن جائے گا۔ اور اگر قناعت کے راستہ پر ڈال دیا جائے گا تو وہ قانع بن جائے گا۔

بعض بزرگوں کا معمول یہ رہا ہے کہ انہوں نے روزانہ اپنی خوراک گھٹانا شروع کی یہاں تک کہ نفس قلیل ترین غذا کا عادی بن گیا۔ بعض نیک بندے کھجور کی گٹھلیوں (کے شمار) سے اندازہ اور حساب لگاتے اور روزانہ ایک گٹھلی کم کر دیتے' بعض حضرات کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ گیلی لکڑی کے وزن سے اس کا حساب رکھتے' ہر روز وہ جس قدر سوکھ جاتی اور اس کا وزن کم ہو جاتا بقدر کمی وہ اتنی ہی اپنی غذا کم کر دیتے' بعض مشائخ روٹی کا اٹھائیسواں (1/28) حصہ روزانہ کم کرتے' اس طرح مہینے میں ایک روٹی کم ہو جاتی تھی' بعض حضرات کا دستور یہ رہا ہے کہ وہ خوراک میں تو کمی نہیں کرتے تھے لیکن مدت افطار بڑھاتے جاتے تھے یعنی کئی کئی رات کھانا نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ مشائخ کی ایک جماعت کا یہ معمول رہا ہے کہ ان میں سے بعض سات سات' دس دس اور پندرہ پندرہ دن کھانا نہیں کھاتے تھے' بلکہ بعض تو چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے' چالیس دن کے بعد افطار کرتے تھے۔

نور مشاہدہ بھوک کی سوزش کو فنا کر دیتا ہے

شیخ سہل بن عبداللہ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ جو شخص چالیس دن تک نہیں کھاتا تو اس عرصہ میں اس کی بھوک کی سوزش کہاں چلی جاتی ہے (بھوک اسے کھانے پر مجبور کیوں نہیں کرتی) تو انہوں نے اس کا جو جواب دیا کہ نور مشاہدہ بھوک کی سوزش کو فنا کر دیتا ہے اسی قبیل کا سوال میں نے ایک بزرگ سے کہا تو انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس سے یہ مترشح اور ظاہر ہوتا تھا یعنی اس جواب کا مفہوم یہ تھا کہ "وہ جلوۂ ذات سے ایسی فرحت محسوس کرتے ہیں کہ بھوک کا احساس ہی ہٹ جاتا ہے۔" اس قبیل کے واقعات روزمرہ کی زندگی میں بھی خلق خدا میں پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص بھوکا ہے اور اچانک اس نے کوئی خوشخبری سنی تو (فرط مسرت سے) اس کی بھوک جاتی رہتی ہے' یہی حالت خوف کی صورت میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ (خوف کے عالم میں گرسنگی کا احساس ختم ہو جاتا ہے)۔

بہرحال جو شخص صدق و اخلاق کے ساتھ مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس پر عمل کرنے سے نہ تو عقل میں کسی قسم کا فتور پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی جسمانی نقصان ہوتا ہے' ان باتوں کا خطرہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ خلوص قلب کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول نہ ہو (ایسی حالت میں بھوک بھی ستاتی ہے' عقل بھی متاثر ہوتی ہے اور جسمانی کمزوری بھی پیدا ہوتی ہے)۔

بھوک کی شدت کی آخری حد

بھوک کی شدت اس وقت کمال کو پہنچ جاتی ہے جب روٹی میں اور دوسری ماکولات میں کچھ تمیز نہ رہے (کھانے والے

کے سامنے جو کچھ رکھ دیا جائے وہ اسے کھالے) اور اگر بھوکے شخص نے روٹی کا تعین اور تخصیص کر دی (کہ میں تو روٹی ہی کھاؤں گا) تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ گرسنہ نہیں ہے۔ تین دن بھوکا رہنے کے بعد گرسنگی اپنی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے اور اس وقت یہ تعین اور تخصیص ختم ہو جاتی ہے' یہی بھوک صدیقین کی بھوک ہے اس وقت کچھ نہ کچھ کھانا بقائے جسم کے لئے ضروری ہے تاکہ فرائض بندگی ادا ہو سکیں لیکن یہ ضرورت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو بتدریج تقلیل غذا پر عمل نہیں کرتے (رفتہ رفتہ غذا کم نہیں کرتے) لیکن جو حضرت بتدریج غذا کم کرنے پر عامل ہیں وہ اس سے زیادہ پر بھی چالیس دن تک صبر کر سکتے ہیں' جس کی صراحت ہم اوپر کر چکے ہیں' بعض صوفیائے کرامؒ کا ارشاد یہ ہے کہ بھوک کی حد آخری یہ ہے کہ جب وہ تھوکے تو اس کے لعاب دہن پر مکھی نہ بیٹھے جو اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا معدہ چکنائی سے بالکل خالی ہے' جس تھوک میں چکنائی کی آمیزش نہیں ہوتی وہ بالکل پانی کی طرح صاف ہوتا ہے جس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اور مشائخ عظام کی گرسنگی!

مروی ہے کہ سفیان ثوریؒ اور ابراہیم بن اَدھم رضی اللہ عنہما تین تین دن بھوکے رہتے تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ دن تک بھوکے رہے' حضرت عبداللہ بن زبیر سات دن تک گرسنہ رہے اور ہمارے دادا محمد بن عبداللہ المعروف بہ شیخ عمویہ جو احمد الاسود الدینوری کے اصحاب میں سے تھے' ان کا حال یہ تھا کہ وہ چالیس چالیس دن بھوکے رہے ہیں۔

طے مشائخ کے سلسلہ میں گرسنگی کی آخری حد ہمارے زمانے کے ایک بزرگ نے حاصل کی ہے جو زاہد خلیفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ایسر میں رہتے ہیں' میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے' ان کی خوراک کی کمی اور بھوک کا یہ حال ہے کہ وہ مہینہ بھر میں صرف ایک بادام کھاتے ہیں' ہم نے نہیں سنا کہ طے اور بتدریج خوراک کم کرنے میں شیخ زاہد خلیفہ کے سوا کوئی اور اس حد کمال تک پہنچا ہو' ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے ابتداً اس کی اس طرح کی تھی کہ وہ ترکھڑی کے سوکھنے کی مقدار کے مطابق خوراک کو گھٹاتے تھے اسی طرح بتدریج غذا کم کرتے کرتے چالیس دن میں ایک بادام تک وہ پہنچ گئے۔

اسی راہ پر صادقین بھی چلتے ہیں اور ریاکار بھی

یہ وہ طریقہ ہے جس پر درحقیقت مخلصین اور حق پرستوں کی جماعت عمل پیرا ہے لیکن گاہے گاہے غیر مخلص اشخاص بھی (اپنے مصالح کے باعث) اس راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں جس کا باعث یہ ہے کہ خواہشات جو ان کے باطن میں پوشیدہ ہیں وہ تقلیل غذا ان پر آسان بنا دیتی ہے اور وہ صرف مخلوق کو اپنی طرف اس عمل سے متوجہ کرنا چاہتے ہیں (لوگوں میں اس کے طے کی شہرت ہو جائے) یہ عین نفاق ہے (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) لیکن مخلص انسان کا طے اس کے بالکل برعکس ہے وہ طے اور گرسنگی کو اس صورت میں برداشت اور گوارا کرتا ہے جب کہ اس کے حال سے کوئی واقف نہیں ہوتا' اگر احیاناً اس کی فاقہ کشی سے لوگ واقف ہو جائیں تو اس صورت میں اس کے عزم اور ارادے میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے' ورنہ اس کو فاقہ کشی سے زحمت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں اخلاص پایا جاتا ہے اور اس کی نگاہیں اس اللہ کی طرف لگی

ہوتی ہیں جس کی رضا اور عبادت کے لئے وہ بھوکا رہتا ہے، لیکن جب اس کا یہ طے لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے تو اس کی عزیمت میں کمی اور ضعف آجاتا ہے یہی ایک مخلص نشانی ہے لہٰذا جب کوئی سالک طریقت یہ محسوس کرے کہ وہ اس بات کو پسند کرنے لگا ہے کہ لوگ اس کو کمتری کی نگاہ سے دیکھیں تو اس کو چاہیئے کہ وہ خود کو ملزم گردانے اور سمجھ لے کہ اس کے طے میں نفاق کی آمیزش شروع ہو گئی ہے۔

مخلص کا قلب انوار سے بھر جاتا ہے

جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے بھوکا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو فرحت عطا کرتا ہے اور یہ فرحت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کھانا بھول جاتا ہے (اس فرحت سے اس کو گرسنگی کا خیال ہی نہیں آتا اور اگر خیال آبھی جائے تو بھی کھانے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا باطن تجلیات و انوار الٰہی سے لبریز ہوتا ہے اور اس کا روحانی جذبہ قوی ہو کر اسے عالم روحانی کے مرکز اور فقر کی طرف کھینچتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا دل خواہشات اور نفسانی شہوات کی دنیا سے نفرت کرنے لگتا ہے (دل کا میلان شہوات کی دنیا سے ہٹ کر روحانیت کے ملاء اعلیٰ کی طرف ہو جاتا ہے)۔

جذبۂ روحانی کا اثر

اگر نفس کو کمال طمانیت حاصل ہو اور قلب روشن کے ذریعے انوار روحانی اس پر منعکس ہو رہے ہیں اور نفسانی جذبہ روحانی جذبہ' سے الگ تھلگ ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں یہ روحانی کشش مقناطیس کی اس کشش اور اثر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جس سے وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے' یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف اس لئے کھینچ لیتا ہے کہ لوہے میں قبول کشش کا مادہ موجود ہے جو مقناطیس کا ہم جنس ہے (اگر یہ مادہ موجود نہ ہوتا تو مقناطیس اس کو اپنی طرف جوہر کشش رکھنے کے باوجود نہیں کھینچ سکتا تھا) پس اسی ہم جنسیت کی بنا پر مقناطیس اس کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے' یہی حال سالک مخلص کا ہے کہ جب اس کے قلب کے ذریعہ روح کا نورانی عکس اس کے نفس پر پڑتا ہے اور منعکس ہوتا ہے تو اس وقت نفس بھی (اپنی صفت کے باعث) قلب کا ہم جنس بن جاتا ہے اور قلب کے توسط سے اس میں بھی ایسی روح پیدا ہو جاتی ہے جو روح اصلی کی ہم جنس بن کر اس کی کشش کو قبول کر لیتی ہے اس وقت نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ نفس کے لئے دنیاوی کھانے اور حیوانی خواہش بالکل حقیر ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے معنی اچھی طرح سمجھنے لگتا ہے۔

اَبِيتُ عِنْدَ رَبِّي يطعمنِي وَيَسْقِينِي○ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں جو مجھے اکیلا کھلاتا پلاتا ہے'

یہ حالت جو میں نے بیان کی اس پر ہر شخص کا قادر ہونا ممکن نہیں ہے اس معیار پر وہی پورا اتر سکتا ہے جس کے اعمال و اقوال اور اس کی تمام زندگی اور تمام احوال ضروری اور اہم بن جائیں اس وقت اس کا کھانا بھی ایک ضرورت ہو گا (الاّ عبد نصیرا عَمالهٗ وَسَائرا حَوالهٗ ضرورةً فيتاولُ مِنْ الطعام اَيضاً ضرورةً) اور اگر مثلاً بے ضرورت وہ ایک کلمہ

بھی زبان سے ادا کرے تو اس میں بھوک کی آگ بھڑک اٹھے جس طرح لکڑیاں آگ سے شعلہ زن ہو جاتی ہیں کیونکہ خوابیدہ نفس ہر اس چیز سے بیدار ہو جاتا ہے جو اس کو جگائے اور جب نفس بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی خواہشات کی طرف کھینچنے لگتا ہے (پس اس راہ میں ضبط نفس از حد ضروری ہے) جب سالک طریقت ضبط نفس سے واقف ہو اور علم بھی حاصل کر چکا ہو تو اس کے لئے طے اور فاقہ کشی کا راستہ آسان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے خصوصاً اس وقت اور بھی زیادہ جب کہ عطیات الٰہی سے کسی چیز کا اس کو کشف بھی ہو گیا ہو (ایسے شخص پر طے کا راستہ بہت آسان ہے)۔

ایک درویش کا عجیب و غریب واقعہ جو طے میں پیش آیا

ایک فقیر نے اپنا واقعہ مجھے سنایا' اس نے کہا کہ ایک دفعہ مجھے شدت سے بھوک لگ رہی تھی لیکن میں نے سوال کے لئے اپنی زبان نہ کھولی' (کسی سے طلب نہیں کیا) اور نہ میرا کوئی پیشہ ہی تھا کہ اس کے ذریعہ کچھ کما کھاتا جب کچھ عرصہ کے بعد بھوک انتہائی شدت کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے (افطار کے لئے) ایک سیب عطا فرمایا' میں نے وہ سیب لے کر جب اسے کھانا چاہا تو میں نے اس کو توڑا تو اس میں سے ایک حور نکلی' جب میں اس حور کو دیکھتا تو بھوک کی خواہش مٹ جاتی اس طرح مجھے کھانے کی کئی دن تک خواہش نہیں ہوتی۔

درویش کا مجھ سے یہ کہنا کہ سیب کے اندر سے حور نکلی (وَذکر لی ان الحور اخرجت من وسط الفتاحتہ) ایمان بالقدرت چونکہ ایمان کے ارکان سے ہے لہٰذا اس حکایت کو تسلیم کر لیا گیا (اور اس سے انکار نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایسا کر سکتا ہے)۔

سہل بن عبداللہ تستری رحؒ (1) کا ارشاد

شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے چالیس دن کا طے کیا اس کے لئے عالم ملکوت کی قدرت نمودار ہو جائے گی' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بندہ اس وقت تک ایسا حقیقی زہد جس میں کسی قسم کا شائبہ اور آمیزش نہ ہو' اختیار نہیں کرتا جب تک ملکوت ی قدرت کا مشاہدہ نہ کر لے۔

شیخ ابو طالب (2) مکی فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو خوراک میں بتدریج کمی اور تاخیر کر کے اس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ چالیس دن میں صرف ایک مرتبہ کھاتا' اس نے اپنے نفس کو اس کا اس طرح عادی بنایا کہ ہر رات میں کھانے کو رات کے آخری پہر تک ملتوی کر دیتا تھا۔ اس طرح ہر نصف ماہ میں اس ایک شب کامل بھوکا رہتا' اس طرح وہ ایک سال چار مہینے میں چالیس دن بھوکا رہتا اس طرح اربعین یعنی چلہ کی بھوک اس کے لئے ایک دن کی بھوک بن گئی' میرے سامنے (مشائخ کرام نے) یہ ذکر کیا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے اس پر عالم ملکوت سے آیات ظاہر ہوتی ہیں اور عالم جبروت کی قدرت کے

(1) صاحب تفسیر تستری جو دنیائے اسلام میں صوفیانہ طرز پر لکھی جانے والی پہلی تفسیر ہے۔

(2) صاحب "قوت القلوب" موضوع تصوف پر عظیم کتاب!

مفہوم منکشف ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اپنی تجلیات کو نمایاں کرتا ہے۔
واضح رہے کہ کم کھانا اور طے اگر ایک مخصوص فضیلت ہوتی تو تمام پیغمبر (علی نبیہا و علیہم السلام) اس فضیلت کو ضرور حاصل کرتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خصوصیت اور اس عمل کو اس کی انتہائی بلندیوں تک پہنچاتے مگر اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ امر بھی فضیلت میں داخل ہے کہ عنایات خداوندی اور فضل ایزدی کے حصول کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ روزانہ کھانا کھانے والا اس شخص سے افضل ہو جو چالیس دن تک فاقہ کش رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا شخص جس کو قدرت کے مفاہیم کا کشف نہیں ہوتا اس شخص سے بدرجہا افضل و بہتر ہے جس کو قدرت کے مفہوم کا کشف ہوتا ہے کہ اس پر صرف معرفت الٰہی سے کشف ہوتا ہے۔

قدرت کے معنی

پس یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قدرت قادر مطلق کا ایک اثر ہے اور جو شخص اس قادر مطلق کی قربت کا اہل بن گیا اس کو قدرت سے نہ تو انکار ہوتا ہے اور نہ قادر کی کسی قدرت سے تعجب ہوتا ہے قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ عالم حکمت کے پردوں کے اجزاء سے اس کا ظہور ہو رہا ہے۔

بہر نوع جو بندہ خلوص دل کے ساتھ چالیس دن تک خداوند لاشریک کی عبادت کرتا ہے اور ان طریقوں سے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اپنی روحانیت کے قیام کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے تو اس چلہ کی برکات اس کے تمام اوقات اور ساعات پر نازل ہوتی رہیں گی۔ بہرحال یہ ایک پسندیدہ طریقہ ہے جس پر صالحین کی ایک جماعت نے اعتماد کیا ہے۔ صلحائے سلف کی ایک جماعت نے چلہ کشی کے لئے پورا ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن مخصوص کر لئے تھے، یہی موسیٰ علیہ السلام کا اربعین ہے (موسیٰ علیہ السلام کے چہل روز یہی ماہ ذیعقدہ کامل اور ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن تھے)۔ پس جس شخص نے خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن عبادت کی اس کے دل سے حکمت کے چشمے اُبل کر اس کی زبان سے جاری ہوئے ہیں۔

باب 29

اخلاق صوفیہ

صوفیائے کرامؒ کو اقتدائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں اور لوگوں سے زیادہ حصہ ملا ہے اس لئے احیاء سنت کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں (دوسروں کے مقابلہ میں احیاء سنت میں ان پر زیادہ ذمہ داری ہے) حسن اقتداء اور احیاء سنت ہی نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سے متصف ہونے کا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا! اے فرزند! اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تمہارے صبح و شام اس طرح گزریں کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف میل اور کدورت نہ ہو تو ایسی زندگی بسر کرو (صبح و شام اس طرح گزارو) پھر ارشاد فرمایا اے فرزند! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا گویا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے (اس طرح) زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔

صوفیائے کرام نے سنت کا احیاء کیا ہے

یہ صوفیائے کرام ہی ہیں جنہوں نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احیاء کیا ہے کہ انہوں نے ابتداء ہی سے آپ کے اقوال پر عمل کیا (جس کی ان کی توفیق دی گئی تھی) اور اپنی روحانی زندگی کے درمیان آپ کے اعمال مقدسہ کی پیروی اور اقتداء کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں اعمال نبوی کی پیروی راسخ ہو گئی۔ حسن اخلاق بغیر تزکیہ نفس کے پیدا نہیں ہو سکتے اور تزکیہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ شریعت کی سیاست و قیادت تسلیم کرلی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ بیشک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں

اخلاق مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم

چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشرف الناس تھے اور سب سے پاکیزہ نفس تھے اس لئے خلق میں بھی آپ ان سب سے احسن و اعلیٰ تھے۔ شیخ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ "خلق عظیم" سے علیٰ، عظیم دین (1) مراد ہے اور دین اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا مجموعہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا

---

(1) یعنی آپ دین عظیم پر ہیں۔

گیا (کہ آپ کے اخلاق کیسے تھے) تو آپ نے فرمایا "آپؐ کا خلق قرآن کریم ہے۔" حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قرآن کریم کے احکام پر عمل فرماتے تھے۔ اور جن کاموں سے وہ روکتا ہے آپ نہیں کرتے تھے' بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد "وَ کَانَ خُلُقُهُ القرآن" میں ایک بڑا راز پنہاں ہے اور یہ ایک دقیق علمی بات ہے (ایک علم غامض اس میں پوشیدہ ہے) جس کی آپ نے وضاحت نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وصی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی علم دین عطا فرمایا تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

خُذُوا شَطرَ دِيْنِكُمْ مِن هٰذه الحُمَيْرا ○ (حدیث شریف)

تم ان حمیرا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے دین کا ایک حصہ سیکھو!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی وضاحت یہ ہے کہ نفوس انواع واقسام کی سرشت اور طبائع کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں یعنی مخلوق مختلف الطبائع پیدا کی گئی ہے کہ یہ اختلاف ان کے لوازم اور ان کی ضروریات کے مطابق (1) ہے' جن کو مٹی سے پیدا کیا گیا' ان کی طباع اسی کے مطابق ہیں (2) اور جن کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے ان کی طباع اسی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں' اسی طرح بعض طباع "حما و مسنون یعنی سڑی ہوئی کالی مٹی سے اور بعض "صَلْصَالٍ کالفَخار" کھنکھناتی ہوئی پکی مٹی سے جو پختہ سبال کی مانند ہے' بنائی گئی ہیں' چنانچہ انہی تخلیقی مادے کے مطابق ان کی طبائع کے مبادی (بنیادیں باتیں) ہیں اور ان میں درندگی' حیوانیت اور شیطانی صفات رکھ دی گئی ہیں' قرآن کریم میں اسی شیطانیت کی طرف جو انسانی طبیعت کا خاصہ سے ارشاد کیا ہے' یعنی فرمایا گیا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَ مِنْ مارِجٍ مِّن نَّارٍ ○

"اس (خالق کائنات) نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی اور جنوں کو آگ کے صاف، شعلے سے پیدا فرمایا۔" (پارہ 27 سورہ رحمٰن)

(چونکہ آگ سفال اور پکے برتن میں داخل ہے اس لئے شیطانی آگ کا اثر اس میں موجود ہے) لیکن باری تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور عنایت عظیم کے باعث شیطان کا حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود گرامی سے نکال لیا تھا (آپ کی طبیعت مقدس اور طینت پاک) "مارج سَف نَّار" کے اثر سے منزہ اور پاک فرمایا دیا تھا' اس سلسلہ میں حلیمہؓ بنت حارث (حلیمہ سعدیہؓ) کی یہ طویل روایت موجود ہے کہ:

"ہم اپنے گھر میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہماری بھیڑوں بکریوں کے ساتھ (چراگاہ میں) تھے کہ یکایک ان کا رضاعی بھائی ہمارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ ہمارے قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جو

(1) طباع کا یہ اختلاف عناصر اربعہ یعنی آب' آتش' خاک و باد کی ترکیب کے لحاظ سے کہ ان ہی سے اغلاط اربعہ بنی ہیں یعنی بلغم' سودا' صفرا اور بادی' اب ترکیب وجود میں اور ہیولیٰ کے صورت پذیر ہونے کی شکل میں جو عنصر زیادہ ہوتا ہے طبیعت اسی کے تابع ہوتی ہے۔

(2) جس عنصر کا غلبہ ہے طبیعت میں بھی اسی کا غلبہ ہوتا ہے۔ (شمس)

سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے' ان دونوں نے قریشی بھائی کو لٹا دیا اور ان کا پیٹ چاک کیا (یہ سن کر) میں اور ان کا رضاعی باپ یعنی میرا شوہر دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے تو ہم نے ان کو کھڑا ہوا پایا لیکن خوف سے ان کا رنگ بدلا ہوا تھا' ان کے باپ نے جھٹ ان کو گلے لگایا اور پوچھا اے فرزند! کیا حال ہے! تو انہوں نے کہا کہ دو شخص آئے تھے جو سفید لباس میں تھے انہوں نے مجھے لٹایا اور میرا پیٹ چاک کیا تب اس میں سے کچھ نکالا اور اس کو باہر پھینک دیا پھر اس کو (یعنی پیٹ کو ویسا ہی کر دیا جس طرح پہلے تھا' یہ سن کر ہم ان کو (چراگاہ سے) واپس لے آئے پھر ان کے باپ (میرے شوہر نے) کہا اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بیٹے کو کوئی گزند نہ پہنچے پس ہمارے ساتھ چلو' قبل اس کے کہ ایسی ویسی بات ظاہر ہو جس کا ہم کو خطرہ ہے ان کو ان کے خاندان میں پہنچا دیں'

حلیمہؓ کہتی ہیں کہ:

"یہ سن کر میں نے ان کو اٹھالیا اور ان کی والدہ محترمہ کے پاس لے آئی تو انہوں نے گھبرا کر فرمایا اے حلیمہؓ! تم ان کو کیوں واپس لے آئیں جب کہ تم کو ان سے بڑی محبت تھی اور تم بڑی آرزو کے ساتھ ان کو اپنے ساتھ لے گئی تھیں' ہم نے کہا کہ واللہ ہم کو کوئی تکلیف نہیں ہے' تاہم خداوند تعالیٰ نے ان کا کچھ نہ کچھ حق ہم سے ادا کرا دیا ہے' ہم صرف اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے یا یہ معرض ہلاکت میں پڑ جائیں (ان کو واپس لانے کا بس یہی سبب ہے) ہم نے ان کو ان کے گھر واپس پہنچا دینا ہی مناسب سمجھا' حضرت آمنہ نے فرمایا مجھے بتاؤ وہ کونسی بات ہے جس کے باعث تم اس طرح خوف زدہ ہو' ہم بتانا نہیں چاہتے تھے لیکن ان کے اصرار کے باعث ہم نے پورا واقعہ اور تمام روئیداد کہہ سنائی۔ تمام ماجرا سن کر حضرت آمنہ نے فرمایا کہ "ان کے بارے میں تمہیں شیطان کا اندیشہ ہے"' خداوند بزرگ و برتر کی قسم شیطان ان کی طرف راہ نہیں پاسکتا' یقیناً میرے اس فرزند کی ایک عظیم شان کا ظہور ہونے والا ہے' کیا میں تم کو اس شان کے بارے میں کچھ بتاؤں' ہم نے کہا ضرور بتایئے تب انہوں نے کہا "کہ جب میں اس فرزند کے حمل سے تھی تو اس سے ہلکا حمل کوئی نہ تھا۔ (1) زمانہ حمل میں مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ مجھ سے ایک ایسا نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں پھر جب آپ کی ولادت ہوئی تو اس طرح ہوئی کہ آج تک کوئی مولود اس طرح پیدا نہیں ہوا کہ بوقت ولادت آپ ہاتھوں ہاتھوں پر سہارا لئے ہوئے آسمان کی جانب منہ اٹھائے ہوئے تھے' تو خیر تم ان کو یہاں چھوڑ جاؤ۔"

(روایت حلیمہ ختم ہوئی)

---

(1) حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کے الفاظ یہ ہیں "حَملَت بِهٖ فَمَا حملت حَملاً قسط اَخف منه" یہاں حمل کی سبکی کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے ورنہ حضرت آمنہ کا یہ حمل اولین و آخرین تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا حضرت آمنہ کے بطن پاک سے اور کوئی مولود پیدا نہیں ہوا۔

نفس مقدس نبوی ﷺ اور نفوس بشری کا فرق

اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو شیطان کے حصے سے پاک اور مطہر کیا تو نبوی نفس مزکی (رسول کا پاک و مطہر نفس) نفوس بشری کی حد پر قائم رہا جو اپنے اخلاق اور صفات کے ساتھ معرض وجود میں آئیں جس سے مراد وہ رحمت ہے جو مخلوق کے لئے آپ کی ذات گرامی میں موجود تھی لیکن یہی نفوس امت میں اس طرح منزہ و مزکی نہ تھے بلکہ وہ مزید ظلمت کے ساتھ موجود تھے یہی وہ مقام ہے جہاں سے اس تفاوت کا پتہ چلتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے حال میں ہے، پس ان صفات (بشری) جو آپ کی ذات مقدس میں باقی رہ گئی تھیں انہوں نے اپنے ظہور کے لئے آیات محکمات کی تنزیل سے مدد طلب کی (وحی سے ان صفات کی مدد کی گئی) تاکہ جو صفات مظلمہ باقی رہ گئی ہیں ان کا قلع قمع ہو جائے یہ آپ کے لئے رحمت خاص الٰہی اور آپ کی امت کے لئے رحمت عام الٰہی تھی یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف صفات (نبویہ) کے ظہور کے قلب کے موقع پر مختلف اوقات میں آیات قرآنی کا نزول ہوا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○

"اور منکر کہنے لگے کہ ان پر تمام قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا ہم اس کو اس طرح اسی باعث نازل کیا کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط رکھیں اور تم سے آہستہ آہستہ اس کو پڑھوائیں" (سورہ فرقان پارہ 19)

دل کو اس لئے مضبوط کیا گیا کہ اس وقت جب کہ صفات کا ظہور ہوتا ہے تو نفس کی حرکت سے دل میں ایک اضطراب پیدا ہوتا ہے پس اس اضطراب کو دور کرنے کے لئے دل کو ثبات بخشا گیا۔ (نفس اور قلب کا باہمی تعلق پوشیدہ نہیں)۔

جنگ اُحد کا واقعہ

چنانچہ ہر اضطراب (قلبی) کے وقت ایک آیت (وحی الٰہی) کا نزول ہوا جس میں اخلاق کا ایک اعلیٰ درس موجود ہے خواہ بالصراحت یا بالاشارہ، مثلاً جب (جنگ احد میں) آپ کے دو دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ کے روئے انور پر خون بہنے لگا تو نفس نبویہ شریفہ میں ایک اضطراب اور حرکت پیدا ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے مبارک پر وہ خون ملتے جاتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے:

كَيْفَ يفلح القوم خضُوا وَجْه نبيهِمْ وَهُوَ يَدعُوهُمْ اِلٰى رَبهِمْ (الحدیث)

وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو رنگین بنا دیا محض اس لئے کہ وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔

اس وقت آپ کی تسکین کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ○

آپ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس وحی الٰہی کے نزول کے بعد قلب نبوی کو سکون حاصل ہو گیا اور اس زیادتی پر صبر آگیا' چونکہ قرآنی آیات ان صفات مختلفہ کے ظہور میں آنے پر مختلف اوقات میں نازل ہوتی تھیں اسی وجہ سے اخلاق نبویہ کا تعلق قرآن سے قائم کیا گیا (اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کَانَ خلق القُرْاٰنُ (یعنی آپ کا خلق قرآن قرار پایا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس شریفہ میں یہ صفات اس لئے باقی رکھی گئیں کہ آپ کے ارشاد گرامی کی صراحت ہو سکے اِنَّما اُنْسی لاسنَّ (میں اس لئے بھول جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے سنت قائم کروں۔ (یہ بھی امت کے لئے میری سنت بن جائے)۔

لہٰذا آیات قرانی کے نزول کے وقت آپ کے صفات نفس کا ظہور اس لئے ہوتا تھا کہ امت کی اصطلاح ہو سکے اور ان کے نفوس ادب پذیر ہو سکیں یہاں تک کہ وہ پاک وصاف بن جائیں اور ان کے اخلاق سنور جائیں اور اس کا باعث آپ کی وہ رحمت ہے جو ان کے حق میں آپ کی زحمت میں موجود تھی۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے!

اَلاَخلاَق مَخْزُوْنَۃٌ عِنْدَاللّٰہ تَعالٰی فَاِذَا اَرَاد اللّٰہُ تَعالٰی بِعَبْدٍ خَیْرًا مِنْہُ منھا خَلقًا

(الحدیث)

"اللہ تعالیٰ کے پاس اخلاق کا خزانہ جمع ہے' جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے اندر اس خلق کو پیدا کر دیتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی باعث فرمایا کہ:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلاَقِ ○

میں اسی واسطے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کا تکملہ کروں۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے ایک سو سے کچھ اوپر اخلاق ہیں ان میں سے ایک بھی وہ جس کو عطا فرما دے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (اِنَّ اللّٰہ تعالٰی مایئۃ وبضعَہ عَشرَ خلقًا من اَتاہٗ واحداً منھا دَخل الجنَّۃ ○) پس ان کا شمار اور حصر' نہیں ہو سکتا صرف وحی آسمانی سے ہو سکتا ہے جو کسی نبی یا رسول پر نازل ہوئی ہے (صرف نبی یا رسول ہی ان کو شمار کر سکتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے اسماء حسنہ جو صفات الٰہی سے آگاہ کرتے ہیں مخلوق پر اس لئے ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کی طرف بلاتا ہے اگر وہ قوائے انسانی کے ساتھ اخلاق خداوندی سے متصف ہونے کی صلاحیت اور اہلیت نہ رکھتا ہوتا تو پھر بندوں کو اس کی دعوت نہ دی جاتی کیونکہ یہ وہ دعوت خداوندی ہے جو صرف مخصوص بندوں ہی کو دی جاتی ہے (مقصد یہ ہے کہ اگر تخلقوا باخلاق اللہ کی صفت قوائے بشری میں نہ رکھی جاتی تو اللہ تعالیٰ اپنے اسماء صفاتی بندوں پر ظاہر نہ فرماتا)۔

اس وضاحت کے بعد یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد کہ قرآن کریم آپ کے اخلاق ہیں "کَان خَلقَہٗ القرآن" اس میں ایک رمز خاص پنہاں ہے اس سے اشارۂ خفی اخلاق ربانی کی طرف بھی ہوتا ہے ان کو صراحت کے ساتھ یہ بات کہنے میں کہ آپ اخلاق الٰہی سے متصف ہیں' بارگاہ الٰہی سے حجاب و شرم محسوس ہوئی لہٰذا بطور رمز

آپ نے "کَانَ خَلقُه القرآن" فرما کر انوار جلال سے شرم کرتے ہوئے اپنے لطیف قول یا لطافت بیان سے اس حقیقت کو پوشیدہ رکھا یہ امر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ونور علم اور کمال ادب پر دلالت کرتا ہے۔ اب ذرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ قول اور قرآن مجید کی ان روایتوں پر غور کیا جائے تو دونوں کا ربط باہمی ظاہر ہو جاتا ہے یعنی:

وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْم (سورہ حجر پارہ 14)

"بیشک ہم نے تم کو دوہرائی ہوئی سات آیتیں (سورۃ فاتحہ) اور قرآن حکیم عطا فرمایا ہے۔"

اور۔۔۔۔۔۔۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍO بیشک آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز اور متصف ہیں۔ (پ 29)

کے درمیان ایک ربط ہے۔

خلق عظیم کی شرح حضرت جنیدؒ کے قول سے

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ کے اخلاق کو عظیم اور اعلیٰ اس لئے کہا گیا کہ آپ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے، شیخ واسطیؒ نے فرمایا کہ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ کے لئے دونوں جہاں کو قرآن کر رہا تھا اور ان سے کچھ سروکار تعلق نہ رکھا تھا۔ بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخلاق سے لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کا التزام فرمایا لیکن اپنے دل کے ساتھ ان سے علیحدہ رہے' یہی وہ بات ہے جو بعض صوفیہ نے تصوف کی حقیقت اور اس کے معنی میں بیان کی ہے (1) یعنی الخلق مع الخلق والصدق مع الحق (مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق اور اللہ کے ساتھ خلوص)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کو اس وجہ سے عظیم کہا گیا ہے کہ تمام مخلوقات آپ کی نظر میں خالق کائنات کے مشاہدہ کے باعث صغر و حقیر ہو گئی' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا خلق اس لئے عظیم ہے کہ اس میں مکارم اخلاق اور خصائل جلیلہ جمع تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن خلق کی دعوت دی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو حسن خلق کی دعوت اس حدیث میں دی ہے جس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ میرا محبوب اور مجھ سے میری مجلس میں قریب تر وہ شخص ہو گا جو تم میں اخلاق کے اندر سب سے زیادہ پاکیزہ ہو گا (جس کے

---

(1) یعنی تصوف یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت روا رکھے اور دل کو دنیا کی راغب نہ کرے اور حق کے حقوق کو قائم کرے۔

اخلاق بہترین ہوں گے) اور تم میں سے وہ لوگ مجھے ناپسند ہیں اور وہی قیامت کے دن میری مجلس سے سب سے زیادہ دور ہوں گے جو بہت باتونی ہیں اور چیخ چیخ کر باتیں کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی متکبر بھی ہیں۔"

شیخ واسطیؒ نے فرمایا کہ "خلق عظیم" یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے خصومت رکھے اور نہ کوئی اس سے خصومت رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (بیشک آپ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہیں) وہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنے پاک باطن میں مشاہدہ حق سے لذت یاب تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے دوسرے نبیوں اور رسولوں سے زیادہ خداوند دو عالم کی نعمتوں سے استفادہ فرمایا۔

شیخ حسینؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے اخلاق کو اس لئے عظیم کہا گیا ہے کہ آپ مشاہدہ حق کے باعث جفائے خلق سے متاثر نہیں ہوئے بعض صالحین کا ارشاد ہے کہ تقویٰ کا لباس پہننا اور خداوند تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا "خلق عظیم" ہے جب کہ کسی بدلہ کا خطرہ طبیعت میں باقی نہ رہے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ اس (خلق عظیم) سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد زیادہ جامع و مانع ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۝ (پ 27 سورہ)

اگر وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم پر باتیں بناتے (غلط بات ہماری ذات سے منسوب کرتے ہیں) تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑتے (مواخذہ کے لئے)

فنا و بقا کی توجیہہ

صراحت اس کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ تو اس میں خطاب میں آپ کو حاضر ذکر کر کے آپ کو غافل کر دیا گیا لیکن آپ کو حجاب وجود (ضمیر حاضر) میں مستور کر دیا گیا اور مذکورہ بالا آیت میں (ضمیر غائب سے خطاب کیا گیا اس لئے اس میں) فنا ہے پس وہ پہلی آیت سے زیادہ مکمل ہے۔"

میرا خیال ہے کہ یہ قول غور طلب ہے' ان بزرگ کو یہ کہنا چاہئے کہ اگر وَلَوْ تَقَوَّلَ والی آیت میں فنا ہے تو خُلُقٍ عَظِیْمٍ والی آیت میں بقا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ فنا کے بعد بقا' فنا سے زیادہ اکمل و اتم ہے اور یہی منصب رسالت کے لائق اور شایان شان ہے فنا کو یہ اعزاز تو اسی وجہ سے حاصل ہے کہ وہ وجود مذموم کی مزاحمت کرتی ہے جب کہ صفات مذموم کو وجود سے نکال ڈالا گیا ہو اور اوصاف و صفات وجود بدل گئے ہوں تو اس صورت میں وجود مذموم ہی نہیں رہا اور جب وجود مذموم نہیں رہا تو پھر فنا میں فضیلت کیسے باقی رہی (وہ تو وجود مذموم کی مزاحمت کے ساتھ مشروط ہے) اب تو اس کی حضوری اللہ کے ساتھ ہے نہ کہ نفس کے ساتھ' اس صورت میں یہاں کونسا حجاب باقی رہا' پس ثابت ہوا کہ ایسی بقا' فنا سے افضل (1) ہے۔

(1) قارئین کرام مذکورہ بالا تفسیر کی طرف توجہ فرمائیں جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں بعض صوفیائے کرام کی یہ تفسیرات نہ بالمعنی ہیں اور نہ بالآثار و اخبار! ان تمام تفاسیر کی مدار اصلی حضرت شیخ سہلؒ بن عبداللہ تستریؒ یا پھر حضرت شیخ محی الدین ابن اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے جو حتمی بالحق پر مشتمل ہے۔

اکثر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس کو "خلق عظیم" عطا فرمایا گیا ہو اس کو اعلیٰ مقامات دیئے جاتے ہیں کیونکہ مقامات کا تعلق عام ہے اور اخلاص کا تعلق عادات و صفات سے ہے۔ حضرت شیخ جنید رحمتہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ خلق عظیم یہ چار ہیں (1) سخاوت (2) الفت (3) نصیحت (4) شفقت، شیخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ "خلق عظیم" یہ ہے کہ اس کے صاحب کو کوئی اختیار نہ ہو، یعنی اس نے اپنی خواہشوں اور نفس کو فنا کر دیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس اور خواہشوں کو فنا کر دیا تھا اور آپ کو اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ تھا آپ کلیتہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع تھے۔

شیخ ابو سعید" قرشی فرماتے ہیں کہ عظیم خداوند تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے اخلاق میں جود، کرم، درگزر، معافی اور احسان ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق ایک سو سے کچھ زیادہ ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک خلق کو اپنایا وہ جنت میں داخل ہو گا پس جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق خداوندی سے متصف ہو گئے اس وقت خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کہہ کر تعریف فرمائی۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے اخلاق کو "عظیم" اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ آپ نے صرف اخلاق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ آپ نے آگے بڑھ کر اور سیر فرمائی اور اوصاف کی منزل پر نہیں ٹھہرے بلکہ ذات حق تک جا پہنچے۔

حضور ﷺ کے اخلاق کو خلق عظیم کب کہا گیا

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جب سرور نشان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرزمین حجاز میں مبعوث فرمایا گیا تو اس وقت آپ کو تمام دنیاوی قوتوں اور خواہشوں سے روک دیا گیا آپ کو غربت و کربت میں ڈال دیا گیا جب آپ ان آزمائشوں سے گزر کر برگزیدہ اخلاق کے مالک بن گئے اس وقت آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○

شیخ ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث بیان کی کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مکارم اخلاق دس ہیں کہ وہ بعض آدمی میں ہوتے ہیں لیکن اس کے بیٹے میں نہیں ہوتے اور بیٹے میں ہوتے ہیں لیکن باپ میں نہیں ہوتے، غلام میں ہوتے ہیں اس کے آقا میں نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ سعادت عطا فرماتا ہے اور دس اخلاق یہ ہیں:

(1) سچ بولنا (2) دنیا سے بالکل ناامیدی رکھنا (3) اگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو تو خود پیٹ بھر کر نہ کھائے (4) سوال کرنے والے کو دینا (5) احسانات کا بدلہ دینا (6) امانت میں دیانت (7) صلہ رحمی (رشتہ داروں سے سلوک) (8) دوست کے حقوق ادا کرنا (9) مہمان نوازی (10) حیا (جو ان تمام خوبیوں کی بنیاد ہے)۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا حضور وہ کون سے اخلاق ہیں جن سے متصف ہونے کے باعث زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حسن اخلاق اور تقویٰ" پھر دریافت کیا گیا کہ دوزخ میں کثرت سے کن چیزوں کی بدولت لوگ داخل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خوشی اور

غم! یعنی غم سے مراد فانی لذتوں کے ضائع ہونے پر غم کرنا، جن کے باعث انسان پریشان اور ناراض ہوتا ہے، قدرت پر اعتراض کرنا، اور قسمت پر شاکر و صابر نہیں ہوتا (راضی برضا نہ ہونا) خوشی سے مراد دنیاوی کامرانیوں اور کامیابیوں پر خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ حالانکہ اس خوشی کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔"

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ۔

"تم کسی چیز کے زیاں پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو حاصل ہو اس پر خوش مت ہو۔"

اور یہی وہ خوشی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْقَالَ لَہٗ قَوْمُہٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ O (پارہ 20 سورۃ قصص)

"یعنی جس وقت قارون سے اس کی قوم نے کہا کہ تو (اس دولت پر نہ اترا) خوش مت ہو، اللہ تعالیٰ (اس طرح) خوش ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (۱)"

لیکن جو خوشی آخرت سے تعلق رکھتی ہے یعنی انبساط اخروی ہے وہ محمود و پسندیدہ ہے (اس سے نہیں روکا گیا ہے) کہ خوشی میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر ہوتا ہے اور اس کی حمد کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا۔ (پارہ 11 سورۃ یونس)

اے پیغمبر کہہ دیجئے! یہ خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی ہے، تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔

شیخ عبداللہ بن مبارکؒ نے حسن اخلاق کی تعریف و تفسیر اس طرح کی ہے کہ "حسن خلق کا مفہوم یہ ہے کہ شگفتہ روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ بھلائی کی جائے اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچائی جائے۔"

صوفیہ کی اخلاقی حالت

صوفیائے کرام اپنے نفوس کو ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنے نفوس میں یہ صلاحیت پیدا کرتے ہیں کہ وہ تہذیب و اخلاق سے بہرہ یاب ہو جائیں یعنی ان کے اخلاق سدھر جائیں البتہ ان میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جو عمل تو کرتے ہیں (ریاضت اور مجاہدے میں مصروف ہوتے ہیں) لیکن اپنے اخلاق کو نہیں سنوارتے کچھ زہاد ایسے ہیں کہ وہ اخلاق کے پابند ہیں (حسن اخلاق پر کاربند ہیں) مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو حسن اخلاق پر کاربند نہیں ہیں، مگر حقیقی صوفیہ کی جماعت تمام حسن اخلاق کی پابندی کرتی ہے۔

حسن اخلاق کے نقطہ نظر سے تصوف کی تعریف

شیخ ابوبکر الکتانیؒ کا ارشاد ہے کہ "تصوف سراپا اخلاق کا نام ہے جس نے کسی (حسن) خلق کا اضافہ کیا اس نے تصوف میں اضافہ کیا، بہرحال جو لوگ عابد ہیں انہوں نے اعمال کو اس لئے قبول کر لیا ہے کہ وہ اسلام کے نور کی روشنی میں چلتے ہیں اور جو زاہد ہیں انہوں نے بعض اخلاق حسنہ کو قبول کر لیا ہے کہ وہ ایمان کے نور کی روشنی میں گامزن ہیں اور صوفیہ چونکہ اہل تقرب

۱) قارون نے جب دیکھا کہ اس کے خزانے کی کنجیوں کو چند طاقتور لوگ بھی مل کر نہیں اٹھا سکتے تو اترانے لگا، یہ وعید اسی موقع پر کی گئی۔

ہیں وہ نور احسان کے ساتھ چلتے ہیں۔ جب اہل قرب اور صوفیائے کرام کے باطن نور یقین کی حاصل کر لیتے ہیں اور وہ ان کے باطنوں میں جڑ پکڑ لیتا ہے تو پھر ہر قلب میں اطراف و جواب سے نور یقین حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اس وقت قلب کا بعض حصہ نور اسلام سے سفید اور روشن ہوتا ہے اور بعض حصے نور ایمان سے منور ہوتے ہیں اور پھر تمام قلب نور احسان و ایقان سے منور اور روشن ہو جاتا ہے اس وقت اس کا عکس نفس پر منعکس ہوتا ہے اور قلب کا ایک رخ نفس کی طرف اور ایک رخ روح کی جانب ہوتا ہے (وہ بیک نظر نفس اور روح دونوں کو منور کرتا ہے) لیکن نفس کا ایک رخ قلب کی طرف اور ایک رخ طبیعت اور اس کی سرشت کی جانب ہوتا ہے یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک کل قلب روشن نہیں ہوتا روح کی طرف اس کا کل متوجہ نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں وہ ذو وجہین (دوزخ والا بنجاتا ہے) یعنی ایک رخ روح کی طرف اور ایک رخ نفس کی طرف! اور جب کل قلب روشن ہو جاتا ہے تو وہ پورا روح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پھر روح اس تک پہنچ جاتی ہے اور اس کو نور و اشراق سے پورا حصہ ملتا ہے اور اس صورت میں جب بھی قلب کی کشش روح کی طرف ہوتی ہے تو نفس قلب کی طرف کھنچتا ہے اور قلب کی طرف اس کا جو رخ بھی ہوتا ہے وہ منور ہو جاتا ہے یعنی نفس کا وہی رخ منور ہو جاتا ہے جو متوجہ الی القلب اور اس سے قریب ہوتا ہے، اس کی طمانیت اس کے منور ہونے کی دلیل اور علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً○

اے نفس مطمئن تو خوش ہو کر اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جاوہ بھی تجھ سے خوش ہے۔

نفس کے اس رخ کی تابانی جو قلب کے قریب ہے ایسی ہی ہے جیسے صدف کے اس ایک رخ میں پائی جاتی ہے جو اس کو موتی کی تابانی سے حاصل ہوتی ہے اس طرح نفس میں جو کچھ ظلمت باقی رہ جاتی ہے وہ صرف اس رخ کے باعث ہوتی ہے جو سرشت اور طبیعت کے نزدیک (اور قلب نورانی سے دور) ہوتی ہے جس طرح صدف کے بیرونی رخ میں کدورت اور ظلمت باقی رہتی ہے جو اس کے اندرونی نورانیت کے بالکل برخلاف ہے۔

جب نفس کے دو رخوں میں سے اس کا ایک رخ منور ہو گیا تو وہ تہذیب اخلاق اور تبدیلی صفات کی طرف متوجہ اور ساعی ہو جاتا ہے، اس وجہ سے ابدال (بدلنا) ابدال کے نام سے موسوم ہوا۔ اس میں یہ راز مضمر ہے کہ اس وقت صوفی کا دل جو ہمیشہ متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور ذکر قلبی و لسانی میں مصروف رہتا ہے اب وہ ذکر ذات کی طرف توجہ کرتا ہے (اس کو ذکر ذات کی طرف ترقی ہوتی ہے) اس وقت وہ عرش الٰہی کی مانند ہو جاتا ہے یعنی جس طرح عرش اس عالم میں خلق و حکمت میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے اس طرح قلب ذاکر عالم امر و قدرت کا عرش بن جاتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں "قلب عرش کے مشابہ اور ذاکر کا سینہ کرسی کی مانند ہے، حدیث قدسی ہے:

"زمین و آسمان مجھے اپنے اندر نہیں سما سکتے لیکن بندہ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے، اس کا دل مجھے اپنے اندر سما سکتا ہے۔"

قلب کاذکرذات سے نورانی بن کراخلاق الٰہی سے تخلق پیدا کرلینا ہے

جب قلب اس طرح ذکرذات سے نورانی و نور آگیں اور ہوائے قرب سے بحر مواج بن جاتا ہے تو اس وقت اخلاق حسنہ اور صفات نفس کی نہروں میں بہنے لگتے ہیں (صفات نفس اخلاق حسنہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں) اور اس وقت اخلاق الٰہی سے تخلق ثابت ہو جاتا ہے (اخلاق الٰہی اس میں ثابت و راسخ ہو جاتے ہیں)۔

شیخ ابو القاسم گورگانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنہ سالک طریقت کے اوصاف بن جاتے ہیں اگرچہ سلوک کی منزل میں ہو اور واصل بحق نہ ہوا ہو۔ شیخ ابوالقاسمؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سالک ہر اسم خداوندی سے ایک صفت کا حامل بن جاتا ہے جو بشری کمزوریوں اور انسانی کوتاہیوں کے مناسب حال ہوتی ہیں (بشریت جس کی متحمل ہو سکتی ہے) مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے اسم صفاتی "الرحیم" سے "رحم کرنے" کی صفت یا وصف بقدر طاقت بشری اختیار کر سکتا ہے۔

مشائخ کرام اور صوفیائے عظام نے اسماء و صفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اور جو علوم تصوف میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور اہم ہیں اور ان کے نادر علوم کا ایک حصہ ہیں' وہ اسی کے مطابق ہے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں (صوفیائے کرام نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے جس طرح ہم نے صراحت کی ہے) اگر کوئی اس سے حلول خداوندی کا ذرہ برابر بھی خیال کرتا ہے (جیسا کہ فرقۂ ملولعہ کے عقائد ہیں) تو وہ زندیق (1) ہے اور الحاد کا علمبردار ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی جو محاسن اخلاق کا جامع ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک وصیت فرمائی (جو مکارم اخلاق کی جامع ہے) حضور نے ارشاد فرمایا اے معاذؓ! میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ:

1۔ خوف خدا کرو۔
2۔ سچ بولو۔
3۔ ایفائے عہد کرو۔
4۔ امانت ادا کرو۔
5۔ خیانت کو ترک کردو۔
6۔ ہمسایوں کی خبر گیری کرو۔
7۔ یتیموں پر رحم کھاؤ۔
8۔ گفتگو میں نرمی اختیار کرو۔

---

(1) اخلاق خداوندی سے تخلق پیدا کرنے میں یا ہونے میں بقدر طاقت بشری کی قید سے نظریہ حلول باطل ہو جاتا ہے۔

9۔ سلام میں پہل کرو۔
10۔ حسن عمل پیدا کرو۔
11۔ امیدوں کو کوتاہ کردو۔
12۔ ایمان کو پکڑے رہو۔
13۔ قرآن میں غور کرو۔
14۔ آخرت سے محبت رکھو۔
15۔ حساب' آخرت' کے خیال سے گریہ و زاری کرو۔
16۔ تواضع اختیار کرو۔
17۔ بردبار شخص کو گالی نہ دو اور سچ بولنے والے کو نہ جھٹلاؤ۔
18۔ گنہگار کی اطاعت اور امام عادل کی نافرمانی نہ کرو! زمین پر فساد برپا نہ کرو!'
19۔ نیز میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر حجرو شجریا (مٹی) زمین سے گزرتے وقت اللہ سے ڈرو'
20۔ ہر گناہ پر توبہ کرو' اگر وہ پوشیدہ کیا ہے تو پوشیدہ طور پر توبہ کرو اور اعلانیہ کیا ہے تو توبہ بھی علانیہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسی طرح ادب سکھایا ہے اور ان کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی تعلیم دی ہے۔
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

"اسلام مکارم اخلاق اور محاسن آداب سے گھرا ہوا ہے۔"

حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میزان عمل میں رکھی جانے والی چیزوں میں حسن عمل سے زیادہ کوئی چیز گراں بار نہیں ہے اور حسن عمل کرنے والا اسی کی بدولت نمازی اور روزہ دار کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق کا یہ عالم تھا کہ آپ سب سے زیادہ سخی تھے کہ رات کے وقت نہ آپ کے پاس کوئی درہم باقی رہتا نہ دینار (دن میں جو کچھ آپ کے حضور میں آتا آپ شام تک وہ سب تقسیم فرما دیتے) اگر احیاناً کچھ بچ جاتا اور کوئی مستحق نہ ملتا تو آپ اس وقت تک کاشانہ نبوت کو واپس نہ ہوتے جب تک اس کو تقسیم نہیں فرما دیتے تھے۔ آپ کا مقصود مطلوب دنیا نہیں تھی چنانچہ عموماً آپ کی غذا چھوہارے اور جو تھی جو بہت ہلکی اور کم قیمت غذا ہے' اس کے علاوہ اگر آپ کے پاس کچھ اور ہوتا تو آپ اس کو راہ خدا میں خرچ فرما دیتے تھے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپ نے اس کو کچھ عطا نہ فرمایا ہو' اس کے بعد آپ اپنی عام غذا ہی پر قناعت فرماتے (کھجور اور جو) کھجور اور جو کا اتنا ہی ذخیرہ ہوتا کہ سال ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ختم ہو جاتا۔

(میوز حتی رَبُمَا احتاج قبل انقضاء العام)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پھٹے ہوئے جوتوں کی خود ہی مرمت کر لیا کرتے تھے' کپڑوں میں خود ہی پیوند لگا لیتے تھے' گھر کے لوگوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے تھے' آپ سب سے زیادہ حیا والے اور سب سے زیادہ متواضع تھے۔

فصلوٰت الرحمٰن علیہ وعلٰی آلِہٖ
واَصْحابِہٖ اَجْمَعِیْن O

باب 30

اخلاق صوفیہ کی وضاحت

اخلاق صوفیہ میں سب سے بہتر خلق تواضع ہے، بندہ کے لئے تواضع سے بہتر کوئی اور لباس نہیں ہے، جو شخص تواضع کا خزانہ حاصل کرلیتا ہے، وہ ہر شخص کے سامنے اپنی اس حیثیت کو ایک اندازہ پر قائم رکھتا ہے اسی طرح وہ دوسرے شخص کو بھی اس کے صحیح مقام اور رتبے پر رکھتا ہے، جس کو تواضع حاصل ہو گئی وہ خود بھی آرام سے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے آرام پہنچتا ہے۔

وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ اس نکتہ کو جاننے والے ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں

تواضع کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی نازل فرمائی۔" تم تواضع اختیار کرو اور کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا یہ اتباع (جس کا حکم دیا گیا ہے) نیکی، تقویٰ خوف اور تواضع کے ساتھ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ آزاد اور غلام سب کی دعوت قبول فرماتے تھے خواہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہی کیوں نہ ہوتی، آپ (حسب موقع) اس کا صلہ بھی دیتے تھے اور خود بھی اس کو استعمال فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ کنیز یا غلام کو جواب دینے میں بھی غرور نہ فرماتے تھے۔ (اسی تواضع سے جواب ارشاد فرماتے تھے)۔

سلیمانؒ بن عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ جس سے تم ملو اس کو پہلے سلام کرو اور جو تم کو سلام کرے اس کا جواب دو، مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھنے میں تم کو عار نہ ہو۔ تم کو یہ خواہش نہ ہو کہ کوئی تمہاری تعریف کرے یا تم پر احسان کرے۔" آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ "مبارک اور نوید ہے اس شخص کو جو بغیر کوتاہی، نقص کے تواضع اختیار کرے اور محتاجی کے بغیر خود کو محتاج جانے۔'

شیخ جنیدؒ سے کسی نے سوال کیا کہ تواضع کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بازوؤں کا جھکانا اور پہلو کا نرم کرنا ہے "حضرت فضیلؒ سے تواضع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا " حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور حق بات کو کہنا۔" انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کی قدر و قیمت کا اعتبار کرتا ہے تواضع میں اس کا حصہ نہیں ہے (اس کا تواضع سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔

حضرت وہبؒ بن عنبہؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں مکتوب ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں نے آدم کی پشت سے ذروں کو برآمد کیا اس وقت میں نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے دل سے زیادہ متواضع کسی قلب کو نہیں پایا اس لئے میں نے ان کو منتخب کرکے ان سے کلام کیا (کلیم اللہ بنایا) بزرگوں کا مقولہ ہے' جو اپنے نفس کی پوشیدہ باتوں کو پہچان لیتا ہے وہ کبھی غرور و تکبر نہیں کرتا بلکہ وہ تواضع اختیار کرلیتا ہے اگر کوئی شخص اس کی مذمت کرے تو اس سے وہ نہیں جھگڑتا اور جب کوئی اس کی تعریف کرتا ہے تو وہ خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

شیخ ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا دل تواضع اختیار کرلے تو اس کو چاہئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کرے اور ان کی عزت و حرمت کرے' اس طرح وہ ان صالحین کی شدت تواضع سے جوان کے نفوس میں موجود ہے' اقتداء کرے گا اور تکبر سے بچ جائے گا (ان کی صحبت میں خود بخود تواضع اختیار کرلے گا)۔

حضرت لقمان (علیہ السلام) نے کہا ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک سواری ہے اور عمل کی سواری تواضع ہے'

حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں کہ پانچ قسم کے لوگ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ (1) زاہد عالم۔ (2) فقہ صوفی۔ (3) تواضع سے پیش آنے والا غنی۔ (4) شاکر و صابر فقیر اور (5) روشن ضمیر شریف' شیخ جلاؒ فرماتے ہیں کہ اگر تواضع کا یہ شرف موجود نہ ہوتا تو ہم راہ چلتے خطرے میں پڑ جاتے' یوسف بن اسباط کے بارے میں منقول ہے کہ کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ تواضع کی حد کیا ہے' تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تم اپنے گھر سے نکلو اور راستہ میں جس کسی سے بھی ملو اس کو خود سے بہتر سمجھو!

اسیران فرنگ سے شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کا سلوک

میں نے اپنے شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ سے ایسی ہی تواضع کا مشاہدہ کیا' میں ایک مرتبہ شام کے سفر میں ان کا ہمسفر تھا اثنائے سفر میں بعض سرداروں (دنیاداروں) نے فرنگی قیدیوں کے سروں پر (جو صلیبی جنگ میں اسیر کئے گئے تھے) جو بیڑیاں پہنے تھے ہمارے لئے کھانے کے خوان بھیجے جب دستر خوان بچھایا گیا تو قیدی برتنوں کے خالی ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے' اس وقت شیخ محترم نے ایک خادم سے کہا کہ ان سب قیدیوں کو بلالو تاکہ وہ بھی ہم درویشوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں' خادم ان سب کو لے کر آیا اور سب کے سب ایک صف میں دستر خوان پر بٹھا دیئے گئے اس وقت شیخ اپنے مصلے سے اٹھے اور خراماں خراماں ان کے پاس آکر ان کے درمیان میں بیٹھ گئے گویا وہ بھی ان میں سے ایک ہیں اس کے بعد سب نے کھانا کھایا' اس وقت ہمیں آپ کے چہرے پر ان کے باطن کے خلوص' تواضع للّٰلہ' عاجزی اور انکساری کی وہ جھلک نظر آئی جس سے ان کے ایمان او وسعت علم و عمل کا پتہ چلتا تھا۔ (1)

(1) صوفیائے کرامؒ نے اپنی اسی تواضع سے لاکھوں غیر مسلموں کے دل جیت لئے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ صاحبان شریعت ان کے اس طرز عمل پر ہمیشہ معترض رہے ہیں' وہ کہیں گے کہ ایسا عمل ذلت نفس ہے۔

شیخ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ جریریؒ کا یہ قول سنا ہے کہ "اہل معرفت کا یہ خیال صحیح ہے کہ دین اسلام کا سرمایہ پانچ اصول ظاہری اور پانچ اصول باطنی ہیں، ظاہری اصول تو یہ ہیں۔"

(1) سچ بولنا (2) سخاوت کرنا (3) جسمانی طور پر تواضع کرنا۔ (4) دوسروں کو اذیت سے بچانا (5) کسی انکار کے بغیر خود تکلیف اذیت برداشت کرنا۔

پانچ باطنی اصول یہ ہیں۔

(1) اپنے آقاو سردار سے محبت کرنا (محبّت وجود سَیدہ)

(2) اپنے فعل پر شرمندگی (3) اپنے رب سے حیا کرنا (4) اپنے آقا کے وصال کی امید رکھنا (5) آقا سے جدائی کا خوف کرنا"

شیخ یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں "تواضع" یوں تو تمام مخلوق سے اگر سرزد ہو تو اچھی ہے لیکن اگر دولت مندوں سے سرزد ہو تو بہت خوب ہے، اسی طرح تکبر عام مخلوق سے اگر سرزد ہو تو برا ہے لیکن اگر کسی صاحب فقر سے اس کا ظہور ہو تو بدترین ہے، حضرت ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں، تواضع کی یہ تین علامتیں ہیں، اپنے نفس کو حقیر جاننا، تاکہ نفس کا عیب معلوم ہو سکے (2) توحید کی حرمت کے لئے لوگوں کی تعظیم و تکریم کرنا (3) سچی بات اور نصیحت کو ہر شخص سے قبول کرنا،

انسان کب متواضع ہوتا ہے

حضرت بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کب متواضع ہوتا ہے، آپ نے جواب دیا جب اپنی ذات پر اپنے نفس کا کوئی حق نہ سمجھے، (کیونکہ وہ اس کی شرارت اور خبث سے واقف ہے) اور خود کو مخلوق میں سب سے بدتر سمجھے۔

بعض حکماء کہتے ہیں کہ جہل و بخل کے ساتھ تواضع کو ہم عجب و غرور کے ساتھ سخاوت اور ادب سے بہتر سمجھتے ہیں، کسی دانشمند سے دریافت کیا گیا کہ تم کو ایسی نعمت کا علم ہے جس پر حسد نہ کیا جائے اور کسی ایسی بلا کا علم ہے کہ صاحب بلا پر کسی کو رحم نہ آئے، اس نے کہا ہاں وہ نعمت ہے اور وہ بلا کبر و نخوت ہے۔

تواضع کی اصل

تواضع کی اصل یہ ہے کہ ذلت اور تکبر میں اعتدال قائم کرنا تواضع ہے یعنی تکبر تو یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے حقیقی مرتبے سے بلند سمجھے اور ذلت یہ ہے کہ انسان خود کو اتنا گرا دے اور (خوار سمجھے) کہ اس کی ذلت کی حق تلفی ہوتی ہو، لیکن ہمارے مشائخ نے تواضع کی تشریح و تصریح میں بہت سے ایسے اشارات کئے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں تواضع اور ذلت مترادف ہیں یا وہ ذلت کو تواضع کا قائم مقام سمجھتے ہیں یا ان اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خواہشات نفسانی کو افراط کی بلندی سے تفریط کی پستی پر پہنچا دیا ہے۔ (1) میرے خیال میں ان کا اس سے مقصد یہ ہے کہ مشائخ کرام کو

(1) ہر خلق کے تین پہلو ہوتے ہیں ایک حالت افراط یعنی حد سے بڑھ جانا، ایک حالت تفریط یعنی حد سے نیچے چلے جانا اور اس کا درمیانی درجہ اعتدال ہے اس کی ایک مثال سے وضاحت کرتا ہوں کہ شجاعت کی افراط یہ ہے کہ خطرناک مواقع پر پیش قدمی کی جائے جیسے چلتی ٹرین سے کود پڑے یہ شجاعت کی حد افراط ہے، ان چیزوں سے ڈرے جو محض واہم ہوں یہ حد تفریط ہے، اور ان دونوں کا اعتدال شجاعت ہے جس کے ہزاروں مثالیں نگاہیں سے گزرتی ہوتی ہیں (مترجم)

اپنے مریدوں سے غرور تکبر کا چونکہ اندیشہ رہتا ہے اس لئے وہ ان کو اس قوت کا قلع قمع کرنے کے لئے مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور حد تفریط تک ان کو پہنچادیتے ہیں کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ روحانی حالت کی غلبہ کی ابتدائی صورت میں شاذ ہی کوئی مرید خود پسندی اور عجب سے خالی ہوتا ہے یہاں تک کہ اکابر صوفیہ سے بھی بہت سے ایسے احوال منسوب ہیں جن سے خودپسندی کا ترشح ہوتا ہے ممکن ہے کہ یہ اقوال ان کی حالت سکر کے بقایا آثار سے تعلق رکھتے ہوں کہ سکر حال کا ایک تنگ دائرہ ہے وہ اپنی ابتدائی حالت میں صحو (ہوشیاری) کی وسیع فضا میں باہر نہیں آتے تھے (اس لئے ان سے ایسے کلمات سرزد ہوئے ہوں)۔

کوئی صاحب بصیرت اگر بنظر تعمق دیکھے تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ اس قسم کی روحانی واردات کے نزول کے موقع پر نفس کی چوری چھپے سنی ہوئی باتیں ہیں اس لئے کہ جب نفس واردات قلبی کے ظہور کے موقع پر چوری چھپے سنتا ہے تو روحانی سربلندی کی بناء پر اس کو وہ بات (جو اس نے چوری سے سنی) گراں نہیں معلوم ہوتی' پس اس وقت نفس کی تحریک سے ایسے کلمات زبان سے ادا ہو جاتے ہیں جن سے خودپسندی یا تکبر کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ نے اس حالت سکر میں فرمایا:

مَنْ تحت حضر السمآء مِثلی — اس نیلگوں آسمان کے نیچے ہے کوئی مجھ جیسا

یا۔۔۔۔۔ ایک بزرگ کا یہ قول ہے:

قَدَمِی علٰی رقبۃِ جمیع الاوْلیاء — میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے

یا۔۔۔۔۔ ایک اور بزرگ نے فرمایا ہے:

اسرجت وَالجنت وَطَعت فِی اَقْطَار الْاَرْضِ وَقُلْت حَل مِنْ مُّبارِز فلم یَخرج اِلَی اَحدٌ ○

"میں نے زین کسی اور لگام کو کھینچا اور تمام روئے زمین کا چکر لگایا اور مد مقابل طلب کیا' مگر میرے مقابلہ کے لئے کوئی نہیں آیا"

اس صورت حال کا حل

اگر کسی شخص (سالک طریقت) کو ایسی مشکل پیش آجائے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ اس کے نفس نے چوری سے کچھ سنا ہے اور وہ کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہو جس کو تکبر اور خودپسندی پر محمول کیا جا سکتا ہو تو لازم ہے کہ اس قسم کے اقوال کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی ترازو میں تولے اور اس وقت ان حضرت کی تواضع کو پیش نظر رکھے کہ وہ اس قسم کے اقوال زبان سے نکالنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس سے پرہیز کرتے تھے اور نہ کسی بندۂ حق کے لئے مناسب سمجھتے تھے کہ وہ ایسے اقوال کو ادا کرے۔ بہرحال ایسے مخلص حضرات کو ایسے کلام کی تاویل کا ایک پہلو یہ ہے یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ کلام یا ان کے یہ اقوال مستی کی حالت میں ان سے ادا ہوئے ہیں اور ایسے متوالوں اور مستوں کا

کلام برداشت ہی کیا جاتا ہے (کہ وہ از قسم شطحیات (۱) ہوتا ہے)۔

مشائخ نے ایسے اقوال کا صدور انتہائی تواضع سکھا کر روک دیا

ہوشمند مشائخ جانتے ہیں کہ نفوس انسانی میں یہ پوشیدہ بیماری موجود ہے اس لئے وہ تواضع کی تشریح میں اس قدر بڑھ گئے کہ اس کو ذلت کی حد تک پہنچا دیا (تاکہ نفس ایسی چوری نہ کر سکے اور سالک ان شطحیات سے محفوظ رہے) تاکہ اس کے ذریعہ وہ مریدوں کے نفوس کی سرکشی و علاج کر سکیں اور پھر رفتہ رفتہ ان کو تواضع کی حد اعتدال پر پہنچادیں لیکن اس طرح کہ وہ اپنے اصلی درجہ سے ذرا کم درجے پر رہیں۔ کہ جب نفسی سرکشی سے محفوظ ہو جاتا ہے تو پھر وہ بغیر کسی کمی و بیشی کے اپنے اصل مقام پر برقرار رہتا ہے (افراط و تفریط کی طرف مائل نہیں ہوتا)۔ لیکن نفس انسانی چونکہ آتش سے متاثر ہوا ہے اور وہ ایک ٹھیکرے کی طرح "صلصال" کھنکناتی ہوئی مٹی سے بنا ہے اس لئے اس کی سرشت میں سرکشی جبلی اور فطری ہے' آگ چونکہ جوہر علوی ہے اس لئے نفس بھی سربلندی کی طرف ہمہ وقت مائل رہتا ہے لہٰذا مشائخ کرام نے تواضع ہی کے ذریعہ اس کا علاج مناسب سمجھا اور اس کو اس کے اصل مقام سے بہت ہی کم درجہ پر گرا دیا تاکہ غرور و تکبر اس پر متاثر نہ ہو سکے اور اس کے نفس میں راستہ نہ پا سکے۔

کبر کی حقیقت

کبر انسانی اس خیال اور گمان کو کہتے ہیں کہ وہ دوسرے سے بہت بڑا ہے اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں' کبر ایک صفت ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور میں موجود نہیں ہے' اگر مخلوقات میں سے کوئی اس صفت سے متصف ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے' کبر انسان میں حقیقتاً غرور و خودپسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی محاسن سے عدم وقوف کا دوسرا نام ہے' اس قسم کی جہالت خلاف انسانیت ہے (انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان محاسن کو پہچانے اور خود پسندی کا دعویٰ نہ کرے) یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متکبرین کو ناپسند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

"اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○

"کیا جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے'۔"

---

(۱) اصطلاح تصوف میں ایسے کلام کو شطحیات کہا جاتا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

اِزَارِی فَمَنْ نَازَعْنِی وَاحِدً مِنهما قصمتہٗ ○ (حدیث قدسی)

"کبریائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا لباس پس جس نے ان دونوں میں سے کسی کو لینے کی خواہش کی میں اس کو پاش پاش کر دوں گا۔"

ایک دوسری روایت میں اس حدیث قدسی" کے آخری الفاظ یوں آئے ہیں قَذَمتہٗ نار جھنم میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔

انسان کی حقیقت اور اس کی سرکشی

اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرکشی کا رد اس طرح فرمایا ہے (اور اس کی حقیقت بھی اس پر واضح کر دی ہے) ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَمشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○

"یعنی زمین پر اکڑا کر اتراتے ہوئے مت چلو کیونکہ نہ تم اس طرح چل کر زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ پہاڑوں کی طرح بلند ہو سکو گے (کہ ان کو پامال کر سکو) انسان ذرا اپنی تخلیق پر غور کرے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے (اس صورت میں غرور و تکبر کیا اس کو شایان ہے)۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّا خُلِقَ ○ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ○ (الآیۃ)

"انسان ذرا غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (محض) ایک اچھلنے والے پانی (مادہ حیات) سے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کس قدر بلیغ ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ مِنْ اَیِّ شَیءٍ خَلَقَہٗ مِنْ نُّطْفَۃٍ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ○ (القرآن پارہ 30 سورۃ عبس)

"غارت ہو یہ انسان! وہ کس قدر ناشکر گزار ہے! خدا نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا (جانتے ہو) اسے محض ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے اور اس کے بعد اس کا اندازہ لگایا۔"

ایک بزرگ شخص نے ایک متکبر سے کہا، تمہاری پیدائش نطفہ ناپاک سے ہوئی ہے اور تمہارا انجام ایک گندی لاش ہے اور تم ان دونوں کے بین بین (پیٹ کی) گندگی اٹھائے پھرتے ہو، تقریباً اسی مفہوم کو ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

کیف یزھو من رَجیعه اَبد الدَّھر ضجیعَہٗ

اس نجاست پر گھمنڈ اندھیر ہے گندگی کا جب کہ تو ایک ڈھیر ہے

بہرحال جب تواضع قلب سے نکل جائے اور اس کی جگہ غرور و تکبر لے لیں تو پھر اعضاء بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ مسلم ہے کہ جو ظرف میں ہوتا ہے وہی اس سے ٹپکتا ہے۔ جب تواضع کی صفت دل سے رخصت ہو جائے اور اس کے

بجائے کبر اور غرور جگہ لے لیں تو پھر اس کا اثر گردن میں کجی پیدا کرتا ہے اور کبھی رخساروں میں ظاہر ہوتا ہے اور انسان کا منہ بگڑ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ تم لوگوں سے اپنا منہ نہ بگاڑو

اور کبھی اس کا اثر سروں پر پہنچتا ہے' ارشاد خداوندی ہے۔

لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ○ (پارہ 28 سورۃ منافقون)

"پھر انہوں نے اپنے سروں کو پھیرا اور تم نے دیکھا کہ وہ غرور اور تکبر سے منہ موڑتے ہیں۔"

بس غرور اعضاء اور جوارح پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی اس اثر اندازی سے بہت سی قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ کثیف ہیں جیسے شیخی (تبہ) گھمنڈ (زھو) اور عزت و خود داری وغیرہ۔ خود نگہداری (نازش) اور خودداری صورت کے لحاظ سے کبر و غرور سے مشابہہ ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے جس طرح کبھی کبھار ذلت تواضع کے ساتھ مشابہہ ہو جاتی ہے حالانکہ تواضع ایک پسندیدہ فعل ہے اور ذلت ایک امر ناپسندیدہ' اسی طرح کبر و غرور تو مذموم ہے لیکن عزت اور خود نگہداری ایک اچھی صفت ہے' جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ عزت صرف اللہ' اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے

اس سے ثابت ہوا کہ عزت' کبر و غرور سے بالکل ایک الگ چیز ہے اس لئے کسی مومن کے لئے یہ شایان نہیں کہ وہ خود کو ذلیل سمجھے (اپنے نفس کو ذلیل کرے)

عزت کیا ہے؟ اور کبر کیا ہے؟

عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا اکرام اس طرح کرے کہ اس کو دنیاوی اغراض و مفاد کے حصول کے لئے خوار نہ بنائے اور کبر یہ کہ انسان اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کی منزلت سے بالا تر سمجھے' کسی شخص نے حسنؒ سے کہا "آپ کا نفس کس قدر عظیم ہے! آپ نے جواب دیا میں عظیم نہیں ہوں لیکن عزیز ضرور ہوں (یعنی صاحب عزت) چونکہ عزت مذموم نہیں ہے لیکن کبر میں اور اس میں مشاکلت پائی جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ○ زمین پر تم بغیر حق کے (ناحق) تکبر کرتے ہو'

اس میں یہ امر پوشیدہ ہے کہ عزت حق کے ساتھ ہے (اور اگر ناحق ہو تو وہ تکبر ہے) پس جو شخص ذلت کی طرف انحراف کئے بغیر تواضع کے حدود پر قائم رہتا ہے گویا وہ عزت کے راستے پر ہے جو آتش کبر کی پشت پر بنائی گئی ہے (یعنی اس راہ کی غلط روی کبر کے راستے پر ڈال دیتی ہے) پس اس راستے پر علماء راسخین' مقربین بارگاہ احدیت' ابدال اور صدیقین ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں)۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے "جس نے تکبر کیا اس نے اپنے نفس کی پستی کا ثبوت دیا اور جس نے تواضع کو اختیار کر کیا اس

نے کرم طبعی کو ظاہر کیا۔ حضرت ابوداؤد ترمذیؒ کا قول ہے کہ تواضع کے دو رخ ہیں ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں تواضع کرے کیونکہ نفس راحت طلب واقع ہوا ہے اس لئے وہ اس کے حکم سے غفلت برتتا اور پہلو تہی کرتا ہے اور شہوت کے سبب سے جو اس میں ودیعت کی گئی ہے اس کی نہی میں خواہش کرتا ہے (اس چیز کی خواہش کرتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے) دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے نفس کو عظمت الٰہی کے لئے پست کردے پس اگر اس کا نفس کسی ایسی چیز کی خواہش کرے جو اس نے اللہ کے لئے چھوڑ دی ہیں تو وہ اپنے نفس کو اس خواہش سے روک دے، حاصل یہ کہ وہ اپنے نفس کی خواہشات کو مشیئت الٰہی کے تابع کردے۔

یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بندہ تواضع کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کے دل میں نور مشاہدہ کی تابانی نہ ہو۔ جب نور مشاہدہ کی تابانی ہوتی ہے تو اس سے نفس میں گداز پیدا ہوتا ہے اور اس گداز سے کبر و عجب کی صفائی ہو جاتی ہے۔ (کبر و عجب اس گداز کے باعث نفس سے نکل جاتا ہے) اس وقت اس میں لینت و نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور خلق کا اور حق کا مطیع بن جاتا ہے اس لئے کہ اس کے آثار وجود اس گداز کے باعث بالکل مٹ جاتے ہیں اور اس میں جو التہاب اور شعلہ افگنی تھی وقت پر ختم ہو جاتی ہے اور غبار (انانیت) فرد ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو تواضع سے حصہ وافر ملا تھا

ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تواضع سے سب سے زیادہ حصہ ملا تھا' آپ اس کو مقامات قرب میں بھی استعمال فرماتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اس طویل حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اپنے قریب نہیں پایا تو مجھے نسوانی جذبہ کے تحت خیال گزرا کہ آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں' چنانچہ میں اٹھی اور میں نے تمام ازواج مطہرات کے کمروں میں آپ کو تلاش کیا لیکن کسی حجرے میں آپ کو موجود نہیں پایا اس کے بعد میں آپ کی تلاش میں مسجد میں گئی تو میں نے آپ کو مثل بوسیدہ کپڑے کے (جو بچھ جاتا ہے) سربسجود پایا اور سجدے کی حالت میں آپ زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے۔

> "الہ العالمین! میرا دل اور میرا خیال بھی تیرے حضور میں سربسجود ہے' میرا دل تجھ پر ایمان لایا ہے اور میری زبان اس کا اقرار کر رہی ہے اور اب میں تیرے حضور میں حاضر ہوں' اے عظمت والے اور اے بڑے بڑے گناہوں کو بخشنے والے خدا! میں تیرے سامنے موجود ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا۔ "میرا دل اور میرا خیال تیرے حضور میں سربسجود ہے۔" تو یہ قول تواضع کی انتہاء' آپ نے ارشاد فرما کر وجود سے آثار کو اس طرح مٹا دیا کہ ظاہر و باطن میں ایک آن بھی سجدے سے الگ نہیں ہے۔

تواضع ایک سعادت ہے

جب صوفی بساط قرب میں پہنچ کر بھی تواضع خاص سے بہرہ یاب نہیں ہوا تو پھر وہ تواضع خلق سے بھی بہرہ مند نہیں ہو گا۔ حقیقت میں یہ ایک سعادت ہے جب یہ کسی کو نصیب ہوتی ہے تو کامل نصیب ہوتی ہے، مختصر یہ کہ تواضع صوفیہ کے فضائل اخلاق میں ایک شریف خلق ہے اور ان کے اخلاق کا ایک اہم حصہ ہے۔

صوفیہ کا دوسرا اہم اخلاقی فعل مدارات اور تحمل ہے جس کی بدولت وہ مخلوق کی اذیت کو برداشت کرتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحمل کی ایک مثال یہ واقعہ ہے کہ یہودیوں کے درمیان آپ نے ایک صحابیؓ کو مقتول پایا بایںہمہ آپ نے ان پر نہ تاوان ڈالا اور حکم الٰہی سے قدم آگے نہیں بڑھایا اور اس قتل کی دیت (یعنی سو اونٹ) بھی اپنے پاس سے ادا کی، حالانکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کے لئے اس وقت ایک اونٹ بھی بہت اہم تھا تاکہ ان کی بے سروسامانی کچھ کم ہو سکے۔

آپ کے حسن مدارا کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کھانے کو برا نہیں کہا اور نہ کبھی کسی خادم کو جھڑکا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس برس تک خدمت کی اس طویل عرصہ میں آپ نے مجھے اف تک نہیں کہا اور اگر (آپ کی اجازت کے بغیر) میں نے کوئی کام کر لیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق میں سب سے زیادہ بلند تھے آپ کے پاک کف دست سے زیادہ نرم خز (ریشم) و حریر کو بھی نہیں پایا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ پسینے سے زیادہ معطر میں نے مشک یا کسی اور خوشبو کو نہیں پایا۔

پس ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ ہمسایہ ہو یا دوست یا اپنے اہل و عیال ہوں یا عام مخلوق، تواضع سے پیش آنا صوفیہ کی اخلاقی خصوصیت ہے، اسی طرح تحمل اور دوسروں کی اذیت برداشت کرنے سے نفس کا جوہر کھلتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر شے کا ایک جوہر ہے اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر و تحمل ہے۔

تحمل اور دوسروں کی اذیت برداشت کرنے کے سلسلہ میں احادیث

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن رکھتا ہو اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہو، ایسا شخص اس سے کہیں بہتر ہے جو لوگوں کے ربط ضبط نہ رکھتا ہو، (کہ اس کو لوگوں کی اذیت پر صبر کرنا ہوتا ہے جب کہ دوسرے کو اس سے واسطہ ہی نہیں پڑتا) ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کوئی ابو ضمضم کی طرح نہیں ہو سکتا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ابو ضمضم کا کیا عمل تھا، آپ نے فرمایا وہ روزانہ صبح کے وقت یہ کہتا تھا "الٰہ العالمین! میں نے اپنی آبرو آج اس شخص پر قربان کر دی جو مجھ پر ظلم کرے پس جو کوئی مجھے مارے گا میں اسے نہیں ماروں گا اور جو مجھے گالیاں دے گا میں اسے گالیاں نہیں دوں گا۔ اور جو مجھ پر ظلم کرے گا میں اس پر ظلم نہیں کروں گا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کاشانہ نبوت

میں اندر آنے کی اجازت طلب کی اس وقت گھر کے اندر میں موجود تھی' (آپ کے ساتھ تھی) اس وقت آپ نے فرمایا "بئس ابن العشیرہ یا یہ الفاظ فرمائے اخوالعشیرہ یعنی کنبہ' بھائی یا بیٹا بھی کیا برا ہوتا ہے؟ یہ فرماکر آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے بات چیت فرمائی جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے پہلے تو اس کے بارے میں فرمایا جو فرمایا لیکن پھر اس کے ساتھ لطف و مدارا سے گفتگو فرمائی (اس کا کیا سبب ہے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بدترین شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی سخت کلامی کے باعث چھوڑ دیں'

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تم جہاں کہیں رہو اللہ سے ڈرو' اور برائی کا بدلہ نیکی سے دو' وہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ' اس لئے کہ حسن مدارا کے سوا اور کوئی چیز نہیں جس سے انسان کے وفور علم اور قوت دانش کا پتہ چلتا ہے اور نفس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے جو اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور اس وقت نفس میں غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے پس حسن مدارا سے نفس کی حدت اس کی نفرت اور اس کے طیش کا تدارک ہو جاتا ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخ کی آگ کس پر حرام ہے (سنو!) ہر ایک نرم (خو) سہل (1) اور قریب پر (یہ آگ حرام ہے) عَلٰی كُلِّ هين لين سهل قريب)

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا' حضورؐ نے اس سے گفتگو فرمائی (تو رعب نبوت سے) وہ شخص کانپنے لگا (یہ دیکھ کر) حضور "علیہ التحیتہ والثنا" نے اس شخص سے فرمایا' ڈرتے کیوں ہو میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک ایسی خاتون کا فرزند ہوں جو (بوجہ غربت) قدید (سکھایا ہوا گوشت) کھاتی تھیں' بعض صوفیائے کرام نے صوفیوں کی نرم روی اور لینت کے بارے میں ارشاد کہے ہیں۔

هَيِّنُونَ لَيِّنُوْنَ اليسار بنو يسر — سواس مكرمَةِ ابنَاء اَليسار
ہیں مالا مال سہل و نیکی و نرمی سے یہ بندے — یہی بندے خزانے ہیں حقیقت میں کرامت کے
لَا يَنطقُوْنَ عن الْفحشَاء ان نَطقُوا — وَلَا يمارُون اِن مَارُو بَاكثار
کلام فحش و سب و شتم کب ان کو گوارا ہے — روش پر اپنی قائم ہیں' کوئی جھگڑے' لڑے اُلجھے
من قل مِنهُمْ تقل لَاقيت سَيِّدهِمْ — مِثل النجوم الَّتِى يَسرى بهَا السَّارى
روش ہر ایک کی ہے قائدانہ گر ملے کوئی — ستاروں کی طرح ہیں رہنما کوئی اگر بھٹکے

(شمس بریلوی)

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے جس کو رفیق و

(1) وہ جو لوگوں کے لئے نرم' ملاقات کے لئے سہل اور ملنے جلنے میں قریب ہے۔

نرمی سے بہرہ یاب فرمایا ہے گویا اس کو خیر سے بہرہ مند فرمایا ہے اور جسے نرم مزاجی سے کوئی حصہ نہیں ملا سمجھ لو کہ اس کو خیر سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدلہ

ایک عربی نژاد شخص نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ غزوۂ حنین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے تکلیف پہنچی اور وہ اس طرح کہ میرے بھاری جوتیوں سے آپ کا پائے مقدس دب گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست قدس میں ایک کوڑا تھا آپ نے ایک کوڑا مجھے رسید کیا اور فرمایا "تم نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی" آپ کے اس ارشاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں رات بھر اپنے نفس کو اس پر ملامت کرتا رہا کہ میری وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی، میں نے بڑی بے چینی سے رات گذاری۔ صبح دم ایک آدمی مجھ سے پوچھنے لگا کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میں ہوں، مجھ سے کل یہ خطا سرزد ہوئی تھی، اس نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور میں لرزاں و ترساں آپ کی خدمت میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم ہی وہ شخص ہو جس نے جوتے سے میرا پاؤں دبا کر مجھے ایذا پہنچائی تھی اور میں نے تمہارے ایک کوڑا مارا تھا! تو اس کے بدلے میں یہ اسی 80 بھیڑیں ہیں انہیں لے جاؤ! (یہ تمہاری ہیں)۔

ایثار

صوفیائے کرام کا ایک خلق "ایثار و مواسات" بھی ہے، اس جذبہ پر ان کو قوت ایمانی، رحم اور شفقت آمادہ کرتی ہے وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اس کو قربان کر دیتے ہیں اور جو چیز نہیں ہوتی اس پر صبر کرتے ہیں۔

شیخ بابریزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا۔ ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے پاس آیا تھا۔ اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ زہد کسے کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ "ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا کہ "ہمارے بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں، یہ سن کر میں نے پوچھا، تمہارے نزدیک زہد کیا ہے، اس نے کہا "جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو ایثار کرتے ہیں (دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں) اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہو گیا۔"

شیخ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ فراخ دل زاہد میں یہ تین باتیں پائی جاتی ہیں، اس کی تین نشانیاں ہیں:

1- جمع کردہ چیز کو خرچ کرتا ہے۔
2- گم شدہ چیز کی تلاش نہیں کرتا اور
3- اپنی غذا اور خوراک دوسروں کو کھلا دیتا ہے۔

ایثار کی چند مثالیں

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نضیر کے دن (بنو

نضیر کی جنگ سے مراد ہے) انصار سے فرمایا کہ اگر چاہو تو مہاجرین کو اپنے مالوں اور گھروں میں شریک کر لو پھر تم ان کے اس مال غنیمت میں بھی ان کو شریک ہو جاؤ' اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور گھر بار تمہارے پاس رہیں گے (مہاجرین ان میں شریک نہیں ہوں گے) لیکن اس صورت میں اس مال غنیمت سے تم کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ (کہ اس وقت مہاجرین بالکل بے سہارے اور بے سکت ہیں) اس کے جواب میں انصار نے کہا کہ ہم اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنے اموال اور گھروں کا برابر کا حصہ دیں گے اور اس کے علاوہ مال غنیمت صرف ان کا حق ہے ہم اپنا حق ان کے حق میں ایثار کرتے ہیں' ہم اس میں حق نہیں لیں گے! ان کے اس ایثار پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝ (پ 28 سورہ حشر)

"اور ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں پر خواہ وہ خود حاجت مند ہوں۔"

کمال ایثار کی ایک مثال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک تباہ حال شخص حاضر ہوا۔ اور بحالت مجبوری اس نے عرض کیا' یارسول اللہ میں سخت بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا دیجئے۔ آپ نے امہات المومنین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہن) سے دریافت کرایا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو ہے' ان سب نے کہلا بھیجا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے' ہمارے ہاں پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے! یہ سن کر آپ نے اس شخص سے کہا کہ افسوس آج ہمارے پاس تو کچھ بھی کھانے کو نہیں ہے جو رات کو تمہیں کھلا سکیں پھر آپ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ آج اس شخص کو کون اپنا مہمان بناتا ہے (اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے) (ایک انصاری ؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا! یارسول اللہ ان کو میں اپنا مہمان بناؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ اس شخص کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہے اس کی خوب خاطر تواضع کرو اور اس سے کسی چیز میں دریغ نہ رکھنا بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو بچوں کی خوراک کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے (بس اتنا کھانا ہے جو بچوں کو کافی ہو سکتا ہے)۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کو کھانے سے ٹال دو اور انہیں سلا دو' پھر چراغ جلا دینا' جب مہمان کھانا شروع کرے تو بتی بڑھانے کے حیلے سے اٹھنا اور چراغ بجھا دینا پھر آکر بیٹھ جانا' ہم لوگ اپنا اس طرح منہ چلائیں گے گویا ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کا اس طرح پیٹ بھر جائے چنانچہ وہ بی بی اٹھیں اور انہوں نے بچوں کو بہلا پھسلا کر یونہی بھوکا سلا دیا (انہیں کچھ بھی نہیں کھلایا) پھر وہ اٹھیں اور انہوں نے ثرید تیار کیا اور اس کے بعد چراغ روشن کیا۔ اور جب مہمان کھانا کھانے بیٹھا تو بی بی نے بہانے سے چراغ کو بجھا دیا اور دونوں مہمان کے پاس بیٹھ کر اس طرح منہ چلانے لگے جیسے کہ وہ بھی کھا رہے ہیں' مہمان بھی سمجھا کہ وہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں اور وہ خوب شکم سیر ہو گیا اور یہ دونوں بھوکے سو رہے' جب صبح ہوئی تو یہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' حضور نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ رات فلاں اور فلاں کی بیوی (کے طرز عمل) کو اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا اور یہ آیت (ان کی تعریف میں) نازل فرمائی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ○ (پ 28 سورہ حشر)

"اور وہ اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں درحال یہ کہ خود احتیاج رکھتے ہوں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابیؓ کو بکری کی بھنی ہوئی سری کسی نے بھیجی وہ اس دن بہت ہی تنگ حال تھے لیکن اس پر بھی انہوں نے یہ تحفہ اپنے پڑوسی کو بھیج دیا اور انہوں نے اپنے پڑوسی کو اس طرح یہ ہدیہ دست بدست سات افراد تک پہنچا اور آخر میں پہلے صحابیؓ کے پاس آگیا' اس ایثار پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

صحابہ کرام اور بزرگان سلف کا ایثار

روایت ہے کہ شیخ ابوالحسن انطاکی کے پاس شہر رَے کے قریب ایک گاؤں میں تیس سے زیادہ آدمی جمع ہو گئے لیکن اس وقت ان کے پاس صرف چند روٹیاں تھیں۔ ان روٹیوں سے چار پانچ آدمیوں کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتا تھا لہٰذا انہوں نے ان سب روٹیوں کے ٹکڑے کئے اور یہ جب کھانے کے لئے بیٹھے تو چراغ گل کر دیا۔ جب سب کھانا ختم کر چکے تو معلوم ہوا کہ تمام کھانا جوں کا توں رکھا ہے یعنی ایثار کے باعث اس جماعت میں سے کسی نے بھی نہیں کھایا۔ (ہر ایک نے دوسرے کو کھانے کا موقع دیا اور اس طرح کسی نے بھی نہیں کھایا)۔

حضرت حذیفہ الصددریؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک (1) میں اپنے برادر زاد کی تلاش میں میدان جنگ پھر رہا تھا۔ اس وقت میری چھاگل میں تھوڑا سا پانی تھا' میں نے یہ سوچا تھا کہ شاید اس میں زندگی کی کچھ رمق ہو گی تو میں اس کو یہ پانی پلا دوں گا اور اس کے منہ کو بھی (خون سے) صاف کر دوں گا۔ آخر کار میں اس کے پاس پہنچ گیا تو میں نے اس سے کہا تمہیں پانی پلاؤں تو اس نے اشارے سے کہاں ہاں' مجھے پانی پلا دو' اتنے میں اس کے برابر جو شخص مجروح پڑا تھا اس کے منہ سے آہ نکلی تو میرے بھائی نے کہا کہ تم میرے بجائے اس زخمی کو پلا دو۔ یہ زخمی ہشامؓ بن العاصؓ تھے جب میں ان کے پاس پہنچا اور میں نے پانی پلانا چاہا اور برابر کے ایک اور زخمی ہشام نامی نے پانی دیکھ کر آہ بھری تو ہشام بن العاصؓ نے کہا کہ تم میرے بجائے اس زخمی کو پانی پلا دو' جب میں پانی لے کر ہشام ثانی کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا۔ اب میں پلٹ کر ہشام بن العاص کے پاس آیا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے' اس کے بعد میں اپنے عم زاد کے پاس واپس ہوا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا (اس طرح ہر ایک نے اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دی۔ اور کوئی بھی پانی نہ پی سکا)

شیخ ابوالحسین بوشنجیؒ سے جوانمردی کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک جوانمردی وہ ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے انصار کے سلسلہ میں کی ہے

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ ○ (پ 28۔ سورۃ حشر)

---

(1) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سعید میں رومیوں سے مجاہدین اسلام کی یہ زبردست جنگ ہوئی تھی۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو گھروں کو اور ایمان کو (مضبوطی) سے پکڑے ہوتے ہیں۔"

شیخ ابن عطاء فرماتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی سخاوت اور کرم کی وجہ سے ایثار کرتے ہیں وہ خود کتنے ہی فقر و فاقہ میں مبتلس ہوں، شیخ ابو حفص کا ارشاد ہے۔ "ایثار یہ ہے کہ اپنے روحانی بھائیوں کے حصے کو دنیا اور آخرت کے کاموں میں اپنے حصوں پر مقدم رکھو۔" ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے:

"ایثار میں کسی کو ترجیح نہیں ہے بلکہ اس میں تمام مخلوق کے حقوق، ذاتی حقوق پر مقدم ہوتے ہیں یعنی اس سلسلہ میں بھائی۔ دوست اور شناسا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔"

شیخ یوسف بن حسن فرماتے ہیں "کہ جو شخص خود کو کسی چیز کا مالک سمجھے وہ صحیح طور پر ایثار نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اپنی ملکیت کا خیال کر کے اس چیز کا حقدار اپنے آپ کو زیادہ سمجھے گا۔" ایثار وہی شخص کر سکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالی کی ملکیت ہیں جس کے پاس جو کچھ ہے بس اتنے ہی کا وہ حقدار ہے پس اگر کسی کو کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کے پاس امانت ہے چاہئے کہ وہ اس امانت کو اس کے ضرورت مند کے پاس پہنچا دے۔

حقیقی ایثار

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر تم اپنے آخرت کے حصے کو اپنے بھائیوں پر قربان کر دو تو وہ حقیقی ایثار ہو گا کیونکہ دنیا تو ایک بہت ہی معمولی سی چیز ہے، وہ اس لائق کب ہے کہ وہ ایثار کے شایان شان بن سکے بلکہ اس کے ساتھ تو ایثار کا لفظ استعمال بھی نہیں کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ گزرا ہے، ایک بزرگ نے اپنے روحانی بھائی سے جب ملاقات کی تو اسی خیال کے تحت ان کے ساتھ زیادہ شگفتہ روی کا اظہار نہیں کیا، ملاقاتی بھائی کو ان کا یہ طرز عمل شاق گزرا تو انہوں نے کہا (برا نہ مانو) اے بھائی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "جب دو مسلمان باہم ملاقات کرتے ہیں تو ان پر رحمت نازل ہوتی ہے، اس رحمت کے سو حصوں میں سے نوے حصے اس کو ملتے ہیں جو زیادہ شگفتہ رو ہوتا ہے اور دس اس کے حصے میں آتے ہیں جو کم شگفتہ روی دکھاتا ہے لہٰذا میں نے کم شگفتگی کا اظہار کر کے یہ چاہا ہے کہ اس نیکی کے 90 حصے تم کو مل جائیں (یعنی تم زیادہ ثواب حاصل کرو)۔"

شیخ ابوبکر بن سعدان فرماتے ہیں کہ "جو شخص صوفیائے کرام کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بے نفس، بے دل اور بے ملک بن کر ان کے ساتھ رہے کیونکہ اگر وہ ان کی صحبت میں رہے گا اور بنیادی اسباب پر نظر رکھے گا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا" (اس صحبت سے اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا)۔

شیخ المشائخ سہل بن عبداللہ کا ارشاد ہے "صوفی وہ شخص ہے جو اپنے خون کو حلال اور اپنی ملکیت کو دوسروں کے لئے مباح تصور کرے۔" شیخ رویم فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد تین خصلتوں پر ہے، ایک فقر اختیار کرنا، دوسرے ایثار و سخاوت کرنا، تیسرے اپنی پسند اور اپنی کوشش کو ترک کرنا۔

جب صوفیائے کرام کے سلسلہ میں حکومت عباسیہ کے پاس شکایت گئی اور ان پر اتہامات لگائے گئے تو حضرت جنید

بغدادیؒ تو اپنی فقہ دانی کے باعث عتاب سلطانی سے بچ گئے لیکن دوسرے مشاہیر مشائخ جیسے شیخ شمامؒ، دقامؒ اور شیخ ابوالحسن نوریؒ کو گرفتار کرلیا گیا ان گرفتار شدگان کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا اور چمڑا بچھا دیا گیا تو سب سے پہلے شیخ ابوالحسن نوری آگے بڑھے، جب ان سے اس سبقت کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں اپنے ان بھائیوں کے لئے اپنی ایک گھڑی کی زندگی کا ایثار کر رہا ہوں (کہ یہ ایک گھڑی اور زندہ رہ لیں)۔

دنیاوی سازوسامان شیخ روذباری کو پسند نہ آیا

شیخ روذباریؒ ایک دن اپنے کسی دوست کے گھر پر گئے۔ انہوں نے اس کو موجود نہیں پایا۔ گھر کا دروازہ بند تھا آپ نے فرمایا "صوفی ہے اور اس کا دروازہ بند ہے" اس کا دروازہ توڑ دو چنانچہ لوگوں نے دروازہ توڑ دیا، اس کے بعد شیخ روذباریؒ نے حکم دیا کہ گھر کا تمام اثاثہ فروخت کر دیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور تمام چیزوں کو بازار لے جاکر معمولی سی قیمت پر فروخت کر دیا اور سب لوگ گھر میں آکر بیٹھ گئے جب صاحب خانہ آیا تو (اس نے یہ حال دیکھا مگر) کوئی بات نہیں کی، پھر صاحب خانہ کی بیوی آئی جو چادر اوڑھے ہوئے تھی تو اس نے اپنی چادر اتار کر پھینک دی اور کہنے لگی کہ اثاثہ البیت سے یہ باقی رہ گئی ہے اسے بھی فروخت کر دو! اس کے شوہر نے کہا، تم بطیب خاطر اس کے لئے کیوں تیار ہو؟ اس نے جواب دیا "خاموش رہو، حضرت شیخؒ ایسے بزرگ کا حکم ہے تو پھر یہ مناسب نہیں ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز باقی رہے (کہ ہم اس کو بچا کر رکھ لیں یہ مناسب نہیں ہے)۔"

اخوت کی ایک مثال

ایک دفعہ جناب قیس بن سعد بیمار ہوئے تو ان کے بھائی عیادت کو نہیں آئے (عیادت کرنے میں دیر کی) شیخ نے ان کے نہ آنے کے بارے میں دریافت کیا، تو لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمہ آپ کا قرض ہے، (اس لئے عیادت کے لئے آنے میں وہ جھجک رہے ہیں) یہ سن کر قیس بن سعد نے فرمایا ایسے مال کا ناس جائے جس نے بھائیوں کو بھائی کی ملاقات سے روک رکھا ہے، اس کے بعد انہوں نے اعلان کرا دیا کہ جس شخص پر بھی قیس کا قرضہ ہے وہ معاف کیا جاتا ہے، یہ اعلان سن کر اس کثرت سے لوگ شام کے وقت ان کی عیادت کو آئے کہ ان کے گھر کی چوکھٹ ٹوٹ گئی۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب صاحب خانہ باہر نکلا اور اس نے پوچھا کس طرح آنا ہوا (یعنی کس غرض سے آئے ہو) تو اس شخص نے کہا کہ میں چار سو درہم کا مقروض ہوں، یہ سن کر صاحب خانہ گھر کے اندر گئے اور چار سو درہم وزن کر کے اس شخص کو دے دیئے (جب وہ شخص لے کر چلا گیا تو وہ شخص (صاحب خانہ) گھر میں روتا ہوا داخل ہوا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ اگر رقم کا دینا ایسا ہی ناگوار تھا تو اسے منع کر دیتے (اب رونے سے کیا حاصل) اس نے کہا میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی حالت کی خبر نہیں ہوئی اور اس (بیچارے) کو اپنا حال خود مجھ سے بیان کرنا پڑا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبیلۂ اشعر کی تعریف فرمائی

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب جنگ میں قبیلہ اشعر کے لوگ بہت تنگدست ہو جاتے اور ان کے اہل و عیال کے لئے کھانے پینے کی تنگی ہو جاتی تو پھر وہ لوگ اپنے کھانے پینے کا تمام سامان (جو کچھ بھی موجود ہوتا) ایک چادر میں جمع کر لیتے اور اس کے بعد وہ ایک ناپ سے اس آذوقہ کو مساوی طور پر سب میں تقسیم کر دیتے تھے "وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔" (وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب جہاد پر تشریف لے جانے کا قصد فرماتے تو ارشاد فرماتے "اے مہاجرین و انصار! تمہارے کچھ بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے اور نہ کچھ سازوسامان' لہٰذا تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ دو یا تین افراد کو شامل کرے تاکہ تم کو بھی اونٹ کی سواری اسی طرح باری سے ملے جس طرح ان کو باری باری سواری ملتی ہے۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اس حکم کے مطابق) اپنے ساتھ دو یا تین افراد کو سواری میں شریک کر لیا تھا اور پھر ہم مساویانہ طریقے پر باری باری اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔

انصارؓ کا ایثار

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے اور حضرت سعد بن الربیع انصاری کے درمیان بھائی چارہ (اخوت) قائم فرما دیا۔ حضرت سعدؓ نے ان سے کہا کہ میرا نصف تمہارا ہے' علاوہ ازیں میری دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک کو طلاق دیئے دیتا ہوں جب اس کی عدت گزر جائے تو تم اس کو اپنے نکاح میں لے لینا (وَلِی اِمرَاقان فاطلق احداھُما فِاذاانقضت عدتھا وفتزوجَھَا) حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اصل و مال میں برکت عطا فرمائے۔

یہ تھیں ایثار کی چند مثالیں!

صوفی وہی بن سکتا ہے جس کی فطرت میں سخاوت داخل ہو

صوفی کو ایثار پر اس کے نفس کی طہارت اور طبعی شرافت ہی آمادہ کرتی ہے' اللہ کسی کو صوفی اس وقت بناتا ہے جب کہ اس کی فطرت میں سخاوت کا وصف موجود ہو اور اس کی سرشت میں سخاوت کی استعداد پیدا ہو جائے یعنی جو فطرتاً سخی ہے وہ صوفی بن سکتا ہے اس لئے کہ سخاوت کا وصف ایک فطری وصف ہے اور بخل اس کی متضاد صفت ہے یہ بھی ایک نفسانی صفت ہے اور لوازم نفسانی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

"جنہوں نے اپنے نفس کو بخل سے محفوظ رکھا۔ وہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔"

یعنی فلاح کا حکم ان کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بذل و انفاق کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(پارہ 1 سورۂ بقرہ)

"ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے اس میں سے یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں اور یہی فلاح یافتہ ہیں۔"

لفظ "فلاح" دونوں جہان کی سعادت کے لئے ایک جامع لفظ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں تین چیزوں کو ہلاک کرنے والا (مہلک) اور تین چیزوں کو نجات بخشنے والا بتایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہلک چیزوں میں اس بخل کو بھی شامل فرمایا ہے جو عادت بن جائے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی نفس کے لوازم میں بخل اور خودغرضی موجود ہے اس لئے کہ نفس کی عنصری اصل مٹی ہے اور مٹی میں قبض و امساک موجود ہے پس آدمی سے اگر بخل و امساک کا صدور کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ وہ اس کی جبلت ہے، لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ سخاوت اس کی فطرت میں شامل ہو۔

صوفیائے کرام کی فطرت میں وہ عنصر موجود ہے جو ان کو بذل و ایثار کی دعوت دیتا ہے، سخاوت وجود سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ جود کی حد تفریط بخل ہے اور سخاوت کے مقابل میں خود مطلبی ہے، جود و بخل دونوں ایسے ملکات ہیں جو انسانی افعال کے بار بار صدور سے اس میں راسخ ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسان ان کا عادی بن جاتا ہے لیکن سخاوت اور اس کی ضد شح دونوں اکتسابی صفات ہیں اس اعتبار سے ہر سخی جواد ہو گا لیکن ہر جواد سخی نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حق سبحانہ تعالیٰ کو سخا سے متصف نہیں کیا جا سکتا کہ سخاوت سرشت و فطرت کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ سرشت و طینت سے پاک اور منزہ ہے، رہا جود تو جود میں ریاکاری کا دخل ہے، اس کے ذریعہ انسان مخلوق سے معاوضہ یا حصول حق کی توقع رکھتا ہے اس کا حصول لوگوں کی ثناء وغیرہ کے ذریعہ ہو یا اللہ تعالیٰ سے ثواب کی خواستگاری ہو۔

سخا ریا سے پاک ہے

سخا میں ریا کو دخل نہیں ہے اس لئے کہ وہ ایسے نفس سے پیدا ہوتی ہے جو پاک ہیں اور جس کی سرشت میں بلندی ہے، ایسے بلند ہمت انسان سخا کے عوض دنیا اور آخرت کے معاوضہ کے خواہاں نہیں ہوتے کیونکہ عوض طلبی سے بخل کا احساس ہوتا ہے اس لئے کہ بخل کی بنیاد ہی معاوضہ طلبی ہے، پس سخا خالص محض ہے اور وہ اہل صفا کے لئے مخصوص ہے اور اہل انوار کے لئے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انہی کی طرف سے ہے۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (سورۃ دہر پارہ نمبر 29)

"حقیقت میں ہم تمہیں خدا کے واسطے کھانا کھلاتے ہیں، اس کے لئے ہم تم سے بدلہ اور شکریہ کے طلبگار نہیں ہیں۔"

اس آیت میں کسی معاوضہ کے خیال سے کھانا کھلانے کی تردید کی گئی ہے لہٰذا جو کام محض خدا کے لئے کیا جاتا ہے اس

میں بدلہ کی خواہش نہیں ہوتی ہے (جیسا کہ مذکور بالا آیت میں لِوَجْهِ اللّٰهِ کے بعد لَا نُرِيْدُ کہا گیا ہے' اس صورت میں سرشت اپنی پاکی اور طہارت کے باعث مراد حق کی طرف خود بخود کھینچتی ہے اور اس کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتی۔ یہی مکمل ترین سخا ہے جو پاک فطرت لوگوں کا خاصہ اور شیوہ ہے۔ (وَذَلِكَ اكْمَلَ السَّخَامِنْ اَظْهَرِ الغرائِبْ O)

حضرت اسماء کی مزید دادو دہش کی خواہش

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! میرے پاس بس وہی ہوتا ہے جو (حضرت) زبیرؓ مجھے دیتے ہیں' اسی میں سے لوگوں کو دیتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ٹھیک ہے! تم دینا (خدا کی راہ میں خرچ کرنا) بند نہ کرو' ورنہ جو تم کو ملتا ہے وہ بند ہو جائے گا۔

عفوو درگذر

عفو درگذر بھی صوفیوں کے اخلاق سے ہے یعنی ان کے اخلاق کی نمایاں خصوصیت ہے' وہ اس خلق کے باعث برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ جو تمہارے ساتھ برائی کرے اس کا بدلہ بھلائی سے دو' اسی کا نام احسان ہے اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا تو ایک قسم کی تجارت ہے اور بازاری لین دین ہے کہ ایک ہاتھ سے دیا اور دوسرے ہاتھ سے لے لیا!

جناب حسنؒ فرماتے ہیں کہ احسان عام ہونا چاہئے۔ (اس میں تخصیص نہیں ہونی چاہئے) جس طرح سورج کی روشنی' ہوا اور بارش ہر ایک کے لئے ہے (عام ہے) کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے جنت میں جب اونچے اور شاندار محل (شب معراج میں) دیکھے تو جبرئیل امین سے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے لئے ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ ان حضرات کے لئے ہیں جو غصے کو پی جاتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔" وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ O

یحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک مجلس میں موجود تھے۔ ایک شخص آیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت سست کہنے لگا وہ خاموش سنتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتیں الٹ کر اس کو کہیں حضور سرور کونینؐ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور کہا یارسول اللہ جب اس نے مجھے گالیاں دیں تو آپ مسکراتے رہے اور جب میں نے اس کی کہی باتیں اس پر الٹ دیں (اس کو برا بھلا کہا) تو آپ ناخوش ہوئے اور مجلس سے تشریف لے آئے (اس کا کیا باعث ہے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک تم خاموش رہے تو تمہاری طرف سے فرشتہ اس کا جواب دیتا رہا۔ لیکن جب تم نے بولنا شروع کیا تو شیطان آگیا۔ پس میں اس مجلس میں کس طرح بیٹھتا جہاں شیطان موجود تھا۔ اے ابوبکرؓ! تین باتیں حق ہیں اول یہ کہ اگر

کسی شخص پر ظلم کیا جائے تو وہ ظالم کو معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے' دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص مال کی کثرت کے لئے (بہت سا مال جمع کرنے کی خاطر) دست سوال دراز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کی قلت میں اضافہ فرماتا ہے' (اس کے مال کو اور قلیل کر دیتا ہے) تیسرے اگر کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے بذل و سخا کرتا ہے یا صلہ رحمی کا دروازہ کھولتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کثرت عطا کرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا' مسلمانو! تم بازاری (ہرجائی) نہ بن جاؤ کہ کہنے لگو اگر لوگ ہمارے ساتھ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم ظلم کریں گے' بلکہ تم خود کو اس بات کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ احسان کریں تو تم بھی احسان کرو اور اگر وہ ظلم کریں تو تم (اس کے بدلے) ظلم نہ کرنا۔

کسی صحابی (رضی اللہ تعالیٰ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! میں ایک شخص کے پاس جب جاتا ہوں تو نہ وہ مجھے اپنا مہمان بناتا ہے اور نہ مجھے کھانا کھلاتا ہے' اگر وہ میرے پاس آئے تو کیا میں بھی اس کے ساتھ یہی روش اختیار کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا "نہیں بلکہ تم اسے کھانا کھلاؤ۔"

جوانمردی کیا ہے

شیخ فضیل" کا ارشاد ہے کہ جوانمردی یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کی غلطیوں (لغزشوں) کو معاف کر دیا جائے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو کسی کے بدلہ میں ایسا کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ اگر تم اس سے قطع تعلق کر لو جب بھی وہ صلہ رحمی کو برقرار رکھے (منقطع نہ کرے)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہے کہ مکارم اخلاق اس کا نام ہے کہ اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو تم اس کو معاف کر دو اور جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس بشر سے تعلق کو باقی رکھو اور جو تم کو محروم رکھے تم اس کو عطا کرو!

خندہ روئی اور خندہ پیشانی

بَشَر (خندہ روی) اور طلاقۃ الوجد (خندہ پیشانی) بھی صوفیہ کے اخلاق ہیں صوفی اگرچہ خلوت میں روتا ہے لیکن جب وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے تو ہشاش بشاش اور شگفتہ رو نظر آتا ہے' اس کے چہرے کی یہ شگفتگی اس کے انوار قلب کا انعکاس ہے کہ صوفی کے باطن پر اللہ تعالیٰ کے ایسے انعامات نازل ہوتے ہیں جن کے باعث اس کا قلب مسرت و انبساط سے لبریز ہو جاتا ہے (اور شگفتہ روی اسی کا پرتو ہوتا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وُجوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ○ (پارہ 30 سورۃ عبس)

"اس دن (بہت سے) چہرے روشن اور ہشاش بشاش ہوں گے۔"

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ چہرے اس دن اس لئے روشن ہوں گے کہ وہ مدتوں تک اللہ کی راہ میں غبار آلود رہے ہیں

اور قلب کے نور سے چہروں کا منور ہونا بالکل ایسا ہے جیسے چراغ سے شیشے اور چراغ جگمگانے لگتے ہیں۔ گویا چہرے چراغدان ہیں اور دل شیشہ ہے اور روح چراغ ہے (اس کا نور دل اور دل سے چہرے پر پہنچتا ہے' یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح کے نور سے جب دل کا شیشہ جگمگاتا ہے تو چہرے کے چراغدان بھی نورانی ہو جاتے ہیں) پھر جب دل روحانی مساعرہ ( ) کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے تو چہرے پر اس کا اثر پڑنا ضروری ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِیۡمِ ○

"تم ان کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی کو پہچان لو گے۔"

(یعنی تازگی اور چمک ان کے چہروں پر موجود ہو گی۔ یہ اہل عرب کا محاورہ ہے جب سبزہ ہرا بھرا ہو جاتا ہے اور کھِلتا ہے تو اس موقع پر وہ کہتے ہیں۔ "انضرت النبات")

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (سورۃ قیامت پ 29)

"اس دن (یعنی قیامت کے دن) چہرے ترو تازہ ہو کر اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

یعنی جب قیامت کے دن نظریں پروردگار کی طرف اٹھیں گی تو چہرے ترو تازہ ہوں گے یعنی ارباب مشاہدہ (جو صوفیائے کرام ہیں) کی نظریں نور مشاہدہ سے منور ہو چکی ہیں اور ان کے قلوب کے آئینے جلا پائے ہوئے ہیں تو جب ان آئینوں پر عکس پڑے گا تو وہ جگمگانے لگیں گے جس طرح صیقل کئے ہوئے آئینے پر سورج کا عکس پڑتا ہے تو اس کے پرتو سے دیواریں بھی منور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ○ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نشانیاں ہیں

اور جب ظلال یعنی قالبوں کے سجدوں سے چہرہ اثر پذیر ہوا تو یقیناً وہ مشاہدہ جمال سے متاثر و منور ہو گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ہر نیکی اور معروف صدقہ ہے اور معروف شے یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو اور یہ بھی نیکی ہے کہ تم ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈالو۔"

شیخ سعد بن عبدالرحمٰن زبیدی کا قول ہے "مجھے فقرا میں وہ پسند ہے جو ہنس مکھ' نرم خو اور شگفتہ رو ہو۔" لیکن ایسا شخص کہ تم اس سے شگفتہ روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور وہ تم سے ایسی ترش روئی سے پیش آئے گویا وہ تم پر احسان کر رہا ہے تو اللہ فقرا میں اس جیسے زیادہ نہ فرمائے۔

لوگوں کے ساتھ لینت (نرم خوئی) تواضع ملنساری اور بے تکلفی بھی صوفیوں کے اخلاق میں داخل ہے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش اخلاقی (خوش مزاجی) کے چند واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور صوفیائے کرام آپ کے اخلاق کی پیروی کرتے ہیں (لہٰذا ان میں یہ وصف موجود ہونا ضروری ہے)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ں! ہاں میں مزاح کرتا ہوں مگر حق بات کہتا ہوں۔"

اس سلسلہ میں ایک حکایت ہے کہ ایک بدوی زاہد بن حرام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہمیشہ ایک نئی چیز تحفہ میں لاتے تھے، ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے بازار میں ان کو کچھ خریداری کرتے ہوئے دیکھا (اس دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہیں آئے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی پشت کی جانب سے ان سے بغل گیر ہوئے (ان کی پشت کی طرف سے حضور نے دست ہائے مبارک میں ان کو لے لیا) انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا۔ انہوں نے فوراً حضور کے دونوں مقدس ہاتھوں کو بوسہ دیا، تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کون ہے جو اس غلام کو خریدتا ہے، انہوں نے کہا یارسول اللہ مجھ کھوٹے کو کون لے گا (آپ مجھے ایک متاع کاسد پائیں گے) حضورؐ نے فرمایا لیکن اللہ کے نزدیک تو تم نفع بخش ہو، اس کے بعد سرکار نے فرمایا، ہر شہری کا ایک بادیہ نشین ہے (ہر شہری کا ایک دیہاتی دوست ہے) اور آل محمد (علیہم التحیتہ والسلام) کا بادیہ نشین (دوست) زاہر بن حرام ہے۔ (پاکیزہ مزاح کی مثال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے اونٹ پر بٹھا دیجئے (اونٹ کی سواری کرا دیجئے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تو تم کو اونٹ کے بچے پر سوار کرا دوں گا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضور میں نے تو اونٹ کی سواری کی درخواست کی ہے اور آپ مجھے اونٹنی کے بچہ پر سوار کرا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا "اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔"

رسول اکرم ﷺ کے مزاح کی چند اور مثالیں

جناب صہیب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کے سامنے کھجوریں رکھی تھیں اور آپ ان میں سے نوش فرما رہے تھے آپ نے فرمایا آؤ کھاؤ! چنانچہ میں کھجوریں کھانے لگا تو آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔۔ تم کھجوریں کھا رہے ہیں حالانکہ تم آشوب چشم میں مبتلا ہو، میں نے عرض کیا اب میں دوسری طرف سے چباؤں گا، یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک دن دو کان والے کہہ کر مخاطب فرمایا (اس میں بھی ایک لطیف و پاکیزہ مزاح کا عنصر ہے)۔

حضرت (ام المومنین) عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ نبوت میں بھی جب کہ وہ اکیلے ہوتے اسی طرح (خوش مزاجی کے ساتھ) رہتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ سب سے زیادہ ہنس مکھ، نرم مزاج تھے، ہر وقت ہنستے اور مسکراتے رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسرے موقع پر یہ واقعہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار میرے ساتھ دوڑ لگائی تو پہلی دفعہ میں آپ سے آگے نکل گئی دوسری بار آپ آگے نکل گئے اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ

پہلی ہار کا بدلہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان بات چیت ہوتی رہتی تھی آپ اکثر میرے چھوٹے بھائی سے (بطور مزاح) اس مقفی عبارت میں کلام فرماتے اور ارشاد فرماتے "یَا اَبَا عُمَیْر (1) مَافَعَل النغیْر" نغیر پدے کو کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اس قسم کی پر لطف گفتگو اور مسابقت کا عمل کیا کرتے تھے' ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر (بن العوام) رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دوڑ ہوئی اور (حضرت) زبیرؓ جیت گئے تو آپ نے ان سے کہا' رب کعبہ کی قسم میں تم سے جیت گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آؤ! تیراکی میں مقابلہ ہو جائے کہ کون لمبی سانس لیتا ہے حالانکہ اس وقت ہم احرام باندھے ہوئے تھے'

حضرت مکبر بن عبداللہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ آپس میں مزاح کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دوسرے پر خربوزے بھی پھینکتے تھے (باہم مزاح کرتے تھے) لیکن جب حقائق درپیش ہوتے تو وہ مردمیدان بن جاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت سودہؓ کے منہ پر حریرہ مل دیا!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (باسناد) مروی ہے کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حریرہ تیار کیا اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ام المومنین حضرت سودہؓ اور میرے درمیان تشریف فرما تھے' میں نے (حضرت سودہؓ) سے کہا کہ تم بھی کھاؤ' انہوں نے انکار کیا' میں نے پھر کہا کہ کھاؤ' انہوں نے انکار کیا' تب میں نے کہا کہ کھانا پڑے گا اگر نہیں کھاؤ گی تو میں حریرہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے جب اس مرتبہ بھی انکار کیا تو میں نے حریرے میں ہاتھ ڈال کر آلودہ کیا اور پھر ان کے چہرہ پر حریرہ مل دیا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور (حضرت) سودہؓ سے اشارے سے کہا کہ تم بھی (حضرت) عائشہ کے منہ پر حریرہ مل دو' چنانچہ انہوں نے میرے منہ پر بھی حریرہ مل دیا اتنے میں دروازے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور اے عبداللہ' اے عبداللہ کہہ کر آواز دی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہ اندر آئیں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا دونوں (جلدی سے) کھڑی ہو جاؤ اور دونوں اپنے منہ دھو ڈالو' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت سے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ڈرنے لگی)۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کا لحاظ فرماتے تھے (ورنہ وہ ہم دونوں سے یہ نہ فرماتے اور اس حالت سے مزید لطف اندوز ہوتے)۔

---

1) اے ابو عمیر! ننھی چڑیا نے کیا کیا؟

کسی شخص نے ابن طاؤس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ صاحب وہ تو بچوں میں بچے اور بوڑھے کے ساتھ بوڑھے تھے' ان میں مزاح بھی موجود تھا' معاویہ بن عبدالکریم کہتے ہیں کہ ہم لوگ جناب ابن سیرین سے شعراء کا ذکر کیا کرتے تھے کبھی ہم ان کے ساتھ مزاح کرتے تھے اوہ کبھی وہ ہمارے ساتھ مزاح کرتے تھے بہرحال ہم ان کی مجلس سے ہنستے ہوئے نکلتے تھے مگر جب کبھی حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی محفل میں پہنچ جاتے تو وہاں سے روتے ہوئے نکلتے تھے۔

یہ جو کچھ روایتیں وغیرہ ہم نے بیان کی ہیں اور احادیث پیش کی ہیں ان سے صوفیہ کی نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کا ثبوت بہم پہنچتا ہے' یہ حضرات اپنی خانقاہوں میں بھی مزاح کرتے تھے اور حاضرین سے ان کی افتاد طبع کے مطابق پیش آتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے (ان کے اس مزاح کو معاف فرما دے گی)۔ لیکن جب یہ حضرات خلوت نشین ہوتے تو مردان دل و مردان کار کا موقف اختیار کر لیتے تھے اور اعمال و احوال کے لبادے اوڑھ لیتے تھے (ان کی نظر بس اعمال و احوال پر ہوتی تھی) اس طرح ایک صوفی بھی اگر چاہے تو حد اعتدال پر رہ سکتا ہے لیکن وہی جس کو اپنے نفس پر قابو ہو اور نفس کی نگہداشت' نفس کے رجحانات اور اس کی جبلتوں سے آگاہی ہو اور اپنی وسعت علمی کی بنا پر اس کی نگہداشت کر کے افراط و تفریط کی ذلتوں سے بچ کر اعتدال کے راستہ پر چل سکتا ہے۔

مبتدی مریدوں کو مزاح سے احتراز کرنا چاہئے

ان مریدوں کو جو تربیت کے ابتدائی مراحل میں ہیں' کثرت سے ایسے کاموں (مزاح) کی طرف توجہ نہیں دینا چاہئے اس لئے کہ ان میں علم اور معرفت نفس ابھی کم ہے اس لئے خطرہ ہے کہ وہ کہیں حد اعتدال سے تجاوز نہ کر جائیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مواقع پر نفس بہت زیادہ ہیجان میں آجاتا ہے جو اس کی سرکشی و بدمستی کا باعث بن سکتا ہے اس لئے عوام کے مزاج کے مطابقت کرنا ان کے مزاح کے مطابق ان سے پیش آنا' گفتگو کرنا یا ان کے ساتھ مزاح میں شریک ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہیں) یہ صرف ان لوگوں کے مناسب ہے جو روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہوں۔ جب یہ لوگ اپنے بلند مقام سے محض لوگوں کی طبائع کا ساتھ دینے کے لئے نیچے اترتے ہیں تو اپنے علم کے ساتھ اترتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے صفائے حال کے ساتھ صعود نہیں کیا ہے اور ان کی طبائع میں مزاح کا عنصر موجود ہے اور نفس کی سرکشی اور طبعی رحجانات کا کچھ حصہ باقی ہے (جو برائیوں کی طرف لے جانے والا ہے) تو ایسے لوگ جب عوام کی مجلسوں اور صحبتوں میں شریک ہوں گے تو ان کا نفس ان لذتوں سے محظوظ ہو گا اور اس وقت اپنی مطلب براری کو غنیمت سمجھے گا اور ان امور میں مشغول ہو کر جن کی شریعت نے رخصت دی ہے (شرع نے منع نہیں کیا ہے) استراحت و آرام حاصل کرے گا' حالانکہ رخصتی امور میں مشغولیت ان ہی لوگوں کے لئے پسندیدہ ہے جن کے غالب اوقات' مہمات کے سر کرنے میں بسر ہوئے ہیں اور یہ بات مبتدی کو میسر نہیں ہے۔

صوفیائے کرام میں جو حضرات اہل علم ہیں وہ مذکورہ بالا صفات کے توسط سے کچھ دیر اپنا دل بہلا لیتے ہیں' اس لئے کہ وہ دل کی ضروریات یا اس کے تقاضوں سے اچھی طرح باخبر ہیں' وہ جانتے ہیں کہ جب اپنی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے کسی چیز کا استعمال کیا جائے تو سب سے پہلے ضرورت کا صحیح اندازہ لگانا چاہئے (تاکہ افراط و تفریط سے بچا جا سکے) ضرورت کے اندازے

کا صحیح معیار ایک بہت ہی دقیق علم ہے (اس کے ذریعہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے) اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

مزاح کی افراط پر بیوقوف افراد جسارت کرتے ہیں!

سعیدؒ بن العاصؒ نے اپنے فرزند کو نصیحت کی اور فرمایا کہ مزاح میں افراط سے بچو کہ اس کے باعث رعب زائل ہو جاتا ہے اور سفیہ اور بیوقوف افراد تم پر دلیر ہو جائیں گے اور اس کو بالکل ترک کر دینا بھی مناسب نہیں ہے کہ اس سے دوستوں اور مصاحبوں میں بیزاری اور ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ "مزاح سے رعب باقی نہیں رہتا اور بھائی چارہ ختم ہو جاتا ہے۔ (المزاح مسلبته للبہا مقطعته للاخاء) جس طرح مزاح میں اعتدال کی شناخت اور معرفت مشکل ہے اسی طرح مزاح میں حد اعتدال کا پہچاننا دشوار ہے' مزاح انسان کے خصائص میں سے ہے۔ اور انسان کو حیوان (مطلق) سے ممتاز کرتا ہے' ہنسی ہمیشہ کسی عجیب بات پر آتی ہے اور تعجب غور و فکر کو پاتا ہے' غور و فکر ہی وہ کیفیت و حالت ہے جو انسان کے لئے موجب شرافت و بزرگی ہے اور اس کی ممتاز خصوصیت ہے پس اس کے اعتدال سے وہی لوگ کماحقہ' واقف ہو سکتے ہیں جو علم میں راسخ اور ثابت قدم ہوں۔ اسی باعث یہ مقولہ زبان زد ہے۔ "اِيَّاكَ و كثرة الضحكِ فَاِنَّهٗ بميت القُلب" خبردار! بہت زیادہ ہنسی دل کی موت ہے! یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکثرت ہنسا رعونت کی علامت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ہنسنے والے سے جب کہ اس میں عجب نہ ہو اور بہت زیادہ چغلخوری کرنے والے سے جب کہ اس کی کوئی وجہ نہ ہو' نفرت کرتا ہے۔"

ظرافت اور مزاح کا فرق

ظرافت اور مزاح میں فرق ہے' کہا جاتا ہے کہ اگر ظرافت اور لطیفہ گوئی میں سنجیدگی کا عنصر شامل ہو تو اس سے (سننے والے) کو غصہ نہیں آتا اور مزاح سے باوجود سنجیدگی کے غصہ آجاتا ہے' یہی سبب ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں قہقہہ لگانے کو گناہ قرار دیا ہے اور حکم دیا گیا کہ اس سے وضو باطل ہو جاتا ہے اور کہا ہے کہ کسی چیز سے خارج ہو جانا (وضو یا نماز سے خارج ہونا) گناہ کا قائم مقائم ہے۔

مزاح اور ہنسی میں اعتدال

مزاح اور ہنسی میں اعتدال اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ اس میں خوف' تنگ دلی (قبض) اور ہیبت کا عنصر شامل ہو (وہ ان تنگ مقامات سے ظہور کرے) اس لئے کہ تنگ مقامات پر اس کا اعتدال باقی رہتا ہے (کھلی چھٹی نہیں ملتی اور جہاں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی وہاں پر یا تو وہ حد افراط میں پہنچ جائے گا یا پھر حد تفریط میں داخل ہو جائے گا)۔ کیونکہ خوشی اور امید یہ دونوں مزاح اور ہنسی پیدا کرتے ہیں اور خوف اور ہیبت یہ دونوں اس کو اعتدال پر رکھتے ہیں۔

ترک تکلف صوفیہ کا خلق ہے!

ترک تکلف یا سادگی بھی اخلاق صوفیہ میں سے ہے اس لئے تکلف نام ہے تصنع اور بناوٹ کا یعنی محض دوسروں کی خاطر نفس پر بے جا دباؤ ڈالنا اس سے وہ دباؤ تکلف پیدا ہوتا ہے جو صوفیہ کے (پاکیزہ) احوال کے بالکل منافی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تو ایک طرح سے تقدیر سے ٹکراؤ اور قسام ازل سے عدم رضا کا شائبہ اس کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے ترک تکلف کا، کیونکہ تکلف سراسر تخلف ہے یعنی صادقین کی شان سے تخلف، تکلف ہے (انسان تکلف کے باعث مخلص بندوں سے ہٹ جاتا ہے)، (تخلف من شان الصادقین) حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی ایک دعوت ولیمہ (۱) میں شامل ہوا جس میں نہ روٹی تھی نہ گوشت تھا۔

صحابہ کرامؓ کی سادگی

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ احباب تشریف لائے تو انہوں نے ان کے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا اور فرمایا! کھاؤ! کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ "سرکہ بہت اچھا سالن ہے۔"

حضرت سفیانؒ بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں سلمان فارسیؓ کے پاس گیا تو انہوں نے نمک اور روٹی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو تکلف کرنے سے منع نہ فرماتے تو یقیناً میں تمہارے لئے (کھانے میں) تکلف کرتا (کچھ عمدہ چیزیں تمہیں کھلاتا)۔

تکلف ہر چیز میں برا ہے جیسے لوگوں کے سامنے لباس میں تکلف کرنا (بغیر اس کے کہ نیت ہو) کلام میں تکلف کرنا۔

اسی طرح بہت زیادہ خوشامد کرنا جو اس زمانے کے لوگوں کے شعار بن گیا (۱) ہے چنانچہ اس دور میں چند افراد کے علاوہ کوئی بھی خوشامد سے محفوظ نہیں ہے اب تو یہ حالت ہے کہ بہت سے خوشامدی لوگوں کو یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ خوشامد کر رہے ہیں، بسا اوقات یہ خوشامد سراسر منافقت بن جاتی ہے اور یہ صوفی کے احوال کے منافی ہے (کسی طرح اس کے شایان شان نہیں ہے)۔

اس سلسلہ میں سرور ذیشان ﷺ کا فرمان

حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حیا اور عجز کلام ایمان کے شعبے

---

(۱) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ ولیمہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بعد ہوا تھا اور اس ولیمہ میں صرف کھجوریں کھلائی گئی تھیں۔

(۱) قارئین ملاحظہ کیجئے کہ یہ چھٹی صدی ہجری کی حالت پر شیخ الشائخ بیان فرما رہے ہیں۔

ہیں، یعنی اس کی نشانیاں ہیں اور فحش گفتگو اور چرب زبانی (کثرت کلام) نفاق کی علامتیں ہیں، یہاں "بیان" سے مراد کثرت کلام، لوگوں کی خوشامد، بیجا تعریف اور اپنی زباں دانی کا اظہار ہے اور یہ باتیں اصل صدق کے شایاں شان نہیں ہیں۔

حضرت ابن وائل کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ حضرت سلمان فارسیؓ سے ملاقات کے لئے گیا تو انہوں نے ہمارے سامنے جو کی روٹی اور جو کا نمکین دلیا پیش کیا۔ میرے دوست نے کہا کہ اگر اس دلیہ کے ساتھ پودینہ بھی ہوتا تو یہ اور زیادہ لذیذ ہوتا۔ یہ سن کر حضرت سلمان فارسیؓ گھر سے نکلے اور اپنا لوٹا رہن رکھ کر پودینہ خرید لائے، جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے دوست نے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنی روزی پر قانع بنایا۔ یہ سن کر حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا، اگر تم اپنی روزی پر قانع ہوتے تو میرا لوٹا گروی نہ ہوتا (پودینے کی وجہ سے لوٹا رہن رکھنا پڑا)۔ اس حکایت سے حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف سے قولاً اور فعلاً ترک تکلف ثابت ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ!

حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے بھائی ان کی ملاقات کے لئے آئے تو حضرت یونس علیہ السلام نے جو کی روٹی کے کچھ ٹکڑے ان کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دیئے اور اس کے ساتھ ہی وہ ساگ بھی لا کر رکھا جو انہوں نے خود کاشت کیا تھا اور پھر بھائی سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ بھیجی ہوتی تو میں ضرور تمہارے لئے تکلف کرتا۔

ایک بزرگ کا قول ہے، اگر کوئی شخص تم سے ملنے کے لئے آئے تو جو کچھ موجود ہو وہ اس کے سامنے پیش کر دو اور جب تم کسی سے ملاقات کو جاؤ تو کچھ باقی نہ چھوڑو۔ حضرت زبیر بن العوام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منادی کرائی کہ:

"الہ العالمین! تو میری امت کے ان لوگوں کی مغفرت فرما دے جو میری امت کے مردوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں (امور معاشرت میں) تکلف نہیں کرتے ہیں، کیونکہ میں اور میری امت کے صالح افراد تکلف سے بری ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکلف سے بیزاری

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا حَبّٗا وَعِنَبٗا وَقَضۡبٗا وَزَيۡتُونٗا وَنَخۡلٗا وَحَدَآئِقَ غُلۡبٗا وَفَٰكِهَةٗ وَأَبّٗا ۝

"پس ہم نے اس زمین میں غلہ اور انگور، ترکاریاں زیتون اور کھجور کے درخت، گھنے باغات، پھل (میوے) اور چارا پیدا کیا۔"

یہ آیت پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ ہمیں ان سب الفاظ کے معانی معلوم ہیں مگر اَبّا کے کیا معنی ہیں اس کا علم نہیں، اس

وقت آپ کے ہاتھ میں عصا تھا آپ اپنا عصار زمین پر مارتے تھے اور فرماتے خدا کی قسم! یہ تکلف ہے (ثمہ قَالَ هٰذا العمر اللّٰہ هُوَ التکلف) پس اے لوگو! جو تمہیں معلوم ہو اس پر عمل کرو اور جو معلوم نہیں اس کا علم خدا کے حوالے کر دو!

صوفیہ ذخیرہ اندوزی کو پسند نہیں کرتے

صوفیائے کرام کی ایک اخلاقی خصوصیت یہ بھی ہے کہ کل پر خرچ کیا جائے اور (مال و منال) جمع نہ کیا جائے اس کا باعث یہ ہے کہ صوفی خداوند عالم کے لطف و فضل کے خزانوں کو کھلا ہوا دیکھتے ہیں، پس اس کی مثال اس شخص کی ہے جو ساحل سمندر پر ہو اور اپنے مشکیزے اور پکھال میں پانی نہ بھرے۔ (صوفیہ کے سامنے مال و دولت کے انبار ہیں لیکن یہ اپنے لئے جمع نہیں کرتے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ دو فرشتے ندانہ کر رہے ہوں"" ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے 'بار الہا! تو سخاوت کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا کہ خداوندا' تو بخیل کو ہلاکت میں ڈال! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لئے ذخیرہ جمع نہیں فرماتے تھے' ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تین پرندے (کھانے کے لئے) بطور ہدیہ بھیجے گئے' آپ کے خادم نے ان میں سے ایک پکا کر آپ کو پیش کیا۔ دوسرے دن آپ کا خادم ان میں سے ایک پرندہ پکا کر لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو منع کیا تھا کہ کوئی چیز دوسرے دن کے لئے بچا کر نہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر روز صبح کو روزی عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال کے پاس آئے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ایک ڈھیر موجود تھا' حضورؐ نے فرمایا اے بلالؓ! یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ان (کھجوروں) کا ذخیرہ کیا ہے' حضورؐ نے فرمایا اے بلالؓ! کیا تم اس سے نہیں ڈرتے جس نے بلالؓ کو نفقہ دیا ہے اور تم اس صاحب عرش سے نہیں ڈرتے کہ وہ اس نفقہ میں کمی کر دے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام جڑی بوٹیاں کھایا کرتے تھے اور بالوں سے بنا ہوا کپڑا پہنا کرتے تھے اور جہاں کہیں رات ہو جاتی تھی اسی جگہ شب باش ہو جاتے تھے۔ نہ ان کے کوئی اولاد تھی کہ مرتا (اور اس کا ان کو غم ہوتا) اور نہ کوئی گھر تھا کہ وہ اجڑتا اور نہ کچھ صبح کے لئے وہ بچا کر رکھتے تھے! اور صوفی کی حالت تو یہ ہے کہ اس کے تمام دفینے اللہ کے خزانے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا اعتماد اور اس پر بھرپور توکل رکھتا ہے اور یہ دنیا صوفی کے لئے ایک مسافر خانہ (سرائے) ہے کہ اس کو نہ اس میں رہنا ہے اور نہ مال کو اس کے لئے بڑھانا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو بھی اسی طرح رزق پہنچائے جس طرح پرندوں کو وہ انہیں صبح کو بھوکا اٹھاتا ہے اور شام تک (جب وہ بسیرا کرتے ہیں)۔ ان کے پیٹ بھر دیتا ہے۔"

ابن --؟-- حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی سوال کیا گیا اس

کے جواب میں آپ نے "نہیں" ارشاد نہیں فرمایا ابن عینیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس وقت آپ کے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو آپ سوال پورا کرنے کا وعدہ فرماتے تھے۔

ابن عبدالعزیز بن محمدؒ نے امام زہری کے برادر زادے سے روایت کی ہے کہ روئے زمین پر کوئی کنبہ و قبیلہ یا گھر ایسا نہیں ہے جہاں میں نہ گیا ہوں لیکن کسی کو بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ (خدا کی راہ میں) اپنا مال خرچ کرنے والا نہیں پایا۔

قناعت بھی صوفیہ کا ایک خلق ہے

اخلاق صوفیہ میں قناعت بھی ہے یعنی دنیا کی تھوڑی سی چیز پر بس کرنا۔ (اس کو کافی سمجھنا) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جن نے قناعت اختیار کی اس کو اہل زمانہ سے آرام حاصل ہوا اور اس نے اپنے عہدوں پر غلبہ پالیا۔ جناب بشرؒ بن حارث کہتے ہیں کہ قناعت میں بجز عزت کے اگر اور فائدے نہ بھی ہوتے تو صاحب قناعت (قانع) کے لئے یہی بہت کافی تھا۔ جناب بنانؒ بن حمال کہتے ہیں۔ الحر عَبدَ ما طمع وَالْعَبد حر ما قنع (طمع آزاد بندے کو بھی تو قیدی بناتی ہے۔ قناعت قید سے قیدی کو آزادی دلاتی ہے)۔

بزرگوں کے ارشادات قناعت کے بارے میں

بعض صوفیہ کا ارشاد ہے کہ جس طرح تو قصاص کے ذریعہ اپنے دشمن سے بدلہ لیتا ہے اسی طرح اپنی قناعت سے حرص کا انتقام لے۔ شیخ ابوبکر فراغی فرماتے ہیں کہ دانا وہ ہے جس نے قناعت اور سوچ بچار سے دنیاوی امور کی تدبیر کی اور حرص اور عجلت کے ساتھ اخروی امور کا اہتمام کیا۔ جناب یحییٰ بن معاذ نے کہا ہے جو اپنے رزق پر قانع ہو گیا وہ آخرت کو حاصل کر لے گا اور اس کی زندگی (دنیا) بھی اچھی طرح گزرے گی۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں "قناعت ایسی تلوار ہے جو کبھی نہیں اچٹتی" (جس کا وار خالی نہیں جاتا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی!

عبدالرحمٰن بن ابی سعیدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے اور اس وقت آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ جو قلیل اور کفالت کرنے والی چیز ہے وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور لہو ولعب میں مشغول کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ بیشک آپ نے فرمایا "جو شخص اسلام لایا اور اس کا رزق اس کے لئے کافی ہو اور اس پر وہ صبر کرے تو وہ کامیاب انسان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی اور فرمایا الٰہ العالمین! آل محمدؐ کے رزق کو قوت بنا دے" (اتنا رزق دے جس کو کھا کر انسان

زندہ رہ سکے)۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "لوگو! تم کتاب اللہ کے ظروف اور حکمت کے چشمے بن جاؤ اور اپنے نفوس کو مردوں میں شمار کرو اور حق تعالیٰ سے (اپنی روزی) روز کے روز مانگا کرو اور جب تمہارے لئے اس (روزی) میں کثرت نہیں ہوگی تو تم کو کچھ مضرت نہیں پہنچے گی۔

عبداللہ بن محض اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے امن و امان سے اپنے گھر میں صبح کی اس کا جسم درست ہے اور اس کے پاس ایک دن کی قوت (روزی) موجود ہے تو گویا دنیا کا اس نے احاطہ کر لیا۔ (ساری دنیا اس کی گرفت میں آگئی)۔

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (1) کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس حیات طیبہ کی طرف اشارہ ہے وہ قناعت ہے۔

پس صوفی عدل سے اپنے نفس پر غالب ہے اور نفس کی سرشت سے آگاہ ہے، قناعت کے فوائد حاصل کرنا جانتا ہے اور نفس کی اصلاح کے طریقوں سے آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا مرض کیا ہے اور اس مرض کی دوا کیا ہے؟

ابو سلیمانؒ دارانی کہتے ہیں کہ قناعت، رضا سے حاصل ہوتی ہے جس طرح ورع زہد سے۔

صوفیہ کا حلم اور نزاع سے گریز

صوفیہ کی ایک اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جھگڑے مٹاتے ہیں، اور غیظ و غضب کو ترک کرتے ہیں جب کہ وہ حق کے لئے ہو (دنیاوی معاملات نہ ہوں) وہ نرمی اور تحمل اختیار کرتے ہیں، اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جھگڑا کرنے والوں کے نفس میں ہیجان برپا ہو جاتا ہے اور صوفی جب اپنے کسی مخلص اور دوست کے نفس میں اس کا ظہور پاتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ اپنے قلب حلیم کے ساتھ کرتا ہے اور جب نفس قلب حلیم کے مقابل ہوتا ہے تو اس کی یہ وحشت دور ہو جاتی ہے اور فتنہ دب جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○

"تم بہترین طریقے پر مدافعت کرو تاکہ وہ شخص جس کے ساتھ تمہاری عداوت ہے جلد ایک گہرے دوست کی طرح بن جائے۔"

جن پاک نفوس سے کینہ نکل گیا ہے صرف ان نفوس سے ستیزہ (جدلی کی جبلت) نکل جاتا ہے اور جن نفوس میں کینہ موجود ہے۔ وہاں سے ستیزہ کا نکل جانا ممکن نہیں ہے، جب باطن سے ستیزہ جاتا رہتا ہے تو ظاہر سے بھی جاتا رہتا ہے، کینہ پیدا

(1) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "ہم اس کو زندہ رکھیں گے ایسی زندگی کے ساتھ جو پاکیزہ اور خوش آئند ہو۔"

ہونے کے بہت سے اسباب ہیں' منجملہ ان کے ایک یہ کہ کینہ عموماً اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ باہم مماثل اور مشاکل ہوں اور یہ ایک دوسرے سے حسد کرنے پر پیدا ہوتا ہے لیکن جس شخص کا نفس زہد و تقویٰ کی آگ سے گداختہ ہو چکا ہے اور گداز میں انتہائی منزل کو پہنچ گیا تو کینہ اس کے باطن سے مٹ جاتا ہے اور پھر ان دلوں میں فانی لذتوں کے لئے وہ جاہ ومال کے اعتبار سے حسد باقی نہیں رہتا' اللہ تعالیٰ جنت میں متقین کا وصف اس طرح فرماتا ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینہ تھا' وہ دور کر دیا

شیخ ابو حفص ؒ فرماتے ہیں کہ ان قلوب میں کینہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ الفت ہے اور جو اس کی محبت میں قدم جمائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مودت میں غیر متزلزل ہیں اور اس کے ذکر سے مانوس ہیں' اس لئے کہ اسے قلوب نفسانی خطرات سے پاک اور طبیعت و سرشت کی تیرگی سے پاک ہیں بلکہ ان کے دل (کی آنکھیں) نور یقین سے سرگیں (سرمہ آلود) ہیں پس وہ باہم بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔

پس ایسے پاک وصاف قلوب اہل تصوف کے ہیں اور ان لوگوں کے ہیں جو ایک کلمہ پر جمع ہیں اور قدم گاڑے ہوئے ہیں اور جنہوں نے طریقت کی شرائط کا التزام کیا ہے اور تحقیق کے ساتھ حصول کامرانی پر ڈٹے ہوئے ہیں (کامرانی حاصل کر رہے ہیں)۔

دنیا کے لوگ دو طرح کے ہیں

دنیا والے دو طرح کے ہیں ایک وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں کے طالب ہیں جو خداوند قدوس کے پاس ہیں اور یہ اپنے نفس کو اور دوسروں کو ان چیزوں کی طرف بلاتے ہیں (رجوع الی اللہ کی دعوت دیتے ہیں) پس ایسے محقق صوفی کو ان مراتب پر فائز ہوتے ہوئے کس طرح دوسرے لوگوں سے کینہ' حسد اور ستیزہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس کا اور دوسرے لوگوں کا حال ایک ہی جیسا ہے۔ (پھر حسد کا کیا موقع ہے) اس کا بھائی تو اس کا ممد و معاون ہے اور یہ مومنین تو ایک دیوار کی طرح ہیں جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو تقویت اور مدد پہنچاتی ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو حب جاہ میں گرفتار ہیں اور جاہ و مال اور اپنے تمول اور خلق کی نمائش پر شیفتہ ہیں تو ایسے (ناکارہ اور دوں ہمت) لوگوں پر صوفی کو کیا حسد ہو سکتا ہے کہ صوفی تو ان چیزوں سے بالکل رغبت ہی نہیں رکھتا' پس صوفی کے شایان شان یہ ہے کہ ایسے شخص کی طرف رحمت اور شفقت کی نظر سے دیکھے کیونکہ ایسے لوگ فریب خوردہ ہیں اور ان کی عقلوں پر پردہ پڑا ہے لہٰذا نہ وہ ان کے کہنے پر پیچ و تاب کھائے اور نہ ان سے کسی چیز پر جھگڑے گا کیونکہ اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ لڑنے جھگڑنے سے نفس امارہ کا غلبہ ہوتا ہے (غالب آجاتا ہے) حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تَعِدْهُ مُوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ (اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر جس کے تو خلاف کرے)۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے جھگڑے کو ترک کر دیا ایسی حالت

میں کوئی باطل پر ہے تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک گھر بنایا جائے گا اور اگر ایسے شخص نے جھگڑا ترک کر دیا کہ وہ حق پر ہے تو اس شخص کے لئے جنت کے وسط میں ایک گھر بنایا جائے گا اور جس کے اخلاق بھی اچھے ہیں تو ایسے شخص کے لئے بہت بلندی پر وہ مکان بنایا جائے گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے علم کو اس لئے حاصل کیا کہ وہ اس کے ذریعہ علماء پر فخر و مباہات کرے یا نادانوں سے اس کے ذریعہ جھگڑا کرے یا اس کی یہ آرزو ہو کہ اس علم کے باعث شرفاء اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے پاس آئیں تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

غور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی وضاحت کے ساتھ سفیہوں (نادانوں) کے ساتھ جھگڑا کرنے کا نتیجہ جہنم میں داخلے کو بتایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ قہر و غلبہ کے حصول کے لئے ان کی نفسانی قوتوں کا ظہور ہوتا ہے اور قہر و غلبہ کا تعلق شیطانی صفات سے ہے' بعض صوفیہ کا قول ہے کہ خصومت وجدل کرنے والا یہ طے کر لیتا ہے (دل میں یہ بات ٹھان لیتا ہے) کہ نہ وہ کسی بات کو مانے گا اور نہ کسی امر پر قناعت کرے گا تو ظاہر ہے کہ قناعت کی طرف اس کو کس طرح راستہ مل سکتا ہے لیکن صوفی کے نفس کے یہ صفات (بہیمیہ) بدل جاتے ہیں اور اس میں شیطنت اور درندگی باقی نہیں رہتی بلکہ اس میں لینت اور نرمی آجاتی ہے اور سہولت و طمانیت کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

دل اور زبان کی درستی شرط ایمان ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان درست نہ ہو اور نہ کوئی اس وقت تک مومن سمجھا جا سکتا ہے جب تک اس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں' غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلامتی قلب و زبان کو اسلام کی شرط قرار دیا ہے۔

ایک روایت ہے کہ آپ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو ایک بھاری پتھر کو اٹھا رہے تھے' آپ نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے کہا یہ بہت بھاری پتھر ہے (اس کو ہم اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں) آپ نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی بھاری اور سخت چیز سے آگاہ کرتا ہوں' اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ناراض ہو لیکن وہ اپنے شیطان اور اپنے بھائی کے شیطان پر غالب آکر اس سے بات چیت کرنے لگے (یہ اس سے بھی اہم اور بڑا کام ہے جو تم کر رہے ہو)۔

غضب کی حالت میں آزاد کر دیا

روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام نے (جو ان کی بکریاں چراتا تھا) ان کی ایک بکری کی ٹانگ توڑ دی' جب بکریاں ابوذرؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے دریافت کیا کہ اس بکری کی ٹانگ کس نے توڑ دی غلام نے کہا میں نے توڑی ہے!

اس نے کہا اس لئے کہ آپ کو میرے اس عمل سے غصہ آئے اور آپ مجھے غصہ میں ماریں اور گنہگار ہوں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا بیشک جب تو مجھے غصہ پر ابھارے گا تو میں ضرور غصہ کروں گا! جا تو آزاد ہے۔

عرب کے مشہور شاعر اصمعی نے ایک اعرابی سے روایت کی ہے کہ اس نے مجھے ہدایت کی کہ جب تجھے دو مشکلیں درپیش ہوں اور تجھے یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں کونسی بات درست ہے تو اس وقت تو اپنی مرضی کے خلاف بات پر عمل کر' اس لئے کہ عام طور پر خواہش کے مطابق عمل کرنے ہی سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

تین چیزیں ہلاکت کا اور تین چیزیں نجات کا ذریعہ ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں نجات کا اور تین چیزیں ہلاکت کا باعث ہیں' نجات کا ذریعہ تو یہ چیزیں ہیں۔

1۔ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا۔

2۔ رضامندی کی کیفیت ہو یا غصہ کی دونوں حالتوں میں انصاف کرنا۔

3۔ مفلسی اور تونگری دونوں صورتوں میں کفایت شعاری کو اپنانا۔

اور ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں۔

1۔ طبعی بخل کی پیروی کرنا۔

2۔ خواہش کی پیروی کرنا۔

3۔ خود پسندی اختیار کرنا۔

بہر نوع غصہ اور رضامندی کی حالت میں انصاف کے تقاضے وہی پورا کر سکتا ہے جو عالم ربانی ہو اور اپنے نفس پر حاکم ہو جو اس کو عقل حاضر اور قلب بیدار کی طرف متوجہ کرے اور فیصلہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے اچھے محاسبہ کی امید رکھے۔

روایت ہے کہ صوفیائے کرام کسی مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے' چنانچہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر میں ایک بری بات کہنے سے بچ جاؤں تو وہ اس سے بہتر ہے کہ میں عمدہ کھانا کھاؤں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حدث (وضو کا ٹوٹنا) دو طرح کے ہیں ایک حدث فرج کا یعنی پوشیدہ مقام سے برآمد ہونے پر (گوز وغیرہ) اور دوسرا حدث وہ ہے جو تمہارے منہ سے نکلے (گالی یا بری بات کہنا)۔

غضب اور غصہ وقار اور حلم کو برباد کرتے ہیں

وقار اور حلم کا برباد کرنے والا غیظ و غضب ہے اور اس کے باعث انسان عدل و انصاف کی حدوں سے گزر کر ظلم و ستم تک پہنچ جاتا ہے' غضب کے باعث دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے پس اگر کوئی شخص اپنے سے بالاتر پر غصہ کرتا ہے جس پر وہ اپنی بھڑاس نہ نکال سکے۔ تو غیظ و غضب سے جوش مارنے والا خون باہر کی جلد سے آکر دل میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور اس سے

غم اور حزن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اندوہ نہانی میں مبتلا ہو جاتا ہے' صوفی ایسی لغویت کی طرف توجہ نہیں دیتا (پس ان پر رنج کرنا بیکار ہے) صوفی تسلیم و رضا کا پیکر ہے اس کو اطمینان و یقین حاصل ہے' دوسرے کو رنج والم' شک اور ناگواری کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے غیظ و غضب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ یعنی اگر طاقت ور کمزور سے جھگڑا کرتا ہے تو غیظ و غضب ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر اپنے سے زیادہ طاقت والے سے اس کا جھگڑا ہے تو وہ اپنے اس غضب کو غم کی شکل میں چھپالیتا ہے۔ حزن بھی ایک قسم کا غضب ہے مگر یہ اس وقت ظہور میں آتا ہے جب کوئی دوسرا شخص اس پر غیظ و غضب کرتا ہے (یہ شخص مغضوب و معتوب ہو) اور اگر کسی کو اپنے ایسے برابر والے پر غصہ آئے جس سے انتقام لینے میں تردد ہو تو اس صورت میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے (جذبۂ انتقام کینہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے)۔ صوفی کا قلب اس کینہ سے پاک وصاف ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ کا ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ۝ ہم نے ان کے سینوں سے کینے کو نکال لیا ہے

صوفی کے دل کی سلامتی اور اس کے حال کی درستی کینہ اور دشمنی کے جھاگوں کو اس کے سینے سے اس طرح نکال کر باہر ڈال دیتی ہے جس طرح سمندر اپنے جھاگوں کو باہر پھینک دیتا ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کے دل میں انس اور ہیبت الٰہی کی موجوں کا تلاطم برپا ہے (جس دل میں انس اور ہیبت موجزن ہو وہاں کینے اور بغض کے جھاگ باقی نہیں رہتے) اگر صورت حال ایسی ہو کہ غیظ و غضب اپنے سے کمتر انسان پر کیا جارہا ہے اور اس سے انتقام لینا ممکن ہے تو اس وقت دل کا خون جوش زن ہو جاتا ہے تو وہ سرخ ہو جاتا ہے اور سخت پڑ جاتا ہے اس کی رقت اور سفیدی رخصت ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسان کے رخسار سرخ ہو جاتے ہیں کیونکہ دل کا خون جوش کھا کر اوپر کی طرف آتا ہے' رگیں پھول جاتی ہیں' ایسی صورت میں ایک عام انسان حد اعتدال سے گزر کر مار پیٹ' گالی گلوچ پر اتر آتا ہے لیکن صوفی سے ایسی رکیک حرکت سرزد نہیں ہوتی' وہ صرف اس وقت محض اللہ کے لئے غضبناک ہوتا ہے جب کوئی شرعی حدود کو توڑتا ہے' دوسرے معاملات میں غیظ و غضب کی بجائے اس کی نظریں اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوتی ہیں اور وہ اپنے زہد و تقویٰ کے باعث اپنی حرکات و اقوال میں اس توازن و اعتدال کو برقرار رکھتا ہے جو شریعت اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے بلکہ (انتہائی تواضع سے) وہ اپنے نفس کو ہی ملزم گردانتا ہے کہ وہ قسمت پر شاکر نہیں رہا (اور ایسی صورت پیش آئی)۔

ضبط نفس کون کر سکتا ہے

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ ضبط نفس کون کر سکتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ وہ شخص جو سب سے زیادہ اپنی قسمت پر شاکر ہے' ایک اور بزرگ نے فرمایا "میرے لئے قضاو قدر کے معاملات صرف مسرت کا موجب ہوتے ہیں۔" جب غصہ کے موقع پر صوفی اپنے نفس کو مجرم قرار دیتا ہے اور اس کو متہم گردانتا ہے تو اس وقت علم اس کا تدارک کرتا ہے' جب علم کا علم بلند ہوتا ہے تو قلب قوی ہو جاتا ہے اور نفس میں سکون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور قلب کا خون

اپنے مقام اور اپنے مرکز کی طرف واپس چلا جاتا ہے اور صوفی کی حالت میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے' رخساروں کی سرخی جو غیظ و غضب کے وقت پیدا ہو گئی تھی ختم ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "نیک روش' حلم اور میانہ روی' نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔" حارثؓ بن قدامہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور مجھے نصیحت فرمایئے! لیکن مختصر ہو تاکہ مجھے یاد رہے' آپ نے فرمایا "لَا تَغْضَب" (غصہ مت کر) آپ نے لاتغضب کو کئی بار دہرایا!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غضب دوزخ کی ایک چنگاری ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ (غضب کرنے والے کی) دونوں آنکھوں سرخ ہو جاتی ہیں اس کی رگیں پھول جاتی ہیں' پس تم میں سے جس کسی کو غصہ آئے تو اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور جو بیٹھا ہو وہ لیٹ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ تعالی عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں' ایک حلم دوسری صبر (درنگ)

مودت اور محبت

مودت اور باہمی الفت بھی صوفیوں کے اخلاق کا ایک وصف ہے' یعنی برادرانہ موافقت (اتحاد) اور ترک مخالفت! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کی طرح تعریف فرمائی ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ○

"کافروں پر تو بہت سخت لیکن آپس میں رحم دل ہیں۔"

مزید ارشاد فرمایا۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ○

"اگر آپ تمام روئے زمین کی چیزیں خرچ کر ڈالتے جب بھی آپ ان کے دلوں کو نہیں ملا سکتے تھے۔ یہ تو اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان الفت و محبت پیدا کر دی۔"

یہ اتحاد و تائف ارواح کے باہمی اتحاد کی بدولت پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اس سے قبل ایک حدیث شریف میں بیان ہوا ہے "روحیں جن سے واقف ہوتی ہیں ان سے مانوس ہو جاتی ہیں۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ○

"جس طرح تم اس کی مہربانی سے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔"

اللہ تعالیٰ کا اتحاد و تائف کے سلسلہ میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ○ (پارہ 4 سورۃ آل عمران)

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا المومن آلف مالوف' لَا خَیرَ فِیمَنْ لَا یَالِفُ وَلَا یولف "یعنی مومن دوسروں سے محبت کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں مگر اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ خود محبت کرنے والا ہے اور نہ دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ایک اور ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "دو مومن افراد جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اس وقت وہ ان دو ہاتھوں کی طرح ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو دھو کر صاف کر دیتے ہیں اور جب دو مومن ایک ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایک دوسرے سے استفادہ کریں گے"

حضرت ابو ادریس خولانی نے حضرت معاذؓ سے فرمایا "میں تم سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں" انہوں نے جواب میں فرمایا تمہیں بشارت ہو' بشارت ہو! کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ "قیامت کے دن عرش کے چاروں طرف ایسے لوگوں کے لئے کرسیاں بچھائی جائیں گی جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں ہوں گے' اس وقت لوگ گھبراتے ہوں گے لیکن وہ نہیں گھبرائیں گے' لوگ خوفزدہ ہوں گے لیکن وہ خوف زدہ نہیں ہوں گے۔ وہ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ خوف ہو گا اور نہ رنج ہو گا۔ لوگوں نے دریافت کیا "حضور وہ کون لوگ ہیں؟" آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں محض اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں۔ (اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اگر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگیں اور محبت کے اسباب کو ترک نہ کریں تو پھر ان کو انصاف و عدالت کی ضرورت باقی نہ رہے۔" (آپس میں جھگڑے ہی نہ پیدا ہوں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عدالت کی محبت قائم مقام ہے۔ عدالت کا استعمال تو وہاں ہوتا ہے جہاں محبت نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ محبت کی اطاعت' خوف کی اطاعت سے بہتر ہے کیونکہ محبت کی اطاعت کا تعلق داخلی ہے اور خوف کی محبت خارج سے وابستہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ کی محبت کا اثر ایک دوسرے پر بہت پڑتا ہے اسلئے کہ وہ محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور باہم محاسن اخلاق کی نصیحت کرتے ہیں اور اس محبت اور اس محبت کے باعث ایک دوسرے کی بات کو قبول کرتے ہیں' چنانچہ مرید اپنے شیخ سے اور بھائی دوسرے بھائی سے نفع اندوز ہوتا ہے۔ یہی وہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسجدوں میں ایک محلّہ کے تمام لوگ پانچوں وقت (نماز کے لئے) جمع ہوں اور ہر شہر کے لوگ ہفتہ میں ایک بار جامع مسجد میں یکجا جمع ہوں (جمعہ کی نماز پڑھیں) اور نواح شہر کے جتنے رہنے والے ہیں وہ عیدین میں (سال میں دو بار) جمع ہوں۔ اور مختلف شہروں کے رہنے والے عمر بھر میں ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر جمع ہوں۔ ان تمام احکام میں یہی حکمت ہے کہ اس طرح مسلمانوں کے مابین الفت و محبت کے تعلقات استوار ہو جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بنیاد کی طرح ہیں کہ ایک سے

دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے۔ حضرت نعمانؓ بن بشیر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا! آگاہ ہو جاؤ کہ باہمی محبت و مودت میں مسلمانوں کی مثال بدن کی ہے کہ جب بدن کا ایک حصہ بیمار ہو جاتا ہے تو تمام اعضاء بخار میں مبتلا ہو کر جاگتے رہتے ہیں۔ (تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں)۔

اخیار کی محبت موجب اہتزاز ہوتی ہے

تائف و توددد (باہمی محبت دوستی) سے صحبت و ہمنشینی کے اسباب فراہم کرنے میں تقویت پہنچتی ہے چنانچہ صحبت ابرار بہت مفید ثابت ہوتی ہے بلکہ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ بھائیوں کی ملاقات بھی مثمر اور نتیجہ بخش ہوتی ہے اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ باطنی فیوض سے باطن مستفید ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تقویت اور مدد حاصل ہوتی ہے بلکہ اہل اصلاح و تقویٰ کی صرف ایک نظر دیکھنا بھی مفید اور نتیجہ خیز ہے کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ مختلف صورتوں کے دیکھنے سے وہی خلق ناظر میں پیدا ہو جاتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ جیسے ہمیشہ غمگین صورتوں کو دیکھنے سے حزن و ملال پیدا ہوتا ہے اور شاداں اشخاص کے ہمیشہ دیکھنے سے شادمانی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ مقولہ اس کی تائید کرتا ہے "جس کا دیدار تمہارے لئے مفید نہیں اس کا کلام بھی تمہارے لئے فائدہ بخش نہ ہو گا۔" (لَا ینفعَكَ لحظہٗ لا ینفعكَ لفظہٗ) آپ نے دیکھا ہو گا کہ وحشی اونٹ، پالتو اونٹ کے ساتھ رہنے سے رام ہو جاتا ہے (اس کی وحشت جاتی رہتی ہے) یہ مقارنت اور قربت حیوانات، نباتات و جمادات میں موثر ہے، ہوا اور پانی مردار کی مقارنت اور قربت سے فاسد ہو جاتے ہیں، اسی لئے کھیتی (زراعت) کو مختلف قسم کی گھاس اور دوسری روئیدگیوں سے الگ پاک و صاف رکھا جاتا ہے کہ کہیں ان کی قربت سے کھیت خراب نہ ہو جائیں۔ تو محبت اور ہم نشینی جب ان (بیجان) چیزوں سے موثر ہے تو طباع انسان پر جوان (نباتات و جمادات) سے افضل ہیں، اس سے کہیں زیادہ اثر انداز ہو گی بلکہ انسان کو انسان کہا ہی اس وجہ سے جاتا ہے کہ وہ خیر و شر سے بہت جلد مانوس ہو جاتا ہے اور پھر الفت و محبت (مقارنت) اس میں مزید اضافہ کرتی ہے، یہاں یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ عزلت اور تنہائی کو اس وجہ سے پسند کیا جاتا ہے اور اس کی تعریف کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان اجلاف اور اراذل (کمینے) لوگوں کی صحبت سے محفوظ رہتا ہے (ان کی صحبت و ہم نشینی کے برے اثرات ایسے شخص پر مرتب نہیں ہوتے)۔

صاحبان صدق و صفا کی صحبت غنیمت ہے

پس صاحبان صدق، و صفا اور پاکیزہ اخلاق ہستیوں کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے ان سے انس و محبت کرنا خداوند تعالیٰ سے انس و محبت کے مترادف ہے، اس طرح ان کی محبت سے ایک خدائی تعلق پیدا ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ انس و محبت سے صرف طبیعی تعلق قائم ہوتا ہے، صوفیہ کے تعلقات ناجنسوں کے ساتھ بالکل عارضی ہوتے ہیں۔ لیکن ہم جنسوں کے ساتھ یہ دوامی ہوتے ہیں، اور باعث اس کا یہ ہے کہ "ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، جب وہ اپنے بھائی کی ذات میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے اقوال، اعمال اور احوال کے آئینہ میں تجلیات الٰہی کے ایسے پوشیدہ رموز جلوہ فگن ہو

جاتے ہیں جو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں صرف نظرباز ان تجلی ان سے واقف ہوتے ہیں۔

شکر احسان

احسانات پر شکر گذاری بھی صوفیہ کا ایک خلق ہے کہ وہ احسان کرنے پر اپنے محسن کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور باوجود یہ کہ ان کو اپنے پروردگار پر اعتماد کلی او اس کی قدرت پر کامل توکل ہوتا ہے اور ان کے عقیدۂ توحید میں صفا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دوسروں سے انہوں نے قطع نظر کر رکھی ہے۔ یعنی صوفیہ نہ دوسروں سے طالب امداد ہوتے ہیں نہ دوسروں سے امید رکھتے ہیں کہ یہ امر عقیدہ توحید کے منافی اور شان توکل کے خلاف ہے۔ اور جو نعمتیں ان کو حاصل ہوتی ہیں ان کو وہ عطیہ خداوندی سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے مظہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"مجھ پر انسانوں میں سے کسی کے احسانات اور حقوق صحبت (حضرت ابوبکرؓ ابن ابی قحافہ سے زیادہ نہیں ہیں، اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو (ضرور دوست) بناتا۔"

اس سلسلہ میں مزید فرمایا "حضرت ابوبکرؓ کے مال سے زیادہ کسی کے مال سے مجھے نفع نہیں پہنچا۔"

کچھ لوگ خلق خدا کے ساتھ بخشش کرنے اور نہ کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ سے حجاب میں رہتے ہیں (اس نکتہ کی وضاحت آئندہ کی جائے گی) مگر صوفی کی حالت یہ ہے کہ وہ ابتدائے حال میں تو مخلوق سے اپنا تعلق منقطع کر لیتا ہے اور ہر چیز کا تعلق خداوند تعالیٰ سے وابستہ رکھتا ہے (بقدر اس نور توحید کے جو اس کی پیشانی سے نمایاں ہے) اس موقع پر وہ اس حجاب اور مانع کو بتا دیتا ہے جو مخلوق کو خالص توحید سے روکتا ہے (یعنی نہ وہ مخلوق کے ساتھ خود بخشش و کرم کو جاری رکھتا ہے اور نہ خود منع کرتا ہے کہ اس صورت میں عطا اور منع کا تعلق غیر حق سے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے) لیکن جب وہ توحید کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے تو شکر خالق بجالانے کے بعد شکر مخلوق کو بھی بجالاتا ہے اور اس وقت وہ ممانعت اور عطا کی حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے اس سے قبل وہ صرف مسبب حقیقی (خداوند تعالیٰ) کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن اب اس نے اپنی وسعت علمی اور استعداد کی بدولت وسائط (ذرائع دیگر) کو بھی اس نے جان لیا لیکن عامت الخلائق کی طرح، مخلوق اس کے لئے خدا کی راہ میں حائل نہیں ہوتی اور نہ حق تعالیٰ اس کو ارباب ارادہ اور مبتدی اہل طریقت کی طرح مخلوق سے حجاب میں رکھتا ہے، (1) اس طرح وہ خدا کا شکر بھی ادا کرتا ہے کہ وہی منعم حقیقی اور اسباب کا پیدا کرنے والا ہے اور مخلوق کا شکر اس لئے بجالاتا ہے کہ حصول نعمت کے لئے وہ ذریعہ اور واسطہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں وہ لوگ سب سے پہلے بلائے جائیں گے جو

---

(1) حضرت شیخ الشائخ کا اصل مقصد یہ ہے کہ عطائے نعمت کے سلسلہ میں جب یہ سمجھا جاتا ہے کہ معطی مخلوق میں سے کوئی فرد ہے تو اس صورت میں حق تعالیٰ اس سے پردۂ حجاب میں ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ معطی حق تعالیٰ ہے تو اس صورت میں وہ وسائط اس سے ترک ہو جاتے ہیں اور مخلوق کو وہ نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن یہ حال غیر صوفی ہے، صاحب طریقت اپنی وسعت علمی کی بدولت اپنے حقیقی منعم کا شکر بجا لاتا ہے اور پھر مخلوق کا کہ وہ ایک واسطہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں خواہ تکلیف کی حالت میں ہوں یا عالم راحت میں (نفع و نقصان ہر حال میں خدا کی حمد بیان کرتے ہیں)۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"کہ جو شخص چھینکتا یا ڈکار لیتا ہے اور "الحمد للّٰہِ علی کل حال" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریاں دور کر دیتا ہے جن میں سب سے کم مرتبہ جذام ہے۔"

شکر الٰہی ادا کرنے کے سلسلہ میں چند اور احادیث!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس بندے کو نعمت دی جائے اور وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے تو یہ حمد اس کے لئے افضل ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ وہ حمد اس کے لئے افضل ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس شکر کو زیادہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ شکر اس نعمت سے افضل ہے جو اس کو حاصل ہوتی ہے، پس جب صوفیہ نعمتوں پر اپنے منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں تو اس وقت وہ اس محسن انسان کا بھی شکر ادا کرتے ہیں جو اس نعمت کا واسطہ ہے (منجملہ وسائط کے ہے) اور اس کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس روزہ افطار فرماتے تھے تو ارشاد ہوتا۔

"تمہارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا اور نیک بندوں نے تمہارا کھانا کھایا اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) تم پر سکون و طمانیت نازل ہوئی۔"

حضور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی اپنے بھائی سے جَزَاكَ اللّٰہُ خَیْراً کہتا ہے تو اس کے معنی ہیں کہ وہ اس کی بے حد تعریف کرتا ہے۔"

مسلمانوں کی مقصد براری و حاجت روائی!

صوفیوں کے پاکیزہ اخلاق میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور اپنے اخوان طریقت کی حاجت براری کے لئے بذل مالی ہی نہیں بلکہ بذل جاہ بھی کرتے ہیں (اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاتے ہیں) پس چاہئے کہ اس جماعت میں جو کوئی علم وسیع کا مالک ہو اور نفس کے عیوب، اس کی آفات اور خواہشات سے آگاہی رکھتا ہو تو وہ اپنے اثر سے کام لے کر اور اپنے رسوخ کو استعمال کر کے مسلمانوں کی حاجت روائی کرے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور ان کی اصلاح حال میں مددگار ثابت ہو، اس صورت میں صوفی کے لئے تبحر علمی کی ضرورت ہے کیونکہ ایسے کاموں کو مخلوق کی معاشرتی زندگی سے تعلق ہے لہٰذا اس مقصد میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو بلند پایہ صاحب معرفت اور ایک عالم ربانی ہے (ورنہ علائق دنیاوی میں گرفتار ہو جانے کا احتمال ہے)

حضرت زید بن اسلمؒ سے منقول ہے کہ ایک نبی اللہ بادشاہ کی رکاب کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا یہ طرز عمل اس لئے تھا کہ اس طرح خلق خدا کی حاجتیں پوری کیا کرتے تھے۔ شیخ عطاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مدتوں غیر مخلصانہ اعمال کے ذریعہ ایسا مرتبہ حاصل کرلے جس کے نتیجہ میں ایک مسلمان خوشگوار زندگی بسر کرسکے تو یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اپنی ذات کی نجات کے لئے مخلصانہ عمل کرتا رہے لیکن یہ خیال رہے کہ یہ ایک بہت ہی نازک مقام ہے جہاں جاہلوں اور نام کے دعویداروں کے بھٹک جانے کا خطرہ ہے (خود علائق دنیا میں پھنس جانا عین ممکن ہے) اس لئے حقیقت میں یہ کام وہی سر انجام دے سکتا ہے کہ جس کو خداوند تعالیٰ نے اس کے باطن اور نفس کے علم سے بہرہ یاب کیا ہو جس کے باعث وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ مال و جاہ سے رغبت کرنا کسی طرح مناسب نہیں (اور احوال کی تباہی کا باعث ہے) ایسے شخص کی خدمت کے لئے اگر (ملوک الارض) دنیا جہان کے بادشاہ بھی کمربستہ ہو جائیں جب بھی اس سے کسی قسم کی سرکشی، زیادتی اور بے راہ روی کا اظہار نہیں ہو گا۔ (وہ صراط مستقیم سے نہیں ہٹ سکے گا) بلکہ اگر اس کو بفرض محال جلتی ہوئی بھٹی میں ڈال دیا جائے تو بھی وہ انکار نہیں کرے گا (لیکن اس کا قدم جادۂ مستقیم سے نہیں ہٹ سکتا) مگر ایسے باصلاحیت اور مخلص حضرات معدودے چند ہیں۔ یعنی ایسی صلاحیت صرف چند ہستیوں کو حاصل ہے جو اپنے ارادوں اور اختیارات کو مٹا چکے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں بتا دیتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے کیا چاہتا ہے، اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں اگر ان پر کشف ہوتا ہے کہ مشیئت الٰہی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے میل جول رکھیں اور اپنے اثر رسوخ کو کام میں لائیں (تاکہ دوسرے کے مسائل حل ہو جائیں) تو وہ اپنی نفسانی صفات (استغنا، خلق خدا سے دوری وغیرہ) کو نظرانداز کرکے لوگوں کی حاجت روائی اور مقصد براری کے لئے ان کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں، مختصراً یہ کہ "بذل جاہ" صرف انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی ذات کو فنا کر دیا ہو اور پھر فنا کے بعد بقا مل گئی ہو یعنی فنا ہو کر مقام بقا پر انہوں نے سعود کیا ہو، اس طرح ہر مقام پر مکمل دلیل اور ثبوت کے ساتھ وہ لوگ بحکم خداوندی داخل ہوتے ہیں اور پھر اسی طرح سے خارج و برآمد بھی ہوتے ہیں (ان کا دخول و خروج سب تابع حکم خداوندی ہے) ان کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے مکمل بصیرت حاصل ہے چنانچہ ایسے صاحب دل کو جسے مکاشفہ کے ذریعہ اور خطاب خفی کے واسطے سے، مشیت الٰہی اور مقصد خداوندی سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس وقت کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا، چنانچہ اس وقت وہ امراء و سلاطین کے توسط سے (مخلوق کے) مقاصد کی انجام دہی کے لئے پورے طور پر عادی ہوتے ہیں (مخلوق کی مقصد براری کے سلسلہ میں کسی قسم کی جھجک یا تردد ان میں نہیں پایا جاتا) وہ اشیاء سے ان کا وقت لے لیتا ہے لیکن اشیاء اس کے وقت سے کچھ نہیں لے سکتیں، لیکن ایسے افراد بکثرت نہیں ہیں، ملک میں ایک دو افراد ہی ایسے صاحب حال ہوتے ہیں۔

شیخ ابو عثمان الحیری کہتے ہیں کہ انسان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے دل میں ان چار چیزوں کا تناسب نہ ہو جائے (1) منع، (2) عطا، (3) عزت، (4) ذلت، پس ایسا شخص ہی دوسروں کی مقصد براری (ارباب مناصب و سلاطین سے) کرا سکتا ہے اور اس کام کے لئے موزوں ہے۔

شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک ریاست کا مستحق نہیں ہوتا جب تک اس کے اندر یہ تین خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں۔

1۔ لوگوں کی جہالت سے قطع نظر کرے اور ان کو اپنی جہالت سے محفوظ رکھے۔

2۔ جو کچھ لوگوں کے پاس (مال و متاع) ہے وہ ان کے پاس رہنے دے۔

3۔ اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے دوسروں کے لئے اس کو خرچ کرے' (دوسروں پر خرچ کرے اور دوسروں کے مال سے توقع نہ رکھے)۔

ایسی ریاست وہ ریاست و امارت نہیں جو منافی زہد ہے اور صدق و سلوک کے لئے جس سے بچنا ضروری ہے' بلکہ ریاست ایسی ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھلائی کے لئے قائم کیا ہے' اس لئے جو صاحب طریقت اور صوفی اس پر قائم ہے وہ اپنے اس قیام سے بھی خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کا ضروری حق ادا کرتا ہے۔ اور نعیم الٰہی کا شکر ادا کرتا ہے۔

باب 31

آداب تصوف اور ان کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خداوند تعالیٰ نے مجھے بطور حسن ادب سکھایا ہے۔"

ادب کی تعریف

ادب کیا ہے؟ ادب ظاہر و باطن کی آراستگی و تہذیب خلق کا نام ہے، جب کسی بندے کا ظاہر و باطن ادب سے آراستہ ہو جاتا ہے تو وہ صوفی بن جاتا ہے، دستر خوان (سفرہ) کی مادبہ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ بہت سی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے (اور ان سے پیراستہ ہوتا ہے) پس ایک شخص اس وقت تک مکمل ادب حاصل نہیں کر سکتا جب تک تمام اخلاق حسنہ اس میں مکمل طور پر جمع نہ ہو جائیں، مکارم اخلاق تحسین و تہذیب خلق سے یعنی جب نفس مہذب ہو جائے گا اسی وقت اخلاق حسنہ اس میں جمع ہوں گے۔ انسان کی شکل و صورت اس کی خلقت ہے اور اخلاق اس کی باطنی و معنوی صورت کا نام ہے پس جس طرح انسان کی خلقت نہیں بدل سکتی اسی طرح اس کے اخلاق بھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ (1) اور دلیل اس پر یہ ارشاد ہے:

فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ وَالرِّزْقِ وَالْأَجَلِ ۝ (حدیث قدسی)

"تمہارا پروردگار خلق سے، خُلق سے، رزق اور اَجل سے فارغ ہو گیا ہے۔ (اس نے تمہارے لئے یہ چیزیں مقدر فرما دی ہیں اور تم کو ان سے آراستہ کر دیا)۔"

قرآن شریف میں وارد ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (اللہ کے خلق کے لئے تبدیلی نہیں) صحیح تر بات یہی ہے کہ انسانی خلقت میں تو تبدیلی ناممکن ہے اور اخلاق و اطوار میں تبدیلی ممکن ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے حَسنوا اَخلاقکم اپنے اخلاق کو درست کرو! اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرما کر اس میں فساد و صلاح کی قبولیت کی استعداد ودیعت فرما دی اس طرح اس کو ادب اور مکارم اخلاق کا اہل بنا دیا، اس کی یہ صلاحیت ایسی ہے جیسے چقماق میں آگ اور کھجور کی گٹھلی میں کھجور کا درخت بن جانے کی صلاحیت موجود ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و

(1) بشرطیکہ وہ ملکات ہوں۔

حکمت سے انسان کو یہ صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی ہے کہ وہ تربیت کے ذریعہ اس کی اصلاح ہو سکے جس طرح تربیت سے کھجور کی گٹھلی درخت بن جاتی ہے یا جیسے چقماق کو رگڑنے سے آگ پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح نفس انسانی میں بحالت صلاح خیر کی صلاحیت رکھی ہے' اسی طرح بصورت شر فساد کی استعداد رکھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا' قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا O (پارہ عم سورہ)

"اس نفس کی قسم! جسے اس (رب) نے ہموار کیا۔ بدیاں اور پرہیزگاری دونوں اس میں پیدا کیں پس جس نے نفس کو پاکیزہ بنایا کامیاب ہوا اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام ہوا۔"

مذکورہ بالا آیت میں نفس کو ہموار اور برابر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قبول شر و فساد کی صلاحیت برابر برابر رکھی ہے جیسا کہ "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" سے مترشح ہے نفس جب پاکیزہ ہوتا ہے تو وہ عقل کی رہنمائی سے اپنی ظاہری اور باطنی حالت درست کر لیتا ہے اور اس کے اخلاق شائستہ ہو جاتے ہیں اور وہ تہذیب و ادب سے آراستہ ہو جاتا ہے' پس ادب فعل میں ان چیزوں کو لاتا ہے جو اس میں بالقوت موجود ہیں' اور یہ اس شخص کے لئے ہے جس میں نیکی کی صلاحیت بالقوت موجود ہے اور یہ سجیہ یعنی نیکی کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہی پیدا کر سکتا ہے' بشر کو اس کے پیدا کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہے جس طرح چقماق سے انسان اپنی حکمت اور فعل سے آگ تو نکال لیتا ہے مگر چقماق میں آگ کو بالقوت موجود رکھنا محض فضل ایزدی ہے (انسان ہر پتھر کو چقماق نہیں بنا سکتا) اسی طرح آداب کا سرچشمہ صلاحیت پسند طبائع اور فضل خداوندی ہے (انسانی عمل نہیں ہے) چونکہ اللہ تعالیٰ نے صوفیائے کرام کی اچھی عادتوں (اخلاق حسنہ) کی تکمیل کر کے ان کے باطن میں یہ استعداد پیدا کر دی ہے کہ وہ اچھی تربیت اور ریاضت سے نفس کی اصلاح کر سکیں (ان چیزوں کو قوت سے فعل میں لا سکیں جو ان کے نفوس میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرما دی ہے اس پر ممارست اور مداومت سے وہ مہذب اور مودب ہو گئے البتہ بعض حضرات ایسے ہیں کہ ان کو مزید تربیت اور ریاضت کے بغیر تہذیب و ادب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ نے ادب دیا اور اچھی طرح ادب سکھایا' اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ" (مگر یہ وصف انبیاء علیہ السلام سے مخصوص ہے) مگر بعض لوگوں کی فطرت میں اس کی بڑی کمی ہوتی ہے اور انہیں زیادہ عرصہ تک تربیت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی طویل ممارست سے ان کی سرشت اس نقصان سے پاک ہوتی ہے پس اسی لئے مرید شیخ کی صحبت کے محتاج ہیں تاکہ ان کی صحبت اور ان کی تعلیم سے جو کچھ (اچھے اخلاق) بالقوت ان میں موجود ہے وہ ظہور میں آسکے پس ان کی صحبت اور تعلیم اس سلسلہ میں بہت ممد و معاون ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا O (سورۂ تحریم پارہ نمبر 28)

"اے لوگو! تم خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"

اس آیت کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "تم انہیں دین کی تعلیم دو اور ادب

سکھاؤ" ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ "میرے رب نے مجھے 72 ادب سکھائے اور پھر مجھے فضائل اخلاق (پر کار بند ہونے کا) حکم دیا اور فرمایا درگزر کیا کرو، نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔"

ادب فہم علم کا ذریعہ ہے

شیخ یوسف بن الحسین ؒ فرماتے ہیں، ادب سے علم کا فہم ہوتا ہے، علم کے ذریعہ عمل درست ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ حکمت حاصل ہوتی ہے، اور حکمت کے ذریعہ زہد و ترک دنیا حاصل ہوتا ہے، زہد سے آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور آخرت کے شوق سے اللہ تعالیٰ اپنی قربت کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب شیخ ابو حفص ؒ عراق میں پہنچے تو شیخ جنید ؒ ان کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے مریدین ادب سے سیدھے کھڑے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی غلطی کا مرتکب نہیں ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت جنید ؒ نے کہا اے ابو حفص (اے ابا حفص) تم نے اپنے اصحاب (مریدین) کو ایسا مودب بنایا ہے جیسے بادشاہوں کی حضوری میں ہوتا ہے یہ سن کر ابو حفص ؒ نے فرمایا "اے ابو القاسم (کنیت حضرت جنید ؒ) بیشک ادب ظاہری، ادب باطنی کا عنوان ہے۔"

آداب شریعت کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے

شیخ ابو حسین غوری ؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندہ کے لئے کوئی ایسا مقام، روحانی حالت (یا کیفیت) یا کوئی ایسا علم نہیں ہے جو آداب شریعت کو ساقط کر دے بلکہ اس کے برخلاف شرعی آداب ظاہری حالت کا زیور ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا۔ کہ انسان اپنے اعضاء کو محاسن آداب سے غیر آراستہ رکھے۔

عبداللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں کہ خدمت کا ادب، خدمت سے بالاتر ہے۔ شیخ ابو عبیدہ ؒ قاسم بن سلام کا ارشاد ہے کہ جب میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو اکثر میں خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں لیٹ جاتا اور اپنے پاؤں پھیلا دیتا۔ تو عائشہ مکیہ (جو ایک ولیہ اور خدا رسیدہ خاتون تھیں) میرے پاس تشریف لائیں اور مجھ سے فرمایا کہ تمہارے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تم اہل علم ہو پس میری یہ بات مانو کہ یہاں (خانۂ خدا میں) ادب کے ساتھ بیٹھو ورنہ تمہارا نام بارگاہ خداوندی کے دفتر سے کاٹ دیا جائے گا۔

شیخ ابن عطا کا قول ہے کہ نفس بے ادبی کا عادی ہے اور اس کی فطرت ہے مگر بندۂ حق کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ادب اختیار کرے، نفس اپنی طینت اور سرشت کے ساتھ مخالفت پر آمادہ ہے۔ (مخالفت کے میدان میں گامزن ہے) اور بندہ اپنی کوشش سے اس کو حسن ادب کی طرف پھیرتا ہے اور جو جدوجہد سے ایسا نہیں کرتا وہ اپنے نفس کو مطلق العنان بنا دیتا ہے اور اس کی نگہداشت نہیں کرتا تو گویا اس طرح اس کی سرکشی اور مطلق العنانی میں اس کی مدد کی اور جس نے اس کی مدد کی وہ اس کا شریک کار ہوا۔

سید الطائفہ شیخ جنید ؒ فرماتے ہیں جو نفس کو اس کی خواہش پوری کرنے میں مدد کرتا ہے وہ اس کے قتل میں شریک ہے

کیونکہ بندگی کے لئے ادب ضروری ہے اور سرکشی بے ادبی میں داخل ہے۔

حضرت جابرؓ بن سمرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے فرزند کو ادب سکھانا ایک صاع مقدار میں صدقہ دینے سے بہتر ہے' مزید ارشاد فرمایا کہ "ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا" (بیٹے کو ادب سکھانا بہترین تحفہ ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیٹے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے' اس کو اچھی طرح سے رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔"

بندہ ادب کے ذریعہ حق تک پہنچتا ہے

شیخ ابو علی دقاقؒ کہتے ہیں کہ بندۂ حق اپنی طاعت و بندگی کے ذریعے جنت میں داخل ہوتا ہے اور طاعت میں ادب اختیار کر کے خدا تک پہنچتا ہے' شیخ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ استاد ابو علیؒ کسی چیز کا سہارا لے کر نہیں بیٹھا کرتے تھے ایک دن وہ مجمع میں تشریف فرما تھے میں نے ان کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھنا چاہا تاکہ وہ اس کے سہارے سے بیٹھ جائیں مگر وہ تکیہ سے ہٹ گئے مجھے خیال گزرا کہ چونکہ تکیہ پر کوئی خرقہ یا سجادہ بچھا ہوا نہیں اس لئے تکیہ لگانے سے گریز کیا ہے لیکن انہوں نے مجھ سے فرمایا' "میں سہارا لینا نہیں چاہتا" چنانچہ جب میں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ واقعی وہ کبھی سہارا نہیں لیتے ہیں۔

شیخ جلال بصریؒ فرماتے ہیں "توحید ایمان کے لئے ضروری ہے' جس میں توحید نہیں اس میں ایمان نہیں' ایمان شریعت کے لئے ضروری ہے لہٰذا جہاں شریعت نہیں ہے وہاں نہ ایمان ہے نہ توحید ہے اور شریعت کے لئے ادب ضروری ہے پس جہاں ادب نہیں وہاں نہ شریعت ہے نہ ایمان ہے نہ توحید ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ادب کو ظاہر و باطن میں اختیار کرو' اگر کسی نے ظاہراً بے ادبی کی تو اس کو ظاہراً سزا ملے گی اور جس نے باطن میں بے ادبی کی اس کو باطن میں سزا بھگتنا ہو گی۔

شیخ ابو علی دقاق کے غلام نے کہا ہے کہ ایک دن میں ایک امرد کی طرف دیکھ رہا تھا' اس حال میں شیخ دقاق نے مجھے دیکھ لیا' انہوں نے مجھ سے کہا تم کو اس فعل کی سزا ضرور ملے گی خواہ وہ کئی سال میں ملے چنانچہ مجھے دس سال کے بعد یہ سزا ملی کہ میں قرآن حکیم بھول گیا۔

شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات درود کے پڑھنے میں مصروف تھا اور میں نے اپنے پاؤں محراب کی طرف پھیلائے ہوئے تھے پس کسی نے پکار کر مجھ سے کہا کہ جس طرح تم بیٹھے ہو کیا اس طرح بادشاہوں کے سامنے بیٹھ سکتے ہو پس میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور پھر میں نے کہا "الٰہی تیری عزت و جلال کی قسم اب میں کبھی پیر نہیں پھیلاؤں گا' شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد وہ ساٹھ سال زندہ رہے لیکن اس مدت میں انہوں نے اپنے پاؤں کبھی نہیں پھیلائے نہ رات میں (سوتے میں) نہ دن میں۔"

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں جو ادب سے غفلت برتتا ہے اس کو یہ سزا ملتی ہے کہ وہ سنتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور جو سنتوں سے غفلت برتتا ہے اس کو فرض سے سزاءً محروم کر دیا جاتا ہے اور فرائض سے سستی و غفلت برتنے والے کو معرفت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

کسی شخص نے حضرت سری سقطیؒ سے صبر کے بارے میں کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ اس سلسلہ میں گفتگو کرنے لگے' اثنائے کلام میں ایک بچھو آپ کے پاؤں میں ڈنک مارنے لگا لوگوں نے کہا کہ اس کو مار کر ہٹا دیجئے تو آپ نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں جس موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں یعنی صبر پر اور پھر اسی کے خلاف کام کروں (بچھو کے ڈنک مارنے پر بے صبری کا اظہار کروں)'۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا کیا حال تھا وہ اس روایت سے معلوم ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے زمین کے مشرق و مغرب کے حصے دکھائے گئے' (زمین کے مشارق و مغارب دکھائے گئے) لیکن باری تعالیٰ کے حضور میں پاس ادب کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے مشارق و مغرب کو دیکھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل میں ادب کا لحاظ رکھنا قبول عمل کی دلیل ہے۔

شیخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ ادب مستحسنات پر موقوف ہے یعنی تم مستحسن امور کی حد پر رہو' لوگوں نے اس کی وضاحت چاہی تو آپ نے کہا کہ تم ظاہر و باطن میں خداوند تعالیٰ کے ساتھ ادب کی رعایت رکھو' اگر تم اس پر کاربند رہو تو تم صاحب ادب یا مودب ہو خواہ تم عجمی ہو! پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

اِذا نَطقتُ جاءت بکل مَلیحَة وَاِن سَکَنت جاءت لِکُل مَلِیْحَة

جب تو بولے' کلام شیریں ہو گر نہ بولے' تمام شیریں ہو

شیخ حریریؒ فرماتے ہیں کہ "بیس سال ہو گئے تنہائی میں بھی میں نے اپنے پاؤں نہیں پھیلائے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب اختیار کرنا افضل و اولیٰ ہے۔

شیخ ابو علیؒ نے کہا ہے کہ ترک ادب راندۂ درگاہ ہونے کا موجب ہے پس جس شخص نے فرش پر بے ادبی کی وہ دروازے پر لوٹا دیا گیا اور جس نے دروازے پر بے ادبی کی اس کو جانوروں کی طرح سزا دی جائے گی۔

باب 32

مقربین کے لئے بارگاہ الٰہی کے آداب

تمام آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اسلام میں اخذ کئے گئے ہیں، اس لئے ذات والا صفات ظاہر و باطن میں مجمع جمیع آداب تھی اور اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں آپ کے حسن و ادب کا ذکر فرمایا ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی (آپ کی نگاہ نہ بہکی نہ حد ادب سے اس نے تجاوز کیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن خصوصیات ادب سے مختص تھے وہ آداب کی باریکیوں میں سے ایک باریکی یا نکتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توجہ اور عدم توجہ دو حالتوں میں آپ کے قلب پاک کی اعتدال کی کیفیت سے خبردی ہے کہ آپ نے ماسوا اللہ سے منہ پھیرا اور اللہ کی طرف توجہ فرمائی، آپ نے تمام زمینوں یعنی دار فانی کے خطوط کو ترک فرما دیا اور اسی طرح آسمانوں اور دار آخرت کے فوائد کو بھی پس پشت ڈال دیا (توجہ نہ فرمائی) اور جن چیزوں سے آپ نے اعراض فرمایا پھر کبھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور نہ آپ کو کبھی اس پر افسوس ہوا کہ آپ کے اعراض کے باعث وہ چیزیں غائب ہو گئیں (ان کے ضائع ہونے پر آپ نے کبھی افسوس نہیں فرمایا) اور آپ کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ (پارہ 27 سورہ الحدید)

"تاکہ تم ناامید نہ ہو ان چیزوں پر جو تم سے فوت ہو گئیں۔"

یہ خطاب تو عام ہے، لیکن مازاغ البصر الایہ میں آپ کے حال کا خاص طور سے بیان ہے جو ایک وصف خاص ہے۔ کے ساتھ ہے یعنی خطاب عام کے اعتبار سے خاص یعنی مَازَاغَ الْبَصَر سے تو آپ کی عدم توجہ کا اظہار کیا گیا اور آپ کی توجہ کا بیان اس کیفیت سے نمایاں ہے جو آپ کی روح مقدس اور قلب لطیف کو مقام قابَ قوسَین او ادنٰی میں حاصل ہوئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے جلال اور ہیبت سے حیا فرما کر آپ نے اس مقام سے گریز کیا۔ جو آپ کے انکسار اور آپ کی تواضع کی مظہر ہے تاکہ اس مقام پر نفس اپنے پاؤں نہ پھیلا دے اور سرکشی نہ کرے کہ طغیان و سرکشی بحالت استغناء نفس کا وصف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے استغناء کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ○

"ہرگز نہیں! انسان ضرور سرکشی کرتا ہے کہ وہ خود کو بے نیاز دیکھے۔"

اور نفس کا خاصہ ہے کہ اس وقت جب روح اور قلب پر عطیات الٰہی کا ورود ہوتا ہے تو پوشیدہ طور پر سن گن لیتا ہے

(چوری سے سن لیتا ہے) اور اس طرح فیوضات کا کچھ حصہ وہ بھی حاصل کر لیتا ہے' اس وقت اس کے استغنا اور سرکشی سے اس میں انبساط کی تو زیادتی ہو جاتی ہے لیکن مزید برکات کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے' نفس کے اس طرح سرکش ہو جانے کا باعث یہ ہے کہ اس کا ظرف مواہب و عطیات کے لئے تنگ اور کوتاہ ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت احدیت میں مَازَاغَ البَصر کی ایک جہت (اعراض یا عدم توجہ) درست تھی اور وہ معیار پر صحیح اتری اور انہوں نے مافات پر توجہ نہیں کی' ان کے نفس نے حسن ادب کے باعث سرکشی بھی نہیں کی لیکن وہ فیض خداوندی سے چونکہ معمور تھے اور نفس کے ورود عطیات کو چوری چھپے سن لیا تھا (وَاسْتَرَقَتْ النَّفس السمع وَتَطلَعَتْ اِلَی القِسط وَالْحظِ)۔ اور اس سے بہرہ یاب ہو گیا تھا اسی لئے اس میں استغناء پیدا ہو گیا اور جو کچھ اسے حاصل ہوا وہ اس کے ظرف سے باہر چھلکنے لگا اور اس کا دائرہ تنگ ہونے لگا۔ یہی وجہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرط انبساط میں حد سے تجاوز کر گئے اور کہہ اٹھے "اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ" (اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا۔ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں) تب انہیں روک دیا گیا اور وہ روحانی فضا میں آگے نہ بڑھ سکے' یہاں وہ فرق ظاہر ہو گیا جو حبیب اور کلیم علیہما السلام میں ہے (وَظَهر الفَرق بَینَ الحبیب وَالْكَلِیم علیہما السَّلاَم ص 282) یہ ارباب قرب اور صاحبان حال کے لئے ایک گہرا نکتہ ہے کیونکہ ہر قبض کے لئے ایک عقوبت موجود ہے اور وہ اس طرح ہوتی ہے کہ قبض کے موقع پر فتوحات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور قبض (1) پر عقوبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسط کی افراط ہو جاتی ہے اس لئے کہ بسط میں اعتدال نہیں ہوتا ہے اگر بسط میں اعتدال ہوتا تو قبض میں عقوبت واجب نہ ہوتی (قبض کی عقوبت تو اسی افراط کے باعث ہوئی) البتہ بسط میں اعتدال اس وقت میسر ہوتا ہے جب روح و قلب کے فیوضات واردہ میں ٹھہراؤ پیدا ہو جائے یہ ایقاف (وقف و ٹھہراؤ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا کہ آپ کا نفس شریف تواضع اور انکسار کی لپیٹوں میں پوشیدہ ہو گیا تھا اور جیسا کہ قبل بیان ہوا آپ اللہ تعالیٰ سے حیا فرماتے ہوئے واپس ہوئے اور یہی ادب کا وہ انتہائی مرتبہ ہے جو صرف آپ کو عطا کیا گیا اور آپ قاب قوسین یا اس سے اور کچھ زیادہ مقام پر ٹھہرے رہے۔

مازاغ البصر کے نکتہ کی ایک تشریح

مَازَاغَ البَصَر وَمَا طَغٰی کی جو تشریح ہم نے اوپر کی ہے اسی سے مشابہہ ابو العباس بن عطا کا یہ قول ہے جو انہوں نے مَازَاغَ البصر وَمَا طغٰی کی تفسیر میں پیش کیا ہے کہ آپ نے طغیانی کے ساتھ اس کو نہیں دیکھا ہے جو کسی جانب میل کرے بلکہ آپ نے قویٰ کے اعتدال کی شرائط کے ساتھ مشاہدہ فرمایا۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے مشاہدہ کے ساتھ رجوع نہیں فرمایا بلکہ آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کا مشاہدہ فرماتے رہے (جس میں شائبہ نفس بالکل نہ تھا) اور اس محل کے ثبوت کے لئے جن صفات کی ضرورت تھی ان کے ساتھ آپ ان کا مشاہدہ فرماتے رہے۔

---

(1) قبض و بسط صوفیانہ اصطلاحیں ہیں اور زبان زدعام ہیں' قبض میں روحانی ترقی میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور بسط میں روحانی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مزید تشریح آخر کتاب میں مصطلحات کے ضمن میں ملاحظہ کیجئے۔ (مترجم)

اقوال مذکورہ سے ہماری تشریح کی تائید ہوتی ہے بلکہ شیخ سہل تستری کے قول میں چندے رمزیت و اشاریت ہے، ہمارے قول کی واضح تائید شیخ ابو محمد جریریؒ کے اس قول سے ہوتی ہے (یہ قول ہم تک ہمارے مشائخ کے مستند ذرائع سے پہنچا ہے)۔ وہ فرماتے ہیں:

"علم النقطاع کے حاصل کرنے کے لئے عجلت سے کام لینا ایک وسیلہ ہے اور درماندگی حد پر ٹھہر جانا نجات ہے اور قرب کے علم سے گریز و اعراض میں پناہ حاصل کرنا وصال ہے اور ترک جواب کو اچھا نہ سمجھنا ذخیرہ ہے اور خطاب کی سماعت کے محرکات کو قبول کرنے پر قائم رہنا تکلف ہے اور علم جو توجہ کے مقام سے فہم کی فصاحت سے (لپٹا ہوا) ہے اندیشہ کرنا برائی ہے اور اس بات کو جو اصل مقام سے ہٹ گئی ہو، حاصل کرنے کے لئے سعی کرنا بعد اور دوری ہے اور مقابل ہونے کے وقت گردن جھکانا جرات ہے، محل انس میں انسباط فریفتگی اور غرور ہے۔"

یہ تمام کلمات بارگاہ الٰہی کی حضوری کے آداب سے متعلق ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کی سابقہ توجیہات و تفاسیر سے زیادہ لطیف تر توجیہہ اور تفسیر یہ ہے کہ مَازَاغَ الْبَصر سے مراد یہ ہے کہ وہ مشاہدہ بصیرت سے الگ تھلگ نہیں تھا اور نہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی ہوئی اور وَمَا طَغٰی سے مراد یہ ہے کہ نگاہ بصیرت سے سبقت نہ لے جا سکی اور اپنی حدو منتہا سے آگے نہیں بڑھی بلکہ نگاہ بصیرت کے ساتھ بصر کا مقام تھا اور ظاہر کے ساتھ باطن، قلب کے ساتھ قلب اور نگاہ (پاک بیں) قدم کے ساتھ قائم رہی۔ کیونکہ اگر قدم نظر پر مقدم ہو جاتا تو یہ بھی سرکشی ہوتی اس مقام پر نظر سے مراد علم ہے اور قدم سے مقصود قالب یعنی جسم کا حال ہے، پس نظر قدم پر مقدم نہیں ہوئی ورنہ طغیانی و سرکشی بن جاتا اور اگر قدم نظر سے پیچھے رہتا تو وہ کوتاہی اور تقصیر ہوتی پس تمام احوال اعتدال پر رہے اور اس محل پر آپ کا قلب قالب بن گیا اور قالب قلب کے مانند (دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا) اور آپ کا ظاہر و باطن اور آپ کا باطن ظاہر، بصر، بصیرت اور بصیرت کے بصر کی صورت میں تھی۔ پس جہاں تک آپ کی نظر پہنچتی اور علم پہنچتا، وہاں تک ساتھ ساتھ آپ کے قدم اور آپ کا حال بھی پہنچتا۔ یہی سبب ہے کہ معنوی اور نورانی کیفیت، ظاہر پر بھی وارد رہی یہی باعث ہے کہ آپ کی سواری براق کے جہاں تک قدم پہنچے اس کی نظر بھی پہنچی، براق کے قدم اس کی نظر کے منتہا سے پیچھے نہیں رہے جیسا کہ صراحت "حدیث معراج" میں موجود ہے۔

پس براق بھی اپنے قالب کے ساتھ حقیقت میں معنوی خصوصیات و حالات کے مطابق بن گیا تھا اور اس کی قوت حال قوت معنوی سے متصف ہو گئی تھی۔ حدیث معراج میں پیغمبروں کے مقامات کا بھی مذکور ہے کہ آپ نے ہر آسمان پر بعض انبیاء (علیہم السلام) کو دیکھا اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے، کہ وہ آپ سے پیچھے رہ گئے۔ یعنی آپ ان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے تشریف لے گئے، ایک آسمان پر آپ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا کسی آسمان پر موجود ہونا اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے رب جلیل سے درخواست کی تھی کہ ارنی اَنْظُرْ اِلَيْكَ اور اس طرح ان کی نظر ان کے قدم سے تجاوز کر گئی تھی یعنی قدم نظر سے پیچھے رہ گیا تھا اس طرح مَازَاغَ البصر وَمَا طَغٰی کے جو دو اوصاف تھے

ان میں سے ایک خلل پذیر ہو گیا تھا (اور وہ دیدار الٰہی سے محروم رہے) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اور آپ کے پاک قدم دونوں متوازن اور حالت اور اعتدال پر رہے (ان میں سے کسی میں تقدم و تاخر واقع نہیں ہوا) اور آپ اپنے قدموں کو دیکھتے ہوئے اپنی نظر کے مطابق آگے بڑھتے گئے لیکن حیا اور تواضع میں اعتدال کو برقرار رکھا' اگر آپ حیا اور تواضع کے دائرے سے باہر آجاتے اور قدوم کی حد سے تجاوز فرما کر نظر کو اذن سیر مرحمت فرماتے اور یقیناً قدم پیچھے رہ جاتے تو جس طرح بعض دوسرے پیغمبر آسمانوں پر رہ گئے۔ اسی طرح آپ کو بھی کسی آسمان پر رکنا پڑ جاتا لیکن آپ ادب کے دائرے میں محفوظ طور پر متمکن رہے یہاں تک کہ تمام حجابات سماوی کو آپ نے شق کر دیا اور قرب الٰہی کی تمام اقسام (کیفیات) آپ کو مہیا ہو گئیں فانضبَت اِلَیْهِ اَقسَامُ القُرب انضابًا اور آپ سے حجاب کے تمام بادل چھٹ گئے (حجاب کا کوئی بادل آپ کا حائل نہیں رہا) یہاں تک کہ آپ مَازاغ البَصر وَمَا طغٰی کی راہ پر گامزن ہو گئے اور آپ برق خاطف کی طرح وصل کے مقام (مخدع) اور لطائف کی منزل کی سمت روانہ ہو گئے' اسی کا نام غایت ادب اور نہایت فہم و ذکا ہے۔

شیخ ابو محمد بن رویم ؒ سے جب ادب مسافر کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "ادب مسافر یہ ہے کہ اس کے قدم اس کی ہمت سے آگے نہ بڑھنے پائیں یعنی جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہیں اس کا ٹھکانہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے میرے پروردگار مجھے اپنے جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا مشاہدہ کر سکوں)۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طلب پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے زندہ شخص دیکھ کر مر جائے گا' خشک چیز تباہ ہو جائے گی اور تر و تازہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ مجھے صرف اہل جنت ہی دیکھ سکتے ہیں جن کی آنکھیں مردہ اور اجسام بوسیدہ نہیں ہوئے۔

آداب حضرت یا بارگاہ الٰہی کے آداب

آداب حضور میں سے ایک یہ بھی ہے جس کے بارے میں حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا کہ حق کے ساتھ گفتگو میں انبساط کا وجود بے ادبی ہے' مگر یہ بات بعض حالات اور بعض اشیاء کے ساتھ مختص ہے ہر موقع اور محل پر اس کا اطلاق درست نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعا کا بھی حکم دیا۔ انبساط بالقول نہ ہونے کا طریقہ وہی ہونا چاہئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اختیار کیا تھا کہ وہ ذاتی اور دنیاوی اغراض کے لئے انبساط بالقول نہیں فرماتے تھے' یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کو مقام قرب پر سربلند فرمایا اور انہیں انبساط بالقوم کی اجازت عطا کی اور فرمایا مجھ سے مانگو خواہ وہ تمہارے آٹے کے لئے نمک ہی کیوں نہ ہو! اس وقت انہوں نے بھرپور انبساط قول کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ (پارہ 20 سورہ قصص)

"اے میرے رب! میں اس خیر کا جو تو نازل فرمائے' محتاج ہوں۔"

اس ارشاد کی توجیہہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے قبل آخرت کی ضروریات طلب فرماتے تھے اور دنیا کی حقیر ضرورتوں کو طلب فرماتے ہوئے شرم محسوس کرتے تھے (انہیں حقیر چیزیں طلب کرتے شرم آتی تھی) اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ کسی عظیم بادشاہ سے بڑی بڑی چیزیں طلب کی جاتی ہیں اور معمولی چیزوں کی طلب سے تکلف برتا جاتا ہے لیکن جب تکلفات کے حجابات اٹھ گئے اور انہیں مقام قرب حاصل ہو گیا تو پھر انہوں نے حقیر چیزوں کو بھی اسی طرح طلب کیا جس طرح خطیر اور بڑی چیزوں کو مانگا جاتا ہے۔

عارف کا ادب تمام آداب سے بڑھ کر ہے

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عارف کا ادب تمام آداب پر فوقیت رکھتا ہے (ہر ادب سے بالاتر ہے کیونکہ اس کی نیکی خود اس کے قلب کے لئے ادب آموز ہے) ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کے لئے میں اپنے اسماء وصفات کے مطابق عمل ضروری قرار دے دیتا ہوں اس کے لئے ادب کو بھی ضروری قرار دیتا ہوں مگر جس پر میری حقیقت ذات کا انکشاف ہو جاتا ہے اس کو میں معرض ہلاکت میں ڈالتا ہوں۔ پس ان چیزوں میں جس کو چاہو تم پسند کرو (ادب یا عطب)۔ یہی بزرگ فرماتے ہیں کہ اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسماء وصفات ایسے وجود کے ساتھ ٹھہرتے ہیں جو ادب کا محتاج ہے اس لئے کہ اس وجود میں جو رسوم بشریت اور خطوظ نفسانی موجود ہیں ان کے لئے ادب کی احتیاج ہے اور جب عظمت ذات کا نور پرتو فگن ہوتا ہے تو وہ آثار (جو محتاج آداب تھے) انوار ذات کے ساتھ نیست ونابود ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر ہلاکت کے معنی یہ ہیں کہ وہ طالب فنا (فی اللہ) کے ساتھ محقق اور درست ہو گیا (یعنی فنا فی اللہ کے درجہ پر پہنچ گیا)۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے آداب کلام کی پابندی فرمائی

شیخ ابو علی دقاق نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قول کو جو قرآن پاک میں اس طرح آیا ہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (پارہ 17 سورہ انبیاء)

"اور جب ایوب نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ اے پروردگار یہ حقیقت ہے کہ مجھے بہت تکلیف ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

اس طرح تشریح وتصریح کی کہ "حضرت ایوب علیہ السلام نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ تو مجھ پر رحم فرما' بلکہ یہ کہا کہ تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آداب کلام کی پوری پوری پابندی فرمائی۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس موقعہ پر جب اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے دعوے الوہیت کے بارے میں استفسار فرمایا تو اس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا:

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۝ (پارہ 7 سورہ المائدہ)

"اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو الٰہی تجھے اس کا علم ہوتا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آداب تکلم اور آداب بارگاہ الٰہی کو ملحوظ رکھا اور یہ نہیں فرمایا کہ "میں نے یہ بات نہیں کہی' بلکہ یہ کہا "اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی کہ تجھے اس کا علم ہوتا۔" جس طرح انبیاء علیہم السلام آداب خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہیں اسی طرح اس کی بارگاہ کے خواص اور دیندار بندے بھی ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں کہ خواص دیندار حضرات کے آداب یہ ہیں کہ ان کے دل پاکیزہ ہوتے ہیں' اسرار کی نگہداشت کرتے ہیں۔ ایفائے عہد کے پابند ہیں' وقت کی حفاظت کرتے ہیں (وقت کو ضائع نہیں کرتے) وسوسوں اور عارضی تصورات و خیالات پر توجہ نہیں دیتے' پوشیدہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں یکساں رہتے ہی اور طلب کے مواقع' مقامات قرب اور اوقات حضور میں نہایت مودب ہوتے ہیں۔ (شرائط آداب بجالاتے ہیں)۔

ادب دو طرح پر ہیں' ایک ادب قول اور دوسرے ادب فعل! پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے ادب بالفصل کے ذریعہ تقرب حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو محبت قلوب عطا فرماتا ہے۔ شیخ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ہم علم کثیر کے اس قدر محتاج نہیں ہیں جس قدر کہ ادب قلیل کے محتاج ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عارف کے لئے ادب ایسا ہی (ضروری) ہے جیسے مبتدی (صوفی کے لئے) توبہ!

شیخ نوریؒ فرماتے ہیں "جو شخص وقت کے لئے ادب یافتہ نہیں ہے تو اس نے وقت کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔" حضرت ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں جب مرید حدادبؑ سے باہر نکل جاتا ہے تو یقیناً وہ اسی طرف کو لوٹتا ہے جس طرف سے وہ آیا تھا (اپنے ابتدائے حال پر پہنچ جاتا ہے) شیخ ابن مبارک کا ارشاد ہے کہ ادب کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ "ادب نفس کی معرفت اور شناسائی کا نام ہے۔"

شیخؒ کے اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس تمام جہالتوں کا سرچشمہ اور منبع ہے اور ترک ادب جہل کی آمیزش ہی سے ہوتا ہے تو جب نفس کو پہچان لیا اور اس کی معرفت حاصل ہو گئی تو اس کو نور عرفان حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ○

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

یہ اسی نور معرفت کا کرشمہ ہے کہ جب نفس کسی جہل پر آمادہ ہوتا ہے تو علم کے ذریعہ اس کا استیصال کر دیا جاتا ہے اور وہ صاحب ادب (مودب) بن جاتا ہے اور جب کوئی شخص آداب حضرت الٰہی کی پابندی پر مداومت کرتا ہے (ہمیشہ اس پابندی پر عمل پیرا رہتا ہے) تو وہ بارگاہ احدیت کے سوا دوسرے لوگوں کے آداب کو محفوظ رکھتا ہے اور ان پر زیادہ استحکام اور زیادہ قدرت کے ساتھ کار فرما ہوتا ہے)۔'

باب 33

آداب طہارت اور اس کے مقدمات و مبادیات

باری تعالیٰ نے اصحاب صفہ کی تعریف میں فرمایا ہے:
فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ (پارہ 11 سورہ توبہ)
"ان میں وہ مرد ہیں جو پاک ہونے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی بہت پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو بے وضو ہونے یا ناپاک ہونے کی صورت میں اپنی نجاستوں کو پانی سے دور کرتے ہیں۔ جناب کلبیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ نجاست دور کرنے سے مراد پانی سے مقعدوں کا دھونا ہے، شیخ عطا فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پانی سے استنجا کرتے اور جنابت کی حالت میں رات کو نہیں سوتے تھے۔
جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو تمہاری تعریف کی ہے وہ کیا (بات) ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں، اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ "جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کرے تو وہ تین پتھروں سے استنجا (پاکی) کرے ابتداء میں استنجاء کا یہی طریقہ تھا یہاں تک کہ اہل قبا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔" (1)

کسی شخص نے جناب سلمانؓ سے کہا کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو ہر چیز سکھا دی ہے یہاں تک کہ رفع حاجت کے آداب بھی سکھائے دیئے ہیں۔ سلمانؓ نے کہا ہاں! انہوں نے حکم دیا ہے کہ پاخانہ اور پیشاب کرتے وقت ہم قبلہ رخ نہ ہوں، سیدھے ہاتھ سے استنجا نہ کریں، جب کوئی استنجا کرے تو تین پتھروں سے کم نہ لے اور حکم دیا کہ ہم گوبر یا ہڈی سے استنجا نہ کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک میں تمہارے لئے بمنزلہ تمہارے باپ کے ہوں میں تم کو یہ تعلیم دیتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے جائے تو وہ قبلہ رخ نہ بیٹھے اور نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور نہ سیدھے ہاتھ سے استنجا کرے۔

(1) شیخ الشائخ نے اس باب کا آغاز اس طرح فرمایا ہے "قال اللّٰه تعالٰی فی وصف اَصحاب الصفّہ" اور اسی نثر پارہ کا اختتام ان الفاظ پر ہے۔ "وَھٰکذا کَانَ الاستنجاء فی الابتداء حَتّٰی نزلت الآیت فی اھل قُباء"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھر (ڈھیلے) استعمال کرنے کا حکم دیا اور گوبر (لید) اور بوسیدہ ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔

فرائض استنجاء

استنجاء میں دو باتیں فرض ہیں۔ ناپاکی کا دور کرنا اور ناپاکی دور کرنے والی چیز کا پاک ہونا یعنی وہ لید یا اور کوئی دوسری گندگی نہ ہو' اور جب پاک کرنے والی چیز استعمال کی جارہی ہو تو وہ اس کا دوبارہ استعمال نہ ہو۔ (یعنی وہ پہلے استعمال نہ کی جاچکی ہو)۔ کسی مردے (مردار) کی ہڈی نہ ہو' استنجا میں ڈھیلے کے طاق عدد ہوں یعنی تین پانچ یا سات' پتھروں (ڈھیلوں) کے استعمال کے بعد پانی کا استعمال سنت ہے جب مذکورہ بالا آیات کا نزول ہوا تھا تو ان لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا گیا (کہ تم طہارت کس طرح کرتے ہو) تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ ڈھیلوں کے بعد پانی کا استعمال کرتے ہیں' بائیں ہاتھ سے استنجا کرنا سنت ہے' اسی طرح استنجاء کے بعد مٹی سے ہاتھ رگڑنا (صاف کرنا) بھی سنت ہے' یہ اسی صورت میں ہے کہ جب استنجا کرنے والا صحرا میں ہو اور وہاں کی زمین اور مٹی پاک ہو۔

استنجا کیسے کیا جائے

استنجا کرتے وقت پہلے' بائیں ہاتھ میں ڈھیلا پکڑے اور اس کو نجاست سے آلودہ ہونے سے پہلے مقعد کے منہ پر رکھ دے اور کے طریقے پر اس ڈھیلے کو گزارے تاکہ نجاست ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو' اور اس عمل کو اس وقت تک جاری رکھے کہ مخرج کے آخری حصہ تک پہنچ جائے' اب دوسرا ڈھیلا لے اور مقعد کے آخری حصے سے لے کر اس کو ابتدائی حصہ تک مس کرتا ہوا لائے' اس کے بعد تیسرا ڈھیلا لے اور اس کو مقعد پر یا برز کے کناروں پر چاروں طرف پھرائے تاکہ اطراف میں نجاست باقی نہ رہے۔ اگر تکونے ڈھیلے (یا پتھر) سے بھی استنجاء کیا جائے تو بھی درست ہے' پیشاب سے فراغت کے بعد استنجا اس طرح کرے کہ اپنے ذکر کو حشفہ تک تین بار کھینچے لیکن آہستہ آہستہ کہ اگر پیشاب کا کوئی قطرہ اندر باقی ہو تو وہ بھی باہر آجائے پھر تین بار ذکر کو ہلائے (تاکہ بول کے .بقیہ قطرات حشفہ تک آجائیں) پیشاب کا استنجا کرنے میں احتیاط سے کام لے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر کو جھاڑنے سے پہلے تین بار کھنکارے (گلا صاف کرے) اور پھر مٹھارے (ہلائے یا جھاڑے) اس کی وجہ یہ ہے کہ حلق سے عضو تک رگیں گئی ہوئی ہیں کھنکارنے سے رگیں جنبش کرتی ہیں اور بول جو کچھ پیشاب کی نالی میں رہ جاتا ہے وہ اس جھٹکے اور جنبش سے نکل آتا ہے اس وقت اگر چند قدم ٹہلے اور چلے اور کھنکارنے میں بیشی کرے تو جائز ہے۔ (کہ چلنے اور کھنکارنے میں قطعی طور پر بقیہ قطرات باہر نکل آتے ہیں) لیکن حدود علم کو ملحوظ رکھے اور وسوسوں سے شیطان کو دخول کا موقع نہ دے (نفسانی خیالات کو اس وقت دل میں جگہ نہ دے) کہ وہ وقت کو ضائع کرے پھر تین بار یا تین بار سے زیادہ عضو مخصوص کی مالش کرے یہاں تک کہ تری کا اثر جاتا رہے۔ بعض صوفیہ نے ذکر کو دودھ والے پستان سے تشبیہہ دی ہے اور کہا ہے کہ جس طرح دودھ والے پستان سے کچھ نہ کچھ دودھ نکلتا رہتا ہے اسی طرح ذکر میں بھی ہمیشہ نمی بول کی

موجود رہتی ہے بہرحال اس کے لئے مناسب حد طاق رکھی جائے' ذکر کا مسح بھی پاک مٹی یا پاک ڈھیلے سے ہوتا ہے' اگر عضو مخصوص کے چھوٹے ہونے کے سبب سے ڈھیلا پکڑنے کی ضرورت ہو تو ڈھیلا داہنے ہاتھ میں لے لے اور ذکر کو بائیں ہاتھ میں لے کر اس پر رگڑے لیکن خیال رہے کہ جنبش بائیں ہاتھ کو ہو داہنے ہاتھ کو نہ ہو تاکہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے کا اطلاق نہ ہو سکے۔ ڈھیلے کے استنجا سے فراغت کے بعد پانی سے استنجا کرنا چاہئے تو جگہ بدل لینا چاہئے' ڈھیلے یا پتھر سے استنجا اس وقت تک کرتا رہے کہ حشفہ کے سرے پر پیشاب کے قطروں کا پھیلاؤ ختم ہو جائے' بہرحال پیشاب کے سلسلہ میں طہارت کا خیال نہ رکھنے پر سخت وعید ہے جو اس حدیث میں موجود ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر سے گذرے تو فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب کیا جا رہا ہے اور یہ دونوں کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ایک شخص تو پیشاب کے بعد اچھی طرح استنجاء نہیں کرتا تھا اور دوسرا شخص سخن چینی (لگائی بجھائی) کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ترو تازہ شاخ کی چھڑی طلب فرمائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں کی مٹی میں گاڑھ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ لکڑیاں خشک نہ ہوں اس وقت تک شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو آپ اتنی دور چلے جاتے کہ آپ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور ہم لوگوں سے کافی دور نکل گئے۔ ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اس طرح نزول فرماتے تھے جیسے کوئی شخص گھر میں آتا ہے۔ اس وقت آپ کسی دیوار' ٹیلے یا پتھروں کی اُوٹ میں ہو جاتے تھے۔

دامن سے اوٹ کرنا چاہئے

اسے موقع پر آدمی کو جنگل میں اپنے کجادہ سے پردہ کر لینا چاہئے یا اپنے دامن سے اوٹ کر لے بشرطیکہ کپڑے پر چھینٹ پڑنے کا اندیشہ نہ ہو' پیشاب ہمیشہ نرم زمین پر یا ڈھلان پر کرنا چاہئے کہ یہ مستحب ہے!

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے منقول ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ کو پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آئی پس آپ ایک دیوار کی جڑ میں نرم زمین دیکھ کر بیٹھ گئے اور آپ نے پیشاب سے فراغت حاصل کی' اس کے بعد آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ نرم زمین یا ڈھلوان جگہ تلاش کرے اس وقت مناسب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے اور نہ سورج یا چاند کے سامنے منہ ہو البتہ مکان میں قبلہ رو بیٹھنا مکروہ نہیں ہے' اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اس سے گریز کرے بعض فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے اس وقت تک نہ اپنے کپڑے کو اٹھائے اور نہ سمیٹے نہ ہوا کے رخ پر بیٹھے کہ چھینٹ

پڑنے کا احتمال ہے کسی شخص نے ایک صحابیؓ سے جو بدوی تھے، جھگڑا کرتے وقت کہا کہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم کو قضائے حاجت کا بھی ڈھنگ نہیں آتا، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے باپ کی قسم! میں اس معاملہ میں خوب ہوشیار ہوں اور خوب اچھی طرح اس کا طریقہ جانتا ہوں تو اس شخص نے کہا ذرا بیان تو کرو، تو انھوں نے کہا کہ اس وقت انسان سے دور رہو، ڈھیلے تیار رکھو، گھاس کی طرف منہ اور ہوا کے رخ کی طرف پیٹھ کرو، ہرن کی طرح اکڑوں بیٹھو، سرین کو اونچا کرو اور شتر مرغ کی طرح جلد قضائے حاجت سے فارغ ہو جاؤ اور استنجا سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھو!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَحَصِّنْ فَرْجِيْ مِنَ الْفَوَاحِشِ ○

"اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمدؐ پر درود بھیج اور ریا سے میرے دل کو پاک فرمادے اور فواحش سے میری شرمگاہ کو محفوظ فرما۔"

عبد اللہ بن معقلؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آدمی غسل خانے میں پیشاب کرے، عام وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ابن مبارکؒ کا قول ہے کہ اگر غسل خانے میں پانی جاری ہو تو وہاں پیشاب کر سکتا ہے۔ جب بیت الخلا ہو تو اس میں داخل ہونے کے لئے پہلے بایاں پاؤں رکھے اور اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دُعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ○

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کے ساتھ پلیدی اور پلید چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں۔"

ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب سہروردیؒ نے بواسطہ رواۃ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ حشوش محتضرہ ہیں تو جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو اس کو کہنا چاہئے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" اور چاہئے کہ خرما کے درختوں کے جھنڈ سے آڑ کرے (ان کی اوٹ میں بیٹھے) پہلے لوگ ان ہی حشوش کی اوٹ میں قضائے حاجت کرتے تھے اس وقت گھروں میں بیت الخلاء نہیں تھے اور محتضرہ سے مراد یہ ہے کہ وہاں شیطان آتے ہیں (پس تعوذ پڑھنا چاہئے)۔

رفع حاجت کے لئے بیٹھتے وقت بائیں پاؤں کے بل بیٹھے اور ہاتھ سے کچھ شغل نہ کرے، نہ بیت الخلاء کی زمین یا دیواروں پر لکیریں کھینچے اور اپنی شرمگاہ کو بار بار نہ دیکھے البتہ ضرورتاً دیکھ سکتا ہے اور نہ اس وقت گفتگو کرنا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"دو شخص قضائے حاجت کے لئے اس حالت میں نہ نکلیں کہ وہ اپنی شرمگاہیں کھولے ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے۔"

بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی مَا یُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی عَلٰی مَا یَنْفَعُنِیْ ○

"اس رب جلیل کا شکر ہے جس نے اذیت پہنچانے والی چیز کو مجھ سے دور کیا اور جو چیز مجھے فائدہ دیتی ہے اس پر مجھے باقی اور قائم رکھا۔"

رفع حاجت کو جب جائے تو اپنے ساتھ سونے کی کوئی چیز جس پر اللہ کا نام کندہ ہو مثلاً انگوٹھی وغیرہ نہ لے جائے اور نہ برہنہ سر رفع حاجت کو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے والد محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شرماؤ' کہ جب میں بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو اپنے رب جلیل سے شرما کر اپنی پیٹھ جھکا لیتا ہوں اور اپنا سر ڈھک لیتا ہوں۔

باب 34

آداب وضو اور اس کے اسرار

جب وضو کیا جائے تو اسے مسواک سے شروع کرے۔ ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردیؒ چند رواۃ کے ساتھ جناب خالد بن جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر میں اپنی امت پر دشوار تر نہ جانتا تو عشاء کی نماز تہائی رات تک موخر کرتا اور ہر فرض نماز کی ادائیگی کے وقت مسواک (کرنے) کا حکم دیتا۔

مسواک کی صفت

حضرت امام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروری ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مسواک منہ کو پاک کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب شب کو بیدار ہوتے تو مسواک سے دہن مقدس کو پاک اور پاکیزہ فرماتے۔ (1) ہر نماز اور ہر ایک وضو کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے اور جب منہ بند رہنے سے منہ کا مزہ بدل جائے اس وقت بھی مسواک کرنا چاہئے (2) ۔ (خواہ وضو نہ کرنا ہو) جب دانت اوپر تلے چڑھے رہتے ہیں تو منہ کا مزہ بدل جاتا ہے۔

روزہ دار کے لئے زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے قبل از زوال مستحب ہے۔ غسل جمعہ اور تہجد کے وقت بھی (شب کو) تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہونے پر) مسواک کرنا مستحب ہے۔ مسواک کرنے سے پہلے خشک مسواک کو پانی میں تر کرے اور تر ہو جانے کے بعد دانتوں کے طول و عرض میں اسے ملے یا رگڑے اگر یہ کام اختصار سے کرنا ہے تو مسواک غرض میں کرے۔ جب مسواک سے فارغ ہو جائے تو اس کو دھو ڈالے اور وضو کرنے کے لئے بیٹھے۔

وضو کا طریقہ اور اس کی دعائیں

وضو کے لئے جب بیٹھے تو قبلہ رو بیٹھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کرے اور یہ پڑھے:

---

(1) یشوص فاہ بالسواك ص 393 شوص بمعنی ملنا، رگڑنا۔

(2) ازم کے معنی ہیں دانتوں کو ایک دوسرے پر رکھنا۔ جب منہ بند ہوتا ہے تو دانت ایک دوسرے پر چڑھے رہتے ہیں اس لئے منہ بند کرنے کو ''ازم'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هُمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ○

"اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں اور ان کے حاضر ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

جب ہاتھ دھونے لگے تو یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرْكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهَلَكَةِ ○

"الٰہی! میں تجھ سے یمن و برکت کا طالب ہوں اور نحوست و ہلاکت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

کلی کرتے وقت یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَعِنِّیْ عَلٰى تِلَاوَةِ كِتَابِكَ وَ كَثْرَةِ الذِّكْرِ لَكَ ○

"الٰہی! تو حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی اولاد پر درود بھیج اور اپنی کتاب کی تلاوت اور بکثرت ذکر کرنے پر میری مدد فرما۔"

ناک میں پانی چڑھاتے وقت اور دھونے کے وقت یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَوْجدنی رَائحته الجنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّی راضٍ ○

"الٰہی! تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیج اور مجھ سے خوش ہو کر مجھے جنت کی خوشبو سونگھا دے!"

جب منہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَيِّضْ وَجْهِیْ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَائِكَ وَلَا تَسْوَدِّ وُجُوْهُ اَعْدٰئِكَ ○

"الٰہی! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیج اور میرے منہ کو روشن فرما اس دن جب کہ تو اپنے دوستوں کے چہروں کو روشن فرمائے گا۔ الٰہی! میرے منہ کو سیاہ نہ کرنا جس دن تو اپنے دشمنوں کے منہ سیاہ کرے گا۔"

جب دایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاٰتِنِیْ كِتَابِی وبِيَمِيْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○

"الٰہی! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل پر درود بھیج اور مجھے میری کتاب (اعمال نامہ) سیدھے ہاتھ میں دینا اور مجھ سے آسان حساب لینا۔"

جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُؤْتِيَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْمِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ!

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس وقت سے جب کہ تو میری کتاب (نامہ اعمال) میرے بائیں ہاتھ میں دے یا میری پیٹھ کے پیچھے سے'

اور جب سر کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَغَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلَ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ ○

"الٰہی! محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی آل پر درود بھیج اور مجھے اپنی رحمت میں چھپالے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما اور مجھے اپنے عرش کے سایہ میں سایہ گیر بنا جس دن تیرے عرش کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔"

کانوں کے مسح کے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ يَّسْمَعُ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُ اَحْسَنَهٗ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِی الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ ○

گردن کے مسح کے وقت یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ فُكَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ ○

"الٰہی میری گردن کو آگ کے عذاب سے چھڑا دے اور میں (جہنم کی) بیڑیوں اور زنجیروں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

دایاں پاؤں جب دھونے لگے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ مَعَ الْاَقْدَامِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (1)

"الٰہی! حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی اولاد پر درود بھیج اور میرے قدم کو (پل) صراط پر مومنین کے قدموں کے ساتھ قائم رکھنا۔"

جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَعُوْذُبِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَنِ الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِيْنَ ○

---

(1) یہ تمام ادعیہ ماثورہ نہیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے وضو تسمیہ سے فرماتے اور ختم کے وقت تشہد پڑھتے۔ بہرحال اگر یہ تمام دعائیں پڑھی جائیں تو موجب ثواب ہے ممکن ہے کہ طریق سہروردیہ میں یہ تمام دعائیں رائج ہوں۔

"الٰہی! حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر درود بھیج اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میرے قدم کو صراط سے لغزش ہو جس دن اس پر منافقین کے قدم ڈگمگائیں گے۔"

جب وضو سے فارغ ہو جائے تو آسمان کی جانب سر بلند کر کے یہ دعا پڑھے:

اَشْهَدُ ان لا اِلٰهَ الاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ عَمَلْتُ سُوْءِ وَظَلَمْتُ نَفْسِىْ اَستغفرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ فَاغْفِرْلِىْ وَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم ○ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِى صُبُوْراً وَّشَكُوْراً وَّاجْعَلْنِى اَذْكُرُكَ كَثِيْراً واُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً ○

وضو کے فرائض

(1) منہ دھونے کے وقت نیت کرنا (1)

2۔ منہ دھونا۔ منہ یا چہرے کی حدیں یہ ہیں' چہرے کی ابتدائی سطح سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک تمام حصہ اور لٹکتی ہوئی داڑھی' ایک کان سے دوسرے کان تک عرض میں اور وہ سفیدی بھی جو دونوں کانوں کے اور داڑھی کے درمیان ہے اور پیشانی کی جگہ جہاں بال نہ ہوں اور جہاں بالوں سے کھلی ہوئی جگہ ہو' یہ حصے پیشانی کے دونوں طرف ہیں (عام طور پر ان کو کنپٹی کہا جاتا ہے) ان دونوں حصوں کا بھی منہ کے ساتھ دھونا مستحب ہے' تحذیف کے بالوں یعنی چہرے کے بالوں (کاکلوں) تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ چگی داڑھی' مونچھوں' بھوؤں اور دونوں طرف کے گل مچھوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے اور اس کے علاوہ ضروری نہیں البتہ داڑھی اگر ہلکی ہو (گھنی نہ ہو) تو کھال تک پانی پہنچانا ضروری ہے' منہ دھونے میں آنکھوں کے کونے میں جو سرمہ جمع ہو جاتا ہے اس کو بھی صاف کر دے۔

3۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا' دونوں ہاتھوں کے دھونے میں دونوں کہنیاں بھی شامل ہیں اور آدھے آدھے بازوؤں تک ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے' اگر ناخن اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ پوروں سے نکل گئے ہیں تو اس صورت میں ناخنوں کا اندرونی رخ بھی دھونا قول اصح کے مطابق واجب ہے۔

4۔ سر کا مسح کرنا۔ (2) سر کا مسح اسی حد تک کرنا چاہئے جہاں تک اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی جس کو مسح کہا جاتا ہے یعنی سر کے جزو پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ مسح اس طرح کرے کہ داہنے اور بائیں ہاتھ کی

(1) احناف میں نیت وضو' فرائض وضو میں داخل نہیں ہے۔ فقہ شافعی میں فرض ہے۔

(2) احناف میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔

انگلیوں کو ملائے اور ان کو سر کے اگلے رخ پر رکھے پھر ان کو گدی تک کھینچتا ہوا لائے اور پھر ان کو وہاں تک واپس لے آئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔ انگلیوں کو آگے لے جاتے وقت اور پیچھے لے جاتے ہوئے دونوں حصوں کی تری کو نصف نصف استعمال کرے (آگے اور پیچھے کو۔ وَینصف بلل الکفین مستقبلاً و مُستَدبراً)۔

5- دونوں پاؤں کا دھونا (وضو کا یہ پانچواں فرض ہے پاؤں دھونے میں دونوں ٹخنوں کا دھونا بھی شامل ہے' آدھی آدھی پنڈلی تک دونوں پاؤں کا دھونا مستحب ہے۔ اگر صرف ٹخنوں تک پاؤں دھوئے تو یہ بھی کافی ہے (وَیقنع غسل القدمین من الکَعْبَیْن) دونوں پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ضروری ہے' خلال اس طرح کریں کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) سے دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر (بالترتیب) ختم کیا جائے۔ اگر پاؤں پھٹے ہوئے ہوں (جگہ جگہ بوائی ہو)۔ تو اس پھٹے ہوئے حصے میں بھی پانی پہنچانا ضروری ہے یا اگر اس پر کوئی چیز مثلاً چربی یا آٹا لگا ہو تو اس کا دور کرنا بھی ضروری ہے۔

6- اس ترتیب سے وضو کیا جائے جس ترتیب سے قرآن پاک میں مذکور ہے۔ یہ چھٹا فرض ہے۔ (3)

7- ساتواں فرض یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم قول کے مطابق اعضائے مذکور کو بغیر کسی وقفہ کے دھویا جائے) (1) (پے در پے) جس کی حد یہ ہے کہ معمولی ہوا میں ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دھو لیا جائے۔

وضو کی سنتیں

وضو میں تیرہ 13 سنتیں ہیں اور وہ یہ ہیں:

1- وضو کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا جائے۔

2- دونوں ہاتھوں کو کلائی تک (پہلے دھو لینا)۔

3- کلی کرنا' اس طرح کہ پانی حلق تک پہنچ جائے! روزہ دار کو غرغرہ اور استنشاق میں احتیاط لازمی ہے۔

4- ناک میں پانی ڈالتے وقت اس کی اچھی طرح صفائی کرنا اور اس طرح پانی چڑھانا کہ وہ نتھنوں تک پہنچ جائے۔

5- گھنی داڑھی کا خلال کرنا۔

6- انگلیوں کا کھول کر خلال کرنا۔

7- دائیں طرف سے خلال کی ابتداء کرنا۔

8- کہنیوں اور ٹخنوں کا (ان کی حد سے) آگے تک دھونا۔

---

(3) اول چہرہ دوم ہاتھ سوم سر کا مسح چہارم پاؤں قرآنی ترتیب ہے۔

(1) احناف کے نزدیک یہ فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔

9- پورے سر کا مسح کرنا۔

10- کانوں کا مسح کرنا۔

11- ہر عضو کا تین مرتبہ دھونا۔

12- قول امام شافعیؒ کے مطابق اعضاء وضو کا پے در پے دھونا۔

13- تین دفعہ سے زیادہ اعضائے وضو کا نہ دھونا۔

وضو کے مستحبات

وضو کے مستحباب یہ ہیں کہ ہاتھوں کو نہ جھٹکا جائے' دوران وضو میں گفتگو نہ کی جائے پانی طپانچے کی طرح نہ مارے' تازہ وضو کرنا بھی مستحب ہے لیکن پہلے وضو سے جتنی نمازیں پڑھ سکتا ہے پڑھ لے ورنہ اس میں کراہت ہے۔

(و تجدید الوضوء مستحب بشرط اَن یُصلی بالوضوء مَا تیسَّر والا فمکروہٗ)

(عوارف المعارف طبع بیروت ص 296)

باب 35

اہل خصوص و صوفیہ کے آداب وضو

احکام وضو سے آگاہی کے بعد، صوفیہ کے بھی چند آداب وضو سے واقفیت ضروری ہے، صوفیہ کے آداب وضو میں ایک یہ ہے کہ اعضائے وضو کو دھوتے وقت حضور قلب کو برقرار رکھا جائے! میں نے ایک بزرگ کا یہ ارشاد سنا ہے "اگر وضو میں حضور قلب میسر ہو گا تو نماز میں بھی حضور قلب حاصل ہو گا۔ اور اس میں کوئی سہو ہو گیا (وضو بالکل درست حضور قلب کے ساتھ نہیں ہوا) تو نماز میں وسوسے پیدا ہوں گے۔

وضو پر مداومت (یعنی ہمیشہ باوضو رہنا) بھی ان کے آداب میں سے (1) ہے۔ وضو مومن کا ایک ہتھیار ہے تو جب اعضاء و جوارح وضو کے زیر نگرانی اور تحت حفاظت آجاتے ہیں تو صاحب وضو شیطان (کے حملوں) سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضرت عدیؓ بن حاتم کا حال!

جناب عدی بن حاتم طائی فرماتے ہیں، میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے میں ہر نماز کے وقت باوضو ہوتا ہوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت سے میری عمر آٹھ سال تھی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے میرے فرزند!" اگر تم سے ہو سکے تو ہر وقت باوضو رہا کرو، کیونکہ اگر کسی شخص کو اس حالت میں موت آجائے (کہ وہ باوضو ہے) تو اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہو گا۔

پس دانشمند کا شیوہ یہی ہے کہ وہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہتا ہے اور موت کی تیاری کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ ہر وقت باوضو رہے (طہارت کو ضروری سمجھے) شیخ حصریؒ فرماتے ہیں کہ جب میں رات کو جاگتا ہوں تو اسی دم اٹھ کر تازہ وضو کرتا ہوں کہ اگر دوبارہ نیند آجائے تو میں باوضو ہوں۔

میں نے شیخ ابو علی الہیتمیؒ کے ایک ساتھی سے یہ سنا ہے کہ شیخ موصوف تمام رات بیٹھے رہتے تھے جب نیند کا غلبہ ہوتا تو اس وقت بھی اس طرح بیٹھے رہتے (بیٹھے بیٹھے سو جاتے) جب بیدار ہوتے تو کہتے کہ میں بے ادبی نہیں کروں گا اور تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے۔

---

(1) یہ آداب صوفیہ و آداب اہل خصوص میں (وَمِن آدَابِهِم استدامةِ الوضو)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا "اے بلال! مجھے بتاؤ کہ مسلمان ہونے کے بعد تم نے سب سے اچھا کام کونسا کیا ہے کہ میں نے (شب معراج میں) جنت کے اندر اپنے آگے تمہارے جوتے کی آواز سنی تھی' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عہد اسلام میں میں نے جتنے کام کئے ہیں ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ تسکین و اطمینان یہی کام ہو سکتا ہے کہ رات یا دن کے کسی حصہ میں جب میں نے وضو کیا تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا' میں نے نمازیں پڑھی ہیں۔

صوفیہ پانی کم استعمال کرتے ہیں

صوفیہ کی طہارت میں ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ پانی کے استعمال میں اسراف نہیں کرتے اور اپنے علم کی حد پر قائم رہتے ہیں (جس قدر پانی خرچ کرنے کا حکم ہے اتنا ہی خرچ کرتے ہیں) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کا بھی ایک شیطان ہوتا ہے جس کا نام "ولہان" ہے لہٰذا تم پانی کے وسوسوں سے پرہیز کرو۔

شیخ عبداللہ روذباریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کوشش کرتا ہے کہ فرزندان آدم کے تمام کاموں میں شریک ہو کر اپنا حصہ حاصل کرلے' اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کو یہ حصہ کس طرح ملتا ہے' لوگوں کے احکام الٰہی میں زیادتی کرنے سے یا کمی کرنے سے (اس کو یہ حصہ ملتا ہے)۔

غسل سے بچنے پر نفس کو سزا

شیخ ابن الکرنیؒ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک رات وہ جنبی ہو گئے (غسل جنابت کی ضرورت پیش آئی) اس وقت ایک بہت ہی موٹا پیوند لگا خرقہ پہنے ہوئے تھے' جب وہ دریائے دجلہ پر آئے تو اس وقت بہت سخت سردی تھی' وہ اس وقت پانی میں داخل ہونے سے ہچکچائے (نفس نے سخت سردی میں غسل کرنے سے روکا) تو وہ اسی وقت مع خرقہ کے پانی میں کود پڑے پھر جب غسل کرکے پانی سے باہر نکلے تو فرمایا میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ جب تک یہ خرقہ میرے جسم پر خشک نہ ہو جائے میں اس کو نہیں اتاروں گا۔ چونکہ وہ خرقہ بہت ہی موٹا تھا اس وجہ سے وہ اس کو ایک مہینے تک گیلا ہی پہنے رہے (ایک مہینے کے بعد وہ خشک ہوا) اور اس طرح انہوں نے اپنے نفس کو سرکشی کی قرار واقعی سزا دی۔

کہتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اپنے اصحاب کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ وہ پانی تو بہت پئیں لیکن اس کو زمین پر نہ پھینکیں' ان کا خیال تھا زیادہ پانی پینے سے نفس کمزور ہو جاتا ہے اور شہوات مردہ ہو جاتی ہیں اور قوت شکستہ ہو جاتی ہے۔

صوفیہ حضرات وضو کے لئے پانی محفوظ رکھنے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے' کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خواصؒ اگر کسی جنگل میں جاتے تو ان کے ساتھ صرف ایک مشکیزہ پانی کا جاتا تھا اور بہت ہی کم پانی پیتے تھے وضو کے لئے بچا کر رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ سے کوفہ تشریف لے جاتے اور ان کو تیمم کی حاجت نہیں ہوتی تھی' (پانی سے وضو کیا کرتے تھے) کیونکہ وہ وضو کے لئے پانی بچا کر رکھتے تھے اور بہت ہی کم پانی پینے میں استعمال کرتے تھے۔

اور ارباب تصوف نے کہا ہے کہ جب تم کسی ایسے صوفی کو دیکھو (کہ سفر میں) اس کے پاس مشکیزہ یا چھاگل نہیں ہے تو سمجھ لو کہ اس نے ترک صلوٰۃ کا ارادہ کرلیا ہے' خواہ وہ انکار کرے یا اقرار!

ایک بزرگ نے خود کو طہارت کا اس قدر پابند بنالیا تھا کہ ایک بار انہوں نے چند صوفیہ کے ساتھ ایک جگہ کئی روز تک قیام کیا لیکن کوئی یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ کسی وقت بھی بیت الخلاء گئے ہوں اس کی صورت یہ تھی کہ جب تمام درویش چلے جاتے تھے تب وہ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ آداب طہارت کے سختی سے پابند رہیں۔

کمال طہارت

حضرت شیخ ابراہیم الخواصؒ کارے کی جامع مسجد میں حوض کے اندر انتقال ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کو (علت البطن) پیٹ کی بیماری تھی' جب اٹھتے تو ان کو غسل کرنا پڑتا تھا۔ حسب معمول وہ ایک مرتبہ غسل کے لئے گئے اور حوض ہی میں تھے کہ وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح انہوں نے اپنی طہارت کی پابندی آخری لمحات زندگی تک برقرار رکھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک بار ایک رات میں ستر مرتبہ سے زیادہ اٹھنے کی حاجت ہوئی اس کے باوجود انہوں نے ہر بار تازہ وضو کیا اور ہر وضو پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

ایک اور بزرگ نے خود کو طہارت پر اتنا پابند کرلیا تھا کہ ان کی ریح صرف قضائے حاجت کے وقت ہی خارج ہوتی تھی وہ خلوت و جلوت میں طہارت کے آداب کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔

وضو کے بعد رومال یا تولیہ کا استعمال

وضو کے بعد رومال یا تولیہ سے اعضاء کا خشک کرنا بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے ان کا قول ہے کہ اعمال کی طرح وضو کا بھی وزن کیا جائے گا لیکن دیگر حضرات نے اس کی رخصت دی ہے اور اپنے اس قول رخصت پر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد اپنے اعضاء کو خشک کرتے تھے (پونچھتے تھے)" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ وضو کے بعد اپنے روئے انور کو اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھا کرتے تھے۔ (مسح وجههٗ بطرف ثوبه)۔

صوفیہ حضرات کی تطہیر باطنی

صوفیائے کرامؒ اپنے باطن کو صفات مذموم سے پاک کرنے میں بہت اہتمام کرتے تھے لیکن ظاہری طہارت میں وہ حد علم

(احکام شریعت) سے تجاوز نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کیا (من حرۃ نصرانیہ) باوجودیکہ آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ لوگ (عیسائی) شراب سے پرہیز نہیں کرتے ہیں لیکن آپ نے یہ کام (وضو) ظاہری حالت اور طہارت کی بنیاد پر کیا۔

اکثر صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) زمین پر جانماز (مصلیٰ) کے بغیر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور بازاروں میں اکثر برہنہ پا چلتے تھے۔ اسی طرح سوتے وقت بھی زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے (کسی فرش یا بستر کا اہتمام نہیں کرتے تھے) اور استنجا کے وقت بھی اکثر صرف ڈھیلوں اور پتھروں پر اکتفا کرتے تھے۔ وہ طہارت کے موقع پر آسان اور سہل طریقے پر عمل فرماتے تھے، لیکن باطنی طہارت میں بڑا اہتمام فرماتے تھے، ایسا ہی کچھ حال صوفیہ کا ہے کبھی کبھی بعض صوفی طہارت میں بڑی شدت سے کام لیتے ہیں اور اس کی بڑی وجہ نفس کی رعونت اور سرکشی ہوتی ہے کہ اگر کپڑا میلا ہو گیا تو نفس تنگ ہونے لگتا ہے۔ (صوفی رنجیدہ خاطر ہوتا ہے) اس وقت وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ اس کے باطن میں کس قدر بغض، کینہ، کبر و غرور اور ریا و نفاق بھرا ہے (پہلے تو باطن کو ان ذمائم اخلاق سے پاک کرے تب اپنے میلے لباس پر رنج کرے) یعنی میلے لباس کی تو پروا ہے لیکن باطن کے میل کچیل کا اس کو کچھ خیال نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی شخص ننگے پاؤں چل پھر رہا ہے تو اس پر معترض ہوتے ہیں حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے لیکن غیبت کرنے کو برا نہیں سمجھتے جس سے ان کا دین خراب اور تباہ و برباد ہوتا ہے یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ ان میں علم کی کمی ہے اور انہوں نے ان راست گفتاروں کی صحبت سے ادب حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے جو علمائے راسخین ہیں۔

حضرات صوفیہ کا اہتمام طہارت

صوفیہ حضرات طہارت میں جو اہتمام کرتے ہیں اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ وہ استنجا کرتے وقت عضو مخصوص کی مالش کثرت سے نہیں کرتے اور ان کی نظر میں یہ عمل مکروہ ہے اس لئے کہ اس عمل سے رگیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور پیشاب بار بار آتا ہے اور "قطرے" کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ (جو طہارت میں مانع ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ گریز کرتے ہیں)۔

وضو اور طہارت میں صوفیہ کے اہتمام کے سلسلہ میں ابو عمر رجاجیؒ کا واقعہ قابل ذکر ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں تیس برس تک قیام پذیر (مجاور) رہے لیکن اس مدت میں انہوں نے حرم میں کبھی قضائے حاجت نہیں کی، بلکہ بیرون حرم جایا کرتے تھے، اور وہ کم سے کم ڈھائی کوس کا فاصلہ رکھا کرتے تھے، اسی طرح یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک بزرگ کے منہ پر زخم تھا اور اس زخم کو پانی مضر تھا لیکن ہر نماز کے وقت وہ تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ جس کے باعث بارہ برس تک وہ زخم نہیں بھرا (مندمل نہیں ہوا) اسی طرح ایک بزرگ کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا لوگ ان کے پاس طبیب کو لائے اور ان کے معالجے کے لئے طبیب کو بہت کچھ دیا لیا۔ طبیب نے کہا کہ علاج ہو جائے گا لیکن اس کے لئے وضو ترک کرنا پڑے گا۔ اور پیٹ کے بل لیٹنا پڑے گا۔ ان بزرگ نے علاج سے انکار کر دیا اور انہوں نے ترک وضو کے مقابلہ میں بینائی کا جاتا رہنا گوارا کر لیا۔

باب 36

فضیلت نماز۔۔۔۔۔اور اس کی مکرمت و بزرگی

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں ایسی چیزیں پیدا فرمائیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جنت عدا،
کلام کر! تو اس نے تین بار کہا:"

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○
"ان مومنوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خضوع و خشوع کرتے ہیں۔"

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس زوال آفتاب کے وقت آئے اور انہوں نے میرے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔

کہا جاتا ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ "صلی" سے مشتق ہے اور وہ آگ ہے' چنانچہ جب ہم کسی ٹیڑھی لکڑی کو سیدھا کرنا چاہتے تو اس کو آگ دکھاتے ہیں (آگ کے قریب لے جاتے ہیں) اور وہ اس کی تپش سے سیدھی ہو جاتی ہے اسی طرح انسان میں اس کے نفس کے سبب سے کجی ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے اور ذات الٰہی کے انوار ایسے ہیں کہ اگر اس پر سے پردے ہٹا دیئے جائیں جو چیز بھی وہاں موجود ہو گی اس کو جلا ڈالیں گے' پس جب مومن سطوت الٰہی اور عظمت ربانی کے شعلہ سے سینک جاتا ہے تو اس سے (نفس کی) کجی دور ہو جاتی ہے بلکہ اس کو دولت معراج حاصل ہو جاتی ہے پس مصلی بھی اسی طرح ہوا جیسے کوئی آگ سے سینکتا ہے۔ لہٰذا جس شخص نے صلوٰۃ کی آگ سے سینک پائی اور اس کے سبب سے اس کی کجی دور ہو گئی تو ایسا شخص جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا مگر یہ صرف قسم پوری کرنے کے لئے (اس کو پل صراط سے گزرنا ہو گا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں بانٹ دیا ہے چنانچہ جب میرا بندہ کہتا ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میرے بندے نے میری تعظیم کی اور جب وہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" میرے بندے نے میری حمد کی اور جب وہ کہتا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے نے

سب کام میرے سپرد اور میرے حوالے کر دیئے ہیں اور جب وہ کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ تو اس وقت معبود برحق فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان (معاملہ) ہے۔ جب وہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ کہتا ہے تو خداوند بزرگ و برتر فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور جو کچھ اس نے طلب کیا وہ پورا ہو گا (اس کو عطا ہو گا) پس نماز میرے اور اس کے درمیان ایک پیوند اور تعلق ہے۔

خضوع و خشوع کی اہمیت

چونکہ نماز خداوند تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق کو استوار کرتی ہے اس لئے بندے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس تعلق میں خضوع و خشوع کا اظہار کرے تاکہ اس کے جذبہ بندگی پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا دبدبہ اور سطوت قائم رہے' منقول ہے کہ جب کسی چیز پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو وہ شئے اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع و خضوع کرتی ہے۔ اور جو شخص نماز میں واصل بحق ہو اس کے لئے افق جمال سے تجلی نمودار ہوتی ہے تو وہ خشوع و خضوع کرتا ہے اور نجات و رستگاری انہی لوگوں کے لئے ہے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں' اگر دل میں خشوع کا زوال ہو گا تو فلاح کا زوال بھی ہو گا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تم میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔" پس جب نماز ذکر خداوندی کے لئے ہو گئی تو اس میں لہو و نسیان کا کس طرح گزر ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ میں ہو' یہاں تک کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

یعنی جسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے وہ کس طرح ذکر الٰہی کر سکتا ہے یعنی ایک متوالا اور مدہوش کچھ کہتا ہے اور عقل موجود نہیں ہے' اور ایک غافل نماز پڑھ رہا ہے کہ اس میں بھی اس کی عقل حاضر نہیں ہے تو وہ دونوں ایک ہوئے اور غریب التفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى یہ توضیح کی گئی ہے کہ نَعْلَيْكَ سے مراد یہ ہے کہ اے موسیٰ تمہارا قصد اپنی زوجہ اور گوسفندوں کے ساتھ ہے۔ پس غیر اللہ کے ساتھ اہتمام درحقیقت نماز میں ایک نشہ ہے۔

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز پڑھتے میں (ابتدائے حال میں) اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور دائیں بائیں بھی دیکھتے تھے' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○

"وہ جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع کرتے۔"

تو ان حضرات نے اپنی نگاہیں اور اپنے منہ اس طرح نیچے کر لئے جس طرح سجدہ کرتے تھے اور اس کے بعد ان کے

بارے میں پھر کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ آسمان کی طرف یا اِدھر اُدھر نظر کرتے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے پس جب وہ کسی طرف کو ملتفت ہوتا ہے یا کسی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم کیا وہ تیرے لئے مجھ سے بہتر ہے (جس کی طرف تو دیکھ رہا ہے) میری طرف منہ کر میں تیرے حق میں بہتر ہوں اس شخص سے جس کی طرف تو نے توجہ کی۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس شخص کے دل میں خضوع و خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء و جوارح بھی خضوع و خشوع کرتے (اس نمازی کے دل میں خضوع نہیں ہے) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ "تم جس وقت نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو جس طرح ایک رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کی جانب دل سے رواں دواں ہے یعنی اس وقت وہ اپنی خواہشوں اپنی دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہے۔"

صلٰوۃ کے معنی پکارنے کے ہیں

صلٰوۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں، اور نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے تمام اعضاء اور جوارح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے' اس کے تمام اعضا زبان بن جاتے ہیں جن کے ساتھ بندہ ظاہر اور باطن میں اس کو پکارتا ہے' اس کی ظاہری حالت بھی گریہ وزاری اور خضوع میں اور نیاز مند سائلوں کی طرح گڑگڑا کر مانگنے میں اپنے باطن کی شریک ہے پس جب وہ سراپا دعا بن کر رب جلیل کو پکارے گا تو وہ اپنے بندے کی دعاؤں کو ضرور سنے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

"تم مجھے پکارو میں ضرور تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

حضرت خالد الربعیؒ نے فرمایا کہ مجھے مذکورہ بالا آیت بہت ہی پسند ہے کیونکہ اس میں بندوں کو دعا کرنے کا حکم دے کر اس نے اس کے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں رکھی۔ استجابت اور اجابت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ بندے کی دعا اثر کرے (قبول ہو) کیونکہ وہ مخلص دعا مانگنے والے کی دعا (جو اپنے نور یقین کے باعث پکارے جانے والے سے واقف ہے) تمام حجابات کو پھاڑتی ہوئی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتی ہے اور اس کی ضرورت (پورا کرنے) کا تقاضہ کرتی ہے۔

سبع مثانی یا سورۂ فاتحہ

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سورۂ فاتحہ کے نزول کے ساتھ مخصوص کرکے خصوصی احسان فرمایا ہے کیونکہ اس میں ثنا کو دعا پر مقدم رکھا گیا ہے تاکہ ثنا کے بعد جو دعا کی جائے وہ جلد قبول ہو جائے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کے ذریعہ اپنے

بندوں کو دعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے اور سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی (سات دہرائی ہوئی آیات) بھی کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ○

"اور ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔"

بعض محققین فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا نام سبع مثانی اس لئے رکھا گیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو مرتبہ نازل ہوئی، ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، جس مرتبہ بھی وہ نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس میں دوسرا ہی فہم و مدعا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس مرتبہ بھی اس کی تلاوت فرماتے ایک نیا مفہوم ہی منکشف ہوتا تھا اور یہی حال آپ کی امت کے ان نمازیوں کا ہے کہ اس سورۃ سے ان پر عجیب عجیب اسرار منکشف ہوتے ہیں ہر بار ان کے معانی کے دریا سے نئے موتی ان کے ہاتھ آتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس سورۃ کا نام مثانی اس واسطے رکھا گیا کہ دوسرے رسولوں کو عطا نہیں کی گئی اور یہ سات آیات ہیں۔

نماز میں جھولنا اور جھکنا!

اُم رومانؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے نماز میں جھکتے ہوئے دیکھا تو مجھے بہت جھڑکا، قریب تھا کہ میری نماز ٹوٹ جائے، پھر آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضور نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو چاہیئے کہ اس کے ہاتھ پاؤں یہودیوں کی طرح خم نہ ہوں، بیشک ہاتھ پاؤں کے سکون ہی نماز کا اہتمام و تکملہ ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خشوع نفاق سے پناہ مانگو (منافقانہ طرز پر خشوع نہ کرو) آپ سے دریافت کیا گیا کہ خشوع نفاق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق! جسم کا جھکنا اور جھومنا لیکن حضور قلب نہ ہونا۔ یہودیوں کے نماز میں جھومنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی باطنی کوتاہیوں کی بنا پر ان کی ظاہری حالت اور ظاہری معاملات پر بہت زور دیتے تھے، ان کے یہاں ظاہری کاموں کو زیادہ اہمیت تھی چنانچہ ان پر وحی نازل ہوئی تھی کہ وہ توریت کو سونے سے مزین اور آراستہ کریں۔

اس موقع پر میری سمجھ میں اس کی یہ توجیہہ آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عبادات کے وقت (نماز، دعا و مناجات) واردات روحانی کا نزول ہوتا تھا اور اس سے ان کے باطن میں اہتزاز کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، جس طرح پر سکون سمندر میں ہوا کی لہروں سے تلاطم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اہتزاز اور خشوع کی اور توجیہہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی کے نظارے کے لئے روح بلند ہونے کا ارادہ کرتی ہے اس وقت چونکہ روح کے ساتھ

قلب کا گہرا تعلق ہوتا ہے اس لئے روح کے ساتھ ساتھ جسم بھی جنبش میں آجاتا ہے۔ یہودیوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی تو باطنی رمز کو سمجھے بغیر وہ بھی جھومنے لگے! ان کی اس حالت پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس طرح بنی اسرائیل کے دل سے خدا کی عظمت دور ہو گئی۔ یعنی ان کے جسم تو اس کی گواہی دے رہے تھے لیکن دل سے وہ عظمت و احترام غائب تھا۔"

ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا دل غافل ہو

ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا قلب خداوند بزرگ و برتر کو اس طرح تسلیم نہ کرے جس طرح اس کے دل نے تسلیم کیا ہے' اگر اس کا دل غافل ہے اور وہ ہمیشہ نماز میں مشغول رہتا ہو تو اس کے نامہ اعمال میں اس کا حصہ بھی (شرف قبولیت میں) نہیں لکھا جائے گا۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ تکمیل فرائض کے لئے انسان سنت ہائے موکدہ کا محتاج ہے اور سنن کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے اور تکمیل نوافل کے لئے آداب سے آگاہی ضروری ہے اور ترک دینا بھی ان آداب میں سے ایک ادب ہے۔ حضرت شیخ سہل بن عبداللہ کا یہ فرمانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد اور مفہوم کی وضاحت کرتا ہے کہ ایک دن آپ نے بر سر منبر فرمایا کہ وہ آدمی اسلام میں (رہ کر) اپنے بال سفید کر دیتا ہے اور حالت اس کی یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کی تکمیل نہیں کر سکا' لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیونکر ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نماز تو پڑھتا ہے لیکن نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو خضوع و خشوع ہونا چاہئے وہ اس کی نماز میں نہیں ہوتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس حجاب کو جو اس کے اور بندے کے درمیان ہے اٹھا دیتا ہے اور اس کی ذات والا اس کے سامنے ہوتی ہے اور فرشتے بھی ان کے شانوں سے ہٹ کر ہوا میں پہنچ جاتے ہیں اور اس کی نماز کے ساتھ ساتھ وہ بھی نماز ادا کرتے ہیں اور جب وہ دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اس وقت آسمان سے اس کی سر پر قبولیت اور رضائے الٰہی کا نزول ہوتا ہے' اس وقت منادی پکار کر کہتا ہے کہ اگر نمازی کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس کے ساتھ مناجات اور سرگوشی کر رہا ہے تو وہ کسی اور طرف التفات نہ کرتا اور نہ سلام پھیرتا (نماز ختم نہ کرتا)۔

اللہ تعالیٰ نے نمازی کے لئے ایک رکعت میں وہ تمام عبادتیں جمع فرما دی ہیں جو اہل سموات (آسمانوں والوں) کے لئے الگ الگ مقسوم ہیں یعنی ان میں بہت سے ایسے ملائکہ ہیں کہ جب سے وہ پیدا ہوئے حالت رکوع میں ہیں اور قیامت تک وہ رکوع سے نہیں اٹھیں گے' بہت سے ایسے ملائکہ ہیں جو حالت سجدہ میں ہیں اسی طرح بہت سے حالت قیوم و قعود میں ہیں تو جب بندہ رکوع کرتا ہے تو وہ ملائکہ راکعین کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور جب سجدہ کرتا ہے تو سجدہ میں ملائکہ ساجدین کی صفات سے' غرضیکہ ہر ہیئت نماز میں وہ ملائکہ کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور جب سجدہ کرتا ہے تو سجدے میں ملائکہ

ساجدین کی صفات سے ' غرض یہ کہ ہر ہیئت نماز میں وہ ملائکہ کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

نمازی کو چاہیئے کہ فرائض کے علاوہ دوسری نمازوں (سنتوں اور نفلوں) میں رکوع میں دیر کرے اور رکوع کی لذت سے بہرہ اندوز ہو جتنی دیر تک ممکن ہو رکوع سے سر نہ اٹھائے اگر تبقاضائے بشریت تکان اور ماندگی اس حالت میں پیدا ہو تو استغفار کرے اور رکوع کی ہیئت کو برقرار رکھے اور کوشش کرے کہ لذت رکوع اسے حاصل ہو جائے تاکہ اس کے قلب کو بھی اس کے قالب کی طرح یہ ہیئت میسر آئے (دل بھی رکوع کی ہیئت کے رنگ میں رنگ جائے)۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض ایسے نمازیوں کو جو مخلصانہ رکوع کرتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ رکوع یا سجدے سے اٹھ کر حقیقی رکوع یا سجدے کا حق ادا نہیں کر رہا ہے تو اس وقت اس کی تمام تر توجہ اس طرف ہونا چاہیئے کہ وہ حالت رکوع میں مستغرق رہے اور دوسری ہیئت میں آنے کے لئے عجلت نہ کرے اس طرح اس کو ہر ہیئت میں مزید حظ حاصل ہو گا' عجلت جو فطرت کا تقاضہ ہے اس فتوح غیبی کے دروازے کو بند کر دیتی ہے' ایسا شخص نسیم فیض کے جھونکوں کے مقابل اس وقت تک مقیم رہتا ہے جب تک وہ مکمل طور پر فیض یاب اور فائز المرام ہو جائے جب اس موانست و قرب سے اس کے آثار وجود ہٹ جائیں گے تو وہ مقام وصال پر پہنچ جائے گا۔

نماز میں چار حالتیں اور چھ اذکار ہیں

کہا جاتا ہے کہ نماز میں چار ہیئتیں یا حالتیں ہیں اور چھ اذکار ہیں' چار حالتیں (ہیئتیں یہ ہیں) قیام' قعود' رکوع اور سجدہ! اور چھ ذکر یہ ہیں: تلاوت قرآن۔ تسبیح۔ حمد۔ استغفار دعا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔ اس طرح نماز پوری دس عبادتوں کا مجموعہ بن جاتی ہے اور یہ دسوں عبادتیں ملائکہ کے دس گروہوں پر تقسیم ہیں کہ ہر گروہ یا صف دس ہزار ملائکہ پر مشتمل ہے اب غور کرنا چاہیئے کہ نمازی کی دو رکعتوں میں وہ تمام عبادتیں جمع ہو گئیں جو ایک لاکھ فرشتوں پر منقسم ہوں گی (پس خضوع و خشوع اور نماز میں استغراق سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے)۔'

باب 37

بارگاہ خداوندی کے مقربین کی نماز

اب ہم نماز کی کیفیت، اس کی ہیئت، شرائط اور آداب ظاہری و باطنی کو بقدر وسعت فہم و شعور بیان کریں گے تفصیل سے بچنے کے لئے بزرگان دین و اسلاف کرام کے اقوال کو دوسرے ابواب کی طرح) پیش نہیں کریں گے کہ وہ اقوال بکثرت ہیں اور ان کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد ایجاز و اختصار فوت ہو جائے گا۔

ادائیگی نماز کے لئے تیاری

مسلمان کو چاہئے کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے (طہارت کی خاطر) وضو کرے، وضو کو نماز کا وقت آجانے پر موقوف نہ رکھے تاکہ وقت سے پہلے وضو کر لینے کے باعث آداب نماز کی پوری پوری پابندی ہو سکے۔

نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زوال کی پہچان ہو اور قدموں کے فرق سے بھی آگاہی ہو، اس لئے کہ دن کبھی بڑا ہوتا ہے اور کبھی چھوٹا، زوال کے سلسلہ میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک (اجسام کا) سایہ گھٹتا رہے تو وہ دن کا نصف اول ہے اور جب سایہ بڑھنے لگے تو وہ دوپہر کے بعد کا حصہ ہے (دن کا نصف دوم ہے) اس وقت سے زوال شروع ہوتا ہے، جب زوال کو پہچان لیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ آفتاب کتنے قدموں پر ڈھلتا ہے تو اس طرح وقت کا اول اور اس کا آخر اور عصر کا وقت معلوم ہو جائے گا۔ (اول سے مراد ظہر کا اولین وقت اور آخر سے مراد ظہر کا آخری وقت (1) ہے۔ جس کے بعد عصر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے)۔

اسی طرح منازل (قمر) کو بھی پہچاننے کی ضرورت ہے تاکہ طلوع فجر کو پہچانا جا سکے اور رات کے اوقات کا بھی علم ہو۔ (تاکہ عشاء، تہجد اور فجر کی نمازیں وقت پر ادا ہو سکیں) لیکن یہ تمام امور بہت تفصیل طلب ہیں اس لئے ان سے قطع نظر کی جاتی ہے۔

(1) قارئین کرام پانچویں یا چھٹی صدی ہجری میں گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، وقت کی پہچان صرف سائے سے ہوتی تھی اور اس کے لئے لوگ یہ اہتمام کرتے تھے کہ لکڑی کھلی جگہ پر گاڑ کر سایہ کے مثل و دو مثل ہونے کا صحیح اندازہ لگاتے تھے۔ دمشق میں شاہی محل پر ایک گھڑی ایک مسلمان عالم ہیئت نے بنائی تھی لیکن ہر ایک اس سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔

نماز کس طرح شروع کرے

جب نماز کا وقت ہو جائے تو پہلے سنت موکدہ پڑھے، سنت موکدہ کی ادائیگی میں خاص راز اور مصلحت یہ ہے (اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے) کہ انسان کے باطن میں جو پراگندگی اور انتشار موجود ہوتا ہے یعنی لوگوں سے میل جول، حصول معاش کے کاموں میں مشغولیت، سہو ونسیان، کھانے پینے کی خواہش اور سونے کی عادت یہ تمام باتیں اس پراگندگی کا باعث ہوتی ہیں اور ہمت ان امور میں مشغول رہ کر خیالات کی پریشانی کا باعث بن جاتی ہے تو جب فرائض کی ادائیگی سے پہلے سنتیں ادا کرے گا تو اس کا باطن نماز کی طرف رجوع ہوتا ہے اور مناجات الٰہی کی ادائیگی کے لئے آمادہ و تیار ہو جاتا ہے اس طرح سنت موکدہ کی ادائیگی کے باعث اس کے باطن سے ظلمت اور کدورت جاتی رہتی ہے اور صلاحیت (مناجات) پیدا ہو جاتی ہے اور باطن درست ہو کر فرض کی ادائیگی کے قابل بن جاتا ہے اس طرح سنت کا ادا کرنا ایک صالح مقدمہ (پاکیزہ پیش خیمہ) ہے جس سے برکات کا نزول ہوتا ہے اور فیض کو (بندے تک) راہ ملتی ہے۔ سنت ہائے موکدہ ادا کرنے کے بعد فرض کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں از سر نو ان گناہوں سے توبہ کرے جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں (خواہ وہ عام ہوں یا خاص) یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ عام میں شمار کئے جاتے ہیں جن کی طرف شریعت نے اشارہ فرمایا ہے اور کلام مجید اور احادیث میں ان کے بارے میں صراحت کی گئی ہے اور خاص گناہ کسی شخص کی مخصوص روحانی حالت سے متعلق ہوتے ہیں، پس خواہ کوئی شخص ہو اس کے باطن کی صفا کے اعتبار سے کچھ گناہ ہوتے ہیں جن کو ہر ایک نہیں پہچان سکتا ہے صرف صاحب حال ہی ان کو پہچان سکتا ہے، یہی وہ نکتہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔ اِنَّ حَسَنَاتَ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ ○ (بندگان ابرار کی نیکیاں، مقربین کے سیات ہوتے ہیں)۔

نماز باجماعت کی تاکید

ہر شخص کو نماز باجماعت ادا کرنا چاہئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے 27 گنا فضیلت میں زیادہ ہے۔ جب نماز کی ابتداء کرے تو قبلہ رو ہو کر، باطن میں بارگاہ الٰہی کی طرف توجہ کرے (یہ خیال کرے کہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس ○ پڑھے اور اپنے دل میں آیت توجہ پڑھے یعنی اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (1) یہ آیت توجہ نماز سے پڑھی جائے تاکہ کشودگی اور اللہ تعالیٰ کی مدد قبلے کی طرف بظاہر منہ کرنے کے ساتھ حاصل ہو، جہت کی یہ تخصیص نماز کی جہت (قبلہ) کے علاوہ ہے، آیت توجہ پڑھنے اور قبلہ رو ہونے کے بعد دونوں ہتھیلیوں کو اس طرح اٹھائے کہ وہ شانے کے برابر آجائیں اور دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لَو کے پاس ہوں اور انگلیوں کے سرے (پورے) کانوں کے قریب ہوں اس وقت انگلیاں باہم ملی ہونی چاہئے (اگر کوئی کھلی رکھتا ہے تب بھی جائز ہے) لیکن ملانا اولیٰ ہے اس لئے کہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ "نشر" کا مطلب

---

(1) یہ احناف کا مسلک نہیں ہے قارئین کرام ملحوظ رکھیں کہ نماز کے سلسلہ میں حضرت شیخ الشائخ جو جزئیات تحریر کر رہے ہیں وہ شافعی مسلک کے اعتبار سے لکھ رہے ہیں۔ (مترجم)

ہتھیلیوں کا کھولنا ہے انگلیوں کا کھولنا نہیں ہے۔
اب تکبیر کہے اور یہ خیال رکھے کہ اکبر کی "ب" اور "ر" کے درمیان "الف" کی آواز یا حرکت نہ پیدا ہو، یعنی "اکبر" "اکبار" نہ بن جائے پس اکبر کو جزم کے ساتھ پڑھے اور اللہ کہتے وقت اللہ کو کھینچ کر "ہ" پڑھے لیکن "ہا" پر جو پیش ہے اس کو زیادہ نہ بڑھائے۔
جب تک دونوں ہاتھ شانوں کے برابر نہ پہنچ جائیں اور پہنچ کر ٹھہر نہ جائیں اس وقت تک تکبیر نہ کہے، تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھوں کو جھٹکے بغیر چھوڑ دے، تقاضائے وقار ہے کہ جب قلب کو سکون و قرار میسر آجائے تو اس کے تمام اعضاء و جوارح بھی قلب کی طرح پر سکون و پر وقار ہو جائیں اور جو امر زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہے اس کی پابندی کریں۔ نماز کی نیت اور تکبیر کہنے میں زیادہ وقفہ نہ کرے کہ تکبیر کہتے وقت اس کے دل سے یہ بات محو ہو جائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے (یعنی نیت کے بعد فوراً تکبیر کہے) شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایک چیز میں کوئی نہ کوئی امتیازی بات موجود ہوتی ہے اور نماز میں صفوت یعنی امتیازی چیز تکبیر اولیٰ ہے۔ اس تکبیر اولیٰ کی امتیازی شان ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ نیت اور ابتدائے نماز کا محل ہے۔
شیخ ابو سراجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سالمؒ سے سنا ہے کہ "نیت" اللہ کے ساتھ، اللہ کے واسطے اور اللہ کی طرف سے ہے! پس نمازی کی نماز میں نیت کے بعد جو آفتیں داخل ہوتی ہیں وہ سب شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں اس دشمن کی آفتیں خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ اس نیت کے ہم وزن نہیں ہو سکتیں کہ وہ اللہ کے واسطے اور اللہ کے ساتھ ہے ہر چند وہ نیکیاں مقدار میں قلیل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح کھڑے ہوں کہ مابین کوئی ترجمان نہ ہو،

شیخ ابو سعید خرازؒ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کس طرح ادا کرے تو انہوں نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح کھڑے ہو جس طرح قیامت کے روز اس کے حضور میں کھڑے ہو گے اور اللہ تعالیٰ کے روبرو اس طرح کھڑے ہو کہ تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو، رب ذوالجلال تمہارے سامنے ہو اور تم اس سے مناجات کر رہے ہو، اس وقت تم کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ تم ایک عظیم الشان بادشاہ کے روبرو حاضر ہو۔
بعض عارفان حق سے دریافت کیا گیا کہ پہلی تکبیر (تکبیر اولیٰ) کس طرح کہنا چاہیئے تو انہوں نے فرمایا جب تم اللہ اکبر کہو تو "اللہ اکبر" کے الف کو ادا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت "لام" کے ساتھ اس کی سطوت وہیبت اور "ہا" ادا کرتے وقت اس کے قرب کا تصور کرو۔
بعض حضرات (صوفیہ کرام) جس وقت تکبیر کہتے ہیں وہ اسی دم عظمت الٰہی اور اس کی کبریائی کے مطالعہ میں سراپا مستغرق ہو جاتے ہیں اور ان کا باطن انوار الٰہی سے منور ہو جاتا ہے اس وقت یہ تمام عالم اس کے دل کی وسعتوں میں رائی کے اس ایک

دانے کے برابر ہو جاتا ہے جو کسی وسیع اور فراخ زمین پر پھینک دیا گیا ہو ایسا صاحب باطن وساوس نفسانی سے کیا ڈر سکتا ہے اور دنیا کا خیال اس کے دل میں کس طرح آسکے گا (جو اس کی نظر میں رائی کے ایک دانے کے برابر ہو گئی ہے اور وہ بھی وہ دانہ جو پھینک دیا گیا ہے) پس وسوسے اور نفسانی خواہشات اس بندہ حق کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتے' بایں ہمہ (وہ بندۂ حق صرف اسی پر قناعت نہیں کرتا)۔ اپنی روحانی لطافت و پاکیزگی کے باعث عظمت و جبروت الٰہی کے مطالعہ میں مصروف و مشغول رہتا ہے (اس کی روح) اس مطالعہ میں مصروف ہوتی ہے اور اس کا دل نیت میں مشغول ہوتا ہے اس وقت نیت (نماز) اپنے بہترین صفاتِ کے ساتھ عظمت الٰہی کے نور میں اس طرح پوشیدہ طور پر موجود ہوتی ہے جس طرح آفتاب کی روشنی میں ستارے موجود رہتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے اور دونوں کو سینے اور ناف کے درمیان رکھے اور دست راست کو اس کی کرامت کے باعث دست چپ کے اوپر رکھے' انگشت شہادت اور انگشت وسطی کو کھنچا ہوا کلائی پر رکھے اور باقی تینوں انگلیوں سے بائیں ہاتھ کو (کلائی کو) گرفت میں لے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے کے نیچے رکھے کہ سینے کے نیچے ایک رگ ہے جس کا نام ناحر ہے پس وَانْحَرْ کے معنی ہوئے کہ "اپنا ہاتھ ناحر کے اوپر رکھو' بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ وَانْحَرْ کے معنی ہیں۔ "اپنے سینے کو قبلہ رخ رکھو۔" اور اس میں ایک راز مخفی ہے جو پردہ ہائے غیب سے ہی اس پر کشف ہو سکتا ہے!

ہاتھ باندھنے میں بھی ایک نکتہ پوشیدہ ہے

ہاتھ باندھنے میں جو نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی لطیف حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کو شرف و بزرگی بخشا ہے' اس کو اپنی توجہ کا محل اور وحی کا مورد بنایا ہے اس کو زمین و آسمان میں اس طرح برگزیدہ بنایا ہے کہ اس کی یہ بزرگی روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی' ارضی بھی ہے اور سماوی بھی! انسان کو اس نے اپنی حکمت سے راست قد (چوپاؤں کے خلاف) اور بلند و بالا بنایا ہے دل سے لے کر اوپر تک یعنی دل سے اوپر کا حصہ اسرار آسمانی کا خزینہ ہے اس طرح روحانی جذبات' نفس کے جذبات کے مقابلہ اور محاربہ میں مصروف رہتے ہیں اس تصادم اور جنگ کی وجہ سے فرشتوں اور شیطان کے اثرات کی کشمکش جاری و ساری رہتی ہے۔ یہ مقابلہ اور کشمکش نماز کے وقت زیادہ شدید ہو جاتی ہے اس وقت ایمان اور طبیعت میں کشاکش پیدا ہوتی ہے' اس وقت نمازی کا دل جو سماوی بن گیا ہے فنا اور بقا کے درمیان آمدوشد میں مصروف ہوتا ہے چونکہ نفسانی جذبات اپنے مرکز سے اوپر کی طرف صعود کرنا چاہتے ہیں اور اعضاء و جوارح کا ان باطنی کیفیات و تصرفات سے ایک طرح کا تعلق ہے اس لئے اس وقت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر گویا نفس کو مقید بنالیا جاتا ہے اور نفسانی جذبات کو صعود سے روک دیا جاتا ہے نفس کے مقید ہو جانے کا پتہ اس صورت میں چلتا ہے کہ اس کے بعد نفسانی تصورات کا صعود نماز میں موقوف ہو جاتا ہے اور اسی لئے اس وقت نمازی ہاتھ چھوڑ دیتا ہے یہ شاید اسی وجہ سے ہو اس نکتہ

کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی گئی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی اور یہ مذہب امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا ہے اس کے بعد اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ (آخر تک پڑھے) نماز سے پہلے جس توجہ کی ضرورت تھی جسم کے رخ کی صفائی کے لئے تھی اور یہ دعا جو درج ذیل ہے اس لئے کہ اس سے قلب کا رخ پاک و صاف ہو جائے دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ○ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ فَاِنَّهٗ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا فَاِنَّهٗ لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَالْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدِكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

قیام کے وقت سر جھکا دینا چاہئے اور نظر سجدہ گاہ پر مرکوز رکھنا چاہئے' قیام میں ضروری ہے کہ بالکل سیدھا کھڑا ہو' دونوں گھٹنوں' کمر اور بدن کے دوسرے جوڑوں کی خفیف سی لچک اور جھکاؤ کو بھی دور کر دے یعنی نماز میں اس طرح کھڑا ہو کہ وہ اپنے تمام جسم کے ساتھ زمین کی طرف نگران ہے اس طرح اس کے تمام اعضاء خضوع و خشوع میں مصروف ہو سکیں گے۔

قیام

قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے کیونکہ دونوں ٹخنوں کا ملانا منع ہے اسی طرح ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ سے اونچا نہ کیا جائے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اسی طرح ایک پاؤں پر زیادہ زور دینا اور ایک پر کم زور دینا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ دونوں پاؤں پر زور برابر ہونا چاہئے اسی طرح اشتمال صما بھی مکروہ ہے یعنی نمازی کا اپنے سینہ کی طرف ہاتھ نکالنا۔ سدل سے بھی اجتناب کرنا چاہئے یعنی لباس کے کناروں کو زمین کی طرف لٹکانا۔ اس صورت میں تکبر پایا جاتا ہے' اسی حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو اپنے کپڑوں کو اپنے چاروں طرف لپیٹ کر اور کپڑوں کے اندر ہاتھ کرکے رکوع اور سجدہ کرے اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اپنی قمیض اور کرتے کے نیچے کرے' یا سجدے کے وقت اپنے لباس کو اٹھائے اسی طرح کولہوں پر دونوں ہاتھ رکھنا اور دونوں بازوؤں کو پسلیوں سے علیحدہ کرنا بھی منع ہے' جب ان شرائط اور مکروہات سے محفوظ قیام مکمل ہو جائے تو توجہ کی آیت اور دعا جو مذکور ہو چکی پڑھے' اس کے بعد تعوذ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ پڑھے اور ہر رکعت کے شروع میں قرأت سے پہلے تعوذ پڑھے پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد قرأت کرے' سورۂ فاتحہ اور قرأت حضور قلب' جمعیت خاطر' دل و زبان کی ہم آہنگی جس میں حظ وافر' قرب' وصل' ہیبت' عاجزی' خوف' تعظیم' وقار' مشاہدہ اور مناجات کے تمام آداب موجود ہیں (ان تمام کیفیات کے ساتھ پڑھے) اگر امام ہو (مقتدی نہیں ہے) تو سورۂ فاتحہ اور قرأت کے سکوت ثانیہ میں یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ بَاعِد بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَنَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ○

اگر اس دعا کو پہلے سکوت ہی پر پڑھ لے تو بہت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اگر نمازی اکیلا (منفرد) ہے تو اس کو قرات سے پہلے پڑھے۔ بندۂ حق کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی تلاوت اس کی زبان کی گویائی ہے اور اس کے معنی اس کے دل کی گویائی ہیں، جس طرح ایک شخص جب کسی شخص سے مخاطب ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اپنی زبان میں گفتگو کرتا ہے اور اپنے دلی خیالات کا اظہار کرتا ہے اور جہاں زبان سے بولے بغیر ہی کسی کو کچھ سمجھایا جا سکتا ہے تو ایسا بھی کیا جاتا ہے لیکن جہاں گفتگو کے بغیر کچھ سمجھانا ناممکن ہوتا ہے تو اس وقت پھر زبان ہی سے اس کی ترجمانی کی جاتی ہے لیکن اگر قلب کی موافقت کے بغیر زبان سے کچھ کہا جائے تو اس کے معنی ہیں کہ اس وقت زبان اس کی ترجمان نہیں ہے اور نہ قاری متکلم ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خداوند عالم کے سامنے اپنے ضرورت کا اظہار کرے اور نہ اس صورت میں وہ خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی باتیں سمجھتا ہے بلکہ اس کا دل اس بات سے ناواقف ہے جو کچھ وہ زبان سے ادا کر رہا ہے بلکہ صرف وہ زبان کو حرکت دے رہا ہے حالانکہ تقاضائے حال یہ تھا کہ اس کا کلام اس کے دل سے نکلے یا وہ توجہ سے سنے، خاصان بارگاہ الٰہی کا کمترین درجہ یہ ہے کہ نماز میں تلاوت کے وقت ان کا دل ان کی زبان کا ساتھ دے یعنی دل اور زبان دونوں جمع ہوں، بارگاہ ایزدی کے خواص کے دوسرے احوال اور بھی ہیں جن کی تفصیل بہت طویل ہے (اس لئے ان سے قطع نظر کی جاتی ہے)۔

اس سلسلہ میں بعض بزرگوں کے ارشادات

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو میں اپنی قرات کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا (میری قرات میں کوئی چیز دخل انداز نہیں ہوتی)۔

شیخ عامرؒ بن عبداللہؒ سے پوچھا گیا کہ نماز میں آپ کو دنیا کے کسی کام کا خیال آتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نیزوں کی نوک سے مجھے چھیدا جانا زیادہ گوارا ہے بمقابلہ اس کے کہ مجھے نماز میں ان چیزوں کا دھیان آئے جن کا تم کو نماز میں دھیان آتا ہے۔

ایک اور بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں آپ کے دل میں دنیا کے بارے میں کوئی خیال آتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہ نماز میں اور نہ نماز کے علاوہ کسی اور وقت میں دنیاوی کاموں کے بارے میں غور کرتا ہوں۔

بعض ایسے حضرات ہیں کہ جب وہ نماز میں اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو انابت کے درجے کو پہنچتے ہیں اور اس صفت کے مصداق بن جاتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع الی الحق (انابت) کو مقدم رکھا ہے اور فرمایا:

مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُو الصَّلٰوۃO تم اس کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرو اور نماز کو قائم کرو۔

پس ایک بندۂ حق (مخلص بندہ) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس طرح کہ وہ ماسوا الحق سے بری اور بیزار ہوتا ہے اور وہ ایسے سینے کے ساتھ جو اسلام کے ذریعہ کشادہ ہے اور ایسے دل کے ساتھ جو نور ایمان سے منور ہے نماز پڑھتا ہے' پس جو کلمہ قرآن پاک اس کی زبان سے نکلتا ہے اس کا دل اس کو سنتا ہے اور وہ کلمات اس کے دل کی فضا میں اس طرح گونجتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور آواز اس فضا میں سنائی ہی نہیں دیتی اس وقت وہ کلمات حسن فہم اور توجہ کی لذت نعمت کی بدولت اس کے دل پر طاری ہو جاتے اور چھا جاتے ہیں اور اس وقت اس کا دل استماع کے حلاوت اور کامل یادداشت کے ساتھ اس کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اور وہ ان کلمات کے معانی لطیف اور مضامین شرف کا ادراک کر لیتا ہے یہ معانی جو اس کو حاصل ہوتے ہیں ایسے ہیں جن کی تفصیل بیان نہیں کیا جاسکتی بلکہ وہ محض پوشیدہ غور وفکر کا نتیجہ ہوتے ہیں اس لئے کہ قرآن کے ظاہری معنی نفس کی غذا ہیں' جن کا تعلق عالم حکمت اور شہادت سے ہے نفس سے بہت قریب ہیں جو حکمت کے قواعد کو قائم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور نفس مطمینہ ان کو حاصل کرلیتا ہے لیکن قرآن کے جو باطنی معنی ہیں ان کا انکشاف عالم ملکوت کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ نفس کی بجائے دل کی غذا ہیں جن کی بدولت روح' جبروت الٰہی کے مقدس پردوں تک اس کی عظمت کا مشاہدہ کرکے پہنچ جاتی ہے' اور اس کو مشاہدہ اور مطالعہ عالم جبروت کے ذریعہ شوق و محبت کے گرداب میں رہ کر ہی کامل استغراق نصیب ہوتا ہے جیسا کہ مسلمؒ بن یسارؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک روز بصرہ کی مسجد میں نماز پڑھی' اثنائے نماز میں مسجد کا ایک ستون گر پڑا اس کی آواز بازار والوں تک پہنچ گئی لیکن ان کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوئی اور یہ اسی طرح نماز میں کھڑے رہے۔

رکوع

قیام کے بعد جب رکوع کا وقت آئے تو قرأت کے اختتام اور رکوع میں قدرے فصل پیدا کرے اور رکوع اس طرح کرے کہ اوپر کا حصہ جھک جائے مگر نیچے کے حصہ میں کہیں خم پیدا نہ ہو' بلکہ وہ اسی طرح سیدھا ہو جس طرح حالت قیام میں سیدھا ہوتا ہے دونوں گھٹنوں میں قطعی خم نہ ہو اور نہ کہنیاں پہلوؤں سے الگ ہوں جس طرح کمر جھکائی ہے اسی طرح گردن کو بھی جھکائے اور دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں کھلی ہوئی رہیں۔

جناب مصعبؒ بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سعدؓ بن مالک کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ رکوع میں میں نے اپنے دونوں ہاتھ رانوں اور گھٹنوں کے درمیان رکھے اور دونوں گھٹنوں کو ملا لیا تو انہوں نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا "اپنی دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو اور اے میرے فرزند ہم بھی پہلے ایسے ہی کیا کرتے تھے لیکن ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم گھٹنوں پر ہتھیلیاں رکھیں۔" رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہا جائے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ مرتبہ! لیکن اس طرح جب رکوع میں اچھی طرح جھک جائے اور سر اٹھانے سے پہلے یہ تسبیح ختم کرلی جائے' سر اٹھانے کے بعد کہنا تعداد میں شامل نہ ہو گا۔

رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں (1) رکوع میں نگاہ پاؤں کی طرف رکھنا چاہئے کہ یہ سجدہ گاہ کی جانب دیکھنے سے خشوع سے زیادہ مقرب ہے (اس میں خشوع پیدا ہوتا ہے) البتہ قیام کے وقت سجدہ گاہ پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ رکوع کی تسبیح کے بعد یہ دعا پڑھے!

اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَلَكَ خَشَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ، خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَعَظْمِيْ وَمُخِّيْ وعَصَبِي ○

رکوع کے وقت چاہئے کہ نمازی کا دل رکوع کے حقیقی مفہوم کے مطابق ہو (یعنی تواضع اور عجز)

قومہ کے آداب

رکوع سے سر اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ○ یہ الفاظ دل کے ساتھ کہے۔ جب رکوع سے اچھی طرح کھڑا ہو جائے تو یہ بالجہر پڑھے!

رَبَّنَا لَكَ مَلا السَّمٰوٰتِ وَمَلا الْاَرْضِ وَمَلاءَ شِئتَ مِنْ شیءٍ اس کے بعد کہے اَصل الثَّنَاءِ وَالْمَجْداَ حق مَا قالَ الْعَبْدوَ كُلُّنَا لَكَ عَبْد لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ يَنْفَعُ وَالْجَدِّ عنكَ الجد○

اگر نوافل میں رکوع سے سر اٹھا کر قومہ کو طول دے تو چاہئے کہ کہے لِرَبِّیَ الْحَمْدُ دو بار یا تین بار لیکن فرض نماز میں قومہ کو طول نہ دے بس رکوع سے سر اٹھانے میں اتنے وقفہ کو کافی سمجھے کہ پیٹھ کو آہستگی کے ساتھ سیدھ کرے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود کے درمیان اپنے پیٹھ سیدھی نہ کرے، قومہ کے بعد سجدے میں جائے اور سجدے میں جاتے وقت تکبیر کہے، اس وقت حضورِ قلب ہو۔ حاضر و بیدار ہو اور خشوع کرتا ہوا جائے اور یہ جانتا ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے سجدہ کس لئے کر رہا ہے اور کس کے واسطے کر رہا ہے۔

اس لئے کہ بعض سجدہ کرنے والوں کو یہ کشف حاصل ہوتا ہے کہ وہ سجدے میں زمین کی آخری حدوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ملک الٰہی کے اجزاء میں ان کی ہستی گم ہو گئی ہے اس کا باعث یہ ہے کہ ان کے دل حیا سے معمور اور ان کی روحیں خداوند قدوس کی عظمت اور کبریائی کو محسوس کرتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے خود کو اپنے بازوؤں میں چھپالیا تھا۔

کبھی کبھی سجدہ کرنے والوں کو یہ کشف ہوتا ہے کہ وہ سجدے میں کون و مکان کی بساط کو طے کر رہا ہے اور اس کا دل

---

(1) یہ احناف کے مسلک کے خلاف ہے، حضرت مصنف علیہ الرحمۃ چونکہ شافعی مسلک رکھتے تھے اس لئے یہ فرمایا ہے۔ (رفع یدین)

کشف و عیاں کی فضا میں آزاد پھر رہا ہے چنانچہ جب وہ دل سجدے میں گرتا ہے تو اس کے ساتھ آسمان کے طبق بھی گر جاتے ہیں اس وقت اس کی قوت مشہود کے سامنے کائنات کے نقوش مٹ جاتے ہیں اس دم وہ عظمت الٰہی کی چادر کے ایک گوشہ پر سجدہ ریز ہوتا ہے (اس لئے کہ کون و مکان کی بساط تو وہ لپیٹ چکا ہے) یہ درجہ منتہائے کمال کا ہے جس کی طرف ہمت بشری پرواز کرتی ہے (ہمت انسانی کے طائر کی بس یہیں تک پرواز ہے)۔ بہرحال مراتب عظمت میں اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب موجود ہے چنانچہ اس حقیقت کی بناء پر ہر ایک کو اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق حصہ ملتا ہے کہ ایک اہل علم پر دوسرے صاحب علم کا درجہ بلند ہوتا ہے (جس درجہ تک انبیاء علیہم السلام پہنچ گئے ہیں اولیاء اللہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے)۔

بعض سجدہ کرنے والے ایسے ہیں جن کا ظرف وسیع ہوتا ہے اور جب روشنی (عظمت الٰہی کی) پھیلتی ہے تو وہ دونوں قسموں سے بہرہ مند ہوتا ہے اور دونوں بازوؤں کو کھولتا ہے پہلے وہ اپنے قلب کے ذریعے خدا کی تعظیم کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اور دوسری طرف اس کی روح فضل و کرم کی بنا پر بلندی تک پہنچ جاتی ہے اس طرح ایسے لوگوں کو جن کے ظرف وسیع ہیں سجدے میں انس، ہیبت، حضور، غیبت، فرار و قرار، اسرار و اظہار کے تمام مراتب حاصل ہو جاتے ہیں اس وقت وہ اپنے سجدے میں دریائے شہود میں شناوری کرتا ہے اور اس کا ایک ایک بال بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سجدے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

سَجدلَكَ سوَادِی وَخَیَالِی وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ○

یہ طوع یعنی انقیاد، فرمانبرداری روح اور قلب کے لئے ہے (کہ وہ طوعاً سجدہ ریز ہوتے ہیں) کہ ان میں وہ اہلیت و قابلیت موجود ہے اور کرہ یعنی ناگواری اور ناخوشی نفس (انسانی کی) طرف سے ہے کہ اس مین بیگانگی موجود ہے۔

سجدے کی حالت میں تین بار "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہے دس بار تک کہنا اس کی حد ہے، سجدے میں آنکھیں بند نہ کرے بلکہ کشادہ چشم رہے کہ آنکھیں بھی سجدہ کرتی ہیں۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے، پھر دونوں ہاتھ ٹکائے پھر اپنا ماتھا (پیشانی) اور اس کے بعد ناک کی چوٹی کی طرف دیکھتا رہے۔ اس لئے کہ اس میں سجدہ کرنے والے کے لئے زیادہ خضوع و خشوع ہے۔ دونوں ہتھیلیاں کپڑے میں لپیٹے بغیر مصلے پر رکھے اور سر دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے۔ دونوں ہاتھ دونوں شانوں کے مقابل ہونا چاہئیں۔ نہ داہنی طرف ہوں نہ بائیں جانب، سجدے کی تسبیح کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ لَكَ سَجَدْتُّ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِی الَّذِیْ خَلَقَهٗ وَصُوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ○

حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ میں یہی دعا پڑھا کرتے تھے

عنہا سے روایت ہے کہ سجدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

سجدے کے مزید آداب

سجدے میں دونوں کہنیاں اپنے دونوں پہلوؤں سے الگ رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں انگوٹھے کے ساتھ ملائے رکھے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر نہ بچھائے سجدہ کرنے کے بعد تکبیر کہتا ہوا سر کو اٹھائے اور بائیں پاؤں کے بل بیٹھے' اپنے پاؤں کو اس طرح کھڑا رکھے کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ ہاتھوں کو اپنی رانوں پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کو نہ ملانے کی کوشش کرے اور نہ ان کے کھولنے کی' (بلا کسی عمل کے ہاتھوں کو رانوں پر رکھ دے) پھر یہ دعا پڑھے:

رَب اِغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِی وَاهْدِنِیْ وِاجْبرنِیْ وَعَافِنِیْ وَاعْفُ وعَنّیْ

فرض نمازوں میں جلسۂ استراحت کو طول نہ دے البتہ نفلی نمازوں میں جس قدر چاہے جلسہ استراحت کو طویل کر سکتا ہے' جلسہ استراحت میں رَب اغْفِرْ وَارْحُمْ کا اعادہ کرتا رہے' خفیفہ جلسۂ استراحت کے بعد تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کر دے' اس موقع پر امقا مکروہ ہے یعنی دونوں سرین کو ایڑیوں پر نہ رکھے اس کے بعد اگر دوسری رکعت کے لئے اٹھنا ہے تو خفیف جلسہ استراحت کرے' اسی طرح باقی رکعتیں پوری کرے' اس کے بعد تشہد میں بیٹھے' اگر نماز معراج کا راز ہے اور معراج قلوب ہے تو تشہد قرار گاہ قرب ہے' اور آسمانی طبقات کی درجہ بندی کی طرح نماز کی مختلف ہیئتوں کی منزلوں سے گزرنے کے بعد اس کی منزل مقصود ہے۔

اَلتَّحِیَّاتُ پروردگار عالم پر سلام ہے پس نمازی کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور جس سے گفتگو میں مصروف ہے اس کے ساتھ آداب کی رعایت ملحوظ رکھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض حال کی کیفیت کو سمجھے' حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور اس ذات گرامی کو دل کی آنکھوں کے سامنے موجود جانے پھر اللہ تعالیٰ کے صالح بندں پر سلام بھیجے یعنی زمین و آسمان میں جس قدر اللہ کے نیک بندے ہیں ان سب پر فطری خاصیت اور روحانی تعلق کے ساتھ سلام بھیجے اس وقت اس کا دایاں ہاتھ اس کی داہنی ران پر ہو گا اور شہادت کی انگلی کے سوا باقی تمام انگلیاں ایک دوسرے سے پیوست ہوں گی پس جب (التحیات میں) کلمہ لا الٰہ کہے تو اس وقت شہادت کی انگلی کو اٹھائے' صرف "لا" پر نہ اٹھائے۔ انگلی کو بالکل سیدھا نہ اٹھائے بلکہ اس کا سر خمیدہ ہو (پورا نیچے جھکا ہوا رہے) یہ طریقہ خشوع کا ہے یہ اس امر کی دلالت ہے کہ دل کا قلب انگلیوں تک سرایت کر گیا ہے۔

نماز کا اختتام

نماز کے ختم پر (التحیات و درود پڑھ کر) اپنے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا مانگے اگر نماز پڑھنے والا امام ہے تو صرف اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ اپنے تمام مقتدیوں کے لئے دعا مانگے' ہوشمند امام ایک ایسے دربان کی طرح ہے جس کو سلطان کے دربار کی خدمت سپرد ہے اور اس کے پیچھے تمام ضرورت مند موجود ہیں وہ دربان سلطان سے ان ضرورت مندوں کے لئے سوال کرتا

ہے اور ان سب کی ضرورتیں اس کے حضور میں پیش کرتا ہے' علاوہ ازیں تمام مسلمان ایک دیوار کی مانند ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی مضبوطی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

"گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی (مضبوط) دیوار کی طرح ہیں۔"

کتب سابقہ میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف بھی اس طرح کی گئی ہے کہ "ان کی قطاریں نماز میں ایسی ہوتی ہیں جیسے میدان جنگ میں لوگ صف بستہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنے مشائخ کرام سے معتبر اسناد کے ساتھ یہ سنا ہے کہ مغن بن عیسیٰ نے کعب احبار سے پوچھا کہ آپ نے توریت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کس طرح پائی ہے (الفاظ کیا ہیں) تو انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے بارے میں یہ پڑھا ہے:"

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کریں گے ان کی سلطنت شام تک ہو گی' وہ نہ تو فحش گو ہوں گے اور نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والے ہوں گے' وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ درگزر اور معافی سے کام لیں گے ان کی امت خداوند تعالیٰ کی بے حد حمد و ثنا کرے گی' ہر خوشی کے موقع پر خدا کی تعریف کرے گی اور بلند مقام پر وہ تکبیر کہے گی۔ وہ وضو میں اپنے اعضاء کو دھوئینگے اپنے کمر پر تہبند باندھیں گے' وہ نمازوں میں اس طرح صف بستہ ہوں گے جیسے میدان جنگ میں (سپاہی) صف بستہ ہوتے ہیں۔ مسجدوں میں ان کی ہلکی اور باریک آوازیں اس طرح گونجیں گی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونجتی ہے اور فضائے آسمانی میں ان کے موذنوں کی آواز گونجے گی۔"

امام

امام شیطان سے جنگ کرنے میں سب سے آگے ہوتا ہے (گویا وہ قائد لشکر ہے) اس لئے اس کو دوسرے نمازیوں کے مقابلہ میں زیادہ خضوع و خشوع کرنا چاہئے چنانچہ نماز کے ضروری آداب کی ظاہری اور باطنی طریقے پر وہ زیادہ پابندی کرتا ہے بلکہ ذی ہوش نمازی بھی جس قدر امور ظاہری کو انجام دینے میں آپس میں متفق ہوں گے اسی قدر وہ باطنی امور کی انجام دہی میں بھی اتفاق کریں گے ان کے اس باہمی اتحاد سے تجلیات و برکات ایک سے دوسرے میں سرایت کر جاتی ہیں۔ اس طرح تمام دنیا کے مسلمانوں میں رشتہ اسلام کی بدولت تعاون اور اتحاد قلبی پیدا ہو جاتا ہے اور اس رشتہ کے باعث اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعہ ان کی مدد فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے (بدر کے موقع پر) نشانی والے فرشتوں سے مومنین کی مدد فرمائی تھی (1) اسی طرح جنگ شیطان کے وقت تو جنگ کفار سے زیادہ ان ملائکہ کی ضرورت ہے' اسی بنا پر ----- رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(1) مُعْتَرِفِیْنَ ۝ الایہ ترجمہ:

وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہم جہاد اصغر (اسلامی جنگ) سے فارغ ہو کر جہاد اکبر (نماز) کی طرف واپس آئے ہیں۔"

ان نفوس قدسیہ کے ساتھ نہ صرف ملائکہ ہیں بلکہ انہی نفوس قدسیہ کی بدولت یہ آسمان بھی قائم ہیں۔

تکمیل نماز

بہرحال جب کوئی نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرے یعنی جب نماز ختم کرے تو پہلے دائیں طرف سلام پھیرے لیکن اس کے ساتھ ہی نماز سے فراغت کی نیت بھی کرے' اس وقت فرشتوں' تمام مسلمانوں اور جنت کو بھی سلام بھیجے۔ سلام کرتے وقت گردن کو اس طرح پھیرے کہ دائیں طرف کے لوگوں کو اس کا چہرہ نظر آجائے گا۔ دائیں طرف اور بائیں طرف سلام کرتے وقت قدرے وقفہ رکھے۔ دونوں کو متصل کرنے کی ممانعت ہے۔

صرف اسی مقام پر مواصلت منع نہیں ہے بلکہ پانچ مقام پر اس کی ممانعت آئی ہے ان میں سے دو کا تعلق امام سے اور دو کا مقتدی سے اور ایک کا امام و مقتدی دونوں میں مشترک ہے۔

امام کے لئے ان دو کا اتصال منع ہے ایک یہ کہ امام تکبیر کے ساتھ قرأت کو نہ ملائے دوسرے رکوع کو قرأت کے ساتھ نہ ملائے (ان دونوں مقام پر قدرے فصل پیدا کر دے) مقتدیوں کے لئے جن اتصال کی ممانعت ہے وہ یہ ہیں اول یہ کہ اپنی تکبیر تحریمہ کو امام کی تکبیر سے نہ ملائے دوسرے یہ کہ اپنے سلام کو امام کے سلام سے نہ ملائے! اور وہ امر جو دونوں میں مشترک ہے اور جو منع ہے وہ یہ ہے کہ فرض کے سلام کو نفل کے سلام سے نہ ملایا جائے۔

سلام کے آداب

سلام کے آخری حرف (اللہ) کو ساکن پڑھا جائے (اللہ نہ کہے) یعنی "ہا" کو ساکن پڑھے متحرک (زیر کے ساتھ) نہ پڑھے۔ لفظ "سلام" کو بہت نہ کھینچے' سلام کے بعد اپنے دینی' دنیاوی امور کے لئے حسب دل خواہ دعائیں مانگے۔ فرض نماز میں سلام سے پہلے بھی یہ دعا پڑھے (1)۔ یہ دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوتی ہے۔

پس جس کسی مومن نے نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ ادا کیں تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اپنی عبادت سے بحر و بر کو معمور کر دیا۔ اس لئے کہ تمام روحانی مقامات اور روحانی احوال کا خلاصہ نماز پنجگانہ ہے جو مذہب کی اصل روح ہے اور مومن کے لئے اس کی حیثیت کفارہ کی ہے جس کے ذریعہ گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں۔

ہمارے شیوخ نے معتبر اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نماز پنجگانہ گناہوں کا کفارہ ہیں" اس موقع پر اس آیت کو بھی پڑھنا چاہئے:

---

(1) اس سے مراد "ادعیہ ماثورہ" ہیں۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ط (سورۂ ہود پارہ 12)

ترجمہ: "درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ اس میں نصیحت کرنے والے لوگوں کے لئے نصیحت پوشیدہ ہے۔"

باب 38

آداب و اَسرارِ نماز

نمازی کے بہترین آداب میں یہ امور داخل ہیں!

اس کا دل کسی چیز میں (نماز کے وقت) مشغول نہ ہو۔ وہ چیز معمولی ہو یا اہم ہو۔ دانشمند حضرات نے دنیا کو چھوڑ کر نماز کو اختیار کیا ہے ورنہ دنیا تو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس لئے انہوں نے اپنی غیرت دینی سے اس کو ترک کر دیا (دنیا کو چھوڑ دیا) تاکہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے مقام (نماز) کی حفاظت کر سکیں اور مقام قرب کی طرف راغب ہو سکیں اور اپنے باطن کے ساتھ خالق کائنات کے مطیع فرمان رہیں۔

نماز میں ظاہری حضوری سے صرف یہی نہیں کہ ظاہری اطاعت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اس سے دل کو ماسوا اللہ سے فراغت بھی حاصل ہوتی ہے اور باطنی اطاعت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے خاصان خدا یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ نماز میں ظاہر حاضر ہو اور باطن (قلب) موجود نہ ہو کہ اس طرح ایمان اور اطاعت میں خلل واقع ہوتا ہے اور عبودیت کی شان خلل پذیر ہوتی ہے یہی سبب ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات سے مجتنب رہتے ہیں کہ ان کا دل کسی چیز میں پھنسا ہو اور ان کی نماز میں وہ دخل اندازی کرے۔

اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ نماز سے پہلے نمازی کو قضائے حاجت سے فراغت کر لینا چاہئے۔ چنانچہ جب رات کا کھانا تیار ہو اور عشاء کا وقت آجائے تو عشاء کی نماز سے پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لے اسی طرح اگر بول و براز کی ضرورت درپیش ہو تو اس سے فراغت کے بغیر نماز نہ پڑھے' اگر تنگ موزہ پہنے ہو تو اسے اتارے بغیر نماز نہ پڑھے کہ اس کا دل اس میں لگا رہے گا (حضور قلب میسر نہ ہو گا) اسی لئے کہا گیا کہ پریشان خاطر کی کوئی رائے (صائب) نہیں ہوتی۔

تقاضائے آداب نماز

آداب نماز کا تقاضہ یہ ہے کہ جب انسان کا مزاج حالت اعتدال پر نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے یا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یعنی باطنی انتشار کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی چیں بہ جبیں ہو (متعطب) تو نماز شروع نہ کرے اور اسی طرح حالت غیظ و غضب میں بھی نماز نہ پڑھے۔

پس یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص مکمل ہیئت نماز اختیار کئے بغیر نماز پڑھنے لگے۔ بہترین طریقہ ہیئت نماز کے لئے یہ ہے کہ نمازی کے تمام اعضاء پر سکون رہیں اِدھر اُدھر نہ دیکھے اور نہ اس کی نظر راستوں پر پڑے (کسی دوسری طرف اس کی نظر نہ ہو) نماز کے لئے کھڑا ہو تو داہنا ہاتھ (پنجہ) بائیں ہاتھ پر رکھے کہ یہی ایک بہترین طریقہ ایک ذلیل و ناچیز بندے کا ایک صاحب عزت بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہونے کا ہے۔

پے بہ پے حرکات

شریعت نے مسلسل اور پے بہ پے تین حرکتوں سے زیادہ کی اجازت نہیں دی ہے لیکن جو ارباب عزیمت ہیں وہ ایک حرکت بھی نماز میں روا نہیں رکھتے، ایک دفعہ میں نے نماز پڑھتے میں اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک بزرگ میرے پاس تشریف لائے اور نماز میں میری اس حرکت پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ہمارے مسلک میں نماز پڑھنے کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب کوئی بندہ خدا نماز کے لئے کھڑا ہو تو وہ بالکل جماد کی طرح بے حرکت ہو، (ذرا بھی جنبش نہ کرے) چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "نماز میں یہ سات باتیں شیطانی حرکات میں داخل ہیں (1) نکسیر پھوٹنا (2) اونگھنا۔ (3) جماہی لینا یا جماہی آنا۔ (4) وسوسے۔ (5) کھجلانا۔ (6) اِدھر اُدھر دیکھنا۔ (7) کسی چیز (کپڑے وغیرہ سے کھیلنا)۔ بعض صالحین کے نزدیک شک اور سہو کا ہونا بھی شیطانی امور میں داخل ہے۔"

خشوع کیا ہے؟

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں خشوع اس امر کا نام ہے کہ نمازی کو اپنے دائیں بائیں کی کچھ خبر نہ ہو، حضرت سفیان ثوریؒ سے منقول ہے کہ جس کی نماز میں خشوع نہیں اس کی نماز فاسد ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ کڑی شرط بیان کی ہے کہ جو کوئی نماز میں قصداً یہ معلوم کرے کہ اس کے دائیں بائیں کیا ہے؟ اس کی نماز نہیں ہوئی، بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نماز کی حالت میں دیوار یا فرش پر کچھ لکھا ہوا پڑھ لیا اس کی نماز بھی فاسد ہو گئی۔ (بشرطیکہ اس نے ایسا قصداً کیا ہو)۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اعضاء کا سکون اور طمانیت ہے" اس آیت سے مذکورہ بالا قول پر استدلال کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ جب تم نماز میں پہلی تکبیر کہو تو اس وقت یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے، اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس سے باخبر ہے۔ تم اپنی نماز میں جنت کو اپنی دائیں طرف اور دوزخ کو بائیں طرف خیال کرو، یہ ہم نے اس لئے کہا ہے کہ جب تمہارا دل آخرت کے ذکر میں مشغول ہو گا تو اس سے تمام وسوسے دور ہو جائیں گے۔ یعنی یہ تصور اور یہ خیال دل سے وسوسوں کے دور کرنے کی ایک تدبیر ہے۔

ہمارے شیخ حضرت ابو نجیب سہروردی نے اپنے مشائخ کی اسناد کے ساتھ حضرت سہلؒ کا یہ قول بیان کیا ہے۔، جس نے

اپنے دل کو آخرت کے ذکر سے خالی رکھا وہ شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہو گیا اور جس نے اپنے دل کو صفائے باطن اور نور معرفت سے معمور رکھا اس کے لئے کسی تصور اور مشاہدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ ابو سعیدؒ خراز فرماتے ہیں کہ "جب کوئی شخص رکوع کرے تو رکوع کے آداب یہ ہیں کہ وہ اس طرح رکوع میں جھکے کہ اس کا ہر عضو اس وقت حالت رکوع میں ہو گویا وہ عرش عظیم کی طرف جھکا ہو اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدر تعظیم بجالائے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ عظمت والی اور کوئی چیز موجود نہ رہے (سوائے عظمت والے خدا کے اور کسی کا خیال اس کے دل میں نہ آئے) اور وہ خود کو اس قدر حقیر اور ادنیٰ سمجھے کہ اس سے کمتر کوئی چیز متصور نہ ہو سکے (وہ خود کو خاک اور غبار سے بھی کم مرتبہ سمجھے)۔ اور جب رکوع سے سر اٹھائے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔" کہے تو اس وقت یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس تسبیح کو سن رہا ہے اور اس وقت اس پر خشیت الٰہی کا ایسا غلبہ ہو کہ اس کے باعث اس میں حد درجہ گداز پیدا ہو جائے۔ (۱)

آداب تلاوت

شیخ سراجؒ فرماتے ہیں کہ جب نمازی تلاوت شروع کرے تو آداب تلاوت یہ ہے کہ اس کا دل اس بات کا مشاہدہ کرے اور اس طرح اس تلاوت کو سنے گویا وہ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سن رہا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قرآن پڑھ رہا ہے، شیخ سراجؒ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ نماز شروع کرنے سے قبل کے آداب میں یہ باتیں داخل ہیں کہ اپنے دل کو وسوسوں اور دوسرے عوارض (تصورات) سے پاک و صاف کرے اور ماسوا اللہ تعالیٰ ہر شئے کی نفی کرے (اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور شے کا گزر نہ ہو) اس وقت جب حضور قلب کے ساتھ وہ نماز کے لئے کھڑا ہو گا تو اس وقت ایسا محسوس ہو گا کہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد بندہ دوسری نماز کے لئے کھڑا ہوا ہے اور اس وقت وہ اپنے نفس اور عقل کے ساتھ نماز میں گریہ و زاری کرتا ہے اور جب نماز سے فراغت پاجاتا ہے تو حضور قلب کی اس منزل پر آجاتا ہے جس کے ساتھ نماز کی ابتداء کی تھی۔ یہی ادب نماز کہلاتا ہے۔

ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے کہ آداب نماز میں سے یہ بھی ہے کہ کمال استغراق کے باعث نمازی کو رکعتوں کی گنتی کا ہوش نہ رہے، ان کا ایک ساتھی گنتا رہتا ہے کہ کتنی رکعتیں ادا کی ہیں۔

نماز کے چار شعبے بتائے گئے ہیں اول محراب میں جسم کی موجودگی، دوم خداوند تعالیٰ کے حضور میں عقل و شعور کے ساتھ حاضر ہونا۔ سوم دل کا خشوع و خضوع کے ساتھ ہونا۔ چہارم ارکان نماز میں خضوع کا ہونا۔

حضور قلب سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور شہود عقل سے عتاب رفع ہوتا ہے اور حضور نفس سے (رحمت و کرم کے) دروازے کھل جاتے ہیں اور ارکان نماز میں خضوع سے ثواب کا حصول ہوتا ہے لیکن جو نمازی بغیر حضور قلب نماز ادا کرتا ہے وہ ایک غافل نمازی ہے اور مشہود عقل کے بغیر جو نماز ادا کرتا ہے وہ بے پروا نمازی ہے اور جس نمازی میں خضوع نفس نہیں

---

(۱) اس وقت سراپا سوز و گداز بن جائے۔

ہوتا وہ خطا کار نمازی ہے اور جو خضوع ارکان کے بغیر نماز پڑھتا ہے وہ غلط کار نمازی ہے اور جو نمازی ان تمام اوصاف کے ساتھ نماز پڑھتا ہے وہ ایک کامل نمازی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ جو بندہ نماز کے لئے خداوند قدوس کی طرف متوجہ ہو کر اور سراپا چشم و گوش بن کر نماز ادا کرتا ہے تو وہ نماز سے فراغت کے بعد گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہوتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا اور اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے صرف ہاتھ پاؤں دھونے ہی سے اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے اور جب وہ نماز شروع کرتا ہے تو اس وقت وہ گناہوں سے بالکل پاک ہوتا ہے۔"

ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو چوری کا ذکر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چوریوں میں سے سب سے بری کونسی چوری ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بری چوری نماز کی چوری ہے۔" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور کوئی شخص نماز میں چوری کیسے کر سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص نماز میں چوری کرتا ہے جو اپنے رکوع اور سجدوں کو مکمل نہیں کرتا اور قرآت پوری نہیں کرتا اور اس کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔

حضرت ابو عمرؓ بن علاء سے مروی ہے کہ ان سے ایک بار امامت کرنے کے لئے کہا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں جب لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا تو وہ امامت کے لئے کھڑے ہوئے لیکن جب انہوں نے تکبیر کہی تو غش کھا کر گر پڑے (مجبوراً) دوسرے امام کو کھڑا کیا گیا' جب ان کو ہوش آیا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیا ہوا تھا' انہوں نے کہا کہ جب میں نے نمازیوں کو کہا سیدھے کھڑے ہو جاؤ تو ہاتف نے مجھ سے کہا کہ کیا تم بھی اللہ کے ساتھ سیدھے کھڑے ہوئے ہو؟ (پس اس سوال کے باعث مجھے غش آگیا)۔

نماز' نمازی کو خود دُعا دیتی ہے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بندہ اچھی طرح وضو کرتا ہے اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرتا ہے اور اپنے رکوع و سجود کو ان کے اوقات میں ادا کرتا ہے تو نماز' نمازی سے کہتی ہے اللہ تعالیٰ تیری اسی طرح حفاظت فرمائے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اس کے بعد وہ نماز اپنے نور کے ساتھ بلند ہوتی ہے اور آسمان پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی نمازی کی سفارش کرتی ہے اور جب نمازی اس کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا تو وہ بد دعا دیتی ہے اور کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے اور اس کے بعد وہ نمازی کے لئے تاریکی کو لے کر اوپر چڑھتی ہے اور آسمان کے دروازوں کے پاس پہنچ کر ان دروازوں میں بند ہو جاتی ہے پھر اس نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔

شیخ ابو سلیمانؒ درانی فرماتے ہیں جب بندۂ خدا نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان جو حجاب ہے اس کو اٹھا دو اور جب وہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا

ہے کہ اس پردے کو میرے اور اس کے درمیان پھر گرا دو اور اس کو اس کی پسندیدہ چیز کے لئے (جس کے باعث وہ ادھرادھر دیکھ رہا ہے) آزاد چھوڑ دو۔

شیخ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں صرف دو رکعت نماز ہی پڑھتا ہوں اور جب اس سے فارغ ہوتا ہوں تو اس وقت میں رب جلیل سے اس طرح شرماتا ہوں جیسے کوئی شخص زنا سے فارغ ہوا ہے۔ ان کے اس قول سے کمال ادب کا پتہ چلتا ہے (کہ ان کو خداوند تعالیٰ سے کس درجہ شرم و حیا تھی) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس شخص کو جس قدر قرب الٰہی حاصل ہو گا اسی قدر وہ آداب نماز کو پیش نظر رکھے گا۔

حضرت موسیٰ کاظمؒ بن جعفرؒ ( ) سے جب لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگوں نے نماز میں آپ کے سامنے سے گزر کر آپ کی نماز خراب کر دی تو انہوں نے فرمایا کہ میں جس ہستی کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں وہ مجھ سے میرے سامنے سے گزرنے والے شخص سے زیادہ قریب ہے' کہا جاتا ہے کہ حضرت زین العابدین علی ابن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نماز کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تغیر رنگ کے باعث ان کا پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے' ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم کو نہیں معلوم کہ میں کس ذات کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں (اس کے خوف سے میرا رنگ متغیر ہو جاتا ہے)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اس شخص کے حساب میں وہی نماز لکھی جاتی ہے جسے وہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔" ایک دوسرے طریق میں اس حدیث شریف کے آخر میں اس طرح آیا ہے "تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پوری نماز پڑھتے ہیں اور کچھ آدھی اور کچھ تہائی اور کچھ چوتھائی اور کچھ اس کا پانچواں حصہ ادا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دسویں حصہ تک کی نوبت آجاتی ہے۔" (یعنی بعض لوگوں کی نماز ان کی نماز کا دسواں حصہ ادا ہوتی ہے)۔

حضرت شیخ خواصؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے وہ نوافل کی نیت کرے تاکہ اس کے فرائض کی کمی پوری ہو جائے اور اگر اس نے ایسی نیت نہیں کی تو پھر اس کی نماز سے اس کے حساب میں کچھ بھی شامل نہیں ہو گا' اللہ تعالیٰ نوافل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کئے جائیں' اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

"تمہاری مثال اس برے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ پیش کرتا ہے۔ (1) "

شیخ خواصؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق نے اپنی دو خصلتوں کے باعث اللہ تعالیٰ سے تعلق منقطع کر لیا ہے' پہلی خصلت یہ کہ نوافل ادا کرتے ہیں اور فرض کو ترک کرتے ہیں' دوسری خصلت یہ کہ ظاہری طور پر عمل کرتے ہیں مگر ان کے اندر خلوص و سچائی پیدا نہیں ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بغیر حق و صداقت کے کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

نماز میں آنکھوں کا کھلا رکھنا' آنکھوں کے بند رکھنے سے بہتر ہے' ہاں اگر آنکھیں کھلی رکھنے سے نگاہوں کے انتشار کے باعث خیالات بھی منتشر ہونے لگیں تو خضوع و خشوع پیدا کرنے کے لئے (کچھ دیر) آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں۔

---

(1) یہ حدیث قدسی ہے آیات قرآنی نہیں ہے۔

اگر نماز میں جماہی آنے لگے تو حتی الامکان ہونٹوں کو بند کر لے۔ ٹھوڑی کو سینے سے نہ ملائے (اس قدر سر کو نہ جھکائے کہ ٹھوڑی سینے سے مل جائے) نماز میں کسی دوسرے نمازی کے ساتھ مزاحمت (تنگی پیدا کرنا) نہ کی جائے' کہا گیا ہے کہ مزاحمت کرنے والے کی نماز (اس مزاحمت سے) ضائع ہو جاتی ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی صف کو اس لئے چھوڑ دے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہو گی' اور اس خیال سے وہ دوسری صف میں کھڑا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ (اس کی اس نیت کے باعث) اس کو پہلی صف کے لوگوں کا ثواب کم کئے بغیر اس کو بھی صف اول میں کھڑے ہونے والوں کا ثواب عطا کرے گا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ان کے دل کی دھڑکن ایک میل کے فاصلے سے سنائی دیتی تھی۔ (کانَ اِذا قَامَ الی الصَّلاۃِ یَسْمع خفقان قلبه مِنْ میل) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے جوش مارنے والی ہانڈی کی طرح آواز نکلتی تھی' یہ آواز مدینہ منورہ کی بعض جگہوں تک پہنچ جاتی تھی!

حضرت جنیدؒ سے سوال کیا گیا کہ نماز کے فرائض کیا ہیں تو آپ نے فرمایا تعلقات (ماسوا اللہ) سے قطع تعلق! ہمت کو جمع کرنا یعنی یکسوائی' اور اللہ تعالیٰ کے سامنے (دل و جان کے ساتھ) حاضر ہونے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ بتاؤ جب نماز کی تمہاری نگاہ میں یہ بے قدری ہے تو پھر دین کی کونسی چیز تم کو عزیز ہے؟

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر نے اپنے ایک پیغمبر (علیہ السلام) پر وحی بھیجی کہ اے پیغمبر جب تم نماز پڑھو تو مجھے اپنے قلب کا خشوع و خضوع اپنے جسم کی نیاز مندی اور اپنی آنکھوں کے آنسو نذر میں پیش کرو۔" اس وقت مجھے تم اپنے قریب پاؤ گے۔

حضرت ابوالخیر الاء قطعؒ فرماتے ہیں میں رویا میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کچھ ہدایت فرمایئے آپ نے فرمایا "نماز کی پابندی کیا کرو کہ میں نے بھی جب کبھی باری تعالیٰ سے ہدایت کو خواستگاری کی تو اس نے مجھے نماز کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ میں نماز کی حالت میں تم سے قریب تر ہوں۔"

حضرت حاتم اصمؒ کی نماز

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے کہ سوچ سمجھ کر دو رکعت نماز پڑھنا شب بیداری سے بہتر ہے' محمد ابن یوسف الفرغانی نے ایک بار شیخ حاتم الاصم کو دیکھا کہ لوگوں کو وعظ کہہ رہے ہیں تو انہوں نے حاتم اصمؒ سے کہا کہ تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے ہو کیا تم اچھی طرح نماز بھی پڑھ لیتے ہو' انہوں نے جواب دیا ہاں! شیخ فرغانیؒ نے دریافت کیا کہ تم کس طرح نماز پڑھتے ہو' انہوں نے کہا کہ میں اس کے حکم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں اور خشیت الٰہی (خوف خدا) کے ساتھ چلتا ہوں' نماز میں ہیبت کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور عظمت الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے تکبیر کہتا ہوں' خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآن

پاک پڑھتا ہوں (قرآت ترتیل کے ساتھ کرتا ہوں) خضوع و خشوع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور تشہد کے لئے کامل طور پر بیٹھتا ہوں' اور سنت کے مطابق سلام پھیرتا ہوں' اس کے بعد اپنی نماز خداوند تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہوں (قبول فرمائے یا رد فرمادے) مگر تمام زندگی اس کی حفاظت کرتا رہا ہوں اس پر بھی اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ شاید میری نماز قبول نہ ہو لیکن ناامید نہیں ہوتا (قبولیت کی امید رکھتا ہوں) اس طرح خوف و امید کے درمیان رہتا ہوں' اس (رب) کا شکر گزار رہتا ہوں جس نے مجھے نماز سکھائی' اور جو مجھ سے نماز سیکھنا چاہتا ہے اس کو میں سکھاتا ہوں اور جب اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت فرماتا ہے تو میں اس کی حمد میں مصروف ہو جاتا ہوں' یہ تفصیل سن کر محمد بن یوسف فرغانی نے فرمایا کہ آپ جیسے شخص کے لئے وعظ کہنا درست ہے (واعظ بننا مناسب ہے)۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ۝

"اور نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو۔"

مشائخ کرام نے فرمایا کہ نشہ سے مراد حُبِّ دنیا ہے' بعض بزرگوں نے اس نشہ سے مراد افکار دنیا لئے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اس کے اندر کوئی دنیاوی تصور نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے' آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ نماز تمام تر مسکینی' تواضع' تضرع (گریہ وزاری) ندامت اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کو یاد کرنا (ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا ہے) اور جو شخص ایسا نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے (منقول ہے) کہ جب مومن نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو شیطان اس سے دوڑ کر دور دراز جگہ پر چلا جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت بندہ خداوند عالم کے حضور میں جانے کی تیاری کرتا ہے اور جب وہ "اللّٰہ اکبر" کہتا ہے تو شیطان اس سے چھپ جاتا ہے' کہا گیا ہے کہ اس کے اور ابلیس کے درمیان ایسے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ سکتا' لیکن خداوند قدوس اس کی طرف دیکھتا ہے اور جب بندہ اللہ اکبر کہتا ہے تو فرشتہ اس کے دل میں جھانکتا ہے اور اگر اس کے دل میں اللہ سے بڑی اور کوئی چیز نہیں ہوتی (یعنی وہ دل کے ساتھ اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے)۔ تو وہ فرشتہ کہتا ہے "تو نے سچ کہا" اللہ تعالیٰ تیرے قول کے مطابق تیرے دل میں موجود ہے۔ اس وقت اس کے دل سے نورانی شعاعیں پھوٹ کر عرش تک پہنچتی ہیں اور اس نور کی بدولت اس پر زمین و آسمان کے تمام ملکوت روشن ہو جاتے ہیں اور پھر اس نور کے اندر اس کے لئے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

اور اگر نمازی جہل و غفلت کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہوا ہے تو شیاطین اس پر اس طرح چھا جاتے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں شہد کے قطرے پر جمع ہو جاتی ہیں' اور جب وہ تکبیر کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے باخبر ہوتا ہے اور اگر اس کے دل میں اللہ سے بڑی کسی چیز کا گزر ہوتا ہے تو اس وقت وہ فرشتہ کہتا ہے "تو جھوٹا ہے" تیرے دل میں اللہ سب سے بڑا نہیں ہے (بلکہ کوئی اور چیز تیرے دل میں موجود ہے) جیسا کہ تو اقرار کر رہا ہے پس اس کے دل سے ایک دھواں اٹھتا ہے (وسوسہ کا) جو آسمان تک پہنچ جاتا ہے اور وہ عالم ملکوت کے مشاہدہ سے محرومی کے لئے ایک پردہ بن جاتا ہے اور یہ پردہ دبیز سے دبیز تر بنتا

جاتا ہے' شیطان اس کے دل میں برابر پھونکتا اور دم کرتا رہتا ہے اور اس کے دل میں وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے اور ان کو اس کی نگاہ میں خوشنما بنادیتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ نماز میں کیا کچھ تھا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں پر چھائے ہوئے نہ ہوتے تو وہ "ملکوت السماء" کا مشاہدہ ضرور کرلیتا'۔

قلوب صافی

وہ قلوب صافی جو کمال ادب سے آراستہ ہیں (جن کی تکمیل جسم کی اصلاح کی بدولت ہو چکی ہے) جب وہ تکبیر کہتے ہیں اور نماز شروع کرتے ہیں تو اس وقت وہ آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو شیاطین کے تصرف سے محفوظ رکھا ہے پس سماوی قلب بھی شیطان کے تصرف سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ہوا جس نفسانیہ' (خواہشات' وسوسے) اس کے پاس موجود رہتے ہیں جو آسمانی قلعہ بندی کے باوجود منقطع نہیں ہوتے لیکن مقربین بارگاہ کے قلوب بتدریج قرب کی منزل کی طرف بڑھتے ہیں اور طبقات آسمانی پر ان کو عروج حاصل ہوتا ہے اس طرح وہ جس آسمانی طبقہ میں پہنچتے ہیں' ظلمت نفس سے کچھ نہ کچھ چھوڑ آتے ہیں۔ (ظلمت نفس میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے) اور اس کے مطابق ہوا جس نفسانی بھی کم ہوتے جاتے ہیں تاآنکہ جب وہ سموات سے گزر کر عرش کے سامنے پہنچتے ہیں تو اس وقت ان کے نفوس سے تمام ہوا جس (خواہشات اور شیطانی وسوسے) کلیۃً فنا ہو جاتے ہیں یعنی نفس کی وہ تاریکیاں لوز قلب میں اس طرح گم ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں گم ہو جاتی ہے۔ اب آداب نماز کے تمام حقوق ہم نے بیان کر دیئے۔

ہر چند کہ جو حقوق و آداب نماز ہم نے بیان کئے ہیں وہ بہت ہی کم ہیں' نماز کی شان ہماری اس صراحت و وضاحت سے کہیں زیادہ ہے' وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نماز سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس نے ذکر کر لیا یا جو ذکر میں مشغول ہے اس کے لئے نماز کی کیا ضرورت ہے' ایسا خیال کرنے والے گمراہی کے راستے پر گامزن اور باطل خیالوں میں گرفتار ہیں' اور تمام رسوم و احکام کو ترک کر کے حلال و حرام سے انکار کر رہے ہیں (اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام الٰہی سے انحراف کر رہے ہیں)۔

مذکورہ بالا طبقہ کے علاوہ ایک طبقہ لوگوں کا اور ہے جنہوں نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا ہے کہ ان کے احوال (روحانیت) کو اس سے نقصان پہنچا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہ اول الذکر طبقے کی طرح گمراہی سے ضرور بچ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فرائض کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن نوافل کے منکر ہیں (نفلی نمازوں کو عبث سمجھتے ہیں اور اس کے مقابل میں ذکر کو اہمیت دیتے ہیں) انہوں نے موجودہ رواج کی آسانیوں کو اختیار کر لیا اور فضائل اعمال کو چھوڑ بیٹھے' کیا انہیں نہیں معلوم کہ تمام ہیئتوں اور حرکتوں میں اللہ تعالیٰ کے اسرار اور حکمتیں پوشیدہ ہیں لیکن اذکار میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ احوال و اعمال روح و جسم کی طرح ہیں پس جب تک انسان دنیا میں موجود ہے اس کا اعمال (فرائض و سنن و نوافل) سے گریز قطعی سرکشی ہے' جس طرح اعمال احوال سے تزکیہ پاتے ہیں (پاکیزہ بنتے ہیں) اسی طرح احوال بھی اعمال کے ذریعے نشوونما پاتے ہیں (جب اعمال ہی نہ ہوں گے تو احوال کا وجود ہی معرض عدم میں رہا) احوال کیسے پیدا ہو سکتے ہیں' ہاں جب اعمال کی بدولت احوال پیدا ہو جائیں تو احوال سے ان اعمال کا تزکیہ کرنا چاہئے۔

باب 39

روزہ اور اس کے پاکیزہ اثرات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ "صبر نصف ایمان ہے اور روزہ نصف صبر ہے۔" یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر عمل مظالم کے بدلہ میں ضائع ہو جاتا ہے لیکن روزہ ایسا عمل ہے کہ وہ کسی کے بدلہ میں ضائع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا "روزہ میرے لئے ہے اور اس کے ذریعہ کوئی اپنا بدلہ نہیں چکا سکتا (یعنی کسی ظلم کا بدلہ روزہ نہیں ہو سکتا)۔"

روزے کی فضیلت میں احادیث!

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔" فرمایا کہ روزے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے اس لئے متعلق فرمایا کہ روزے میں اخلاق صمدیت موجود ہیں (شان بے نیازی پائی جاتی ہے) روزہ ایک ایسا پوشیدہ عمل ہے جس سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور آگاہ نہیں ہوتا اسی بنا پر بعض بزرگوں نے السَّائحُونَ سے جو قرآن کریم میں وارد ہوا ہے "روزہ" مراد لیا ہے کہ صائم اپنی بھوک اور پیاس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر و سیاحت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (سورۂ زمر پارہ 23)

"بیشک صبر کرنے والے کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔"

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ "صَابِرون" سے مراد روزہ دار ہیں کہ صبر روزہ کا دوسرا نام ہے، پس روزہ داروں کو بے حساب ثواب دیا جائے گا۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ السجدہ پارہ 21)

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔

"بعض علماء و بزرگوں نے بتایا ہے کہ عمل سے مراد "روزہ" ہے۔"

شیخ یحییٰؒ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرید پر خوری یا بسیار خوری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتے از راہ شفقت و محبت اس

کی اس حالت پر اشکباری کرتے ہیں کہ جب انسان کھانے کی حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ آتش شہوت سے جل جاتا ہے' انسان کے نفس ایک ہزار (طرح طرح کی) برائیاں موجود ہیں اوہ وہ سب شیطان کے ہاتھوں میں ہیں پس جب انسان بھوکا ہوتا ہے اور اپنے حلق کو غذا کے اتارنے سے روک کر نفس کو ریاضت میں مشغول کرتا ہے تو وہ تمام برائیاں مردہ ہو جاتی ہیں یا بھوک کی آگ میں جل کر فنا ہو جاتی ہیں اس وقت شیطان اس کے سائے سے بھی گریزاں ہوتا ہے اس کے برعکس جب پیٹ خوب بھر جاتا ہے اور مرید اپنے حلق کو لذتوں کے حصول میں آزاد چھوڑ دیتا ہے تو بدی کے ان اجزاء کو تازگی مل جاتی ہے اور شیطان اس پر قابو پالیتا ہے۔

شکم پری بری بلا ہے

شکم پری نفس کی ایسی نہر ہے جس سے شیطان کا گزر ہوتا ہے اور بھوک ایسی نہر ہے جس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے چنانچہ شیطان ایک فرشتہ خوابیدہ شخص سے بھی مات کھا جاتا ہے چہ جائیکہ وہ عبادت میں مشغول ہو لیکن شکم سیر انسان سے شیطان معانقہ کرتا ہے ہرچند کہ وہ عبادت میں کھڑا ہو' خوابیدہ حالت میں تو خدا جانے کیا حالت ہوتی ہو گی۔ (شیطان کا کس قدر غلبہ ہو گا)۔

ایک شخص شیخ طیاسیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ وہ خشک روٹی پانی میں بھگو کر کھا رہے ہیں اور اس کے ساتھ تھوڑا سا نمک بھی استعمال کر رہے تھے۔ اس شخص نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ آپ اس سے کس طرح شکم سیر ہو سکتے ہیں (اس سے آپ کا پیٹ کب بھرتا ہو گا) انہوں نے جواب دیا کہ میں اتنے عرصہ تک بھوکا رہتا ہوں کہ پھر یہ (سوکھی روٹی نمک کے ساتھ) بڑی رغبت سے کھاتا ہوں۔

لذیذ کھانوں سے رغبت کا انجام

جو شخص کھانے پینے میں فضول خرچی اور اسراف کرتا ہے اس کو بہت جلد آخرت سے پہلے ہی دنیا میں ذلت و خواری اٹھانا پڑتی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے "وہ عظیم دروازہ جس کے ذریعہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں داخلہ نصیب ہوتا ہے ترک غذا ہے۔"

شیخ بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ گرسنگی دل کو کدورت سے صاف اور خواہشات کو مردہ کر دیتی ہے اور علم کے دقائق کا وارث بنا دیتی ہے (علم کے اسرار کھل جاتے ہیں) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور سیر ہو کر پانی پیا تو میں نے یقیناً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یا معصیت کا ارادہ کیا۔

جناب قاسم بن محمدؒ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہم پر کوئی مہینہ یا پندرھواڑہ ایسا نہیں گزرا کہ ہمارے گھر میں چراغ روشن کرنے یا اور کسی ضرورت سے آگ جلی ہو یعنی بغیر آگ جلے مہینہ مہینہ بھر گزر جاتا تھا' یہ سن کر میں نے استعجاب سے سبحان اللہ کہا اور کہا کہ پھر آپ حضرات کی گزر بسر کس چیز پر ہوتی تھی

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کھجوروں اور پانی پر گزر بسر ہوتی تھی اس کے علاوہ ہمارے کچھ انصاری پڑوسی (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے) اکثر ہمیں اپنی اونٹنیوں کا دودھ بھیج دیتے تھے (بسا اوقات وہ بھی مدد کیا کرتے تھے)۔

اُم المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنے والد سے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جب کہ آپ کے رزق میں وسعت عطا فرمادی ہے تو آپ بھی اپنے موجودہ کھانے کی مقدار میں کچھ اضافہ کر دیں، اور ان معمولی کپڑوں سے بہتر لباس پہنیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس کا جواب تم ہی سے چاہتا ہوں، کیا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت نہیں تھی، آپ نے یہ جملہ کئی بار دھرایا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رونے لگیں تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت زندگی میں شرکت ترک نہیں کروں گا ممکن ہے کہ اسی کی بدولت مجھے آخرت کی آسائش نصیب ہو جائے، انہی امہات المومنین میں سے کسی کا یہ ارشاد ہے کہ:

مَا تَخَلَّتْ بعمر دَقِيقًا اِلا وَانالَهُ عَاص، (1)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تین روز تک کبھی بھی گیہوں کی روٹی سے شکم سیر نہیں ہوئے (کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ نے مسلسل تین روزہ تک گیہوں کی روٹی تناول فرمائی ہو) یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا، اگر تم ہمیشہ ملکوت کا دروزہ کھٹکھٹاتے رہو تو ایک دن وہ تمہارے لئے کھل جائے گا، عرض کیا گیا کس طرح (دروازہ کھٹکھٹائیں)؟ تو فرمایا "بھوک اور سخت تشنگی سے۔"

ایک بار ابلیس لعین حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سامنے آیا، اس کے پاس بہت سے پھندے اور کانٹے (معالیق) تھے۔ حضرت یحییٰ (علیہ السلام) نے اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ خواہشات دنیا ہیں جن کے ذریعہ میں ابن آدم کو پھانستا ہوں، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کیا تو نے مجھے بھی کبھی کسی خواہش میں مبتلا پایا؟ اس نے کہا، بس ایک رات جب کہ آپ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا تھا تو میں نے آپ کو نماز اور ذکر سے غافل کر دیا تھا، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اب میں کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھاؤں گا، یہ سن کر ابلیس نے جواب دیا کہ آئندہ میں بھی کسی سے خیر خواہانہ بات نہیں کروں گا اور نہ کسی کو نصیحت کروں گا۔

حضرت شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ "عبادت بھی ایک حرفت اور پیشہ ہے، خلوت اس کا دکان ہے اور بھوک اس حرفہ کے آلات ہیں۔"

حکیم لقمان نے اپنے فرزند سے کہا جب تیرا معدہ بھر جائے تو اس وقت لذت فکر خوابیدہ ہو جاتی ہے اور دانشمندی اور

---

(1) اگر کبھی میں نے آٹا چھانا اور اس سے بھوسی نکالی تو یہ امر آپ کے حکم اور منشا کے خلاف تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے تھے کہ آٹا چھانا جائے۔

فراست گونگی بن جاتی ہے۔ اور اعضائے جسمانی عبادت سے بیٹھ جاتے ہیں (جی چراتے ہیں)۔

حضرت بصریؒ فرماتے ہیں۔ (اپنے دستر خوان پر) دو سالن جمع نہ کرو کیونکہ یہ منافقوں کا کھانا ہے (دستر خوان پر الوان نعمت نہیں ہونا چاہئے)۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے میں ایسے زاہد سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کا معدہ طرح طرح کی غذاؤں نے خراب کر دیا ہو۔

چار دن سے زیادہ مسلسل بغیر روزہ رہنا مکروہ ہے

مرید کے لئے چار دن سے زیادہ مسلسل بغیر روزے کے رہنا مکروہ ہے کہ اس صورت میں نفس اپنی فطری عادت کی طرف لوٹ آئے گا (اور مجاہدہ اور ریاضت سے اس کی جو اصلاح کی گئی تھی وہ بیکار جائے گی) اور وہ پھر خواہشات کے پیچھے لگ جائے گا۔ آوران میں وسعت پیدا ہو جائے گی۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے' تیرا پیٹ' دنیا ہے' جس قدر تمہارے اندر پیٹ کا زہد ہو گا (بھوکے رہو گے) اسی قدر تمہارے اندر زہد پیدا ہو گا (تم کو زاہد سمجھا جائے گا)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' انسان نے کوئی ظرف ایسا نہیں بھرا جو پیٹ سے زیادہ بڑا ہو (پیٹ سب سے بڑا ظرف ہے جس کو بھرا جاتا ہے) حالانکہ ابن آدم کے لئے تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں' (بقائے حیات کے لئے یہ چند لقمے کافی ہیں) اگر بہت ہی ضرورت ہو (تو اس ظرف شکم میں) ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے ہو ایک تہائی پینے کے لئے اور باقی تہائی حصہ سانس لینے کے لئے۔

مشائخ کرام کی نصیحت

شیخ فتح موصلی فرماتے ہیں کہ میں نے تیس مشائخ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا ان میں سے ہر ایک نے مجھے رخصت کے وقت یہی نصیحت فرمائی کہ میں امردوں کی صحبت سے گریز کروں اور کم کھاؤں۔

باب 40

صوم و افطار میں صوفیائے کرام کے مختلف اطوار

کچھ مشائخ عظام سفر و حضر میں ہمیشہ روزے سے رہتے تھے یہاں تک کہ واصل باللہ ہو گئے (انتقال فرما گئے)۔ چنانچہ انہی بزرگوں میں سے ایک بزرگ عبداللہ بن جابار تھے جنہوں نے پچاس سال سے زیادہ مدت تک روزے رکھے خواہ سفر ہو یا حضر (انہوں نے کبھی افطار نہیں کیا) ایک بار ان کے احباب و اصحاب نے ان پر بہت زور ڈالا تو انہوں نے افطار کر لیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئے!

جب مرید یہ دیکھے کہ اس کے دل کی اصلاح مسلسل روزے رکھنے میں ہے تو اس کا لگا تار اور مسلسل روزے میں مضائقہ نہیں کرنا چاہئے لیکن افطار (وقفہ) کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اس عمل سے اس کے نصب العین کو مدد ملے گی۔

صائم الدہر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے مسلسل روزے رکھے جہنم اس پر تنگ ہو گیا" اس کی تشریح فرماتے ہوئے حضورؐ نے نوے کا حساب لگایا (وَعَقَدَ تسعین) (یعنی جس نے 90 دن تک مسلسل روزے رکھے اس کے لئے جہنم میں جگہ نہیں ہو گی)۔

بعض حضرات نے مسلسل روزے رکھنے سے کراہت کا اظہار کیا ہے اور اس سلسلہ میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ "کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جس نے مسلسل روزے رکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا صَامَ وَلَا اَفْطَر O" اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔" جو حضرات مسلسل روزے رکھنے والے ہیں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تاویل یہ کی ہے کہ مسلسل روزہ دار سے مراد وہ شخص ہے جس نے عیدیں اور ایام تشریق میں بھی روزے رکھے اور یہ مکروہ ہے، لیکن جن نے ان دنوں میں روزے نہیں رکھے اس کے روزے ان روزہ داروں میں شمار نہیں ہیں جن سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے بہترین روزے تھے۔

بعض مشائخ کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے "کہ میرے بھائی (حضرت) داؤد علیہ السلام کے روزے بہترین روزے تھے جو ایک رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔" اس طریقے کو مشائخ کرام کی اکثریت نے پسند کیا ہے تاکہ اس طریقہ کو اپنا کر انسان صبرو شکر دونوں حالتوں میں رہے۔

بعض مشائخ کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ دو دن روزے سے رہتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے یا ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن بغیر روزے کے رہتے' کچھ حضرات صرف پیر' جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتے تھے جیسا کہ منقول ہے شیخ سہل بن عبداللہ پندرہ دن میں صرف ایک بار کچھ کھاتے تھے (باقی) ایام میں مسلسل روزہ دار رہتے) اور رمضان شریف کے پورے ماہ میں صرف ایک بار کھاتے اور سادہ پانی سے افطار کرتے تاکہ سنت کا اتباع ہو سکے۔

حضرت جنیدؒ کا معمول

سید الطائفہ شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ صائم الدہر تھے البتہ جب کوئی برادر طریقت ان کے پاس آجاتا تو وہ اس کے ساتھ افطار کرتے تھے اور فرماتے تھے بھائیوں کا ساتھ دینا (ان کے عمل میں شریک ہونا) روزے (نفلی) کی فضیلت سے کم نہیں ہے، مگر اس قسم کی افطار کے لئے علم کی ضرورت ہے (علم طریقت و شریعت پر عبور کامل ہو) کیونکہ ایسی افطار کبھی کبھار نفسانی تحریک سے بھی ہو سکتی ہے اور برادران طریقت کے ساتھ اشتراک عمل کی نیت ہی نہیں ہوتی (بلکہ اپنے نفس کی خواہش بھی اس میں شریک ہوتی ہے) پس نفس کی طمع و حرص کے ہوتے ہوئے محض موافقت کی نیت کا خالص رکھنا دشوار ہے (عموماً شائبہ نفس اس موافقت میں پایا جاتا ہے)۔

شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کا معمول!

ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ کئی سال گزر گئے ہیں میں نے کوئی چیز نفس کی خواہش پر فرمائش کر کے نہیں کھائی ہے بلکہ جب کوئی چیز میرے سامنے آئی ہے۔ (مجھے پیش کی جاتی ہے) تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھ کر اور اس کا خاص فعل سمجھ کر اس کو قبول کرتا ہوں یا اس کام کو سرانجام دیتا ہوں آپ نے مزید فرمایا کہ ایک روز مجھے کھانے کی خواہش ہوئی اور اس وقت تک وہ شخص جو کھانا لے کر آیا تھا حسب معمول کھانا لے کر نہیں آیا تھا پس میں نے خود اس کوٹھری کو کھولا جس میں کھانا رکھا ہوتا تھا اور وہاں سے میں نے ایک انار اٹھا لیا۔ اتنے میں ایک بلی آگئی اور اس نے وہاں کی ایک مرغی کو پکڑ لیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اس انار لینے کی سزا ہے (کہ بلی نے اس گھر کی مرغی پکڑ کر مار ڈالی)۔

میں نے شیخ ابو مسعودؒ کو دیکھا کہ وہ دن رات میں کئی مرتبہ کھانا کھاتے تھے، جس وقت بھی کھانا اس کے سامنے لایا جاتا تو وہ اس میں سے کچھ کھا لیتے تھے' ان کا خیال تھا کہ وہ ایسا اللہ تعالیٰ کی موافقت میں کر رہے ہیں (اللہ تعالیٰ کھانا بھیجتا ہے وہ اس

میں کچھ کھالیتے ہیں)۔ اس طرح انہوں نے ماکولات، مشروبات، ملبوسات میں اپنی مرضی اور اپنے اختیارات کو بالکل ترک کر دیا تھا اور فعل الٰہی پر تمام کاموں کو منحصر کر رکھا تھا، چنانچہ ضروریات کے حصول کے لئے انہوں نے کبھی کوئی کام نہیں کیا اور نہ کوئی ذریعہ اختیار کیا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ انتظام ہو جاتا اسی پر اکتفا کرتے) چنانچہ وہ بہت دنوں تک بھوکے رہے اور کسی کو بھی ان کے اس حال خبر نہیں ہوئی اور نہ انہوں نے اپنے نفس کے لئے کچھ کام کیا کہ اس کے ذریعہ ان کو کچھ کھانے کو میسر آجاتا وہ اللہ تعالیٰ کی روزی رسانی کے منتظر رہے مدتوں کے بعد لوگوں کو (ان کے فقر و فاقہ کی) خبر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے ان کے بہت سے شاگردوں اور ساتھیوں کو مقرر فرما دیا وہ لوگ پر تکلف کھانے ان کے لئے تیار کر کے لاتے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھ کر کھالیتے تھے ان کا یہ ارشاد میں نے سنا ہے۔

> اَصبح کل یوم وَاجَب ما اِلی صوم وَینقض الحق عَلی محبتی الصوم بفعلِہٖ فارفق الحق فی فعله
>
> "ہر صبح روزہ دار ہونا مجھے محبوب ہے، مگر جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے روزے کی محبت کو ختم فرما دیتا ہے تب بھی میں اللہ تعالیٰ کے عمل سے موافقت کرتا ہوں (جو رزق مجھے دیتا ہے اس کو قبول کرتا ہوں)۔"

وَاسط کے ایک صاحب صدق وصفا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کئی سال تک روزے رکھے لیکن وہ ہر روز (سوائے رمضان کے روزوں کے) اپنا روزہ غروب آفتاب سے پہلے کھول لیتے تھے۔

شیخ ابو نصر سراجؒ فرماتے ہیں کہ بعض اَصحاب طریقت نے اس مخالفت شرعی (غروب آفتاب سے قبل نفلی روزہ کھولنا) کو ناپسند کیا ہے، حالانکہ وہ روزے نفلی ہی ہوتے ہیں لیکن کچھ حضرات نے اس عمل کو اس لئے پسند کیا ہے کہ وہ بھوکے رہ کر نفس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں روزہ سمجھ کر (بہ نیت اَجر) لطف اندوز ہونا نہیں چاہتے تھے (وہ اپنے روزوں کو روزہ نہیں بناتے تھے بلکہ ان کو فاقہ میں تبدیل کر دیتے تھے تاکہ نفس کی اصلاح ہو سکے)۔

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جس طرح وہ روزے کے خیال سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے اسی طرح روزے کے تصور سے لطف اندوز نہ ہونا بھی تو ایک قسم کی لذت اندوزی ہے اسی طرح یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائیگا پس بہتر یہی ہے کہ شریعت کے احکام وقیود کے مطابق روزے کو مکمل کیا جائے (پہلے افطار نہ کیا جائے)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ اور تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

بہرحال ارباب حق کے تمام کام خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے وہ صداقت کی کبھی مخالفت نہیں کرتے کیونکہ صداقت ہر حال میں پسندیدہ چیز ہے اور صادق جو ہمیشہ صدق کی چہار دیواری میں محصور ہے وہ اس سے کس طرح

اعراض کر سکتا ہے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی صوفی کو نفلی روزے سے پاؤ تو اس کو متہم کرو کیونکہ اس صورت میں وہ دنیاداری سے آلودہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر ہم خیال حضرات کی ایک جماعت ہو اور کوئی مرید ابتدائی منزل پر ہو تو سب لوگ اس کو روزے کی ترغیب دیں اور اس کے ساتھ روزہ رکھیں لیکن اگر اس کا ساتھ نہ دے سکیں (نفل روزہ اس کے ساتھ نہ رکھ سکیں)۔ تو بہر نوع اس کے افطار کا بندوبست کریں' اور رفقائے جماعت اس کے لئے زحمت اٹھائیں مگر اس کے حال کا قیاس اپنے حال پر نہ کریں' اگر اس جماعت میں شیخ یا مرشد بھی موجود ہو یعنی اگر کوئی ایسی جماعت ہے جس میں شیخ بھی موجود ہے تو تمام رفقاء اس کے ساتھ روزہ رکھیں۔ اور اسی کے ساتھ افطار کریں' ہاں اگر کسی کو شیخ جماعت اس کے خلاف حکم دے (یعنی نفلی روزہ رکھنے سے منع کرے) تو اس کو شیخ کے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔

ایک شیخ کا عمل مرید کی تربیت کے لئے

چنانچہ اس اصول کی بنا پر ایک شیخ نے محض اپنے مرید کی تربیت کے لئے کئی سال تک متواتر روزے رکھے تاکہ مرید ان کو دیکھ کر ان کی پیروی کرے اور روزے رکھے یعنی شیخ کے ساتھ خود بھی روزہ رکھنے لگے۔ شیخ ابوالحسن مکیؒ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ جب بصرہ میں قیام پذیر ہوئے تھے تو لگاتار روزے رکھتے تھے اور صرف جمعہ کی شب میں روٹی کھاتے تھے۔ (1) اس طرح ان کی خوراک کا خرچ صرف چار دانق (2) ہوتا تھا۔ جس کو وہ چھال کی رسیاں بٹ کر کماتے تھے۔ (یہ رقم اس محنت سے حاصل کرتے تھے)۔

شیخ ابوالحسنؒ بن سالم شیخ ابوالحسن مکی کی نسبت فرماتے تھے کہ "میں انہیں اس وقت تسلیم کروں گا (شیخ مانوں گا) جب وہ افطار کریں اور کھایا کریں۔ ابن سالمؒ ان پر نفسانی خواہش میں گرفتار ہونے کا الزام لگاتے تھے کیونکہ وہ لوگوں میں اپنے ان مسلسل روزوں کی وجہ سے مشہور تھے (چنانچہ ان کی اس شہرت کو بھی ابن سالمؒ شائبہ نفس قرار دیتے تھے) اسی بناء پر ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو بندہ حق کے لئے اخلاص رکھتا ہے اس کی یہی خواہش ہوتی ہے اور وہ یہی پسند کرتا ہے کہ وہ ایک کوئیں میں بند ہو اور اس کے حال سے کوئی آگاہ نہ ہو (شہرت بھی منافی اخلاص ہے) لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ جو زیادہ کھاتا ہے وہ زیادہ باتیں بناتا ہے۔ (3)

شیخ ابوالحسن کا ایک عجیب و غریب واقعہ

شیخ ابوالحسنؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حرم شریف میں اپنی جماعت (مریدوں) کے ساتھ سات دن تک مقیم رہے

(1) چونکہ بصرہ میں آپ کے مریدوں کی کثرت تھی اس لئے ان کی تربیت کے لئے بصرہ کے قیام میں ان کا یہ معمول ہوتا تھا۔

(2) دانق دمڑی کو بھی کہتے ہیں اور بعض اہل لغت نے ایک دانق کو تین پیسے کے برابر بتایا ہے' صاحب منجد کہتے ہیں کہ درہم کا چھٹا حصہ ہے۔

(3) پھر اعتدال کا راستہ درست اور صحیح درست اور صحیح ہے یعنی نہ بہت زیادہ کھانا اور نہ شیخ ابوالحسنؒ کی طرح بہت ہی کم کھانا۔

لیکن اتنی مدت میں ان لوگوں نے کچھ بھی نہیں کھایا ان کا ایک مرید طہارت کے لئے باہر گیا تو اس نے خربزہ کا چھلکا پڑا دیکھا اس نے اٹھا کر وہ چھلکا کھا لیا' کسی شخص نے اس کی اس شدت گرسنگی کو دیکھا تو ان کا پیچھا کیا (کہ ان لوگوں کا ٹھکانا معلوم ہو جائے) اور اس کے بعد کچھ کھانا لا کر ان لوگوں کے سامنے (از راہ محبت و رفق و مدارا) پیش کیا' شیخ نے جب یہ رنگ دیکھا تو فرمایا تم میں سے کس نے یہ جرم کیا ہے (جس کی پاداش میں ہمارے پاس کھانا بھیجا گیا ہے) اس شخص نے کہا کہ جی مجھ سے یہ قصور سرزد ہوا ہے' مجھے خربزہ کا چھلکا پڑا ہوا مل گیا تھا میں نے اٹھا کر کھا لیا' یہ سن کر شیخ نے کہا کہ اب تم اپنے جرم کے ساتھ رہو (ہماری جماعت کو چھوڑ دو) یہ سن کر اس مرید نے کہا کہ میں اپنے جرم اور گناہ سے توبہ کرتا ہوں اس پر شیخ نے فرمایا کہ توبہ کے بعد تو کچھ کہنے کا موقعہ ہی نہیں ہے'۔

ایام بیض کے روزے

بہت سے مشائخ کرام ایام بیض کے روزے رکھنا پسند فرماتے تھے یعنی مہینے کے تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزے رکھتے تھے' روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا گیا (جنت سے زمین پر ان کا ہبوط ہوا) تو معصیت اور رب کی نافرمانی کے اثر سے ان کا تمام جسم سیاہ پڑ گیا تھا پس انہوں نے اللہ سے توبہ کی اور جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیا چنانچہ ہر روز (روزے کی برکت سے) ان کے سیاہ جسم کا 1/3 حصہ سفید ہو جاتا تھا تاآنکہ ایام بیض کے تین روزوں پر ان کا تمام جسم سفید ہو گیا۔

بعض مشائخ ماہ شعبان کے نصف اول کے تمام دنوں کے روزے رکھنا اور نصف آخر میں نہ رکھنا پسند فرماتے تھے' اگر کوئی شخص ماہ شعبان اور رمضان کو اپنے روزوں سے ملا دے (پورے ماہ شعبان کے نفلی روزے رکھے اور پھر رمضان کے فرض روزے رکھے تو اس میں کچھ ہرج نہیں ہے)۔ لیکن اگر کوئی شخص تمام ماہ شعبان کے روزے نہ رکھ سکے تو رمضان شریف سے ایک دن یا دو دن پہلے روزے نہ رکھے (یعنی ایک دو روزے رکھ کر رمضان کے روزوں سے نہ ملائے) اسی طرح بعض بزرگوں نے تمام رجب کے روزے رکھنا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح رمضان کے روزوں پر برتری کا پہلو نکلتا ہے' البتہ ذی الحجہ کے اور محرم کی 10 تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اسی طرح اشہر حرام (رجب) میں جمعرات' جمعہ اور ہفتہ' کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے' جس نے شہر حرام (رجب) کے تین دنوں یعنی جمعرات' جمعہ اور ہفتہ کو روزہ رکھا تو وہ سات سو سال جہنم سے دور ہو گیا۔

باب 41

روزے کے آداب اور اِس کی اہمیت

صوفیائے کرام کے آداب صوم

روزے کے آداب کے سلسلہ میں صوفیہ کرام کا نصب العین یہ رہا ہے کہ ظاہر و باطن کا ضبط اور اعضاء جوارح کو گناہوں سے باز رکھنا، جس طرح کھانے سے نفس کو روکا جائے اسی طرح نفس کو افطار کے اہتمام سے باز رکھا جائے۔
عراق کے بعض صالحین حضرات کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ ان کا اور ان کے اصحاب (مریدوں و غیرہم) کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ روزہ رکھتے تھے تو جو کچھ بطریق فتوح (من جانب اللہ) ان کو میسر آجاتا ہے اسی سے وہ افطار کرتے تھے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔ مرید کے لئے یہ کسی طرح بھی روا اور جائز نہیں ہے۔ کہ مرید مباح چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور گناہ آلود چیزوں سے اپنا روزہ افطار کرے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ ان دانشوروں (صوفیہ کرام) کا سونا اور روزہ افطار کرنا کس قدر پسندیدہ اور لائق تحسین (1) ہے، اس کے بر عکس احمقوں کا شب زندہ دار رہنا اور صائم ہونا بسا اوقات ان کے نقصان کا موجب ہوتا ہے اس لئے کہ اہل یقین اور متقی کا ایک ذرہ بھر عمل، فریب خوردہ لوگوں کے اعمال کے پہاڑ سے کہیں افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔

روزے کے آداب

صوفیہ کرام کے نزدیک روزے کے آداب اور اس کی فضیلت (کے حق کی ادائیگی) کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غیر روزے کی حالت میں انسان جتنا کھاتا ہے اس سے کم (افطار میں) کھائے کہ اگر روزے کی افطار پر یا کھانے کے وقت اگر بہت سے کھانے جمع کر لئے جائیں تو اس صورت میں روزے میں کم کھانے کی تلافی ہو جاتی ہے (روزے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے) حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ روزے کا مقصد اور غایت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نفس کو مغلوب کیا جائے اور اس کو حد سے

(1) بیروت کے مطبوعہ نسخہ میں متن کے الفاظ اس طرح ہیں "یا حبّذا یوم الاکیاس وَفطرھم" بجائے نوم کے یوم چھپ گیا ہے۔ عوارف المعارف صف 335 مطبوعہ بیروت۔ (مترجم)

بڑھنے نہ دیا جائے اور صرف بقدر ضرورت کھانا کھایا جائے' ارباب طریقت اس نکتہ سے بخوبی واقف ہیں کہ ضرورت اور نفس کی خواہش میں کمی پر اکتفا کرنے سے 'نفس کو تمام افعال و اقوال' میں "بقدر ضرورت" پر اکتفا کرنے کا عادی بنایا جا سکتا ہے اور نفس کی فطرت و سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ اگر اس کو امور الٰہیہ میں کسی ایک امر میں صرف "بقدر ضرورت" کا عادی اور پابند بنا دیا جائے تو پھر وہ تمام احوال میں اس کی پابندی کرتا ہے لہٰذا کھانے میں کمی کا پابند ہو کر وہ سونے' بات چیت کرنے اور افعال میں بھی اسی کمی (بقدر کفایت و ضرورت) کا پابند ہو جائے گا۔

پس ارباب حق کے لئے "اکتفا بقدر ضرورت" خیروبرکت کے وسائل و اسباب میں سے ایک اہم وسیلہ اور سبب ہے (وَهٰذَا باب كَبِير مِن اَبوَاب الخير لِاَهل اللّٰهِ تعَالٰى) جس کا لحاظ رکھنا اور رعایت برتنا بہت ضروری ہے اس ضرورت کے علم کا فائدہ اور اس کی طلب مخصوص ہے صرف اس بندے کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ اس سے مخصوص کرنا چاہتا ہے اور جس کو وہ اپنا مقرب بنانا پسند فرماتا ہے اور جس کی خود تربیت فرما کر اپنا برگزیدہ بندہ بناتا ہے۔ (1)

روزے میں اپنے اہل (بیوی) سے ہنسی مذاق کرنا اور ملامست (جسم سے جسم ملانا) بھی منع ہے تاکہ روزہ بالکل پاکیزہ رہے۔ روزے دار کے لئے سحری کھانا بھی سنت ہے اور اس میں خیر کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ اس سے سنت کی پیروی ہوتی ہے دوسرے یہ کہ روزے کو (سحری کھانے سے) تقویت پہنچتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سحری کھاؤ کہ سحریوں میں برکت ہے۔" اسی طرح افطار میں عجلت کرنا بھی سنت ہے' البتہ اگر عشاء کے بعد کھانا تناول کرنا مقصد ہے اور کوئی شخص یہ ارادہ رکھتا ہے ہو کہ مغرب اور عشاء کے درمیان وہ عبادت کرے گا تو ایسے شخص کو پانی یا مویز یا چھوہارے کے چند دانوں سے افطار کر لینا چاہئے۔ لیکن صرف اس صورت میں جب نفس سرکشی کرتا ہو تاکہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اچھی طرح گزر جائے اس طرح احیاء وقت کی بڑی فضیلت ہے اور اس میں بڑی بھلائی ہے اور اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو سنت کی پیروی کرتے ہوئے صرف پانی سے افطار کرنے پر اکتفا کرے۔

شیخ العالم ضیاء الدین عبدالوہاب باسناد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا یہ قول نقل فرمایا کہ "میرا وہ بندہ مجھے محبوب ترین ہے جو افطار میں عجلت کرتا ہے۔" ایک دوسری جگہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں سے اس وقت تک بھلائی زائل نہیں ہوگی جب تک وہ افطار میں عجلت کرتے رہیں گے'۔

نماز مغرب سے قبل افطار کرنا سنت ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ ایک گھونٹ پانی یا دودھ یا چند کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے' حدیث میں آیا ہے' بہت کم روزے دار ایسے ہیں جن کے روزہ کا حصہ بھوک یا

(1) فیضان محبت عام سہی' عرفان محبت عام نہیں۔
اللہ کی جب تک دین نہ ہو انسان کے بس کا کام نہیں
(جگر مرحوم)

پیاس ہوتا ہے۔ اس کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ روزے دار ہیں جو دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہیں اور حرام چیز سے روزہ افطار کرتے ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو حلال غذا سے روزہ رکھتے ہیں اور غیبت کرکے لوگوں کے گوشت سے افطار کرتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے "جس نے غیبت کی اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔ حضرت مجاھد فرماتے ہیں دو عادتیں غیبت اور جھوٹ روزے کو فاسد کر دیتی ہیں۔"

حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بات سننے اور بری بات کہنے کو حرام کھانے کا مترادف قرار دیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (پارہ 6 سورۂ مائدہ)

"وہ جھوٹی باتوں کو خوب سننے والے اور حرام مال کے خوب کھانے والے ہیں۔"

دو عورتوں کا عجیب روزہ

ایک حدیث شریف میں مذکور ہے کہ دو عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روزہ رکھا' دن کے آخری حصہ میں انہوں نے بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاکت کے قریب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں افطار کرنے کی اجازت پر مبنی پیغام بھیجا (افطار کی اجازت چاہی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ایک قدح بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہو کہ انہوں نے جو کچھ کھایا ہے اس پیالہ میں قے کر دیں ان میں سے ایک نے قے کر دی اس قے میں نصف حصہ خالص خون کا تھا اور نصف حصہ تازہ گوشت کا! (اور آدھا پیالہ بھر گیا) پھر دوسری نے قے کی اس کی قے بھی پہلی عورت کی طرح تھی اس طرح وہ پیالہ بھر گیا' یہ دیکھ کر لوگوں کو بہت تعجب ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں نے ان چیزوں کو کھا کر روزہ رکھا تھا جو ان کے لئے حلال تھیں لیکن انہوں نے ان چیزوں پر روزہ افطار کیا جو حرام تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو روزہ میں نہ بدکلامی کرے اور نہ جہالت کی کوئی بات کرے اور اگر کوئی شخص اس کو گالی دے تو وہ کہدے کہ میں روزہ دار ہوں۔" ایک اور حدیث میں آیا ہے "روزہ ایک امانت ہے پس تم میں سے ہر ایک اس امانت کی حفاظت کرے۔"

روزہ میں صوفی کا طریقہ

صوفی وہی ہے جس کی کوئی مقررہ روزی نہ ہو اور نہ اس کو بات کا علم ہو کہ اس کا رزق اس کے پاس کب پہنچے گا' اور جب اس کو اللہ تعالیٰ رزق پہنچا دے تو اس کو ادب کے ساتھ تناول کرے اور وہ ہمیشہ اپنے وقت کا خیال رکھے (ہمیشہ پاس وقت رکھنا ضروری ہے) بہرنوع ایسے شخص کا افطار اس شخص کے افطار سے ہے جس جو اپنے رزق کا علم ہے اور اس کا رزق اس کے سامنے موجود ہے (وجہ معاش رکھتا ہے) اگر ایسا شخص روزہ رکھے (جس کی وجہ معاش موجود و معلوم نہیں ہے) تو اس کا

روزہ اکمل و افضل ہے۔

حضرت رویمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں دوپہر کی گرمی میں بغداد کی ایک گلی سے گزر رہا تھا مجھے بہت زیادہ پیاس لگی میں ایک دروازہ پر گیا میں نے پانی مانگا اندر سے ایک کنیز اپنے ہاتھ میں ایک نیا پیالہ ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا لے کر آئی' میں نے جب ارادہ کیا کہ اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر پانی پیوں تو اس کنیز نے کہا کہ واہ! صوفی صاحب! دن میں پانی پینا چاہتے ہو یہ کہہ کر اس نے وہ کوزہ زمین پر دے مارا اور واپس چلی گئی' شیخ رویم فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے میں بہت نادم ہوا اور میں نے عہد کر لیا کہ پھر کبھی افطار نہیں کروں گا۔

ہمیشہ روزہ رکھنے سے کراہت کرنے والے

اور وہ لوگ جو ہمیشہ روزہ رکھنے سے اجتناب کرتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ نفس جب مسلسل روزے رکھنے سے عادی ہو جاتا ہے تو پھر روزہ نہ رکھنا اس پر شاق ہوتا ہے (اور روزہ رکھنا شاق نہیں گزرتا) جس طرح وہ شخص جو کھانے کا خوب عادی ہوتا ہے اس پر روزہ رکھنا بہت شاق ہوتا ہے للذا وہ سمجھتے ہیں کہ فضیلت اسی میں ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن روزہ نہ رکھا جائے تاکہ نفس پر بار پڑے (1)

جماعت کا ساتھ دینا چاہئے!

صوفیوں اور درویشوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ اگر کوئی نووارد جماعت کے ساتھ مقیم ہے تو وہ جماعت کے افراد کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تمام جماعت کے لوگوں کو اس کی افطار کی فکر ہو جائے گی اور انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب میسر ہو گا۔ اگر روزہ دار نے جماعت کی اجازت سے روزہ رکھا ہے اور ان کے پاس فتوح آجائے (نذر آجائے) تو افراد جماعت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کا حصہ اس میں سے اٹھا کر رکھیں اس لئے کہ سب لوگ جانتے ہیں بے روزہ لوگوں کو اس کی ضرورت زیادہ ہے' روزہ دار کو تو اللہ تعالیٰ خود رزق مہیا کر دیتا ہے البتہ اس صورت میں فتوح سے کچھ اٹھا کر رکھ دیا جائے جبکہ روزہ دار اپنے ضعف حال کے باعث رعایت کا مستحق ہو یا بڑھاپے کے باعث اس کا خیال کیا جائے یا ایسی ہی کوئی اور وجہ ہو!

اسی طرح روزہ دار کو بھی چاہئے کہ وہ ذخیرہ کرنے (افطار پر استعمال کرنے) کے لئے اپنا حصہ اس فتوح سے قبول نہ کرے کیونکہ اس سے روحانی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے البتہ اگر وہ حقیقتاً کمزور ہے تو اپنی کمزوری اور ضعف کا اظہار کر کے ذخیرہ اندوزی کر سکتا ہے (فتوح سے اپنا حصہ لے کر افطار کے لئے رکھ سکتا ہے) یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی وجہ معاش معین و معلوم نہیں ہے۔

---

(1) چونکہ روزے سے مقصود نفس کا زیر کرنا ہے اس لئے ایک دن روزہ ایک دن افطار اس پر شاق گزرے گا اس لئے ان کے خیال میں یہ پسندیدہ طریقہ ہے' یہ تمام مباحث نفلی روزے کے متعلق ہیں۔

خانقاہ میں مقیم صوفیہ

صوفیہ خانقاہ میں مقررہ طریقے پر مقیم ہیں اور ان کی اقامت کا علم ہے ان کے لئے روزہ رکھنا ان کے مناسب حال ہے اور روزہ نہ رکھنے میں جماعت کی موافقت ان کے لئے ضروری نہیں ہے اور یہ اصول ان صوفیہ کی جماعت کے لئے بالکل واضح ہے جن کی معاش (کھانا وغیرہ) معین اور معلوم ہے۔ تو ان کا یہ کھانا ان کو دن میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے لیکن جن کی معاش غیر معلوم اور معین نہیں ہے تو ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔

مسَاعدة الصَّوام للمفطرین احسن من استدعاء الموافق مِنَ المفطرین للصَّوام۔

"یعنی روزہ داروں کے لئے بے روزہ داروں کی مدد کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ بے روزہ داروں سے استدعا کی جائے۔ کہ وہ روزہ داروں کی روزے میں موافقت کریں۔"

ان حضرات کا یہ قول صدق پر مبنی ہے بشرطیکہ نفس کے حالات اور صدق نیت کا اچھی طرح کھوج لگا لیا جائے' جب صحت نیت کا ثبوت مل جائے تو اس صورت میں روزہ رکھنے' نہ رکھنے' موافقت کرنے نہ کرنے میں جہاں بھی حسن نیت موجود ہو گا وہی صورت افضل ہو گی لیکن جہاں تک ان صورتوں میں اتباع سنت کا تعلق ہے تو جو موافقت کرتا ہے اس کے پاس بھی دلیل ہے اور جو روزہ نہیں رکھتا اس کے پاس بھی معقول وجہ ہے اور جو عدم موافقت کے ساتھ روزہ رکھتے ہیں ان کے پاس بھی ثبوت موجود ہے (یعنی اتباع سنت کے لحاظ سے تمام صورتیں درست ہیں)۔

ہمیں اپنے مشائخ کے توسط سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لئے کھانا تیار کیا جب حضور کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا (اور سب لوگ دستر خوان پر بیٹھے)۔ تو ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تمہارے بھائی نے تم کو (کھانے پر) بلایا ہے اور تمہارے لئے تکلف کیا ہے اور تم کہتے ہو کہ میں روزے سے ہوں' آؤ کھانا کھاؤ اور اس کے بجائے کسی اور دن روزہ رکھ لینا۔ (1)

اور وہ لوگ جو اتباع جماعت کے قائل نہیں ہیں وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ حدیث لاتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے کھانا تناول فرمایا مگر بلال رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے (اس لئے وہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے) اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنا رزق کھاتے ہیں اور بلالؓ کا رزق جنت میں (محفوظ) ہے۔"

پس اگر یہ یقین ہے کہ جماعت کی موافقت سے کسی کی دل آزادی نہیں ہو گی بلکہ ثواب حاصل ہو گا تو اس وقت اس نیک نیتی کی بنا پر کھانے میں شریک ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس وقت طبع کے اکسانے اور اس کے تقاضہ کے اثر سے یہ عمل نہیں

---

(1) یہ حدیث وہ لوگ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو موافقت جماعت کے قائل ہیں۔

ہونا چاہئے۔ پس اگر یہ مقصد حاصل ہونے کی توقع نہیں (اندیشہ ہے کہ شائبہ نفس اور تقاضائے طبیعت اس میں شریک ہو جائے گی) تو نفسانی طمع سے پرہیز کرتے ہوئے روزے کی تکمیل کرنا چاہئے کہ ممکن ہے اس وقت کھانے میں شرکت تبقاضائے خواہش نفسانی ہو اور حق براوری کی پاسداری کا جذبہ موجزن نہ ہو۔

طالب حق فقیر کے بہترین آداب میں سے ہے کہ جب وہ افطار کرے اور کھانا تناول کرے اور جب وہ یہ محسوس کرے کہ اس کے باطن میں کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہے اور اس کا نفس ادائے بندگی میں کوتاہی کر رہا ہے تو اس وقت اس پر لازم ہے کہ وہ دل کے بدلے ہوئے مزاج کا علاج کرے اور علاج یہ ہے کہ وہ تغیر کو اس طرح دور کرے کہ فوراً چند رکعت نماز پڑھے یا چند آیات کی تلاوت کرے یا استغفار و اذکار کے ذریعہ اس مقصد کو حاصل کرے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

"ذکر کے ذریعے اپنے کھانے کو ہضم کرو۔"

روزے کے اہم ترین اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھے البتہ اگر کوئی شخص سراپا اخلاص ہے (اس کے خلوص میں کوئی کوتاہی نہیں ہے) اور نہ کسی نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں روزے کے ظاہر ہو جانے یا پوشیدہ رہنے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (اگر روزے کی حالت ظاہر ہو جائے تو کچھ پروا نہیں)۔

باب 42

کھانے کے مفسدات و مصالح روزے نہ رکھنا اور کھانے پینے میں مشغول رہنا

صوفی حسن نیت سے آراستہ ہوتا ہے اس کا مقصد درست اور اس کا علم درست ہوتا ہے بنا بریں وہ آداب کی پابندی کرتا ہے اس طرح اس کی تمام عادات' عبادات بن جاتی ہیں اور اس طرح صوفی کا نہ صرف تمام وقت اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتا ہے بلکہ اس کی تمام زندگی ہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہبہ ہوتی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (پارہ 8 سورہ انعام)

"اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز' میری قربانی' اور میری زندگی اور موت تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے۔"

چونکہ صوفی ضرورت بشریہ کا محتاج ہے اس لئے عادات سے متعلق چیزیں اس کے کاموں میں خلل انداز ضرور ہوتی ہیں لیکن اس کی بیدار مغزی اور حسن نیت ان عادتوں کو محصور کرلیتی ہیں اس وقت اس کی عادتیں منور ہو کر عبادات کی شکل اختیار کرلیتی ہیں اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ "عالم کی نیند عبادت ہے اور اس کا تنفس تسبیح ہے۔" باینہمہ کہ نیند سراپا غفلت بلکہ عین غفلت ہے لیکن ہر وہ چیز جو عبادت میں ممدو مددگار ہو وہ عبادت میں داخل ہے (اسی بنا پر عالم کی نیند کو بھی عبادت میں شمار کیا گیا ہے)۔

تناول طعام کی اصل

تناول طعام بھی ایک اہم امر ہے چنانچہ اس کے لئے بھی معلومات کثیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ دینی اور دنیاوی فوائد پر مشتمل ہے' کھانے کا تعلق جسم اور قلب دونوں سے ہے' اس سے بدن کا قوام (زندگی) ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں قانون الٰہی جاری و ساری ہے۔ علاوہ ازیں جسم قلب کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور انہی چیزوں سے دنیا اور آخرت کی تعمیر ہوتی ہے'

ایک روایت ہے، جنت کی زمین ایک چٹیل میدان ہے جس کی نباتات تسبیح و تقدیس ہے اور جسم انفرادی ہیئت میں فطرت حیوانیہ پر پیدا کیا گیا ہے جو دنیا کی تعمیر میں ممد معاون ہے اور روح و قلب کو فطرت ملائکہ پر پیدا کیا گیا ہے جس سے آخرت کی عمارت کی تعمیر میں مدد ملتی ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے دنیا اور آخرت کی مصالح وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ و بالغہ سے آدمی کو مخصوص ترین روحانی اور جسمانی جواہر سے مرکب فرمایا ہے اور اس کو زمینوں اور آسمانوں کی منتخب اشیاء کا خزینہ بنایا ہے چنانچہ اس عالم شہادت (عالم ظاہر) اور اس کی تمام اشیاء کو خواہ وہ از قسم نباتات ہوں یا ان کا تعلق حیوانات سے ہو، انسانی جسم کی بقا کا ذریعہ بنایا ہے، (نباتات و حیوانات کو بطور غذا استعمال کرکے اپنے جسم کی بقا کا سامان فراہم کرتا ہے)۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ۝

"جو کچھ زمین میں ہے، سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔"

اس نے طبائع کو پیدا کیا جس سے مراد حرارت، رطوبت، برودت اور یبوست (خشکی) ہے اور ان کے باہمی ارتباط و آمیزش سے نباتات کو پیدا کیا اور نباتات کو حیوانات کی بقاء کا ذریعہ بنایا اور حیوانات کو آدمی کا تابع فرمان بنا دیا تاکہ وہ اپنے جسم کی بقاء کے لئے حیوانات کو اپنی معاش بنائے۔

اخلاط اربعہ کا اعتدال اعتدال مزاج ہے

ہم جو کچھ کھاتے ہیں وہ معدہ میں پہنچتا ہے اور معدہ میں یہ طبائع اَربعہ یا اَخلاط اربعہ موجود ہیں اور ہماری غذا میں بھی یہ اخلاط اربع جیسا کہ مذکور ہوا پائی جاتی ہیں پس جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے کہ وہ بدن کے مزاج میں اعتدال برقرار رکھے تو معدہ کی تمام طبائع (اخلاط) اپنی متضاد اخلاط کو غذا سے اخذ کرلیتی ہیں یعنی معدے کی حرارت غذا سے برودت کو اخذ کرتی ہے اور رطوبت، یبوست کو حاصل کرتی ہے اس طرح مزاج انسانی اعتدال پذیر ہو کر کجی (بیماری) سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ قالب کو فنا کر دے اور تعمیر جسمانی کو ویران و برباد کرنا چاہتا ہے تو اس وقت ہر طبع یعنی ہر خلط، غذا سے بجائے مخالف جنس کے ہم جنس کو اخذ کرتی ہے ایسی صورت میں مزاج درہم و برہم ہو کر جسم کو بیمار کر دیتا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (کہ اس وقت خداوند دانا و بینا کا یہی فیصلہ ہوتا ہے)۔

حضرت وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں حضرت آدم علیہ السلام کا احوال اس طرح پڑھا ہے کہ خداوند قدوس فرماتا ہے "میں نے آدم کو پیدا کیا اور اس کے جسم کی تخلیق چار چیزوں سے کی (یعنی رطوبت، یبوست، برودت اور حرارت سے) یہی سبب ہے کہ میں نے اس کو مٹی سے پیدا کیا جو یابس یعنی خشک ہے، اس کی رطوبت پانی سے حاصل ہوتی ہے اور حرارت نفس کے ذریعہ بہم پہنچتی ہے اور برودت روح سے میسر آتی ہے اور اس تخلیق اول (تخلیق آدم) کے بعد میں نے جسم کے لئے مزید چار اخلاط بنائیں جن پر میری اجازت سے وجود جسمانی کا دارومدار ہے اور ہر خلط کا وجود دوسری خلط کے

وجود پر منحصر ہے، کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور وہ اخلاط یہ ہیں، صفرا، سودا، خون، بادی، اور بلغم (۱) پھر میں نے اخلاط اولین کی ایک ایک خلط کو دوسری قسم کی اخلاط کی ایک ایک قسم کے اندر قائم کر دیا چنانچہ سودا کو خشکی کا محل ٹھہرایا، اور رطوبت کو صفرا میں جگہ دی اور حرارت کا مقام خون کو بنایا اور برودت کو بلغم میں جگہ دی۔ یعنی:

یبوست	رطوبت	حرارت	برودت
سودا	صفرا	خون یا بادی	بلغم

پس اگر یہ چاروں اخلاط جن پر جسم کی بنیاد قائم ہے، بدن میں بحالت اعتدال ہیں اور ان میں افراط و تفریط نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک بقدر ربع 1/4 دوسری خلط کے اندر موجود ہو، نہ اس کے زیادہ نہ کم تو جسم کی صحت کامل قائم رہے گی اور انسان تندرست ہو گا ورنہ نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی خلط بھی اگر زائد ہو گئی اور دوسرے کو شکست دے کر زیادہ ہو جائے، اس پر غلبہ پائے تو اس کا نتیجہ بقدر اس کے غلبہ کے بیماری ہو گا جس قدر غلبہ زیادہ ہو گا اسی قدر بیماری زیادہ ہو گی اور دوسری خلطیں کمزور پڑ جائیں گی۔

غذا میں سب سے اہم بات

غذا میں سب سے اہم بات اس کا حلال ہونا ہے، حلال وہ چیز ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے (شرعاً اس کو برا نہ کہا گیا ہو) اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بہت کچھ سہولت پیدا فرما دی ہے، اگر شریعت نے اس قدر سہولت نہ دی ہوتی تو دشواری کا سامنا ہوتا اور حلال چیز کا حصول سخت دشوار ہو جاتا۔

تناول طعام اور آداب صوفیہ

صوفیہ کرام کا کھانے کے آداب میں ایک یہ بات بھی ہے کہ وہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے ہیں تاکہ منعم حقیقی کا اس نعمت پر شکر ادا کر سکیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کھانا کھانے سے قبل وضو کرنے سے مفلسی دور ہوتی ہے (اَلْوضوء قبل الطعَام ینفی الْفَقْر) یہ مفلسی کے دور کرنے کا باعث اس سبب سے ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے نعمت الٰہی کا ادب کے ساتھ استقبال ہے جس سے شکر نعمت کا اظہار ہوتا ہے اور شکر نعمت از دیادِ نعمت کا سبب ہے پس ہاتھ دھونے سے نعمت میں اضافہ اور مفلسی کا ازالہ ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَن اَحب اَن یکثر خیر بَلیتِہٖ فلیتوضاء اِذا حَضَر غَدَاوَاہ ثُمَّ یَسمی اللّٰہ تعالیٰ۔

---

(۱) انہی چاروں کی ترکیب سے مزاج انسانی بنتا ہے اگر یہ امتزاج اعتدال پر ہے تو مزاج درست ہے اور اگر اعتدال نہیں تو مزاج سقیم و نادرست ہے۔

"جو کوئی چاہے کہ اس کے گھر کی خیر و برکت میں اضافہ ہو تو جب کھانا سامنے لایا جائے تو وہ وضو کرے اور اللہ کا نام لے (بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرے)۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ○

"جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس چیز میں سے نہ کھاؤ"

اس ارشاد ربانی کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھا جانا مراد ہے' اس کے وجوب میں امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہے (صوفی کو اس کے وجوب کے اختلاف سے بحث نہیں) صوفی تو اس کی ظاہری تفسیر سے وقوف کے بعد یہی سمجھتا ہے کہ کھانا کھانے کے وقت اللہ کا ذکر ضرور کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس وقت وہ خدا کے ذکر کو فریضۂ وقت اور لازمۂ ادب خیال کرتا ہے' وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ کھانے پینے سے چونکہ نفس کا قیام اور اس کی خواہشات کا اتباع ہوتا ہے پس اللہ کا ذکر اس کی دوا اور اس زہر کا تریاق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھ اصحابؓ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک بدوی آگیا اور وہ بھی کھانے میں شریک ہو گیا اور اس نے دو لقمے کھا لئے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ (کھانا کھانے سے قبل) اللہ کا نام لے لیتا تو یہ کھانا تم سب کے لئے بہت کافی ہوتا "لہٰذا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہے اور اگر کوئی (ابتدا میں) بسم اللہ کہنا بھول جائے تو (بعد میں) بسم اللّٰہ اَولِہٖ وبسم اللہ اٰخِرِہٖ" پڑھے۔

قلب کی بیماری اور اس کا علاج!

مستحب طریقہ یہ ہے کہ جب پہلا لقمہ لے تو "بسم اللہ کہے اور دوسرے لقمہ پر "بسم اللہ الرحمٰن" پڑھے اور تیسرے لقمہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور جب پانی پیئے تو تین گھونٹ میں پیئے' پہلے گھونٹ پر الحمد' دوسرے گھونٹ پر الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے گھونٹ پر الحمد للّٰہِ رَبِّ العَالِمِیْن الرَّحمٰنِ الرَّحِیْم ○ پڑھے۔ جس طرح معدہ میں اخلاط ہیں جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں اور وہ غذا کے مزاج سے موافقت کرتے ہیں (اور وہ ہضم ہو جاتا ہے) اسی طرح قلب کا بھی مزاج ہے اور اس کا اخلاط ہیں اور طبع ہے (اور وہ بھی علیل ہو سکتا ہے) لیکن اس کو صرف ارباب ہوش ہی جانتے ہیں اور وہی اس کی رعایت کر سکتے ہیں اور وہی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ قلب کا مزاج کھائے ہوئے ایک لقمہ سے بھی ناساز ہو سکتا ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لقمہ کے کھانے سے طیش کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے جس سے فضول کاموں کی طرف رغبت ہوتی ہے اور کبھی قلب میں کسل مندی (غفلت و کاہلی) کی برودت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کو پابندی اوقات اور فرائض میں کوتاہی کی طرف مائل کرتی ہے' اور کبھی اس میں سہو و غفلت کی رطوبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی کبھار رنج و آلام کی یبوست کا قلب شکار ہو جاتا ہے جس کا باعث لذات عاجلہ ہوتی ہے۔ بہرصورت یہ ایسے عوارض ہیں جن کو ایک بیدار مغز ہی

جلد سمجھ لیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ جسم کے تغیر کے باعث قلب کا مزاج بھی اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے' پس جب جسم کے لئے حالت اعتدال ضروری ہے تو دل کے لئے تو بدرجہ اول ضروری ہوئی بلکہ جسم کے مقابلہ میں بہت جلد اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے۔ ایسے انحراف سے قلب بیمار ہو جاتا ہے اور قلب کی موت جسم کی موت ہے۔ پس اللہ کا نام ایک ایسی مجرب نافع دوا ہے جو نہ صرف برائیوں سے صحت بخشنے والی ہے بلکہ یہ دل کی بیماری کو بھی دور کر کے شفائے کامل بخشتی ہے۔

اللہ کا ذکر کے ساتھ تخم پاشی

حکایت ہے کہ جب امام غزالیؒ (سفر سے) طوس واپس آئے تو انہیں بتایا گیا کہ کسی قریبی گاؤں میں ایک بزرگ کامل مقیم ہیں (1)' امام غزالی نے ان کی ملاقات کا قصد کیا' ان بزرگ سے امام صاحب کی ملاقات ایک ایسے جنگل میں ہوئی جہاں وہ گیہوں کی تخم پاشی کر رہے تھے۔ جب ان بزرگ نے امام غزالیؒ کو دیکھا تو (تخم پاشی چھوڑ کر) وہ ان کے پاس آئے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے (بات چیت کی) اس اثناء میں ان بزرگ کے ایک مصاحب نے آکر ان سے بیج مانگے تاکہ اس ملاقات کے دوران تخم پاشی کا کام وہ انجام دیں' مگر ان بزرگ نے ان کو بیج دینے سے انکار کر دیا' امام غزالیؒ نے اس انکار کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضور قلب اور ذکر الٰہی کے ساتھ تخم پاشی کرتا ہوں اور مجھے یہ توقع ہوتی ہے کہ جو اس (فصل) کے گیہوں کھائے گا اس کو برکت حاصل ہو گی لہٰذا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تخم پاشی کا کام ایسے شخص کے سپرد کر دوں جو بغیر حضور قلب اور ورد ذکر کے اس کو انجام دے (بغیر ذکر و حضور قلب کے تخم پاشی کرے)۔

ایک بزرگ کا معمول تھا کہ کھانا کھانے سے قبل وہ قرآن پاک کی کسی سورت کی تلاوت شروع فرما دیتے تھے اور اسی تلاوت کے دوران وہ کھانا کھا لیتے تھے تاکہ ذکر الٰہی کے انوار سے کھانے کے تمام اجزاء معمور و منور ہو جائیں' اس طرح کھانے کے بعد کوئی برائی رونما نہیں ہوتی تھی اور نہ ان کے مزاج قلب میں کوئی تغیر پیدا ہوتا تھا (یہ اس ذکر الٰہی کی برکت ہوتی تھی)۔

ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "میں کھانے کے وقت بھی نمازؒ پڑھتا ہوں۔ اس قول سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے کے وقت بھی حضور قلب موجود ہوتا تھا جو تناول طعام کی صورت میں دیگر مشاغل سے روک دیتا تھا اور ان کی ہمت میں اس اس وقت بھی تفرقہ نہیں پڑتا تھا اور وہ کھانا کھاتے وقت بھی حضور قلب اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کے عظیم اثرات مشاہدہ فرمایا کرتے تھے اور کبھی وہ غفلت سے دوچار نہیں ہوتے تھے۔

قدرت الٰہی میں غور و فکر

کھانا کھاتے وقت قدرت الٰہی میں غور و فکر کرنا بھی ذکر میں داخل ہے مثلاً انسان دانتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی صناعی میں غور کرے کہ کچھ دانت ایسے ہیں جو غذا کو ریزہ ریزہ کرتے ہیں کچھ ایسے ہیں اس کو کاٹتے ہیں اور کچھ دانت غذا کو پیستے ہیں

(1) یہ وہ زمانہ ہے کہ امام حجتہ الاسلام تصوف کی دنیا میں داخل ہو چکے ہیں۔

(کس قدر عظیم قدرت ہے) یا اس بات پر غور کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے منہ میں ایسا میٹھا پانی پیدا فرمایا ہے جو منہ کا مزہ بگڑنے نہیں دیتا۔ اس کے برعکس آنکھوں میں نمکین پانی پیدا کیا ہے تاکہ وہ خرابی سے محفوظ رہیں' یا اس بات پر غور کرنا کہ منہ اور زبان سے ایسی رطوبت خارج ہوتی ہے جس سے غذا کے نگلنے اور چبانے میں آسانی ہوتی ہے' اسی طرح قوت ہاضمہ کو کھانے (غذا) پر اس طرح غلبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ غذا کے اجزاء کو الگ الگ کر دیتی ہے (غذا کا تجزیہ کرتی ہے) اور جگر بھی قوت ہاضمہ کو مدد دیتا ہے۔ بلکہ جگر تو آگ کی مانند ہے اور معدہ ہانڈی کی طرح (معدہ کی ہانڈی جگر کی آگ سے پکتی ہے)(1) پس جس قدر جگر خراب ہو گا اسی قدر ہاضمہ کم ہو گا اور غذا کو باقاعدہ نہیں پکائے گا (ہاضمہ خراب ہو جائے گا) اور ہر عضو کو اپنا ضروری حصہ (توانائی کا) نہ مل سکے گا اور اسی طرح تمام دوسرے اعضاء جگر' تلی اور گردوں سے متاثر ہوتے ہیں (یہ دوسرے اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں) اس کی شرح بہت طولانی ہے' جو اس کی تشریح کے مطالعہ کے خواستگار ہیں وہ تشریح الاعضاء پر کتابیں ملاحظہ کریں (2)۔ وہ قدرت الٰہی سے ششدر رہ جائیں گے اور انہیں معلوم ہو گا کہ کس طرح اعضاء ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور باہمی تعاون سے غذا کی اصلاح کرتے ہیں اور اس غذا سے قوت حاصل کرتے ہیں' ہضم ہونے کے بعد غذا کس طرح خون' فضلہ اور دودھ میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور پیدا ہونے والے (بچے) کے لئے اسی تجزیہ سے اللہ تعالیٰ کس طرح فضلہ اور خون سے اس دودھ کو پیدا فرماتا ہے جو خالص اور آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے (3)۔ پس کھانا کھاتے وقت ایسی باتوں پر غور و فکر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا پتہ چلانا بھی ذکر میں شامل ہے۔

قلب کی اس بیماری کا علاج جو غذا سے پیدا ہوتی ہے

کھانے کی اس بیماری کا علاج جس سے قلب کا مزاج متغیر ہو جاتا ہے یا دل بیمار ہو جاتا ہے یہ ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ اس غذا کو اس کی اطاعت میں مددگار بنائے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَمَا رَزَقْنَا مِمَّا تحب اِجعَلهُ عَوْنًا لَنَا عَلٰى مَا تحب وَمَا زَوَّيْت عَنَّا مِمَّا تحب اِجْعَله فَرَاغًا لَنَا فيما تحب ○

---

(1) اطبا کی اصطلاح میں اس کو طبخ کبدی کہتے ہیں اور طبخ کبدی سے پکی ہوئی غذا کیلوس کہلاتی ہے۔ (شمس)

(2) علم تشریح الاعضا اناٹوی۔

(3) یہ اللہ تعالیٰ کی برکتیں ہیں جو مخلوق کا بہترین خالق ہے۔

باب 43

کھانا کھانے کے آداب

کھانا کھانے کے آداب میں سے ہے کہ کھانے کا آغاز نمک (نمکین چیز) سے کیا جائے اور نمک ہی پر کھانا ختم کیا جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے علی! اپنے کھانے کا آغاز نمک سے کرو اور نمک ہی پر اس کو ختم کرو! کیونکہ نمک ستر بیماریوں کے لئے شفا ہے ان میں امراض جنون، جذام، برص، درد شکم اور داڑھ کا درد بھی شامل ہے۔"

نمک سے علاج

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بائیں پاؤں کے انگوٹھے میں کسی کیڑے نے کاٹ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس وہ سفید نمک لاؤ جو آٹے میں استعمال ہوتا ہے (الابیض الذی یکون فِی العجین) چنانچہ ہم نے نمک پیش کیا آپ نے اس کو ہتھیلی پر رکھ کر تین مرتبہ زبان سے لیا اس کے بعد جو نمک بچ رہا تھا اس کو کاٹے ہوئے حصہ پر رکھ دیا جس سے درد کو سکون ہو گیا۔

کھانے پر بہت سے لوگوں کا جمع ہونا مستحب ہے اور خانقاہ میں تو صوفیہ کرام کا یہ معمول ہے کہ وہ اکٹھا ہو کر کھاتے ہیں۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نزدیک سب سے اچھا کھانا وہ ہے جس کی طرف بہت سے ہاتھ بڑھائے جائیں، ایک بار لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا! یا رسول اللہ ہم کھانا تو کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا تم لوگ الگ الگ (بیٹھ کر) کھانا کھاتے ہو باہم مل کر کھانا کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لے کر شروع کرو، تمہارے کھانے میں برکت ہو گی۔"

صوفیہ کا ایک معمول یہ بھی ہے کہ وہ دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں، اس طرح کھانا رسول اللہ کی سنت ہے جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تخت پر کھانا کھایا اور نہ سینی میں۔" اس پر دریافت کیا گیا کہ پھر کس چیز پر کھانا تناول فرماتے تھے، حضرت انس نے جواب دیا "دستر خوان" پر۔

کھانا کھاتے وقت لقمہ چھوٹا لینا چاہئے اور اچھی طرح چبا کر کھانا چاہئے اس وقت اپنے سامنے نظر رکھنا چاہئے دوسرے کھانے والوں کے چہروں کو نہیں تکنا چاہئے۔ کھانے کے لئے جب بیٹھے تو بائیں پاؤں کے سہارے پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو

کھڑا رکھنا چاہئے۔ کھاتے وقت کسی چیز کا سہارا یا ٹیک نہیں لگانا چاہئے، فکر اور اظہار تکبر کے بغیر اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ اس سے تواضع ظاہر ہوتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفۃً ایک بکری پیش کی گئی (بھنی ہوئی بکری) تو آپ دو زانو ہو کر اس کو نوش فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ آپ کس طرح بیٹھے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا "اللہ تعالٰی نے مجھے بندۂ (عاجز) پیدا کیا ہے سرکش اور متکبر پیدا نہیں کیا ہے۔"

صوفی کو چاہئے کہ اس وقت کھانے کی ابتداء نہ کرے جب تک کہ میر محفل یا شیخ طریقت ابتداء نہ کرے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پر موجود ہوتے تھے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک کھانے پر ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمانا شروع نہیں کر دیتے تھے اور ہم سب لوگ سیدھے ہاتھ سے کھاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے جب کوئی کچھ کھائے تو سیدھے ہاتھ سے کھائے اور پیئے اور کوئی چیز پکڑے تو دائیں ہاتھ سے پکڑے اور کسی کو کچھ دے تو دائیں ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے، کچھ لیتا ہے تو بائیں ہاتھ سے لیتا ہے اور کسی کو کچھ دیتا ہے تو بائیں ہاتھ سے دیتا ہے۔"

آداب ماکولات

اگر ماکولات میں کوئی چیز گٹھلی والی ہے جیسے کھجور یا اور کوئی چیز تو پھینک دینے والی چیز کے ساتھ کھانے کی دوسری چیز کو جمع نہ کیا جائے نہ گھٹلی کو طباق میں رکھا جائے نہ ان کو ہاتھ میں جمع کیا جائے بلکہ منہ سے نکال کر ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر پھینک دیا جائے (بَل یضعُ ذٰلكَ علی ظهر کفه من فیهِ وَیرمیه)

ثرید (روٹی کے ٹکڑے گوشت میں پکائے ہوئے) کو اوپر سے نہیں کھانا چاہئے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو اسے کناروں سے شروع کرو اور اس کے وسطی حصے کو چھوڑ دو کہ برکت کا نزول کھانے کے وسطی حصے میں ہوتا ہے۔"

کھانے میں عیب نہ نکالو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ کو اشتہا ہوئی تو آپ نے تناول فرمالیا ورنہ چھوڑ دیا، تناول فرمانے کے درمیان اگر کوئی لقمہ گر جاتا تو اس کو بھی اٹھا کر تناول فرما لیتے (وَاِذا سقطت اللُقمة یَا کُلَهَا) جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے۔ "جب کھانے میں تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس سے خرابی دور کر کے کھا لے، اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑا جائے، اس کے بعد انگلیوں کو چاٹ لے۔"

انگلیوں کے چاٹنے کے سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب کوئی شخص کھانا کھائے تو کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لے اس لئے کہ اسے نہیں معلوم کہ کون سے کھانے میں برکت ہے! اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتنوں کے بالکل صاف کرنے کے سلسلہ میں فرمایا ہے، علاوہ ازیں آپ نے کھانے پر (ٹھنڈا کرنے کے لئے) پھونک مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا "کھانے پر پھونک مارنے سے اس کی برکت جاتی رہتی ہے۔" حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک نہیں ماری جاتی تھی اور نہ کسی برتن کے اندر سانس لیا جاتا تھا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے منع فرمایا ہے) یہ تمام باتیں خلاف ادب ہیں۔

سرکہ اور سبزیوں کی برکت

دستر خوان پر سرکہ اور سبزیوں کا ہونا برکت کا موجب ہے اور مسنون ہے، کہتے ہیں کہ اگر دستر خوان پر سبزیاں موجود ہیں تو اس پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے میں اس وقت ان کے پاس موجود تھی، حضورؐ نے ان سے فرمایا"! کیا دن کا کھانا موجود ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا جی ہاں! روٹی۔ کھجوریں اور سرکہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خوب سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے الٰہ العالمین سرکہ میں برکت عطا فرما کہ مجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کا یہ سالن تھا" اور جس گھر میں سرکہ موجود ہوتا ہے وہ گھر ویران نہیں ہوتا۔

دستر خوان پر خاموش نہیں بیٹھنا چاہئے

کھانے پر خاموش نہیں بیٹھنا چاہئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، روٹی اور گوشت کو چھری سے نہیں کاٹنا چاہئے (1)، اس کو منع کیا گیا ہے۔ جب تک سب لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اس وقت تک کھانے سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "جب دستر خوان بچھا دیا جائے تو اس وقت تک وہاں سے کوئی نہ اٹھے جب تک کہ دستر خوان نہ اٹھا دیا جائے خواہ اس کا پیٹ بھر ہی کیوں نہ جائے تاہم وہ کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے تا وقت یہ کہ پوری جماعت فارغ نہ ہو جائے اس عرصہ میں وہ خود کو کھانے سے بہلاتا رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا ساتھی (اس کو دست کشیدہ دیکھ کر) شرمندہ ہو جائے اور ہاتھ کھینچ لے اور اس وقت تک وہ شکم سیر نہ ہوا ہو۔"

جب دستر خوان پر روٹی لا کر رکھ دی جائے تو مزید انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ

---

(1) جیسا کہ آجکل ہمارے معاشرے میں اس کا دستور ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"روٹی کا احترام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی برکات سے تم کو نوازا ہے اور اس نے لوہے، گائے اور انسان کو تمہارا تابع بنایا۔ (کہ ان چیزوں کے ذریعہ تم کو روٹی حاصل ہوتی ہے)۔"

آداب طعام میں سب سے اہم بات

آداب طعام میں سب سے اہم بات اور خاص نکتہ یہ ہے کہ جب خوب بھوک معلوم ہو تو اس وقت کھائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا چھوڑ دے (کچھ بھوکا اٹھے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "انسان نے اپنے پیٹ سے زیادہ بڑا اور کوئی ظرف نہیں بھرا۔"

صوفیوں کی ایک عادت

صوفیہ کرام کی ایک عادت یہ بھی ہے (ان کا یہ معمول ہے) کہ اگر ان کا خادم ان کے ساتھ دستر خوان پر نہیں بیٹھا ہے تو اس کو وہ چند لقمے کھلا دیتے ہیں اور یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تمہارا خادم کھانا لے کر آئے اور وہ تمہارے ساتھ کھانے پر نہ بیٹھے تو اس کو دو ایک لقمے کھلا دو، کیونکہ وہ اپنی محنت کے اجر کا حقدار ہے۔ (1)

کھانے سے فراغت کے بعد کی دعا

جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" ○

ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب کوئی کھانے سے فارغ ہو جائے اور یہ دعا پڑھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَلْمعَمَنِیْ ھَذا وَرزقنیه مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَلَا قُوَّۃ ○" تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"

کھانے سے فراغت کے بعد خلال کرنا چاہئے، حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

تخللوا فَاِنَّہٗ نَظَافَۃٌ والنَّظَافَۃُ تَدْعُوْ اِلَی الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانَ مَعَ صَاحِبہ فِی الْجَنَّہِ ○ (2)

---

(1) فَاِنَّہٗ ولی حرہ ودُخانہ

(2) خلال کرو کیونکہ یہ صفائی ہے اور صفائی ایمان کی طرف بلاتی ہے اور ایمان صاحب ایمان کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

کھانے کے بعد آداب

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کھانے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے' حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اس حالت میں رات گزارے کہ اس کے ہاتھ چکنائی سے آلودہ ہوں' اس نے ہاتھ نہ دھویا ہو۔ اور پھر اسے کوئی اذیت پہنچے تو اس کو اس وقت صرف اپنے نفس کو ملامت کرنا چاہئے۔ (کہ یہ اس کے عمل ہی کا نتیجہ ہے)۔

مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب ایک ہی طشت میں ہاتھ دھوئیں' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُنزعو الطسوس وَخالِفو المجوس "طشتوں کو بھر دو اور مجوس کی مخالفت کرو۔"

تر ہاتھوں سے آنکھوں کا مسح کرنا چاہئے ایسا کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو تو آنکھوں کو پانی سے سیراب کرو (آنکھوں کو پانی پلاؤ) اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو' کیونکہ وہ شیطان کے مور چھل ہیں' (انگلیوں سے ٹپکتے ہوئے پانی کو جھاڑنا نہیں چاہئے بلکہ آنکھوں کے پپوٹوں کو اس سے تر کر دینا چاہئے)۔ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کہ یہ حکم صرف وضو سے مخصوص ہے یا اس کے علاوہ بھی؟ انہوں نے فرمایا وضو میں بھی اور اس کے علاوہ بھی' (اس طریقے کو اختیار کیا جائے)۔

ہاتھ دھوتے وقت اسنان (2) دائیں ہاتھ میں رکھے' خلال کے وقت دانتوں سے نکلنے والی غذا کے ریزوں کو نہ نگلے' اگر کوئی ریزہ یا غذا زبان سے لگی رہ گئی ہو اس کے نگل لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' کھانا کھاتے وقت تکلف اور تصنع سے پرہیز کرے اور جس طرح (بے تکلف ہو کر) تنہا کھانا کھاتا ہے اسی طرح جماعت کے ساتھ کھانا کھائے کیونکہ انسان کے اندر ریاکاری ہر چیز کے ذریعہ داخل ہو جاتی ہے۔

ایک دفعہ ایک عالم کے سامنے کسی بزرگ کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے اس کی تعریف نہیں کی' ان سے پوچھا گیا کیا آپ کو ان کے بارے میں کسی بری بات کا علم ہے جو آپ نے ان کی تعریف نہیں کی' انہوں نے کہا جی ہاں! میں نے انہیں کھانے میں تکلف برتتے ہوئے پایا ہے اور جو شخص کھانے میں تکلف اور تصنع اختیار کرتا ہے تو اندیشہ یہ ہے کہ وہ دوسرے معاملات میں بھی تصنع سے کام لیتا ہو گا۔

کھانا کھاتے وقت کی دعائیں

اگر یہ یقین ہے کہ کھانا قطعی طور پر حلال کا ہے (حلال ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے) تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تتم الصَالحَات وَتَنزل البر کات' اَللّٰھُمَّ صَلِ عَلٰی مُحَمَّدٍ

---

(1) ایک قسم کی گھاس جو عہد قدیم میں ہاتھ صاف کرنے کے کام آتی تھی!

○ اَللّٰھُمَّ اَطْعَمْنَا طَیِّبًا وَاسْتَعْمَلْنَا صَالِحًا ○

اور اگر اس کھانے میں کسی قسم کا شائبہ اور شبہ ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حال ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَلَا تجْعَلْہُ عَوْنًا مَعْصِیَّتِكَ ○

اگر ایسی کوئی بات کھانے کے بارے میں معلوم ہو جائے تو بہت زیادہ استغفار کرے اور حزن و ملال کا اظہار کرے' اس مشتبہ کھانے پر روئے' ہنسے نہیں (کہ رونے کا مقام ہے ہنسنے کا نہیں ہے) اس پر رونا ہنسنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

کھانے سے فراغت کے بعد سورۃ اخلاص قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ اور سورۃ القریش (لایْلٰفِ قُرَیْش) پڑھنا چاہئے لوگ جب کھانے میں مصروف ہوں تو ان کے پاس جانا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ یہ مقولہ ہے جو بن بلائے کھانے کی طرف چلتا ہے وہ فاسق ہو کر چلتا ہے اور حرام کھاتا ہے۔ اور اسی مقولہ کو اس اضافہ کے ساتھ ہم نے خود سنا ہے کہ "وہ چور بن کر داخل ہوتا ہے" اور لٹیرے کی حیثیت سے وہاں سے نکلتا ہے۔ البتہ ایسے لوگوں کے پاس کھانا کھاتے وقت جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو اس کے کھانے سے خوش ہوتے ہوں' (یعنی ان کے کھانے میں بغیر بلائے کوئی شریک ہو جائے تو اس سے ان کو خوشی حاصل ہو اگر ایسے لوگ کھانا کھاتے ہوں تو ان کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

مستحب ہے کہ میزبان اپنے مہمان کے ساتھ اسے رخصت کرنے (دروازے تک جائے اور مہمان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر مکان سے نہ جائے' میزبان کو تکلف سے پرہیز کرنا چاہئے البتہ اگر وہ اپنے مہمان کے لئے زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہے تو تکلف میں مضائقہ نہیں! لیکن یہ عمل حیا اور تکلف کی وجہ سے نہ ہو (کہ میزبان اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے اور تکلف برتنے کے لئے انواع و اقسام کے کھانے مہمان کے لئے تیار کرائے تاکہ اس کی بات رہ جائے اس کا نام ہو اور کہا جائے کہ فلاں شخص نے کھانے میں بڑا تکلف اور اہتمام کیا)۔

اگر جماعت کے ساتھ کھانا کھایا جائے تو کھانے سے فراغت کے بعد (افطار کے بعد) بعد نماز مغرب یہ دعا پڑھے۔

افطَر عِنْدَ کُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلاَئِکَۃ ○

"تمہارے پاس روزہ دار لوگ افطار کریں اور ابرار تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تم پر درود بھیجیں۔"

اسی قسم کی ایک اور دعا بھی منقول ہے:

عَلَیْکُمْ صَلاَۃ قوم اَبْرار لَیْسُوْ بِآثِمِیْنَ وَالْاَفْجَار یُصَلُّوْنَ بِاللَّیْلِ وَیَصُوْمُوْنَ بِالنَّھَارِ ○

"تم پر ان لوگوں کی دعا ہو جو نہ گنہگار ہیں اور نہ بدکار وہ لوگ رات کے وقت نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔"

بعض صحابہ کرام یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔

ماحضر کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے

آداب طعام میں یہ بھی ہے کہ جو کھانا کسی کے سامنے پیش کیا جائے وہ شخص اس کو حقیر نہ سمجھے' رسول اللہ کے ایک

صحابی فرمایا کرتے تھے کہ نہیں معلوم ان دو شخصوں میں سے کونسا شخص زیادہ گنہگار ہے ایک وہ جو ماحضر کو حقیر سمجھے یا وہ شخص جو اپنے کھانے کو حقیر اور معمولی سمجھ کر اس کو پیش کرنے سے کترا رہا ہو۔

وہ کھانا جو کوئی نام و نمود کے لئے کرتا ہے یا جو شادی یا غم کے موقع پر تکلف کے ساتھ تیار کرائے جاتے ہیں درویشوں کو ایسا کھانا تناول کرنا مکروہ ہے اور جو کھانا ماتم کرنے والوں کے لئے (میت کے گھر والوں کے لئے) تیار کیا گیا ہے اس کا کھانا بھی مکروہ ہے ہاں جو تعزیت کرنے والوں کے لئے تیار کیا گیا ہے اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

اگر کسی شخص پر اپنے بھائی کی اس حالت کا انکشاف ہو جائے کہ وہ اس کے کھانے میں اس کی شرکت سے خوش ہوتا ہے تو ایسا شخص اگر اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا کھالے تو کوئی مضائقہ نہیں' اللہ تعالیٰ نے "أَوْ صَدِيقِكُمْ" فرما کر دوست کے گھر میں کھانا کھانے کی اجازت دے دی ہے' کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری کے گھر پر کچھ لوگ پہنچے لیکن آپ موجود نہ تھے' وہ لوگ آپ کے گھر کو کھول کر داخل ہو گئے انہوں نے دستر خوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے' اتنے میں حضرت سفیان بھی تشریف بھی لے آئے اور یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اپنی اس کاروائی سے مجھے اسلاف کرام کے اخلاق یاد دلا دیئے کہ ان حضرات کا یہی وطیرہ اور معمول تھا۔

دعوت رد نہیں کرنا چاہئے

اگر کوئی شخص کھانے پر مدعو کرے (کسی کو کھانے پر بلایا جائے) تو اس کی دعوت قبول کرنا سنت ہے' بلکہ دعوت ولیمہ قبول کرنے کے سلسلہ میں زیادہ تاکید آئی ہے جو لوگ ازراہ رعونت و تکبر دعوت میں شرکت سے گریز کرتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے اگر یہ عمل صرف تصنع اور دکھاوے کے طور پر کیا جائے تو تکبر سے کم ہے۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار وہ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو راستے میں کھڑے ہوئے لوگوں سے سوال کر رہے تھے (ایسے فقیروں کے پاس سے گزرے) اور انہوں نے روٹی کے ٹکڑے زمین پر پھیلا رکھے تھے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خچر پر سوار تھے جب آپ ان کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کو سلام کیا' انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا اے ابن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آیئے ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جایئے' آپ نے فرمایا اچھا! بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا! پھر آپ سواری موڑ کر اترے اور ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ کچھ کھا کر آپ ان کو سلام کر کے سوار ہو گئے۔ (وہاں سے تشریف لے گئے)۔

کہا جاتا ہے کہ بھائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا۔ ابن عباس کے ساتھ کھانے سے افضل ہے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ ہے کہ ہارون الرشید نے ابو معاویہ" العزیز (نابینا) کو بلایا اور خدام کو حکم دیا کہ ان کے سامنے کھانا پیش کیا جائے۔ جب ابو معاویہ" کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہارون الرشید نے طشت میں پانی ڈال کر خود ان کے ہاتھ دھلائے جب وہ ہاتھ دھو چکے تو ہارون الرشید نے ان سے پوچھا۔ "اے ابو معاویہ! تمہیں معلوم ہے تمہارے ہاتھ کس نے دھلائے ابو معاویہ" نے کہا مجھے علم نہیں!

تب ہارون الرشید نے کہا کہ امیر المومنین (میں نے) تمہارے ہاتھ دھلائے ہیں۔ ابو معاویہؒ نے کہا اے امیر المومنین آپ نے (میرے ہاتھ دھلا کر) علم کی تعظیم و تکریم کی ہے، پس جس طرح آپ نے علم کا وقار بڑھایا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عزت کو اسی طرح بلند و بالا فرمائے اور آپ کا مرتبہ بڑھائے۔

باب 44

صوفیہ کرام کی لباس پوشی اور اس کے مقاصد

لباس بھی نفس (انسانی) کی ایک اہم ضرورت ہے' اسی کے ذریعہ سردی اور گرمی سے تحفظ ہوتا ہے جس طرح کھانے سے بھوک کو دور کیا جاتا ہے (اسی طرح لباس سے جسم کو سردی اور گرمی سے بچایا جاتا ہے) اور جس طرح نفس بقدر ضرورت کھانے پر قانع نہیں ہے بلکہ زیادہ کی خواہش کرتا رہتا ہے اسی طرح یہ نفس لباس بھی نوع بہ نوع چاہتا ہے اور اس میں نئے نئے طریقے وضع کرتا ہے' اس سلسلہ میں اس کی خواہشات رنگا رنگ اور ضرورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

ایک پاک نظر درویش کا نظریۂ لباس!

ایک صوفی سے کہا گیا کہ آپ کا لباس پھٹا ہوا ہے' انہوں نے فرمایا ہاں! لیکن یہ حلال کمائی سے بنایا گیا ہے! ان سے کہا گیا کہ میلا اور کثیف بھی ہو گیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں لیکن یہ پاک ہے۔ اس طرح ایک مخلص صادق کا لباس کے سلسلہ میں نصب العین یہ ہوتا ہے کہ وہ حلال کمائی کا ہو خواہ کیسا ہی ہو' حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دس درہم کا کپڑا خریدے اور ان درہموں میں ایک درہم بھی حرام کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض یا نفلی عبادت قبول نہیں فرمائے گا اور نہ اس کے صرف وعدل کو شرف قبولیت بخشے گا۔

وجہ حلال (حلال کمائی) کے بعد صوفی اس چیز پر نظر ڈالتا ہے کہ اس کا لباس پاک ہو' اس لئے کہ صحت نماز کے لئے طہارت لباس شرط ہے ان دو باتوں کے بعد پھر وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ لباس اس کو سردی یا گرمی سے بچا سکے کہ اس میں مصالح جسمانی پائی جاتی ہیں' ان باتوں کے علاوہ اگر نفس کسی اور بات کی خواہش کرتا ہے (لباس خوش وضع ہو' خوش رنگ ہو' قیمتی کپڑے کا ہو) تو یہ تمام باتیں فضول ہیں اور ان کا مقصد نام و نمود ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

مخلص درویش اور صوفی کا نظریہ تو صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ محض اللہ کی رضامندی (ستر عورت) کے لئے لباس پہنے' علاوہ ازیں یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ خود کو سردی یا گرمی سے بچائے (نفس کی حفاظت سردی یا گرمی سے کر دے)۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک واقعہ!

حضرت سفیان ثوریؒ ایک دن الٹے کپڑے پہنے ہوئے نکلے (خرقہ الٹا پہنے ہوئے تھے) لوگوں نے ان سے کہا تب ان کو اس کا علم ہوا (کہ وہ الٹا لباس پہنے ہیں) جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چاہا کہ اس کو سیدھا کر کے پہن لیں لیکن فوراً ہی

انہوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا کہ جب میں نے یہ کپڑے پہنے تھے تو یہ نیت تھی کہ میں ان کو لوجہ اللہ پہن رہا ہوں اور اب میں محض لوگوں کو دکھاوے کے لئے اپنی پہلی نیت کو فسخ نہیں کروں گا (چنانچہ آپ نے لباس کو اس طرح الٹا پہنے رکھا الٹ کر نہیں پہنا)۔

صوفیہ حضرات اخلاص کی طہارت سے مختص ہوتے ہیں اور جو کچھ ان کو اخلاقی طہارت حاصل ہوتی ہے وہ ان کی صلاحیت اور اہلیت اور اس استعداد کے مطابق ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے نفوس میں ودیعت فرما دیتا ہے لہٰذا ان کے پاکیزہ اخلاق اُن کی صلاحیت نفس اور اس کے تناسب کا پتہ چل جاتا ہے اور اسی تناسب کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ○

"جب میں اس برابر کروں اور اس میں اپنی روح سے پھونکوں"

اس تسویہ اور ہمواری سے مراد وہی تناسب ہے جس کا ذکر کیا گیا پس اسی تناسب کے پیش نظر یہ مناسب ہے، کہ ان کا لباس ان کے کھانے کے مطابق ہو (جیسا اور جس قسم کا وہ کھانا کھاتے ہیں اسی معیار کا لباس ہو' اور ان کا کھانا ان کے کلام کے مطابق ہو (یعنی لباس' طعام اور کلام میں یک رنگی اور تناسب ہو) اور ان کے کلام اور ان کی نیند میں بھی ہم آہنگی اور تناسب ہو اس لئے کہ نفس میں جو تناسب موجود ہے وہ علم کا تابع ہے (بغیر علم کے نفس میں یہ تناسب پیدا نہیں ہو سکتا) اور احوال کے تشابہہ اور تماثل (یکسانیت) پر علم ہی کے ذریعہ حکم لگایا جا سکتا ہے اور اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی باعث ہر عہد اور ہر قرن کے صوفیہ آمیزش نفس اور خواہشات کے دخیل ہونے کے باوجود اس تناسب کا التزام رکھتے تھے اور جس حد تک یہ تناسب ان میں موجود تھا وہ ان کے بزرگان سلف کے احوال کا معمولی سا فیضان (1) تھا۔

تناسب حال کی ایک مثال

شیخ ابو سلیمان دارائیؒ فرماتے ہیں کہ ایک درویش 3 درہم کا لباس پہننا چاہتا ہے لیکن اس کا پیٹ پانچ درہم کی قیمتی غذا کھانا چاہتا ہے یہ عدم تناسب ہے۔ شیخ دارائیؒ نے اس بات کو اس لئے ناپسند کیا کہ اس میں تناسب موجود نہیں تھا (لباس و طعام میں عدم تناسب کے باعث اس کو مکروہ سمجھا) پس جس صوفی کے کپڑے موٹے اور کھردرے کپڑے کے ہوں (تناسب کے پیش نظر) اس کا کھانا بھی معمولی قسم کا ہونا چاہیئے اگر کسی صوفی کے لباس اور طعام میں یہ عدم تناسب پایا جاتا ہے تو اس سے اس کی طبیعت کے انحراف (کجی) کا پتہ چلتا ہے (عدم تناسب اس کی انحراف اور طبع کی دلیل ہے) یعنی اس کی طبع کا سیلان ان دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی طرف ضرور ہو گا لباس کی صورت میں تو مخلوق میں نام و نمود کا حصول اس کا باعث ہو گا (وہ چاہتا ہے کہ معمولی پیوند دار کپڑے پہن کر مخلوق میں متعارف اور نمایاں ہو جائے اور خلق اس کی طرف رجوع کرے) اور کھانے کی صورت میں انتہائی حریص و طمع اس کا موجب ہو گی (اچھا کھانا وہ طمع نفس کے باعث کھانا چاہتا ہے) یہ دونوں قسم کے رجحانات

(1) صوفیہ کرام کو یہ تناسب اپنے شیوخ کے حال سے میسر آتا ہے' جب وہ اپنے شیوخ میں یہ تناسب احوال پاتے تھے تو وہ اپنے حال میں بھی اس تناسب کو بحال رکھتے تھے۔

(مخلوق میں نام و نمود اور طمع و حرص) ایک قسم کی بیماری ہے جس کے علاج کی سخت ضرورت ہے تاکہ علاج (2) سے وہ بہتر اعتدال پر آجائے۔

انہی شیخ دارائیؒ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے دھلے ہوئے کپڑے ایکبار پہنے تو شیخ احمدؒ نے ان سے کہا کہ کاش آپ اس لباس سے عمدہ لباس پہنتے یہ سن کر شیخ دارائیؒ نے جواب دیا کہ کاش میرا قلب دوسرے قلوب کے مقابلے میں ایسا ہوتا جس طرح میرا لباس (یہ قمیض) دوسروں کے لباس کے مقابلے میں صاف ستھرا نظر آرہا ہے (اس قول سے مقصود یہ ہے کہ میرا دل جس قدر صاف ہے اسی قدر صاف لباس میں نے پہنا ہے)۔

دُرویشوں کا پیوند دار لباس

اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ درویش (صوفیہ) پیوند دار کپڑے پہنتے ہیں بسا اوقات وہ کوڑے کے ڈھیروں (مزبلہ) سے دھجیاں اور چیتھڑے اٹھا کر ان سے اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے چنانچہ اہل حق کی ایک جماعت ایسا ہی کیا کرتی تھی چونکہ ان کی وجہ معاش مقرر نہ تھی (جس سے وہ لباس خریدتے) اسی لئے وہ کوڑے کے ڈھیروں سے چیتھڑے اور دھجیاں اٹھا لیتے تھے (اور کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے) اور (تناسب حال کے برقرار رکھنے کے لئے) دَر دَر جا کر وہ روٹی کے ٹکڑے حاصل کرتے تھے۔

شیخ ابو عبداللہؒ الرفاعی اسی قسم کے فقرو توکل پر تیس سال تک مستقل مزاجی سے قائم رہے، جب دوسرے درویشوں کے لئے کھانا آتا تھا (فتوح) تو وہ اس کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے، جب ان سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں کھاتے، تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ تو حق توکل کے سلسلہ میں کھاتے ہو اور میں فقیری اور مسکینی کے حق سے کھاتا ہوں (میرے اور تمہارے کھانے میں مناسبت نہیں ہے) چنانچہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان دَر دَر سے روٹی کے ٹکڑے حاصل کرنے کے لئے نکل جاتے تھے۔ یہ شان ان لوگوں کی ہے جن کی وجہ کفالت اور روزی معین و مقرر نہ ہو اور وہ کسی کے زیر بار احسان بننا نہ چاہتے ہوں۔

شیخ بشر بن حارث کا اعتراض اور ایک نوجوان کا جواب

روایت ہے کہ مرقع پوش صوفیوں کی ایک جماعت (کچھ مرقع پوش صوفی) شیخ بشر بن حارث کی خدمت میں حاضر ہوئی تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اس لباس میں لوگوں کے سامنے نہ آیا کرو کیونکہ اس لباس سے تم پہچان لئے جاتے ہو اور لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں، یہ سن کر تمام صوفی خاموش ہو گئے مگر ایک نوجوان نے جو اس جماعت میں موجود تھا کہا کہ:

"خداوند بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ان لوگوں کی جماعت میں شریک کیا جو اس لباس کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں اور ان کی عزت کی جاتی ہے۔ خدا کی قسم یہ لباس ظاہر ہو کر رہے گا اینکہ یہ لباس

(2) شیخ کی تربیت اس کا علاج ہے۔ اسی کی نظر کے فیض سے یہ بیماری دور ہو سکتی ہے۔

تمام تر اللہ کے لئے ہو جائے۔"

یہ جواب سن کر شیخ بشرؒ نے فرمایا "اے نوجوان تم نے کیا خوب بات کہی!" تم جیسا شخص گدڑی (مرقع) پہن سکتا ہے (کہ خود نمائش کا اس کے اندر شائبہ نہیں ہے)۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک فقیر کا لباس مدت نہیں اترتا تھا اور چونکہ اس کے پاس ایک ہی لباس ہوتا تھا اسی لئے اسی کو پہنے رہتا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے تین درہم میں ایک قمیض خرید کر پہنی اور پھر اپنے پوروں (انگلیوں کے سروں) سے اس قمیض کی آستینوں کو تھوڑا سا کاٹ دیا (تاکہ وہ پھٹی ہوئی معلوم ہو) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ بھی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اپنے دوست (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہو تو اپنی قمیض میں پیوند لگاؤ (پیوند لگی قمیض پہنو) اور اپنے جوتوں کو خود گانٹھو' اپنے آرزوؤں کو کم کرو اور اپنی بھوک سے کم کھاؤ۔

شیخ جریریؒ سے منقول ایک عجیب وغریب واقعہ

شیخ جریریؒ فرماتے ہیں کہ بغداد کی جامع مسجد میں ایک ایسا شخص مقیم تھا جو موسم سرما اور گرمی میں صرف ایک ہی کپڑے میں رہتا تھا جب اس سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو اس شخص نے اپنا قصہ اس طرح بیان کیا کہ میں بہت سے کپڑے پہننے کا عادی تھا ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں' اتنے میں وہاں میں نے اپنے ساتھی درویشوں کی جماعت کو دیکھا کہ وہ لوگ دسترخوان پر بیٹھے ہیں' میں نے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا کہ اسی اثناء میں کچھ فرشتوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر دسترخوان سے الگ کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ ایک کپڑے والے ہیں اور تمہارے پاس دو کپڑے ہیں (دو قمیضیں ہیں) تم ان کے ساتھ نہیں بیٹھو گے۔ اس وقت سے میں نے عہد کر لیا ہے کہ ایک ہی کپڑا پہنوں گا یہاں تک کہ میں واصل بحق ہو جاؤں۔ (وفات پا جاؤں)۔

منقول ہے کہ شیخ ابویزید (بویزید بسطامیؒ) کا وصال ہوا تو ان کے جسم پر صرف ایک قمیض تھی۔ اور وہ بھی کسی سے مستعار لی ہوئی' چنانچہ ان کے وصال کے بعد وہ اس کے مالک کو واپس کر دیا گیا۔ ہمارے شیخ محترم ابو النجیب سہروردیؒ کے شیخ حضرت حماد کا یہ حال تھا کہ وہ بہت عرصہ تک کرائے کا لباس پہنتے رہے اور اپنی ذاتی ملکیت اور خرچ سے بنایا ہوا لباس نہیں پہنا'

شیخ ابو حفص حداد فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی فقیر کو بھڑکیلے لباس میں دیکھو تو ایسے درویش سے کبھی بھلائی کی امید نہ رکھنا شیخ جنیدؒ بغدادی استاذ ابن الکرینیؒ کا جب انتقال ہوا تو ان کے جسم پر ایک گدڑی تھی جس کی ایک آستین اور کلیوں کا وزن تیرہ رطل کے قریب تھا (اس کثرت سے اس میں جوڑا اور پیوند لگے ہوئے تھے) چنانچہ صوفیہ کی ایک بڑی جماعت اسی قسم کا موٹا لباس پہنا کرتی تھی اسی کے ساتھ ساتھ نیک بندوں کی ایک جماعت بھی ہے جو درویشوں کا لباس نہیں پہنتی' اس سے ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی حالت کے لوگوں سے چھپائیں (گدڑی پہننے سے حالت کا اظہار ہو جاتا ہے اور لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ

یہ کوئی درویش ہے) یا یہ صورت ہوتی ہے کہ انہیں اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ وہ اس مرقع (گدڑی) کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔

کہتے ہیں کہ ابو حفص حدادؒ بہت نرم لباس پہنتے تھے اور ان کے گھر کا فرش ریت کا تھا شاید (بجائے بچھونے کے) وہ اس پر سو جاتے تھے اور کوئی بستر وغیرہ نہیں بچھاتے تھے' اصحاب صفہ میں کچھ ایسے لوگ تھے جو یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے اور مٹی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو (بستر چادر وغیرہ نہیں بچھاتے تھے) اور شیخ ابو حفصؒ جو نرم و نازک لباس پہنتے تھے وہ صحیح علم اور نیک نیتی کے ساتھ پہنتے تھے اور اسی درستی نیت کے ساتھ ان کا خدا سے تعلق تھا للذا اگر بعض صادقین موٹے لباس کے بجائے نرم لباس پہنیں اور اس سلسلہ میں نیک نیت ہوں تو ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے' بایں‌ہمہ موٹا اور پیوند دار لباس پہننا درویشوں کی شان اور ان کا معمول ہے تاکہ دنیا اور دنیا کی شان و شوکت سے ان کی عدم توجہی کا اظہار ہو (دوسروں کے نقطہ نظر سے ان کا یہ مقصود نہ ہو' اس سلسلہ میں اوپر صراحت ہو چکی ہے) اور یہ روایت (اس کی تائید میں) منقول ہے کہ "جو کوئی قدرت رکھنے کے باوصف زیب و زینت کا لباس ترک کرے اللہ تعالیٰ (اس کے عوض) حلہ بہشتی پہنائے گا۔"

بہرحال نرم و نازک لباس کا استعمال صرف اس شخص کے لئے مناسب ہے اور اس کو زیب دیتا ہے جو اپنی روحانی حالت کا علم رکھتا ہے اور اپنے نفس کی عادتوں سے واقف ہے اور اس کو نفس کی پوشیدہ خواہشوں پر بھی قابو حاصل ہے تاکہ وہ مرقع پوشی کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسن نیت کے ساتھ حاضر ہو سکے (گدڑی پہننے سے نیک نیتی برقرار رہے اور نفس اس میں کسی قسم کی خلل اندازی نہ کر سکے (1) کر سکے۔ اب رہے وہ لوگ جن کے حال کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ (جن کا حال مع اللہ ہے) اور اختیار کے دائرے سے باہر ہیں' اپنے ارادے پر کچھ اختیار نہیں رکھتے تو ایسے لوگوں کے لئے ضروری نہیں وہ ایسا لباس پہنیں وہ تو اسی لباس کو پہن لیں گے جو اللہ تعالیٰ ان کو پہنائے گا۔ (اپنی خواہش سے نہ موٹا لباس پہنتے ہیں اور نہ نرم و نازک) کہ وہ وقت کے تابع ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک عمدہ طریقہ یہ بھی ہے کہ سالک اپنے آپ کو ٹٹولے' اپنے نفس کا جائزہ لے اگر دیکھے کہ ایک لباس کے سلسلہ میں نفس آمادہ شرارت ہے' کوئی اور طمع اور خواہش اس کے ساتھ وابستہ ہے یا کوئی پوشیدہ یا ظاہری خواہش اس مخصوص لباس کے ساتھ موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کیا ہے تو پہلے اس خواہش کو دور کر دے اور اگر اس کا حال مع اللہ ہے' اختیار کو ترک کر چکا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے یہی ایک راستہ باقی ہے کہ وہ اس لباس کو زیب تن کرے جو اس تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دیا ہے ہو (خواہ وہ خشن ہو یا نرم)

حضرت ابو النجیب سہروردیؒ کا معمول

ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردیؒ کسی مخصوص لباس کے پابند نہیں تھے بلکہ بغیر تکلف اور بلا مقصد جیسا لباس مل جاتا تھا پہن لیتے تھے' اکثر دس دینار کا قیمتی عمامہ بھی پہن لیتے تھے۔ اور کبھی کبھار چند دانق کا عمامہ بھی پہن لیتے۔ ہاں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ایک مخصوص ہیئت کا لباس زیب تن فرماتے تھے اور ان کی مخصوص طیلسان (ہوتی تھی) جو وہ

(1) حسن نیت کی تشریح کا یہاں موقع نہیں ہے کہ چند در چند وجوہ کے باعث اس کے لئے بہت طویل تشریح درکار ہو گی۔

زیب دوش فرماتے تھے۔

شیخ علی بن الہیثی عراق کے دیہاتی درویشوں کا لباس پہنتے تھے (فقراء السواد (2)) زنجان کے شیخ ابوبکر الفراءؒ ایک موٹی پوستین عوام جیسی پہنا کرتے تھے' اس طرح ان تمام بزرگوں کی لباس پوشی اور اس کی مخصوص وضع و قطع میں نیت صالحہ مضمر تھی ان کے تعارف اور لباسوں کی مختلف ہیئتوں کا ذکر بہت طوالت طلب ہے اس لئے بیان نہیں کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابو السعود نے ترک اختیار کر کے ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا گویا ان کا حال "مع اللہ" تھا اگر کبھی کبھار انہیں نرم لباس مہیا ہو جاتا تو وہ اس کو بھی استعمال فرما لیتے' اس وقت ان کے ارادت مندان عرض کیا کرتے تھے کہ جب آپ یہ لباس پہنتے ہیں تو بعض لوگ درپردہ باطن میں) اس کو پسند نہیں کرتے ہیں' آپ جواب میں فرماتے کہ ہم اور قسم کے لوگوں سے ملتے ہیں' ایک قسم کا لوگ تو وہ ہیں جو ہم پر شریعت کا حکم ظاہری سے اعتراض کرتے ہیں تو ان لوگوں کو میرا جواب یہ ہے کہ کیا شریعت ہمارے لباس کو مکروہ یا حرام بتاتی ہے! وہ جواب میں کہتے ہیں "نہیں" اب رہے دوسری قسم کے لوگ تو اس گروہ سے تعلق رکھنے والا شخص ہم سے ارباب عزیمت یعنی صوفیائے کرام کے حقائق کا طالب ہوتا ہے تو اس سے ہم کہتے ہیں کیا تم یہ اختیار کرتے ہو کہ یہ لباس ہم نے اپنے ارادہ اور اختیار سے پہنا ہے یا اس کے پہننے میں ہماری کوئی ذاتی خواہش کار فرما ہے؟ تو اس کا بھی وہ نفی میں جواب دیتا ہے (اس طرح دونوں قسم کے افراد کے اعتراضات سے ہم باہر ہیں' پھر بعض لوگوں کی درپردہ ناگواری کیا معنی رکھتی ہے)۔

کوئی صاحب طریقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ نرم یا سخت دونوں قسم کا لباس پہن سکتا ہے مگر اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے مخصوص وضع (نرم لباس یا سخت لباس) مقرر ہو چنانچہ وہ نہایت نیاز مندی کے ساتھ معبود حقیقی سے درخواست کرتا ہے کہ اس کو ایسی بہترین وضع اور لباس سے مطلع کر دیا جائے جس میں فلاح دارین ہو کیوں کہ وہ خواہشات کا بندہ نہیں ہے' ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ بذریعہ کشف و الہام اس کو کسی مخصوص وضع کی طرف اشارہ فرما دیتا ہے۔ (اس کی رہنمائی کر دیتا ہے) اور پھر وہ صوفی اسی وضع اور لباس کو اپنے لئے لازمی کر لیتا ہے اس طرح اس کا لباس اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر ہو جاتا ہے اور یہ طریقہ اس طریقے سے زیادہ بہتر اور اکمل ہے جس میں صرف اللہ کے لئے لباس اختیار کیا جاتا ہے اور مخلوق کی پسند ناپسند سے تعلق نہیں ہوتا۔

اہل حق میں کوئی فرد ایسا بھی ہوتا ہے جو بہت صاحب علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو فراخی بھی عطا فرماتا ہے اور وہ خوشحالی کی زندگی گزارتا ہے' بایںہمہ وہ پورے علم اور یقین کے ساتھ کوئی لباس زیب تن کر لیتا ہے اور اس کو اس کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نے جو کچھ پہنا ہے وہ نرم لباس ہے یا کھردرا اور موٹا۔ اکثر وہ نرم لباس ہی پہنتا ہے اور اس بارے میں اس کے نفس کو حصول اختیار سے لذت ملتی ہے اور یہ حظ نفس اس کو جس سے اس نے گریز کیا تھا دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے لئے موہوب کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ارادۂ نفس میں موافقت فرماتا ہے (یہ وصف ہر ایک کو نہیں ملتا بلکہ

(2) مصنف علام قدس سرہ' کی مراد "سواد" سے "سوادالعراق" ہی ہو سکتی ہے اس لئے میں نے "عراق کے دیہات" ترجمہ کیا ہے۔

یہ وصف اس شخص کا ہوتا ہے جو پاکیزگی نفس اور طہارت میں کامل، محبوب خدا اور بامراد ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کی مراد اور خواہش کو بہت جلد پورا فرما دیتا ہے لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں اکثر دعویٰ کرنے والے لغزش کر جاتے ہیں)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ابتدائے حال میں وہ صوف یا بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لیکن جب وہ عمر کے آخر دور میں پہنچے تو نرم و نازک کپڑے استعمال کرنے لگے، جب ان سے (ابو یزید یحییٰ بن معاذؒ) اس سلسلہ میں کہا گیا (کہ ایسا کیوں ہوا) تو انہوں نے فرمایا بیچارا مسکین یحییٰ کم تر درجے کے لباس پر صبر نہیں کر سکا تو وہ تحفوں کے لباس پر کس طرح صبر کرے گا۔

بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو پہلے سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ کون سے کپڑے ان کے لئے مہیا کئے جائیں گے (سخت یا نرم) للذا جب وہ لباس ان کے پاس آتا ہے تو وہ اس کو پہن لیتے ہیں یہ ان کا ایک پسندیدہ طریقہ ہے۔ بہرحال صادقین کے یہ تمام احول گوناگوں مستحسن بھی ہوتے ہیں، (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے):۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا ۝ (پارہ 17 سورہ بنی اسرائیل)

"(اے نبیؐ) آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر عمل پیرا ہے اور تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ راہ راست پر ہے۔"

بہرحال موٹا لباس پہننا تمام لباسوں میں سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور بندہ حق کے لئے اولیٰ اور اسلم ہے اور اس کو آفاق سے دور رکھنے والا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ایک قمیص تھی

جناب مسلمہ بن عبدالمالک کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ان کی عیادت کے لئے گیا میں نے دیکھا کہ ان کی قمیص میلی ہو گئی ہے، میں نے ان کی زوجہ (فاطمہ بنت عبدالملک) سے کہا آپ امیر المومنین کے کپڑے تو دھو دیں انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ دھو دوں گی! کچھ دن کے بعد میں پھر ان کی عیادت کے لئے گیا کہ تو میں نے ان کی قمیص اسی طرح (میلی) پائی، میں نے کہا کہ اے فاطمہ! کیا میں نے تم کو اس قمیص کو دھونے کے لئے نہیں کہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم امیر المومنین کے پاس اس کے سوا اور کوئی قمیص نہیں ہے (پھر کس طرح میں اس کو دھوؤں)۔

جناب سالم کہتے ہیں کہ خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز بہت ہی نفیس پہننے والے لوگوں میں سے تھے (سب سے زیادہ نرم لباس پہنتے تھے) مگر جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ گھٹنوں میں سر دے کر بہت روئے اس کے بعد اپنے پرانے کپڑے (جو بہت میلے تھے) منگا کر پہن لئے۔ اسی طرح یہ روایت ہے کہ حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو ان کے لباس میں چالیس پیوند لگے تھے حالانکہ ان کا وظیفہ چالیس ہزار درہم (سالانہ) مقرر تھا۔

حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رے کا بنا ہوا کرتہ استعمال کیا وہ کرتہ ایسا تھا کہ جب اس کی آستین کو کھینچتے تو وہ کھنچ کر انگلیوں کے سروں تک آجاتی (آستینیں لمبی ہو جاتیں) خارجیوں نے (آستینوں کے

لمبے ہونے کی وجہ سے) اس پر اعتراض کیا فعَابه الخوارج بذٰلِكَ تو آپ نے فرمایا تم میرے اس لباس پر عیب جوئی کر رہے ہو جو تکبر سے بہت دور ہے اور جو اس لائق ہے کہ مسلمان اس میں میری اقتداء کریں۔

منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اپنے دور خلافت میں) جب کسی شخص کے جسم پر دو باریک کپڑے دیکھے تو آپ اس پر درہ اٹھاتے اور فرماتے "لباس کی یہ چمک دمک عورتوں کے لئے رہنے دو (تم مرد ہو ایسا لباس استعمال مت کرو)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اپنے دلوں کو صوف کے لباس سے روشن کرو بیشک یہ دنیا میں تو تحقیر کا موجب ہے لیکن آخرت کا نور ہے، پس لوگوں کی تعریف و ثنا سے اپنے دین کو خراب نہ کرو۔"

روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک زیب پا فرمائیں جب آپ نے ان پر نظر ڈالی تو وہ آپ کو بہت بھلی معلوم ہوئیں آپ نے اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ فرمایا "جب آپ سے اس سجدہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کہیں میرا پروردگار مجھ سے خفا نہ ہو جائے۔" اس لئے میں نے اس کے حضور تواضع کا اظہار کیا، بہرحال اب یہ جوتے میرے گھر میں رات نہیں گزاریں گے (آج رات یہ جوتے گھر میں نہیں رہیں گے) کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خطرہ ہے، پس آپ نے وہ نعلین مقدس پیروں سے اتار دیئے اور سب سے پہلے جو غریب اور محتاج شخص آپ کو ملا آپ نے وہ نعلین اس کو مرحمت فرما دیئے اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا: چنانچہ

فاشترى له نعلان مخصوفتان

"اور آپ کے لئے جگہ جگہ سے گٹھا ہوا (1) جوتا خریدا گیا (اور آپ نے اس کو پہنا۔)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صوف کا لباس زیب جسم اطہر فرماتے تھے اور جوڑ لگے ہوئے (گٹھے ہوئے) جوتے استعمال فرماتے تھے اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

نفس محل آفات ہے

چونکہ نفس محل آفات ہے پس اس کی فریب کاریوں اور پوشیدہ خواہشوں سے آگاہی ایک مشکل کام ہے پس یہی طریقہ افضل و اولیٰ اور زیادہ لائق و موزوں ہے کہ جس کام میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہو اس کو اختیار کیا جائے اور جو مشتبہ ہو اس کو ترک کر کے غیر مشتبہ کو انجام دہی کے لئے پسند کرے۔

---

(1) نَعلانِ مَخصوفتَانِ، جگہ جگہ سے جوڑ لگی ہوئی جوتیاں۔

پاکیزگی نفس اور پاکیزگی لباس

اس سلسلہ میں صاحب طریقت کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب تک نفس مکمل طور پر پاکیزگی سے آراستہ نہ ہو جائے اور سہولت اور وسعت کے حقیقی مفہوم کا علم پختہ اور واضح نہ ہو جائے اس وقت تک وہ سہولت اور وسعت کا راستہ اختیار نہ کرے، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ نفس خواہشات کی اتباع سے باز آجائے اور اس کی نیت میں وہ خلوص پیدا ہو جائے جس کے باعث اس کے تصرفات صریح اور واضح علم کی رہنمائی میں، صحیح ہونے لگیں، مگر ارباب ہمت جو اس میدان کے شہ سوار ہیں وہ بالطبع ہی اس بات میں رفعت اور سہولت کو اختیار کرنا تو الگ رہا اس کو پسند ہی نہیں کرتے کہ انہیں یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں ان کے زہد پر حرف نہ آجائے اور وہ فضیلت زہد سے محروم ہو جائیں! کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ (اگرچہ وہ نرم و نازک لباس بے شائبہ نفس پہن سکتے ہیں) لیکن نرم و نازک لباس پہننا بہرحال دنیا داری ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ (مَن رق ثَوبهٗ رق دینه) جس کا لباس نرم و نازک ہے! اس سلسلہ میں جو رخصت دی گئی ہے اس کو وہی اختیار کرتے ہیں جو زہد اختیار نہیں کرتے بلکہ شریعت کی سہولتوں پر کاربند رہتے ہیں (مراد یہ ہے کہ ارباب شریعت تو اس رخصت سے فائدہ اٹھالیتے ہیں لیکن ارباب زہد اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب علقمہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر و غرور ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

ایک صحابیؓ نے عرض کیا! حضورؐ! انسان چاہتا ہے کہ اس کا لباس بھی پاکیزہ ہو اور اس کے جوتے بھی اچھے ہوں، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا "اِنّ اللّٰهِ جَمِیْلٌ یُحب الجمَال۔" "اللہ تعالیٰ صاحب جمال اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔" اس حدیث شریف میں جو لباس پاکیزہ کی رخصت ہے وہ اس شخص کے لئے جو نفسانی خواہش اور غرور تکبر کے بغیر عمدہ اور اچھا لباس پہنے لیکن اس کے برعکس جو شخص دنیاوی نمائش اور نمود کے لئے اچھا لباس پہنتا ہو اس کے حق میں وعید موجود ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مومن کا ازار نصف ساق (پنڈلی) تک ہے اور اگر وہ پنڈلی اور دنوں ٹخنوں کے درمیان میں ہو جب بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر وہ ٹخنوں سے نیچا ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے، جو ازار کو فخر سے گھسیٹتا چلتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ تم سے پہلے ایک قوم کا ایک فرد اپنی چادر پر اتراتا جا رہا تھا اور اپنی چادر پر اس کو بڑا گھمنڈ تھا، اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا تو وہ قیامت تک اسی طرح زمین کے اندر حرکت کرتا رہے گا (جس طرح چادر اوڑھ کر رہا تھا)۔"

مختلف الاحوال سالک

سالکوں اور ارباب طریقت کے احوال مختلف ہوتے ہیں جس نے اپنے درست اور صحیح علم کی بدولت اپنے حال کو درست کرلیا ہے تو ماکولات' ملبوسات اور دوسرے تصرفات میں اس کی نیت درست رہتی ہے۔ (بھٹکتی نہیں) اور تمام حالات میں اس کو استقامت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس استقامت باطنی کی بدولت اس کے تمام تصرفات درست ہوتے چلے جاتے ہیں ان میں کجی پیدا نہیں ہوتی'

باب 45

فضیلت عبادت شبانہ قیام اللیل

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْه وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَ كُمْ بِه وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ ○ (پارہ 9 سورہ انفال)۔

"جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کر دے اور شیطان کی ناپاکی کو تم سے دور فرما دے۔"

آیت بالا غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جب کہ وہ ریت کے ایک ٹیلے پر ٹھہرے ہوئے تھے (ان کا پڑاؤ ریت کے ایک تودے پر تھا) جس پر ان کے اور ان کے چوپاؤں کے پیر دھنس رہے تھے اور مسلمانوں سے قبل مشرکین نے بدر عظمیٰ کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا (چونکہ مسلمانوں کے پاس پانی موجود نہیں تھا) اس لئے اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بے وضو تھا اور کسی کو غسل جنابت کی حاجت تھی علاوہ ازیں وہ پیاسے بھی تھے، پس شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا کہ تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں اس کے باوجود مشرکوں نے پانی پر قبضہ کر لیا ہے اور تم بغیر وضو اور غسل کے نماز پڑھ رہے ہو پس کس طرح تم ان (مشرکوں) پر غالب آنے کی امید کر سکتے ہو مسلمانوں کے دلوں میں جب شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے نزول باراں فرمایا اور ایسی موسلادھار بارش ہوئی کہ تمام وادی پر پانی بہنے لگا اس دم مسلمانوں نے نہ صرف پانی پیا، وضو اور غسل کیا بلکہ انہوں نے اپنے مویشیوں کو بھی پانی پلایا اور پانی کے تمام برتن بھی بھر لئے ریتلی زمین (بارش سے) سخت ہو گئی اور اس پر قدم (دھنسنے کی بجائے) جمنے لگے، چنانچہ آیت مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيُثَبِّتَ بِهِ الاَقْدَامِ اِذْ يُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلاَئِكَةِ اِنِّیْ مَعَكُمْ

اس ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کی امداد فرمائی یہاں تک کہ ان کو مشرکین پر غلبہ حاصل ہو گیا، قرآن کریم کی ہر آیت کے لئے دو معنی ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی اور ہر معنی کی ایک ابتداء اور اس کی ایک انتہاء ہے پس جس طرح اللہ تعالیٰ اونگھ (نعاس) کو صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے لئے رحمت اور سکون کا سبب بنا دیا تھا اور یہ اسی

واقعہ جنگ بدر میں ان کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام نیند کو تمام مومنوں کے بنا بریں اونگھ مریدوں کے لئے ایک صالح حصہ ہے جو فوری طور پر ان کو میسر آجاتا ہے اس نیند یا اونگھ کی بدولت ان کے دلوں کو کشاکش نفسانی سے امن و سکون میسر آتا ہے اس لئے کہ نیند سے نفس کو آرام حاصل ہوتا ہے تکان اور (کلال) اس سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ اگر نفس کو تکان محسوس ہونے لگے تو اس کا اثر قلب پر پڑتا ہے اور وہ مکدر ہو جاتا ہے اس لئے بشرط علم و اعتدال' سونے سے قلب کو بھی آرام ملتا ہے پس جب نفس کو سکون پہنچتا ہے تو مریدوں کے قلب اور نفس میں ایک گونہ مطابقت اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ موافقت مریدوں اور سالکوں کے لئے طمانیت کا موجب ہے۔

کتنی دیر سونا چاہئے

اس لئے ارباب سلوک و طریقت نے کہا ہے کہ دن رات کے ایک تہائی حصہ کو سونے میں گزارنا چاہئے تاکہ جسم اضطراب اور بے چینی سے محفوظ رہے' ان 1/3 یعنی 8 گھنٹوں میں جو سونے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں' مرید کو دو گھنٹے دن کے وقت میں مخصوص کرنا چاہئے (دو گھنٹے دن میں سوئے) اور چھ گھنٹے رات میں' دن اور رات کے ان گھنٹوں میں موسم گرما اور موسم سرما میں رات کے طویل اور مختصر ہونے کے اعتبار سے کمی اور بیشی بھی کی جاسکتی ہے اگر مرید میں حسن نیت اور صدق طلب موجود ہے تو اس مقدر یعنی 1/3 کو کم بھی کیا جا سکتا ہے (سونے کے لئے وقت کو اس سے بھی کم کیا جا سکتا ہے)۔ اگر بتدریج اس کمی کی عادت ڈالی جائے تو اس سے کسی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ اس صورت میں وہ بیداری کی گرانی (گراں باری) اور نیند کی کمی کو وہ اپنی روحانیت اور محبت کے باعث برداشت کر سکتا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیند کی طبع و خاصیت سرد و مرطوب ہے اس لئے یہ جسم اور دماغ کے لئے مفید ہے اور حرارت اور خشکی کو دفع کر کے مزاج کو سکون بخشتی ہے پس اگر 1/3 (8 گھنٹے) میں بھی کمی کر دی جائے گی تو اس سے دماغ کو نقصان پہنچے گا اور جسمانی اضطراب اس کا نتیجہ ہو گا۔ ہاں اگر روحانی اور قلبی محبت اس کے قائم مقام بن جائیں تو پھر نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ روح اور محبت کا مزاج سرد و مرطوب ہے جو نیند کا مزاج ہے (پس باعتبار مزاج یہ اس کا بدل ہو سکتے ہیں) پس اس روحانیت سے رات کی طوالانی مدت گھٹ سکتی ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ روحانیت کی بدولت رات کی طوالانی گھڑیاں گھٹ کر رہ جاتی ہیں' ایک مقولہ ہے کہ وصل کا ایک سال آنکھ جھپکنے کا لمحہ ہے اور ہجر و جدائی کا ایک پل ایک سال کے برابر ہے پس صاحبان حال کے لئے طویل راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں شیخ علی بن بکار رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ چالیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ مجھے طلوع فجر سے ایذا پہنچتی ہے اور مجھے مغموم بناتی ہیں (بیداری سحر سے میں غمگین ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ رات اسی طرح باقی رہے اور میں شب بیدار رہوں) کسی بزرگ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ رات کے وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رات جب میری طرف اپنا رخ کرتی ہے تو میں اس کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں پاتا کہ وہ مجھ سے پلٹ جاتی ہے (آن کی آن میں صبح ہو جاتی ہے)۔

شب زندہ داروں کی لذت

شیخ ابو سلیمان درائیؒ فرماتے ہیں جو لوگ شب زندہ دار ہیں وہ اپنی رات میں اس سے کہیں زیادہ لذت پاتے ہیں جو لہو و لعب میں مشغول رہنے والے اس لہو ولعب میں مشغول رہ کر لذت پاتے ہیں۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ "دنیا میں کوئی چیز بھی جنتیوں کی نعمتوں کی مثل و مانند نہیں ہے البتہ وہ حلاوت نعیم جنت کے مشابہہ ہے جو رات کے وقت نیاز مندانہ عبادت کرنے والے اپنی عبادات اور مناجات سے حاصل کرتے ہیں (ذکر شب کی حلاوت نعیم جنت کے مشابہہ ہے) یہ حلاوت ایک ایسا ثواب عاجل ہے جو ان شب زندہ داروں کو فوراً حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک اور عارف باللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ صبح کے وقت شب زندہ دار حضرات کے دلوں کو دیکھتا ہے تو وہ ان کو اپنے نور سے بھر دیتا ہے جس کے فوائد سے مستفیض ہو کر ان کے دل نورانی بن جاتے ہیں اور ان کے قلوب سے یہ فوائد منتشر ہو کر غافلوں تک پہنچتے ہیں (اور وہ ہدایت یاب ہوتے ہیں)۔

اللہ کے محب اور ان کی نشانیاں

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی پیغمبر (علی بن بنینا و علیہ السلام) پر وحی نازل فرمائی۔

"میرے کچھ بندے مجھ سے محبت کرتے ہیں، میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں، وہ میرے مشتاق ہیں، میں بھی ان کا مشتاق ہوں، وہ میرا ذکر کرتے ہیں، میں بھی ان کا ذکر کرتا ہوں، وہ میرا مشاہدہ کرتے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں، پس اگر تم ان کے طریقے پر چلو گے تو میں تم سے بھی محبت کروں گا۔ اور اگر تم نے ان کے طریقے سے روگردانی کی تو میں تم سے اعراض کروں گا۔"

ان پیغمبر نے کہا کہ الٰہی! "تیرے ان بندوں کی کیا علامتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا"

"دن کے وقت وہ سایوں کا ایسا ہی خیال رکھتے ہیں جیسے ایک چوپان اپنی بھیڑ بکریوں کا خیال رکھتا ہے (ان پر نظر رکھتا ہے) اور ان کو سورج کے غروب ہونے کا ایسا ہی انتظار ہوتا ہے جس طرح سے پرندوں کو اپنے آشیانوں میں پہنچنے کے لئے اس کا انتظار ہوتا ہے، جب رات اپنا پردہ ڈال دیتی ہے (رات ہو جاتی ہے) اور تاریکی سے ہم آغوش ہو جاتی ہے اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ خلوت گزیں ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ میری عبادت کے لئے اپنی قدموں پر کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے چہروں کو میرے لئے فرش راہ بناتے ہیں۔ (چہرے خاک پر رکھتے ہیں) اور میرے کلام سے مناجات کرتے ہیں اور گڑگڑا کر مجھ سے میرے انعام کے طالب ہوتے ہیں، ان میں کوئی چلاتا ہے (آہ و زاری کرتا ہے) کوئی روتا ہے اور کوئی آہیں بھرتا اور کوئی فریاد کرتا ہے، میرے لئے وہ جو تکلیفیں اٹھاتے ہیں وہ میری نظر کے سامنے ہیں اور میری محبت میں وہ جو کچھ فریاد کرتے ہیں وہ میں سنتا ہوں، اس کے انعام میں ان پر میری پہلی عنایت یہ ہوتی ہے کہ

میں اپنے نور کے کچھ جلوؤں سے ان کے دلوں کو منور کر دیتا ہوں اس وقت وہ میرے اسرار اس طرح بیان کرنے لگتے ہیں جس طرح میں ان کو اسرار کی خبر دیتا ہوں۔ میرا دوسرا انعام ان پر یہ ہوتا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان کے اندر موجود ہے اگر ان کے پلوں میں رکھ دیا جائے تو میں ان تمام چیزوں کو (بطور اجر) ان کے لئے کم سمجھتا ہوں تیسرا انعام یہ ہے کہ میں بذات خود ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں بذات خود جس کی طرف توجہ فرماتا ہوں تو میں اس کو کیا کچھ عطا کرتا ہوں۔"

تجلیات خلوت شب

وہ مرید صادق جو رات کی تنہائی میں اپنے رب کی مناجات میں مصروف ہوتا ہے تو اس رات کے تمام انوار اور اس کی تجلیات اس کے دن کے حصوں پر چھا جاتی ہیں اور اس کا دن اس کی رات کی حفاظت میں آجاتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کا دل انوار سے مملو اور معمور ہوتا ہے اس لئے دن کے وقت اس کی تمام حرکات و افعال اور اس کے تصرفات اس منبع انوار سے صادر ہوتے ہیں جو رات میں مجتمع ہوئے تھے تب اس کا قلب قبہ حق میں محصور و مسرور ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی حرکات و سکنات کو تربیت دی جاتی ہے جیسا کہ منقول ہے کہ جو شخص رات کو عبادت میں بسر کرتا ہے (نماز پڑھتا ہے) اس کا چہرہ دن کے وقت روشن رہتا ہے۔

اس قول کے دو معنی ہیں اول یہ کہ طاق چراغ کی وجہ سے روشن ہوتا ہے لہٰذا جب چراغ ایمان اور شمع یقین دل میں روشن ہوتی ہے تو رات کے وقت روغن اعمال کی بہتات سے چراغ کی روشنی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور جسم کا چراغ دان بھی اس روشنی سے منور اور مستیز ہو جاتا ہے جیسا کہ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کا ارشاد ہے یقین آگ (چراغ کی روشنی) ہے اور افراد اور اس کا فتیلہ (بتی) ہے اور عمل اس کا تیل ہے (جب یہ تینوں چیزیں موجود اور یکجا ہوں تو نور و ضیاء پیدا ہوتی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سِیْمَاهُمْ فِی وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ — ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان ہیں'

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو ایسے طاق سے مشابہہ فرمایا ہے جس میں چراغ روشن ہو پس ایمان و یقین کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے واسطے سے شیشہ قلب میں پہنچتا ہے اور روغن عمل سے اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس وقت شیشہ دل نجم و درخشاں کی مانند بن جاتا ہے اور اس شیشۂ دل کے انوار چراغ دان قلب پر تو مگن ہوتے ہیں اور آتش نور سے نار نور قلب میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ نرمی قلب و قالب میں سرایت کر جاتی ہے اور پھر وہ بھی دل کی نرمی سے اثر کو قبول

کرنے کے باعث نرم پڑ جاتا ہے اس طرح جسم اور قالب دونوں یکساں نرم ہو جاتے ہیں اور پھر وہ بھی دل کی نرمی سے اثر کو قبول کرنے کے باعث نرم پڑ جاتا ہے اس طرح جسم اور قالب دونوں یکساں نرم ہو جاتے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔"

"ان کی جلدیں اور ان کے قلوب ذکر الٰہی سے نرم ہو جاتے ہیں"

اس ارشاد باری میں قلوب کی نرمی کی طرح جلود کی نرمی کا وصف بیان فرمایا گیا ہے (دونوں کی نرمی مذکور ہے)۔

نور قلب زمان و مکان کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے

جب قالب نور سے معمور ہو جاتے ہیں اور انس و سرور محبت ان میں سرایت کر جاتا ہے تو تمام زمان و مکان نور قلب میں سما جاتے ہیں اور یہ اسی کے ساتھ ساتھ تمام کلمات و آیات و سورۂ بھی ہوتے ہیں (وہ بھی نور قلب میں سما جاتے ہیں) اور اسلام اس قلب خاکی کی سرزمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھتی ہے ایسی صورت میں قلب آسمان بن جاتا ہے اور قالب زمین، تلاوت کلام اللہ کی لذت (کا کیف) مناجات کے موقع پر تمام وجود کائنات کو اس کی نگاہوں سے چھپا دیتا ہے اور کلام مجید اپنی ذات کے اعتبار سے تمام موجودات کا قائم مقام بن کر صفائے شہود کی مزاحمت بن جاتا ہے (عالم شہود میں صرف کلام مجید تمام کائنات کا قائم مقام بن جاتا ہے) اس وقت نہ نفس حدیث باقی رہتا ہے (کلام غیر کا وجود باقی نہیں رہتا) اور نہ پھر سماعت میں کسی وسوسہ کی آہٹ اور آواز آتی ہے (نہ وسوسہ باقی رہتا ہے اور نہ کلام نفس) بلکہ ایسی حالت میں تلاوت قرآن اول سے آخر تک بغیر وسوسہ اور حدیث نفس کے اتمام پاتی ہے اور یہ اس کا سب سے عظیم فضل ہے (یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا یہ وجہ اول کی وضاحت و صراحت تھی)۔ (1)

مذکورہ بالا حدیث شریف یعنی "مَنْ صَلّٰی بِاللَّیْلِ حسن وجہہ بالنہار۔" کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اس عابد شب زندہ دار کے ان کاموں کی تمام جہتیں جن کی طرف وہ متوجہ ہے آسان اور عمدہ ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے تصرفات میں اس کو مدد پہنچتی ہے (تمام امور میں امدادِ الٰہی شامل حال رہتی ہے) اس طرح صدور و ورود میں یعنی (اس کے اعمال و مقاصد میں) ایک خوبی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اقوال بھی درست رہتے ہیں۔ (سلک سداد میں نظم ہو جاتے ہیں) اس لئے دل کی استقامت کا مدار ہے (دل کو استقامت پر اقوال کی استقامت حاصل ہے) تو اقوال کو بھی استقامت حاصل ہو گی۔

(1) سابق میں جس حدیث کا ذکر ہوا کہ "جو شب کو ذکر میں مصروف رہتا ہے تو رات کے انوار اس کے دن پر چھا جاتے ہیں یہاں تک اس کو پہلی وجہ بیان کی گئی ہے۔"

باب 46

شب بیداری کے معاون اسباب اور سونے کے آداب

ان آداب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ عابد شب زندہ دار غروب آفتاب کے وقت تازہ وضو کرے (1)۔ اور قبلہ رو کر بیٹھے اور رات کی آمد اور نماز مغرب کا انتظار کرے، اس انتظار کے لمحات اور مدت میں طرح طرح کے افکار میں مصروف رہے۔ سب سے اولیٰ تسبیح اور استغفار ہے (اس عرصہ و انتظار میں تسبیح و استغفار میں مصروف رہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ارشاد فرمایا:

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ۔" (پارہ 24 سورہ للمومن) اور فرمایا
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○ (پ سورہ)
"اپنے رب کے حمد کی صبح و شب تسبیح پڑھے۔"

اس حکم کی بجا آوری کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے مابین مسلسل نماز (نفل) یا تلاوت یا ذکر میں مصروف رہے ان تمام میں بہترین صورت نماز کی ہے کیونکہ اگر سالک دونوں نمازوں کے درمیان وقت میں مسلسل نماز میں مصروف رہا تو اس کے باطن سے کدورت کے آثار مٹ جائیں گے جو اس کے اندرون کے اوقات میں بندگان خدا کی ملاقات باہمی روابط اور ان کی باتیں سننے سے اس کے دل میں پیدا ہو گئے ہیں ان تمام باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے اور دل میں ان کے باعث خدشات پیدا ہوتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ لوگوں کی طرف دیکھنے سے بھی کدورت قلب پیدا ہو جاتی ہے (دوسرے امور تو الگ رہے) جس کو وہی معلوم کر سکتا ہے جس کو صفائے قلب میسر ہے، مخلوق کی طرف دیکھنے کا اثر بصیرت پر وہی پڑتا ہے جو آنکھ میں تنکا پڑ جانے سے بینائی پر پڑتا ہے (جب تک تنکا نہیں نکلتا آنکھ دیکھ نہیں سکتی) پس مغرب اور عشاء کے مابین مسلسل نمازیں پڑھنے سے اس اثر کے زائل ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے۔

انہیں آداب میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد دنیاوی باتیں بالکل ترک کر دی جائیں اس لئے کہ اس وقت گفتگو کرنے سے اس نور کی تازگی ختم ہو جاتی ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان مسلسل نمازیں پڑھنے سے دل میں پیدا ہوا

(1) نماز مغرب سے قبل۔

تھااور اس سے قیام اللیل میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ سالک بیدار دل نہ ہو۔

ایک درویش نے خراسان کے ایک بزرگ کا ایک واقعہ بیان کیا کہ وہ رات میں تین مرتبہ غسل کرتے تھے، ایک بار عشاء کے بعد، دوسری بار رات کے کسی حصہ میں سو کر اٹھنے کے بعد اور تیسری بار صبح ہونے سے پہلے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد غسل اور وضو کے ذریعہ شب بیداری میں بہت سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح ذکر اور نماز کا عادی ہو جانے سے بھی نیند پر قابو پایا جا سکتا ہے اگر سالک اس کا عادی ہے تو وہ جلد بیدار ہو جاتا ہے، ہاں اگر کسی سالک کو اپنے نفس اور اپنی عادت پر پورا پورا اعتماد ہے تو وہ سو جائے کہ اپنی عادت کی بدولت وہ وقت مقررہ پر بیدار ہو سکتا ہے ورنہ مریدوں اور طالبان حق کے لئے موزوں اور مناسب یہی ہے کہ جب ان پر نیند کا غلبہ ہو تو اس وقت وہ سوئیں، اسی بنا پر محبان الٰہی کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ ان کی نیند نیندیں اڑے ہوئے لوگوں جیسی ہوتی ہے اور ان کا کھانا مریضوں جیسا ہوتا ہے ان کی گفتگو صرف ضرورت کے وقت ہوتی ہے۔

قیام اللیل کی توفیق

پس جو کوئی شب بیداری کے عزم مصمم کے ساتھ نیند کے غلبہ کے وقت سو جائے تو اس کو قیام اللیل کی توفیق ضرور میسر آتی ہے ورنہ نفس کی تو یہ عادت ہے کہ اگر اسے نیند کی رغبت دلائی جائے اور سونے کا خوب عادی بنایا جائے تو پھر وہ خوب آزاد ہو جاتا ہے مگر جب عزم صادق کے ساتھ اس کو حرکت دی جائے تو گہری نیند سونے میں وہ پھر آزاد نہیں رہتا۔ عزم صادق کے ساتھ نفس کا یہی وہ عمل ہے جس کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ○ ان کے پہلو بستروں سے جدا ہوتے ہیں

یہی عزم صاق اور رات کو اٹھنے کی فکر ان کے پہلوؤں اور ان کے بستروں کے درمیان جدائی پیدا کر دیتی ہے (وہ اپنے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں)

کہا گیا ہے کہ نفس کی دو نظریں ہیں ایک نظر تو جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تحت کی طرف ہوتی ہے اور ایک نظر روحانی اور علوی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے عالم بالا کی جانب ہوتی ہے پس جو ارباب عزیمت ہیں وہ اپنے پہلوؤں کو بستروں سے الگ کر دیتے ہیں اس لئے کہ ان کی نظر روحانی اور علوی مدارج کی تکمیل کے لئے ہر وقت عالم بالا کی طرف رہتی ہے، بنا بریں انہوں نے اپنے نفس کو نیند کا ضروری حق دے دیا ہے (بقدر ضرورت سوتے ہیں) لیکن وہ اسے نیند کی لذت سے لطف اندوز نہیں ہونے دیتے چونکہ نفس کی ترکیب میں ترابی (خاکی) اور جمادی عناصر غالب ہیں اس لئے وہ زیر نشیں ہو کر اور لیٹ کر نیند سے لطف اندوز ہونے کا خوگر ہے، نفس کی اس طبیعت و تخلیق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ○ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

چونکہ یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے اور تہ نشین ہو کر بیٹھ کر جانا (کسی مرکب میں) مٹی کی خاصیت ہے یہی وجہ ہے کہ تکاہل اور تساہل، بیٹھے رہنا اور سو جانا انسان کی خصوصیت بن گیا ہے، اہل ہمت وہ ارباب علم ہیں جن کے علم کے بارے میں اس طرح فیصلہ فرمایا ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ اللَّیْلِ سَاجِداً وَّقَآئِمًا ○

"کیا ایسا شخص وہ ہے جو رات میں خدا کے لئے سربسجود ہو اور عبادت کے لئے کھڑا ہو۔"

اور ارشاد کیا:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○

"اے رسول! آپ فرما دیجئے! کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتا ہے۔"

اس آیت مندرجہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جو رات کے وقت (عبادت کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں، اہل علم قرار دیا ہے اور چونکہ وہ اہل علم ہیں اس لئے انہوں نے اپنے نفوس کو مقام طبیعت سے ہٹا کر روحانی لذتوں کے حصول کے لئے حقیقت کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے اسی باعث ان کے پہلو ان کی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں اور غافل و خوابیدہ لوگوں کے زمرے سے خارج رہتے ہیں۔ آداب نوم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ سالک یا مرید اپنی عادت کو بدل دے مثلاً اگر تکیہ رکھ کر سونے کی عادت ہے تو تکیہ رکھنا ترک کر دے، اگر بچھونے (بستر) پر سونے کی عادت ہے تو اس کو بھی ترک کر دے (اس طرح سونے سے جو استراحت میسر ہوتی ہے وہ میسر نہیں ہوگی اور نیند بہت کم آئے گی) چنانچہ اسی آداب کے تحت ایک بزرگ نے فرمایا ہے "میں اپنے گھر میں شیطان کی موجودگی بمقابلہ اس کے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میرے گھر میں مسند یا تکیہ رکھا ہو جو مجھے نیند کی طرف راغب کرے، بہرحال تکیہ، بچھونے، اور لحاف وغیرہ کا ترک اس سلسلہ میں بہت موثر ہے اگر کوئی سالک ان دونوں میں سے کسی کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیک نیتی اور اس کی عزیمت کو دیکھتے ہوئے اس کے مقصد میں سہولت فرما دیتا ہے (کم خوابی کے آداب کو اس کو میسر آجاتے ہیں)۔

معدے پر کھانے کا بار کم ڈالے

ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ سالک اپنے معدے پر کھانے کا بار کم ڈالے (زیادہ کھانے سے گہری نیند آتی ہے) اگر کوئی شخص اس قدر کھائے جو اس کے باطن کی بیداری کے لئے ممد و مددگار ہو تو اس ذریعہ سے بھی رات کو بیداری (قیام اللیل) میں مدد مل سکتی ہے، ذکر الٰہی اس گرانی کو (اگر وہ موجود ہو) رفع کر دیتا ہے پس اگر کوئی ذاکر شب زندہ دار یہ محسوس کرے کہ کھانے سے معدہ پر بار پڑ گیا ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے قلب پر زیادہ بار پڑ رہا ہے پس ایسے شخص کو چاہئے کہ جب تک ذکر، تلاوت اور استغفار سے یہ بار کم نہ ہو جائے اس وقت تک وہ نہ سوئے، ایک بزرگ نے فرمایا ہے "میں رات کے اٹھنے کو اس

بات سے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں رات کے کھانے سے ایک لقمہ کم کردوں۔" (رات کا اٹھنا کم کھانے سے زیادہ پسندیدہ ہے)
پس زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ سونے سے قبل وتر پڑھ لے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ ساعات آئندہ میں کیا واقع ہو اور طہارت کی چیزیں اور مسواک وغیرہ اس کے پاس موجود رہنا چاہئے اور جب سونے لگے تو باوضو ہو۔

رویائے صادقہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب بندہ عبادت کی حالت میں سوتا ہے تو اس کی روح عرش تک پہنچ جاتی ہے اور اس حالت میں اس کا خواب "رویائے صادقہ" ہوتا ہے اور اگر وہ بغیر وضو کے سو جاتا ہے تو اس کی روح اس بلندی تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے اس حالت میں اس کے خواب "اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ" (برے اور منتشر خواب) ہوتے ہیں اور رویائے صادقہ نہیں ہوتے۔"

وہ مرید جو عیال دار ہے (شادی شدہ ہے) وہ اگر بستر پر اپنی بیوی کے ساتھ سویا ہے تو بیوی کو چھونے سے اس کا وضو جاتا رہتا ہے لیکن اس سے باوضو رہنے کا ثواب زائل اور فوت نہیں ہوتا بشرطیکہ اس لمس کے باعث وہ لذات نفس میں مبتلا نہ ہوا ہو (بیوی سے مباشرت نہ کی ہو) اور قلب کی بیداری معدوم نہ ہوئی ہو' اور اگر لذات نفس میں مبتلا ہو گیا اور غافل ہو گیا تو اس کی روح بھی اس کی غفلت کے باعث حجاب میں ہو جاتی ہے۔

ایسی طہارت جو رویائے صادقہ کی ثمر ہے (جس کے نتیجہ میں رویائے صادقہ نظر آتے ہیں) باطن کی وہ طہارت ہے جو خواہشات نفسانی' حب دنیا کی کدورت' کینہ اور حسد کی نجاستوں سے پاک رکھے (باطن اگر ان اخلاق رذیلا کی نجاستوں سے پاک ہے تب اس کو وہ طہارت حاصل ہو گی جس کے نتیجہ میں مرید کو رویائے صادقہ میسر آتے ہیں' جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ "جو شخص اپنے بستر پر اس حالت میں لیٹتا ہے کہ کسی پر ظلم کی نیت نہ ہو اور نہ وہ کسی سے حسد رکھتا ہو تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

جب نفس کو رذائل سے طہارت میسر آجاتی ہے تو اس کے دل کا آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور وہ آئینہ اس قابل بن جاتا ہے کہ لوح محفوظ سے انعکاس پذیر ہو سکے' اور اس پر غیب کی عجائب منقش ہو جاتے ہیں اور غیب کی خبروں سے باخبر ہو جاتا ہے اور حضرات صدیقین تو اس خواب میں مکالمہ اور محادثہ سے بھی نوازے جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو احکام دیتا ہے' کچھ باتوں سے روکتا ہے اور یہ حضرات خواب ہی میں ان تمام باتوں کو خوب سمجھ لیتے ہیں اور خواب کے یہ اوامر و نواہی بالکل ان ظاہری اوامر و نواہی کی طرح ہوتے ہیں جن میں خلل انداز ہونے سے معصیت الٰہی کا صدور ہوتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رویائے صادقہ کے اوامر و نواہی ظاہری اوامر نواہی سے زیادہ عظیم اور موکد ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ احکام ظاہری کی نافرمانی اور مخالفت کا گناہ نور سے معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا ہے' مگر خواب کے یہ احکام مخصوص ہوتے ہیں اور ان کا تعلق صدیق کی روحانی حالت اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے مابین

ہوتا ہے۔ پس جب اس میں خلل انداز ہوتا ہے یا کوتاہی کرتا ہے تو اس وقت یہ خطرہ درپیش ہوتا ہے کہ کہیں ارادت وعقیدت کا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر کہیں نفرت کے مقام پر نہ پہنچ جائے۔ ویکونَ فی ذلکَ الرجوع عَن اللّٰہ واستجَاب مقام المقت)

جب بندہ (عابد شب زندہ دار) سرمستی، کسل (کاہلی) یا ارادہ کی پستی کے باعث بے وضو ہونے کے بعد سوتے وقت تازہ وضو نہ کر سکے، تو کم از کم اپنے اعضاء کو پانی ہی سے پونچھ لے تاکہ وہ ان غافلوں کے رمزے سے نکل جائے جو بیدار دل انسانوں کی طرح کام نہیں کر سکتے، اسی طرح بیدار ہونے کے بعد اگر اٹھنے میں کسل پیدا ہو (اٹھ نہ سکے) تو کم از کم اتنا ہی کرے کہ مسواک کر لے اور پانی سے اعضاء کا مسح کرے (یَمْسَح اَعْضَاۂٗ بالمِاء سَخا) تاکہ اپنے اعمال اور بیداری کے ذریعہ غافلین کے زمرے سے نکل جائے یہ طریقہ ایسے لوگوں کے لئے بہت مفید اور فضل کثیر کا موجب ہے جن کو نیند بہت زیادہ آتی ہے اور عبادت کے لئے کم اٹھتے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں دو بار مسواک فرمایا کرتے تھے ایک بار تو سوتے وقت اور ایک بار جب آپ خواب استراحت سے بیدار ہوتے اس وقت مسواک فرماتے۔

سونے کا طریقہ اور سوتے وقت کی دعائیں

سوتے وقت قبلہ رو ہونا چاہئے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ سیدھے پہلو کے بل اس طرح لیٹ جائے جس طرح مردے کو لٹا دیا جاتا ہے یا غیر مدفون کفن پوش مردے کی طرح چت لیٹ جائے اور منہ قبلہ کی طرف (1) کر لے اور یہ دعا پڑھے۔

باسمكَ اللهم وضعت جنبى وبكَ ارفعهُ اللهم ان امسكت نفسى فاغفرلها وارحمها وانْ ارسلتها فاحفظها بما تحفظ به عَبادكَ الصالحين اَللهم انى اسلمت نفسى اليكَ ووجَهت وجهى اليكَ وفوضت اَمرى اليكَ والجات ظهرى اليكَ رهبة منكَ ورغبة اِلَيكَ لَا ملجاء ولا منجى منكَ الا اليكَ، امنت بكتابكَ الذى انزلت ونبيكَ الذى ارسلت اللهم قنى عذابكَ يوم تبعث عبادكَ، الحمد للّٰه الذى حكم فقهر الحمد اللّٰه الذى بطن فخبر، الحمد للّٰه الذى ملكَ فقدر، الحمد للّٰه الذى هو يحيى الموتى وهو علٰى كلِ شئى قدير، اللهم انى اعوذ بكَ من غضبكَ وسوء عقابكَ وشر عَبادكَ وشر الشيطان و شركه۔

اس کے بعد پانچ آیتیں سورۃ البقر کی یعنی چار اول آیات اور پانچویں "اِن فی خلق السموات والارض" پڑھے، اس پر آیتہ الکرسی اور اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ قُلْ اُدْعُوْا اللّٰہ، سورۃ الحدید کی اول آیت اور سورۃ الحشر کی آخری آیت قُلْ یَااَیُّھَا

(1) متن کے الفاظ یہ ہیں مستقبلاً لِلقبلته کالمیت المسجی

الکافرون، قُلْ هُوَ اللّٰہ اَحَدٌ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (معوذ تین) کا اضافہ کرے، ان تمام آیات کو پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دم کرے پھر اس ہاتھ کو تمام جسم اور اپنے منہ پر پھیرے۔ مذکورہ آیات کے علاوہ سورہ کہف کی پہلی دس آیات اور آخری دس آیات کا بھی اضافہ کیا جائے تو بہتر ہے اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللھم ایقظنی فی احب الساعات اَلَیكَ واستعملنی باحب الاعمَال الَیكَ التی تقربنی الَیكَ زلفِی وتبعدنی من سخطكَ بَعدًا، اسالَكَ فتعطینی، واستغفركَ فتغفرلی، وادعوكَ فستجیب لی، اَللھم لا تومنِی مکرك ولا تولنی غیرکَ وَلَا ترفَع عَنّی شركَ وَلَا تنسنی ذکركَ وَلا تجعَلنِی من الغَافِلِیْن ○

منقول ہے کہ جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف تین فرشتے بھیجتا ہے جو اس کو نماز کے لئے بیدار کرتے ہیں اور وہ جب نماز پڑھ کر دعا کرتا ہے تو یہ فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور اگر وہ عبادت کے لئے نہیں اٹھتا ہے تو فرشتے فضا میں عبادت کرتے ہیں اور اس عبادت کا ثواب اس شخص کے نام پر لکھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات کے علاوہ سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ اور اللّٰہ اکبر ہر ایک 33 (تنتیس) بار پڑھے اور اس کے بعد یہ کلمات پڑھ کر سو کی تعداد کو پورا کر لیا کرے، لا اِلَہَ اِلا اللّٰہ واللّٰہُ اکبر وَلا حُولَ وَلا قوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ العَلی العَظِیم ○

باب 47

خواب سے بیداری اور ذکر میں مصروفیت

موذن مغرب کی اذان سے فارغ ہو تو سالک کو اذان و اقامت کے مابین وقت میں دو رکعت نماز پڑھنا چاہئے' علمائے کرام ...ار کعتیں بہ عجلت اپنے گھر میں جماعت سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے تاکہ (مسجد میں ان کی مسلسل ادائیگی سے) لوگ یہ ...یال نہ کرنے لگیں کہ یہ دو رکعتیں سنت موکدہ ہیں اور پھر اس کی پیروی کرنے لگیں (سنت موکدہ سمجھ کر پڑھنے لگیں)۔ جب مغرب کی نماز سے فراغت ہو جائے تو مغرب کے بعد جلد دو سنتیں پڑھے کہ ان کا شمار بھی فریضہ (مغرب) کے ...ماز ہوتا ہے' ان دو رکعتوں میں قل یا اَیہَا الکافرون اور قُل ھو اللّٰہ اَحَد پڑھے اس کے بعد رات کے فرشتوں اور ...ام الکاتبین پر اس طرح سلام بھیجے۔

مَرحبا بملائکة اللیل' مرحَبا بالملکین الکریمین الکاتبین' اکتبا فی صَحِیفتی انی اشھَد ان لا اِلَہ الا اللّٰہُ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ' واشھد ان الجنة' حَق والنار حق' والحوض حق' والشفاعة حق' والصراط والمیزان حق' واشھَد اَنْ السَاعة اٰتیة لا ریب فیھا وان اللّٰہ یبعث من فی القبور' اللھم اودعك ھَذہ الشہادة لیوم حاجتی الیھَا اللھم احطط بھا وزری واغفر بھَا ذنبی' وثقل بھما میزانی' واوجب لی بھَا امانی' وتجاوز عَنِی یا اَرحم الراحمین ○

اگر سالک اپنی جماعت کے مسجد میں مغرب اور عشاء کی درمیان مسلسل مصروف عبادت رہے تو اس کا اعتکاف اور ...لت العشائین میں (مغرب اور عشاء کے درمیان لگاتار نماز پڑھتا) کا ثواب حاصل ہو گا اور اگر اس کی رائے میں مکان کو ...جانے اور گھر میں دونوں نمازوں کے درمیان عبادت کرنے سے اس کے دین کی زیادہ سلامتی ہے (زیادہ مناسب ہے) اور ...س جمیعت خاطر کے لئے یہ بات زیادہ مناسب ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے (گھر لوٹ جائے اور وہاں یہ عبادت کرے)۔

...ول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی

...ضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد تتجافی جنوبھم عَن المَضَاجع' کے بارے میں

دریافت کئے گئے (اس ارشاد ربانی کا مفہوم دریافت کیا گیا) تو آپ نے ارشاد فرمایا "یہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھنا ہے۔"

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا "مغرب اور عشاء کے درمیان نمازیں پڑھا کرو کیونکہ یہ دن کی لغو باتوں کو دور کر دیتی ہے۔ اور اس کے آخر کو سنوارتی ہے۔" (آخر سے مراد دن کا آخری حصہ ہے)۔

مغرب و عشاء کے درمیان اوراد

مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جانے والی دو رکعتوں میں سورہ بروج اور سورہ طارق پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھنا چاہئے۔ ان دو رکعتوں کی پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ کی پہلی دس آیات اور وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے بعد کی دو آیات اور پندرہ بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ پڑھے دوسری رکعت میں آیۃ الکرسی، آمن الرسول اور پندرہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰه اَحَد پڑھی جائے۔

آخر کی دو رکعتوں میں سورۃ زمر اور سورۃ واقعہ سے جو کچھ پڑھ سکتا ہو وہ پڑھے اس کے بعد جو پڑھ سکتا ہو وہ پڑھے خواہ اپنے معمولات کے اوراد پڑھے خواہ وہ نماز میں ہوں یا نماز کے بعد اگر چاہے تو سورہ اخلاص اور سورہ فاتحہ کے ساتھ بیس رکعات خفیفہ پڑھے، یا مغرب اور عشاء کے مابین دو طویل رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے اور ان دو طویل رکعتوں میں قیام طویل کرے اور طویل قیام میں اپنے معمول کی تلاوت کرے یا بار بار ایسی دعا پڑھے جس میں دعا اور تلاوت قرآن دونوں کا فائدہ شامل ہو مثلاً بار بار پڑھے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِير ○

یا اسی قسم کی کوئی دوسری آیت ہو اس طرح تلاوت، دعا اور نماز تینوں عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں اس صورت میں خیالات کی یکسوئی ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے۔

ان تمام نمازوں اور اوراد سے فارغ ہو کر عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعتیں پھر دو رکعتیں (بعد فرض عشاء) پڑھے اس سے فراغت کے بعد اپنے گھر چلا جائے یا اپنی خلوت گاہ میں پہنچ جائے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ کاشانہ، نبوت میں داخل ہو کر بیٹھنے سے قبل چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ان چار رکعتوں میں سورۂ لقمان، سورہ یٰسین، حم الدخان، اور تبارک الذی پڑھے، اگر کوئی شخص تخفیف کرنا چاہئے تو ان رکعتوں میں اٰیته الکرسی۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ اور سورہ حَدِيْد کی پہلی آیات اور سورہ حشر کی آخری آیت پڑھے ان چار رکعتوں سے فراغت کے بعد گیارہ مزید رکعتیں پڑھے، ان گیارہ رکعتوں میں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ سے لے کر قرآن کریم کے آخر تک تین سو آیات پڑھے۔

(1) ان کے پہلو خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں۔

شیخ ابو طالب مکیؒ کا ارشاد

اس سلسلہ میں شیخ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص چاہے تو ان گیارہ رکعتوں میں سے کم رکعتوں میں بھی اس قدر (تین سو آیات) پڑھ سکتا ہے۔" اگر سورہ ملک سے قرآن کریم کے آخر تک ایک ہزار آیتیں تلاوت کرے تو مزید خیروبرکت کا موجب ہے اگر کسی مرید کو اس قدر قرآن کریم یاد نہ ہو تو وہ ہر رکعت میں پانچ یا دس مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔

وتر کا التواء

وتر کو تہجد میں پڑھنے کے خیال میں ملتوی نہ کیا جائے ہاں اگر کسی شخص کو اپنے اوپر پورا پورا اعتماد ہو اور وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کا عادی ہو تو اس صورت میں وتر کو تہجد کے بعد پڑھنا افضل و اولیٰ ہے۔ ایک بزرگ کا معمول تھا کہ اگر وہ سونے سے قبل وتر پڑھ لیتے تھے اور اس کے بعد تہجد کے لئے اٹھتے تو ایک رکعت پڑھ کر وتر کو ملا کر دوگانہ بنا لیتے تھے۔ اس کے بعد جس قدر چاہتے نفل نماز پڑھتے پھر سب سے آخر میں وتر ادا فرماتے تھے۔

اگر وتر کو ابتدائے شب میں ادا کیا جائے تو اس وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھی جائیں اور ان رکعتوں میں سورہ الزلزال اور سورۃ التکاثر پڑھنا چاہئے۔ منقول ہے کہ ان دو رکعتوں کو بیٹھ کرنا پڑھنا اسی طرح ثمر ثواب ہے جیسے ایک رکعت کھڑے ہو کر پڑھی جائے' اگر کوئی تہجد کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کو بھی ادا کرے اور تہجد کے آخر میں وتر پڑھے' ان دو رکعتوں کی نیت بھی وہی ہے جو نفلوں کی نیت ہے (حَتّٰی اِذا اراد التہجد یاتِی بہٖ ویو ترفی اٰخر تہجد ونیة ھَاتِین الر کعتین نیتہ النفل لا غیر ذٰلِکَ)○

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان دونوں نمازوں کی نیت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں بہرنوع اگر ہر رکعت میں رات کے وقت سبحات ((1) سورہ حدید' (2) سورہ حشر' (3) سورہ صف' (4) سورہ جمعہ اور (5) سورہ تغابن پڑھی جائیں اور ان سورتوں پر سورہ اعلیٰ کا اضافہ کر لیا جائے اس طرح یہ چھ سورتیں ہوتی ہیں' علمائے کرام ان سورتوں کے پڑھتے تھے اور ان سے برکت کی توقع کیا کرتے تھے۔

شب بیداری کے بعد کے اعمال

خواب سے بیدار ہونے کے بعد حسن ادب یہی ہے کہ بیدار ہوتے ہی اس کا باطن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہ سب سے پہلے اللہ کے کاموں پر غور و خوض کرے اس کے بعد کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو' شب زندہ دار کی زبان کو خدا کے ذکر میں مشغول ہونا چاہئے جو اہل حق ہے وہ ایک بچے کی مانند ہے جو اپنے دل میں ایک مخصوص چیز کا خیال لے کر

سوتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے یہی وہ جذبۂ محبت اور محبوب مشغلہ ہے جو مرتے وقت تک اور اس کے بعد روز حشر میں اس کے ساتھ رہتا ہے پس جب ایک اہل حق نیند سے بیدار ہو تو اس کو یہ غور کرنا چاہئے کہ اس کا مقصود کیا ہے کیونکہ وہ اسی نصب العین کے ساتھ محشور ہوگا اگر اس کا مقصد و مدعا ذات الٰہی ہے تو یہی اس کا مقصود معین رہے گا اگر ایسا نہیں تو اس کا مقصود اور نصب العین خداوند تعالیٰ کے سوا کسی اور شے کو قرار دیا جائے گا۔

بندۂ حق کا باطن

جب ایک بندۂ حق نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کا باطن اس کی پاکیزہ فطرت ہی کے مطابق ہوتا ہے وہ اپنا باطن اللہ کے ذکر کے سوا کسی اور چیز سے تبدیل نہیں کرتا اس طرح اس کا وہ نور فطرت برقرار رہتا ہے جو بیداری کی حالت میں موجود تھا وہ غیروں کے ذکر سے اپنے باطن کو بچا کر صرف خدا ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے' اگر اس کی باطنی حالت کا یہ معیار نہیں ہے تو انوار الٰہی کی تجلیات کا راستہ اس کے باطن پر مسدود ہو جاتا ہے پس عابد شب زندہ دار کے لئے یہی لازم ہے اور اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ دوران شب اسی کی طرف متوجہ رہے اور قرب الٰہی کی جناب اس کا ملجا و ماویٰ بنی رہے اور اس کی زبان سے یہی ادا ہو الحمد لِلّٰہِ الَّذی احیانَا بَعد ما اماتنا وَ اِلَیْہِ النشُور ○ اس کو چاہئے کہ سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات پڑھے پھر پاکیزہ پانی کا قصد کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔" (پارہ 9 سورہ انفال)

"وہ اللہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ اس کے ذریعے کو پاک و صاف کرے۔"

ایک اور جگہ قرآن میں ارشاد فرمایا:

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ○ (پارہ 13 سورہ رعد)

"اس نے آسمان سے زمین پر پانی نازل کیا اور اس کے مطابق وادیاں جاری ہو گئیں۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پانی سے مراد قرآن ہے اور وادیاں قلوب ہیں (اَلماء القرآن وَالْاَودِیَة القلوب) چنانچہ وہ اسی (ظروف قلوب) کے مطابق بہتی ہیں اور جس قدر ان میں گنجائش ہوتی ہے اسی قدر وہ اسے اپنے اندر سما لیتی ہیں جس طرح پانی پاک و صاف کرنے کا ذریعہ اور واسطہ ہے اسی طرح قرآن حکیم بھی (قلوب کی) طہارت کا ذریعہ ہے بلکہ اس ذریعہ سے بڑا ذریعہ ہے کیونکہ بعض چیزیں طہارت کے لئے پانی کی قائم مقام بن سکتی ہیں مگر قرآن کریم کی قائم مقام کوئی چیز نہیں ہو سکتی! اور پانی تو صاف ظاہری چیزوں کو پاک کرتا ہے مگر علم اور قرآن پاک باطن کو پاک کرتے ہیں اور اس سے شیطانی (وسوسوں کی) نجاست دور ہو جاتی ہے۔

نیند کی حقیقت

نیند ایک قسم کی غفلت اور ایک طبعی اثر ہے اس لئے یہ بھی شیطانی نجات میں داخل ہے (کیونکہ یہ انسان کو اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی ہے) نیند کی اصل اور حقیقت یہ ہے کہ تخلیق کائنات کے وقت اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی لینے کا حکم (فرشتوں کو) دیا یہ مٹھی بھر خاک زمین کی جلد (سطح) سے حاصل کی گئی اس کا ظاہری حصہ "بشرہ" کھال تھی اور اس کا باطنی حصہ ادمتہ (آدمیت) تھا۔ خداوندہ قدوس نے فرمایا "میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔" (انّی خالق بشراً مِن طین) پس بشرت اور بشر سے مراد اس کی ظاہری صورت ہے اور آدمتہ سے مراد اس کے باطن سے اور آدمیت سے ہے پس یہی آدمی اخلاق حمیدہ کا مجموعہ ہے۔

مٹی کو چونکہ شیطان نے اپنے قدموں سے پامال کیا تھا اسی وجہ سے اس میں تاریکی ہے اور اسی تاریکی کو آدمی کی طینت میں خمیر کیا گیا تھا جس کے توسط سے اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ اس میں پیدا ہوئے بلکہ یہ غفلت و سہو بھی اسی کا نتیجہ ہے لہٰذا جب پانی کا استعمال اور قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے تو اس وقت دونوں پاک کرنے والی چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں پھر ان کے ذریعہ شیطانی نجاست اور اس کے قدم کے (خبیث) اثرات نہ صرف زائل ہو جاتے ہیں بلکہ ایسے انسان کو عالم قرار دے کر جہالت کے دائرے سے بھی اس کو نکال لیا جاتا ہے۔

پاک پانی کا استعمال ایک شرعی حکم ہے جو نیند کے مقابلے میں دل کو منور کرنے میں بہت موثر ہے چونکہ نیند طبعی اثرات کا نتیجہ ہے اور وہ قلب کو تاریک و مکدر کر دیتی ہے پس طہارت کا یہ نور اس تکدر اور تاریکی کا ازالہ کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علماء و فقہاء کا خیال ہے کہ اگر آگ سے پکی ہوئی چیزوں کو کھالیا جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق تو نماز میں قہقہہ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کے خیال میں یہ فعل گناہ کی طرف راغب کرتا ہے اور گناہ ایسی شیطانی نجاست ہے جو پانی ہی سے دور ہو سکتی ہے یہی سبب ہے کہ بعض محتاط حضرات غیبت، جھوٹ اور غیظ و غضب کے موقع پر بھی وضو کرتے تھے کیونکہ ایسا غلبہ نفس سے ہوتا ہے اور اس وقت شیطان کا تصرف ہوتا ہے۔

اگر کوئی متقی شخص اپنے نفس کے محاسبہ کا عادی ہے تو اس کو چاہئے کہ ایسے مواقع پر تازہ وضو کر لیا کرے، جب نفس مباح کاموں میں مصروف ہو، لوگوں سے ملنا جلنا ہو یا کسی ایسے کام میں مصروف ہو جس سے اس کی ہمت و عزیمت کی گرہیں کھل جانے اندیشہ ہو (اس کی ہمت و عزیمت پر حرف آرہا ہو) یعنی بیکار کاموں یا باتوں میں مصروف و مشغول ہو جائے تو ایسی صورت میں وضو کرنے سے قلب اپنی پاکیزگی پر قائم رہتا ہے اور قلب کی طہارت برقرار رہتی ہے بلکہ ایسے موقع پر وضو بصیرت کو پاک و صاف رکھنے میں وہی کام کرتا ہے جو پلکیں اپنی ہلکی پھلکی حرکات سے بینائی کو برقرار رکھنے میں کام کرتی ہیں یہ وہ نکتہ ہے جسے اہل علم ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اگر اس نکتہ پر غور کیا جائے تو اس کی برکات کا اثر ضرور نمایاں ہو گا۔

اگر مرید و سالک ایسے عوارض (لغو و بیکار باتوں کے وقت) کے موقع پر یا بیدار ہونے کے وقت غسل کر لیا کرے اس سے قلب کو مزید روشنی حاصل ہو گی بلکہ زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت غسل کر لیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مناجات کی تیاری میں وہ پوری کوشش کر سکے چاہئے کہ ایسے ہر موقع پر سچے دل سے توبہ کر کے اپنے باطن کی صفائی بھی کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ O (پارہ 21 سورہ)

مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے توبہ اور رجوع کو نماز پر مقدم فرمایا ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور شریعت اسلامی کی آسانیاں اور سہولتیں ہیں کہ مشکلات کو دور کرنے کے لئے غسل کے بجائے وضو کا حکم دیا گیا ہے (کہ ہر وقت غسل کرنا دشوار اور ناممکن ہوتا) بلکہ یہاں تک آسانی پیدا کر دی گئی کہ تمام مسلمانوں کی مشکلات دور کرنے کے لئے ایک ہی وضو سے تمام فرض نمازوں کی ادائیگی جائز قرار دے دی گئی۔ مگر جو خاصان الٰہی ہیں ان کی باطنی قوتیں ان سے اس امر کا مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ان احکام کی پابندی کریں جو افضل ہیں اور وہ عوام کے مقابلہ میں اعلیٰ طریقہ پر چلیں۔

نماز تہجد

جب کوئی عابد نماز تہجد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو نماز کے لئے اٹھتے وقت یہ پڑھے:

اکبر کبیراً والحمد للّٰہ کثیراً و سبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا' سُبحَان اللّٰہ وَالحَمْدُ لِلّٰہِ وَلا اِلٰہَ اللّٰہُ واللّٰہ اکبر وَلَا حَولَ ولا قُوَّت اِلاَّ بِاللّٰہ دس مرتبہ پڑھے اور اس کے بعد یہ پڑھے:

"اللّٰہ اکبر ذوالملك والجبروت والکبریاء والعظمة والجلال والقدرة' اَللھم لك الحمد انت نور السمٰوٰت والارض وَلَكَ الحمد انت بھَا السموات والاَرض' ولك الحمد انت قیوم السموات والارض ومن فیھن ومن علیھن' اِنت الحق و منك الحق' ولقاوك حق' والجنَّة حق والنار حق' والنار حق' والنبییون حق و محمد عَلیه السلام حق' اللھم لك اسلمت وبك آمنت وعلیك توکلت وبك خاصمت والیك حَاکمت' فاغفرلِی مَلقدمت وما آخرت وما ا سدرت وما اعلنت انت المقدم وانت الموخر لا اِلٰه الا انت اللھم اُت نفسی تقواھَا و زکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا ومولاھا' اللھم اھدنی لا حسن الاخلاق لا یَھدی لا حسنھا الا انت واصرف عنِی سیئھا لَا یصرف عنی سیئھا الا انت' اسئالُك مسَالة البائس

المسكين، وإدعوك دعاء الفقير الذليل، فلا تجعلنی بدعائك رب شقيًا و كن بي روو فًا رحيما یا خیر المسئولين ويااِكرم المعطين۔"

یہ دعا پڑھنے کے بعد وضو کرنے پر دو رکعت نفل پڑھے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ آخر تک (۱) پڑھے اور دوسری رکعت میں "وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" پڑھے۔

ان دو رکعتوں کے بعد کئی بار استغفار پڑھے، اس کے بعد دو ہلکی رکعتیں یعنی مختصر سورتیں دو رکعتوں میں پڑھے اگر چاہے تو ان دونوں رکعتوں میں آیت الکرسی اور اٰمَنَ الرَّسُوْل (تا ختم آیت) پڑھے، چاہے تو اور دوسری آیات بھی پڑھ سکتا ہے اس کے بعد طویل رکعتیں پڑھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا (آپ مذکورہ بالا طریقے پر نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے) ان دو طویل رکعتوں کے بعد قدرے طویل دو رکعتیں پڑھے۔ اس طرح بتدریج کم کرتا جائے تاآنکہ بارہ یا آٹھ رکعتیں ہو جائیں بارہ سے زیادہ رکعتیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور ان زیادہ رکعتوں کی بہت فضیلت ہے۔

---

(۱) یعنی وَلَوْ اَنَّهُمْ سے تَوَّابًا رَّحِيْمًا○ تک پڑھے۔ (پارہ 5 سورۃ النساء)

باب 48

شب بیداری میں اوقات کی تقسیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِیَامًا ○ (پارہ 19 سورہ الفرقان)

"یہ لوگ وہ ہیں جو سجدے اور قیام میں رات گزار دیتے ہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

"کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیا پوشیدہ رکھی گئی ہے' یہ ان کے اعمال کی جزاء ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں "عملهم" سے شب بیداری کی عبادت مراد لی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ نفس کی مجاہدہ اور دشمن کے مقابلے میں رات کی نماز کے ذریعے استقامت و امداد حاصل کرو۔

حدیث شریف میں وارد ہے "عَلیکم بقیام اللّیل فِانَّهٗ مَرضَاۃِ لِرَّبُکُمْ" رات کو اٹھ کر عبادت کرو کیونکہ اس میں تمہارے رب کی رضامندی ہے اور تم سے پہلے نیک بندوں کا یہی طریقہ رہا ہے' یہ نماز گناہوں سے روکتی ہے اور اس کے بوجھ کو دور کرتی ہے' شیطان کے مکرو فریب کو زائل کرتی ہے' اور بیماری کو جسم سے نکالتی ہے۔

بزرگان سلف کی ایک جماعت تمام رات عبادت کیا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ چالیس تابعی حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے سلسلہ میں یہ منقول ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے (شب بھر عبادت میں بسر کرتے تھے) ان حضرات میں حضرت سعید بن المسیبؒ' حضرت فضیلؒ بن عیاض' حضرت وہیبؒ بن الورد' حضرت ابو سلیمانؒ دارانی' حضرت شیخ علیؒ بن بکار' حضرت حبیبؒ عجمی' حضرت کہمسؒ بن المنہال' حضرت محمدؒ بن المنکدر' حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت شیخ ابو حازمؒ وغیرہم شامل تھے' شیخ ابو طالب مکی نے اپنی تصنیف "قوت القلوب" میں ان تمام حضرات کے نام ان کے نسب ناموں کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔

بہرحال اگر کوئی شخص تمام رات عبادت نہ کر سکے تو دو تہائی۔ ایک تہائی یا رات کے کم از کم 1/6 حصہ عبادت کرنا مستحب ہے اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ یا تو رات کے پہلے ثلث میں سوئے اور اس کے بعد اٹھ کر عبادت کرے اور اس کے بقیہ 1/6 حصہ میں سو جائے یا نصف شب تک سوئے اور اس کے بعد نصف کے نصف میں عبادت کرے اور پھر 1/4 حصہ میں سو جائے۔

روایت ہے کہ ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام نے پروردگار عالم کے حضور میں عرض کیا کہ بار الٰہا! میں چاہتا ہوں کہ (شب میں) تیری عبادت کروں تو میں کس وقت اٹھوں' باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا "اے داؤد نہ تم اول شب میں اٹھو اور نہ آخر شب میں! کیونکہ جو رات کے اول وقت میں اٹھ کر عبادت کرتا ہے وہ آخر شب میں سوتا ہے اور جو آخر شب میں اٹھتا ہے وہ اول وقت (شب) میں سوتا ہے لیکن تم وسط شب میں اٹھو (اور عبادت کرو) تاکہ تم کو میرے ساتھ خلوت میسر ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ تنہا رہوں۔ (وَاُخلوبِكَ) اس وقت اپنی حاجتیں میرے حضور میں پیش کرو۔"

شب بیداری کے موزوں اوقات

پس شب بیداری کے خواب استراحت کے دونوں حصوں (اول و آخر) کے مابین ہونا چاہئے ورنہ اول شب ہی سے نفس غالب آجاتا ہے اور (سلا دیتا ہے) اس عرصہ میں نفلی نمازوں میں مشغول رہنا چاہئے اور جب نیند کا غلبہ ہو تو (اول شب میں) سو جائے' بیدار پر وضو کرے' اس طرح دو دفعہ اٹھنا ہو گا اور دو دفعہ سونا! (اول شب اور آخر شب میں) جو بہترین صورت ہے۔

اس وقت نماز شروع نہ کرے جب تک نیند کی حالت ہو' نماز اس وقت پڑھے جب اچھی طرح بیدار ہو جائے اور اپنی کہی بات کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے کیونکہ منقول ہے لا تکابدوا اللّیل "یعنی رات میں اپنی ذات پر سختی برداشت نہ کرو۔"

ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ فلاں عورت رات کے وقت نماز پڑھتی ہے اور جب اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ ایک رسی کے ساتھ لٹک جاتی ہے (تاکہ بیدار رہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے اس کو منع فرمایا (ممانعت فرمائی کہ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے) اور ارشاد فرمایا "جو کوئی رات کے وقت نماز (پڑھنا چاہئے تو وہ اتنی (دیر تک) ہی پڑھے جتنی دیر وہ آسانی سے پڑھ سکتا ہے اور جب اس پر نیند کا غلبہ ہو تو وہ سو جائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا:"

"وَلَا تشادوا هذا الذين فَانَّهٗ متين فمَنْ يشاده يغلبهٗ وَلَا تبغض اِلٰى نَفْسِكَ عبَادة اللّٰه ○"

(اور اس مذہب (اسلام) کو سخت نہ بناؤ کیونکہ یہ خود مضبوط و متین ہے اس لئے جو کوئی اس کو سخت بناتا ہے وہ خود مغلوب ہو جائے گا' (مشکلات پیدا کر کے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اپنے نفس کے لئے موجب نفرت نہ بناؤ)۔

طالب حقیقت کا دستور العمل

طالب حقیقت کے لئے شایان نہیں ہے کہ فجر طلوع ہو جائے اور وہ سوتا رہے البتہ اگر رات کو اٹھ کر کافی دیر تک اس نے عبادت کے لئے قیام کیا ہے تو اس صورت میں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اگر وہ رات میں کم عبادت کرے (کم بیدار رہے) اور طلوع فجر سے پہلے بیدار ہو جائے تو یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ بہت رات تک جاگا جائے (عبادت کی جائے) اور طلوع فجر پر سوتا رہے۔

جب عابد فجر سے قبل بیدار ہو تو اس کو کثرت کے ساتھ استغفار پڑھنا اور تسبیح میں مشغول رہنا چاہئے اور اس وقت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اسی طرح رات کے وقت بھی جب وہ دوگانہ سے فراغت پائے تو دوسرے دوگانہ میں مشغول ہونے سے پہلے تسبیح و استغفار میں مصروف رہے اور حضور پر نور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے اس طرح سکون حاصل ہوتا ہے اور قیام لیل کے لئے قوت حاصل ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ "یہ میری پہلی نیند ہے۔" اگر بیدار ہونے کے بعد میں پھر سو جاؤں تو خداوند تعالیٰ میری آنکھوں کو نہ سلائے!

ایک درویش نے مجھے اپنے شیخ کی نسبت بتایا کہ وہ اپنے رفقاء کو رات بھر میں ایک دفعہ سونے اور دن بھی میں صرف ایک بار کھانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "رات کے وقت اٹھو خواہ وہ اتنی دیر کے لئے کیوں نہ ہو جتنی دیر میں ایک بکری کا دودھ چوا جاتا ہے۔" منقول ہے کہ اتنا وقت چار رکعتوں کی ادائیگی کے برابر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (پارہ 3 سورہ آل عمران)

"تو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے ملک چھین لے۔"

اس آیت کی تفسیر میں صوفیہ کرام کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں ملک سے مراد عبادت شبانہ ہے اور جو کوئی شخص کاہلی و سستی یا کم ہمتی سے اس کی تیاری میں غفلت یا اپنی روحانیت کے مراتب کے غرور میں رات کی عبادت سے محروم ہو جائے اس کو اپنی حالت پر آنسو بہانا چاہئے کیونکہ اس پر بھلائی کا ایک عظیم راستہ بند ہو گیا۔

کبھی ایسی صورت بھی آتی ہے کہ کوئی صاحب معرفت قرب خداوندی کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور اس قرب و وصال کے باعث اس کے شوق و محبت کے جذبات میں وہ جوش باقی نہیں رہتا اور وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ شب بیداری (قیام اللیل) مقام شوق میں وقوف کا نام ہے (انَّ القیام وقوف فی مقام الشوق) لیکن یہ ایک مغالطہ ہے اور اس مغالطہ کے باعث بہت سے مدعیان حقیقت ہلاک ہو گئے ہیں' جو کوئی اس کا قائل ہے اس کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی حالت کا استمرار مشکل ہے کیونکہ انسان میں قصور' کوتاہی' تخلف' (خلاف ورزی) اور شبہات کا گزر ہوتا رہتا ہے' خوب سمجھ لینا چاہئے

کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور ہستی کو (کونین میں) روحانی مدارج حاصل نہیں ہو سکتے بایں ہمہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عبادت شبانہ سے بے نیازی نہیں برتتے تھے اور آپ اتنی دیر تک قیام فرماتے تھے کہ پائے اقدس متورم ہو جاتے تھے۔

اس سلسلہ میں بسا اوقات بحث کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل اس لئے فرمایا ہے کہ قیام اللیل کی شرعی حیثیت قائم ہو جائے (فعلَ ذَلَكَ تَشرِيعًا) پس جب ایسی صورت ہے تو ہم پر آپ کی اتباع اور بھی ضروری ہے بلکہ اس کے علاوہ اس (قیام اللیل) میں ایک نکتہ اور بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ رات کی عبادت کو ترک کرنے اور بارگاہ الٰہی میں قربت کے حصول کا دعویٰ کرنا اور خواب و بیداری میں فرق نہ کرنا ایک روحانی آزمائش اور ابتلائے حال ہے اور اس طرح اپنے حال کو مقید کرنا اور اس کا حکم بجالانا ہے لیکن جو حضرات روحانی طور پر طاقتور ہوتے ہیں وہ صرف حال کے تابع اور پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ حال پر تصرف کرتے ہیں (حال ان کا تابع ہوتا ہے) وہ حال کے تابع نہیں ہوتے' پس اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے کیونکہ ہم نے اپنے بعض رفقاء میں اس حال کا مشاہدہ کیا ہے اور فضل ایزدی سے ہم پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ یہ وقوف (جمود) و قصور ہے۔

شیخ حسنؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ اے ابو سعیدؒ میں تندرستی کی حالت میں رات بسر کرتا ہوں اور میں رات کو اٹھنا بھی چاہتا ہوں' سامان طہارت بھی تیار رکھتا ہوں پھر کیا بات ہے کہ میں رات کو عبادت کے لئے اٹھ نہیں سکتا' شیخ حسنؒ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارے گناہوں نے تم کو مقید کر رکھا ہے۔

پس عابد کو دن کے وقت گناہوں سے بچنا چاہئے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو رات کے وقت کو اپنی قید میں لے آئے (رات کو عبادت کرے) شیخ نوری (۱) فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کے ارتکاب کے باعث سات ماہ تک شب بیداری کی فضیلت سے محروم رہا' ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ کونسا گناہ تھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ ریاکار ہے۔ (ریاکاری سے رو رہا ہے)۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں علی کرز بن وبرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو روتے ہوئے پایا میں نے ان سے کہا کہ اے شیخ کیا ہوا؟ کیا آپ کے کسی عزیز کے مرنے کی خبر ملی ہے' انہوں نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ سخت معاملہ ہے! میں نے عرض کیا کہ کیا کہیں آپ کے درد ہے جس کی تکلیف سے آپ رو رہے ہیں' تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے بھی سخت بات ہے! پس میں نے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "میرا دروازہ بند ہے اور میرا پردہ لٹکا ہوا ہے جس کے باعث کل میں اپنے اوراد معمولہ کو نہ پڑھ سکا (دن اور رات میں تمیز نہ ہونے کے باعث مقررہ اور معمولہ اوراد کا پڑھنا فوت ہو گیا) یہ شاید کسی گناہ کا نتیجہ ہے جو مجھ سے (نادانستہ) سرزد ہو گیا ہے۔

---

(۱) بیروت کے مطبوعہ نسخہ کے متن صفحہ 379 پر یہ عبارت اس طرح ہے وَقال النوبری رحمہ اللہ' میں نے اس کو "وقال النوری" سمجھ کر ہی ترجمہ کیا ہے (شمس)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ "احتلام بھی ایک قسم کی سزا ہے۔" یہ قول بالکل درست ہے کیونکہ وہ حضرات پرہیزگار اور محتاط ہیں وہ اپنی پرہیزگاری اور علم کے ذریعے سے احتلام کا دروازہ بند کر سکتے ہیں' احتلام تو اسی کو ہوتا ہے جو اپنے حال سے ناواقف ہو اور جو اپنے وقت کے حکم اور اپنے روحانی آداب سے غافل ہو گیا ہو اور جو شخص اپنے وقت کی پوری پوری نگہداشت اور مکمل حفاظت کرتا ہے اور آداب روحانی کا (ہر لحظہ) خیال رکھتا ہے اگر اس کو احتلام ہو جائے تو اس کا موجب بس یہ گناہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا ہو' پس ایسے شخص کو ہمت سے کام لے کر تکیہ کا استعمال بھی ترک کر دینا چاہئے۔

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کا یہ گناہ (یعنی بغرض استراحت بالش زیر سر رکھنا) نہیں ہوتا اور وہ اپنے سر کے نیچے تکیہ محض اس لئے رکھتا ہے کہ ان کے ذریعہ شب بیداری میں اس کو مدد ملے مگر بعض لوگ اس کو بھی گناہ سمجھتے ہیں (اس صورت میں بھی احتلام ہو جاتا ہے) تو جب اتنی مقدار استراحت بھی احتلام کا سبب بن سکتی ہے اور ایک گناہ بن سکتی ہے تو روحانیت کے ان دوسرے گناہوں کا جن کا تعلق ارباب معرفت سے ہے۔ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے پس اس کو ارباب معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی اس کی شناخت کر سکتے ہیں۔

بعض ارباب طریقت تکیہ اور نرم بستر استعمال کرتے ہیں

بعض حضرات (ارباب طریقت) نرم بستر اور تکیہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ (ان سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں) لیکن وہ اس صورت میں بھی احتلام سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کو احتلام کے ذریعے سزا نہیں دی جاتی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے افعال کی اندرونی و بیرونی کیفیتوں سے واقف ہوتے ہیں پس وہ اپنی وسعت علم اور پاک نیت کی بدولت بہت سے شب بیداروں سے بازی لے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جب بندۂ خدا سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگاتا ہے' جب وہ نیند سے اٹھ کر ذکر خدا کرتا ہے تو اس کی ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اس کے نتیجہ میں صبح کے وقت وہ چاق و چوبند ہو کر اور خوش مزاجی کے ساتھ اٹھتا ہے ورنہ سست و کاہل اور بد مزاج بن کر اٹھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے "جو صبح تک سوتا رہتا ہے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔" "اِنَّ مَن نَامَ حَتّٰی یَصبح بَالَ الشَّیطان فِی اُذنِہٖ۔"

شب بیداری کے موانع!

دنیا کے بہت سے کاموں میں مشغولیت' اعضاء کی تکان' شکم سیری' فضول گوئی اور یاوہ گوئی' شور و شغب میں مصروفیت' دن کا قیلولہ ترک ایسے امور ہیں جو شب بیداری میں حائل ہوتے ہیں' پس کامیاب وہی شخص ہے جو اپنے وقت کو غنیمت

کہ اپنے درد اور اس کی دوا سے آگاہ ہو اور اس سلسلہ میں غفلت اختیار نہ کرے' اگر ایسا نہیں تو اس کو نظرانداز کردیا جاتا ہے (وَلَا یھمل فیہمَل)۔

باب 49

استقبال فجر، معمولات روز اور اس کے آداب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَار (1)
"دن کے دونوں طرفوں میں نماز قائم کرو۔"
تمام مفسرین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ایک طرف روز سے مراد نماز فجر ہے اور دوسرے کنارے یا طرف میں ان حضرات کے درمیان اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز مغرب ہے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد نماز عشاء ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ دن کے ایک طرف سے فجر اور ظہر کی نماز مراد ہے۔ اور دوسری طرف سے مراد نماز مغرب اور عشاء ہے اس حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے نماز کے فوائد و برکات کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ (یہ) نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یعنی ان پانچوں نمازوں سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

ابو الیسر کعبؓ بن عمرو کے بارے میں روایت ہے کہ وہ کھجوریں بیچا کرتے تھے۔ ایک عورت ان کے پاس کھجوریں خریدنے کے لئے آئی انہوں نے اس سے کہا کہ یہ کھجوریں اچھی نہیں ہیں اس سے زیادہ اچھی کھجوریں میرے گھر میں رکھی ہیں! کیا تم وہ اچھی کھجوریں لینا چاہتی ہو؟ اس عورت نے کہا ہاں! پس وہ اس عورت کو اپنے گھر لے گئے گھر پہنچ کر وہ اس عورت سے لپٹ گئے اور اس کے بوسے لینا شروع کر دیئے، اس عورت نے کہا اے شخص اللہ سے ڈر! یہ سن کر انہوں نے عورت کو چھوڑ دیا اور بہت نادم ہوئے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا اس مرد کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جس نے ایک اجنبی عورت کے ساتھ بدنیتی کی اور اس کے ساتھ سوائے مجامعت کے وہ سب کچھ کیا جو مرد عورت کے ساتھ کرتا ہے (یعنی بوس و کنار) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تم اپنے نفس پر پردہ ڈالتے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری پردہ پوشی فرماتا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کا صرف یہ جواب دیا "کہ میرے پروردگار کے حکم کا انتظار کرو! اس عرصہ میں نماز عصر کا وقت آگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام مذکورہ بالا آیت لے کر آئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابو الیسر کہاں ہے، انہوں نے کہا حضور میں حاضر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

(1) پوری آیت یہ ہے "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ، اِنَّ الحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ○"

فرمایا کیا تم ہمارے ساتھ نماز عصر میں شریک تھے' انہوں نے کہا جی ہاں! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ! یہ نماز تمہارے اس برے فعل کا کفارہ ہے' اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضورؐ! یہ حکم ان کے لئے خاص ہے یا ہم سب کے لئے عام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ سب کے لئے عام حکم ہے۔" (1)

استقبال فجر

بندۂ مومن کو چاہئے کہ اچھی طرح وضو کرکے فجر سے قبل نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے اور کلمہ شہادت پڑھ کر فجر کا اسی طرح استقبال کرے جس طرح ہم نے اول شب کے استقبال کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اگر موذن کی اذان کا جواب نہ دیا ہو تو خود اذان کہے (ثم يُوذن إن لم يكن اجاب الموذن) اس کے بعد فجر کی دو رکعتیں ادا کرے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ (سورة الكافرون) پڑھے اور دوسری رکعت میں قُل هو اللّٰه اَحد (سورہ اخلاص) پڑھے' اگر چاہے تو پہلی رکعت میں سورہ بقرہ (2) کی آیات جو قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ سے شروع ہوتی ہیں پڑھے اور دوسری رکعت میں رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ پڑھے۔ نماز ختم کرنے کے بعد استغفار اور تسبیح پڑھے اور آسانی کے ساتھ جس قدر زیادہ پڑھ سکتا ہو تو پڑھے اگر وہ صرف اَسْتَغْفَرُ اللّٰه لذنبى سبحان اللّٰه بِحَمْدِ رَبِّیْ ہی پڑھ لیا کرے تو کافی ہے اس سے بھی تسبیح و استغفار کا مقصود پورا ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے۔

"اللهم صل على محمَّد وعلى ال محمَّد' اللهم اِنى اَسئالك رحمته من عندك تهدى بها قلبى وتجمع بهَا شملى وتلم بها شعتى وتردبها الفتن عنى و تصلح بها دينى و تحفظ بها غائبى وترفع بها شاهدى وتزكى بها عملى و تبيض بهاوجهى و تلقنى بها رشدى و تعصمنى بها من كل سوء واللهم اعطنى ايمانًا صَادقًا ويقينًا ليس بعده كفر' ورحمته انال بها شرف كرامتك فى الدنيا والاخرة' اللهم انى اسئالك الفوز عند القضاء' وَمنازل الشهداء' وعيش السعداء والنصر على الاعداء' والنصر على الاعداء' ومرافقة الانبياء' اللهم انى انزل بك حاجتى وان قصر رايى وضعف عملى وافتقرت الى رحمتك' واسئالك يا قاضى الامور وياشافى الصدور' كما تجير بين البحور' ان تجيرنى من عذاب السعير' ومن دعوة الثبور ومن فتنة القبور' اللهم مَا قصر عنه رايى وضعف فيه عملى ولم تبلغه نيتى وامنيتى۔ من خير وعدته احدًا من عبادك اوخير انت معطيه احدًا من خلقك۔

(1) اس روایت سے نماز عصر کا استدلال کیا گیا ہے۔

(2) یہ آیات پارہ اول کی آخری آیات ہیں اور ختم پارہ پر ان کا اختتام ہوتا ہے۔

فانا راغب اليك فيه واسئالك اياه یا رب العالمين۔ اللهم اجعلنا هادين مهديين غير ضالين ولا مضلين، حربًا لاعدائكَ وسلمًا لاوليائكَ نحب بحبكَ الناس ونعادى بعداوتكَ من خالفكَ من خلقكَ O"

اللهم هَذا الدعاء منى ومنكَ الاجابة، وهذا الجهد وعليكَ التكلان، انا للّٰه وانا اِليه راجعون، ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلى العظيم ذى الحبل الشديد والامر الرشيد، اسالكَ الامن يوم الوعيد والجنة يوم الخلود، مع المقربين الشهود والركع السُّجود والموفين، بالعهود، انكَ رحيمٌ ودود وَانت تفعَل مَا يُرِيْد سبحان من تَعطّف بِالعَفو وقَال بِهٖ سبحان ذى الفضلِ والنعِمَ سُبحَان ذِى الجُود والكرم، سبحان الَّذِى احصىٰ كُل شَى ءٍ بعلمهٖ اللّٰهُمَّ اجعل لى نوراً فِى قَلبِى وَنوراً فِى قَبرِى ونوراً فِى سمعى و نوراً فى بَصَرى، وَنوراً فى شَعرِى وَنوراً فِى لَحْمِى ونوراً فى دَمِى و نوراً فى عَظَامِى وَنوراً مِنْ بَيْنَ يَدى وَنوراً مِن خلفى ونوراً عَنْ يمِيْنى ونوراً عَنْ شمالِى ونوراً مِن فوقى وَنوراً مِن فوقى وَنوراً مِن تَحْتِى، اَللّٰهُمَّ زِدنِى واعطنى نوراً وَاجْعَل لِّى نوراً O

اس دعا کے برکات و فوائد کثیر ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ جس شخص نے اس دعا کا ورد کیا اس کو بہت خیر و برکات حاصل ہوئے ہیں، ارباب حق نے (صوفیہ کرام) اپنے رفقاء کو اس دعا کا پابندی سے ورد کرنے کی بہت تاکید کی ہے۔ روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو نماز فجر کے فرض اور سنتوں کے درمیان پڑھا کرتے تھے (منقول عَنْ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اِنَّهٗ كان يقروهٗ بين الفريضة والسنة من صلاة الفجر)۔ اس کے بعد آپ نماز باجماعت کے لئے مسجد میں تشریف لانے کا قصد فرمایا کرتے (ثم يقصد المسجد لِلصَّلاة فى الجَماعة) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْراً ------------------ اثنائے راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّى اَسالَكَ بحقِّ السَّائِلِيْنَ عَليك وبحق ممشاىِ هٰذا اِلَيْكَ فَانِى لَمْ اَخرج اَشراً وَّلا بَطراً وَّلا رَياء وَلاَ سَمْعَة خَرجت اتقاء سَخطَكَ وابتغاءِ مَرضَاتكَ، اَسالَكَ ان تنقذنى مِنَ النَّار وتغفرلى ذُنُوْبِىْ اِنَّهٗ لا يَغفر الذُّنُوْب اِلَّا اَنْتَ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ دعا نماز کے لئے (باہر) نکلتے وقت پڑھے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے اس پر مقرر فرما دیتا ہے جو اس شخص کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی ذات بزرگ و برتر کے ساتھ اس کی طرف توجہ فرماتا ہے' یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو۔"

جب بندۂ مسجد میں داخل ہو یا نماز کی ادائیگی کے لئے اپنے جائے نماز پر جائے تو یہ دعا پڑھے:

بِسم اللّٰہِ وَالْحَمْدُ للّٰہِ وَالصَّلٰوۃ والسَّلام علی رسول اللّٰہ۔ اَللّٰھُمَّ اغفِرلی ذُنُوبی وَافْتح لِی اَبواب رحمتکَ O

جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور جب وہاں سے جائے یا نماز سے باہر نکلے تو بایاں پاؤں پہلے باہر نکالے اس سلسلہ میں صوفی کا سجادہ (جانماز) گھر یا مسجد کے مشابہ ہے۔ جب صوفی فجر کی نماز باجماعت سے فارغ ہو جائے تو سلام پھیر کر یہ دعا پڑھے:

دعائے نماز فجر

لا اِلہ اِلہ اللّٰہ وحدہ لا شریك له' له الملك وله الحمد یحیی ویمیت وهو حی لایموت بیده الخیر وهو علی کل شیء قدیر' لا اله الا اللّٰه وحده صدق وعده ونصر عبده واعز جنده وهزم الاحزاب وحده' لا اِله الا اللّٰه اهل النعمة والفضل والثناء الحسن' لا اِله الا اللّٰه ولا نعبد الا ایاه مخلصین له الدین ولو کره الکافرون' اور پڑھے: هو اللّٰه الذی لا اله الا هو الرحمن الرحیم التسعة والتسعین اسما الی آخرها' فاذا فرغ منها یقول جب اس سے فارغ ہو تو پڑھے: اللهم صل علی محمد عبدك ونبیك ورسولك النبی الامیی وعلی آل محمد صلاة تکون له رضاء ولحقه اداء' واعطه الوسیلة والمقام المحمود الذی وعدته' واجزه عناماهو اهله' واجزه عنا افضل ماجازیت نبیا عن امته' وصل علی جمیع اخوانه من النبین والصدیقین والشهداء والصالحین۔ اللهم صل علی محمد فی الاولین' وصل علی محمد فی الاخرین' وصل علی محمد الی یوم الدین' اللهم صل علی روح محمد فی الارواح' وصل علی جسد محمد فی الاجساد' واجعل شرائف صلواتك ونوامی برکاتك ورافتك ورحمتك وتحننك ورضوانك علی محمد عبدك ونبیك ورسولك' اللهم انت السلام ومنك السلام والیك یعود السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام' تبارك اذا الجلال والاکرام۔

اللهم انی اصبحت لا استطیع دفع ماا کرہ ولا املك نفع ما ارجو واصبح الامر بید غیری واصبحت مرتهنا بعملی، فلا فقیر افقر منی، اللهم لا تشمت بی عدوی ولا تسیی ء بی صدیقی، ولا تجعل مصیبیتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر همیی، ولا تسلط علی من لا یرحمنی، اللهم هذا خلق جدید فافتحه علی بطاعتك واختمه لی بمغفرتك ورضوانك وارزقنی فیه حسنة تقبلها منی وزکها وضعفها، وما عملت فیه من سیئة فاغفرلی انك غفور رحیم ودود، رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیًا، اللهم اسئالك خیر هذا الیوم وخیر مافیه واعوذبك من شره وشرمافیه، واعوذ بك من شر طوارق اللیل والنهار ومن بغتات الامور وفجاءة الاقدار ومن شر کل طارق یطرق الا طارقًا یطرق منك بخیر یا رحمن الدنیا والاخرة ورحیمهما، واعوذبك ان ازل او ازل او اضل او اضل او اظلم او اظلم او اجهل اور یجهل علی، عز جارك وجل ثناوك وتقدست اسماوك وعظمت نعماوك، اعوذ بك من شر مایلج فی الارض ومایخرج منها ومایننزل من السماء ومایعرج فیها، اعوذ بك من حدة الحرص وشدة الطمع و سورة الغضب وسنة الغفلة وتعاطی الکلفة۔

اللهم انی اعوذ بك من مباهاة المکثرین، والازراء، علی المقلین، وان انصر ظالمًا او اخذل مظلومًا، وان اقول فی العلم بغیر علم، اواعمل فی الدین بغیر یقین، اعوذ بك ان اشرك بك وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم، اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك۔

اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وابن عبدیك وانا علی عهدك ووعدك مااستطعت، اعوز بك من شرما صنعت، ابوء لك بنعمتك علی وابوء، بذنبیی فاغفرلی انه لا یغفر الذنوب الا انت۔

اللهم اجعل اول یومنا هذا صلاحا آخره نجاحًا واوسطه فلاحًا، اللهم اجعل اوله رحمة واوسطه نعمة وآخره تکرمة، اصبحنا واصبح الملك لله والعظمة والکبریاء، لله والجبروت والسطان لله واللیل والنهار وما سکن فیهما لله الواحد

القہار، اصبحنا علی فطرۃ الاسلام و کلمۃ الاخلاص وعلی دین نبینا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وملۃ ابنیاء ابراہیم حنیفًا مسلمًا وما کان من المشر کین۔
اللھم انا نسئلك بان لك الحمد لا الہ الا انت الحنان المنان بدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام، انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد، یاحیی یاقیوم، یاحیی حین لا حیی فی دیمومۃ ملکہ وبقائہ، یا حیی محیی الموتی، یاحیی ممیت الاحیاء ووارث الارض السماء اللھم انی اسالك باسمك بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم باسمك اللّٰہ لا الہ الا ھو الحیی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم، اللھم انی اسئالك باسك الاعظم الاجل الاعز الاکرم الذی اذا دعیت بہ اجبت واذا سئلت بہ اعطیت، یانور النور یامدبر الامور یا عالم ما فی الصدور، یاسمیع یا قریب یامجیب الدعاء یالطیفًا لما یشاء، یارءووف یا رحیم یا کبیر یا عظیم یااللّٰہ یا رحمن یاذالجلال والاکرام، الم، اللّٰہ لا الہ الا ھو الحی القیوم وعنت الوجوہ للحیی القیوم، یاالھی والہ کل شیی ءٍ الھًا واحداً لا الہ الا انت۔

اللھم انی اسئالك باسمك یااللّٰہ یااللّٰہ، اللّٰہ الذی لا الہ الہ ھو رب العرش العظیم فتعالی اللّٰہ الملك الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم انت الاول والاخر والظاھر والباطن وسعت کل شیی ءٍ رحمۃ وعلمًا، کہیعص حم عسق الرحمان یا واحد یا قہار یا عزیز یا جبار، یا احد یا صمد یا ودود یا غفور، وھو الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمن الرحیم، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین، اللھم انی اعوذ باسمك المکنون المخزون المنزل السلام المطر الطاھر القدوس المقدس، یادھر یا دیور یا دیار یا ابد یا ازل یا من لم یزل ولا یزال ولا یزول ھو یا ھو لا الہ الا ھو، یامن لا ھو الا ھو یامن لا یعلم ما ھو الا ھو، یا کان یا کینان یا روح یا کائن قبل کل کون، یا کائن بعد کل کون، یامکونًا لکل کون، اھیا شراھیا ادونایی اصبوت یامجلی عظائم الامور (فان تولوا فقل حسبی اللّٰہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھور رب العرش العظیم) "لیس کمثلہ شیی ءٍ وھو السمیع البصیر" الھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وآل ابراہیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وآل ابراہیم انك حمید مجید، اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع وقلب لا یخشع ودعاء لا

يسمع۔

اللهم انی اعوذ بك من فتنة الدجال و عذاب القبر و من فتنة المحياء والممات' اللهم انی اعوذبك من شر ما علمت و شر مالم اعلم' واعوذ بك من شر سمعی وبصری' ولسانی وقلبی' اللهم انی اعوذ بك من القسوة والفضلة والذل والمسكنة واعوذبك من الفقر' والكفر والفسوق والشقاق والنفاق وسوء الاخلاق وضيق الارزاق والسمعة والرياء' واعوذبك من الصم والبكم والجنون والجذام والبرص وسائر الاسقام۔

اللهم انی اعوذ بك من زوال نعمتك ومن تحويل عافيتك ومن فجاة نقمتك ومن جميع سخطك' اللهم انی اسئالك الصلاة علی محمد وعلی آل محمد واسئلك من الخير كله عاجله و آجله ما علمت منه ومالم اعلم' واعوذ بك من الشر كله عاجله و آجله ماعلمت منه وما لم اعلم' واسئالك الجنة وما قرب اليها من قول وعمل' واعوذبك من النار وما قرب اِليها من قول وعمل' وسالك مما سالك مما سالك عبدك ونبيك محمد صلی اللّٰه عليه وسلم' واستعيذك مما استعاذك منه عبدك ونبيك محمد صلی اللّٰه عليه وسلم' واسئالك ما قضيت لی من امرا ان تجعل عاقبته رشداً برحمتك يا ارحم الرحمين' يا حی يا قيوم برحمتك استغيث لا تكلنی اِلی نفسی طرفة عين' واصلح لی شانی كله يا نور السموات والارض يا جمال السموات والارض' يا عماد السموات والارض يا ذالجلال والاكرام' يا صريخ المستصرخين' يا غوث المستغيثين' يا منتهی رغبة الراغبين والمفرج عن المكروبين والمروح عن المغمومين ومجيب دعوة المضطرين و كاشف السوء وارحم الرحمين واله العالمين' منزول بك كل حاجة يا ارحم الراحمين' اللهم استر عوراتی و آمن روعاتی واقلنی عثراتی' اللهم احفظنی من بين يدی ومن خلفی وعن يمينی وعن شمالی ومن فوقی' واعوذبك ان اغتال من تحتی۔

اللهم انی ضعيف فقو فی رضاك ضعفی' وخذ الی الخير بناصيتی' واجعل الاسلام منتهی رضای' اللهم انی ضعيف فقونی' اللهم انی ذليل فاعزنی' اللهم انی فقير

فاغنٹی برحمتك یا ارحم الراحمین، اللھم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی، وتعلم حاجتی، فاعطنی سولی، وتعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنوبی، اللھم انی اسئالك ایمانًا یباشر قلبی، ویقینًا صادقًا حتی اعلم انه لن یصیبنی الا ماکتب لی، والرضا بماقسمت لی یاذاالجلال والاکرام۔

اللھم یا ھادی المضلین یا راحم المذنبین ومقیل عثرة العاثرین، ارحم عبدك ذا الحظر العظیم والمسلمین کلھم اجمعین، واجلعنا مع الاحیاء المرزوقین الذین انعمت علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین، آمین یا رب العالمین اللھم عالم الخفیات رفیع الدرجات، تلقی الروح بامرك علی من تشاء من عبادك غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذا الطول لا اله الا انت الوکیل والیك المصیر، یامن لا یشغله شان عن شان ولا یشغله سمع عن سمع، ولا تشتبه علیه الاصوات، ویامن لا تغلطه السائل ولا تختلف علیه اللغات، ویامن لا یتبرم بالحاج الملحئین، اذقنی برد عفوك وحلاوة رحمتك، اللھم انی اسئالك قلبًا سلیمًا ولسانًا صادقًا وعملا متقبلاً اسئالك من خیر ما تعلم، واعوذبك من شر ما تعلم، واستغفرك لما تعلم ولا اعلم۔ وانت علام الغیوب۔

اللھم انی اسئالك ایمانًا لا یرتد، ونعیما لا ینفد، وقرة عین الابد، ومرافقة نبیك محمد، واسئالك حبك وحب من احبك، وحب عمل یقرب الی حبك، اللھم بعلمك الغیب وقدرتك علی خلقك، احینی ماکانت الحیاة خیراً ای، وتوفنی ما کانت الوفاة خیراً لی اسئالك خشیتك فی الغیب والشھادة، وکلمة العدل فی الرضا والغضب، والقصد فی الغنی والفقر، ولذة النظر الی وجھك والشوق الی لقائك، و اعوذ بك من ضراء مضرة وفتنة مضلة۔ اللھم اقسم لی من خشیتك ما تحول به بینی وبین معصیتك ومن طاعتك مایدخلنی ما یدخلنی جنتك، ومن الیقین ما تھون به علینا مصائب الدنیا۔ الھم ارزقنا حزن خوف الوعید و سرور رجاء منك الحیاء واملاء قلوبنا بك فرحًا، واسکن فی نفوسنا من عظمتك مھابة، وذلل جوارحنا لخدمتك، واجعلك احب الینا مما سواك، واجعلنا اخشی لك ممن سواك، نسالك تمام النعمة بتمام التوبة، ودوام العافیة بدوام العصمة، واداء الشکر

بحسن العبادة۔

اللھم انی اسئالك بر كة الحياة وخير الحياة' واعوذبك من شر الحياة و شر الوفاة۔ واسئالك خير ما بينهما' احينى حياة السعداء۔ حياة من تحب بقاء۔ وتوفنى وفاة الشهداء : وفاة من تحب لقاء ہ' يا خير الرازقين واحسن التوابين واحكم الحاكمين وارحم الراحمين ورب العالمين' اللھم صل على محمد وعلى آل محمد وارحم ما خلقت واغفر ما قدرت و طيب ما رزقت وتمم وتمم ما انعمت وتقبل ما استعملت واحفظ ما استحفظت ولا تهتك مما سترت فانه لا اله الا انت' استغفرك من كل لذة بغير ذكرك ومن كل راحة بغير خدمتك ومن سرور بغير قربك' ومن كل فرح بغير مجالستك ومن كل شغل بغير معاملتك۔

اللھم انی استغفرك من كل ذنب تبت اليك منه ثم عدت فيه' اللھم انی استغفرك من كل عقد عقدته ثم لم اوف به' اللھم انی استغفرك من كل نعمة انعمت بها على فقويت بها على معصيتك' اللھم انی استغفرك من كل عمل عملته لك فخالطه ما ليس لك' اللھم انی اسئالك ان تصلى على محمد و على آل محمد واسئالك جوامع الخير وخواتمه' واعوذبك من جوامع الشر وفواتحه وخواتمه' اللھم احفظنا فيما امرتنا واحفظنا عما نهيتنا واحفظ لنا ما اعطيتنا' يا حافظ الحافظين' وياذاكر الذاكرين' وياشاكر الشاكرين' بذكرك ذكروا' وبفضلك شكروا' يا غياث يا مغيث' يا مستغاث يا غياث المستغيثين' لا تكلنى الى نفسى طرفة عين فاهلك' ولا الى احد من خلقك فاضيع' اكلانى كلا كلامتى الوليد' ولا تحل عنى' وتولنى بما تتولى به عبادك الصالحين' انا عبدك وابن ماعبدك ناصيتى' جارفى حكمك' عدل فى قضاوك' نافذ فى مشيئتك' ان تعذب فهل ذلك انا' وان ترحم فاهل ذلك انت' فافعل اللھم يا مولاى يا اللہ يا رب ما انت له اهل ولا تفعل۔

اللھم يا رب يا اللہ ما انا له اهل' انك اهل التقوى واهل المغفرة' يامن لا تضره الذنوب ولا تنقصه المغفرة' هب لى لا يضرك واعطنى مالا ينقضك' يا ربنا افرغ علينا صبراً وتوفنا مسلمين والحقنى بالصالحين' انت ولينا فاغفرلنا وارحمنا

وانت خير الراحمين، ربنا عليك توكلنا واليك انبنا واليك المصير ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین، ربنا اتنا من لدنك رحمة وهی ءلنا من امرنا رشدًا، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخره حسنة وقنا عذاب النار۔

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد، وارزقنا العون علی الطاعة والعصمة من المعصیة، وافراغ الصبر فی الخدمة، وایذاع الشکر فی النعمة، واسئالك حسن الخاتمة، واسئالك الیقین وحسن المعرفة بك، واسئالك المحبة وحسن التوکل علیك، واسئالك الرضا وحسن الثقة بك، واسئالك حسن المنقلب الیك۔

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد واصلح امة محمد، اللهم ارحم امة محمد، واللهم فرج عن امة محمد فرجًا عاجلاً، ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انك رءووف رحیم، اللهم اغفرلی ولوالدی ولمن ولدا وارحمهما کاربیانی صغیراً، واغفر لاء عمامنا وعماتنا، واخوالنا وخالاتنا وازواجنا وذریاتنا والجمیع المومنین والمئومنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منىم الاموات یا ارحم الراحمین یا خیر الغافرین۔

دعا عبادت کا مغز ہے اس لئے یہ مناسب سمجھا کہ ان دعاؤں کو ہم مکمل طور پر تحریر کر دیں، ہمیں امید ہے ارباب طریقت اور عابدان شب زندہ داران دعاؤں کے ذریعہ خیروبرکت حاصل کریں گے۔ یہ وہ دعائیں ہیں جن کو شیخ ابو طالب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "قوت القلوب" میں درج کیا ہے کہ ان کے مستند ہونے پر ہم کو پورا اعتماد ہے اور یہ باعث خیرو برکت ہیں، ان دعاؤں کو انفرادی طور پر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور جماعت کے ساتھ بھی! خواہ امام ہو یا مقتدی ہر ایک پڑھ سکتا ہے اگر چاہے تو ان کو مختصراً بھی پڑھ سکتا ہے۔

باب 50

صوفیہ کے دن کے معمولات اور توزیع اوقات

صوفی کو اپنی نماز فجر ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص جگہ عبادت کے لئے معین کر لینا چاہئے۔ جہاں قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرے ان (یلازم موضعه الّذی صلی فیه الفجر مستقبل القیلة) اگر کسی جگہ پر لوگوں کی گفتگو یا کسی اور چیز کی طرف ملتفت ہونے سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو کسی ایسے دوسرے مقام پر منتقل ہو جائے جہاں وہ سلامتی کے ساتھ اپنے معمولات کو پورا کر سکے' کیونکہ ان معمولات (اوراد و ظائف) کے لئے خاموشی اور ترک کلام ضروری ہے اس سے جو کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کو ارباب حال اور دل والے ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

مذکورہ امور سے فراغت کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ البقرہ کی اولین آیت "المفلحون" تک اور دو آیتیں اور آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں' اور اٰمَنَ الرسول اور اس سے پہلے کی ایک آیت (یہ سورہ بقرہ کے آخر میں ہے) اور شَهِدَ اللّٰه (جو سورہ آل عمران میں ہے) قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ سورہ آل عمران اور اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ کی آیت کو اَلْمُحْسِنِیْنَ تک پڑھے اور لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ کو آخر تک پڑھے (جو سورہ توبہ کے آخر میں ہے) قُلِ ادْعُوْ اللّٰه (جو سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں ہے) اور سورہ کہف کے آخر کی آیات جو اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہیں اور سورہ انبیاء کی وہ آیت جو وَذَاالنُّوْنِ اِذْهَبَ مُغَاضِبًا سے شروع ہوتی ہے اور خیر الوارثین پر اس کا اختتام ہوتا ہے پڑھے اور اس کے ساتھ سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ اور سُبْحَانَ رَّبِكَ رَبَّ العِزَّةِ (1) آخر سورہ تک پڑھے اور لَقَدْ صَدَقَ اللّٰه(2) تا آخر سورۃ اور سورۃ الحدید (پارہ 27) تا بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور سورۃ الحشر کی آخری آیات لَوْ اَنْزَلْنَا (پ 28) کو پڑھے۔ جب ان تمام آیات کو پڑھ کر فارغ ہو تو 33 (تتیس) بار سبحان اللہ اور 33 بار الحمد للہ اور 33 بار "اللہ اکبر" پڑھے! آخر میں لا الٰه الاّ اللّٰه وَحدهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ کہہ کر اس ننانوے کی تعداد کو 100 کر لے۔ اس سے فراغت کے بعد قرآن کریم کی تلاوت زبانی یا ناظرہ کرے یا دوسرے اوراد و اذکار میں مصروف ہو جائے' ان اعمال میں کسی قسم کی کاہلی سستی یا غنودگی کو دخیل نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً اس وقت سونا تو مکروہ ہے اگر نیند کا غلبہ ہو تو جانماز پر قبلہ رو کھڑا ہو جائے اگر اس طرح بھی غنودگی کا اثر زائل نہ ہو تو قبلہ کی سمت چند قدم چلے اور اسی طرح الٹے قدم واپس آجائے' قبلہ کی طرف پیٹھ نہ کرے اس کہ ہمیشہ قبلہ رو ہو کر ہی ذکر خدا میں مشغول ہونا چاہئے' نیند

کو ترک کرنے اور لوگوں سے قطع کلامی میں بہت خیر و برکت ہے خاص طور پر اس وقت الحمد کا ورد بہت ہی اثر آفریں ہے، ہم طالبان حق سے اس ورد کی تاکید کرتے ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ اپنے اوراد و اذکار میں دل و زبان دونوں کو شامل کریں، یہ معمولات جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ طلوع آفتاب سے پہلے کے ہیں (یعنی دن کے ابتدائی حصے کے) چونکہ دن آفات کا مرکز ہوتا ہے اس لئے اگر وہ ان معمولات سے اپنے دن کا آغاز کرے اور اس کو مضبوط بنائے تو اس کی بنیاد (باقی اوقات) بھی مضبوط و مستحکم ہو جائے گی۔ (فاذا احکم اوّلہٗ بھٰذہ الرعایہ فقدا حکم بنیانہٗ) اور اسی بنیاد پر ان کے تمام اوقات کی بنا پڑ جائے گی۔

طلوع آفتاب سے پہلے کے اوراد

جب آفتاب طلوع کے قریب ہو تو چاہئے کہ مسبعات عشرہ پڑھنا شروع کرے اس کی تعلیم حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت شیخ ابراہیم التیمیؒ کو دی تھی اور انہوں نے یہ مسبعات عشرہ حضرت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے۔ پس جب کوئی ان کا ورد کرے تو اسے چاہئے کہ وہ تمام اذکار اور ادعیہ متفرقہ کو جمع کر لیا کرے۔

مسبعات یہ دس چیزیں ہیں ان میں سے ہر ایک سات بار پڑھی جاتی ہیں (اس اعتبار سے اس کو مسبعہ کہا جاتا ہے) وہ دس چیزیں (سورتیں یا آیتیں یہ ہیں) (1) سورہ فاتحہ، (2) قل اعوذ برب الناس، (3) قل اعوذ برب الفلق (4) قُلْ ھُوَ اللہ احد، (5) قُلْ یَاَیُّھا الکافرون، (6) آیتہ الکرسی، (7) سُبحان اللہ، (8) الحمد للہ، (9) لا اِلٰہ اِلا اللہ (10) اللہ اکبر اس کو پڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود بھیجے اور اپنے والدین، تمام مومن مرد اور عورتوں اور اپنے لئے مغفرت طلب کرے پھر سات دفعہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ افعل لِی وَبِھِمْ عَاجِلاً وَاٰجِلاً فی الدُّنیا وَالاٰخِرۃ مالانت لہٗ اَھل، وَلاَ تَفْعل بِنَایا
مَولانا مَانحنُ لہٗ اَھل اِنَّکَ غَفُورٌ حَلیمٌ جوادٌ کَرِیْمٌ روءوفٌ رَّحیم ○

روایت ہے کہ جب شیخ ابراہیم التیمیؒ نے اس دعا کو جو حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو تعلیم دی تھی پڑھا تو انہوں نے خواب میں اپنے آپ کو بہشت میں دیکھا وہاں فرشتے اور انبیاء علیہم السلام موجود تھے انہوں نے جنت کا کھانا بھی کھایا۔ کہتے ہیں کہ اس خواب کے بعد انہوں نے چار ماہ تک کچھ نہیں کھایا جس کی توجیہہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ یہ بہشت کے کھانے کا اثر تھا (کہ ان کو بھوک نہیں لگی اور ان کی طاقت زائل نہیں ہوئی)۔

مسبعات سے فراغت کے بعد تسبیح و استغفار میں مشغول رہے اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رکھے جب تک خورشید ایک نیزہ بلند نہ ہو جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیشک مجھے ایک ہی نشست میں نماز فجر سے طلوع آفتاب تک ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے۔"

نماز اشراق

آفتاب جب اچھی طرح بلند ہو جائے تو مصلے سے اٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز نفل ادا کرے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ اس وقت دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے اگر عابد اس دوگانہ کو حضور قلب اور خوب سمجھ کر پڑھے تو اس کے اثر سے باطن پر سکون اور نورانی ہو جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں خلوص اور صدق ہو اگر عابد دعا کے فوری اثر اور برکت کا خواہاں ہے تو اسے چاہئے کہ پہلی رکعت میں آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں اٰمَنَ الرسول اور اللّٰہ نور السمٰوات والارض (پارہ 18) آخر آیت تک تلاوت کرے' یہ یہ دوگانہ پڑھتا ہو تو اس کی نیت یہ ہو کہ اس دن اور رات میں جو نعمتیں خداوند تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہیں اس کو وہ شکر ادا کر رہا ہے' اس کے بعد مزید دو رکعتیں ادا کرے پہلی رکعت میں قُل اعوذ برب الفلق اور دوسری رکعت میں قُل اعوذ بِربَ النّاس پڑھے۔ یہ دوگانہ نماز اس شکرانہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شب و روز کے شر سے محفوظ رکھا یا اس دوگانہ کے بعد پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا پڑھے:

اعوذُ باسمكَ و كلمتكَ التَّامة مِن شَر السَّامة والْهامَّةِ' وَاعوذ بِاسمِكَ وَ كلمتكَ التَّامة مِن شَرِّ عذابِكَ وَشَرِّ عبادِكَ وَاعوذ باسمكَ و كلمتكَ التَّامة مِن شَر ما يجرى بهِ اللَّيل والنَّهار اِنَّ رَبّيِ اللّٰه لا الٰهَ اِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ توكَّلتُ وَهُوَ رَب العَرشِ العَظِيم O

پہلی دو رکعتوں کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِى اَصْبَحْت لا استطيع دفع مَا اكره وَلا املكَ نفع مَا اَرجو' وَاصْبَحْت مرتهنا بعملِي وَاصبح اَمرِى بِيَد غيرى فلا فقيرا فقر منِّى' اَللّٰهُمَّ لا تشمت بى عدوى ولا تسِى بى صديقى ولا تجعَل مصيبتى فى دِيْنِي' وَلا تجْعَل الدُّنْيا اكبر همى وَلاَ مبلغ علمى' ولا تسلَّط عَلَّى مَن لا يرحمنى' اَللّٰهُم' اِنِى اعوذبَكَ مِنَ الزنوب التى تنزيل النعم' اعوذُ بكَ مِنَ الزنوب التِى توجب النِقَم۔

یہ دعا پڑھ کر دو آخری رکعتیں اس نیت سے پڑھے کہ اس کے دن اور رات کے اعمال کے لئے استخارہ ہو۔ اس استخارہ صرف اس دعا کے مفہوم کے مطابق ہے ورنہ وہ استخارہ جس کا احادیث شریفہ میں ذکر ہے وہ کسی کام کے کرنے کے سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔

ان دو آخری رکعتوں میں قل یا اَیُّها الکافرون اور قُلْ هُوَ اللّٰه اَحَدْ اور وہ دعا پڑھنا چاہئے جو مذکور ہو چکی ہے آخر میں یہ الفاظ کہے۔ الٰہی! میرے آج کے ہر فعل و قول میں مجھے صبر عطا فرما! اس دعا کے بعد دو رکعتیں اور پڑھے' پہلی رکعت میں سورۃ الواقعہ اور آخری رکعت میں سورۃ اعلیٰ پڑھے' ان رکعتوں سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھے۔

"اَللّٰهُمَّ صَل علٰى محمدٍ وَعَلٰى اٰلِ محمَّدٍ وَاجعَل حَبّكَ اَحب الاشياء اِلٰى

وَخشيكَ اخوف الاشيَاء عندى' واقِطع عَنِّى حاجات الدنيا بِالشوقِ اِلٰى لِقائكَ وَاِذَا اقرَرت اعين اَهل الدنيَا بدينا هم فَاقرِر عَيْنِى بعبادتكَ' وَاجْعَلْ طاعَتَكَ فِى كُلِّ شىءٍ يَا اَرْحَم الرَّحْمِين۔"

اس دعا کے بعد دو رکعتیں اور پڑھے اور ان رکعتوں میں قرآن پاک کا مقرر کردہ ورد (ضرب) پڑھا جائے اس کے بعد اگر کوئی شخص امور دنیوی سے آزاد ہے تو دوپہر تک نماز' تلاوت اور اوراد و ظائف میں مصروف رہے اور اگر اہل و عیال کے لئے روزی کماتا ہے تو اپنے کام میں مصروف ہونے کے لئے گھر سے نکلے مگر اس سے قبل کہ گھر سے باہر جائے دو رکعت نماز گھر سے باہر نکلنے کی پڑھے بلکہ اس کو ہمیشہ کے لئے اپنا ورد بنا لے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر گھر سے نکلا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو باہر نکلنے کی تمام برائیوں سے مصون و مامون رکھے اسی طرح جب گھر میں واپس آئے تو داخل ہونے سے پہلے دو نفل ادا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو گھر میں داخل ہونے کی برائیوں سے محفوظ رکھے' ان دو رکعتوں سے فراغت کے بعد گھر میں داخل ہو کر اپنے اہل و عیال اور بیوی کو سلام کرے اور اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تب بھی سلام کرے اور کہے:

السَّلام علٰی عِبَاد اللّٰه الصَّالِحِیْنَ المُومِنین ○

نماز چاشت

اگر کوئی شخص روزی کے جھمیلوں سے آزاد ہے تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس وقت چاشت کی نماز پڑھے اور اگر کوئی نماز قضا ہو تو ایک دو دن یا اس سے زیادہ دنوں کی قضا اس وقت ادا کرے اگر ایسا نہیں ہے تو طویل رکعتوں میں قرآن کریم پڑھے' ہمارے اکثر بزرگ ایک شب و روز میں پورا قران کریم ختم کر لیا کرتے تھے۔ اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو چند ہلکی اور خفیف رکعتیں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص اور دوسری آیات قرآنی کے ساتھ پڑھے ان میں اس قبیل کی دعائیہ آیات بھی ہوں جیسے:

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

ایسی دعائیہ آیات ہر ایک رکعت میں پڑھے خواہ وہ ایک مرتبہ پڑھی جائیں یا بار بار اعادہ کیا جائے' طالبان حق کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد اشراق اور چاشت کی نمازوں کے درمیانی وقفہ میں خفیف سو رکعتیں ادا کر لیتے ہیں' اسی طرح بعض بزرگان دین دن رات میں سو' دو سو' پانچ سو بلکہ ایک ہزار رکعتیں بھی پڑھ لیتے تھے کیونکہ وہ لوگ جن کو دنیا میں کوئی مشغلہ نہیں اور انہوں نے دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دیا ہے وہ اپنا وقت بیکار صرف نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں بسر کرتے او اپنا عیش و آرام ترک کر دیتے تھے' اسی باعث حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا:

"جس کو دنیا کی ضرورت ہوتی ہے اس کا دل اللہ کے ذکر میں پوری طرح مشغول نہیں رہتا۔"

نماز چاشت کا وقت

نماز چاشت کا وقت آفتاب کے کافی بلند ہو جانے پر یعنی فجر اور ظہر کا درمیانی وقت نصف کے قریب گزر جائے جس طرح عصر کا وقت ظہر اور مغرب کے درمیانی وقت کا نصف ہوتا ہے پس اس وقت نماز چاشت پڑھنا چاہئے' یہی وقت اس نماز کے لئے افضل ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "چاشت کی نماز کا وہ وقت ہے جب شتر بچہ تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے اپنی ماں کے سائے میں سوئے۔" بعض حضرات نے اس وقت کی علامت یہ قرار دی ہے کہ یہ وقت وہ ہے جب آفتاب کی گرمی سے پاؤں پر پسینہ آجائے (1)۔

نماز چاشت کی رکعتیں

نماز چاشت کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ 12 بارہ ہر دو رکعت ادا کرنے کے بعد اپنے لئے دعا کرنی چاہئے اور تسبیح و استغفار میں مصروف رہا جائے۔ تسبیح و استغفار کے بعد اگر بندوں کے کچھ حقوق اس پر عائد ہوتے ہوں تو وہ پہلے ادا کئے جائیں جیسے کسی سے ملنا ضروری ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرنا ہے تو پہلے اس سے فراغت حاصل کرے اور پھر تسبیح و استغفار میں مصروف ہو جائے۔ جب تک اس کا جسم اور قلب تکان محسوس نہ کرے' اگر جسم تھک جائے تو باطنی توجہ سے کام لے اور اس وقت تک نماز پڑھتا رہے جب تک سکون قلب برقرار ہے اور نفس بخوشی اس میں مصروف ہے' جب نماز سے تھک جائے تو تلاوت میں مشغول ہو جائے کیونکہ تلاوت نفس کے لئے نماز کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے اور جب تلاوت سے بھی تھک جائے تو زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرے کیونکہ یہ تلاوت سے بھی زیادہ آسان ہے اور جب ذکر سے تھک جائے زبانی ذکر چھوڑ کر قلب سے مراقبہ کرے' قلب کا یہ مراقبہ رجوع الی اللہ سے ہوتا ہے' جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے گا وہ مراقبہ ہے مراقبہ بھی ذکر کے برابر بلکہ بعض اعتبار سے اس سے افضل ہے' جب مراقبہ سے بھی اکتاہٹ پیدا ہو جائے اور نفسانی وسوسے اس پر غالب آجائیں تو پھر مناسب یہی ہے کہ سو جائے کہ اسی سو جانے میں عافیت اور سلامتی ہے ورنہ نفسانی وسوسے اور تصورات قسی القلب بنا دیتے ہیں جس طرح زیادہ گفتگو دل کو سخت بنا دیتی ہے یہ نفسانی وسوسے بھی زبان سے گفتگو کے بغیر ہی ایک قسم ہے لہٰذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں بدترین گناہ نفسانی تصورات ہیں (یعنی روحانیت کے لئے نفسانی وسوسہ بدترین گناہ ہے)۔

سالک کو باطن پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے

طالب حقیقت کو اپنے باطن پر بھی ایسی ہی توجہ رکھنا چاہئے جس طرح وہ اپنے ظاہر کا خیال رکھتا ہے اس لئے کہ گزری ہوئی باتیں' مکالمات اور دید و شنید کے معاملات جب تصور میں آتے ہیں تو اس وقت طالب حقیقت بہ باطن ایک دوسرا شخص

(1) یہ نشانی ممالک گرم سیر سے متعلق ہے۔

بن جاتا ہے اس لئے مراقبہ اور دلی توجہ سے باطن کو اسی طرح پابند بنانا چاہئے جس طرح ظاہر کو عمل اور نوع بہ نوع ذکر سے پابند بنایا ہے۔

ایک طالب حقیقت کو چاشت کی نماز سے زوال تک سو رکعتیں پڑھ لینا چاہئے اور کم از کم ان کی تعداد بیس رکعتیں ہونا ضروری ہے خواہ یہ رکعتیں خفیف ہی کیوں نہ ہوں یا ہر دو رکعتوں میں اس کو قرآن کریم کا ایک پارہ کم و بیش پڑھنا چاہئے بہر حال چاشت کی نماز اور اس کے بعد کی مقررہ تعداد کی رکعتیں ادا کرکے اس کو سونا چاہئے۔

خواب استراحت

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کرام جب نماز اور اوراد سے فراغت حاصل کر لیتے تھے تو وہ سلامتی اور عافیت کے لئے سو جاتے تھے، اور یہ سونا بھی فائدے سے خالی نہیں ہے، اول یہ کہ دن میں سو جانے سے شب بیداری میں مدد ملتی ہے۔ دوم یہ کہ اس سے نہ صرف نفس کو آرام ملتا ہے بلکہ دن کے باقی حصہ میں مصروف عبادت رہنے کے لئے صفائے قلب میسر آتی ہے اور اس طرح نفس آرام پانے کے بعد ترو تازہ ہو جاتا ہے۔ پس جب وہ دن کے وقت سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو باطن کو انشراح اور ایک گونہ سرور حاصل ہوتا ہے اور پھر اس ہی کام میں مصروف رہنے کا شوق اسی طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح صبح کی ابتداء میں تھا، اس طرح طالب حقیقت کو ایک دن میں دو دن میسر آجاتے ہیں اور وہ عبادت الٰہی کے لئے ان کو غنیمت سمجھتا ہے اور پھر مسلسل کام (ذکر و اوراد) میں مصروف ہو جاتا ہے۔

طالب حقیقت کو چاہئے کہ زوال سے پہلے نیند سے بیدار ہو جائے تاکہ پہلے سے طہارت وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال کے بعد ذکر و تسبیح و تلاوت میں مصروف ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "دن کی دونوں طرف (کناروں) میں نماز قائم کرو۔" یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد و ثناء میں مصروف ہو جاؤ (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا) باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ "قبل طلوع الشمس" سے نماز فجر اور "قبل غروبها" سے نماز عصر اور وَمِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ سے نماز عشاء سے مراد ہے "واطراف النهار" سے ظہر و مغرب کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ ظہر دن کے ایک حصہ کا آخری کنارہ ہے اور اسی طرح مغرب دوسرے حصہ کا آخری کنارہ ہے پس اس کو دن کے دوسرے حصے کا بھی بیداری اور ذکر الٰہی کے ذریعہ اسی طرح استقبال کرنا چاہئے جس طرح اس نے پہلے حصہ کا کیا تھا اور جس طرح وہ رات کے سونے سے (صبح کے وقت) ترو تازہ اٹھتا ہے اسی طرح وہ دن کے وقت کے وقت بھی سو کر دوسرے حصہ کے لئے ترو تازہ ہو جاتا ہے۔

اول زوال کی نماز

طالب حقیقت کو چاہئے کہ زوال کے بعد اول وقت میں ظہر کی سنتوں اور فرض سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ یہ نماز زوال قبل ظہر (اس کے اول وقت میں) کہلاتی ہے۔ اس

نماز کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ موذنوں کی اذانوں سے پہلے اس کے اول وقت کو اچھی طرح معلوم کرلیا جائے تاکہ زوال کا مکروہ وقت نکل جائے' (یہ نماز مکروہ وقت میں نہ پڑھی جائے) جب مکروہ وقت نکل جائے تب اس نماز کو شروع کیا جائے تاکہ جب وہ یہ نماز پڑھتا ہو اس وقت ظہر کی اذان سنے' اس کے بعد وہ نماز ظہر کی تیاری شروع کرے' اگر مجالست و ہم نشینی سے اس کے دل میں کچھ کدورت آگئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور تضرع وزاری کے ساتھ (صفائے قلب) کی دعا مانگے' اور ظہر کی نماز اس وقت شروع نہ کرے جب تک اس کا باطن صاف ہو کر اصل حالت میں نہ آجائے کیونکہ مناجات کی حلاوت سے ذائقہ اندوز ہونے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز سے پورا پورا کیف و سرور حاصل کریں۔ یہ کدورت جس کا ہم نے ذکر کیا کبھی کبھی مباح امور سے بھی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ یہ چیز عبادت میں داخل ہے لیکن یہ جو کہا گیا ہے "حسنَاتُ الابْرار سَیّئات المقربین" کہ نیک بندوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے لئے برائیاں بن جاتی ہیں اس کی یہی صورت ہے پس اس گرہ کو اور کدورت کو (توبہ و استغفار سے) جب وہ نکال دیتے ہیں اور ان کے دل کی گرہ نکل جاتی ہے تب وہ نماز ادا کرتے ہیں۔

اہل و عیال کی ہم نشینی سے جو کدورت پیدا ہو جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ عابد اور طالب حق جب ان کی صحبت میں بیٹھے تو ان کی طرف دل سے بالکل مائل نہ ہو' بلکہ اس وقت بھی اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو' یہ توجہ الی اللہ اس مجالست ہم نشینی کا کفارہ بن جاتی ہے البتہ اگر کسی طالب کا روحانی حال قوی ہو اور مخلوق اس کو حق سے نہ ہٹا سکے (حق کی راہ میں حائل نہ ہو سکے) جو دل پر گرہ لگانے والی تو اسکی صورت دوسری ہوتی ہے ایسا صاحب حال جب نماز پڑھتا ہے تو اس کا قلب اور باطن بالکل صاف اور روشن ہوتا ہے اور اس کے نفس کو مخلوق کی مجالست اور ہم نشینی کے باوصف روحانی کشش حاصل ہوتی ہے اور اس کی باطنی نگاہ بارگاہ الٰہی کے مشاہدات میں مصروف رہتی ہے اور اسی باعث اس کا باطن گرہ پڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔

عام طور پر زوال کی نماز جس کا ذکر کیا جاچکا ہے غیر قوی الحال افراد کی گرہ کو کھول دیتی ہے اور ظہر کی نماز کے لئے باطن کو آمادہ اور تیارہ کر دیتی ہے' پس طویل دنوں میں زوال کی نماز میں سورۃ بقرہ جیسی طویل سورتیں پڑھی جائیں اور جب دن مختصر ہو تو بقدر سہولت جتنا ممکن ہو سکے قرآن شریف پڑھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ رات کے وقت بھی خدا کی حمد کرو اور اس وقت بھی جب تم ظہر کرتے ہو۔ اس ارشاد ربانی ہے مراد یہی ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر کی سنتوں کے ادا کرنے کے بعد فرض نماز کی جماعت کا انتظار کر رہا ہے تو وہ ان دعاؤں کو پڑھے جو فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان پڑھی جاتی ہیں تو یہ اور بھی اچھا ہے اسی طرح وہ دعائیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں جو سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

نماز ظہر کے بعد کے اوراد

ظہر کی نماز سے فراغت کے بعد سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھے اور بعد ازاں 30' 30 بار سبحان اللہ' الحمد للہ

اور اللہ اکبر کہے اور اور اگر وہ تمام دعائیں اور آیتیں پڑھ سکے جن کا صبح کی نماز کے سلسلہ میں ہم ذکر کر چکے ہیں تو مزید خیروبرکت کا باعث ہو گا' جس کی ہمت بلند اور عزم صادق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کسی چیز کو گراں نہیں سمجھتا! پس وہ ظہراور عصر کے درمیان عبادت میں اس طرح مشغول رہے جس طرح مغرب اور عشاء کے درمیان رہا جاتا ہے اسی ترتیب سے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں یعنی ترتیب یہ ہونا چاہئے کہ پہلے نماز' پھر تلاوت' اس کے بعد ذکر اور پھر مراقبہ! اور جو طالب حق ہمیشہ بیدار رہتا ہو وہ طویل دنوں میں ظہر اور عصر کے درمیان کچھ دیر کے لئے سو جائے۔ جو طالب حقیت ظہر اور عصر کے درمیان دو رکعتوں میں اگر قرآن پاک کا چوتھائی حصہ ختم کرے یا چار رکعتوں میں اتنا قرآن پڑھ لے تو یہ بہت ثمر خیروبرکت ہے' طویل دنوں میں ان اوقات کو اگر زندہ رکھنا چاہے (ان اوقات میں تلاوت کرنا چاہے) تو سو رکعتیں یا کم از کم بیس رکعتیں پڑھ سکتا ہے اور ان بیس رکعتوں میں ایک ہزار مرتبہ قُل هُوَاللّٰہ اَحَد پڑھے۔

مسواک کے شرائط اور فضیلت!

اگر طالب حق روزہ دار ہے تو زوال سے پہلے مسواک کرے اور اگر روزہ دار نہیں ہے تو پھر اس وقت مسواک کرے جب منہ سے بو آنے لگے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ (المسواك مطهرة للهم مرضاه للرب) "مسواک منہ کو صاف اور رب تعالیٰ کو خوش کرتی ہے۔" فرائض کی بجا آوری کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے' کہا جاتا ہے کہ مسواک کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت بغیر مسواک کئے نماز پڑھنے پر ستر گنا زیادہ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ قول خبر ہے۔

دعائیہ آیات

جب کوئی طالب حق ظہر اور عصر کے درمیان بیس رکعتیں پڑھنا چاہے تو ہر ایک رکعت میں ایک یا ایک سے زائد دعائیہ آیت پڑھے' مثلاً پہلی رکعت میں:

1۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار ○

تو دوسری رکعت میں یہ دوسرے پارہ کی آیت پڑھے۔

2۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ○

اسی طرح ہر رکعت میں مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ دی ہوئی آیات پڑھتا جائے (اسی طرح بیسویں رکعت میں وہ آخری دعائیہ آیت پڑھ لے گا)۔

سورۃ	اختتام (تا)	پارہ	سورہ
3۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا	آخر سورہ	3	سورہ بقرہ
4۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا	آخر آیت	3	آل عمران
5۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ	آخری رکوع		

اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ	آخر آیت	3	آل عمران
6- رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ	آخر آیت	3	آل عمران
7- اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ○		9	اعراف
8- فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تا بِالصّٰلِحِيْنَ ○		13	یوسف
9- رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ تا وَلَا فِي السَّمَآءِ		13	ابراہیم
10- وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا		16	طٰه
11- لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ		17	انبیاء
12- رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ ○		17	انبیاء
13- وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○		18	مومنون
14- رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا-----	تا آخر آیت	19	فرقان
15- رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ تا عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ			
1- يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ	پ	24	مومن
17- وہ آیت جو شمارہ نمبر15 پر مکتوب ہے		26	سورہ احقاف
18- رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ ○		28	حشر
19- رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○		28	ممتحنہ
20- رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ تا اِلَّا تَبَارًا		29	نوح

سالک طریقت خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھے اگر دل اور زبان کی ہم آہنگی کے ساتھ ان نمازوں کو پڑھے گا اور ان آیا
(ادعیہ) کا ورد کرے گا تب یہ ممکن ہے کہ وہ مقام احسان تک پہنچ جائے اس لئے کہ ظہر و عصر کی دو رکعتوں (نفلی) میں
آیات کی تلاوت کرے۔ ہمہ اوقات اپنے آقا و مولا کی مناجات و دعا میں تلاوت کرتے ہوئے اور نماز پڑھتے ہوئے مصروف
ہے (تو ممکن ہے کہ مقام احسان تک اس کی ترقی ہو جائے)۔

بہر نوع عبادت کے پاکیزہ عمل میں مسلسل مصروف رہنا اور دن بھر بغیر راحت و آرام، عبادت کی لذت اور اس
حلاوت کا حصول صرف اسی بندۂ حق کا حصہ ہے جس نے انتہائی تقویٰ، زہد اور پرہیزگاری اور ترک خواہشات سے اپنے نفس

تزکیہ نفس کر لیا ہے اور نفس جذبات کی پیروی سے آزاد ہو چکا ہے' اگر کسی شخص میں تقویٰ و زہد کے باوجود تھوڑا سا بھی خواہش نفس کا وجود باقی ہے تو اس کی روح اس عمل پیہم میں مصروف نہیں رہ سکتی بلکہ اس صورت میں اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ مستعد اور نشاط آموز ہوتی ہے اور کبھی افسردہ اور تھکی تھکائی ہوتی ہے اور یہ جذبات متضاد اس میں یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ ایک نہج اور وطیرے پر قائم نہیں رہتی اس لئے کہ تقویٰ کی کمی یا دنیا کی محبت کے باعث اس میں خواہشات کی پیروی کا شائبہ باقی رہ گیا تھا اور جو شخص زہد و تقوی میں کامل ہے اس سے پورا پورا بہرہ ور ہے تو اگر کسی وقت اس کے اعضاء عمل عبادت کو ترک بھی کر دیتے تھے تو یہ عمل اس کے قلب سے جاری ہو جاتا ہے۔ (اور خلاء اور وقفہ پیدا نہیں ہوتا) پس جو کوئی اس روح عمل کو ہمیشہ کے لئے اپنانا چاہے (مطیع کرنا چاہے) اور عمل بندگی و طاعت میں مداومت کا خواہاں ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خواہشات نفس کا بالکل قلع قمع کر دے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خواہش کے وجود سے بارگاہ الٰہی میں پناہ طلب نہیں کی تھی بلکہ خواہشات کی پیروی اور اتباع سے پناہ مانگی تھی۔ چنانچہ حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعوذ بكَ مِن هَوًىٰ متبَّع وَ شَح مُطَاع ○

"میں نفس کی خواہش کی پیروی سے الٰہی تیری پناہ میں آتا ہوں۔ نیز طبعی بخل سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں"

جس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کے وجود سے پناہ طلب نہیں فرمائی اسی طرح بخل طبعی کے وجود سے بھی پناہ طلب نہیں کی بلکہ اس کی طاعت و پیروی سے پناہ طلب فرمائی ہے (وَلَم يَستعِذ مِن وجود الشح فَاِنَّهٗ طبعية النَّفس وَلكن استعاذ من طَاعَتهِ) ہوا و ہوس کی متابعت کے وقائق طالب حق پر اس کے علو حال اور صفائے قلب کے بقدر ہی واضح ہو سکتے ہیں' کیونکہ اکثر یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ مخلوق کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے ان سے ہمکلامی اور دیکھنے کی خواہش کو بھی نفسانی خواہشات کی پیروی قرار دیا جاتا ہے کبھی کھانے پینے' سونے اور دوسری خواہشات (جائز) میں افراط کو بھی خواہش کی پیروی میں محسوب کیا جاتا ہے۔ کبھی کھانے پینے' سونے اور دوسری خواہشات (جائز) میں افراط کو بھی خواہش کی پیروی میں محسوب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام تر دنیا داری کے مشغلے ہیں۔

نماز عصر' نوافل اور' اوراد عصر!

طالب حق کو نماز عصر سے قبل چار رکعتیں پڑھنا چاہئے اگر ممکن ہو تو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے (فَاِن امكنه تجديد الوضوءِ لِكَل فريضة) یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہے' اور اگر غسل کرے تو اور بھی زیادہ مناسب ہے کیونکہ جلائے باطن اور تکمیل نماز میں ان چیزوں کے اثرات بہت واضح اور نمایاں ہیں۔

عصر سے پہلے جو چار رکعتیں پڑھے ان میں (1۔ اِذَا زلزلت' 2۔ والعادیات' 3۔ القارعہ اور اَلْهٰكُمُ التکاثر کی سورتیں پڑھے اس کے بعد عصر کے فرض ادا کرے' کسی کسی دن عصر کے فرضوں میں وَالسَّماءِ ذات البروج کی سورۃ پڑھے اس عمل سے دملوں (دمامیل یعنی پھوڑوں) سے نجات مل جاتی ہے عصر کے فرض پڑھ کر ان اوراد اور دعاؤں میں سے جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو کچھ ممکن ہو سکے پڑھے کیونکہ عصر کے بعد نفلی نمازوں کا وقت باقی نہیں رہتا۔ صرف اذکار و اوراد اور قرآن کریم کی تلاوت کا وقت ہوتا ہے (بقِی وقت الاذکار و التِلاَوۃ) بلکہ افضل یہ ہے کہ اس وقت کو ان علمائے زاہدین کی محبت میں بسر کرے جن سے مریدوں کے عزائم میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور دنیا سے رغبت میں کمی آتی ہے (جن بزرگوں کی صحبت ارادوں میں قوت اور دنیا سے بے تعلقی پیدا کرنے والی ہے) ان کی صحبت میں بیٹھے' ایسی مجلس میں اگر متکلم اور سننے والے کی نیتیں درست ہیں تو یہ ہمنشینی اور مکالمات' خلوت اور ذکر و اذکار کی مداومت سے بہتر ہے' اگر ایسی صحبتیں اور مجلسیں میسر نہ آسکیں یا ان تک رسائی دشوار ہو تو پھر وہ مختلف اذکار و اوارد میں مصروف رہے یا اگر اس کو اپنے حوائج اور معاشی امور کے لئے کہیں آنا جانا ہے تو افضل و اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں کو دن کے ابتدائی حصہ میں ان امور سے فراغت حاصل کرے۔

امور معاش کی انجام دہی کے لئے جب گھر سے نکلے تو اسے باوضو ہونا چاہئے' بعض علمائے کرام نے نماز عصر کے بعد نماز طہارت کو مکروہ بتایا ہے لیکن مشائخ اور صلحا نے اس کی اجازت دی ہے' جب طالب حقیقت گھر سے باہر نکلے تو یہ دعا پڑھے:

بِسم اللّٰه مَا شَاء اللّٰهُ حَسبِی اللّٰهُ لاَ قُوۃَ اِلاَّ بِاللّٰهِ' اَللّٰهُمَّ اِلَیْكَ خَرجتُ واَنْت اَخرجتِنی ○

پھر سورۂ فاتحہ اور معوذتین پڑھے' اسے چاہئے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ دیتا رہے جس قدر بھی میسر ہو سکے خواہ وہ ایک کھجور ہو یا ایک لقمہ! اس لئے کہ حسن نیت کے ساتھ قلیل بھی کثیر ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سائل کو ایک بار انگور کا صرف ایک دانہ عطا فرمایا تھا اور ارشاد کیا تھا کہ "اس ایک دانے میں بہت سے ذروں کا وزن ہے۔" حدیث شریف میں مذکور ہے کہ "قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ کے نیچے ہو گا۔"

عصر سے مغرب کی نماز تک وِرد

عصر کی نماز سے مغرب کی نماز تک مندرجہ ذیل ورد سو مرتبہ کرے۔

لا اِلٰه اِلاَّ اللّٰه وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحَمْدُ وَهو عَلٰی کُلِّ شیءٍ قَدِیْرٌ ○

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"جو شخص اس کو ورد کو سو مرتبہ پڑھے اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے نام پر سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں' سو برائیاں محو کر دی جاتی ہیں اور وہ شام تک شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے بہتر کوئی عمل نہیں۔"

اس ورد کے بعد سو مرتبہ لا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ○ حدیث شریف میں اس ورد کے بارے میں بھی آیا ہے کہ "جو اس کو سو مرتبہ پڑھ لے تو دن میں اس سے افضل اس نے کوئی کام نہیں کیا۔" اسی طرح مندرجہ ذیل اذکار کا بھی سو سو مرتبہ ورد کیا جائے۔

(1) سُبحَان اللّٰہ والحمدُ لِلّٰہِ وَلاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ واللّٰہ اکبر وَلاَ حول وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہ العَلِی العظیم ○

(2) سُبحانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبحَان اللّٰہ العِظِیْم وَبِحَمْدِہٖ استغفر اللّٰہ ○

(3) لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ المَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ○

(4) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ○

(5) اَستغفر اللّٰہ العَظِیم الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الْحَیی القَیُّوم وَاَسَالُہُ التَّوبَۃ ○

(6) مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلاَّ باللّٰہِ ○

میں نے ایک مغربی درویش کو مکہ معظمہ میں دیکھا ان کے پاس ہزار دانے کی ایک تسبیح تھیلی میں موجود تھی انہوں نے بتایا کہ میں پورے دن میں مختلف اوراد و اذکار کی یہ بارہ تسبیحیں پڑھ لیتا ہوں (یعنی بارہ ہزار مرتبہ) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مذکور ہے کہ وہ ایک شبانہ روز میں اتنی ہی تعداد میں ورد کیا کرتے تھے۔ ایک تابعی بزرگؒ بھی دن رات میں تیس ہزار تسبیح کا ورد کر لیا کرتے تھے (تین ہزار بار مختلف اوراد پڑھا کرتے تھے)۔

طالب حق کو چاہئے کہ مذکورہ بالا اوراد کے علاوہ یہ تسبیح بھی سو مرتبہ پڑھے۔

سُبْحَان اللّٰہ الْعَلی الدَّیَّان سبحَان اللّٰہ تَشْدِیْد الْاَرکان' سُبْحَانُ مَنْ یذھب بِاللَّیل ویاتی النہار' سبحان من لاَ لشغلہ شان عَن شآن' سبحَان اللّٰہ الحَنان الْمَنَّان' سُبْحَان اللّٰہُ الْمُسبّح فِی کُلِّ مَکانٍ ○

روایت ہے کہ ایک ابدال نے ایک رات سمندر کے کنارے گزاری' انہوں نے آدھی رات گزرنے پر اس تسبیح کی آواز سنی (جو اوپر ذکر کی گئی) تسبیح سن کر انہوں نے کہا کون ہے جو یہ تسبیح پڑھ رہا ہے (کون ہے جس کی میں آواز سن رہا ہوں) اور اس کی شخصیت مجھ سے پوشیدہ ہے' غیب سے آواز آئی کہا کہ "میں ایک فرشتہ ہوں جو اس سمندر پر موکل (نگہبان) ہوں' جب سے مجھے پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے میں اس تسبیح سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کر رہا ہوں' ابدال نے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ آواز آئی "ملیھلیائل" " ابدال نے کہا کہ اس تسبیح کا ثواب کیا ہے' فرشتے نے کہا کہ جو کوئی اس تسبیح کو سو بار پڑھ لے گا وہ اس وقت تک فوت نہیں ہو گا جب تک جنت میں اس کو اس کا مقام نہیں دکھا دیا جائے گا۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ○ اس کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔

کی تفسیر دریافت کی' حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایک ایسی عظیم بات دریافت کی

ہے جو تمہارے سوا کسی اور نے دریافت نہیں کی اور وہ یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، وَاللّٰهُ اکبر، سبحَان اللّٰه وَالْحَمْد لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ عزوَجَل، وَاستَغْفِر اللّٰهَ الاوَّل الاخِر الظاهر الْباطِنُ لَهُ المُلك وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الخَير وَهُوَ عَلٰى كُل شىءٍ قَدِيْر ○

جو ان کلمات کو دس مرتبہ صبح و شام کہے اسے چھ فضیلتیں عطا ہوتی ہیں۔ پہلی فضیلت یہ ہے کہ اس کو ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ و مصورن رکھا جاتا ہے، دوسری فضیلت یہ کہ اس کو ثواب کا ایک عظیم خزانہ ملتا ہے، تیسری فضیلت یہ ہے کہ جنت میں اس کا درجہ بلند ہوتا ہے، چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حور عین کو اس کی زوجیت میں دے گا۔ پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اس کے لئے بارہ فرشتے استغفار کرتے ہیں چھٹی فضیلت یہ ہے کہ اس کو حج و عمرہ کا ثواب دیا جائے گا۔

اس وقت اور دن کے ابتدائی حصہ میں طالب حقیقت یہ دعا بھی پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلقتِنی وَاَنْتَ هَدَيتنِی وَانتَ تَطْعَمنِی وَانتَ تقينِی وَاَنْتَ تَحيِنیْ اَنْتَ رَبِی لا رَب سِوَاكَ وَلَا اِلٰهَ اِلا اَنْتَ وَحْدكَ لاشريكَ لَكَ ○

اس دعا کے بعد یہ بھی پڑھا جائے:

مَاشَاء اللّٰهُ لا قُوَّة اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شاء اللّٰهُ كُلِّ نِعمَة مِنَ اللّٰه، مَاشاء اللّٰهُ الخير كُلهُ بِيَدِ اللّٰه، مَاشَاء اللّٰه لَا يَصْرَفُ السوء اِلَّا اللّٰه ○

اس کے بعد:

حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم ○ بھی پڑھے۔

ان اوراد سے فراغت کے بعد رات کے استقبال کی تیاری کے لئے وضو کرے اور غروب آفتاب سے قبل مسبحات پڑھے اور تسبیح و استغفار میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ جس وقت آفتاب غروب ہو جائے کہ جس وقت آفتاب غروب ہو تو تسبیح و استغفار میں مصروف ہو، غروب آفتاب کے وقت سورۃ الشمس، سورۃ اللیل، سورۃ فلق اور سورۃ الناس پڑھے اس کے بعد رات کا استقبال، دن کے استقبال کی طرح کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِی جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ (پارہ 19)

”وہی (اللہ) ہے جس نے رات کو ایک دوسرے کا جانشین اس شخص کے لئے بنایا جو ذکر (الٰہی) کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہئے۔“

جس طرح دن کے بعد رات آتی ہے اور رات کے بعد دن اسی طرح بندۂ حق کو بھی چاہئے کہ وہ ذکر و شکر کے سلسلہ میں وابستہ رہے یعنی ذکر کے بعد شکر اور شکر کے بعد ذکر میں مصروف رہے اور ان دونوں کے درمیان اور کوئی چیز نہ آئے

پائے جس طرح رات اوز دن کے مابین کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی۔ یاد رہے کہ ذکر تمام اعمال قلب کا مجموعہ ہے اور شکر اسی طرح اعضاء و جوارح کے اعمال کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِعْمَلُوْا (1) اٰلَ دَاودَ شُکْراً

"اے آل داوٗد! شکر ادا کرو!"

واللّٰہ المُوافِق المُعِین O

(1) شکر کے ساتھ لفظ عمل استعمال کیا گیا ہے' یہی اس بات کی دلیل ہے کہ شکر کا تعلق اعضاء کے اعمال سے ہے۔

باب 51

آداب مرید

شیخ کے حقوق، جو مرید کے ذمہ ہیں

صوفیہ کرام کے نزدیک مشائخ کے ساتھ مریدوں کے آداب (حقوق) کی بڑی اہمیت ہے' اس سلسلہ میں بھی یہ حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی اقتداء و پیروی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو' بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بنی تمیم کا بار ایک وفد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو (اس سے گفتگو کرنے کے لئے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قعقاع بن معبدؓ کو امیر بناؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! بلکہ اقرعؓ بن حابس کو امیر ہونا چاہئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم مجھ سے اختلاف کرنے کا ارادہ رکھتے ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں میرا آپ سے اختلاف کا منشاء نہیں ہے (فقال ابوبکرؓ ما اردت ال خلافی؟ وقال عمرؓ ما اردت (1) خلافك) اس معاملے میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ ان حضرات کی آوازیں بلند ہونے لگیں' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس ارشاد ربانی سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گفتگو فرمانے سے پہلے نہ بولا کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ آپ سے پہلے قربانی کر لیا کرتے تھے ان کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ آپ سے پہلے قربانی نہ کریں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض حضرات (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ کاش ایسی اور باتوں پر وحی کا نزول ہوتا (اسی قبیل کے امور کے سلسلہ میں نزول وحی ہوتا) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتی ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ "اپنے پیغمبر کے

(1) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت صفحہ 403 سطر 6

روزے سے پہلے روزہ نہ رکھا کرو۔"
حضرت کلبیؒ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ "قول و عمل کسی چیز میں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سبقت نہ کرو تاآنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تم کو کسی کام کا حکم دیں۔"

مرید کا طرز عمل

پس یہی طریقہ اور طرز عمل مرید کا ہونا چاہئے۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا ارادہ اور اختیار باقی نہ رہے اس حد تک کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں بھی شیخ کے حکم کے بغیر تصرف نہ کرے اور اس سے قبل مشیخت کے باب میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔
مذکورہ بالا ارشاد ربانی کی تشریح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "لَا تَقَدِّمُوْا" سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نہ چلو (جب کہ آپ کے ساتھ جا رہے ہو)۔ حضرت ابو الدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تم اس کے آگے چل رہے جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر ہے۔ "تمشی امام من هُوَ امنك فی الدنیا و لاخرة" مذکورہ بالا آیت کی ایک اور شان نزول بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ ایک بار ایک وفد (جماعت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھا' جب آپ سے کوئی بات دریافت کی جاتی تھی تو وہ لوگ خود بخود آپ سے پہلے جواب دے دیتے' للذا اس حکم کے ذریعہ ان کو آئندہ اس بات سے منع کیا گیا (فَنَهُوِ عَنْ ذٰلِكَ)۔

مجلس شیخ میں مرید کے آداب

شیخ کی مجلس میں مرید کے لئے بھی یہی آداب مقرر ہیں' مرید کو چاہئے کہ شیخ کی مجلس میں بالکل خاموش بیٹھے اور شیخ کے روبرو کوئی اچھی اور عمدہ بات بھی اس وقت تک نہ کہے جب تک شیخ سے اجازت طلب نہ کرے اور شیخ کی طرف سے اجازت نہ مل جائے۔
شیخ کے حضور میں مرید کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا رزق کا منتظر ہو' وہ بھی شیخ کی آواز پر اسی طرح گوش بر آواز رہے اور کلام شیخ کے ذریعے اپنے روحانی رزق کا انتظار کرتا رہے اس طرح اس کی عقیدت اور طلب حق کا مقام مستحکم ہوتا ہے اور مزید فضل الٰہی کا مستحق بنتا ہے' مگر جب وہ خود بات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ جذبہ اس کو مقام طلب سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں انانیت ہے اور یہ مرید کی ایک لغزش اور گناہ ہے۔ (وذٰلِكَ جنایة المَرِیْد O)

حضور شیخ میں سوال کی اجازت

مرید اگر اپنی مبہم روحانی حالت کو واضح کرنے کے لئے شیخ سے کچھ دریافت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے مگر طالب صادق کو اس سے احتراز کرنا چاہئے بلکہ اس کا اظہار بغیر زبان کے کسی اور صورت سے ہو جاتا ہے شیخ خود اس سے حقیقت حال کو معلوم کر لیتا ہے۔ شیخ اپنے مخلص مریدوں کے روبرو اپنے قلب کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ان کے لئے باران رحمت اور فضل و کرم کی دعا کرتا ہے' اس وقت شیخ کا دل اور اس کی زبان ان طالبان حق (مریدان مخلص) کے مکاشفات احوال میں مصروف ہوتی ہے جو اس کے طالب فیض ہوتے ہیں۔

شیخ طالب حق کی گفتگو سے اس کے احوال کا صحیح اندازہ لگا لیتا ہے اس لئے کہ قول ایک بیج کی مانند ہے جو زمین (قلب) میں بویا جاتا ہے اگر بیج خراب ہے تو وہ نہیں اگتا' اسی طرح جب قول میں نفسانی خواہش کی آمیزش ہوتی ہے تو بات بگڑ جاتی ہے پس شیخ کا یہ بھی کام ہے کہ وہ تخم کلام کو نفسانی آمیزش سے پاک کرے اور اس کو اللہ کی سپردگی میں دے کر اللہ تعالیٰ سے اس کی معونت اور ہدایت کا خواستگار ہو' اس کے بعد مرید کوئی بات کہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی تائید سے اس کا کلام حق و صداقت کا نمونہ بن جاتا ہے (فیکون کلامَهٗ بالحق مِنَ الحق لِلحق)

شیخ محافظ الہام ہے

شیخ مریدوں کے لئے الہام کا محافظ ہے اسی طرح جیسے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) وحی الٰہی کے امین تھے' جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی میں کبھی خیانت نہیں کی اسی طرح شیخ بھی الہام میں خیانت نہیں کرتا اور جس طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نفسانی خواہش سے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے (1) اسی طرح شیخ بھی ظاہر و باطن میں آپ کی اقتداء کرتا ہے اور اپنی نفسانی خواہش کے مطابق (مرید کے احوال کی اصلاح میں) کلام نہیں کرتا۔

کلام نفسانی خواہش کی آمیزش کے دو سبب ہوتے ہیں اول یہ مقصود ہو کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پر قابو پایا جائے اور ان کو اپنی طرف متوجہ اور راغب کیا جائے اور یہ امر مشائخ کی شان کے شایاں نہیں ہے دوم یہ کہ کلام کی شیرینی اور لذت سے نفس کے غلبہ سے خود پسندی کا پیدا ہونا' ارباب حق کی نزدیک یہ بھی خیانت ہے۔ لہٰذا جب شیخ کلام کرتا ہے تو اس وقت اس کا نفس خوابیدہ ہوتا ہے (کلام میں شائبہ نفس نہیں ہوتا) اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول ہو کر نفسانی غلبہ کے نتائج یعنی عجب' خودپسندی سے محفوظ رہتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس وقت شیخ کی زبان سے حق تعالیٰ کی طرف سے جو کلمات (بذریعہ الہام و القا) صادر ہوتے ہیں وہ خود بھی ان کو دوسرے سامعین کی طرح سنتا ہے۔

---

(1) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○

شیخ ابو المسعودؒ کا ارشاد

شیخ ابو المسعودؒ الہام ربانی کے مطابق اپنے رفقاء سے ہمکلام ہوتے تھے اور فرماتے کہ میں بھی تمہاری طرح یہ کلام سن رہا ہوں' ایک صاحب نے جو اس مجلس میں موجود تھے اور اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتے تھے' کہا کہ کہنے والا اپنی بات کو خوب جانتا ہے بھلا وہ سامع کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے جو اس بات سے پہلے ناواقف تھا' اسی عدم وقوف کی بنا پر وہ اس کی بات کو سنتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر واپس آگئے رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا ان سے کہہ رہا ہے:

"کیا غوطہ خور سمندر میں موتیوں کے لئے غوطہ نہیں لگاتا! مگر وہ اپنی تھیلی میں سیپیوں کو جمع کرتا ہے جن کے اندر موتی ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت اس کو یہ موتی نظر نہیں آتے یہ موتی اس کو اس وقت نظر آتے ہیں جب وہ سمندر سے باہر نکل آتا ہے اور اس وقت وہ لوگ بھی ان موتیوں کے دیکھنے میں اس غوطہ خور کے برابر کے شریک ہو جاتے ہیں جنہوں نے غوطہ نہیں لگایا لیکن ساحل پر موجود ہیں۔"

تب وہ سمجھ گئے کہ خواب میں یہ اشارہ شیخ ابو المسعودؒ کے کلام کی طرف ہے۔

پس مرید کے لئے بہترین طرز ادب یہی ہے کہ شیخ کے حضور میں مکمل خاموشی اختیار کرے اور اس وقت تک گفتگو نہ کرے جب تک شیخ خود اس کے قول و فعل کی بھلائی اور بہتری کے لئے ابتداء نہ کرے۔

آیت مذکورہ کی ایک اور توجیہہ

مذکورہ بالا آیت کی ایک اور توضیح و توجیہہ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ کوئی اپنے مرتبہ اور مقام سے بڑھ کر مرتبہ طلب نہ کرے پس آداب مریدین میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی مرید شیخ کو اپنے لئے اعلیٰ رتبہ طلب کرنے پر آمادہ نہ کرے (اس سے اپنے مرتبہ سے بلند مرتبہ کے لئے طالب نہ ہو) بلکہ تمام بلند مراتب کا اپنے شیخ کے لئے خواہاں رہے اور اپنے شیخ کے لئے تمام اعلیٰ فیوض و برکات کا طالب رہے یہی وہ مقام ہے جہاں مرید کے حسن عقیدت کے جوہر کھلتے ہیں' مگر مریدوں میں یہ بات بہت ہی شاذ پائی جاتی ہے تاہم مرید کو اپنے شیخ سے حسن عقیدت کے عوض اپنی آرزوں اور تمناؤں سے بڑھ کر فیض حاصل ہوتا ہے' عقیدت و ارادت کے یہ مقامات ادب ہی سے قائم ہوتے ہیں۔

عمل اور ادب میں تناسب

حضرت شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں۔ "حسن ادب عقل کا ترجمان ہے" "حسن الادب ترجمان العقل" حضرت ابو عبداللہ بن حنیفؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ رویمؒ نے فرمایا "اے فرزند اپنے عمل کو نمک اور ادب کو آٹا بناؤ (عمل اور ادب کا تناسب

ایسا ہو جیسے آٹے میں نمک) بعض ارباب صدق کا کہنا ہے کہ "تصوف تمام تر ادب ہے' اور ہر مقام کے لئے مخصوص ادب ہے' اور ہر حال کے لئے ادب ہے' پس جو کوئی ادب کو اختیار کرتا ہے وہ مرد کامل کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جو ادب سے محروم رہتا ہے وہ مقام قرب سے دور اور مقام قبولیت سے مردود ہو جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی" (اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ کا مقصد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو ادب سکھانا تھا (اس کی شان نزول یہی ہے) حضرت ثابت بن قیس بن شماس (رضی اللہ عنہ) کو ثقل سماعت لاحق تھا اور وہ بلند آواز تھے جب وہ کسی سے بولا کرتے تھے (تو کم سننے والے شخص کی طرح) بہت اونچی آواز سے بولا کرتے تھے وہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں گفتگو کرتے تھے۔ تو اسی اونچی آواز میں بولا کرتے تھے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر ان کو اور دوسرے حضرات کو ادب تکلم سکھایا۔

اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں ہمیں اپنے شیوخ کی اسناد سے یہ حدیث معلوم ہوئی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا' اقرعؓ بن حابسؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ان کو ان کی قوم کا سردار مقرر فرما دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ! ان کو حاکم نہ بنائیے اور اسی طرح وہ آپ کے سامنے بولتے رہے' یہاں تک کہ ان حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم صرف میری مخالفت کرنا چاہتے ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی مخالفت میرا منشا نہیں ہے' اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (1) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کبھی بولتے تو ان کی آواز اتنی نیچی (ہلکی) ہوتی تھی کہ جب تک ان سے دوبارہ دریافت نہیں کیا جاتا تھا ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بس اتنی آواز سے گفتگو کریں گے جیسے کوئی سرگوشی کرنے والا بھائی دوسرے سے کچھ (سرگوشی میں) کہتا ہے۔

پس اس طرح شیخ کے سامنے مرید کا یہ دستور اور طرز عمل ہونا چاہئے کہ وہ نہ تو بلند آواز میں گفتگو کرے' نہ بہت ہنسے اور بہت زیادہ گفتگو کرنے سے بھی گریز کرے' البتہ اگر شیخ کی طرف سے اجازت ہو (تو مضائقہ نہیں) اس کا سبب یہ ہے کہ

(1) اس حدیث کو متن میں ان اسناد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اخبرنا ضیاء الدین عبد الوہاب بن علی' قال اخبرنا ابو الفتح الحروی' قال اخبرنا ابو نصر برتاتی قال اخبرنا ابو محمد الحراجی قال اخبرنا ابو العباس المحبوبی' قال اخبرنا ابو عیسٰی الترمذی' قال حدثنا محمد بن المثنی' قال حدثنا مومل بن اسماعیل' قال حدثنا نافع بن جمیل الجمعی' قال اخبرنا حابسؓ بن ابی ملکیہ' قال حدثنی عبداللہ بن زبیرؓ اس کے بعد حدیث شریف کا متن ہے جس کا ترجمہ پیش کیا گیا (شمس) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت ص 406

بلند آواز میں گفتگو وقار کے منافی ہے، جب وقار (شیخ) دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو زبان تکلم سے باز رہتی ہے (شیخ کا وقار مانع تکلم ہو جاتا ہے) دیکھا گیا ہے کہ بعض مریدوں پر شیخ کا رعب اس قدر طاری ہوتا ہے کہ وہ شیخ کی طرف نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتے۔ خود میری یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ میں بخار میں مبتلا ہوا، اس موقع پر میرے چچا یعنی میرے محترم چچا یعنی میرے محترم شیخ ابو النجیب سہروردیؒ میرے گھر میں (بغرض عیادت) تشریف لائے تو میرا تمام جسم (ان کی ہیبت اور رعب سے) پسینے میں تر ہو گیا اس وقت میں خود چاہتا تھا کہ پسینہ آجائے تو بخار ہلکا ہو جائے۔ چنانچہ شیخ محترم کے تشریف لانے پر یہ بات خود بخود حاصل ہو گئی اور آپ کی آمد کی برکت سے میں تندرست ہو گیا (بخار اتر گیا) اسی طرح ایک بار میں گھر میں تنہا تھا اور وہاں وہ رومال بھی رکھا ہوا تھا جو میرے شیخ محترم نے مجھے عنایت فرمایا تھا۔ اور اس کو آپ عمامہ کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے، اتفاق سے میرا پاؤں اس رومال پر پڑ گیا اس حرکت سے میرے دل کو سخت تکلیف پہنچی اور شیخ کے رومال کے پائمال ہونے سے مجھ پر دہشت وہیبت طاری ہو گئی، اس وقت میرے دل میں آپ کی عزت و احترام کا جذبہ بیدار ہوا وہ ایک بہت ہی مبارک جذبہ تھا۔

آیت مذکور کی ایک اور توجیہہ

شیخ ابن عطارؒ نے مذکورہ آیت کی توجیہہ و توضیح کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ آواز بلند کرنے کی ممانعت معمولی غلطی پر ایک قسم کا تنبیہہ تھی تاکہ لوگ اپنی حد سے آگے نہ بڑھ جائیں اور عزت و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ شیخ سہل اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس حکم کا منشا یہ تھا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی وقت مخاطب ہو جب کچھ دریافت کرنا ہو" شیخ ابوبکر بن طاہرؒ نے مذکورہ بالا آیت کی توجیہہ اس طرح فرمائی ہے کہ "آپ سے مخاطب ہونے میں پہل نہ کرو اور عزت و احترام کے حدود پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کی بات کا جواب دو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے باتیں کرتے ہو، اس انداز سے سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو نہ کرو، اور نہ آپ سے کرخت آواز میں کلام کرو اور نہ آپ کو آپ کے نام نامی (محمد یا احمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے پکارو جیسا کہ تم دوسرے لوگوں کو پکارتے ہو، بلکہ اس طرح پکارو یا "یا نبی اللہ یا رسول اللہ" (تاکہ احترام اور عزت کے حدود برقرار رہیں)۔"

لہٰذا مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کے ساتھ مذکورہ بالا طریقہ اختیار کرے اور ادب کے ساتھ خطاب کرے کیونکہ جب وقار اور سنجیدگی قلب میں جاگزیں ہوتی ہے تو زبان کو خطاب کا صحیح طریقہ سکھا دیتی ہے۔ چونکہ نفوس بشری میں اولاد و ازواج کی محبت بالطبع موجود ہے اور نفسانی خواہشات وقت اور موقع کے اعتبار سے عجیب عجیب عبارتیں اور الفاظ ادا کرتی ہیں (محبت کے تحت نفس عجیب عجیب الفاظ میں خطاب کرتا ہے) لیکن جب دل حرمت و وقار سے معمور ہوتا ہے تو وہ زبان کو صحیح عبارت استعمال کرنا سکھا دیتا ہے۔

حضرت ثابتؓ بن قیس کا عجیب و غریب واقعہ

روایت ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا تو حضرت ثابت بن قیسؓ راستے میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصم

بن عدیؓ ان کے پاس سے گزرے تو ان سے پوچھا اے ثابتؓ! کیوں رو رہے ہو' انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ یہ آیت جس میں یہ تہدید و وعید آئی ہے کہ "ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔" ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں' کہیں میرے بارے میں تو نازل نہیں ہوئی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور زور سے باتیں کرتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے اعمال اکارت نہ جائیں اور میں دوزخی نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عاصمؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے اور حضرت ثابتؓ پر بدستور گریہ طاری رہا۔ اور وہ وہاں سے اٹھ کر اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اور ان سے کہا جب میں اصطبل کے اندر جاؤں تو تم اس کو بند کرکے قفل لگا دینا۔ "چنانچہ انہوں نے شوہر کے کہنے کے مطابق ان کو بند کرکے قفل لگا دیا لیکن جب وہ قفل لگا کر واپس ہوئیں تو ان کو بھی ان کے حال پر رحم آگیا۔ حضرت ثابتؓ نے کہا کہ میں یہاں سے مرنے سے پہلے نہیں نکلوں گا یا اس وقت نکلوں گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خوش ہو جائیں۔ ادھر جب حضرت عاصمؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ثابتؓ کا حال حضور کو سنایا' آپ نے فرمایا عاصمؓ جاؤ اور انہیں بلا لاؤ' حضرت عاصمؓ اس راہگذر پر پہنچے مگر وہاں ان کو موجود نہ پایا تو وہ ان کے گھر تشریف لے گئے وہ اصطبل میں بند تھے' حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اے ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یاد فرما رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اصطبل کا دروازہ توڑ دو اس کے بعد یہ دونوں حضرات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ثابتؓ تم کیوں رو رہے تھے' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ' میں بلند آواز ہوں' مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سعید بن کر زندگی گزارو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں داخل ہو جاؤ! انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اس بشارت پر راضی ہوں اور اب کبھی بھی رسو خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اونچی آواز میں نہیں بولوں گا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (الخ)

"جو رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لے لیا ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ہم دیکھا کرتے تھے کہ ایک جنتی شخص ہمارے سامنے سے گزر رہا ہے حضرت ثابتؓ کے بارے میں حضرت انسؓ کا ارشاد ہے کہ جب وہ سامنے سے گزرتے تھے تو ہم دیکھتے کہ ایک جنتی شخص ارے سامنے سے گزر رہا ہے)۔"

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب مسلیمہ (1) کذاب پر لشکر کشی کی گئی تو سخت جنگ ہوئی، مسلمانوں کی ایک جماعت کو شکست ہوئی، ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر فرمایا "افسوس ان لوگوں پر یہ کیا کر رہے ہیں۔" اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے اس طرح کمزوری کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے یہ فرما کر دونوں حضرات ان کافروں کا مقابلہ میں ڈٹ گئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ پہلے حضرت سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا اور اس کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق شہادت پائی اس وقت آپ کے جسم پر زرہ تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد کسی صحابیؓ نے آپ کو خواب میں دیکھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میری زرہ فلاں مسلمان نکال کر لے گیا ہے اور وہ فوج کے فلاں دستے میں ہے، اس کا گھوڑا جو آگے پیچھے خوب دوڑتا ہے، اس نے میری زرہ بھیڑوں کے ریوڑ میں رکھ دی ہے، پس تم حضرت خالد بن ولیدؓ (سپہ سالار لشکر اسلام) کے پاس جاؤ اور اس کی اطلاع دو تاکہ میری زرہ واپس مل جائے نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (خلیفہ وقت) سے عرض کرو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے وہ میرا قرض ادا کر دیں اور میں اپنے فلاں غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ یہ خبر انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پہنچا دی چنانچہ حضرت خالدؓ کو وہ زرہ اور اس صفت کا گھوڑا اس شخص کے پاس ملا۔ حضرت خالدؓ نے اس زرہ کو اس سے لے لیا اور اس خواب کو وصیت کی خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچائی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے قول کے مطابق وہ وصیت پوری کر دی۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ مرنے کے بعد حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے علاوہ اور کسی شخص کی وصیت اس طرح پوری کی گئی ہو (مرنے کے بعد وصیت کرنے میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ منفرد ہیں) حقیقت یہ ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت تھی جس کا ظہور ان کے تقویٰ اور حسن ادب کے باعث شہادت کے بعد ظہور میں آیا، لہٰذا ایک مرید صادق اور طالب حق کو اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے (یعنی وہ بھی ایسا ہی حسن ادب پیش کرے) مرید صادق کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا شیخ اللہ اور اس کے رسول کا ایک تذکرہ ہے پس اس کو اپنے شیخ پر ایسا بھروسہ اور اعتماد ہونا چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مبارک زمانے میں آپ کے اصحاب آپ کی ذات گرامی پر کیا کرتے تھے۔

امتحان حق

ایک جماعت نے جب حقوق آداب پر اس طرح عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان کا حال (ادب) ظاہر کر کے ان

---

(1) مسلیمہ کذاب نے مرتد ہو کر پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اس نے اپنے پیروؤں کی ایک مضبوط جماعت بنائی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس پر لشکر کشی کی گئی اور یہ جہنم واصل ہوا۔

کی اس طرح تعریف کی۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۝ (پارہ 26 سورہ حجرات)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کا اللہ تعالیٰ نے (تقویٰ میں) امتحان لے لیا ہے۔"

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیز گاری میں آزما کر ایسا کھرا اور خالص کر دیا جیسا سونے کو آگ سے پگھلا کر کندن کر دیا جاتا ہے' یاد رکھنا چاہئے کہ زبان دل کی ترجمان ہے اور دل کو مودب رکھنے کے لئے الفاظ کی شائستگی ضروری ہے اسی طرح مرید کو شیخ کے ساتھ حسن ادب برقرار رکھنا چاہئے (الفاظ کی شائستگی کے ساتھ دل سے آداب شیخ کو ملحوظ رکھے)۔

ابو عثمانؒ کا ارشاد

شیخ ابو عثمانؒ فرماتے ہیں اکابرین اور اولیائے عظام کے ادب سے انسان درجات عالیہ کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا ہوتی ہے اور جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اس ادب کی تعلیم خداوند عالم نے (اپنے بندوں کو) دی ہے' مذکورہ بالا آیات کے علاوہ اس کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (سورہ حجرات)

"اور اگر یہ اس وقت تک صبر کرتے جب تک آپ ان کے لئے باہر نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔"

اور ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (26 سورہ حجرات)

"اور یہ لوگ جو آپ کو حجروں کے ادھر سے پکارتے ان میں اکثر نافہم ہیں۔"

ان آیات مذکورہ کی شان نزول یہ ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (آپ اس وقت کاشانۂ نبوت میں تشریف فرما تھے)۔ لہٰذا انہوں نے آواز دے کر کہا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس باہر تشریف لائیے کیونکہ ہماری تعریف زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے (ہم جس کی تعریف کرتے ہیں اس کی شان اور زینت بڑھتی ہے اور جس کی ہم مذمت کرتے ہیں وہ عیب سے متہم ہوتا ہے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ (فخریہ) گفتگو سن لی اور باہر تشریف لا کر ان سے فرمایا:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ ذَمُّهٗ شَيْنٌ وَّمَدْحُهٗ زَيْنٌ

"بے شک یہ صرف خدا کی ذات ہے جس کی مذمت عیب ہے اور جس کی تعریف زینت (1) ہے۔"

(1) صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے کہ وہ جس کی مذمت فرمائے تو وہ سراپا عیب سے متصف ہوتا ہے اور جس کی وہ تعریف فرماتا ہے وہ اس کے لئے زیب و زینت کا سرمایہ بنتی ہے۔

یہ ایک طویل واقعہ (1) ہے (اس لئے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں) مختصراً یہ کہ وہ وفد اپنے قومی شاعر اور خطیب کو لے کر آیا تھا تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے شاعر پر شاعری میں اور مہاجر و انصار کے نوجوان ان کے خطیب پر خطابت میں غالب رہے (اور ان کو منہ کی کھانی پڑی) اس واقعہ میں طالب حقیقت کے لئے ادب کا ایک پہلو ہے اور ایک سبق ملتا ہے کہ جب مرید شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اور اس کے پاس پہنچے تو عجلت کو ترک کر کے صبر سے کام لے اور اس وقت کا انتظار کرے جب اس کا شیخ اپنی خلوت گاہ سے باہر آئے۔

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا دستور ملاقات

میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جب کوئی درویش ملاقات کے لئے آیا تھا تو آپ کو اس کی آمد کی اطلاع دی جاتی تھی آپ تھوڑا سا دروازہ کھول کر خلوت خانے سے نکلتے تھے اور اس سے مصافحہ اور سلام کر کے بڑھے اپنے خلوت کدہ میں واپس آجاتے تھے درویش کے پاس بیٹھا نہیں کرتے تھے' لیکن جب کوئی غیر درویش (عام آدمی) آپ سے ملنے کے لئے آتا تھا تو اس وقت آپ خلوت خانے سے نکل کر اس کے پاس بیٹھتے تھے' ایک درویش کو آپ کو یہ رویہ ناگوار گزرا کہ آپ درویش کے پاس تو بیٹھتے نہیں اور جو درویش نہیں ہوتا اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔

درویش کا یہ خطرہ بذریعہ کشف آپ کو معلوم ہو گیا (آپ کو اس خطرے کی اطلاع ہو گئی) تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "درویش اور فقیر کے ساتھ ہمارا ربط اور قلبی تعلق ہے وہ ہمارے اہل سے ہے اور ہمارے اس کے درمیان مغائرت نہیں ہے پس اس کے ساتھ ہمارا یہ دلی تعلق کافی ہے اور دلی موافقت پر ہم اکتفا کرتے ہیں اور یہ معمولی ملاقات کافی ہے لیکن جو فقراء میں سے نہیں ہے (جس کا درویشوں کا گروہ سے تعلق نہیں ہے) تو اس کے ساتھ ظاہری رسوم و طرز معاشرت کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ یہ ظاہری رسوم نہ برتی جائیں تو اس کو وحشت ہو گی' پس ایک طالب حقیقت کا یہ قرض ہے کہ شیخ کے ساتھ حدود ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرے۔"

مرید شیخ کا خادم ہوتا ہے ہم نشین نہیں ہوتا

شیخ ابو المنصور المغربیؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ "آپ شیخ ابو عثمانؒ کی صحبت میں کتنی مدت رہے؟ انہوں نے فرمایا میں ان کی خدمت میں رہا' صحبت میں نہیں رہا اس لئے کہ صحبت و ہم نشینی تو روحانی بھائیوں اور اپنے اقران و امثال کے ساتھ ہوتی ہے اور شیخ کی خدمت کی جاتی ہے! (بس میں شیخ کی خدمت میں رہا نہ کہ صحبت میں)۔

مرید کو چاہئے کہ جب شیخ کے معاملہ میں اس کو کوئی دشواری پیش آئے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ

(1) سیرۃ مبارکہ کی کتب میں یہ واقعہ تفصیلاً مذکور ہے یہاں حضرت شیخ الشیوخؒ نے اس کو ذکر نہیں فرمایا صرف اشارہ فرمادیا۔ (مترجم)

السلام کے قصے کو ذہن میں تازہ کرے کہ کس طرح حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام ناپسند کرتے تھے مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان افعال کے حقائق اور ان کے رازوں سے پردہ اٹھایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام اعتراضات رفع ہو گئے۔ (۱) لہٰذا اگر مرید حق کو اپنی علمی کم مائیگی کے باعث شیخ کا کوئی فعل ناگوار گزرے یا وہ اس حقیقت کو نہ پا سکے جس کو شیخ نے پالیا ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ شیخ علم و حکمت کی زبان سے ہر چیز کا عذر یا اس کی توجیہہ پیش کر سکتا ہے۔

شیخ جنیدؒ کا طرز عمل

کسی شخص نے شیخ جنید رحمتہ اللہ علیہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا' شیخ جنیدؒ نے اس کا جواب دیا۔ سائل نے اس جواب پر اعتراض کر دیا' تب شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر تم کو میری بات کا یقین نہیں ہے تو پھر بہتر ہے کہ تم مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

ایک شیخ طریقت کا مقولہ ہے' اگر کوئی شخص واجب الادب ہستی کا احترام و ادب نہیں کرتا تو وہ ادب کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو اپنے استاد سے کہتا ہے "نہیں" وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

ترمذیؒ نے ابی معاویہؓ سے اور انہوں نے دوسری اسناد کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بات میں نے چھوڑ دی ہے اس کو تم بھی چھوڑ دو اور جو میں تم سے بیان کروں اس کو قبول کرو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ بہت زیادہ سوالات کرتے تھے اور اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرتے تھے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں "میں نے شیخ ابو حفص نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک بہت ہی خاموش انسان کو اٹھتے بیٹھتے دیکھا جو بالکل خاموش رہتا تھا' جب میں نے حضرت جنیدؒ کے رفقاء اور ۔۔؟۔۔ سے اس خاموش شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ صاحب شیخ محترم کی خدمت میں رہتے ہیں اور ہم سب کی خدمت کرتے ہیں انہوں نے ہم پر اپنے لاکھ درہم خرچ کئے ہیں اور مزید ایک لاکھ درہم قرض لے کر وہ بھی خرچ کر دیئے مگر شیخ محترم اس خدمت کے باوجود ان کو اب تک ایک بات کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے (اس لئے یہ بالکل خاموش رہتے ہیں)۔

حضرت شیخ ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "میں شیخ ابو علی سندیؒ کی صحبت میں رہا ہوں' میں ان کو فرائض کی تعلیم دیا کرتا تھا (فکنت القنه ما یقیم به فرضه) اور وہ مجھے توحید اور حقائق معرفت خالص کی تعلیم فرماتے تھے۔

مرید کا عزم صمیم

شیخ ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو حفصؒ کی صحبت میں اس وقت بیٹھا کرتا تھا۔ جب کہ میرا عنفوان شباب تھا' ابتداء میں

---

(۱) شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

کشتی مسکین' جان پاک' دیوار یتیم — علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

(خضر راہ)

انہوں نے مجھے اپنی صحبت سے نکال دیا تھا اور فرمایا تھا میرے پاس مت بیٹھو لیکن میں نے ان کو منع کرنے کا کوئی اثر نہیں لیا کہ میں ان سے پیٹھ موڑ کر چلا جاتا (اور ان کی صحبت و مجالست کو ترک کر دیتا)۔ میں نے یہ کیا کہ ان کے پاس سے تو چلا آیا لیکن میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ شیخ کے دروازے کے قریب ایک گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں گا اور اس وقت تک اس گڑھے سے نہیں نکلوں گا جب تک وہ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گے' شیخ کو مکاشفہ سے میرے اس ارادے کا علم ہو گیا اور انہوں نے مجھے اپنی خدمت میں بلا لیا اور مجھے قبول کر لیا بلکہ میں ان کے رفقائے خاص میں اس وقت تک شامل رہا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

آداب ظاہری کے اصول

مریدان مخلص کے ظاہری آداب میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ شیخ کی موجودگی میں مرید اپنا سجادہ صرف نماز کے وقت بچھا سکتا ہے (اور کسی وقت نہیں بچھا سکتا) اس کی وجہ یہ ہے کہ مرید کا کام تو صرف خدمت ہے اور سجادہ نشینی سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ جاہ طلب ہے اور آرام نشینی چاہتا ہے۔

اسی طرح مرید کو چاہئے کہ سماع کا وقت بھی ایسی کوئی حرکت نہ کرے (جس سے کوئی ایسی بات مترشح ہوتی ہے) سوائے اس صورت کے کہ وہ تمیز اور شعور سے بیگانہ ہو جائے بلکہ ایسی صورت میں شیخ کی سطوت اور اس کی ہیبت مرید کو سماع میں بھی آزادانہ حرکات سے روکتی ہے اور وہ اپنے قابو میں رہتا ہے (وجد میں آزادانہ حرکات بھی سرزد نہیں ہوتیں) شیخ کی ذات میں استغراق نظر اور اس سے صادر ہونے والے فیوض یزدانی کا مشاہدہ و مطالعہ سماع میں مصروف ہونے سے بہتر ہے (انجع لہ مِن الْاَصْفَاو والی السماع)۔

دوسری شرط ادب یہ ہے کہ مرید اپنے احوال کی کوئی بات شیخ سے نہ چھپائے اور فیوض یزدانی جو اس پر ظاہر ہو رہے ہیں اور کرامت و اجابت کو شیخ سے پوشیدہ نہیں رکھے بلکہ وہ اپنا حال جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے شیخ کے سامنے ظاہر کر دے اور جن احوال کے انکشاف سے شرماتا اور حیا کرتا ہے اس کو اشارتاً اور کنایتۃً بیان کر دے' اگر مرید کی طبیعت کا اقتضا یہ ہو کہ وہ اپنے شیخ سے کسی بات کو چھپائے تو وہ اپنی حالت بیان نہ کرے (تو اس پر عمل نہ کرے کہ) اس پر کاربند ہونے سے اس کے باطن میں گرہ لگ جاتی ہے جو صرف اظہار ہی سے کھلتی ہے اور وہ بندش زائل ہو جاتی ہے (تَحل العقدہ و تزول۔)

یہ امر بھی آداب مریدین میں داخل ہے کہ مرید اس وقت تک شیخ کی صحبت میں نہ بیٹھے جب تک اس کو اس بات پر کامل یقین نہ ہو جائے کہ اس کا شیخ اصلاح و تادیب کا ذمہ دار ہے اور دوسرے اشخاص کے مقابلے میں وہ اس کی بہت کچھ اصلاح کر سکتا ہے کیونکہ اگر وہ کسی دوسری ہستی سے بھی اپنی اصلاح حال کا متوقع ہے تو اس صورت میں وہ اپنے شیخ سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکے گا۔ اور اس (شیخ) کا قول ایسے مرید پر موثر ثابت نہیں ہو گا' کیونکہ اس کا باطن شیخ کے روحانی فیض کی قبولیت کی استعداد کامل نہیں رکھتا ہے یہ فیض صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ مرید صرف ایک ہی شیخ سے وابستہ رہے اور اس کو تسلیم کرے اور اس کی شیخیت پر اعتماد کامل رکھتا ہو' اس کی فضیلت کو پہچانے اور اس سے محبت کا رشتہ قوی

کرے کہ حقیقت میں یہ محبت و الفت کا رشتہ ہی شیخ اور مرید کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہوتا ہے اور جس قدر یہ محبت کا تعلق قوی ہو گا اسی قدر وہ زیادہ روحانی فیض کا اکتساب کر سکے گا۔ یہی محبت ہم جنس ہونے کی ایک علامت ہے اور ہم جنسی فیض باطن کے حصول کا ذریعہ ہے۔

شیخ یا استاد کون ہے

حضرت ابو امامہ باہلی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ علَّمَ عَبداً اٰيَةً مِن كتاب اللهِ فَهُوَ مَو لَاه ينبعى لَهُ اَنْ لا يخذ لَهُ وَلَا ليَنَسَاثر عليه، فَمَنْ فَعَل ذَلِكَ فَقَدْ فَصِمْ عُروَه مِنْ عَرى الاسْلَامO

"جس نے کسی کو اللہ کی کتاب کی ایک آیت بھی سکھائی تو وہ اس کا مولیٰ (استاد) ہے اس کو چاہئے کہ وہ اس (استاد) کو رسوا نہ کرے اور نہ اپنے اوپر ترجیح دے جو ایسا کام کرتا ہے وہ اسلام سے ایک رشتہ کو توڑتا ہے)۔"

ایک اصول ادب یہ بھی ہے کہ مرید اپنے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ کی ہدایات اور اس کے مطمع نظر کو نظرانداز نہ کرے اور اپنے شیخ کے حسن اخلاق اور کمال حلم پر نظر رکھتے ہوئے اپنی معمولی حرکات و افعال پر بھی اس کی ناپسندیدگی سے صرف نظر نہ کرتے تھے، شیخ ہم کو بیابانوں اور جنگلوں میں (تربیت کے لئے) لے جایا کرتے تھے، آپ کے ساتھ ایک معمر بزرگ بھی جن کا نام نامی حسن تھا ہوتے تھے وہ آپ کے ساتھ 70 برس تک رہے، جب کبھی ہم سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جایا کرتی جس سے شیخ کا مزاج برہم ہو جاتا تھا تو ہم ان بزرگ کے ذریعہ شیخ سے معافی کی سفارش کراتے تھے، ان کی سفارش پر ہماری غلطی معاف کر دی جاتی تھی اور شیخ ابو عبد اللہ المغربیؒ ہم سے خوش ہو جاتے اور ناخوشی دور ہو جاتی تھی۔

مکاشفات کو شیخ سے رجوع کرے

آداب شیخ کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مرید اپنے روحانی حالات و واقعات اور مکاشفات پر شیخ سے رجوع کئے بغیر بھروسہ نہ کرے کیونکہ شیخ طریقت کا علم اس سے کہیں زیادہ اور وسیع ہے اور اس کا دروازہ اللہ کی جانب کھلا ہوا ہے پس اگر کوئی حال یا واقعہ مرید پر من جانب اللہ نازل ہوا ہے تو شیخ اس کی مدافعت کرے گا اور اس حال کو جاری رہنے دیگا۔ کیونکہ جو چیز منجانب اللہ ہے اس سے اختلاف کیا جانا ناممکن ہے اور اگر اس حال میں کسی شک و شبہ کا شائبہ ہے تو شیخ کے توسط سے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے اس لئے ممکن ہے کسی مکاشفہ یا واردات میں مرید کا شائبہ نفس شامل ہو گیا ہو اور وہ حال یا واردات سے خلط ملط ہو گیا خواہ یہ صورت بیداری میں ہو یا نیند میں (اس کا تصفیہ صرف شیخ کر سکتا ہے مرید سے ناممکن ہے) کہ یہ ایک عجیب و غریب راز ہے کہ مرید اس پوشیدہ شائبہ نفس کا قلع قمع خود نہیں کر سکتا اس صورت میں جب وہ اپنے مکاشفہ یا روحانی ترقی کا تذکرہ شیخ طریقت سے کرتا ہے تو شیخ کو شائبہ نفس کا علم ہو جاتا ہے اور اگر اس کا تعلق خالصتاً اللہ تعالیٰ سے ہے تب بھی

اس کی تصدیق شیخ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے پہلی صورت میں شیخ کے ازالہ سے مرید کا باطن صاف ہو جائے گا اور اس کا بار خود شیخ اپنے حال کی قوت اور بارگاہ الٰہی میں رسائی اور کمال معرفت سے اٹھا لے گا۔

شیخ سے تکلم میں موقع اور وقت کا لحاظ

آداب المریدین میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر مرید اپنے شیخ سے کوئی دینی یا دنیوی بات کہنا چاہے تو اس بات کے کہنے یا شیخ سے گفتگو کرنے میں عجلت نہ کرے، اچانک وہ بات کہنے کے لئے شیخ کے پاس نہ پہنچ جائے بلکہ اس کو شیخ کی حالت کا اندازہ لگانا چاہئے کہ آیا وہ اس وقت اس کی بات سننے کے لئے آمادہ ہے یا نہیں اور اس وقت وہ جواب دینا چاہے گا یا نہیں اور اس وقت اس کو فراغت حاصل ہے یا نہیں۔

جس طرح دعا کے لئے اوقات مقرر ہیں اور اس کے لئے مخصوص شرائط اور آداب ہیں (کیونکہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے بندے کی گفتگو ہوتی ہے) اسی طرح شیخ طریقت سے بھی گفتگو کے آداب و طریقے ہیں کیونکہ یہ بھی خدائی معاملات ہے (لَانَهٗ مِن معاملته الله تعالیٰ) شیخ سے کلام کرنے سے پہلے خداوند تبارک تعالیٰ سے یہ دعا مانگنا چاہئے کہ وہ اس کو پسندیدہ آداب کی توفیق عطا فرمائے، حق تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بھی اسی طرح حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ○

"اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ کے سامنے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی کے وقت صدقہ پیش کرو۔"

اس آیت کی شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کرنا شروع کر دیئے تھے یہاں تک کہ یہ کثرت سوالات آپ پر شاق گزرنے لگی کیونکہ وہ سوالات بہت اصرار سے کرتے تھے اسی لئے رب تبارک تعالیٰ نے ان کو ادب سکھانے کے لئے اس بات سے روکا اور حکم دیا کہ اس وقت تک رسول خدا کے حضور میں گفتگو نہ کیا کریں، جب تک صدقہ پیش نہ کر دیں۔ کہتے ہیں کہ دولت مند لوگ آپ کی مجلس میں غریب مسلمانوں پر اپنی امارت کے باعث اس طرح غالب آگئے تھے کہ غریبوں کو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طولانی گفتگو اور ان کی سرگوشیاں بار خاطر اقدس گزرنے لگیں تو اس وقت گفتگو سے قبل صدقات پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو غریب مسلمان اپنی ناداری کے باعث اور متمول اپنے بخل کے باعث صدقات پیش نہ کر سکے اور اس طرح وہ بھی گفتگو کرنے سے رک گئے۔ لیکن یہ صورت حال صحابہ کرام (اور جان نثاروں) پر بہت شاق گذری اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی آسانی کے لئے یہ دوسرا حکم نازل فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ○ (پارہ 28 سورہ ممتحنہ)

کہتے ہیں کہ جب پہلا حکم اللہ تعالیٰ کا نازل ہوا تو اس زمانے میں سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو نہیں کی اور انہوں نے کلام کرنے سے پہلے ایک دینار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں پیش کیا جس کو حضور نے خیرات فرما دیا۔ وَقیلَ' لمَا امر الله تعالیٰ بِالصَّدَقةِ لَمْ ینا ج رسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ علیه وسلم اِلاّ علی بن اَبی طالب' فقدم دیناراً فتَصدق بِهٖ (1)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ "کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت ہے کہ مجھ سے قبل نہ کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ کوئی میرے بعد اس پر عمل کرے گا۔" آپ کے اس ارشاد میں اسی حکم الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ "صدقہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کتنا ہونا چاہئے' کیا دینار ہونا چاہئے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ حضور! وہ لوگ اس (بار) کو برداشت نہیں کر سکتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر کتنا ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک حبہ یا ایک جو! یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اِنَّکَ لَزَهِیْد) تم تو بہت ہی بے رغبتی کرنے والے ہو! اس کے بعد سہولت اور رخصت کے مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا لیکن صدقہ' حسن ادب اور عزت و احترام کا حق ادا کرنے کے سلسلہ میں جو ہدایات نازل ہوئی تھیں وہ برقرار ہیں اور اس کا فائدہ اب تک جاری و ساری ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامات رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔

"لیس منامن لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ولعرف لعالمنا حقه"

"وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے جس نے بڑے کا احترام نہیں کیا اور چھوٹوں پر رحم' اور ہمارے علماءؒ کا حق نہیں پہچانا۔"

پس علماء کا احترام کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی ہدایت پر مبنی ہے اور اس کو ترک کرنا سراسر سرکشی اور خذلان ہے۔

---

(1) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت ص 413 سطر نمبر11 تا 13

باب 52

مریدوں اور تلامذہ کے حقوق جو شیخ کے ذمے ہیں

آداب شیوخ میں اہم آدب اور اصول یہ ہے کہ ایک مخلص انسان لوگوں پر اپنی فضیلت اور تقدم (بالا دستی) کی کوشش نہ کرے اور محض اپنی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے خوش اخلاقی' لطف و مدارا سے پیش نہ آئے اور حسن کلام سے لوگوں کو اپنی اتباع پر مائل نہ کرے (بلکہ یہ سب کچھ محض نیت خیر سے اور اللہ کے لئے ہونا چاہئے)۔ جب شیخ یہ مشاہدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف مریدوں اور طالبان رشد و ہدایت کو بھیج رہا ہے اور وہ حسن ظن اور صدق ارادہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع ہو رہے ہیں تو اس کو اس بات سے ڈرنا چاہئے اور اس امر کی احتیاط رکھنی چاہئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا اور آزمائش تو نہیں ہے' اس لئے کہ نفوس اپنی جبلت کے اعتبار سے خلق میں مقبولیت اور شہرت کے خواہاں ہوتے ہیں (یہ امر نفس کی جبلت میں داخل ہے) حالانکہ گمنامی میں سلامتی ہے۔

مرید کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ

جب ایسا وقت آجائے (کہ وہ خلق میں مقبول و محبوب بن جائے اور مخلوق اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور وہ شیخ اپنی حالت پر قابو پالے اور اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو مریدوں کی اصلاح اور تعلیم کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے' اور جس مرید اور طالب و رشد و ہدایت کو اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھیجے تو شیخ کو چاہئے کہ وہ اس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور اس کی نگرانی اور تعلیم معرفت کے سلسلہ میں خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کا طالب ہو اور مرید کے ساتھ اس وقت بات کرے جب کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور مرید سے صحیح بات کہنے کے لئے باری تعالیٰ سے طالب ہدایت ہو۔

میں نے سنا ہے کہ ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء اور مریدوں کو وصیت فرمائی اور ارشاد کیا تم اپنے بہترین اور پاک وقت میں فقرا سے باتیں کیا کرو (اپنے بہترین وقت میں فقراء سے کلام کرو) حقیقتاً یہ بڑی مفید نصیحت ہے کیونکہ مرید صادق کے کانوں میں جو کلمات ڈالے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ اگر بیج خراب اور فاسد ہے تو برباد اور ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح خواہش نفس کے کلام میں شامل ہونے سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ نفسانیت

انسانی خواہش کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے۔ پس شیخ کو چاہئے کہ ارادت مندوں اور صدق و صفا کے طالب علموں سے کلام کرنے سے پہلے اس کا دل خداوند تعالیٰ کی مدد کا طلب گار ہو' یعنی جس طرح زبان دل سے امدار کی طالب ہوتی ہے اور دل کی ترجمانی کرتی ہے اسی طرح دل حق کی ترجمانی کرتا ہے اسی باعث جو بندہ حق ہے اس کی نگاہیں ہر دم اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی ہیں اور وہ سراپا گوش ہو کر خداوند تعالیٰ کے پیغام کو پوری امانت کے ساتھ اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے'

لہٰذا شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نور عرفان اور علم و معرفت کی قوت سے اس کی استعداد اور صلاحیت کو معلوم کرے اس لئے کہ اس راہ میں مریدوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے بعض مرید محض عبادت گزاری اور جسمانی اعمال کو صالحین کی طرح سرانجام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں اس طرح گروہ اول اور گروہ ثانی کے آغاز و انجام کی منازل بھی مختلف ہوتی ہے پس شیخ ان کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے اور اس طرح وہ ہر مرید کی باطنی استعداد سے کماحقہ' واقف ہو جاتا ہے' اور اگر ایسا نہیں تو بڑے تعجب کی بات ہے جب کہ ایک بادیہ نشیں (دیہاتی) اپنی زمین اور اس کی قوت نشوونما سے بخوبی واقف ہو' ہر پودے اور اس کی نشوونما ہونے والی زمین کو جانتا ہو' ہر صفت (صناع) اپ نے پیشے اور صفت کے اچھے برے (نفع و نقصان) سے واقف ہو' یہاں تک کہ ایک چرخا چلانے والی عورت بھی اپنی روئی اور کاتے ہوئے دھاگے کی باریکی اور موٹائی سے بخوبی واقف ہو لیکن شیخ اپنے مرید کے احوال و استعداد سے بے خبر ہو حالانکہ رسول اکرمؐ (کا اسوہ حسنہ اس سلسلہ میں موجود ہے کہ آپ) لوگوں سے ان کی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے اور اس کی استعداد و صلاحیت کے مطابق اس کو ہدایت فرمایا کرتے تھے' آپ بعض اصحاب کو مال خرچ کرنے کا حکم دیتے اور بعض لوگوں کو اسراف سے منع فرماتے اسی طرح بعض لوگوں کو کسب کی ہدایت فرماتے تھے اور بعض حضرات کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے پر منع نہیں فرماتے تھے جیسا کہ اصحاب صفہ کا حال تھا (کہ وہ بالکل متوکلانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مخصوص حالات اور ان کی اوضاع سے بخوبی آگاہ تھے اور ہر ایک کی استعداد سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے لیکن جہاں تک دعوت حق کا تعلق تھا وہ عام تھی اور سب کے لئے تھی کہ آپ کے بعثت کا مقصد یہی تھا کہ آپ حجت کو واضح فرمائیں اور بلا کسی قید کے (اور تخصیص کے) دعوت عام دیں' آپ کی یہ دعوت صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص نہ تھی جن میں آپ قبول ہدایت کی صلاحیت کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

خلوت نشینی کا وقت

شیخ کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خلوت نشینی کے لئے ایک ایسا وقت مقرر کرے جبکہ اس کے پاس خلق خدا کی آمدورفت کی گنجائش نہ رہے (مخلوق کی آمدورفت بند ہو جائے) تاکہ اس کی اس خلوت نشینی کا فیض اس کی بزم نشینی (جلوت) کے وقت جاری ہو سکے' اور اس کے ذہن سے یہ بات خارج ہو جانا چاہئے کہ اس کی روحانی طاقت اتنی زیادہ ہے کہ مخلوق سے ہم نشینی اور ہم کلامی کے باوجود اس کی روحانیت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کو خلوت نشینی کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوصف کمال احوال قیام اللیل فرماتے اور راتوں میں نمازیں پڑھا کرتے اور وقت نکال کر تنہائی میں کچھ وقت بسر فرماتے تھے (کچھ دیر خلوت نشین رہتے تھے)۔

یاد رکھنا چاہئے کہ انسانی طبیعت کا تقاضہ ہی کچھ ایسا ہے کہ اصلاح اور نگرانی سے بے نیازی ناممکن ہے خواہ زیادہ دیر کے لئے ہو یا کچھ دیر کے لئے! لیکن کچھ فریب خوردہ طبائع ایسی ہیں جو معمولی سے انشراح قلب پر قانع ہو جاتی ہے اور وہ اسی کو اپنا تمام سرمایہ (راس المال) سمجھ بیٹھتی ہیں اور اس مغالطہ میں پڑ کر اس طرح لوگوں سے مل جل جاتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد یہ فریب خوردہ لوگ ان نکمے لوگوں کا ٹھکانا بن جاتے ہیں جو ان کی نرمی اور خوش اخلاقی سے فائدہ اٹھا کر ان کے پاس محض لقمے توڑنے کے لئے آتے رہتے ہیں (خوشامدیوں اور بیکاروں کا اڈا) اور ان کی اس ہم نشینی یا آمدورفت کا مقصد دین نہیں ہوتا اور نہ وہ پرہیزگاروں کے راستے پر چلنے کے خواہاں ہوتے ہیں' اس طرح وہ خود بھی فتنے میں پڑ جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ فتنے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ان کے دائرہ عمل میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں شیخ کے لئے حق تعالیٰ سے مدد کا خواستگار اور طالب ہونا ضروری ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں تضرع و زاری کرے اگر قالب سے نہ کر سکے تو اس وقت ہر حرکت اور ہر گفتگو میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کرے' (ہر کلمہ اور ہر حرکت رجوع الی اللہ ہو) یہ فتنہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب روحانیت کی قوت کے دعویدار گفتگو میں ڈھیل دیتے ہیں (لوگوں کو ہر دم مصروف کلام رہتے ہیں) اور صفات نفس سے کم آگہی کی بدولت عوام سے ان کا میل جول بہت بڑھ جاتا ہے اور اس معمولی فیض خداوندی سے جو ان کو میسر آگیا ہے وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں یہاں تک کہ آداب مشائخ کو بھی فراموش کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت شیخ جنیدؒ کا ارشاد

شیخ جنیدؒ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے "اگر مجھے علم ہوتا ہے کہ میری دو رکعت نماز تمہارے پاس بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے پاس نہیں بیٹھتا پس جب شیخ یہ دیکھے کہ اس وقت خلوت نشینی افضل ہے تو خلوت میں بیٹھے اور جب یہ خیال کرے اس وقت مجلس میں بیٹھنا اچھا ہے اور بہتر ہے تو جلوت میں رفقاء کے ساتھ اٹھے بیٹھے' اس طرح خلوت کو جلوت کی تائید حاصل ہو گی اور جلوت کو خلوت سے مدد پہنچے گی' اس نکتہ میں ایک راز ہے اور وہ یہ کہ انسان دو متضاد صفات سے مرکب ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ علوی اور سفلی اوصاف کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے چنانچہ کبھی وہ اس تغیر طبعی کی بدولت مشاغل حقیقت سے تھک جاتا ہے' جس طرح ہر کام کرنے والا کام سے اکتا جاتا ہے اور آرام کیلئے کچھ وقفہ چاہتا ہے کبھی یہ وقفہ کسی دوسرے عمل کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی عمل کو بالکل ترک کر دیا جاتا ہے' پس جب اس وقفہ اور فترت میں عمل کی ضرورت نہیں ہوتی تو سالکان طریقت اور مریدیں نفس کو آرام پہنچانے کیلئے بطالت اور آرام کی طرف مائل ہوتے ہیں لیکن وہ سالک طریقت جو مشیخت کے بلند مرتبہ کو پہنچ چکا ہے وہ اس وقفہ بیکاری میں بھی مخلوق کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور اس کے فرصت کے اس وقت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور جس طرح مریدوں کا وقت فرصت ضائع ہوتا ہے شیخ کا یہ وقت ضائع نہیں ہوتا۔ مرید تو تھکاوٹ اور سستی کے بعد پھر روحانی سرگرمیوں اور طلب حقیقت کے جذبہ کے

ساتھ رب تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے مگر شیخ اپنے آرام اور وقفہ راحت میں بھی لوگوں کو فائدہ پہنچا کر کسب فضیلت کرتا ہے چنانچہ جب اس فترت (فراغت کا وقفہ) کے بعد وہ اپنی خلوت گاہ میں پہنچتا ہے تو اس کا نفس مریدوں کے نفس سے زیادہ مستعد اور سرگرم عمل ہوتا ہے۔ اور جب وہ جلوت سے نکل کر خلوت گاہ میں پہنچتا ہے تو اس کی تمام سستی دور ہو جاتی ہے اور اس کا دل وفور نور کا پیاسہ بن جاتا ہے (اس کے شوق میں اور زیادتی ہو جاتی ہے) اور اس کی روح کسی غیر کی آلودگی سے آزاد ہو کر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ دارالقرار کی طرف روانہ ہو جاتی ہے (مشاہدہ حقیقت میں مصروف ہو جاتی ہے)۔

حسن اخلاق

یہ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے بلکہ اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو تعظیم و تکریم کا اس کو ملا ہے' اور اس مرتبہ سے نیچے آکر تواضع اختیار کرے

شیخ رقیؒ فرماتے ہیں کہ میں مصر کی ایک مسجد میں درویشوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس اثناء میں شیخ وقاقؒ وہاں تشریف لے آئے اور ایک ستون کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے نماز پڑھی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم لوگ کھڑے ہو کر ان کو سلام کریں گے لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور انہوں نے ہم کو سلام کیا' ہم نے عرض کیا کہ جناب والا! سلام تو ہمیں کرنا تھا (آپ سے پہلے) یہ سن کر شیخ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو کبھی اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا کہ میں خود کو اس امر کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے اور لوگ میری طرف رجوع کریں' (سبحان اللہ کیا حسن ہے)۔

مریدوں کے ساتھ رفق و مدارا

شیخ طریقت کو چاہئے کو وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔ ایک بزرگ کا قول ہے:

"جب تم کسی درویش کو دیکھو تو اس کے ساتھ رفق و مدارا سے پیش آؤ اور علم کے ذریعہ اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو (علم کا اظہار نہ کرو) اس لئے کہ رفق و مہربانی اس کو تم سے مانوس بنا دے گا اور علم کے اظہار سے اس کو وحشت ہوگی' پس اگر شیخ مرید کے ساتھ نرمی سے پیش آئے گا تو مرید رفتہ رفتہ اس کے علم کی برکات سے بھی نفع اندوز ہو گا اس وقت اس سے علمی گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

مریدوں پر لطف و کرم

آداب شیخ میں یہ بھی داخل ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے اور اپنے مرید کی ارادت اور اخلاص پر تکیہ کرتے ہوئے ان حقوق سے دستبردار نہ ہو' ایک بزرگ کا قول ہے "باہمی مودت و محبت کی بنا پر اپنے دوست کے حقوق تلف نہ کرو۔" شیخ جریریؒ فرماتے ہیں "میں حج سے فراغت پا کر سب سے پہلے شیخ جنیدؒ سے ملا اور ان کو سلام کیا تا کہ ان کو میرے پاس آنے کی زحمت نہ ہو' اس کے بعد میں اپنی منزل پر آگیا۔

جب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت جنیدؒ میرے پیچھے موجود تھے' میں نے کہا کہ اے جناب والا میں تو اس لئے آپ کو سلام کر آیا تھا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے' انہوں نے مجھ سے فرمایا! اے ابو محمد (جریری) یہ آپ کا حق ہے (کہ میں سلام کو حاضر ہوا) اور وہ آپ کی فضیلت و بزرگی تھی (کہ آپ میرے پاس تشریف لائے)۔

مرید کے صدق عزیمت میں کمی

شیخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ مرید کے صدق عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبط نفس کم پائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کو رخصت کی حد پر قائم رکھے کہ اسی میں خیر کثیر ہے اور جب تک مرید رخصت (سہولت شرعی) کی سہولت کی حدود کو عبور نہیں کرلیتا اس وقت تک وہ آزاد رہتا ہے' اس کے بعد جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں میں گھل مل جائے اور رخصت کے کاموں کا عادی ہو جائے (وہ نیک کام جو سہولت کے ساتھ ادا کئے جاسکتے ہیں) تب اس وقت شیخ اس کو بتدریج ہمت و عزیمت کے مقام کی طرف مہربانی اور نرمی کے ساتھ لے جائے (اس طرح وہ اس منزل پر پہنچ جائے گا)۔

شیخ ابو سعید بن الاعرابیؒ فرماتے ہیں' ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم الصائغ تھا' ایک متمول باپ کا بیٹا تھا وہ صوفیہ کرام سے متاثر ہو کر شیخ ابو احمد القلانسیؒ کی خدمت میں رہنے لگا۔ شیخ ابو احمد کے پاس جب کچھ رقم آجاتی تو آپ اس کے لئے نرم نرم روٹیاں' بھنا ہوا گوشت اور حلوا خرید کر منگاتے اور اس کو کھلاتے لیکن خود نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے "اس نے ابھی ابھی دنیا چھوڑی ہے۔ چونکہ اس نے ناز و نعم میں پرورش پائی ہے اس لئے اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے اور لازم ہے کہ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیں۔"

شیخ مال مرید سے تعلق نہ رکھے

مشائخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مریدوں کا مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں' چونکہ شیخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے اس لئے وہ عوام کی ہدایت خالصاً لوجہ اللہ کرتے ہیں پس جو کچھ شیخ مرید کی بہبودی اور بھلائی کے لئے کرتا اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ماتصدق متصدق بِصَدقَةٍ افضل مِنْ علم يَبثهُ في الناس!

"صدقہ دینے والا جو صدقہ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ علم کے لوگوں میں پھیلایا جائے۔"

باری تعالیٰ نے بھی ان کاموں میں جو خالصاً اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں خلوص کی تنبیہہ کی ہے اور ان کو نفس کی آلودگی سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (پارہ 29 سورہ الدھر)

"ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، ہم تم سے کسی بدلہ اور شکریہ کے خواستگار نہیں ہیں۔"

پس شیخ کے لئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے صدقہ کا بدلہ طلب کرے۔ بجز اس صورت کے کہ منجانب اللہ اس کو حکم ہے کہ وہ مرید کا نذرانہ قبول کرلے یا اس میں شیخ مرید کے لئے کوئی مصلحت دیکھے تو وہ اس کے مال اور خدمت سے فائدہ اٹھائے تاکہ مرید اس مال کی بدولت آئندہ مصائب و مشکلات سے مصئون و محفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْاَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ اِنْ يَّسْاَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ○ (پارہ 26 سورہ محمدؐ)

"وہ تم کو تمہاری اجرت دے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں کرے گا اگر وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے اور اس پر مصر ہو تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے دلوں کے کینے کو ظاہر کر دے گا۔"

"یحفکُم" سے مراد "تم سے کوشش اور اصرار کرنے کے" ہیں

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مال کے خرچ کرنے سے کدورت قلبی نکل جاتی ہے" پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھائے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس ادب کو سکھائے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

شیخ جعفر الخلدیؒ فرماتے ہیں "کہ ایک شخص شیخ جنیدؒ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کرکے تمام عمر آپ کے ساتھ فقر کی زندگی گزارے" حضرت جنیدؒ نے اس سے فرمایا:

"تم تمام مال صرف نہ کرو بلکہ اپنے گزارہ کے لئے اس میں سے کچھ روک لو، باقی صرف کر دو، اور جو مال اپنے گزارہ کے لئے روکو اس میں اپنا گزارہ کرو اور حلال معاش کی طلب کرو۔ اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تمام خرچ نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس (پھر) اس کی طلب کرے۔"

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ کسی کام کا قصد فرماتے تھے تو اس پر ثابت قدم رہتے تھے پس شیخ کو بھی مرید کی حالت سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اپنا جو مال خرچ کر رہا ہے، اس کے بعد وہ اس مال کی آرزو کبھی نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں وہ مرید کو اس کو خرچ کی اجازت دے سکتا ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ کی راہ میں تمام مال خرچ کرنے کی اجازت دے دی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تمام مال قبول کرلیا تھا(1)۔

شیخ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کسی مرید کی کوئی بری بات دیکھے یا اس کی حالت کو کج مج پائے یا وہ

(1) یہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے جو جیش عسرت کی تیاری کے وقت پیش آیا تھا۔

محسوس کرے کہ اس مرید میں خود نمائی یا خود ستائی پیدا ہو گئی ہے تو اس کو کھل کر منع نہ کرے بلکہ اپنے رفقاء سے گفتگو کے وقت اس برائی کی جانب اشارہ کر دے اور اجمالاً اس کی برائی بھی بیان کر دے اس طرح دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا بلکہ اس بات کا اثر بھی زیادہ ہو گا اور یہ بات رفق و مدارا سے زیادہ قریب ہے اور بعض لوگوں کی اس سے تالیف قلب ہو گی۔

اگر شیخ مرید کے کسی ایسے کام میں جس کے کرنے کا اس کو حکم دیا گیا تھا، کوتاہی پائے تو اس کو برداشت کرے اور اس کوتاہی پر اس کا قصور معاف کر دے، اس کے بعد نرمی اور تحمل کے ساتھ اس کو اس خدمت کی انجام دہی یا تکمیل کی طرف مائل کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر ایسا ہی حکم فرمایا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنے خادم (غلام) کو کتنی بار معاف کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 70 بار۔

مشائخ کرام اور احیائے سنت

مشائخ کرام کے اخلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن اتباع ہی کی بدولت سنورے اور آراستہ ہوئے ہیں اور یہی حضرات آپ کے احکام و اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے سلسلہ میں آپ کی سنت کو زندہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں!

وَاخلاق المشائخ مُهَذَّبَةَ بحُسن الاقتداء برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وهُم اَحَقَّ النَّاسِ باحَیاسُنَّته فِی کُلِّ مَا اَمرو تَدَبْ وانکرو اَوْحَبب)۔ سب سے اہم ادب شیخ کے ذمہ یہ ہے کہ شیخ مریدوں کے اسرار اور مکاشفات کا جن سے وہ آگاہ ہو حفاظت کرے اس لئے کہ مرید کا رازداں یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اس کا شیخ، پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے اور مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے سرفراز ہو! کسی خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے (اور وہ شیخ سے ان کو بیان کرے) تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کے سامنے ان کی اہمیت گھٹائے (اور ان کا غیر اہم ہونا مرید کو باور کرائے) اور بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہئے ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل واقع ہو گا اور ان سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو جائیں گے لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کو سمجھائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں اور اس کو بتائے کہ مرید کا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ وہ منعم کی تلاش کرے نہ کہ اس کی نعمتوں پر قانع ہو جائے۔

صورت ایسی ہونی چاہئے کہ مرید کا راز یا تو اس کو معلوم ہو یا اس کے شیخ کو، اور شیخ اس کے راز کو افشانہ کرے، کیونکہ افشائے راز تنگی دل کا مظہر ہے اور یہ تنگی دل کا مظہر ہے اور یہ تنگی دل (ضیق صدر) یا تو کم عقل مردوں میں پائی جاتی ہے یا عورتوں کا خاصہ ہے بلکہ افشائے راز کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں ایک قوت آخذہ (اخذ کرنے والی) ہے اور دوسری قوت معطیہ (عطا کرنے والی) ہے اور یہ دونوں قوتیں اپنا اپنا مخصوص کام انجام دینے میں مصروف رہتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ قوت معطیہ کو یہ خاصیت عطانہ فرماتا کہ وہ ہر چیز کو ظاہر کر دیتی ہے تو راز کبھی افشاء ہوتے۔

جب ایک دانشمند شخص سے یہ قوت اپنے فعل کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ اسے بے قابو اور آزاد نہیں ہونے دیتا بلکہ عقل

کی ترازو میں تول کر اس کو مناسب مقام (حد اعتدال) پر رکھتا ہے چونکہ مشائخ پختگی عقل سے بہرہ ور ہیں اس لئے وہ افشائے اسرار کی رکاکت سے بالاتر ہیں (پختگی عقل کے باعث ان سے راز افشا نہیں ہوتے)۔

اسی طرح مرید کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے راز کو اپنے پاس محفوظ رکھے اور اس کو طشت ازبام نہ کرے (راز کو فاش نہ ہونے دے) اسی صورت میں اس کے حال کی صحت و سلامتی مضمر ہے اور اسی کی بدولت مریدین صادق کے احوال و مقامات میں تائید ایزدی شامل ہوتی ہے۔ (فی موردہم و مصدرہم)

باب 53

صحبت کی حقیقت اور۔۔۔۔۔۔اس کے نیک وبد اثرات

صحبت و ہم نشینی کا اقتضا کرنے والی چیز اور اس کا محرک وجود جنسی ہے یعنی ہم جنسی، کبھی اس کے محرک عام اوصاف ہوتے ہیں اور کبھی خاص! اس کے عام اوصاف جو ہم نشینی کی تحریک پیدا کرتے ہیں یہ ہیں جیسے ایک انسان کی رغبت دوسرے انسان کی طرف، اور خاص اوصاف کی مثال یہ ہے جیسے ایک خاص قوم کے افراد کے دوسرے افراد کی طرف مائل ہونا! اور اس سے بھی زیادہ خاص اوصاف ہم جنسی یہ ہیں جیسے نیک افراد کا میلان نیک افراد کی طرف یا گنہگار افراد اپنے ہی جیسے گنہگار کی طرف رغبت کریں یا مانوس ہوں۔

صحبت کی اصل

جب یہ کلیہ معلوم ہو گیا کہ صحبت کی اصل ہم جنسی ہے خواہ اس کے اوصاف عام ہوں یا خاص! پس جب انسان کسی کی صحبت میں بیٹھنا چاہے تو اس کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ کونسی چیز ہے جو اس کو دوسروں کی صحبت پر مائل کر رہی ہے، پس جس کی محبت کی طرف وہ مائل ہے اور جس کی طرف اس کا رجحان ہے اس کے حالات کو شریعت کی میزان میں تولے، اگر اس کے حالات باعتبار شریعت درست نظر آئیں تو اس وقت خواستگار صحبت خود کو مبارک باد دے کہ اس کی حالت بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آئینہ ضمیر کو ایسا روشن بنایا ہے کہ اس کے بھائی کے آئینے میں اس کو اپنی نیکی کا جمال نظر آتا ہے۔ (فقد جَعَلَ اللّٰہ تعالٰی مِراۃ مجلوۃ یلوح لہٗ فِی مِر آۃ اَخِیْہِ جَمال حَسنِ الجمال) اگر وہ دیکھے کہ اس کے افعال نادرست ہیں تو وہ اس وقت خود کو مجرم گردانے اور ملامت کرے کیونکہ اپنے بھائی کے آئینے میں اس کو اپنی بدحالی نظر آتی ہے اب اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ایسے شخص سے اس طرح بھاگے جس طرح وہ شیر سے ڈر کر بھاگتا ہے! کیونکہ اگر ان دونوں میں ہم نشینی واقع ہو جائے گی تو ان دونوں کی تاریکی اور کجی اور زیادہ ہو جائے گی (فَاِنَّھَا اِذَا اصتحبًا از داد ظُلْمَۃ واِعوجا جًا) لیکن اگر اس کو اپنے ساتھی کی درستی کا علم ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اس کے افعال درست ہیں اور اپنی صلاحیت کا بھی اس کو علم ہو جائے تو اپنے بھائی کے آئینہ میں وہ نیکی کا مشاہدہ کرے گا۔

ہم جنسی کا رجحان

یہ امر ملحوظ رہے کہ ہم جنسی کا عام رجحان ایک طبعی رجحان ہے لیکن واقعی طور پر اس طریقہ کا میلان بعد میں حسب

احوال ہوتا ہے' اس کے اثرات سے نفس کو اس قدر سکون حاصل ہوتا ہے کہ اس خصوصی میلان کے فوائد اس طبعی رجحان پر غالب آجاتے ہیں اور یہ طبعی رجحان ایک ہو جاتا ہے اس وقت ان دونوں ہم نشینوں کو طبعی نشاط خاطر اور جبلی راحت و سکون میسر آتا ہے کہ ان دونوں کی مخلصانہ محبت اور محبت الٰہی میں سوائے علمائے زہاد کے اور کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا۔

کبھی ایسی عجب صورت حال بھی پیش آئی ہے کہ مرید صادق نیک لوگوں کی صحبت میں رہ کر اس طرح خراب ہوتا ہے کہ وہ برے لوگوں کی صحبت میں رہ کر خراب نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل فساد کے فساد کا اس کو علم ہوتا ہے لہٰذا وہ ان کی صحبت سے گریز کرتا ہے مگر نیک لوگوں کی نیکی سے وہ دھوکا کھا جاتا ہے (اَلَيْهم فمال صلاحهم بحسنة الصلاحيه) انسان جنسی صلاحیت کے باعث مائل ہوتا ہے کیونکہ بعد میں یہ میلان اور دوستی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ خدا کی محبت اور صحبت کی راہ میں رخنہ انداز ہو جاتی ہے (فتور فِي الطلب وَالخَلف عَن بلوغ الْاَربَ) اس طرح راہ طلب میں فتور اور حصول مقصد میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک طالب صادق کو چاہئے کہ وہ اس نکتہ کو پیش نظر رکھے تاکہ وہ صحبت کی صاف ترین صورت کو (زیاں سے بچنے کے لئے) اختیار کر سکے اور ان باتوں کو ترک کر دے جو حصول مقصد میں حائل ہوں۔

صحبت کے برے نتائج

ایک بزرگ کا مقولہ ہے "تمہیں برائی اسی سے حاصل ہوتی ہے جس کو تم جانتے ہو۔" یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی ایک جماعت نے ہم نشینی کو ناپسند کیا ہے اور انہوں نے گوشہ نشینی اور خلوت کو پسند کیا ہے اور افضل سمجھا ہے' اس جماعت میں حضرت ابراہیم بن ادہم' حضرت شیخ داؤد طائی' حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سلیمان الخواص (رحمتہ اللہ علیہم) جیسے مشاہیر صوفیہ شامل ہیں' شیخ سلیمان الخواص ؒ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب ایک دفعہ ان سے کہا گیا کہ شیخ ابراہیم ادہم ؒ تشریف لائے ہیں کیا آپ ان سے ملاقات نہیں کریں گے؟ تو انہوں نے فرمایا اگر کوئی خونخوار درندہ میرے پاس آجائے تو وہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ابراہیم ادہم ؒ سے ملاقات کروں' کیونکہ جب میں ان سے ملوں گا تو ان سے اچھی اچھی باتیں ہوں گی اور نفس کے بہترین احوال کو ظاہر کرنا پڑے گا اس طرح نفس مجھ پر غالب آجائے گا' اس میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے'

(اِنَّهُ قبل لَهُ جَاء ابراہیم ابن ادھمؒ اما تلقاهُ؟ قال لِاَنَّ الْقِى سَبعًا ضَارِيًا اَحب اِلى مِن اَنْ اَلقِىْ اِبَراهيم ابن اَدْهم' قالَ لانى اِذَارايتهٗ احسن لَهٗ كلامِى واظهَر نفسى باظهَار اَحْسَن اَحْوالِهَا وَفى ذلك الفتنةُ O)

یہ اس شخص کا کلام ہے جو اپنے نفس اور اخلاقیات کا اچھی طرح جاننے والا تھا' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دو درویشوں کی ملاقات کے دوران اس بات کا امکان ہے سوائے ان کے جن کو اللہ محفوظ رکھے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بلاشبہ عنقریب

وہ زمانہ آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال بھیڑیں بکریاں ہوں گی اور وہ انہیں لے کر پہاڑوں گھاٹیوں اور نشیبی علاقوں میں پھرے گا اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے بھاگے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اس طرح فرمایا:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ○

"میں تم کو چھوڑتا ہوں اور ان چیزوں سے الگ ہوتا ہوں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ اور صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں۔"

اس طرح انہوں نے عزلت اور کنارہ کشی کے ذریعہ قوم پر غالب آنے کی سعی فرمائی۔

عزلت کے اقسام

کہا جاتا ہے کہ عزلت اور گوشہ نشینی کی دو قسمیں ہیں۔ (1) عزلت فرض اور (2) عزلت فضیلت، عزلت فرض تو یہ ہے کہ اہل شر اور شر سے بچا جائے۔ اور عزلت فضیلت یہ ہے کہ فضول باتوں اور فضول لوگوں سے الگ تھلگ رہا جائے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خلوت عزلت سے مختلف ہے کہ خلوت غیروں سے ہوتی ہے۔ اور عزلت اپنے نفس سے ہے یعنی نفس کی خواہشوں اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے الگ ہونے کا نام عزلت ہے اس اعتبار سے خلوت تو عام ہے لیکن عزلت قلیل الوجود یعنی کمیاب ہے۔

شیخ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ جتنے فتنے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہمارے اس زمانے تک پیدا ہوئے ہیں وہ سب اختلاط سے پیدا ہوئے ہیں ان سے وہی محفوظ و مصئون رہ سکتا ہے جو اختلاط سے اعراض کرے۔

سلامتی کے دس حصے

کہا جاتا ہے کہ سلامتی کے دس حصے ہیں، نو حصے تو خاموشی میں ہیں اور ایک حصہ عزلت میں، یہ کہا گیا ہے کہ خلوت اصل اور بنیاد ہے اور اختلاط ایک عارضی چیز ہے پس اصل کو پکڑنا چاہئے اور ضرورت کے بقدر میل جول رکھنا چاہئے اور جب ضرورت کے وقت بعض لوگوں سے اختلاط اور ارتباط پیدا کیا جائے تو خاموشی اختیار کرنا چاہئے کہ یہی اصل بنیاد ہے اور کلام عارضی ہے۔ اس لئے صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے کہ اس طرح صحبت کے بہت سے خطرات ہیں، ان سے محفوظ رہنے کے لئے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ اختلاط اور صحبت سے بچنے کے سلسلہ میں متعدد احادیث اور روایات صحابہؓ موجود ہیں اور کتب متداولہ ان سے پر ہیں (1)۔ ان تمام احادیث میں مندرجہ ذیل حدیث جامع ترین حدیث شریف ہے جس کو حضرت عبداللہ بن ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ليأتين على النّاس زمان "لا يعلم الّذى دينهٗ اِلا

(1) اگر کوئی دیکھنا چاہئے تو ان کتب میں ان کا مطالعہ کرے۔

مَن فربدينهٖ من قريۃٍ اِلٰی قريۃٍ وَمن شاهق اِلٰی شاهق وَمَنْ فجر اِلٰی فجر كالثعَلب الَّذی يروغ۔")

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جب کسی دیندار کی دینداری محفوظ نہ رہے گی، بجز اس کے کہ کوئی شخص اپنے دین کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی جانب اور ایک بلند پہاڑ سے دوسرے بلند پہاڑ کی طرف اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ کی طرف لومڑی کی طرح بھاگے گا۔"

وَقَالوا! وَمتٰی ذٰلِكَ يَارَسُوْل اللّٰه؟ قال اِذا لم تنل المَعيتهٗ اِلاَّ بمعَاصی اللّٰه، فَاِذَا كان ذَلِكَ الرفان حلت العزوية)

"لوگوں نے عرض کیا! یارسول اللہؐ یہ کب ہو گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب کچھ اس وقت ہو گا جب گناہوں کے سوا روزی اور کسی طرح حاصل نہ ہو گی ایسا زمانہ آجائے تو اس وقت مجرد رہنا حلال ہو گا۔"

قالو! وَ كيفَ ذُلِكَ يارسول الله وَقَد اَمرنَا بالتزوج؟ قال اِنَّهٗ اِذا كَانَ الزَّمان كَان هلاَكَ الرَّجل عَلٰی يَدابَويْهِ فِان لم يكن لَه ابو اِنْ فعلی يد زَوجَتهٖ وولدهٖ فِاِن لَم يكن لَهٗ زَوجَة وَلاَ وَلَد فعلی يد قرابتهٖ

"لوگوں نے عرض کیا! یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ آپ نے تو ہم کو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے (پھر یہ کیسے ہو گا) حضورؐ نے فرمایا "اس زمانے میں انسان کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں سے ہو گی اگر اس کے والدین نہیں ہوں گے تو اس کی ہلاکت بیوی اور اولاد کے ہاتھوں سے ہو گی اور اگر اس کی بیوی بچے نہ ہوں تو قرابت داروں کے ہاتھ سے ہلاکت ہو گی۔"

قالو! فكيفَ ذَلِكَ يارسول اللّٰه؟ قَالَ "يعيرونهٗ بضيْقِ الْمَعِيشَة فيتكَلْف مَالاَ يطِيْقُ حَتّٰی يوردوه موار دالْهُلكَةِ"

"لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کس طرح؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ لوگ اس کو تنگی معاش پر شرمندہ کریں گے تو پھر وہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کرے گا یہاں تک کہ وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔"

فضائل صحبت!

بزرگان سلف کی ایک جماعت نے صحبت و اخوت فی اللہ کو پسند کیا ہے، ان کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اہل کے درمیان اخوت پیدا کی تو اس کو اپنا احسان بتایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذكرُوا نِعمَةَ اللّٰه عَليكم اِذ كنتم اَعْدَاء فَالَّفَ بَيْنَ قلوبكم فَاَصْبَحْتُمْ بنعمته اِخوانًا○

"اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔"

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِی اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (سورہ انفال پارہ 10)

"اللہ وہ ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری اور مومنوں کی مدد کی اور ان کے دلوں کو ملا دیا اگر تم جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کا سب خرچ کر ڈالتے تو تم ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے' یہ اللہ ہی ہے جس نے ان کے درمیان یہ الفت پیدا کی۔"

ہم نشینی اور اس الٰہی مواخات کو حضرت سعید بن المسیبؓ اور عبداللہ بن مبارکؒ نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ محبت کا یہ بڑا فائدہ ہے کہ اس سے باطن کے مسامات کھل جاتے ہیں "اِنها تفتح مسَلم البَاطن" اور اس کے توسط سے انسان حوادث و عوارض کا علم سیکھتا ہے' کہا جاتا ہے کہ آفات سے زیادہ باخبر وہی ہو سکتا ہے جو اکثر آفتوں اور مصیبتوں میں مبتلا رہا ہو اس لئے علم محکم سے علم باطن کو تقویت پہنچتی ہے اور آفات کی آندھیوں سے صداقت کا (جذبہ) پختہ ہو جاتا ہے اور انسان اپنی ایمانی قوت کے ذریعے ان سے نجات پالیتا ہے۔

صحبت اور اخوت کے توسط سے صرف تعاون اور ہمدردی کا جذبہ ہی پختہ نہیں ہوتا بلکہ قلب کے لشکر کو بھی طاقت پہنچتی ہے اور روحیں ایک دوسرے کی روحانی خوشبو سے عطر آگیں ہوتی ہیں اور ان کی آسودگی حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی جانب مل کر متوجہ ہوتی ہیں اگر ان کی کوئی مثال دی جا سکتی ہے تو وہ آوازوں کی مثال ہے کہ چند آوازیں جب مل جاتی ہیں تو اجرام فلکی کو پھاڑ دیتی ہیں' (آوازیں مل کر بہت بلندی تک پہنچتی ہیں) اور یہی آوازیں جب الگ الگ ہوں تو پھر منزل مقصود تک نہیں پہنچتی ہیں (زیادہ بلندی پر نہیں جاتی ہیں)۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

اَلمُومِن کثیراً باخیه۔

"مومن اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بہت کچھ بن جاتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی زبانی جن کا کوئی دوست نہیں ہو گا فرماتا ہے:

فَمَالَنَامِنْ شَافِعِیْنَ ○ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ○ (پارہ 19 سورہ شعرا)

"(آج کے دن) نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی ہمدرد دوست ہے (جو ہمدردی کرے)۔"

حمیم اصل ہمیم ہے لیکن حروف حلقی ہونے کے باعث "ھ" کو "ح" سے بدل دیا گیا ہے اور "ہمیم" حمیم بن گیا اور

"حمیم" اہتمام سے ماخوذ ہے یعنی جو اپنے کسی بھائی کے لئے کوشش کرے، کیونکہ دوست کی مہم میں کوشش کرنا ہی دوستی ہے۔ (عوارف المعارف مطبوعہ بیروت نمبر426)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف سے اپنے لئے اظہار محبت دیکھے تو اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے (اس سے محبت کا تعلق استوار کرے)۔ کیونکہ یہ محبت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔"

کسی شاعر نے کہا ہے۔

وَاِذا صَفَالَكَ مِنْ زمانَكَ واحد	فَهُوْا المُرَاد وَاَيْنَ ذاكَ الواحد
اگر تم کو زمانے میں ایک سچا دوست مل جائے	تو سمجھ لو کہ تمہارا مقصد حاصل ہو گیا مگر سچا دوست ہے کہاں

خدا کے محبوب بندے

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ اے داؤد! تم عزلت نشین کیوں ہو؟ انہوں نے کہا بار الہا! میں نے تیری خاطر مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی! اے داؤد (علیہ السلام) تم بیدار اور ہوشیار رہو اور اپنے لئے دوست تلاش کرو اور جو دوست میری رضا کا خواہاں نہ ہو اس کو چھوڑ دو کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے دل کو پتھر کی سخت بنادے گا اور مجھ سے تم کو دور کردے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے "تم میں خدا کے محبوب بندے وہ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔" چنانچہ ایک مومن ایسا محبت کرنے والا ہے جس سے لوگ محبت کرتے ہیں (الف مالوف) اس حدیث شریف میں ایک نکتہ پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس نے تنہائی اور عزلت اختیار کرلی ہے اس سے یہ خاصیت جاتی رہتی ہے (اور دوسروں میں باقی رہتی ہے) کہ خلوت نشین نہ دوسروں سے محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے، (یعنی اس حدیث شریف کو عزلت نشینی کے خلاف بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا) بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف خاص میں کامل ترین تھے (سب سے زیادہ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا) انبیاء علیہم السلام میں جو حضرات زیادہ محبت کرنے والے تھے ان کی پیروی کرنے والے بھی زیادہ تھے اور ہمارے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان سب میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع کرنے والے بھی سب سے زیادہ ہوئے اسی سلسلہ میں حضور ؐ کا ارشاد ہے:

تناکحوا تکثروا فانی مکاثر بکُمُ الامم یوم القیامَۃِ ○

"تم نکاح کرو، تمہاری کثرت ہوگی، کیونکہ قیامت کے روز دوسری امم پر میں اس کثرت کی بنا پر فخر کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خلق حسنہ کی اس طرح تعریف فرمائی ہے۔

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (پارہ 4 سورہ آل عمران)

"اگر آپ ان پر سخت گیر ہوتے تو وہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔"

بایں ہمہ اس عالمگیر جذبہ محبت کے باوصف آپ نے عزلت گزینی کو پسند فرمایا' اس لئے کہ جس ہستی میں وصف (محبت و رافت) وافر اور مستحکم ہو گا اسی قدر زیادہ ابتدائے حال میں وہ عزلت گزینی کو پسند کرے گا چنانچہ اسی بنا پر آپ کو ابتداء میں خلوت نشینی پسند تھی چنانچہ آپ نے غار حرا میں خلوت گزیں ہو کر بہت سی راتیں عبادت میں بسر فرمائیں اس سے ثابت ہے کہ "عزلت نشینی محبت کے جذبہ کو فنا نہیں کرتی۔" اور جو لوگ اس خیال میں ہیں کہ عزلت نشینی محبت کے جذبہ کو فنا کر دیتی ہے وہ مغالطہ میں مبتلا ہیں اور انہوں نے عزلت نشینی کو ترک کر کے اس جذبۂ محبت کی فضیلت کے حصول کی جو کوشش کی ہے وہ ان کی غلطی ہے۔

انبیاء علیہم السلام جن میں محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے' عزلت نشینی کو جو اختیار فرماتے رہے ہیں اس میں وہی راز پوشیدہ ہے جیسا کہ ہم اس باب کے آغاز میں کہہ چکے ہیں کہ انسان میں بطور عموم اپنے ہم جنسوں کی طرف رغبت کا جذبہ پایا جاتا ہے جب باکمال ہستیوں (حذاق) میں یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان میں خلوت گزینی اور عزلت نشینی کا شوق پیدا فرما دیتا ہے تاکہ وہ بطور عموم اپنے ہم جنسوں کی صحبت کے اس میلان طبعی سے اپنے نفوس کو پاک کریں اور بلند ہمت ہستیاں (انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرامؒ) اس طبعی رجحان کو ترک کر کے محبت کی راہ میں ترقی کریں جب ان کے نفوس اس تصفیہ کا پوری طرح حق ادا کر لیتے ہیں اس میلان طبعی سے وہ پاک ہو جاتے ہیں) تو ارواح پھر اپنی اصلی اور اولیٰ محبت کے تحت اپنے ہم جنسوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مخلوق کی طرف دوبارہ بھیجتا ہے تو اس وقت یہ مخالطت اور میل جول پاک اور مصفا ہوتا ہے اور وہ پاکیزہ نفوس روحانی انوار سے مجلی اور منور ہو جاتے ہیں اور اس دم اس کامل محبت کا جذبہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات خدا کے بندوں سے محبت کرتے ہیں اور خدا کے دوسرے بندے ان سے محبت کرتے ہیں' اس طرح الفت و محبت ایسے شخص کے نزدیک تمام امور میں سب سے اہم بن جاتی ہیں' اور جو لوگ عزلت کی مذمت کرتے ہیں اور اس پر دلیل لاتے ہیں انہوں نے صحبت و عزلت کی حقیقت سے وقوف حاصل نہیں کیا ہے' حالانکہ جس طرح عزلت مناسب وقت پر پسندیدہ ہے اسی طرح صحبت بھی اپنے مناسب موقع پر پسندیدہ ہے' جیسا کہ جناب محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

لَيْسَ بحكيم مَنْ لَم يَعاشرُ بالمعروف مَنْ لاَ يجد في معَاشرتِهِ بداً حَتّٰى يجعَل اللّٰه لَهُ مِنْهُ فرجًا ○

"وہ شخص دانشمند نہیں ہے کہ جو کسی ایسے شخص سے نباہ نہ کرے جس کے ساتھ معاشرت ضروری ہو' تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کی اس شخص سے علیحدگی کی کوئی صورت نہ نکالے۔"

شیخ بشر بن حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جب بندۂ حق خدا کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے ہمدرد دوست کو چھین لیتا ہے' پس اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے واسطے' ان کو فوری ثواب پہنچانے کے لئے' مخلص دوست مہیا فرما دیتا ہے' وہ ہمدرد و انیس کبھی تو اس کو اس طرح فیض پہنچاتا ہے جیسے شیخ فیض پہنچاتا ہے اور کبھی وہ مریدوں کی طرح اس سے مستفید ہوتا ہے۔ پس ایک صحیح خلوت نشین کو بغیر انیس کے نہیں چھوڑا جاتا ہے' اگر خلوت گزیں سے اپنے کام میں کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس کا ہمدرد بنا کر بھیجتا ہے جو اس کے حال کی تکمیل کراتا ہے اور اگر اس

کے حال میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے کسی مرید کو اس کا انیس بنا دیتا ہے یہ وہ انس ہے جس پر عمومیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ یہ انس اللہ تعالیٰ کی جانب سے' اللہ کے لئے اور اللہ کے کام میں ہوتا ہے۔ (وَهٰذا الانس لَيس فِيهِ ميل بالوصف الاعَمْ بَل هُوَ بِاللّٰهِ وَمِنَ اللّٰهِ وَفى اللّٰه)۔

خداوند تعالیٰ کی رضا کے لئے باہمی محبت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ لوگ جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں' قیامت میں ان کا مقام یاقوت سرخ کے ستونوں پر ہو گا' ان ستونوں کے سروں پر ستر ہزار بالا خانے ہوں گے' وہ ان بالا خانوں سے اہل بہشت کو جھانکیں گے اور ان کا حسن و جمال اہل بہشت پر اس طرح چمکے گا جس طرح اہل دنیا پر سورج چمکتا ہے' ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر جنت والے کہیں گے ہم کو ان لوگوں کے پاس لے چلو تاکہ ہم ایسے لوگوں کو دیکھ سکیں جو محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔"

شیخ ابو ادریس الخولانی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا "میں آپ سے محض اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں" انہوں نے جواب میں فرمایا تم کو خوشخبری اور بشارت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حضور نے فرمایا:

تنصَبُ مِنَ الناسِ كراسى حول العرش يَوْمَ القيامَة وجوهم كالقمر ليلة البدرِ' يفزعون الناس وَلا يفزعون' ويخاف الناس وَلا يَخافون وهم اولياء اللّٰه الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلِيْهم وَلا هُم يحزنون ○

"کچھ حضرات کے لئے قیامت کے روز عرش کے اردگرد کرسیاں رکھی جائیں گی' ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے' اس وقت لوگ پریشان ہوں گے لیکن وہ پریشان نہیں ہوں گے' یہ اولیاء اللہ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہو گا نہ ڈر ہو گا۔"

لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المتحابون فى اللّٰه عَزَّوَجَلَّ ○

"یہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خداوند بزرگ و برتر فرماتا ہے میری محبت کے وہ لوگ مستحق ہو گئے جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' میرے ہی لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے ہی لئے ایک دوسرے پر اپنا مال صرف کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔"

ہمارے شیخ ابو الفتح محمد بن عبدالباقی باسناد حضرت سعید بن المسیب سے راویت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو بہت زیادہ نمازیں پڑھنے اور صدقہ دینے سے بہتر ہے۔"
انہوں نے عرض کیا کہ حضور وہ کیا ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ عمل دو شخصوں کے درمیان صلح کرانا ہے، تم بغض اور عداوت سے الگ رہو کیونکہ یہ دین کو خراب کرتا ہے۔"
حضرت ابو مسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے جس میں بغض و عداوت پر وعید آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ "کوئی خلوت گزیں لوگوں سے نفرت اور بدگمانی کے باعث کنارہ کش نہ ہو جائے، کیونکہ یہ سخت غلطی ہو گی، مگر جو شخص اپنے نفس اور اس کی آفات سے بچنے کے لئے اور مخلوق کو اپنی برائی سے محفوظ رکھنے کے لئے گوشہ نشینی اختیار کر لے تو ایسا شخص اس وعید کے تحت نہیں آتا۔" اس ارشاد میں "حالقہ" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی بغض دین کو خراب کرنے والا ہے یعنی "ان البغض حالقه لدین" کیونکہ ایسا شخص مومن بندوں اور دوسرے مسلمانوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایسا کرنا دین کو خراب کرنے والا ہے۔
ہمارے شیخ ابو الفتحؒ نے باسناد حضرت خالد بن معدانؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، وہ فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جس کا نصف حصہ آگ کا اور باقی نصف برف کا ہے اور یہ دعا کرتا ہے کہ الٰہی! جس طرح تو نے میرے اندر برف اور آگ کو ملا دیا ہے کہ برف آگ کو بجھا نہیں سکتی اور آگ برف کو پگھلا نہیں سکتی، اسی طرح اپنے نیک بندوں میں الفت فرما دے۔

نیک بندوں کا اعلیٰ مقام

نیک بندوں کے دلوں میں باہمی الفت اور محبت یقینی طور پر پیدا ہو گی جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حال کے مبارک ترین لمحات میں ان کو قاب قوسین کے معزز ترین مقام پر پایا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ایک ایسا وقت تھا کہ وہاں کسی چیز کی گنجائش نہیں تھی۔ (كيف لا تتالف قلوب الصالحين وقَدْ وَجَدَهُمْ رسول الله صلى الله عليه وسلم فى وقت العزيز بقاب قوسين فى وقت لا يَعَهُ فيه شى ء للطف الحال الصالحين وَجَدَهم ذٰلِكَ المقام العزيز وَقال السلاَم عَلَيْنَا وَ عَبَادالله الصَالِحِيْنَ ○) تاہم یہ نیک بندے اپنی لطافت حال کے باعث وہاں موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا "ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر۔" پس یہ نیک بندے خواہ جسمانی طور پر منتشر اور متفرق ہوں لیکن روحانی طور پر مجتمع ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے قرین وہم صحبت ہونا لازمی ہے اور دنیا و آخرت کے تواصل میں ان کے مساعی یقینی ہیں (یہ ان مساعی کو ترک نہیں کر سکتے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے "خواہ کوئی شخص دن میں روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھے، صدقات دے، خیرات کرے اور جہاد میں مشغول ہو مگر اللہ کے لئے نہ کسی سے محبت کرتا ہو اور نہ اللہ کے لئے اس کی کسی سے دشمنی ہو تو ایسے شخص کے ان کاموں (روزہ، عبادات، صدقہ و خیرات اور جہاد) کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔
شیخ ابوبکر التنمستانیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ کے ساتھ رہو۔ اگر تمہارے اندر اس کی طاقت نہیں ہے تو ان لوگوں کی صحبت میں رہو جو اللہ کے ہم صحبت ہیں تاکہ ان کی صحبت کی برکت تمہیں اللہ کی صحبت میں پہنچا دے" (باسناد) ہمارے شیخ ضیاء

الدین ابو النجیب رحمتہ اللہ علیہ باسناد شیخ علی بن سہلؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ تم مخلوق سے الگ رہو۔" (الانس باللّٰہِ تعالٰی ان توحش من الخلق) مگر اولیاء اللہ سے الگ تھلگ نہ رہو۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ سے محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

ایک شاعر نے صحبت و خلوت کا مفہوم اور فوائد و نقصانات کو اس طرح نظم کیا ہے:

وحدة الانسَان خَيْرٌ — من جليس السوء عندهٗ
اکیلا ہی انسان رہے، ہے یہ بہتر — کہ بد خواہ ہو اک قرین اس کے بیٹھا
وَجَلِيْسُ الخَير، خيرٌ — من قعود المَرْءِ وَحدَهٗ
جو ساتھی ہو بہتر نہیں پھر مناسب — کہ انسان بیٹھا رہے بس اکیلا

(ترجمہ منظوم از مترجم)

باب: 54

اللہ تعالیٰ کیلئے صحبت و محبت کے حقوق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو)
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (اور وہ ایک دوسرے کو حق کہنے اور رحم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام (رضی اللہ عنہم) کی تعریف اس طرح فرمائی۔
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ○ (وہ کافروں پر سخت ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرتے ہیں۔)

حقوق صحبت کے آداب:

ان تمام مذکورہ بالا آیات میں بندوں کو حقوق صحبت کے آداب سے آگاہ کیا گیا ہے' پس جو کوئی صحبت اختیار کرے یا کسی سے بھائی چارہ قائم کرے اس کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفس اور دوست کے ساتھ (دونوں مل کر) اللہ تعالیٰ کے حضور میں نیاز مندی اور تفرع و زاری کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت میں برکت عطا فرمائے اس طرح اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت کا دروزاہ وا فرما دے گا یا جہنم کا دروازہ کھول دے گا' اگر ان دونوں کی صحبت میں خیروبرکت ہے تو یہ بہشت کے دروازے کا وا ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ○

"اس دن پرہیز گاروں کے سوا' ہر ایک دوسرے کا عدو ہو گا۔"

قیامت میں جب ایک (روحانی) بھائی سے کہا جائے گا کہ "تم بہشت میں داخل ہو جاؤ۔" تو وہ اس وقت اپنے (روحانی) بھائی کی منزل کے بارے میں دریافت کرے گا (کہ میرا بھائی کہاں ہے) اگر اس کو اس سے کم درجہ دیا گیا ہے تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو گا جب تک اس کے بھائی کو بھی اس کا برابر کا درجہ نہیں مل جائے گا افان کان دونه لم یدخل الجنة حتی یعطی اخوه مثل منزله اور اگر جواب میں اس سے کہا جائے گا' کہ اس کے اعمال تو تیرے اعمال کے مانند نہیں ہیں' تو یہ کہے گا کہ میں تو یہ اعمال اپنے اور اپنے اس بھائی کے لئے کرتا تھا پس اس کو وہ سب کچھ عطا کر دیا جائے گا جس کا وہ اپنے بھائی کے لئے سوالی تھا اور اس کے بھائی کو بھی اس کے برابر کا درجہ عطا کر دیا جائے گا اور اگر ان کی صحبت شروفساد پر مبنی تھی' تو ان کے لئے دوزخ کا دروازہ کھولا جائے گا' چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَالَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً يَاوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلاً ○

"اور اس دن ظالم دانتوں سے اپنے ہاتھ کو کاٹ کاٹ لے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کے راستہ کو اپنایا ہوتا! کاش میں نے فلاں (شخص) کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔"

اگرچہ مندرجہ بالا آیت کی شان نزول ایک اور مشہور واقعہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو اس امر سے آگاہ کیا ہے کہ وہ ایسے دوستوں کی صحبت سے بچیں جو ان کے اللہ کے راستے سے ہٹا دینے اور دور کر دینے والے ہیں، بغیر تفحص حال اور نیت (خیر) کے یکبارگی کسی کو دوست بنا لینا اور اس کی صحبت اختیار کرنا ایسے جاہل اور نادانوں کا کام ہے جو معاشرتی معاملات کے مقاصد اور ان کے نفع و نقصان سے واقف نہیں ہوتے، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ "انسان کو انسان ہی خراب کرتا اور بگاڑتا ہے۔"

صحبت کے اثرات:

صحبت سے نیک و بد اثرات مرتب ہوتے ہیں یعنی صحبت سے بگڑنے کا بھی اندیشہ ہے اور سنورنے کا بھی! جب ایسی صورت ہے تو لازم ہے کہ ابتدا ہی سے احتیاط کی جائے اور اس کے لئے دوست کا صحیح انتخاب کر کے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی جائے تاکہ صحیح دوست کا انتخاب ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس دوستی میں خیروبرکت طلب کی جائے اور نماز استخارہ بھی پڑھی جائے۔ (تاکہ انتخاب دوست میں تائید غیبی بھی حاصل ہو جائے)۔

دوستی اور ہم نشینی بھی ایک عمل ہے:

صحبت اور اخوت بھی ایک قسم کا عمل ہے اس لئے ہر عمل کی طرح اس کے لئے بھی حسن نیت اور اچھے انجام کی آرزو کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ (یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا اختصار ہم پیش کر رہے ہیں) کہ:

"قیامت کے دن سات افراد ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سائے کے نیچے ہوں گے، ان میں سے دو افراد وہ ہیں جو محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے رہے ہیں اور اسی حالت میں ان کو موت آگئی ہے۔ [1]

---

(1) متن میں حدیث شریف کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ اخوت و صحبت میں حسن خاتمہ بھی شرط ہے (انجام خیر بھی شرط ہے) تاکہ اس صورت میں ان دونوں کے لئے مواخاۃ کا ثواب لکھ دیا جائے اور جب باہمی حقوق کے ضائع کرنے سے اس بھائی چارے میں پھوٹ اور فساد پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بنیاد ہی بگاڑ پر رکھی گئی تھی۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر دو آدمی کسی نیک کام کو مل کر کریں تو شیطان اس پر اس قدر حسد نہیں کرتا جتنا وہ ان دو آدمیوں پر کرتا ہے جو روحانی بھائی بن کر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' شیطان اور اس کے گرگے اس بات کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اس مواخات اور اتحاد میں بگاڑ پیدا کر دیا جائے۔

شیخ فضیلؒ فرماتے ہیں کہ "غیبت کا وقوع اخوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ روحانی اخوت "مواجہہ" کا نام ہے (اور غیبت میں یہ مفقود ہوتا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اخوانا علی سرور متقابلین "وہ بھائی بھائی آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔" لیکن اگر اس صورت میں جب ایک کو دوسرے کی کوئی بات بری لگے اور اس کا ازالہ کر کے اس کا ازالہ نہ کیا جائے تو یہ مواجہہ نہیں ہو گا بلکہ یہ غیاب اور روگردانی ہو گی۔

سید الطائفہ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دو شخص محض اللہ کے لئے بھائی بھائی بن جائیں اور پھر ان سے کوئی ایک دوسرے سے وحشت و نفرت کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ضرور کسی نہ کسی فرد میں خامی ہے۔ یہ مواخات فی اللہ آب شیریں سے زیادہ خوشگوار اور پاکیزہ ہے اور جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے (اس میں شائبہ نفس نہیں ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ خود صفا پیدا فرما دیتا ہے اور جس کام میں صفا ہو اس کو دوام حاصل ہوتا ہے اور اس صفائے دوام کی اصل یہ ہے کہ آپس میں مخالف نہ ہو' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تمار اخاك ولا تمارخه ولا تعده موعدا فتخلفه

"تم اپنے بھائی سے جھگڑا کرو نہ دل لگی کرو! اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو!"

شیخ ابو سعید الخرازؒ فرماتے ہیں کہ میں پچاس سال تک صوفیہ کرام کی صحبت میں رہا لیکن اس طویل مدت میں میرے اور ان کے درمیان کبھی اختلاف پیدا نہیں ہوا' لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت یہ کس طرح ممکن ہوا' انہوں نے فرمایا کہ میں ان کی صحبت میں ہمیشہ اپنے نفس پر غالب رہا (نفس کا مغلوب نہیں بنا۔)

مخلوق کے ساتھ صحبت کی شرط:

شیخ ابو عمرؒ والد مشقی الرازیؒ سے ابو عبداللہ بن الجلاءؒ کا یہ قول منقول ہے کہ ان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ میں مخلوق کی صحبت میں شرط پر رہوں (شرائط صحبت کیا ہیں؟) تو انہوں نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو ان کو تکلیف بھی نہ پہنچاؤ اگر تم انہیں خوش نہیں کر سکتے تو ان کو رنج نہ پہنچاؤ (برائی بھی نہ کرو) شیخ ابو عمروؒ دمشقی نے مزید فرمایا "تم

اپنے بھائی کی محبت اور دوستی سے فائدہ اٹھا کر اس کی حق تلفی مت کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق مقرر فرمادیئے ہیں پس جو ان حقوق کو تلف کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کرتا ہے۔

منجملہ دوسرے حقوق صحبت کے ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر کسی دوست سے قطع تعلق ہو جائے تو بعد میں بھی وہ اپنے اس بھائی کا ذکر "خیر" سے کرے' کہتے ہیں کہ ایک بزرگ کو اپنی بیوی کی ناگوار باتوں کا علم تھا لیکن جب ان سے دوسرے لوگ اس کے بارے میں دریافت کرتے تو وہ کہتے "مرد کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے بارے میں اچھی بات ہی کہے۔" کچھ عرصہ کے بعد ان بزرگ نے اس کو طلاق دے دی' طلاق دے دینے کے بعد لوگوں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "جس سے اب میرا کوئی تعلق ہی نہیں رہا اب میں اس کے بارے میں کیا ذکر کروں۔" یہ درحقیقت اخلاق خداوندی کی پیروی اور اتباع ہے کہ اللہ تعالیٰ عمدہ اور پاکیزہ باتوں کو ظاہر فرماتا ہے اور قبیح و ناپسندیدہ باتوں کو چھپاتا ہے۔

قطع محبت کے بعد کیا کرنا چاہئے:

اس معاملے میں اختلاف پایا جاتا ہے (ارباب تصوف و ارباب حال اس مسئلہ پر متحد نہیں ہیں) کہ اگر کسی سے قطع تعلق ہو جائے تو کیا اس سے بغض رکھنا چاہئے! حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرا دوست اپنی سابقہ حالت پر نہ رہے تو میں پھر اس سے جس طرح محبت رکھتا تھا اسی طرح بغض رکھوں گا۔" (اذا نقلب عما کان علیه النبغضه من حیث احببته)

ایک دوسرے بزرگ اس کے برعکس فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی دوست کی صحبت میں رہنے کے بعد اس سے بغض نہیں رکھنا چاہئے البتہ اس کے عمل سے نفرت کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○

"اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تمہارے کاموں سے بیزار ہوں۔"

مندرجہ بالا آیت میں "کاموں سے بیزاری" کے اظہار کے لئے فرمایا گیا' ان کی ذات سے بیزاری کے لئے نہیں فرمایا گیا۔

بزرگوں کا عمل:

کہتے ہیں کہ ایک نوجوان حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا' حضرت ابوالدردا دوسرے لوگوں پر اس نوجوان کو ترجیح دیتے تھے اتفاق سے وہی نوجوان کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو گیا اور حضرت ابوالدردا تک یہ خبر پہنچ گئی اور لوگ آپ سے کہنے لگے کہ کاش آپ نے اس کو چھوڑ دیا ہوتا۔ حضرت ابوالدردا نے فرمایا ایسی باتوں پر دوست کو چھوڑا نہیں جاتا' کہا گیا ہے کہ دوستی ایسا رشتہ ہے جیسا نسب کا رشتہ! ایک دانشمند سے کسی نے پوچھا تمہیں ان دو میں سے کون پسند ہے' اپنا

بھائی یا دوست؟ انہوں نے جواب دیا اگر میرا بھائی میرا دوست بن جائے تو یہ بات مجھے بہت پسند ہو گی' آراء کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب دونوں (ظاہری اور باطنی) صورتوں میں جدائی ہو جائے لیکن جب صرف ظاہری مفارقت واقع ہو اور باطنی موافقت باقی رہے تو اس سلسلہ میں تفصیل کے بغیر کسی کا اطلاق اور کلی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ تبدیلی ایسی صورت میں نمودار ہوتی ہے جب وہ اللہ کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں اور ان کی سابقہ برائی ان میں عود کر آتی ہے۔ لہذا ایسے لوگوں سے بغض رکھنا واجبی ہے اور کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جن سے اتفاقیہ کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے یا غفلت اور کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے لیکن اصلاح کی توقع ان سے رکھی جا سکتی ہے ایسے لوگوں سے بغض نہیں رکھنا چاہئے لیکن اس وقت ان کے عمل سے نفرت کا اظہار ضرور کرنا چاہئے مگر ان کی ذات سے نفرت نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان کو محبت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور ان کی کشادگی اور درستی باطن کی طرف لوٹ آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

لمَا شتم القوم الرَّجل الَّذِی اتی بفاحشة قال مه وزجرهم بقوله وَلا تَكُوْنُوْا عَوتًا الشَّيْطَان عَلٰى اَخبكُمْ ○

"جب کچھ افراد نے اس شخص سے بدکلامی کی اور اس کو برا کہنا شروع کیا جس سے کوئی فحش بات سرزد ہوئی تھی تو حضور ﷺ نے ان لوگوں کو خاموش کرتے ہوئے تنبیہہ فرمائی کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔"

شیخ ابراہیم النخعیؒ فرماتے ہیں کہ "اپنے بھائی سے گناہ سرزد ہو جانے کے باعث ترک تعلق نہ کرو' آج اگر اس نے یہ گناہ کیا ہے تو کل وہ اسے ترک کر دے گا۔" حدیث شریف میں آیا ہے:

اِتقوازِلَّةَ العَالم وَلَا تَقْطَعُو وَانتَظر و تَوْبَةُ

"عالم کی لغزش سے بچو (ناپسندیدگی کا اظہار کرو) لیکن اس لغزش کے باعث اس کو نہ چھوڑو اس کی توبہ کا انتظار کرو!

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روحانی بھائی بنایا تھا' جب آپ ملک شام کے سفر پر جانے لگے تو آپ نے ایک شخص سے جو اس کے پاس سے آیا تھا اس کے بارے میں پوچھا کہ میرے بھائی کا کیا حال ہے (کیا رویہ ہے؟) اس شخص نے کہا کہ وہ تو شیطان کا بھائی بن گیا ہے' آپ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ۔ اس شخص نے کہا کہ جناب! وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا ہے یہاں تک کہ شراب بھی پیتا ہے' آپ نے اس شخص سے کہا کہ جب تم واپس جانے لگو تو مجھے اطلاع دینا (مجھ سے مل کر جانا) اس کے بعد آپ نے اس دوست کو لکھا:

حٰمٓ، تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ○ (پارہ:

24، سورۂ مومن)

"یہ قرآن حکیم عزت والے، جاننے والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے جو گناہوں کو معاف کرتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے مگر سخت سزا بھی دینے والا ہے۔"

ان آیات کو لکھنے کے بعد آپ نے اس کو بہت ملامت کی، جب اس دوست نے وہ خط پڑھا تو بہت رویا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچا ہے اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ نصیحت فرمائی ہے وہ درست ہے، اس کے بعد اس نے اپنی خطاؤں سے توبہ کی اور گناہوں کو ترک کر دیا۔

روایت ہے کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دائیں بائیں منہ پھیرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کا سبب دریافت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "حضورؐ! میں نے فلاں شخص کو اپنا روحانی بھائی بنایا ہے مجھے اس کی تلاش ہے اسی کو میں دیکھ رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے عبداللہؓ جب تم کسی کو اپنا بھائی بناؤ تو اس وقت اس کا اور اس کے باپ کا نام اور پتہ دریافت کر لیا کرو! اور اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کو جاؤ اور اگر وہ کام مشغول ہو تو اس کی مدد کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جو شخص میری مجلس میں تین بار بغیر ضرورت کے آتا جاتا ہے (ایک مجلس میں ۳ بار مجلس سے باہر جاتا اور پھر آتا ہے) تو مجھے دنیا میں اس کی مکافات کا پتہ چل جاتا ہے۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے ہم نشین کے مجھ پر تین حقوق ہیں اور وہ یہ کہ اول جب وہ میرے قریب (میرے پاس) آئے تو میں اس کا خیر مقدم کروں، دوم جب وہ بات کرے تو میں اس کی طرف متوجہ رہوں، سوم جب وہ بیٹھے تو میں اس کو گنجائش والی اور کھلی جگہ پر بٹھاؤں۔"

محبت فی اللہ کی علامت:

اللہ تعالیٰ کے لئے جو محبت کی جاتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں اغراض دنیوی اور احسان کا شائبہ تک نہ پایا جائے اس لئے کہ جو محبت کسی غرض سے کی جاتی ہے وہ غرض پوری ہونے کے بعد زوال پذیر ہو جاتی ہے اور جس دوستی میں غرض کا شائبہ نہیں ہوتا وہ استوار و پائیدار ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے کی جانے والی محبت کی ایک نشانی یہ ہے کہ محب تمام دنیاوی چیزوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے روحانی بھائی پر قربان کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] ہے:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ○

---

(1) یہ آیت کریمہ انصار کے ایثار پر نازل ہوئی تھی جو مدینہ منورہ میں انہوں نے مہاجرین کے ساتھ کیا۔ تاریخ اسلام میں تفصیل سے یہ واقعات درج ہیں۔

"وہ (انصار) لوگ مہاجروں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے اس سے وہ اپنے سینوں میں کدورت نہیں پاتے! اور اپنے اوپر ایثار کرتے ہیں خواہ خود ہی محتاج اور مفلس ہوں۔"

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے لا یحدون فی صدورھم حاجة مما اوتو مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر ان کے مال کے باعث حسد نہیں کرتے اور یہ دو اصاف دین و دنیا کی کسی چیز پر (حسد نہ کرنا اور ایثار کرنا) ایسے اوصاف ہیں جن سے محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

المرء علی دین خلیله ولا خیر لك فی صحبة من لا یری لك مثل مایری لنفسه O

"انسان اپنے دوست کے مذہب ہی کی پیروی کرتا ہے مگر تمہارے لئے اس دوست کی صحبت میں خیر اور بھلائی نہیں ہے تم کو ویسا ہی نہ دیکھے جیسے وہ اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔"

شیخ ابو المعاویہ الاسودؒ فرماتے ہیں میرے تمام بھائی تمام باتوں میں مجھ سے بہتر ہیں' کسی شخص نے کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے! انہوں نے فرمایا "ان میں سے ہر ایک مجھے اپنی ذات سے افضل و بہتر سمجھتا ہے اور جو مجھے اپنی ذات پر فضیلت دیتا ہے وہ مجھ سے بہتر ہی تو ہوا۔" کسی شاعر نے اسی مضمون کو نظم کیا ہے:

تذلل لمن ان تذللت له یری ذلك للفضل لا للبله
کرو تم تواضع اسی کی جو بے شک تمہاری تواضع کو جانے بڑائی

وجانب صداقه من لم یزل علی الاصدقاء [1] یری الفضل له
کنارہ کرو دوستی سے تم اس کی کرے کبرو نخوت کہ ہے یہ برائی

(1) جو تمہاری تواضع کو تمہاری حماقت پر محمول نہ کرے تم اس کی تواضع کرو اور اس سے دوستی نہ کرو جو بجائے تواضع کے دوستوں پر اپنی بڑائی جتائے۔

باب: 55

صحبت واخوت کے آداب

شیخ ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ سے جب فقراء اور درویشوں کے آداب صحبت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا آداب صحبت یہ ہیں:

حفظ حرمات المشائخ و حسن العشرة مع الاخوان والنصيحة الاصاغر وترك صحبة من ليس في طبقتهم وملازمة الايثار و مجانبه الادخار والمعاونة في امر الدين والدنيا O

"(1) مشائخ کی حرمت و عزت کا تحفظ (2) روحانی بھائیوں کے ساتھ حسن معاشرت (3) اپنے سے چھوٹوں کی نصیحت (4) ان لوگوں کی صحبت میں نہ رہنا جو فقراء کے طبقے سے نہیں ہیں۔ (5) ایثار کو اختیار کرنا (6) ذخیرہ اندوزی سے گریز کرنا (7) امور دینی و دنیوی میں دوسروں سے تعاون کرنا

فقراء کے آداب صحبت میں مذکورہ بالا آداب کے علاوہ یہ بھی داخل ہیں کہ اپنے ہم مشرب بھائیوں کی لغزشوں سے درگزر کی جائے اور ان باتوں میں ان کو نصیحت کی جائے جن میں نصیحت کی ضرورت ہے' اپنے ساتھی اور ہم صحبت کے عیب کی دوسروں سے پردہ پوشی کی جائے لیکن اپنے رفیق کو اس کے عیوب سے مطلع کیا جائے۔

دوسروں کو ان کے عیوب پر آگاہ کرنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنا رحم فرمائے (لطف و کرم سے نوازے) جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے۔" اس بات میں اس شخص کے لئے بڑی بھلائی ہے جو دوسرے کو اس عیوب سے آگاہ کرتا ہے' شیخ جعفر بن برقان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ میمون بن مہران ؒ نے فرمایا:

"میرے سامنے صرف وہ باتیں کہو جن کو میں ناپسند کرتا ہوں' اس لئے کہ انسان اس وقت تک اپنے بھائی کا خیر خواہ اور ناصح نہیں بن سکتا جب تک ناصح اس کے روبرو وہ باتیں نہ کہے جو اس کو ناپسند ہوں۔"

جو صداقت پسند ہے وہ ہمیشہ صادق القول انسان کو پسند کرتا ہے اور کاذب نصیحت کرنے والے کو کبھی پسند نہیں کرتا (کہ وہ اس کو اس کے کذب پر نصیحت کرے گا) اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے ولکن لا تحبون الناصحين "اور تم ناصحوں کو پسند

نہیں کرتے ہو۔" یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ "نصیحت وہ ہے جو پوشیدہ ہو۔"

آداب صوفیہ میں یہ بھی ہے کہ اپنے بھائیوں (برادران طریقت) کی خدمت میں مشغول رہے اور ان کی طرف سے جو تکالیف پہنچیں ان کو برداشت کرے، اسی سے فقر کے جو کھلتے ہیں ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پرنالہ کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا جو حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بن عبدالمطلب کے گھر میں واقع تھا اور وہ صفاء و مروہ کے راستہ پر گرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ اس چیز کو اکھاڑنے حکم دے رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا اگر ایسا ہے تو یہ آپ ہی کے ہاتھ سے اپنی اصل جگہ پر دوبارہ لگا دیا جائے گا اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے کندھوں کے علاوہ آپ کی اور کوئی سیڑھی نہیں ہو گی (یعنی آپ میرے کندھوں پر چڑھ کر اس پرنالے کو اس کی جگہ پر دوبارہ نصب کر دیجئے) چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کندھوں پر چڑھے اور اس پرنالے کو اس کی جگہ پر لگا دیا۔

صوفیہؒ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خود کو کسی چیز کا خصوصی طور پر مالک قرار نہیں دیتے، شیخ ابراہیم بن شیبان کا ارشاد ہے: كُنَّا لَانصحب مَن يَّقول نَعلي یعنی ہم اس شخص کی صحبت میں نہیں بیٹھے جو یہ کہتا ہو کہ یہ میرا جوتا ہے (کسی قسم کا دعویٰ ملکیت کرتا ہو) شیخ رضی الدینؒ باسناد شیوخ، شیخ ابن بن قلانسیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں فرمایا کہ ایک بار میں شہر بصرہ میں چند درویشوں کی خدمت میں پہنچا انہوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور تعظیم و تکریم کی، ایک دن میرے منہ سے نکل گیا کہ میرا تہبند کہاں ہے؟ بس اسی وقت سے میں ان کی نظروں سے گر گیا (میری تعظیم و تکریم انہوں نے ختم کر دی۔)

شیخ ابراہیم بن ادہمؒ کا دستور تھا کہ جب کوئی ان کی صحبت میں بیٹھتا تو وہ یہ تین شرطیں رکھتے! اول یہ کہ درویشوں کی خدمت کرنا، دوم اذان دینا سوم دنیا کی جو چیزیں (فتوحات سے) ان کو حاصل ہوں ان کو اسی طرح خرچ کرنا جیسے وہ صرف کرتے ہیں، حاضر خدمت ہونے والوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ تیسری شرط پر مجھ سے عمل نہیں ہو سکتا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "تمہارا یہ سچ مجھے بہت پسند آیا۔" شیخ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ باغوں کی رکھوالی کیا کرتے تھے اور کھیتوں میں کام کرتے تھے (کھیت کاٹا کرتے تھے) اور یہاں سے جو کچھ مزدوری ملتی تھی اسے اپنے رفیقوں اور ساتھیوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

اسلاف کرام کا اخلاق اور آداب:

اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی اور وہ اپنے کسی رفیق اور ساتھی کی کسی چیز کا ضرورت مند ہوتا تو وہ اس کو بلا تاخیر استعمال کر لیتا تھا۔ (بغیر مشورت کے چیز برت لیتے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ان کے کام باہمی مشورت سے ہوتے ہیں (پارہ 25 سورہ شوریٰ) یعنی وہ تمام چیزوں میں اشتراک کرتے ہیں اور ہر چیز میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

قصور کا ذمہ دار اپنے نفس کو ٹھہرانا:

آداب فقراء میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی ایک ساتھی سے بار خاطر محسوس کرتے ہیں تو اس وقت وہ ساتھی کے بجائے خود کو مورد الزام قرار دیتے ہیں اور اس رنجش اور بار کو دل سے دور کرنے کی قرار واقعی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ایسی بات کا دل میں پیدا ہونا صحبت میں رخنہ اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ شیخ ابوبکر الکتانیؒ فرماتے ہیں' ایک شخص میرے پاس بیٹھنے اٹھنے لگا لیکن اس کی ہمنشینی میرے لئے بار خاطر تھی میں نے ایک دن جو کچھ اس وقت میرے پاس موجود تھا اس کو پیش کیا تاکہ وہ گرانی میرے دل سے دور ہو جائے لیکن اس عمل کے باوجود وہ گرانی باقی رہی چنانچہ میں نے اس سے تنہائی میں ایک دن کہا کہ تم اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ دو' اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو میں نے اس سے کہا کہ تم کو ایسا کرنا پڑے گا مجبوراً اس نے میرے چہرے کو پامال کیا اور اسی دم میرے دل سے اس کی طرف سے وہ گرانی جاتی رہی۔

شیخ رقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی محض تصدیق کے لئے میں نے شام سے حجاز تک کا سفر کیا۔

آداب صوفیہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل حق جس شخص کی فضیلت اور بلند مرتبہ سے واقف ہوتے ہیں اس کی تقدیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنی مجلس میں ان کے لئے جگہ کشادہ کرتے ہیں (کشادہ جگہ پر ان کو احترام سے بٹھاتے ہیں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک تنگ چبوترے پر تشریف فرما تھے اس اثنا میں شرکاء بدر میں سے کچھ حضرات آئے' چبوترے پر ان حضرات کے بٹھانے کے لئے جگہ نہیں تھی چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ان حضرات کو جو غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے چبوترے سے اٹھا دیا (اور ان حضرات کے لئے جگہ پیدا کر لی) اور ان حضرات کو ان کی جگہ پر بٹھا دیا' مگر ان لوگوں کو جو اٹھا دیئے گئے' یہ امر شاق گزرا پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا ...... الایہ

"جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ جاؤ

ایک بار علی بن بندارؒ صوفی' شیخ ابو عبداللہ بن خفیفؒ کے پاس آئے اور یہ دونوں حضرات کہیں جانے کے لئے تیار ہوئے تو شیخ علی بن بندار سے شیخ ابو عبداللہ نے فرمایا کہ "بسم اللہ! قدم بڑھایئے' انہوں نے کہا کہ یہ تقدم کس کے لئے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تم نے شیخ جنید سے ملاقات کی ہے اور مجھے یہ شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔

صوفیائے کرام اس شخص کی صحبت کو ترک کر دیتے تھے جو دنیا کے بیکار کاموں میں مشغول رہتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○

"تم اس سے روگردانی کرو جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا اور جس کا مقصد صرف دنیاوی زندگی ہے۔"

حضرات صوفیہؒ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ تو انصاف کرتے تھے لیکن خود اپنی ذات کے لئے کبھی طالب انصاف نہیں ہوتے تھے۔ شیخ ابو عثمان الحیریؒ فرماتے ہیں کہ "حق صحبت یہ ہے کہ تم اپنے مال سے اپنے بھائی پر خرچ کرو اور اس کے مال سے کچھ توقع نہ رکھو! اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھ تو انصاف کرو لیکن اس سے اپنے لئے طالب انصاف نہ ہو اور تم اس کے تابع بن جاؤ لیکن اس کو اپنا تابع بنانے کی آرزو نہ کرو' اس کے پاس سے جو کچھ تمہارے پاس آئے اس کو بہت سمجھو اور تم اس کے ساتھ جو سلوک کرو اس کو بہت کم اور حقیر سمجھو۔"

کسی پر رعب نہیں جمانا چاہئے:

آداب صوفیہؒ میں سے یہ بھی ہے کہ باہمی صحبت میں وہ نرمی کے پہلو کو اختیار کرتے ہیں اور اپنی صولت و شان یعنی اظہار نفس کے پہلو کو ترک کر دیتے ہیں' شیخ علی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ "اپنے سے بزرگ پر رعب جمانا ننگ اور بے شرمی ہے اور اپنے برابر والے کے ساتھ یہ طرز عمل سوئے ادب میں داخل ہے اور اپنے سے کم تر کے ساتھ ایسا کرنا عجز کا اظہار ہے۔

حضرات صوفیہؒ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ یہ حضرات اپنی گفتگو میں لو کان کذا' لم یکن کذا' ولیت کان کذا وعسی ان یکون کذا "اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہیں ہوتا' کاش کہ ایسا ہوتا یا غالباً ایسا ہو جائے' قسم کے جملے) استعمال نہیں کرتے تھے کیونکہ اس قسم کے الفاظ بزرگوں کے خیال میں قابل اعتراض سمجھے گئے ہیں' (یہ تمام کلمات یا اجزائے کلام وہ ہیں جو تمنا اور آرزو کے لئے استعمال ہوتے ہیں)

آداب صحبت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ جدائی کے مفارقت سے بچتے ہیں اور ملازمت و ہم نشینی اور ہم صحبت رہنے کے حریص رہتے ہیں' کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک بزرگ کی صحبت میں رہتا تھا کہ کچھ عرصہ بعد اس نے جدا ہونے کا ارادہ کیا اور ان بزرگ سے اجازت (رخصت) طلب کی تو انہوں نے کہا کہ اس شرط پر اجازت ہے کہ تم آئندہ اس شخص کی صحبت اختیار کرنا جو ہم سے بلند مرتبہ ہو بلکہ اس کے ساتھ بھی نہ رہو کیونکہ تم سب سے پہلے تو ہماری صحبت میں رہے ہو (پس اس کے ساتھ تمہاری صحبت پہلی صحبت نہ ہو گی) یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ "اب میں نے مفارقت کا ارادہ بدل دیا۔" (اب میرے دل سے مفارقت کی نیت زائل ہو گئی)

آداب صوفیہ میں یہ بھی ہے کہ اپنے چھوٹوں پر مہربانی کریں چنانچہ منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؒ بن ادھم کھیتوں میں کام کرتے تھے (کھیت گوڑتے اور کاٹتے تھے) اور جو کچھ مزدوری ملتی وہ اپنے رفقاء میں ان کے کھانے پر خرچ کر دیتے تھے اور چونکہ یہ سب روزے دار ہوتے تھے اس لئے رات کو اکٹھا ہو کر کھاتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ حضرت ابراہیم ادھم اپنے کام سے دیر میں واپس ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک رات ایسا ہی ہوا' ان کے غیاب میں دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ آؤ! ان کے بغیر ہم لوگ تو کھانا کھالیں' ہمارے اس عمل سے وہ آئندہ دیر سے آنا چھوڑ دیں گے۔ پس انہوں نے کھانا کھالیا اور سو

گئے۔ ان کے سونے کے بعد شیخ ابراہیم بن ادھم واپس لوٹ کر آئے تو ان سب کو سوتا ہوا پایا تو کہنے لگے' ہائے بیچارے! شاید ان کے پاس کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ پس انہوں نے تھوڑا سا آٹا گوندھا' اس اثنا میں وہ جاگ اٹھے' تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم ادھم آگ پھونک رہے ہیں اور ان کی داڑھی راکھ سے اٹی ہے' بیدار ہونے والے ساتھیوں نے کہا یہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ تم کو کھانے کے لئے کچھ نہیں مل سکا ہے اس لئے تم لوگ سو گئے ہو' ان ساتھیوں نے آپس میں کہا کہ ذرا غور کرو ہم نے کیا کیا اور کس بات پر عمل پیرا ہوئے انہوں نے کیا کیا۔ (ہم نے ان سے کیا سلوک کیا اور ان کا ہمارے ساتھ کیا سلوک ہے!)

یہ طریقہ بھی آداب صوفیہ سے تعلق رکھتا ہے کہ جب ان کو بلایا جاتا ہے تو وہ چون و چرا' کہاں کیوں اور کس لئے کہہ کر سوال نہیں کرتے۔ بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی اپنے ساتھی سے کہے کہ "ہمارے ساتھ چلو" اور ساتھی جواب میں کہے کہاں؟ تو ایسے ساتھی کی محبت ترک کر دو۔ اور ایک دوسرے کا قول ہے کہ اگر کوئی بھائی اپنے بھائی سے کہے کہ مجھے اپنے مال میں سے کچھ دے دو اور جواب میں کہے "کتنا یا کتنی رقم تو سمجھ لو یہ اس نے اخوت کا حق ادا نہیں کیا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

لایسالون اخاھم حین یندبھم للنائبات علی ماقال برھانا

مصیبت کے دم' جب بلاتے ہیں ان کو نہیں پوچھتے وہ کہ کیا ہے مصیبت

(شمس بریلوی)

اخوت میں تکلف پسندیدہ نہیں ہے:

صوفیائے کرامؒ اپنے روحانی بھائیوں کا تکلف پسند نہیں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ ابو حفصؒ کا وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو عراق میں پیش آیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابو حفص کے رفقاء اور مریدوں کو رنگارنگ (طرح طرح) کے کھانے کھلائے تو شیخ ابو حفصؒ کو یہ تکلف ناگوار گزرا اور انہوں نے فرمایا کہ میرے رفقا کو مخنثوں کی طرح بنایا جا رہا ہے کہ ان کے سامنے الوان نعمت پیش کئے جا رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک جوانمردی یہ ہے کہ تکلف کو ترک کر کے جو کچھ میسر ہو پیش کر دیا جائے کیونکہ تکلف کے باعث مہمان کو میزبان سے جدا ہونا پڑتا ہے اور اگر تکلف نہ ہو تو مہمان کے نزدیک مہمان کا رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہیں۔

تواضع اور تملق:

حضرات صوفیہؒ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو تواضع اور خاطر مدارات تو کرتے ہیں لیکن وہ تملق اور مداہنت نہیں کرتے' اکثر مدارات' مداہنت سے مشابہہ ہو جاتی ہے' مگر دونوں میں فرق ہے اور فرق یہ ہے کہ اس کی بعض ناگوار باتوں کو بھی برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن مداہنت میں یہ جذبہ مفقود ہوتا ہے اور اس کا مقصد صرف ظاہرداری اور جاہ و منصب کا حصول ہوتا

ہے (اسی جذبہ کے تحت تملق کیا جاتا ہے)

صاحبان معرفت، صحبت میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہیں (افراط و تفریط سے بچتے ہیں) وہ لوگوں سے نہ تو بالکل کشیدہ روا اور کنارہ کش رہتے ہیں اور نہ بالکل بے تکلف ہو جاتے اور گھل مل جاتے ہیں۔۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ لوگوں سے کشیدہ رہنا ان کی دشمنی کا باعث بن جاتا ہے اور ان کے ساتھ بے تکلف ہونا برے اور ناپسندیدہ لوگوں کی آمد کا باعث بن جاتا ہے (برے لوگ مجلس میں آنے لگتے ہیں اور ہم صحبت بن جاتے ہیں)

پردہ داری و عیب پوشی:

حضرات صوفیہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور ہم جلیسوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں، منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا علیہ السلام) نے اپنے حواریوں سے دریافت کیا کہ اگر تمہارا کوئی ساتھی سوتا ہو اور ہوا نے اس کے کپڑے کو کھول دیا (اس کا ستر کھل جائے) تو تم کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس کو چھپاتے اور ڈھک دیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تم اس کا عیب ظاہر کر دیتے ہو، حواریوں نے کہا سبحان اللہ ایسا کب ہوتا ہے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ اس طرح کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے بارے میں اس کی کوئی نامناسب بات سنتا ہے تو وہ اس کو خوب بڑھا چڑھا کر لوگوں میں پھیلاتا اور اس کی تشہیر کرتا ہے۔

بھائیوں کے لئے استغفار:

صوفیہ کرام کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے روحانی بھائیوں کے لئے ان کی عدم موجودگی میں استغفار کرتے ہیں اور اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مصیبتوں اور برائیوں کو دور فرما دے، کہتے ہیں کہ دو روحانی بھائی تھے ان میں سے ایک کسی نفسانی خواہش میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے دوسرے روحانی بھائی سے کہا کہ میں ایک نفسانی خواہش میں گرفتار ہو گیا ہوں تم اگر چاہو تو مجھ سے قطع تعلق کر سکتے ہو، اس کے بھائی نے کہا کہ میں تم سے تمہارے اس گناہ کے باعث رشتہ صحبت منقطع نہیں کروں گا، اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک میرے روحانی بھائی کی نفسانی خواہش اللہ تعالیٰ دور نہیں کر دے گا وہ اس وقت تک نہ کچھ کھائے گا نہ پئے گا پس اس نے چالیس روز اس حالت میں گزار دیئے اس اثنا میں جب وہ اپنے بھائی سے اس کی نفسانی خواہش کے بارے میں دریافت کرتا کہ دفع ہوئی یا نہیں تو وہ جواب دیتا کہ ابھی وہ خواہش باقی ہے آخر کار چالیس روز کے بعد اس کو نفسانی خواہش سے چھٹکارا مل گیا۔ اس کے بعد اس مخلص بھائی نے اپنا کھانا پینا شروع کیا۔

روحانی بھائی اپنی خاطر مدارات کے لئے مجبور نہیں کرتے:

حضرات صوفیہؒ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ساتھی کو خاطر مدارات کا محتاج اور خوگر نہیں بناتے ہیں اور نہ ان کو عذر خواہی پر مجبور کرتے ہیں اور نہ وہ اپنے ساتھی سے ایسا تکلف کرتے ہیں جو اس کو ناگوار گزرے بلکہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ایسی روش اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ان کا ساتھی ہے البتہ وہ اپنے ساتھی کے مقصد کو اپنی مراد اور اپنے مقصد پر مقدم رکھتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ:

"تمہارا بدترین دوست وہ ہے جو تم کو خاطر و مدارات کا محتاج بنادے (تم اس کے خوگر ہو جاؤ) یا تمہیں وہ معذرت پیش کرنے پر آمادہ کرے اور تم اس کے لئے تکلف سے کام لو۔"

حضرت جعفر الصادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر وہ دوست بہت بار ہے جو میرے لئے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اور میرے دل پر سب سے ہلکا وہ بھائی ہے جو میرے ساتھ اس طرح رہے گویا میں تنہا ہوں (اس کی صحبت مجھے محسوس نہ ہو۔)"

مختصر یہ کہ آداب صحبت اور حقوق اخوت بہت زیادہ ہیں اور اس سلسلہ میں بے شمار حکایتیں ہیں جن کا یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث ہے، ہم نے شیخ ابو طالب مکی کی کتاب (قوت القلوب) میں اس سلسلہ کی بہت سی حکایات کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے اپنی کتاب میں اس موضوع کے تحت تمام اچھی اور عمدہ باتیں پیش کر دی ہیں، ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کا بندہ بن جائے اور اس کے لئے وقف ہو جائے اور جو کچھ وہ چاہے اپنے رب اور مولیٰ کے لئے چاہے اپنے نفس کے لئے نہ چاہے اور جب وہ کسی کی صحبت اختیار کرے تو یہ مصاحبت بھی اللہ کے لئے ہو اور جب وہ صحبت اختیار کرے تو اس سلسلہ میں بھی وہ ایسے کام کرے کہ ان کے باعث اللہ تعالیٰ سے اس کی قربت میں اضافہ ہو، کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسا علم عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نفس، اس کے عیوب، مکارم اخلاق اور محاسن آداب کو جان لیتا ہے اور پھر وہ اپنی بصیرت اور فہم کے مطابق حقوق ادا کرتا ہے اور حقوق سے متعلق تمام امور کو سمجھ لیتا ہے اور اس سے ایسا کوئی امر چھوٹنے نہیں پاتا جو حقوق اللہ کی طرف اس کو رجوع کرنے والا ہو سکتا ہے اور حقوق العباد میں اس سے کوئی چیز ترک نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ میں اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی تک نفس کی خباثت کا شائبہ باقی ہے اور وہ اچھی طرح پاک و صاف نہیں ہوا ہے، ایسی صورت میں اگر وہ کسی کی صحبت بھی اختیار کرتا ہے تو اکثر افراط و تفریط کی بدولت وہ فرائض خداوندی اور حقوق العباد کی ادائیگی سے قاصر رہتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے، اس وقت نفس پر مواعظ اور آداب صوفیہ کی حکایات سننے کے بعد بھی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس وقت اس شخص کی مثال اس کنوئیں کی طرح ہوتی ہے کہ

اس کے اندر اوپر سے بہت سا پانی گرا دیا جائے اور وہ نہ وہاں ٹھہر سکے اور نہ اس سے کسی کو فائدہ پہنچ سکے' اگر اس شخص نے زہدو تقویٰ اختیار کیا ہے تو وہ ایسا کنواں بن جاتا ہے جس سے آب حیات ابل رہا ہے اور اب توفیق الٰہی سے اس کا نفس حقوق واجبی اور آداب ضروریہ کو ادا کر سکتا ہے۔

باب:56

معرفت نفس و مکاشفات صوفیہؒ

ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد شیوخ حضرت عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِن اَحد کم یجمع خَلْقَه فی بطن اُمِّهٖ اَربعین یومًا نُطْفهٗ ثم یکون علقه مثل ذلك ثُمَّ یکون مضغة مثل ذٰلِكَ ثُمَّ بیعَث اللّٰه تعالی اِلَیْهِ ملکًا باْربع کَلِمٰات فیکتبُ عمله وَاجَلهٗ ورزقهٗ وشقی اَم سعیدٌ ثمَّ ینفخ فیه الرُّرح وَاِنَّ الرَّجُلَ لیعمَل بعَمَلِ اهل النَّار حتی مایکون بینه وبینهٰا الْاَذرَاع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بِعَملِ اهل الجنَّةِ فیدخل الجنة وَاِنَّ الرَّجل حتی مایکون بینه و بینها الاذراغ فَیَسْبَقُ عَلَیْه الْکِتاب فَیَعْمَلُ ابعَمل اَهْلَ النَّارِ فَیَدْخُل النَّاره

"تم میں سے ہر ایک کی خلقت اس طرح ہوئی ہے کہ ۴۰ دن تک اپنی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی شکل میں وہ رہتا ہے' اس کے بعد اتنے ہی عرصہ میں وہ خون کی پھٹکی (علقہ) بنا رہتا ہے پھر اسی طرح وہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنتا ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ چار کلمات کے ساتھ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کا کام' اس موت' اس کا رزق اور اس کی بدبختی یا خوش بختی لکھ دیتا ہے' اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے' یہ عجیب بات ہے کہ بعض دفعہ آدمی دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ باقی رہتا ہے کہ یکایک نوشتہ تقدیر آگے بڑھتا ہے اور وہ محض جنتیوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے برخلاف ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک نوشتہ تقدیر آگے بڑھتا ہے اور وہ محض دوزخیوں جیسے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔"
(یہ حدیث "بخاری و مسلم" کی ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ۝

"ہم نے انسان کو مٹی کے سلامہ (چنی ہوئی مٹی) سے پیدا کیا پھر اس کو ایک محفوظ مستحکم مقام میں نطفہ کی صورت میں رکھا (ایک مقررہ

مدت کے لئے)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیدائش اور خلقت کے مختلف مدارج کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد کیا:

ثُمَّ اَنْشَانَاہُ خَلْقَ اٰخَرَہ "پھر ہم نے اس کو آخری درجہ خلقت کا دیا۔"

اس ارشاد کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد اس میں نفخ روح ہے۔

روح کیا ہے؟:

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ روح کے بارے میں کلام کرنا بہت مشکل اور صعب المرام ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارباب علم و بصیرت نے اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کی ہے' اللہ تعالیٰ نے بھی روح کو بہت اہم قرار دیا ہے اور یہ کہہ کر وَمَا او تیتم من العلم اِلاَّ قَلِیْلاً "اور تم کو اس کا بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے) مخلوق کی اس کے بارے میں کم علمی کی تصدیق کر دی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے کلام میں انبیاء آدم (علیہ السلام) کی تعظیم و تکریم سے خبردار کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ "ہم نے اولاد آدم عزت بخشی) ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو پیدا فرمایا تو ملائکہ نے حضور باری تعالیٰ میں عرض کیا "اے پروردگار تو نے ان کو کھانے' پینے اور نکاح کرنے کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا دنیا ان کو دے دے اور آخرت ہمارے لئے مخصوص فرما دے! اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا "مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم! میں اس ذات کی ذریت کو جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے ان کے برابر مرتبہ نہیں دوں گا جن کا میں نے کلمہ "کن" سے پیدا کیا ہے (اور وہ پیدا ہو گئے) لیکن انسان کی اس کرامت اور بزرگی کے باوجود اور فرشتوں پر فوقیت کے باوصف جب روح کی حقیقت سے آگہی کا معاملہ آیا تو یہی فرمایا کہ ان کو اس کا بہت علم دیا گیا ہے۔ بلکہ واضح طور پر فرما دیا گیا ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی... تاآخر آیت (وہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم کا اثر (نتیجہ) ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ہمیں روح کی حقیقت بتائیے! اور وہ روح جو جسم میں ہوتی ہے اس پر کس طرح عذاب ہوتا ہے جب کہ وہ خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہے چونکہ اس وقت تک روح کی حقیقت پر مشتمل کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے سرور کونین ﷺ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا پس جبرئیل علیہ السلام اس آیت مذکورہ کے ساتھ نازل ہوئے۔ پس اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے روح اور اس کی حقیقت کے بارے میں بحکم الٰہی خاموشی اختیار فرمائی جب کہ آپ کی ذات گرامی صدف علم اور منبع حکمت تھی' تو دوسروں کے لئے اس معاملے میں غور و خوض کرنا یا اس کی حقیقت کے بارے میں اشارہ کرنا کس طرح ممکن ہے۔ لیکن چونکہ نفوس بشری ان امور سے آگاہ ہونے کے مشتاق رہتے ہیں جو معقول باتیں اور چیزیں ہیں اور نفس کا یہ طبعی تقاضہ ہے کہ جہاں اس کو سکون اور ٹھہرنے کا حکم دیا جاتا ہے وہاں بھی اس طبعی تقاضے کے بدولت حرکت سے باز نہیں آتا روح کی حقیقت

دریافت کرنے کے سلسلہ میں اس کو روک دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ معلوم کرنا چاہتا ہے اور ہر اچھی بری چیز کی حقیقت اور کنہ معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے اور عنان نظر کو آزاد چھوڑ کر فکر کے میدان میں دوڑاتا ہے اور معرفت کی گہرائیوں میں غور و خوض کر کے روح کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے لئے میدانوں میں دوڑتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی عقل اور فکر خیالات کے صحرائے وسیع میں بھٹکنے لگیں اور روح کی حقیقت کے بارے میں نوع بہ نوع قیاس آرائیاں ہونے لگیں' یہی سبب ہے کہ ارباب عقول و نقول (علماء و مفکرین) کے درمیان جتنا اختلاف اس معاملہ میں ہے (یعنی روح کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں) اتنا اختلاف اور کسی مسئلہ میں نہیں ہے۔ بہتر تو یہی تھا کہ نفوس انسانی اپنی حد پر قائم رہتے ہوئے اس معاملہ میں عجز کا اعتراف کر لیتے' یہ ان کے لئے بہت ہی مناسب تھا (لیکن انسان نے ایسا نہیں کیا)

روح کے بارے میں مختلف لوگوں کے خیالات:

روح کے بارے ان لوگوں کے خیالات اور اقوال سے ہماری یہ کتاب منزہ اور پاک ہے جن کا تعلق الہامی مذاہب سے نہیں ہے (ہم نے صرف ان لوگوں کے اقوال پیش کئے ہیں جو کسی نہ کسی الہامی مذہب کے پیرو ہیں) ہم نے ان لوگوں کے اقوال اس لئے اپنی کتاب میں پیش نہیں کئے کہ وہ ان عقول کے نتائج فکر ہوتے جو راہ راست سے بھٹکی ہوئی ہیں اور ان کی طبائع فساد زدہ ہیں کیونکہ وہ پیغمبروں کی پیروی کی برکت سے نور ہدایت حاصل نہیں کر سکے ہیں اور ان کا حال باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہے۔

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا

ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اس لئے نہ وہ میرا ذکر کر سکتے ہیں اور نہ میرا ذکر سن سکتے ہیں۔

اور فرمایا:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ○

"وہ کفار کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو (اس سے) ہمارے دل غلاف کے اندر ہیں اور ہمارے کان (اس کے سننے سے) بہرے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔"

چونکہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام سے چھپے ہوئے ہیں اس لئے (ان کی باتیں) نہیں سن سکتے اور جب انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں تو وہ ہدایت یاب نہیں ہوئے اور وہ اپنی جہالتوں پر اصرار کرتے رہے جس کے نتیجے میں وہ معقول بات سے حجاب میں رہے' عقل اللہ تعالیٰ کی ایک حجت ہے جس کے ذریعہ وہ ایک قوم کو ہدایت سے بہرہ یاب کرتا ہے اور ایک قوم کو گمراہ کر دیتا ہے۔ پس ہم نے ایسے گمراہ افراد کے اقوال روح کے سلسلہ میں نقل نہیں کئے ہیں۔

پیروان شریعت کے اقوال:

ان حضرات نے جو شریعت کی اتباع کرنے والے ہیں یعنی الہامی مذاہب کے پیرو ہیں' انہوں نے روح کی حقیقت کے بارے میں اپنے افکار کا اظہار کیا ہے' ان لوگوں میں ایک گروہ وہ ہے جس نے استدلال اور غور و فکر کے بعد اس مسئلہ میں کلام کیا ہے دوسری جماعت وہ ہے کہ عقل و فکر اور استدلال کے بجائے اپنے ذوق و وجدان اور الہام سے اس کا علم حاصل کیا یعنی مشائخ کرام' ان حضرات نے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے ہرچند بہتر یہی تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع میں اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی جاتی۔

ارباب تصوف کے افکار و خیالات:

روح کے سلسلہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے' اس سلسلہ میں الفاظ کے ذریعہ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک موجود شے ہے۔

اب ہم صداقت پسند لوگوں کو اجمالاً مذکورہ بالا لوگوں کے اس سلسلہ میں جو اقوال ہیں ان سے آگاہ کرتے ہیں۔ تمام تعریفات یا روح کے سلسلہ میں جو اقوال پیش کئے جا رہے ہیں یہ کلام اللہ کی آیات کی تاویلات کا درجہ رکھتے ہیں (اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے) ہم ان آیات کی تفسیر پیش نہیں کر سکتے کہ وہ جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی تفسیر صرف منقول ہے۔ حیث حرم تفسیرہ وجوز تاویلہ اذ لایسع القول فی التفسیر الا نقل البتہ ان کی تاویل لوگوں نے بقدر عقل کی ہے (عقل نے اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی ہے) تاویل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آیت کے جو معنی ہیں وہ بیان کر دیئے جائیں' ان سے گریز نہ کیا جائے' اس اعتبار سے بہت سے اقوال اس سلسلہ میں مشہور ہیں۔

شیخ ابو عبداللہ النباجیؒ فرماتے ہیں کہ "روح ایک ایسا لطیف جسم ہے جو حس اور لمس سے بالاتر ہے (جس کو نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ حواس خمسہ ظاہری سے محسوس کیا جا سکتا ہے) اور اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجود ہے' اس قول میں روح کی حقیقت سے بحث نہیں کی گئی ہے صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک جسم ہے۔

شیخ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجساد و اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کیا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ (یعنی پہلے ہم نے ارواح کو پیدا کیا) ثم صورنکم اس کے بعد ہم نے تم کو صورتیں عطا کیں (یعنی اجسام کو پیدا کیا)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ روح ایک لطیف جوہر ہے؟ جو ایک کثیف شے میں قائم ہے جس طرح قوت بینائی ایک لطیف جوہر ہے لیکن وہ ایک کثیف شے (آنکھ) میں قائم ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ روح ایک تعبیر کی جانے والی حقیقت ہے (محض اس کو تعبیر کیا جا سکتا ہے) اور وہ اشیاء کے ساتھ قائم ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے۔

اس قول پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے' ہاں اگر اس کے معنی اسی شے کے لئے جائیں جو زندہ کرنے والی ہے تو اعتراض کچھ رفع ہو سکتا ہے لیکن اس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ "زندہ کرنے والا یا والی" تو اس کی صفت ہوئی اس کی حقیقت اور ماہیت تو نہیں ہوئی۔ جیسے تخلیق خالق کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل الروح من امر ربی "کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے یعنی اس کا ایک حکم ہے" اس ارشاد کے پیش نظر یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر خداوندی اس کا کلام ہے اور کلام الٰہی مخلوق نہیں ہے۔ کن حیا تم زندہ ہو جاؤ) کہہ دینے سے ہر زندہ دوامی طور پر زندہ بن جائے گا' پس اس قول کے مطابق روح کو جسم سے بھی تعبیر نہیں کیا جا سکتا (بلکہ وہ ایک حکم ہے)

مختصراً یہ کہ روح کی حقیقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' بعض اقوال پر غور و فکر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے قائل روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں (روح کو قدیم مانتے ہیں) اور بعض حضرات روح کے حادث ہونے کے قائل ہیں۔ اس روح کی حقیقت کے بارے میں بھی لوگ مختلف آرا اور خیالات رکھتے ہیں جس کے بارے میں یہودیوں نے سرکار رسالت مآب ﷺ سے دریافت کیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان سے ستر ہزار بولیاں ادا ہوتی ہیں اور وہ فرشتہ ان تمام زبانوں سے تمام زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے جو قیامت تک دوسرے ملائکہ کے ساتھ اڑتا رہے گا۔ (و نقل من امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال هو ملك بين الملائكة له سبعون الف وجه ولكل وجه منه سبعون الف لسان ٥ لكل لسان منه سبعون الف لغة يسبح الله تعالى تبلك اللغات كلها ويخلق من كل تسبيحة ملكاً يطير مع الملائكة الى يوم القيامة [1]

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ "روح اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق سے نمودار ہوئی ان الروح خلق من خلق الله اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بنی آدم کی صورت پر پیدا فرما دیا۔ چنانچہ آسمان سے جب کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک روح ضرور ہوتی ہے۔

شیخ ابو صالح فرماتے ہیں کہ روح انسان کی شکل میں ہوتی ہے لیکن وہ انسان نہیں ہوتی۔ الروح كهيئة الانسان وليسوا نباس

شیخ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "ارواح انسان کی شکل میں رہتی ہیں ان کے ہاتھ پاؤں اور سر ہوتے ہیں وہ کھانا کھاتے ہیں لیکن وہ ملائکہ نہیں ہوتے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرش کے سوائے اللہ تعالیٰ نے روح سے بڑھ کر اور برتر کوئی اور مخلوق پیدا نہیں فرمائی وہ اتنی عظیم ہے کہ اگر چاہے تو ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ایک لقمے میں نگل سکتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی صورت پر پیدا کیا ہے اور اس کا چہرہ آدمیوں کے چہرے کی طرح ہے۔ وہ روحیں قیامت کے دن عرش

(1) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت صفحہ ۴۴۶

الٰہی کے دائیں جانب کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی ان کے ساتھ ایک صف میں ہوں گے اور وہ روح اہل توحید کی بخشش کی سفارش کرے گی اور اگر روح فرشتوں کے درمیان ایک نورانی پردہ نہ پڑا ہوتا (پردہ حائل نہ ہوتا) تو تمام اہل سموات اس کے نور سے جل جاتے' یہ وہ اقوال ہیں جو غالباً رسول اکرم ﷺ سے سنے گئے ہیں یا آپ سے منقول ہیں لیکن یہ اس روح کے علاوہ ہے جو جسم انسانی میں موجود ہے لہٰذا اس قسم کی روح کے بارے میں گفتگو کرنا منع ہے (فَهو غير الرُّوح الَّذى فِى الْجَسَدَ فَعلٰى هَذا يسوغ القول فى هذا الرُّوح وَلا يكون الكلام فِيْهِ مَمنُوعٌ)

بعض بزرگان طریقت کا ارشاد ہے کو روح ایک لطیفہ (غیبی) ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور مکانات الی امان کن معروفة کی طرف سیر کرتی ہے اور اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہا جاسکتا ہے اور کسی طرح اس کی تعبیر نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے غیر کے ساتھ موجود ہے۔

ایک بزرگ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "روح" کن کے دائرہ ایجاد میں شامل ہے (اس سے خارج نہیں کیا جاسکتا) اس لئے کہ اگر اس کو "کن" سے خارج کر دیا جائے تو اس سے اس کی توہین ہوتی ہے کان علیہ الذل اس پر ان سے کہا گیا کہ پھر یہ کس چیز سے نکلی ہے (اس کی اصل کیا ہے) اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال سے اس کی ذات باری کا اشارہ تخلیق پا کر آزاد رہی قال: من بيْن جَماله وجَلالِهِ سُبحَانَهٗ و تعالى بملاحظة الاشَارَةِ خصَّهَا بِسَلاَمِهٖ وَحيَاهَا بِكلاَمِهٖ نهَيِ مُعتقهٗ مِن ذَلِّهٖ كُن [1]

روح مخلوق ہے یا نہیں:

شیخ ابو سعید الخرازؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا روح مخلوق ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اگر وہ مخلوق نہ ہوتی تو خلاق کی بدولت عالم کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتی یہ روح ہی کا فیض ہے جس سے بدن کو حیات حاصل ہوئی اور عقل بھی اس سے وابستہ ہے کہ روح ہی ہم عقلی دلائل پیش کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اگر روح نہ ہوتی تو عقل معطل رہتی اور نہ اس کے لئے کوئی حجت ہوتی اور نہ کوئی دلیل!

روح کے بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ ایک جوہر ہے لیکن مخلوق! مگر تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ لطیف اور صاف! سب سے زیادہ منور اور نورانی کے ذریعہ عالم غیب کی چیزیں نظر آتی ہیں اور اس کے توسط سے ارباب حقائق کو کشف ہوتا ہے اور جب یہ روح روحانی سیر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے تو جسمانی اعضاء ادب نافرمانی کرنے لگتے ہیں اذا حجبَت الرُّوح عَن مراعاه السَّير سَاءَتْ الجوارِح الْاَدبْ اور پھر وہ تجلی و استتار (حجابات) قبض اور کشمکش کے درمیان آجاتی ہے (قابض و نازع بن جاتی ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت "روح" کے لئے یکساں ہے۔ اسی طرح روح کی بہت سی قسمیں بھی بیان کی گئی

(2) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت صفحہ 446

ہیں جن کی تصریح یہ ہے کہ کچھ ایسی ارواح ہیں جو عالم برزخ میں سیر کرتی رہتی ہیں اور دنیا کے احوال کا مشاہدہ و نظارہ کرتی ہیں اور ملائکہ
کے احوال کی نگراں ہیں اور ان تمام باتوں کو سنتی ہیں جو آسمانوں میں انسانوں کے بارے میں فرشتے کرتے ہیں۔ کچھ ارواح عرش کے نیچے رہتی ہیں، کچھ روحیں بہشت کی طرف پرواز میں مصروف ہیں اور ان کی پرواز سعی الی اللہ کے بلحئے جس قدر ان کے ایام حیات میں ان کے لئے مقدر کردی گئی ہے بس اسی قدر ہوتی ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں برزخ دنیا میں، آسمانوں اور زمین کے درمیان جہاں چاہیں اس وقت تک مصروف پرواز رہتی ہیں جب تک اللہ ان کو ان کے اجسام میں واپس نہ فرمادے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے جب ارواح کے پاس کسی زندہ کی میت پہنچتی ہے (جب ان کے پاس کوئی مردہ پہنچتا ہے) تو وہ اس سے باتیں کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے مکالمہ ہوتا ہے اور سوال کئے جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ فرشتے مقرر کردیئے ہیں جو ان کے روبرو زندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کو مُردوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کو ان گناہوں کی سزا دی جائے گی جو انہوں نے بحالت زندگی دنیا میں کئے تھے حتی اذا عرض الاموات ما یعاقب بہ الحیا وفی الدنیا من اجل الذنوب تو وہ ارواح کہتی ہیں کہ ہم ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معذرت خواہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو معذرت پسند نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے حضور میں دوشنبہ اور جمعرات کو انسانی اعمال پیش ہوتے ہیں اور پیغمبروں اور (موتی) کے والدین کے سامنے ان مرنے والوں کے اعمال جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں پس وہ ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے پاکیزہ چہروں کی سفیدی (نور) اور بڑھ جاتی ہے اور چمک دمک میں اضافہ ہو جاتا ہے، پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو ایذا نہ دو۔" ایک دوسری حدیث شریف میں اس طرح آیا ہے بے شک تمہارے اعمال تمہارے کنبے کے اور رشتے کے مرنے والوں پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہوتا (اعمال برے ہوتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ بار الہا! تو اس وقت تک ان کی موت نہ بھیجنا جب تک ان کو اس طرح ہدایت نہ پہنچ جائے جس طرح ہم ہدایت یاب ہوئے تھے۔

یہ تمہیں وہ کچھ احادیث اور اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح اجسام میں ایک مستقل وجود رکھتی ہیں اور وہ اعیان ہیں وہ کوئی خیالی اور عارضی شے نہیں ہیں۔

شیخ واسطی سے کسی نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے خلق میں سب سے زیادہ حلیم تھے انہوں نے جواب دیا کہ اسکی وجہ یہ تھی کہ آپکی روح مطہر سب سے پہلے پیدا کی گئی تھی اسی لئے اس روح مطہر کو تمکین و استقرار کا موقع سب سے زیادہ حاصل ہوا، کیا تم نے نہیں دیکھا (معلوم نہیں) کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے: کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد یعنی میں اسوقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے (حضرت آدم علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے)

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ روح نور عزت سے پیدا ہوئی ہے اور ابلیس آتش عزت سے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس نے جواباً کہا تھا خلقتنی من نار و خلقته من طین "الٰہی تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو (یعنی آدم کو) مٹی سے پیدا کیا ہے) وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ نور نار سے بہتر ہے۔"

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو روح کیساتھ ملادیا چنانچہ اس علم کی بدولت اپنی لطافت کیساتھ اسی طرح روح نشوونما پاتی ہے جسطرح بدن غذا سے نشوونما پاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے (انسان اس کو نہیں سمجھ سکتا) اس لئے کہ مخلوق کا علم اس قدر بے مایہ ہے کہ وہ اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا (کہ اس حقیقت کو سمجھ سکے)

متکلمین کا نظریہ روح:

متکلمین اسلام میں سے اکثریت کا یہ فیصلہ ہے کہ انسانیت اور حیوانیت دونوں سے ایسے اعراض [1] ہیں جو انسان کے اندر پیدا کئے گئے ہیں اور موت دونوں کو فنا کر دیتی ہے' روح زندگی کا دوسرا نام ہے جب وہ بدن میں موجود رہتی ہے تو بدن اس کے وجود سے زندہ رہتا ہے (وَان الرّوح هِيَ الْحيَاة بعينها صار البدن به جودها حيًا) بعض متکلمین اسلام کا یہ کہنا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور وہ کیفیت اجسام میں اس طرح جاری و ساری ہے جس طرح پانی سبز شاخوں میں سرایت کر جاتا ہے محدث اسلام شیخ ابوالمعالی الجوینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔

متکلمین کی اکثریت کا یہ فیصلہ ہے کہ روح ایک عرض ہے [2] لیکن ان کے اس خیال کی تردید ان احادیث سے ہوتی ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک جسم ہے کیونکہ یہ بتایا گیا ہے کہ روح کا عروج و ہبوط ہوتا ہے اور عالم برزخ میں گشت کرتی ہے' (یہ خاصہ عرض کا نہیں ہو سکتا) جب روح اس قسم کے اوصاف سے متصف ہو تو اس کو عرض نہیں کہا جا سکتا بلکہ پتہ چلتا ہے کہ وہ جسم ہے اور دلیل یہ ہے کہ "عرض موصوف نہیں ہو سکتا کیونکہ صفت نام ہے ایک قسم کی کیفیت کا اور کوئی کیفیت کسی دوسری کیفیت یا عرض کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی' پھر بھی بعض حضرات نے روح کو عرض ہی کہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے سوال کیا کہ مرنے کے بعد جسم سے جدا ہو کر روح کہاں چلی جاتی ہے' انہوں نے جواب دیا کہ (بتاؤ) تیل ختم ہونے کے بعد چراغ کی روشنی کہاں چلی جاتی ہے؟ پھر ان سے کہا گیا کہ بتائیے جسم بوسید ہو کر کہاں چلا جاتا ہے انہوں کہا (بتاؤ) مرض میں مبتلا ہو کر جسم کا گوشت کہاں چلا جاتا ہے؟

مردود اور مذموم علوم (یونانیہ) کے ان علماء نے جن . مسلمان صاحبان یعنی مسلمان یونانی فلسفہ داں حضرات کا کہنا ہے

---

(1) وجود حقیقی۔ (2) قائم بالذات جوہر ہے اور قائم بالغیر عرض ہے۔

کہ روح جسم سے جدا ہو کر ایک جسم لطیف میں چلی جاتی ہے' انہی میں سے ایک عالم کا قول ہے کہ جب روح بدن سے مفارقت اختیار کرتی ہے تو قوت ناطقہ کے واسطے سے قوت واہمہ اس کے ساتھ حلول کرتی ہے اور اس وقت وہ محسوسات و حقائق کا مطالعہ و مشاہدہ کرتی ہے لیکن بالجملہ بدن سے جدا ہوتے وقت (تجرد کے وقت) بدن کی ہیئت سے اس کی مفارقت ناممکن ہے اور موت کے وقت وہ موت کا شعور کرتی ہے اور موت کے بعد بدن سے خالی ہو کر بھی وہ قبر میں بنفسہ رہتی ہے وَهِي عند الموت شَاعِرة بالموت وبَعدَ الموت متخيلة بنفسها مَقبَورة اور زندگی میں اس کے جو کچھ معتقدات تھے ان کا تصور کرتی ہے اور قبر کے عذاب اور ثواب (جزا اور سزا) کو محسوس کرتی ہے)

ایک بزرگ کا قول فیصل:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے "یہ کہنا اس سلسلہ میں سب سے زیادہ درست اور صحیح ہے کہ روح ایک ایسی شے ہے جو مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عادت جاریہ یہ رکھی ہے کہ جب تک وہ بدن کے ساتھ رہتی ہے تو جسم کو زندہ رکھتی ہے اور اس وقت تک وہ جسم سے اشرف و افضل ہے اور جسم سے جدا ہو کر وہ بھی موت کا ذائقہ چکھتی ہے جس طرح جسم اس کے جدا ہونے پر موت سے آشنا ہوتا ہے اور ذائقہ مرگ چکھتا ہے' حقیقت یہ ہے کہ عقل بھی روح کی کیفیت اور ماہیت معلوم کرنے سے اسی طرح عاجز و قاصر ہے جس طرح آنکھ سورج کی روشنی کے سامنے خیرہ اور عاجز و درماندہ ہے (اور سورج کی روشنی کی ماہیت اور کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتی) جب متکلمین سے کہا گیا کہ تمام موجودات ان تین قسموں میں محصور ہیں (موجودات کا حصر ان تین قسموں پر ہے) قدم' جوہر' عرض۔ پس روح قدم سے ہے یا وہ جوہر ہے یا عرض پس ان میں سے بعض لوگوں نے (اس کے جواب میں) اس کو عرض (قائم بالغیر) کہا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ قدیم ہے کیونکہ وہ ایک امر خداوندی ہے اور حکم دوام ہے اور کلام الٰہی قدیم ہے' بہرحال جس مسئلہ میں اختلاف آرا کا یہ عالم ہو اس میں امساک زبان ہی زیادہ بہتر ہے۔

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا رجحان اس طرف ہے کہ ارواح جسم میں بمرتبہ اعیان کے ہیں اور یہی حال نفوس کا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جب روح بھلائی (امر خیر) کے لئے حرکت کرتی ہے تو اس حرکت سے ایک نور دل میں ظہور کرتا ہے جس کو ایک فرشتہ خیر کی بابت بتاتا ہے اور جب روح کسی شر کے لئے حرکت کرتی ہے تو بجائے نور کے اس کے دل میں ظلمت ظاہر ہوتی ہے شیطان اس ظلمت کو دیکھ کر اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مشائخ کرام کے روح کے بارے میں ان اقوال کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں تاویل پیش کرتا ہوں ہرچند کہ یہ میرا قول فیصل یا قطعی رائے نہیں ہے اس لئے کہ میں اس سلسلہ میں کچھ کہنے سے خاموش رہنے کو ترجیح دیتا ہوں پھر بھی جو کچھ سمجھ میں آیا ہے میں اسے پیش کر رہا ہوں۔

روح دو طرح کی ہے:

ایک روح انسانی جو علوی اور آسمانی ہے اس کا تعلق تو امر خداوندی سے ہے اور وہ روح جو حیوانی اور بشری ہے اس کا تعلق عالم خلق سے ہے اور یہی روح (حیوانی اور بشری روح کا علوی کا محل و مورد (جائے ورود) ہے اور روح حیوانی ایک لطیف جسم ہے اور وہ قوت حس و حرکت سے بہرہ ور ہے یہ روح قلب سے اٹھتی ہے، قلب سے ہماری مراد گوشت کا وہ لوتھڑا ہے جو اپنی معروف شکل میں جسم کے بائیں جانب (پہلو میں) ہے یہ روح رگوں کے جوف سے پھڑکتی ہوئی گزرتی ہے۔ یہی روح تمام حیوانات میں موجود ہے اور اس پر تمام حواس کا قیام ہے اور یہی وہ روح ہے جو قانون الٰہی کے مطابق غذا سے زندہ ہے اور علم طب کی رُو سے اخلاط (اربعہ) کے مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے جب اس روح میں انسانی علوی روحی ورود کرتی ہے تو اس وقت حیوانی روح اس کی ہم جنسی بن جاتی ہے اور اس وقت حیوانی روح ایک وصف خاص سے متصف ہو جاتی ہے اور وہ نطق و الہام کا محل بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا "اور اس نفس کی قسم اور اس کی جس نے اس کو ہموار کیا اور اسے بدی اور نیکی کی تعلیم دی۔"

اللہ تعالیٰ نے نفس کو اس طرح ہموار و مساوی کیا ہے کہ اس نے انسانی روح کا مورد اس کو بنایا فتسوا یتھا بورود الروح الانسانی علیھا اور اس کو تمام حیوانی ارواح کی جنس سے اس کو بالکل الگ کر دیا (روح حیوانی اور روح انسانی کو الگ الگ کر دیا اس طرح اس نفس کی تکوین اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے روح علوی کے باعث ہوئی اور یہ نفس جس کا تسویہ کیا گیا دراصل وہ روح حیوانی تھی جو انسان میں موجود تھی اور روح علوی کے ملاپ سے عالم وجود میں آئی تھی وہ روح علوی جس کا تعلق عالم امر سے تھا (جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے) جس طرح عالم خلق میں آدم سے حوا (علیہما السلام) کی تخلیق میں ہوئی، اس کے بعد ان دونوں ارواح (روح انسانی اور روح علوی) میں عشق و محبت کا تعلق اس قدر بڑھا جس طرح آدم و حوا کے درمیان پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا "اسی (آدم) سے ہم نے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ وہ اس سے تسکین پائے۔"

کہ اب اگر ایک دوسرے سے جدا ہو تو اب اس کو موت کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے (دونوں ارواح میں انس اور عشق کا تعلق (اس قدر شدید ہو گیا کہ ایک دوسرے کی جدائی موت ہے)

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا سے تسکین پائی تھی اسی طرح روح انسانیہ علویہ سے روح حیوانیہ کو تسکین حاصل ہوئی اور یہ دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو کر نفس بن گئیں اور اس انس کے نتیجہ میں قلب پیدا ہوا اور قلب سے ہماری مراد وہ لطیفہ ہے (جوہر لطیف) جس کا محل و مقام وہی مضغہ گوشت ہے جس کا تعلق عالم خلق سے ہے اور یہ

لطیفہ جو اس محل میں بطور حال ہے عالم امر سے ہے۔
روح اور نفس کے ملاپ سے عالم امر میں قلب کی تخلیق و آفرینش ایسی ہی ہے جس طرح عالم الخلق میں حضرت آدم و حضرت حوا (علیہما السلام) کے ملاپ سے آپ کی ذریت کی پیدائش ہوئی اگر اس جوڑے (روح اور نفس) میں جن میں ایک دوسرے کو تسکین پہنچانے کی صلاحیت نہ ہوتی اور تسکین کا ذریعہ نہ ہوتا تو قلب کی تکوین و آفرینش نہیں ہوتی۔
بہرحال ان قلوب میں ایک قلوب ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنے پدر علوی (روح علوی) سے بہت محبت اور رغبت رکھتا ہے یہی وہ دل ہے جس کو تائید ایزدی حاصل ہے اور جس کا ذکر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔

قلوب کے اقسام:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قلب چار طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ دل ہے جو ایک لق دق میدان کی طرح صاف و ستھرا ہے اور اس میں ایک چراغ روشن اور تاباں ہے یہ مومن کا قلب ہے ایک قلب جو تاریک ہے اور ذلت سے سر جھکائے ہوئے (منکوس) ہے یہ کافر کا دل ہے۔ تیسرا دل وہ ہے جو غلاف سے لپٹا ہوا ہے اور یہ منافق کا دل ہے، چوتھا دل وہ ہے جو پہلودار ہے اس میں نفاق اور ایمان دونوں ملے ہوئے ہیں اور اس میں ایمان کی مثال اس بقلی (ترکاری) کی ہے جو پاکیزہ پانی سے نشوونما پاتی اور بڑھتی ہے اور اس میں نفاق کی مثال ایسے زخم کی ہے جو پیپ اور زرد پانی سے مملو ہے ان دونوں میں سے جو مادہ بھی اس پر غالب آجاتا ہے اس کو اسی کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔
قلب واژگوں و سرنگوں اپنی ماں کی طرف جو نفس امارہ ہے مائل ہوتا ہے، ایک دل ایسا بھی ہوتا ہے جو ان دونوں میں سے کسی طرف مائل اور راغب ہونے میں تذبذب کرتا ہے لیکن جس طرف سے اس کے مائل ہونے کا رجحان قوی ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کی سعادت یا شقاوت کا انحصار ہوتا ہے۔

حقیقت عقل:

عقل روح علوی کا جوہر ہے وہی اس کی رہنما اور اس کی ترجمان ہے اس عقل کا روحانی قلب اور پاکیزہ نفس سے اسی قسم کا تعلق ہوتا ہے جو ایک پدر مشفق کا اپنے فرزند سعید سے یا جیسے ایک شوہر نیک بیویوں کا خیال رکھتا ہو اور قلب واژگوں اور نفس امارہ کا تعلق بالکل ایسا ہے جیسے ایک باپ کا نافرمان (ولد عاق) بیٹے یا ایک شوہر کا بدخلق و بداطوار بیوی سے ہوتا ہے تو کبھی تو وہ ان سے بے اعتنائی اور روگردانی کرتا ہے اور کبھی ان دونوں کی درستی حال کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان سے بے تعلق نہیں رہ سکتا۔

محل عقل:

محل عقل کے سلسلہ میں بھی لوگوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے کچھ لوگ تو اس کے قائل ہیں کہ دماغ محل عقل ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دل محل عقل ہے مگر یہ لوگ ادراک حقیقت سے قاصر ہیں (حقیقت تک نہیں پہنچ سکے ہیں) اس اختلاف اور ناواقفیت کی وجہ اصل یہ ہے کہ عقل کو خود ایک جگہ قرار نہیں ہے (بعدم استقرار العقل علی نسق واحد کبھی تو اس کا رخ نیکو کاری کی طرف ہوتا ہے اور کبھی نافرمانی کی جانب ہوتا ہے دل اور دماغ کا ان دونوں ہی سے تعلق ہے۔ نیکو کار ہویا نافرمان جب عقل نافرمان کی تدبیر اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کا مقام دماغ ہوتا ہے اور جب فرمان پذیر اور نیکوکار کی طرف اس کا رخ ہوتا ہے تو اس کا مقام قلب ہوتا ہے۔

علوی روح اپنی بلندی کے باعث کائنات سے بے تعلق ہو کر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اپنے مولیٰ کی طرف توجہ کرتی ہے اور قلب اور نفس دونوں ہی کائنات میں شامل ہیں اس لئے روح جب عالم بالا کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس دم قلب بھی ایک فرماں بردار فرزند کی طرح محبت اور شوق کا اظہار کرتا ہے اور نفس بھی اس قلب سے (جو فرزند کی مانند ہے) ایسی محبت کا اظہار کرتی ہے جیسے ایک محبت بھری ماں اپنے بیٹے سے پیار کرتی ہے۔

حرص و ہوا کا مادہ کب فنا ہوتا ہے:

جب نفس شوق کا اظہار کرتا ہے تو وہ عالم ارضی سے بلند ہو جاتا ہے اور اس کی وہ ضاربہ رگیں (پھڑکنے والی رگیں) جو عالم سفلی میں ضربیں مارتی تھیں سکڑ جاتی ہیں (ضربات میں تخفیف ہو جاتی ہے) اس وقت صرف یہی نہیں ہوتا کہ اس کی خواہشات دب جاتی ہیں بلکہ حرص و ہوا کا مادہ بالکل ختم ہو جاتا ہے تب نفس دنیا سے کنارہ کش اختیار کرلیتا ہے اور اس کو اس دارلغرور (دنیا) سے نجات مل جاتی ہے اور عالم جاوید کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

کشش عالم سفلی:

کبھی یہ کشش اس کے برعکس ہوتی ہے یعنی نفس اپنی فطری اور طبعی خواہش کی وجہ سے عالم ارضی کی طرف متوجہ ہوتا ہے (عالم ارضی کی طرف اس کی کشش ہوتی ہے) اس لئے کہ اس کی ترکیب میں اس کی ہم جنس روح حیوانی شامل ہے (یہی روح حیوانی اس کو عالم سفلی کی طرف کھینچتی ہے) اور عالم سفلی کے ارکان یعنی عناصر کی طرف اسکا رجحان غالب ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی سے ظاہر ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ "اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کر دیتے مگر وہ زمین پر رہنے لگا اور ا

وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ○ نے اپنی خواہش کا اتباع کیا۔"

بہرنوع جب نفس مادرانہ محبت کی بناپر ذہن سے مانوس ہوتا ہے (اس کی طرف اس کا میلان قوی ہوتا ہے) تو اس وقت قلب واژگوں اس کی طرف اس طرح رجوع اور مائل ہوتا ہے جس طرح ایک بچہ اپنی کج رفتار اور ناقص ماں کی طرف (بے اختیارانہ) رجوع ہوتا ہے اور اپنے سلیم الطبع اور کامل باپ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے' اس وقت روح بھی اپنے فرزند یعنی قلب کی طرف مائل ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک باپ کا دل بیٹے کی طرف مائل ہوتا ہے (حالانکہ بیٹے کا میلان باپ کی طرف نہیں ہوتا) اس کے نتیجہ میں وہ اپنے مولا کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے جب یہ کشاکش شروع ہوتی ہے تو اس کے دوران اس کی سعادت مندی یا بدبختی نمودار ہو جاتی ہے کہ قادر مطلق کا یہی فیصلہ اور یہی تقدیر ہے۔

خبر میں آیا ہے کہ داوٗد علیہ السلام نے اپنے فرزند سلیمان علیہ السلام سے دریافت کیا کہ "تمہاری عقل کس طرح جگہ ہے' اس کا مقام کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "قلب میں" کہ قلب ہی قالب روح ہے اور روح زندگی کا سرچشمہ ہے۔

صوفیۂ کرام کی نظر میں روح کے اقسام:

شیخ ابو سعید القرشیؒ کا قول ہے کہ روح دو ہیں (دو طرح کی ہیں) ایک روح زندگی' دوسری روح مرگ' جب یہ دونوں مجتمع ہوتی ہیں تو جسم کو عقل و شعور حاصل ہوتا ہے اور روح ممات وہ ہے کہ یہ جسم سے جب خارج ہوتی ہے تو جسم کی موت واقع ہو جاتی ہے اور سانس کی نالیاں روح حیات کی بدولت جاری ہیں اور انسان میں قوت اکل و شراب اسی کی بدولت ہے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ روح ایک پاکیزہ نسیم ہے جس پر زندگی کا مدار ہے اور نفس ایک گرم ہوا ہے جس سے مذموم حرکات اور خواہشات و شہوات کا صدور ہوتا ہے اور اسی سے یہ محاورہ بنا ہے "فلدن حار الراس" یعنی فلاں کے دماغ میں بہت گرمی ہے (بہت غصہ ہے۔) اس موضوع کے تحت اس فصل میں ہم نے مشائخ کرام کے جن خیالات کو پیش کیا ہے اور نفس کی ماہیت بیان کی ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نفس ہی سے تمام مذموم افعال و اخلاق کا صدور ہوتا ہے اور اس کا علاج (تدارک) مجاہدہ اور ریاضت سے ہو سکتا ہے اور اس کا ازالہ ممکن ہے اور اس میں تبدیلیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔

حضرت سعید بن ابی ہلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ یہ آیت تلاوت فرماتے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا "جس نے تزکیہ نفس کیا وہ کامیاب ہو گیا"

تو آپ توقف فرماتے اور یہ دعا پڑھتے:

"اَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِی تَقْوَاهَا اَنْتَ وَلِيهَا وَ مَوْلَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْر مَن زَكَّاهَا"

کہا گیا ہے کہ نفس ایک شے لطیف ہے جو قالب میں موجود ہوتی ہے اور اس سے صفات و اخلاق مذمومہ کا صدور ہوتا ہے جس طرح روح ایک لطیف شے ہے اور جس کا محل و مقام قلب ہے اور جمیع اخلاق محمودہ و صفات حمیدہ کا صدور اس سے

ہوتا ہے جس طرح آنکھ دیکھنے کا، کان سماعت کا، ناک قوت شامہ کا اور منہ قوت ذائقہ کا محل ہے اسی طرح نفس اوصاف مذمومہ کا محل ہے اور روح اوصاف محمودہ کا۔

نفس کے صفات واخلاق کی دو بنیادیں ہیں:

نفس کے تمام اخلاق اور اس کے صفات کی دو بنیادیں ہیں ایک ان میں سے طیش ہے اور دوسری طمع، طیش جہل سے پیدا ہوتا ہے اور شرہ، لالچ اور حرص سے! طیش کے لحاظ سے نفس ایک ستدیر کرے سے مشابہہ ہوتا ہے جو ایک شفاف اور چکنے مقام پر رکھا ہو، یہ کرہ بالطبع حرکت کرتا رہے گا اور اپنی ساخت کے اعتبار سے کبھی غیر متحرک نہیں ہوگا اور حرص کے اعتبار سے ایک ایسے پروانے کے مشابہہ ہے جو اپنے نفس کو چراغ کی روشنی پر گرانے اور تھوڑی سی روشنی پر قانع نہ ہو کر مرکز ضو پر خود کو گرا دے جو اس کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔

طیش (کی جبلت کے وجود میں آنے) کا باعث جلد بازی اور بے صبری ہے اور ظاہر ہے کہ صبر جوہر عقل ہے اور طیش صفت نفس ہے اور اس کی خواہشات اور اس کی روح (اصل) پر صبر ہی سے قابو پایا جا سکتا ہے، عقل کے ذریعے خواہشات کا قلع قمع ہوتا ہے اور شرہ (طمع) ہی ہے جس کے حضرت آدم علیہ السلام مرتکب ہوئے تھے کہ انہوں نے جنت میں دوامی طور پر رہنے کی آرزو کی تھی اور شجرہ ممنوعہ کے کھانے کی حرص کی (شجر ممنوعہ کو کھالیا۔)

صفات نفس کی نوعیت:

بعض صفات ایسے ہیں کہ ان کی اصل انسان کی تکوین سے وابستہ ہے (ان کا تعلق انسان کی پیدائش سے ہے) مثلاً انسان خاک سے پیدا ہوا ہے اس لئے اس میں ضعف اور کمزوری کا وجود ہے اور بخل کا وصف گندھی ہوئی مٹی (طین) کے باعث ہے اور شہوت اور خواہش کی وجہ حما مسنون (سڑی ہوئی چکنی مٹی) ہے اور جہل کا وصف اور اس کا وجود اس لئے ہے کہ اس کی اصل صلصال (کھنکھناتی مٹی) ہے اور قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے "کالفخار" وہ مٹی (صَلصَال) ٹھیکرے کی طرح ہو گئی تھی، اس فخار کے باعث اس میں شیطانیت آ گئی! فخار آگ سے بن جاتی ہے (مٹی پک کر ٹھیکرے کی طرح ہو جاتی ہے) اس سے مکروفریب اور حسد پیدا ہوئے۔

پس جو شخص نفس کی اصلوں اور اس کی جبلتوں سے واقف ہو گیا اس کو اس بات کا علم ہو گیا کہ وہ باری تعالیٰ (خالق کائنات) کی استعانت کے بغیر ان پر قادر نہیں ہو سکتا اور قابو نہیں پا سکتا پس انسانیت کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب بندہ علم و عدل کے ذریعہ حیوانی خواہشوں کا علاج کرے، یعنی افراط و تفریط کے پہلوؤں کی رعایت مد نظر رکھے اور وہ شیطانی صفات اور مذموم اخلاق کو پہچان کر کمال انسانیت کو پہچان کر اپنے آپ کو ان برے اخلاق پر راضی نہ کرے۔ اس لئے انسان کو ان برے اخلاق سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے جو ربوبیت کے اوصاف سے ٹکراتے ہیں جیسے کبر، عزت، خود بینی، عجب وغیرہ۔ پس وہ

ان اوصاف کو چھوڑ دے کہ خالص بندگی یہی ہے (فیری ان صرف العبودیة فی ترك المنازعة الربوبیة) یعنی تنازعہ ربوبیت کو ترک کر دے!

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں نفس کو تین اقسام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کبھی اس کو نفس مطمئنہ کے نام سے ذکر فرمایا ہے (یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ) کبھی اس کو نفس لوامہ فرمایا (لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ) اور نفس امارہ بھی فرمایا (اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ)

نفس کے صفاتی نام:

حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے لیکن اس کے صفات ایک دوسرے سے مختلف اور متغائر ہیں یعنی جب قلب کو مکمل سکون حاصل ہوتا ہے یا وہ سکون سے بالکل پر ہوتا ہے تو وہ نفس کو بھی سکون و طمانیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور جب اس سکون سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے تو قلب روح کے مقام پر ترقی کرتا ہے اور جب قلب روح کے مقام پر متمکن ہو جاتا ہے تو نفس قلب کے مقام کا رخ کرتا ہے اس مقام پر پہنچ کر اس کو طمانیت کلی حاصل ہو جاتی ہے اور یہی نفس نفس مطمئنہ ہے لیکن جب اس کو اس کی جبلی خواہشوں اور لمسی اور فطری مرکز سے الگ کر دیا جاتا اور اکھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ اطمینان و سکون کے مقام کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے تو اس وقت وہ نفس لوامہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اس وقت اس سرگردانی کی حالت میں ملامت کرتا ہے کہ مقام سکون سے باخبر ہوتے ہوئے اور اس کے مشاہدہ کے باوجود وہ سرگرداں ہے۔ اب اگر یہی نفس لوامہ سکون و طمانیت کے مقام کی تلاش سے باز رہ کر اپنے اصلی مقام پر لوٹ جائے تو وہ نفس امارہ ہے جو اس حالت میں آکر برائی کا حکم دینے لگتا ہے۔

تب وہ اپنے مقام پر پہنچ کر جہاں علم و معرفت کا نور بالکل نہیں ہے (تو اس دم) وہ لوگوں کو برائی پر آمادہ کرنے لگتا ہے بلکہ ایسے موقع پر بسااوقات روح و نفس کا مقابلہ بھی ہوتا ہے کبھی قلب پر روحانی جذبات غالب آجاتے ہیں اور کبھی اس پر نفسانی جذبات قابو پا لیتے ہیں۔

حقیقت سر:

سرباطن کیا ہے؟ اس میں صوفیائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ روح سے پہلے اور قلب کے بعد کا درجہ ہے بعض حضرات نے اس کو روح کے بعد بلکہ اس سے اعلیٰ اور لطیف تر قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرباطن مشاہدہ کا اور روح محبت کا اور قلب معرفت کا مقام ہے بہرحال وہ سرباطن جس کی طرف صوفیائے کرام نے اشارہ کیا ہے وہ کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہے۔ (والسر الذی وقعت اشارة القوم الیه غیر مذکور فی کتاب اللّٰه) کلام الٰہی میں صرف روح اور نفس کا ذکر ہے، اور اس کے نوع بہ نوع صفات کا ذکر ہے، قلب، فواد اور عقل کا ذکر کیا گیا ہے، چونکہ

کلام اللہ صوفیاء کے مذکورہ مفہوم کے مطابق "سر" کا ذکر نہیں ہے اور اس کی حقیقت کے سلسلہ میں بھی صوفیائے کرام کے یہاں اختلاف ہے بعض حضرات نے اس کو روح سے کمتر اور بعض حضرات نے روح سے لطیف تر قرار دیا ہے' اس لئے ہم اس سرباطن کی حقیقت بیان کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حقیقت سرباطن:

ہمارے خیال میں "سرباطن" کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا نفس اور روح کی طرح مستقل وجود ہو بلکہ اس کی صورت اور نوعیت صرف یہ ہے کہ اگر نفس پاکیزہ اور صاف ہو جاتا ہے تو روح نفس کی تاریک قید سے آزاد ہو کر مقامات قرب کی بلندیوں پر صعود کرتی ہے اور اس وقت قلب بھی اپنے مرکز سے ہٹ کر روح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے' اس وقت قلب میں ایک وصف زائد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ صفت زائدہ چونکہ قلب سے بھی زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے اس لئے اس صفت کا ایک نام رکھ دیا گیا جس کو سرباطن کہا جاتا ہے قلب کی طرح روح بھی اپنے اس عروج کے وقت ایک صفت زائدہ سے متصف ہو جاتی ہے جن لوگوں کو اس کا علم ہے وہ بھی اس صفت کو "سر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ سر جو روح سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اس سے مراد وہ روح ہے جس میں عام مشاہدہ کی صفت کے برعکس یہ صفت مخصوصہ پائی جاتی ہو اور جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ سرباطن روح سے پہلے ہے اور اس کو تقدم حاصل ہے اور اس سے مراد ان حضرات کی وہ قلب ہے جو ایک وصف زائدہ ہے اور وہ صفت اس کے لئے مخصوص ہے (بہرحال یہ اختلاف اس تعبیر و تعریف کے باعث ہے۔)

روح اور قلب کی اس ترقی کے ساتھ نفس بھی ترقی کرتا ہے اور قلب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اس وقت وہ اپنے اصل لباس کو اتار کر (تنخدع من وصفها) نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ مرادات قلبی کی آرزو کرتا ہے کیونکہ اس وقت قلب وہی پاتا ہے جو اس کے مولا کی مرضی ہوتی ہے اور وہ اپنے ذاتی ارادوں' قوتوں اور اختیارات سے بیزار ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ خالص عبودیت اور بندگی کی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے (چونکہ اس نے اپنے ارادوں کو ترک کر دیا ہے۔)

حقیقت عمل:

حقیقت عمل یہ ہے کہ عقل لسان روح ہے اور وہ بصیرت و دانائی کی ترجمان ہے' بصیرت روح کے لئے بمنزلہ قلب ہے اور عقل اس کے لئے زبان ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَوّلَ مَا خلق اللّٰہ العقلُ' فقال له اَقْبِلَ فَاقبَل ثُمَّ — اللہ تعالیٰ نے سب سے اول عقل کو پیدا فرمایا اور اس سے کہا آگے

قال له اَدْبَرفادبَرَ ثُمَّ قَال لَه انطِق فَنَطَقَ، ثُمَّ قال لَهٗ اصِمِت، فصمت فَقَال وَ عِزّتی و جَلالی و عَظمتِی و کبریَائی و سُلْطَانی و جبروتی ما خلقت خلقًا احب اِلی مِنكَ وَلا اکْرَمَ عَلی مِنكَ، بِكَ اعرف وبكَ اَحمد وبِكَ اَطاعُ وَبكَ اخِذُ وبكَ اعَطی واِیَّاكَ اُعاتِبُ ولكَ الثَّواب و عَلَیْكَ العِقَابُ وما اکْرَمتكَ بشیءٍ اَفْضَل مِنَ الصَّبرِ

بڑھ وہ آگے بڑھی، پھر فرمایا لوٹ جا وہ لوٹ گئی پھر اس سے کہا بیٹھ جا وہ بیٹھ گئی۔ پھر اس سے فرمایا بول تو بولنے لگی پھر فرمایا خاموش ہو جا وہ خاموش ہو گئی پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے عزت و جلال، کبریائی اور جاہ و جبروت کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ محبوب اور معزز کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ کیونکہ تیرے ہی ذریعہ لوگ میری معرفت حاصل کریں گے اور تیرے ہی ذریعہ میری حمد وثنا ہو گی اور تیرے ہی واسطے سے میری اطاعت کی جائے گی اور تیرے ہی ذریعہ لین دین لوگوں کے ساتھ ہو گا، میرا عتاب بھی تجھ پر نازل ہو گا اور ثواب بھی، میں نے ایک بہترین شے یعنی صبر کے ساتھ تجھے مکرم و محترم کیا ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے مزید یہ ارشاد فرمایا:
لَا یُعْجبَکُم اِسلام رجل حَتّٰی تَعلموا ما عقلَهٗ؟

"تم لوگ کسی شخص کے اسلام لانے پر مسرور نہ ہو، جب تک تم کو اس کی عقل کا اندازہ نہ ہو جائے۔"

اللہ تعالیٰ کی اطاعت وہی کرتا ہے جو عقل سے بہرہ مند ہے:

سرور کائنات ﷺ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کا معیار کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا دنیا اور آخرت میں ہر ایک کی عقل سے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ سزاو جزا کیا ہے لوگوں کے اعمال پر نہیں ہو گی؟ حضور علیہ التحیۃ والثنا نے فرمایا! اللہ کی اطاعت وہی تو عقل ہوتی ہے۔ لوگوں میں جتنی عقل ہوتی ہے اسی کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں اور ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا اور بدلہ دیا جائے گا۔

حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کے لئے ارشاد فرمایا:

"اِن الرجل الینطلق الی المسَجد فیصلی وصلاته لاتعدل جناح بعوضة، وَان الرَّجل لَیَاتی المسَجِد فیصلِی وصَلاتَهُ تعدل جبل احَد اذا کان احسِنهما عَقلاً"

"ایک شخص مسجد کی طرف جاتا ہے اور وہاں نماز ادا کرتا ہے مگر اس کی نماز مچھر کے بازو کے برابر بھی نہیں ہوتی، ایک مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس سے زیادہ عقلمند ہو)

حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ "وہ کس طرح زیادہ عقلمند بن سکتا ہے" حضور نے فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ان

لوگوں سے زیادہ حرام کاموں سے اجتناب کرے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ عمل اور نوافل میں وہ ان سے کم درجہ ہی پر کیوں نہ ہو (یہ شخص ان سے زیادہ عقلمند ہے) حضور سرور کونین ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

> "حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو اپنے بندوں میں الگ الگ تقسیم فرمایا ہے' ان کا علم' نیکی' نماز اور روزہ تو یکساں اور مساوی ہو سکتا ہے مگر ان کی عقلوں میں اس قدر فرق ہوتا ہے جیسے کوہ احد کے مقابل میں کوئی ذرہ ہو۔"

حضرت وہبؒ بن عنبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں نے تقریباً ستر کتابوں میں پڑھا ہے کہ تخلیق عالم کی ابتداء سے اب تک تمام دنیا والوں کو جتنی عقل عطا کی گئی ہے وہ رسول اکرم ﷺ کی عقل (مبارک) کے مقابل میں ایسی ہے جیسے تمام عالم کے ریگزاروں کے مقابل میں ایک ذرہ ہو۔

عقل کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں بھی لوگوں کے درمیان اختلاف رائے موجود ہے اور اس سلسلہ میں بہت کچھ بیان کیا گیا ہے ان تمام اقوال کو بیان کرنا یہاں مقصود نہیں ہے ہم صرف چند اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ عقل کا تعلق علوم سے ہے پس جو کوئی علم سے بہرہ یاب نہ ہو اس کو عقلمند نہیں کہنا چاہئے لیکن اس کا اطلاق تمام علوم پر نہیں ہے (یعنی تمام عمر کی شرط نہیں ہے) اس لئے کہ ایسے شخص کو بھی عقلمند کہا جاتا ہے جو اکثر علوم سے ناواقف ہے۔

عقل اور نظریاتی علوم:

اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ عقل کا تعلق نظریاتی علوم سے نہیں کیونکہ نور و فکر کے لئے ابتدائی شرط تو یہی ہے کہ پہلے سے عقل کامل موجود ہو پس اس کا تعلق علوم ضروریہ سے ہے لیکن تمام علوم ضروریہ کی بھی شرط نہیں ہے کہ مختلف حواس رکھنے والے کو بھی عقلمند کہا جاتا ہے حالانکہ علوم ضروریہ کے بعض مدارک اس میں موجود نہیں ہوتے (بعض علوم کا وہ ادراک نہیں کر سکتا۔)

بعض ارباب علم کہتے ہیں کہ عقل' علوم کی کوئی قسم نہیں ہے کیونکہ یہ اگر علم کی قسم ہوتی تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو غافل اور ذاہل ہے وہ عقلمند نہیں ہے حالانکہ بہت سے عقلمند اکثر اوقات ذاہل و غافل رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عقل تو ایک صفت ہے جس کے ذریعہ علوم کا ادراک کیا جاتا ہے (یا حصول علم کی اس میں استعداد ہوتی ہے)

شیخ حارث رحمۃ اللہ علیہ بن اسد المحاسبیؒ نے فرمایا کہ عقل ایک تکملۂ فطری ہے جس کے ذریعے سے تحصیل علوم کی استعداد و صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ شیخ حارث کے اس قول سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ "عقل روح کی زبان ہے یہ کیونکہ (روح) خداوند تعالیٰ کا حکم (امر) ہے اور اسی روح نے وہ بار امانت اٹھایا ہے جس کے اٹھانے سے زمین آسمان نے انکار کر دیا تھا۔

کہ وہ اس کو نہیں اٹھا سکتے اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے نور عقل کا فیضان جاری ہوتا ہے اور اس نور عقل ہی سے تمام علوم متشکل ہوتے ہیں پس عقل علوم کے لئے ایسی ہی ہے جیسے کسی مکتوب کے لئے لوح (جب تک لوح نہیں ہو گی مکتوب صورت پذیر نہیں ہو سکتا)۔

یہی عقل کبھی سرنگوں ہو کر نفس کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی مستقیم اور غیر واژگوں ہوتی ہے۔ یہی واژگوں عقل جو نفس کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو وہ نفس کو اجزائے کائنات میں منتشر کر دیتی ہے اور اعتدال کے راستے سے ہٹ جاتی ہے اور اس بے اعتدالی کے باعث وہ ہدایت کے راستے سے ہٹ جاتی ہے اور جس کی عقل راہ راست پر گامزن ہوتی ہے تو یہ عقل راست دو اس بصیرت کو حاصل کر لیتی ہے جو روح کے لئے بمنزلہ قلب ہے اس منزل پر اس کو خالق کائنات کی ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور وہ خالق کے ذریعہ کون کو بھی پہچان لیتا ہے۔ ایسی عقل کو عقل ہدایت کہا جاتا ہے' جب اللہ تعالیٰ اس عقل کا شرف و اقبال چاہتا ہے تو اس کو ایسے کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے جو اس کی بلندی اور برتری کا موجب ہوتا ہے' جب وہ کسی کام کو ناپسند کرتا ہے تو اس عقل ہدایت کو اس کے کرنے سے روک دیتا ہے پس ایسا شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہی میں مصروف رہتا ہے اور ان باتوں سے بچتا ہے جو اللہ کی نارضامندی اور عتاب کا موجب ہوں۔

یہ عقل ہدایت جس قدر مستقیم ہوتی ہے اور اس کو تائید بصیرت حاصل ہوتی ہے اتنی ہی وہ لوگوں کی ہدایت اور نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس کو گمراہی سے بچاتی ہے (کانت دلالته علی الرشد ونهیه عن الغی)

عقل کے دو پہلو ہیں:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ عقل کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو اور رخ سے وہ دنیا کے امور پر غور کرتی ہے اور ایک رخ اور ایک پہلو سے آخرت کی بصیرت اس کو حاصل ہوتی ہے) اول الذکر عقل روح کے نور سے حاصل ہوتی ہے اور ثانی الذکر کا تعلق نور ہدایت سے ہے یہی وجہ ہے کہ اول الذکر عقل بنی نوع انسان میں عام ہے اور عقل ثانی صرف توحید پرستوں میں موجود ہے اور مشرکوں میں مفقود ہے۔

عقل کی وجہ تسمیہ:

ایک بزرگ کا قول ہے کہ عقل کا نام عقل اس لئے رکھا گیا ہے کہ جہل و نادانی ظلمت ہے جب نور بصر اس ظلمت پر غالب آجاتا ہے تو ظلمت زائل ہو جاتی ہے اور وہ دیکھنے لگتا ہے گویا عقل جہالت کے لئے ایک پائے بندے (عقال) ہے۔

ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے کہ عقل ایمان کا مسکن اور مقام دل میں ہوتا ہے اور اس کے عمل کا مقام سینے میں دل کی آنکھوں کے درمیان ہے اور یہ عقل جس کو ہم نے لسان الروح سے تعبیر کیا ہے اس کی دو قسمیں نہیں ہیں وہ صرف ایک ہے جب یہ مستقیم اور درست ہو اور اس کو بصیرت کی تائید حاصل ہو اور اعتدال کے باعث تمام اشیاء (معلومہ) کو اپنے صحیح

اور اصل مقام پر رکھتی ہو تو یہی وہ عقل ہے جو نور شریعت سے منور ہوتی ہے اس کا یہ استقرار اور اعتدال اس نور شریعت کی ہدایت کا نتیجہ ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوا' حضور ﷺ کا یہ شرف' حضرت الہیہ سے قرب روحانی کا نتیجہ تھا اور آپ کی اس بصیرت کا فیضان تھا (جو روح کے لئے بمنزلہ قلب کے ہے) جس کو اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی آیات کے مکاشفات حاصل ہوئے اور حضور ﷺ کی عقلمندی کو یہ استقامت بھی اسی بصیرت کی تائید سے حاصل ہوئی۔

(واستقامة عقله بتائيد العقل)

بصیرت اور عقل کا فرق:

بصیرت ان تمام علوم کا احاطہ کرلیتی ہے جنہیں عقل اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے اور ان علوم کو بھی اپنے اندر سمولیتی ہے جو عقل کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (بصیرت کو یہ کمال دسترس اور وسعت ثمت اس لئے حاصل ہے) کہ اس نے ان خداوندی کلمات سے فیض حاصل کیا ہے جو ختم نہیں ہو سکتے خواہ (ان کی تحریر سے) سمندر خشک ہو جائیں' بصیرت کے مقابلہ میں عقل کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اس کی ترجمانی کرتی ہے اسی لئے بصیرت ترجمانی کے لئے اپنی بعض باتیں اس تک پہنچا دیتی ہے جس طرح قلب زبان کے ذریعہ بعض باتیں ادا کرتا ہے اور بعض باتوں کو سوائے زبان کے بذریعہ تاثیر ادا کرتا ہے اور وہ شخص جس کے پاس مجرد عقل ہے اور نور شریعت سے مستیز نہیں ہے علوم کائنات سے اس کا حصہ صرف ملک ہے جو ظاہر کائنات کا نام ہے اور وہ حضرات جن کی عقلیں بصیرت کی تائید کی بدولت نور شریعت سے متنیر ہیں وہ عالم ملکوت سے باخبر ہو جاتے ہیں (کائنات کے باطن کا نام ملکوت ہے) گویا صرف ارباب بصائر ہی باطن کائنات کے مکاشفہ کی خصوصیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں (انہیں حضرات کے لئے مخصوص ہے) اور وہ لوگ جو بصیرت سے محروم ہیں اور صرف عقل پر ان کا انحصار و مدار ہے اور اس مکاشفہ سے محروم رہتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ عقل دو طرح کی ہوتی ہے' پہلی عقل تو ہدایت کے لئے ہوتی ہے اور اس کا مرکز قلب ہے اور اس کا مقام دل کی آنکھوں کے درمیان ہے اور یہ عقل موقنین' صاحبان یقین کی عقل ہے اور دوسری آخری عقل کا مسکن دماغ ہے اور اس کا مقام عمل بھی دل کی آنکھوں کے درمیان بجائے دل کے سینہ میں ہے۔ پہلی عقل کے ذریعہ امور آخرت کا سنوارا جاتا ہے اور دوسری اور آخری عقل کے ذریعہ امور دنیا کی پرداخت کی جاتی ہے۔

اور ہم نے جو عقل کو عقل واحد کہا ہے وہ اسی صورت میں ہے کہ اس کو بصیرت کی مدد حاصل ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ صرف ایک ہی کام کر سکتی ہے ورنہ بتائید بصیرت وہ امور دنیاوی اور امور اخروی دونوں کی تدبیر کرتی ہے۔ اس باب کے شروع میں ہم نے نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اس سے یہی ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ عقل ایک ہی ہے البتہ کبھی اس کو بصیرت کی تائید حاصل ہو جاتی ہے اور کبھی وہ اس سے محروم رہتی ہے۔ واللہ الملھم للصواب۔

باب: 57

خواطر کی شناخت اور اس کی تفصیل و تمیز

ہمارے پیرومرشد شیخ ابو النجیب السہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد شیوخ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''ابنائے آدم پر شیطان اور فرشتے دونوں اثر انداز ہوتے ہیں' شیطان اس کے اندر برائی ڈالتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ بھلائی کا وعدہ اور حق کی تصدیق کراتا ہے پس اگر انسان کو بھلائی ملے تو وہ سمجھ لے کہ یہ من جانب اللہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر شیطانی اثر اس پر اثر انداز ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور شیطان سے پناہ مانگے''

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت فرمائی:

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَامُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ''شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرتا ہے اور بدکاری کا حکم دیتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان اچھے برے اثرات کو معلوم کرنے کی کوشش وہی کرتا ہے اور ان خطرات اور وسوسوں میں وہی تمیز کرتا ہے جو طالب صادق ہے اور اس کو اس معرفت کی ایسی ہی طلب ہو جیسے ایک پیاسا پانی کا طلبگار ہوتا ہے' ایسا شخص ان خطرات اور وسوسوں اور فلاح و صلاح کو اچھی طرح جانتا ہے یہی سبب ہے کہ ان وسوسوں اور اندرونی اثرات کو وہی لوگ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مقربین بارگاہ الٰہی اور ارباب یقین کے راستے پر گامزن ہوں۔

اور وہ لوگ جو ابرار و نیکو کار حضرات کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں وہ کبھی کبھی اس راستے پر چلتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر طلب بقدر ہمت بقدر ارادہ اور فیض حق کے اعتبار سے ہوتی ہے لیکن وہ لوگ جو عامتہ المومنین کے درجہ پر ہیں یعنی عام مسلمان اس معرفت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے اور نہ ان میں اس کے تمیز کی اہلیت و صلاحیت ہوتی ہے۔

خواطر رسالت کا کام کرتے ہیں:

بعض تصورات و خواطر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے بندے کی جانب پیغامبر بن کر آتے ہیں۔ (وَمِنَ الخواطر مَاهِیَ

رسل اللّٰہ تعالیٰ اِلَی الْعَبْد) "جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:
"میرا قلب ایسا ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں معصیت ہو گی" یہ حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے قلوب کو استقامت حاصل ہے' اور استقامت قلب بغیر طمانیت نفس کے حاصل نہیں ہوتی اور جب نفس مطمئن ہوتا ہے تو شیطان اس سے مایوس ہو جاتا ہے لیکن نفس کی حرکت اور جنبش سے صفائے قلب میں تکدر پیدا ہوتا ہے اور جب قلب میں تکدر پیدا ہوتا ہے تو شیطان طمع پیدا کر کے اس کے قریب آجاتا ہے کیونکہ دل کی صفا صرف ذکر الٰہی اور اس کی حفاظت سے باقی رہتی ہے اور ذکر الٰہی ایسا نور ہے جس سے شیطان اس طرح ڈرتا ہے جیسا کوئی آگ سے ڈرتا ہو۔
حدیث شریف میں آیا کہ "شیطان ابن آدم کے دل سے لپٹا ہوا ہے مگر جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو پیٹھ کے پیچھے ہٹ جاتا ہے (تَوَلّٰی وَخَنسَ) اور جب وہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے اور اس کو پھسلا کر خام خیالی میں مبتلا کر دیتا ہے۔"
اللہ تعال کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○

"جو ذکر الٰہی سے منہ پھیر لے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○

"اگر پرہیز گاروں کو کوئی پھرنے والا شیطان چھولے تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں جس کے باعث ان کو بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔"

تقویٰ اصل ذکر ہے:

مذکورہ بالا ارشادات خداوندی سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ تقویٰ سے خالص ذکر کا وجود وابستہ ہے اور اسی تقویٰ سے ذکر کا دروازہ وا ہوتا ہے۔ بندۂ متقی اپنے جوارح اور اعضاء کو برائیوں سے بچاتا ہے اور اس کے بعد وہ فضول اور بیکار باتوں سے گریزاں ہوتا ہے اور لایعنی باتوں سے بچتا ہے تب اس کے اقوال و افعال ضرورت کے تحت صادر ہوتے ہیں اس منزل پر پہنچ کر اس کا تقویٰ اس کے باطن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کے باطن کو پاک کرتا ہے اور اس کو برائیوں اور فضول گوئی سے بالکل محفوظ کر دیتا ہے یہاں تک کہ نفسانی باتوں کا بھی اس سے صدور نہیں ہوتا۔ شیخ سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں "بدترین گناہ نفسانی باتیں ہیں' پس وہ نفس کی باتوں کی طرف متوجہ ہونے کو بھی گناہ سمجھتا ہے اس لئے ان سے بھی بچتا ہے' اسی طرح تقویٰ اختیار کرنے کے بعد جب وہ ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا قلب اس طرح روشن اور تاباں ہو جاتا ہے جس طرح آسمان میں ستارے! بلکہ خود اس کا قلب' ذکر کے روشن ستاروں سے بہرہ یاب ایک آسمان بن جاتا ہے (و یصیر القلب سماء محفوظا بزینة کواکب الذکر) جب یہ صورت حاصل واقع ہو جاتی ہے تو شیطان اس سے بہت دور ہو جاتا

ہے' ایسے بندے پر شیطانی داؤں اور دھوکے بہت ہی کم اثر انداز ہوتے ہیں لیکن نفسانی خیالات اس کے اندر ضرور باقی رہتے ہیں جن سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے اور اس کی صورت ہے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے عام بے ضرر خیالات اور نفسانی خیالات میں فرق کی تمیز کرے کہ بعض خیالات اور خواطر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ ظہور میں (بتوسط عمل) آجائیں تو مضر نہیں ہوتے جیسے نفس کی روز مرہ کی ضروریات ان ضروریات کا تعلق کبھی حقوق سے ہوتا ہے اور کبھی جائز حظوظ و لذات سے (آسائش کی چیزیں) پس ان کی تمیز کرنا ضروری ہے اگر ان ضروریات کے لئے نفس کا تقاضہ ہو تو پھر نفس ملزم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَاۤءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا○ "اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو!"

اس آیت کی شان نزول کا موجب ولید بن عقبہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق کی جانب بھیجا (کہ ان کے اسلام کے بارے میں معلوم کرے) ولید نے ان کے بارے میں حضور ﷺ سے غلط بیانی کی اور ان پر کفر و معصیت کے الزامات لگائے! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لئے ان کی طرف روانہ فرمایا جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس قبیلے سے مغرب اور عشاء کی اذان کی آواز سنی اور ایمان کی ایسی باتیں مشاہدہ کیں جن سے ولید بن عقبہ کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو تنبیہہ فرمائی کہ خبروں کی (اولاً) تحقیق کر لیا کرو!

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول:

حضرت شیخ سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فاسق سے مراد کاذب ہے اور کذب ایک نفسانی صفت ہے کہ یہی نفس چیزوں کو کچھ سے کچھ بنا کر حقائق کے خلاف پیش کرتا ہے پس جب دل میں کوئی خیال گزرے تو اس کو بیان کرنے سے پہلے اس کی پوری پوری تحقیق کر لی جائے اس معاملہ میں بندۂ حق کا دل تصورات کو ایک خبر کی مانند سمجھتا ہے (جس کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے) تاکہ وہ ان کی تحقیق کرے اور عجلت میں نفسانی خواہش کی تحریک پر اس سے کوئی لغزش نہ ہو جائے۔

ایک بزرگ کا اس سلسلہ میں یہ قول ہے کہ ادنیٰ ترین ادب یہ ہے کہ تم جہل و نادانی کے موقع پر توقف کرو اور ادب کا منتہا اور آخری درجہ یہ ہے کہ تم شبہ کے وقت بھی توقف کرو!

شک و شبہ کے موقع پر تقاضائے ادب:

شبہ اور شک کے موقع پر تقاضائے ادب یہ ہے کہ وہ محرک نفس اپنے خالق و باری اور فاطر (کائنات) کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے حضور میں فقر و فاقہ کا اظہار کرے اور اپنی جہالت و نادانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی معرفت اور اس کی

امداد کا طالب ہو! بندہ جب اس طرح اظہار نیاز مندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا فریاد رس اور معین و مددگار ہو گا! اس وقت اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا یہ خیال (خاطر) طلب حظ کے لئے ہے یا طلب حق کے لئے، پس اگر وہ حق کے لئے ہے تو اس کام کو کرنا چاہئے اور اگر حظ نفس کے لئے تو اس کو چھوڑ دے۔

یہ توقف اس وقت کرنا ہو گا جب بندۂ حق کو اپنے ظاہری علم سے اس خاطر کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے اس لئے کہ باطنی علم کی ضرورت اسی وقت پڑتی ہے جب ظاہری علم سے اس کی حقیقت کی طرف راہ نہ مل سکے۔ بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر سوائے حق کے کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں ہوتی، اگر ان کو حظ نفس کا تصور بھی آجائے تو وہ اس کو روحانی گناہ سمجھتے ہیں اور اس سے وہ اسی طرح استغفار کرتے ہیں جس طرح گناہوں سے استغفار کی جاتی ہے۔

کچھ بزرگان دین ایسے ہیں کہ وہ ان تصورات سے اور حظ نفس کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح لطف اندوز ہونے کی اجازت ہوتی ہے اور ان کو اس اجازت کا علم ہوتا ہے، ان حضرات کو اپنے روحانی حال اور اس کی کمی بیشی کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا علم حال محکم و استوار ہوتا ہے، میں دوسرے لوگوں کو اپنے حال کو ان کے حال پر قیاس نہیں کرنا چاہئے اور نہ ان کی تقلید کرنا مناسب ہے کہ یہ ایک امر خاص ہے جو بندۂ خاص کے ساتھ مخصوص ہے۔

تصورات ملکوتی اور حقانی کا ورود:

جب کسی بندۂ حق کو یہ شان حاصل ہو جائے کہ وہ خواطر نفس (نفسانی تصورات) کو شیطانی اثرات سے آزاد ہو جانے والے مقام کی تمیز کر سکے (یعنی جب بندۂ حق میں یہ تمیز پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خواطر نفس کے ان مقامات میں تمیز کر سکے جہاں شیطان کے پنجے اور اس کی گرفت سے رہائی مل جاتی ہے) تو اس وقت اس کے دل پر تصورات حقی اور ملکوتی کا کثرت سے ورود ہوتا ہے اور اس کے حق میں جو چار قسم کے تصورات تھے وہ صرف تین رہ جاتے ہیں یعنی حقانی، ملکوتی اور نفسانی کا ورود ہوتا ہے اور شیطانی تصورات دور ہو جاتے ہیں، چونکہ ان واردات سہ گانہ سے نفس کا مکان یعنی دائرہ نفس تنگ ہو جاتا ہے اس لئے شیطان کا دخل بہت مشکل ہو جاتا ہے، شیطان کا دخول تو وسعت نفس کے باعث ہوتا ہے اور نفس میں یہ وسعت خواہشات کی پیروی اور زمین پر قیام دوامی کے ارادے سے پیدا ہوتی ہے (واتساع النفس باتباع الھوی والاخلا والی الارض) اور جب کوئی بندہ حق اپنے نفس کے دائرے کو حق اور حظ میں تمیز کر کے تنگ کر دے تو ورود شیطان اور گزرگاہ ابلیس اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مقام شیطانی منہدم ہو جاتا ہے اور پھر شاذ و نادر ہی وہاں شیطان کا گزر ہوتا ہے کہ یہ اس کی آزمائش کا موقع ہوتا ہے۔

جب ان مرادین متعلقین سے جو مقام مقربین پر فائز ہیں کوئی ہستی ایسی منزل پر پہنچ جائے کہ اس کا "قلب ذکر" ذکر کے ستاروں کی تابانی سے مزین اور روشن آسمان بن جائے تو اس وقت اس کا قلب بھی سماوی شکل اختیار کر کے اس کے قلب ذکر کے ساتھ عالم بالا کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اور اس کا وجود باطنی طبقات سماوی میں چلا جاتا ہے اور یہ عروج جس قدر ہوتا ہے

اسی قدر نفس مطمئنہ کو ہی حاصل ہوتا ہے اور اس کے خطرات دور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا عروج باطنی تمام آسمانوں سے گزر جاتا ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کو ظاہری جسم اطہر اور قالب کے ساتھ (معراج شریف میں) یہ عروج پیش آیا حضور ﷺ نے ظاہری جسم اطہر اور قالب مقدس کے ساتھ تمام آسمانوں کی منزلوں کو طے فرمایا اور ان سب مرحلوں سے گزر کر اور آگے تشریف لے گئے)۔

جب یہ روحانی عروج اور ارتقاء تکمیل کے مرحلہ سے گزر جاتا ہے تو اس وقت نفسانی تصورات منقطع ہو کر انوار قرب میں پنہاں ہو جاتے ہیں، اور نفس بھی بہت دور رہ جاتا ہے اور خواطر حق بھی منقطع ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ واردات پیغام رساں ہوتی ہیں اور پیغام دور کے لوگوں کو پہنچایا جاتا ہے اور اس کو منزل قرب میسر آگئی ہے اس لئے اس کو پیغام کی ضرورت باقی نہیں رہی (وعند ذلك منقطع عنه خواطر الحق ایضا لان الخاطر رسولٌ والرسالة الى من بعدا وهذا قريب)

یہ روحانی کیفیت عارضی ہوتی ہے:

جس روحانی حالت کا ہم نے ذکر کیا ہے یہ عارضی ہوتی ہے دوامی نہیں ہوتی کچھ عرصہ کے بعد اس کا ہبوط (تنزل) شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بندۂ حق پھر مطالبات نفس اور واردات کی منزل پر لوٹ آتا ہے اور اس وقت واردات حق (خواطر الحق) اور واردات ملکوتی (خواطر الملک) بھی لوٹ آتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ (وجہ تنزل) یہ واردات ملکوتی اور واردات حق وجود چاہتے ہیں (تاکہ ان کا مورد بن سکے) اور وہ کیفیت جو منزل قرب کے سلسلہ میں ہم نے بیان کی ہے وہ حال فنا کی متقاضی ہے (حالت فنا چاہتی ہے) اس حالت میں کسی تصور اور خیال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

واردات حق ختم کیوں ہوئے:

واردات حق تو اس لئے ختم ہو جاتے ہیں کہ وہ مقام قرب میں پہنچ گیا تھا اور نفسانی واردات اس لئے دور ہو گئے کہ وہاں نفس بہت دور رہ گیا تھا (نفس کی دوری تھی) بلکہ ملکوتی واردات ہی اسی طرح پیچھے رہ گئے جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام شب معراج میں حضور سرور کونین ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا "لو دنوت انمله لاحترقت" (اگر میں ایک پورے برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔)[1]

شیخ محمد بن الترمذی فرماتے ہیں کہ "اگر قائل اور متکلم اپنے ان درجوں پر استقامت کے ساتھ قائم ہیں (محقق رہیں) تو ان کو حدیث نفس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، جس طرح نبوت شیطانی اثرات سے محفوظ ہوتی ہے اسی طرح (بلاشبہ) ایسے بزرگوں کے اقوال و احکام بھی نفس کے اثر اور اس کے فتنوں سے محفوظ اور مصئون رہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان

(۱) اب تاب نہیں آگے جو بڑھوں، جل جاؤں گا رخصت مجھ کو طے جبرئیل جہاں یہ کہتے ہوں وہ قرب کی منزل کیا کہنا (شمس بریلوی)

اور حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا: اگر یک سرموئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

کی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کو سکونِ قلب عطا کیا جاتا ہے جو ان کے اور ان کے نفس کے درمیان ایک حجاب بن جاتا ہے (لان السکینۃ حجاب المتکلم والمحدث مع نفسہ)

حضرت شیخ ابو محمد بن عبداللہ البصریؒ کا یہ ارشاد میں نے شہر بصرہ میں سنا کہ خواطر (واردات) کی چار قسمیں ہیں: (ا) واردات نفس (۲) وارادات حق (۳) واردات ملکوتی (۴) واردات شیطانی۔

ان میں سے واردات نفس کا احساس تو اصل قلب سے ہوتا ہے یا سرزمین قلب سے (فیحس بہ من ارض القلب) واردات حق کا احساس فوق قلب سے ہوتا ہے۔ واردات ملکوتی کا احساس قلب کے پہلوئے راست سے ہوتا ہے اور واردات شیطانی کا قلب کے پہلوئے چپ سے۔

شیخ موصوف کے اس ارشاد کا مصداق وہ بندگان حق ہیں جن کے نفوس زہدو تقویٰ (کی آگ سے) گداختہ ہو گئے ہیں اور ان کے ظواہر و بواطن درست ہو چکے ہیں اور وجود کی کھوٹ نکل چکی ہے اور ان کے قلوب آئینہ ہائے مصقول بن گئے ہیں ان کے اندر شیطان کسی سمت سے بھی داخل ہوں اس کو دیکھتے ہیں لیکن جب دل سیاہ ہو جائے اور اس پر زنگ چڑھ جائے' (آئینہ قلب زنگ آلود ہو جائے) تو پھر وہ شیطان کے داخل ہونے کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

گناہ سے دل پر سیاہ نقطہ بن جاتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اور جب وہ اس کے دور کر دے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل پھر روشن اور صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ پھر گناہ کا اعادہ کرے تو وہ داغ بڑھتا ہے اور بڑھتے بڑھتے تمام دل پر چھا جاتا ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ "جو کچھ کام وہ کرتے ہیں وہ ان کے دل پر مسلط ہو گئے ہیں۔"

اس سلسلہ میں ایک عارف باللہ نے ارشاد فرمایا ہے جس کا ان پر کشف ہوتا تھا کہ "حدیث (بات) انسان کے باطن میں موجود ہے اور اس کا خیال جو بات باطن میں موجود تھی اگر صفائے ذکر کے درمیان آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واردات قلب سے ہے' واردات نفس سے نہیں ہے۔" چونکہ ان کا یہ ارشاد طریقت کے مسلمہ اصول کے خلاف تھا لہٰذا میں نے ان سے سوال کیا۔ انہوں نے میرے سوال کا جواب دیا کہ "نفس اور قلب کے مابین ایک مستقل کشمکش جاری و ساری رہتی ہے اور ساتھ ہی باہمی الفت و مودت بھی ہے تو نفس اپنی خواہش کے مطابق اپنے قول یا فعل سے قلب پر اثرانداز ہوتا ہے اور اس میں تکدر پیدا کرتا دیتا ہے (اس کے صفا جاتی رہتی ہے) لیکن جب بندۂ حق مطالبات نفس سے رجوع کرتا ہے اور ذکر الٰہی اور مناجات اور خدمت الٰہی میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس وقت قلب نفس پر عتاب کرتا ہے اور اس کے اس قول و فعل کا (جو اس کے تکدر کا باعث ہوا تھا) اس طرح ذکر کرتا ہے جیسے اس کو ملامت کر رہا ہو۔

چونکہ تصور ہی اصل میں کسی خیال یا عمل کا نقطہ آغاز ہے' اس لئے بندہ حق کا اصل کام یہ ہے کہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہو کیونکہ عمل کی نشوونما تصور ہی سے ہوتی ہے (اس لئے حقیقت تصور کا معلوم کرنا ضروری ہے) کہ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ علم جس کا حاصل کرنا فرض ہے اور جس کے بارے میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے (طلب العلم فَرِيضة عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)[1] وہ علم خواطر ہے' وہ کہتے ہیں کہ اسی سے عمل کا آغاز ہوتا ہے اور جب خیال و تصور میں خرابی ہے تو عمل بھی خراب ہو گا۔"

لیکن میری نظر میں بزرگ موصوف کا یہ خیال قابل توجہ اور لائق پذیرائی نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد مذکورہ بالا سے علم کی طلب ہر ایک مسلمان پر فرض ہے (اس ارشاد میں عمومیت ہے خصوصیت نہیں ہے) اور ظاہر ہے ہر مسلمان اس قدر فطانت و ذہانت نہیں رکھتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا علم کی باریکیوں کو سمجھ سکے (اس طرح اس کا اطلاق خواص پر ہو گا اور یہ درست نہیں کہ حدیث شریف میں ہر مسلمان پر طلب کو فرض کیا گیا ہے) پس ایک طالب حق کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ خواطر و تصورات تخم نباتات کی طرح ہیں ان میں سے کچھ تخم ہائے سعادت ہیں کچھ تخم ہائے شقاوت!

اشتباہ خواطر کے اسباب:

اشتباہ خواطر کے صرف چار اسباب ہیں (پانچواں نہیں ہے) (۱) ضعف الیقین یا اخلاق و صفات نفس سے کم آگاہی (۲) خواہشات کی پیروی تقویٰ کے اصول کو توڑ کر (۳) دنیاوی جاہ و مال کی محبت (۴) لوگوں میں قدر و منزلت اور رفعت و سربلندی کی آرزو۔ جو بندۂ حق ان چار باتوں سے محفوظ ہے وہ ملکوتی اور شیطانی تصورات میں تمیز کر سکتا ہے اور جو شخص ان میں مبتلا ہے وہ نہ ان کو جان سکتا ہے اور نہ ان کی تلاش کر سکتا ہے۔

بعض حضرات پر ان چار وجوہ اشتباہ میں سے بعض وجوہ موجود ہونے کے باوجود بعض خواطر کا انکشاف ہوا ہے لیکن کل خواطر منکشف نہیں ہوئے اس کا سبب یہی ہے کہ بعض وجوہ ان میں موجود ہیں (اور بعض خواطر کا انکشاف اسی وجہ سے ہوا کہ بعض وجوہ ان میں موجود نہیں) وہ شخص جو ان خواطر کو سب سے زیادہ معلوم کر سکے وہی سب سے زیادہ نفس شناس ہو سکتا ہے کہ نفس شناسی بڑا ہی مشکل مرحلہ ہے اور یہ کمال اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب زہد و تقویٰ پر پوری دسترس ہو۔

مشائخ عظام اس امر پر متفق ہیں کہ جس شخص کا کھانا پینا اور جس کی روزی حرام کی ہو وہ الہام اور وسوسہ (خواطر) میں تمیز نہیں کر سکتا۔ شیخ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی روزی معلوم اور مقرر ہے وہ الہام اور وسوسہ میں تمیز نہیں کر سکتا لیکن میری نظر میں یہ بات علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ مشروط طور پر درست ہو سکتی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معلوم اور مقررہ روزی حق تعالیٰ کی طرف سے مقسوم ہوتی ہے اور اس کی اجازت بندے کو اسے حاصل کرنے اور کھانے سے

(1) علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

سے قبل ہی مل جاتی ہے' ایسی روزی تمیز خواطر کے لئے حجاب نہیں بنتی ہے۔ ہاں اس شخص کی روزی حجاب بن جاتی ہے جس نے دیدہ و دانستہ ایسی روزی حاصل کی ہے کیونکہ اس کے حصول میں اس کی خواہش اور رغبت کا دخل ہے لیکن جو صورت ہم نے بیان کی ہے اس میں چونکہ انسان کے ذاتی ارادے اور اختیار کا دخل نہیں ہے اس لئے وہ روزی حجاب نہیں بن سکتی! (کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فتوح اس کو میسر ہوئی ہے)۔

واردات اور وساوس:

ہوا جس نفس اور شیطانی وسوسوں میں یہ فرق (ارباب بصیرت نے) بیان کیا ہے کہ نفس تو اپنے خواہش اور مطالبہ پر ڈٹا رہتا ہے جب تک اس کی وہ خواہش پوری نہ کر دی جائے اور وسوسہ ہائے شیطانی جب کسی انسان کو لغزش پر آمادہ کرتے ہیں اور وہ اس کو نہ مانے تو شیطان ایک دوسرا وسوسہ پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصود کوئی مخصوص وسوسہ پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود اصلی گمراہ کرنا ہے جس طرح بھی وہ ممکن ہو۔

مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ "اگر کسی شخص کے دل میں دو خیالات یا جذبات (خاطرین) پیدا ہوں تو وہ ان میں سے کس کی پیروی کرے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ پہلے جذبہ کی پیروی کی جائے کیونکہ جب تک وہ باقی رہے گا اس پر انسان غور و فکر کرتا رہے گا اور علم کی یہی شرط ہے (کہ غور و فکر سے کام لیا جائے) شیخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے کہ وہ قوی تر ہے کہ پہلے جذبہ سے اسکی قوت حاصل ہوتی ہے۔ شیخ ابو عبداللہؒ بن خفیف فرماتے ہیں کہ "دونوں جذبات و تصورات برابر و یکساں ہیں کیونکہ دونوں کا تعلق حق سے ہے اس لئے ایک دوسرے کو پر فوقیت دینے کے کیا معنیٰ!

واردات و خواطر کا فرق:

بزرگان طریقت فرماتے ہیں کہ واردات' خواطر (تصورات) سے زیادہ عام ہیں' کیونکہ خواطر ایک طرح سے خطاب سے مطالبہ سے مخصوص ہیں (خواطر میں مطالبہ ہوتا ہے یا خطاب ہوتا ہے) مگر واردات کبھی خطابات یا تصورات کی صورت میں ہوتے ہیں اور کبھی وہ سرور' کبھی غم و حزن اور کبھی قبض و بسط کی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں (اس لئے یہ زیادہ عام ہوئے بمقابلہ خواطر کے)۔

کہا جاتا ہے کہ توحید کے نور سے حقانی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے اور معرفت کے نور سے ملکوتی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے' نور ایمان سے نفس کو روکا جاتا ہے اور نور اسلام سے دشمن کو شکست دی جاتی ہے (اس کو رد کیا جاتا ہے) بایں ہمہ جو شخص زہد کے حقائق کو معلوم نہیں کر سکا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ واردات اور خواطر کو معلوم کرے تو اس کو چاہئے کہ اولاً وہ خاطر (وارد) کو میزان شریعت پر تولے پس اگر وہ وارد یا خیال فرض ہے یا نفل ہے تو اس پر عمل کرے اور اگر حرام یا مکروہ ہے تو اس کو ترک کر دے۔ اگر دونوں جذبات علم شرع کے اعتبار سے مساوی ہوں تو ان میں سے پہلے اس جذبہ پر عمل کرے

جس میں خواہش نفسانی کی مخالفت زیادہ ہو کہ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کسی جذبہ کے اندر کوئی نفسانی خواہش چھپی ہو اور نفس کا خاصہ اور اس کی شان ہے کہ وہ ادنیٰ چیزوں کی جانب کجروی کے ساتھ زیادہ مائل ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس کی شادمانی کے لئے کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بندہ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ تحریک اور جنبش قلب کا نتیجہ ہے اور کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ قلب خود بھی نفس کے ساتھ مل کر اور پر سکون رہ کر نفاق کا اظہار کرتا ہے' ایک بزرگ کا قول ہے کہ بیس سال بیت گئے کہ میرا قلب نفس کے ساتھ ایک ساعت کے لئے بھی پر سکون نہیں ہوا ہے۔ بہرحال نفس کے ساتھ قلب کے پر سکون ہو جانے سے ایسے خواطر (تصورات) پیدا ہوتے ہیں جو خواطر الحق سے مشابہہ ہوتے ہیں لیکن ارباب علم کے لئے نہیں بلکہ کم علم لوگوں کے لئے' پس نفاق قلب سے پیدا ہونے والے خواطر کو علمائے راسخون ہی پہچان سکتے ہیں اور دوسروں کے بس کا کام نہیں!

ارباب قلوب' اصحاب یقین اور بیدار دل حضرات پر اکثر اس قسم کی آفات نازل ہوتی ہیں' اس کا باعث علم النفس اور علم قلب کے سلسلہ میں ان کی کم آگہی ہے (وہ ان علوم سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے) اور نفسانی خواہش کا کچھ حصہ ابھی ان میں باقی ہے' پس بندۂ حق کو قطعی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک اس میں ہوئی اور خواہش نفسانی کا اثر باقی ہے خواہ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو' اسی نسبت اور اعتبار سے اشتباہ خاطر کی کیفیت اس میں باقی رہے گی۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک قلیل العلم شخص "خواطر" کی شناخت اور تمیز میں غلطی کرتا ہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا تاوقتیکہ شریعت کی طرف سے اس سے کوئی مطالبہ نہ کیا جائے لیکن ایسے خطاکاروں کے لئے معافی نہیں جن کو بذریعہ کشف ان دقائق اور رموز سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور علم و آگہی رکھتے ہوئے انہوں نے عجلت سے کام لیا اور ان کے قدموں کو لغزش ہوئی۔

نفس کی تحریک کے نتائج:

بعض علماء نے کہا کہ ملکوتی اور شیطانی اثرات' روح اور نفس کی تحریک سے پیدا ہوتے ہیں' جب نفس میں تحریک ہوتی ہے تو اس کے اندر سے اس کا جو ہر ظلمت بر آمد ہوتا ہے جو دل میں برے خیالات کی بنیاد ڈال دیتا ہے اس وقت شیطان اس کی طرف دیکھتا ہے اور اس کو بہکاتا ہے اور وسوسے پیدا کرتا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفس کی حرکت یا تو خواہش نفسانی ہوتی ہے جو ایک عارضی حظ نفس کی صورت سے زیادہ اور کچھ نہیں' یا اس کی تحریک کا باعث کوئی آرزو یا امید ہوتی ہے ہوتی ہے جو انسان کی طبعی جہالت (جہل عزیزی) کا نتیجہ ہوتا ہے یا حرکت و سکون کا دعویٰ تحریک کا باعث ہوتا ہے اور یہ عقل کے لئے آفت ہے اور قلب کے لئے مصیبت ہے ان تینوں کیفیتوں کا محرک' ان تینوں میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا' کوئی ایک ہوتا ہے' یعنی بیکار خواہش (حظ نفس) جہالت' دعویٰ خودی' بہرحال کوئی بھی محرک ہو اس کا دور کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ محرک یا تو فوری احکام کا مخالف ہوتا ہے یا کسی ممنوعہ شے کا موافق' (دونوں صورتوں میں اس کا دور کرنا ازبس ضروری ہے) یا کسی مباح

کام پر آمادہ کراتا ہے تو اگر اس مباح اور جائز کام سے بھی پرہیز کیا جائے تو موجب فضیلت ہے، نفس کے برعکس جب روح میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو روح کے جوہر سے ایک جگمگاتا ہوا نور برآمد ہوتا ہے اور جب یہ نور قلب پر پرتو فگن ہوتا ہے تو اس سے قلب میں بلندی ہمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے یہ اثرات سہ گانہ مرتب ہوتے ہیں، یا تو کسی فرض کے بجالانے کا حکم ملتا ہے، یا کسی فضیلت کی طرف بلایا جاتا ہے، یا کسی ایسے مباح امر کی طرف بلایا جاتا ہے جس میں اس کے لئے فلاح مضمر ہوتی ہے، اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ روح اور نفس کی تحریک ہی ملکوتی اور شیطانی اثرات پیدا کرنے والی ہے۔

میرے نزدیک شیطانی اور ملکوتی اثرات ہی روح و نفس کے محرک ہیں، ملکوتی اثرات سے روح حرکت کرتی ہے اور روح کی اس جنبش سے بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے اور یہ حرکت روح، ملکوتی اثر کی برکت ہے اور اسی طرح شیطانی اثر سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس سے دوں ہمتی وجود میں آتی ہے اور یہ شیطانی اثر کی شومی ہے۔

جب یہ دونوں قسم کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں تو دونوں قسم کی حرکتیں (روحانی اور نفسانی) ظہور میں آتی ہیں اور اس وقت عطا کرنے والے کریم اور آزمائش و حکمت والے کی عطا اور ابتلا (آزمائش) کا راز ظاہر ہو جاتا ہے کبھی ایسی صورت بھی ہوتی ہے کہ یہ دونوں اثرات پے درپے رہتے ہیں اور ایک اثر دوسرے اثر کے ذریعے فنا ہو جاتا ہے۔ جو شخص دانشمند اور بیدار دل ہے اس پر ان آثار کے مشاہدے سے خودبخود محبت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے حال کا نگراں رہ کر ان دونوں اثرات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

مذکورہ بالا چار خواطر کے علاوہ پانچویں خاطر (پانچویں قسم کے تصورات) کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کو "خاطر العقل" کہتے ہیں، جو مذکورہ خواطر اربعہ کی ایک درمیانی صورت ہے "خاطر العقل" اس کیفیت کا نام ہے جو نفس کے اور دشمن نفس یعنی شیطانی تصورات کے ساتھ باقی رہتی ہے اس کے ذریعہ قوت تمیز اور ثبوت حجت بندے میں پیدا ہوتی ہے اور بندے میں یہ صلاحیت آجاتی ہے کہ وہ کسی شے میں عقل و ہوش کے ساتھ داخل ہو سکے (عقل و ہوش سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت کو سمجھ سکے) کیونکہ اگر عقل جاتی رہے تو جزا و سزا کی صورت ہی باقی نہ رہے، کبھی یہ قسم روحانی اور ملکوتی صفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے تاکہ جو کام کیا جائے جو فعل سرزد ہو وہ باختیار سرزد ہو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کیا جا سکے!

ایک خاطر سادس بھی ہے:

بعض اصحاب طریقت نے "خاطر سادس" کو بھی بیان کیا اور اس کو "خاطر یقین" سے موسوم کیا گیا ہے (تصورات یقین) جو ایمان کی روح اور ازدیاد علم کا موجب ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ خاطر سادس یا (خاطر الیقین) سے بھی وہی کچھ حاصل ہوتا ہے جو "خاطر الحق" سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح عقلی تصورات بھی کبھی ملکوتی صفات کا نتیجہ ہوتے ہیں، اور کبھی "خاطر النفس" کا اس لئے کہ تصورات عقلی (خاطر العقل) کوئی مستقل قسم نہیں ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ عقل ایک طبعی صلاحیت ہے جس کے ذریعہ علوم کا ادراک کیا جاتا ہے اس لئے کبھی اس کا ملکوتی جذبات سے، کبھی روحانی جذبات

سے اور کبھی شیطان جذبات سے تعلق ہوتا ہے (اس سے ظاہر ہے کہ وہ کوئی مستقل قسم نہیں ہے)۔ اس اعتبار سے خواطر (تصورات) کی چار ہی قسمیں ہیں اور سرکار رسالتمآب ﷺ نے دو قسموں کا ذکر فرمایا ہے پس یہی دو قسمیں یعنی شیطانی خواطر اور ملکوتی خواطر اصل بنیاد ہیں اور باقی دو قسمیں ان کی فروع ہیں (یعنی واردات نفس اور واردات حق) اور صورت ان فروع کی یہ ہے کہ جب ملکوتی تصورات روح میں تحریک پیدا کرتے ہیں تو اس وقت روح میں نیک ارادوں (همة الصالحه) کی تحریک ہوتی ہے اور وہ بارگاہ قربت خداوندی کی طرف اہتزاز کرتے ہیں (جنبش میں آتے ہیں) اس دم اس پر واردات حق کا نزول ہوتا ہے (فورد علیه ذالك خواطر من الحق) اور جب یہ قربت متحقق ہو جاتی ہے تو اس دم فنا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اور اس مقام فنا میں اس پر واردات ربانی کا نزول ہوتا ہے (جس کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں) للہذا خواطرالحق (واردات حق) کی اصل تصور ملکوتی ہوتا ہے۔

اسی طرح شیطانی ورود سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس حرکت شیطانی سے نفس اپنے اصلی اور طبعی مرکز میں پہنچ جاتا ہے اس وقت اس سے ان خواطر (تصورات) کا ظہور ہوتا ہے جو اس کی فطرت، خواہش اور طبیعت کے مناسب ہوتے ہیں، اس طرح خواطر نفس بھی شیطانی اثر کا نتیجہ ہوئے پس اس توضیح سے یہ ثابت ہوا کہ تصورات کی اصل بنیادی قسمیں تو دو ہی ہیں، ملکوتی اور شیطانی تصورات اور انہی سے دو قسمیں پیدا ہوئی ہیں جن کو خواطر نفس اور خواطر حق کہا جاتا ہے اور عقل و یقین (پانچویں اور چھٹی قسم) کے خواطر بھی اس میں شامل ہیں۔

باب 58

شرح حال و مقام اور دونوں کا فرق

حال و مقام کے درمیان بہت زیادہ اشتباہ ہے (ایک دوسرے سے ملتے جلتے الفاظ ہیں) اور مشائخ کے اشارات بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں، یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ان دونوں الفاظ کا مفہوم فی نفسہ بہت مشابہہ ہے اور اس طرح ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں کہ ایک ہی چیز کو بعض لوگ حال سمجھ لیتے ہیں اور بعض اس کو مقام سمجھتے ہیں کیونکہ بظاہر دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔

اس لئے اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ ان کے درمیان فرق کرنے کا کوئی ضابطہ مقرر کیا جائے، ہرچند کہ لفظاً اور معناً دونوں میں فرق موجود ہے (علی ان اللفظ والعبادۃ عنہما معشر بالفرق) اگر ان کی لفظی ساخت پر غور کیا جائے با معنی پر تو یہ فرق ظاہر ہو سکتا ہے کہ حال کو تو حال اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ بدلتا رہتا ہے اور مقام اس وجہ سے مقام کہلاتا ہے کہ وہ ایک جگہ قائم ہے اور اس کو استقرار حاصل ہے! کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز جو بذات خود حال ہوتی ہے وہ رفتہ رفتہ مقام میں تبدیل ہو جاتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کسی بندے کے باطن میں محاسبہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے لیکن وہ صفات النفس کے غلبہ سے دور ہو جاتا ہے اور پھر پیدا ہوتا ہے اور پھر زائل ہو جاتا ہے (یعنی یہ جذبہ کبھی پیدا ہوتا ہے اور کبھی زائل ہو جاتا ہے) اس طرح یہ بندۂ حق محاسبہ کے حال میں رہتا ہے اور اس کا یہ روحانی حال نفسانی صفات کے غلبہ سے بدلتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب توفیق خداوندی اس کے شامل حاصل ہوتی ہے تو اس دم اس محاسبہ کا حال تمام نفسانی صفات پر غالب آ جاتا ہے اور پھر نفس مغلوب ہو کر اس کا تابع بن جاتا ہے اور اس وقت یہ جذبۂ محاسبہ اس کا وطن، مستقر اور مقام بن جاتا ہے (یعنی وہ محاسبہ کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے) اور اس سے قبل جب کہ حال بدل رہا تھا وہ محاسبہ کے حال میں تھا۔

محاسبہ و مراقبہ:

مقام محاسبہ پر پہنچنے کے بعد اس پر حال مراقبہ طاری ہو جاتا ہے اب صورت یہ ہے کہ محاسبہ اس کا مقام ہے اور مراقبہ اس کا حال ہے، بندے کے لہو و غفلت کے باعث مراقبہ کے حال میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے، جب کبھی اس سہو و غفلت کا کہرہٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے تو پھر یہ حال مراقبہ بھی مقام بن جاتا ہے (حالانکہ اس سے قبل وہ

حال تھا) اس نکتہ کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ محاسبہ پر مراقبہ کے حال کی بدولت اس کو قرار نصیب ہوا اور مراقبہ کے مقام پر اس وقت قرار میسر آسکتا ہے جب کہ مشاہدہ کا حال طاری ہو' لہٰذا جب بندۂ حق مشاہدہ کے حال میں داخل ہو جاتا ہے تو مراقبہ اس کا مقام بن جاتا ہے۔

اب حال مشاہدہ بھی تبدیل ہونے لگا کبھی استتار (پوشیدگی) کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور کبھی تجلی کا ظہور ہوتا ہے (مشاہدہ کے حال میں تبدیلی ہو رہی ہے) آخر وہ اس کا مقام بن جاتا ہے اور اس کا خورشید مشاہدہ کسوف استتار سے نکل آتا ہے' (یعنی وہی مشاہدہ جو مراقبہ کے مقام میں حال تھا اب مقام بن گیا) یہ بات پیش نظر رہے کہ مقامِ مشاہدہ میں بھی مختلف اقوال ہوتے ہیں' اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بندہ ترقی کرتا رہتا ہے) تاآنکہ وہ تمام مشاہدہ سے ترقی کر کے عالم فنا میں پہنچ جائے پھر وہاں سے رہائی پاکر بقا کی طرف لوٹ آئے اور عین الیقین سے ترقی کر کے حق الیقین تک پہنچ جائے۔

حقیقت حق الیقین:

حق الیقین بھی ایک جذبہ ہے جو نازل ہو کر پردۂ قلب کو پاک کر دیتا ہے اور یہ مشاہدہ کی سب سے اعلیٰ نوعیت ہے (اعلیٰ فرع ہے) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ "الٰہی میں تجھ سے ایسے ایمان کا طالب ہوں جو میرے قلب میں پیوست ہو جائے۔"

شیخ سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ دل کے دو جوف ہوتے ہیں ایک ان میں سے باطن ہے جس میں سمع' بصر ہے اور یہی قلب کا قلب یعنی مرکز ہے اور یہی نقطۂ دل ہے اور دوسرے جوف یا خول میں قلب ظاہر ہے اور اسی میں عقل ہے' دل میں عقل کی مثال ایسی ہے جس طرح آنکھوں میں بینائی اور نظر' وہ اس مخصوص جگہ پر ایک نور کی طرح پر ہے اس نور کی طرح جو مردمک چشم (پتلی) میں ہے جس طرح آنکھ سے نکلنے والی شعاعیں ان چیزوں کو گھیر لیتی ہیں جن کا دیکھنا مقصود ہے۔ اس طرح نظر عقل سے علوم کی جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ معلومات کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جو قلب کے پردے کو چاک کر دیتی ہے اور اس کے مرکزی سیاہ نقطہ تک پہنچ جاتی ہے اسی کا نام حق الیقین ہے یہ سب سے عظیم عطیہ ہے اور سب سے اعلیٰ اور اشرف حال ہے اور معزز ترین کیفیت ہے۔ اس حال کی نسبت مشاہدہ سے ایسی ہے جو پختہ اینٹ کی مٹی سے ہوتی ہے کہ پہلے وہ تراب (مٹی) تھی پھر (پانی ملانے سے وہ طین بنی اس کے بعد طین سے کچی اینٹ بنائی گئی اور پھر پکی اینٹ تیار ہوئی' پس مشاہدہ ہی اصل بنیاد ہے کہ تراب فنا ہو کر طین بنی اور پھر کچی اینٹ کی طرح بقا کا وجود ہوا اور اس کے بعد (آجر کی طرح) حق الیقین کی حالت ہے جو اس سلسلہ میں آخری فرع ہے۔

مقامات اور احوال:

چونکہ یہ حالت تمام احوال کی اصل اور ان کی بنیاد ہے اور اشرف الاحوال ہے' اور یہ حالت اکتسابی نہیں ہے صرف وہبی ہے (یعنی خداداد عطیہ ہے) اس لئے بندۂ حق کی ان تمام خداداد کیفیات کو احوال کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں بندۂ حق کی سعی کو کوئی دخل نہیں ہے اس لئے کیفیت حال کے نام سے موسوم ہو گئی اور شیوخ کی زبانوں پر تو یہ بات چڑھی رہتی ہے (وہ ہر وقت اس کو بیان کرتے ہیں) کہ مقامات کوشش سے حاصل ہوتے ہیں اور احوال صرف اللہ کی دین ہے (مقامات مکاسب ہیں اور احوال مواہب ہیں) اور انہی کے ذریعہ برکات کا نزول ہوتا ہے' پس صحیح بات یہی ہے کہ احوال عطیات خداوندی ہیں اور اس تربیت پر نازل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ تمام کسبی کیفیات ان خداداد کیفیات سے گری ہوئی ہیں اور یہ خداداد کیفیات کسبی کیفیات سے محیط ہیں چنانچہ احوال' وجدانی کیفیات ہیں اور مقامات تک رسائی کے راستے میں فرق صرف یہ ہے کہ مقامات میں عمل اور سعی کا ظاہری دخل ہے اور باطن میں وہ مواہب ہیں اور احوال میں صورت یہ ہے کہ باطنی کسبی ہے اور ظاہر مواہب ہے (یعنی مقامات کے برخلاف) احوال مواہب علویہ سماویہ ہیں اور مقامات ان مواہب علویہ سماویہ کے راستے ہیں۔

حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور قول ہے:

سلونی عن طرق السموات فانی اعرف بها من طرف الارض[1]

"تم مجھ سے آسمانوں کے راستے دریافت کرو' کیونکہ میں ان سے ایسا ہی واقف ہوں جیسے زمین کے راستوں سے۔"[2]

اس قول میں آپ کی مراد راستوں سے "مقامات اور احوال" ہیں چنانچہ آسمانوں کے راستے زہدوتوبہ کے مقامات ہیں' ان راستوں پر چلنے والوں کا قلب آسمانی (سماویہ) ہو جاتا ہے' اور یہ ایسے طریقے ہیں جن میں کچھ احوال ہیں اور کچھ برکات کے نزول کی منزلیں ہیں' اور یہ احوال قلب سماویہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے (اب ہم پھر حال کی صراحت کی طرف رجوع ہوتے ہیں)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حال ذکر خفی نام ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ہم نے عراق کے بعض مشائخ سے یہ سنا ہے کہ حال وہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہو اور جو کام انسانی کوشش اور عمل سے ظہور میں آئے تو کہتے ہیں کہ یہ "بندہ کی طرف سے ہے" پس اگر مرید پر کوئی خداداد بات' کوئی وجدانی کیفیت طاری ہو تو وہ کہتے ہیں کہ

---

(1) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت ۷۰ ۴ سطر ۲۲۔

(2) اس ارشاد کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں مجھ سے آسمانوں کے راستوں کو معلوم کرو میں نے ان کو زمین کے راستوں کے ذریعہ شناخت کرنے کی مہارت حاصل کرلی ہے۔

یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کو وہ حال کے نام سے موسوم کرتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ حال ایک خداداد عطیہ ہے (یعنی موہبت)۔

خراسان کے بعض مشائخ احوال کے تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ "الاحوال مواریث الاعمال" (احوال اعمال کا ورثہ ہیں) بعض لوگوں کا یہ قول بھی اس سلسلہ میں مشہور ہے "الاحوال کالبروق" (احوال برق کی طرح ہیں) اگر وہ برقرار رہیں تو سمجھ لو کہ کلام نفسانی ہیں (احوال نہیں ہیں) مگر یہ قول کلیۃً درست نہیں ہوتا' عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ احوال نفس کے ساتھ نہیں مل سکتے جس طرح تیل پانی کے ساتھ نہیں مل سکتا (اگر دونوں کو ملا دیا جائے تو تیل الگ ہو گا اور پانی الگ اسی طرح احوال الگ رہتے ہیں اور نفسانی کلام الگ رہتا ہے)۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ احوال ہمیشہ برقرار رہتے ہیں اگر وہ ہمیشہ برقرار رہنے والے نہ ہوں تو ان کو لوائح طوائع اور بوادر کہا جاتا ہے (لیکن یہ خیال غلط ہے) کیونکہ یہ کیفیات (لوائح' طوالع اور ابوادر) بذات خود احوال نہیں ہیں بلکہ یہ مقدمات احوال ہیں۔

ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی:

مشائخ کا اس امر میں "ایک بندہ حق کے لئے کیا یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے موجودہ مقام کے استحکام سے پہلے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جائے۔" اختلاف ہے کچھ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور کچھ نادرست کہتے ہیں۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ اپنے مقام کے احکام کے استحکام سے قبل دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا مناسب نہیں ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

> "کوئی شخص اپنے موجودہ مقام کو اس وقت تک مکمل نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے اس مقام سے اوپر کے مقام پر نہ پہنچ جائے اس لئے کہ جب وہ اوپر کے مقام پر پہنچ کر نیچے کے مقام پر نظر کرے گا تب ہی اس کا پہلا مقام مستحکم ہو سکتا ہے۔"

بہرنوع اس مسئلہ پر اختلاف ہے اس کا حل مناسب طریقے سے یوں کیا جا سکتا ہے' ایک شخص کو اس کے مقام میں ایک حال عطا ہوتا ہے جو اس کے مقام سے اعلیٰ اور بلند ہے اور جس پر وہ ترقی کرنا چاہتا ہے پس اس حال کو پاکر اس کے موجودہ مقام کا معاملہ مستحکم ہو جاتا ہے لیکن یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے اس میں بندے کی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا خواہ وہ ترقی (ایک مقام سے دوسرے مقام پر) کرے یا نہ کرے وجہ اس کی یہ ہے کہ بندۂ حق ان احوال کی بدولت ہی مقامات کی طرف ترقی کرتا ہے جو عطیہ خداوندی ہوتے ہیں' اور یہ وہ مقامات ہیں جہاں تدبیر و تقدیر کا امتزاج ہوتا ہے (کسب موہبت کے ساتھ ملا ہوتا ہے) بندۂ حق کو اس وقت اعلیٰ مقام سے کوئی حال اسی وقت نظر آتا ہے جب اس اعلیٰ مقام کی طرف اس کی ترقی کا زمانہ

قریب ہوتا ہے اس وقت ان بلند مقامات کی طرف اپنے زائد احوال کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے کہا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مقامات اور احوال ایک دوسرے میں داخل ہیں یہاں تک کہ توبہ تک میں یہ صورت ہے (فعلی ماذکرناہ تیضح تداخل المقامات و الاحوال حتی التوبة) کوئی فضیلت ایسی نہیں ہے جس میں حال اور مقام موجود نہ ہو' زہد میں بھی حال و مقام موجود ہے توکل میں بھی حال و مقام ہے اور رضا میں بھی حال و مقام ہے چنانچہ شیخ ابو عثمان الجبریؒ نے فرمایا کہ:

"چالیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جس حال میں رکھے مجھے وہ ناپسند نہیں ہوتا۔"

شیخ کے اس قول میں رضا کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے وہ حال کی شکل میں نمودار ہوئی اور پھر اس نے مقام کی شکل اختیار کر لی (یعنی شیخ اب مقام رضا پر فائز تھے) اسی طرح محبت میں بھی حال اور مقام پایا جاتا ہے' توبہ کی بھی یہی صورت ہے کہ بندہ توبہ کرتا ہے اور توبہ کی حالت تبدیل ہوتی رہتی ہے اور آخر کار وہ توبہ کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے' جہاں توبہ کا راستہ آزردگی اور پشیمانی سے ملتا ہے۔

زجر کی حقیقت:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے زجر قلب کی ایک ایسی ہیجانی کیفیت کا نام ہے جس کو اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک اس کو غفلت سے متنبہ نہ کیا جائے۔ اس تنبیہہ کے بعد وہ صحیح اور غلط بات کو سمجھ لیتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زجر قلب کی وہ روشنی ہے جس کے واسطے سے انسان اپنے ارادہ کی غلطی کو پہچانتا ہے۔

زجر مقدمہ توبہ میں تین صورتوں میں پایا جاتا ہے (1) زجر علم کے طریقے سے۔ (2) زجر عقل کے طریقے سے۔ (3) زجر ایمان کے طریقے سے۔ بہرحال ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو اللہ تعالیٰ اس زجر کے ذریعے بندۂ حق کو توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کا غلبہ حال توبہ کے آثار کو مٹا دیتا ہے تاآنکہ زجر استقرار سے مقام نہ بن جائے (جب زجر کو مقام کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو خواہشات نفسانی توبہ کے حال کو مٹانے پر قادر نہیں رہتیں)

یہی کچھ حال زہد کا ہے' یہ جذبہ جب کسی پر مسلط ہوتا ہے تو دنیاوی مشاغل کے ترک میں وہ لذت محسوس کرتا ہے اور ان کو قبول کرنا اس کو ناپسند اور اس کی نظر میں قبیح معلوم ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ اس حال کے آثار طمع اور لالچ جب بندۂ حق کو دنیا کی طرف رغبت دلاتے ہیں تو مٹ جاتے ہیں یہاں تک کہ تائیدایزدی اس کے شامل حال ہو کر اس کا تدارک کرتی ہے اور پھر مقام زہد پر اس کو استقرار میسر آ جاتا ہے۔ حال توکل کی بھی یہی صورت ہے کہ توکل بندۂ حق کے قلب کے دروازے کو کھٹکھٹاتا رہتا ہے یہاں تک وہ مستقلاً اس کو اختیار کر لیتا ہے (توکل اس کا مقام بن جاتا ہے) یہی حال رضا کا ہے جب بندۂ حق رضا کی حالت پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اس وقت رضا اس کا مقام بن جاتی ہے۔ یہاں ایک لطیف نکتہ قابل ذکر ہے کہ رضا

اور توکل طبعی اور نفسانی خواہش کے باوجود اپنے مقام پر قائم رہتے ہیں لیکن رضا کا حال طبعی خواہش کے ساتھ باقی نہیں رہتا' طبعی خواہش حال رضا کو مٹا دیتی ہے اور محو کر دیتی ہے۔ اس کی صورت اس کراہیت کی مانند ہے جسے راضی برضا طبیعت کے حکم سے پاتا ہے (طبیعت امر پر راضی ہو گئی ہے اس لئے کہ وہ اس کو بھی رضاء الٰہی سمجھتی ہے) مگر مقام رضا میں پہنچ کر طبعی تقاضوں کا علم پوشیدہ رہتا ہے تاہم علم کے ذریعہ پوشیدہ طبعی تقاضوں کا ظہور اس کو مقام رضا سے تو خارج نہیں کرتا لیکن حال رضا سے وہ ضرور خارج ہو جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حال رضا میں طبعی تقاضوں کا ظہور ہی نہیں ہونا چاہئے تھا) کہ جب حال خاص عطیہ فطرت بن جاتا ہے تو وہ طبعی خواہشوں کو جلا دیتا ہے (اور یہاں طبعی خواہشوں اور تقاضوں کا وجود ثابت ہے اس لئے حال رضا کو اس منزل پر مفقود تسلیم کرنا پڑے گا)۔

اس وضاحت پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص رضا میں صاحب مقام تو بن سکتا ہے لیکن صاحب حال نہیں بن سکتا! کیوں؟ کیا چیز مانع ہے؟ حالانکہ حال تو مقام کا پیش خیمہ (مقدمہ) ہے (پہلے پہلے حال سے گزرنا ہوتا ہے پھر مقام کی منزل آتی ہے) البتہ مقام زیادہ پائیدار اور ثبات والا ہوتا ہے' تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ مقام میں بندہ کی سعیٔ و تدبیر کو دخل ہوتا ہے اس لئے اس میں طبعی خواہش پیدا ہو جانے کا امکان و احتمال رہتا ہے اس کے برعکس حال عطیۂ قدرت ہے وہ طبعی آمیزش سے پاک اور منزہ ہے پس حال رضا اشرف ہے اور مقام رضا استوار و پائیدار ہے۔

مقامات کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں:

مقامات کے لئے زائد احوال لازمی اور ضروری ہیں' سابقہ حال کے بغیر کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا پس بغیر سابقہ احوال کے مقامات نہیں پائے جا سکتے۔ احوال میں بعض احوال مقام بن جاتے ہیں اور بعض مقام نہیں بن سکتے اور اس میں جو راز مضمر ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مقام میں سعی و عمل کا اثر نمایاں ہوتا ہے اور موہبت الٰہی اس میں پوشیدہ ہوتی ہے' (موہبت الٰہی مقام کا بطن ہے اور سعی و عمل اس کا جسم ہے) اور حال میں اس کے بالکل برعکس ہے یعنی سعی و عمل اس کا بطن ہے اور موہبت خداوندی اس کا ظاہر (وجود) ہے چونکہ احوال میں فیض خداوندی کا غلبہ ہوتا ہے اور فیض خداوندی محدود و مقید نہیں ہے پس احوال اس طرح لانہایت (لامحدود) بن جاتے ہیں اگرچہ ان اعلیٰ روحانی احوال کی لطافت کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ مقام بن جائے لیکن قدرت خداوندی محدود نہیں ہے اور اس کی مواہبت و عطایا بھی غیر متناہی ہیں' اسی بنا پر کسی بزرگ نے یہ کہا تھا:

"اگر مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان خلیلی عطا ہو جائے تب بھی اس میں اس کے سوا کچھ اور طلب کروں گا کہ فیض خداوندی کی کوئی حد نہیں ہے۔"

یہ احوال جن کا ہم نے بھی ذکر کیا ہے یہ انبیاء علیہم السلام کے احوال ہیں جو اولیائے کرام کو عطا نہیں ہوتے لیکن اس میں ایک اشارہ اس بات کا موجود ہے کہ بندۂ حق ہمیشہ مزید روحانیت اور فیض کا طالب رہتا ہے وہ اپنی موجودہ حالت پر اکتفاء

اور قناعت نہیں کرتا۔

حضرت سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے بھی اس سلسلہ میں قناعت نہ کرنے اور مزید فیوض و برکات کے حصول کی تاکید فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں: کل یوم لم اذدد فیه علما فلا بورك لی فی صبیحة ذلك الیوم ○ "اگر کسی دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو تو اس دن کی صبح میرے لئے مبارک نہیں ہوتی۔"

حضور ﷺ اس بارے میں یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ مَا قصر عنه رابی وَضعف بِیه عَمَلِی وَلَم تبلغه نیتی و اَمنیتی مِن خیر وعدته اَحدًا مِن عبَادِكَ اَوْخیرَ اَنْتَ مُعطِیهِ اَحَدًا مَنْ خَلقَكَ فَانَا اَرغَب اِلَیْكَ وَاسَالكَ اِیَّاه ○

"بار الہا! جس کام میں میرے رائے کوتاہی کرے اور میرے عمل میں ضعف پیدا ہو اور میری نیت اور میری آرزو اس تک نہ پہنچ سکے تاہم اگر تو نے اس کے دینے کا وعدہ کیا ہے اپنی مخلوق میں سے کسی کو تو دینے والا ہو تو میں بھی اس کی طرف رغبت کرتا ہوں اور تجھ سے اسی کا طلبگار و خواہاں ہوں۔"

پس اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ مواہب الٰہی اور اس کے فیوض غیر محدود و لامتناہی ہیں اور روحانی احوال بھی فیوض ہیں اور ان کا ان کلمات الٰہی سے تعلق ہے جو ختم نہیں ہو سکتے خواہ قطرات سمندر ختم ہو جائیں اور ریگ کے ذروں کی گنتی ختم ہو جائے لیکن ان کلمات کا شمار ختم نہیں ہو سکتا۔ (واللّٰہ المنعم المعطی)۔

باب: 59

مقامات روحانی کے سلسلہ میں ارشادات بر سبیل اختصار و ایجاز

ہمارے شیخ حضرت شیخ الاسلام ابو النجیب السہروردی رحمۃ اللہ علیہ باسناد کثیر بن سلیم المدائنی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس اور نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک پوہٹر زبان کا شخص ہوں اپنے اہل و عیال کے ساتھ اکثر زبان چلاتا رہتا ہوں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا! تم استغفار کیوں نہیں پڑھتے؟ میں تو دن رات میں سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔"

یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آخر حدیث میں اس اضافہ کے ساتھ مروی ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ توبہ اور استغفار کرتا ہوں! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میرے قلب پر گھٹا چھائی رہتی ہے اس لئے میں روزانہ سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پارہ: 18 سورہ نور) — "اے مومنو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو، شاید کہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔"

مزید ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ۝ — "اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

توبہ کے سلسلہ میں ایک اور ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۝ — "اے ایمان والو اللہ کے ساتھ توبہ کرو، سچی اور پختہ توبہ!!"

بہرحال توبہ ہر (روحانی) مقام کی اصل اور ہر مقام کا نظم و ربط اور ہر حال کی کلید ہے۔ اس کے ذریعہ مقامات کی ابتدا ہوتی ہے، اس کی مثال (مقام کے لئے) ایسی ہے جیسے کسی عمارت کے لئے بنیاد کی (یعنی توبہ مقام کی بنیاد ہے) پس جب کسی کے پاس زمین ہی نہیں تو وہ عمارت کس طرح تعمیر کر سکتا ہے یعنی جس کے پاس توبہ نہیں اس کے پاس نہ حال ہے اور نہ مقام (وہ صاحب حال ہے اور نہ صاحب مقام)

میں نے اپنے مبلغ علم اور اپنی سعی و جہد سے جہاں تک مقامات' احوال اور اس کے نتائج پر غور و حوض کیا ہے۔ یہی نتیجہ نکلا ہے کہ ایمان اور اس کے فرائض اور ان کے شرائط درستی کے ساتھ بجاآوری کے بعد' تین چیزیں ضروری ہیں اور جب ایمان کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو وہ چار چیزیں ہو جاتی ہیں' ان چار چیزوں کو میں نے معنوی اور حقیقی (مقامات و مراتب کی) ولادت میں اسی طرح کارفرما پایا جس طرح طبائع اربعہ (عناصر اربعہ) کو اللہ تعالیٰ کے قانون (قدرت) نے ولادت طبیعتہ کے لئے لازمی قرار دے دیا ہے۔

حقائق اربعہ:

جو شخص ان حقائق اربعہ سے آگاہی حاصل کرے گا وہ آسمانوں کے علم ملکوت میں داخل ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات (نشانیوں) اور قضا و قدر کا انکشاف اس پر ہو سکتا ہے اور وہی شخص منزلہ کلمات الٰہی کے فہم اور ذوق کو حاصل کر کے تمام روحانی احوال اور مقامات سے بہرہ مند ہو سکتا ہے اور وہ چار اصول جن پر یہ سروسامان موقوف ہے ایمان کے بعد تین باقی اصول میں سب سے پہلے سچی اور پختہ توبہ (توبتہ النصوح) ہے اس کے بعد زہد ہے اور پھر مقام بندگی کی اس طرح تحقیق کہ مداومت کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تمام اعمال جسمانی اور طبی لگاؤ کے ساتھ بغیر کسی فتور اور قصور کے کئے جائیں ان چار اصول کی تکمیل کے بعد ان چار چیزوں سے ان کے استقرار اور نظم ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے مدد پہنچائی جائے۔

قلت کلام (کم گوئی) قلب طعام' قلت خواب' قلت ملاقات (لوگوں سے کنارہ کشی)

تمام مشائخ اور ذہار کا اس پر اتفاق ہے کہ ان چار باتوں سے روحانی مقامات برقرار رہتے ہیں اور احوال میں درستی پیدا ہوتی ہے اور ان اصولوں کی بدولت تائید الٰہی سے ابدال حقیقی معنی میں ابدال بن جاتے ہیں' پس اگر ان اصول کو صحیح طور پر حاصل کرلیا گیا تو سمجھنا چاہئے کہ روحانی مقامات حاصل ہو گئے۔

(اب ہم ان اصولوں کی وضاحت پیش کرتے ہیں) ایمان کے بعد سب سے پہلی چیز یا پہلا اصول توبہ ہے' مگر توبتہ النصوح کی ابتدائی صحت و درستی کے لئے چند احوال کی ضرورت ہے (ان احوال کے بغیر توبتہ النصوح کا صحیح اور درست آغاز نہیں ہو سکتا) یعنی توبہ سے قبل ملامت کرنے والے دل کی ضرورت ہے اور ایسے جذبہ اور وجدان کی جو حال پر ملامت کرنے والا ہو وَلا بَدْفِی اِبتَدا ایھا من وجود زاجر وِجدان ان الزاجر حَال) کہ یہ صورت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم بخشش اور اس کا انعام ہے۔ زجر و ملامت کی حالت اصل میں توبہ کی کلید اور اس حال کا آغاز ہے۔

شیخ بشر حافی کا حال:

ایک شخص نے شیخ بشر حافیؒ سے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے میں آپ کو غمگین دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا

سبب یہ ہے کہ میں بھٹکا ہوا ہوں اور مطلوب ہوں میں دل سے بھٹک گیا ہوں اور میں اس کی تلاش میں ہوں والمقصد وانا مطلوب بہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ منزل مقصود پر کس راہ سے پہنچ سکتے ہیں تو میں راہ کو تلاش کرتا لیکن مجھے غفلت کی اونگھ نے آلیا ہے! اور اس طرح کہ اس سے رہائی ناممکن ہے سوائے اس کے کہ مجھے اس عقل پر اگر زجر وملامت کی جاتی تو مجھ پر اس کا کچھ اثر ہوتا

اصمعیؒ کا قول ہے کہ میں نے بصرہ میں ایک ایسے دہقانی کو دیکھا جس کی دکھتی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا میں نے اس دہقانی سے کہا تم اپنی آنکھیں کیوں نہیں صاف کر لیتے، اس نے جواب دیا کہ طبیب نے منع کر دیا ہے اور جو منع کرنے سے باز نہیں آتا اس کا بھلا نہیں ہوتا (پھر میں کس طرح آنکھیں صاف کر لوں)

باطن ایک حال ہے جو زاجر (زجر کرنے والا) ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے فَانَّ راجِر فی البَاطن حال یهبهٗ اللہ تعٰ ی توبہ کرنے والے کے لئے اس حاصل کا وجود ضروری ہے اس کے ذریعہ انزجار (یعنی باز آ جانے) کے بعد طالب حق پر انتبہ ک حال طاری ہو جاتا ہے (یعنی اول زجر ہے پھر انزجار اس کے بعد انتباہ) جس کے بارے میں ایک بزرگ کا قول ہے جس شخص نے مختلف کیفیات کا مطالعہ جاری رکھا وہ بیدار ہے (مَن لَزِم مطالعۃ الطوراق انتبہٗ)

شیخ ابو یزید فرماتے ہیں "انتباہ کی پانچ علامتیں ہیں (۱) یہ کہ جب اپنے نفس کو یاد کرے تو اس کو حقیر سمجھے (۲) جب اپنے گناہ کو یاد کرے تو استغفار پڑھے (۳) دنیا کو یاد کرے تو عبرت حاصل کرے (۴) آخرت کو یاد کرے تو خوش ہو جائے۔ (۵) جب رب کی یاد کرے تو اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جائے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ انتباہ نیکی کی رہنمائی کا آغاز ہے، جب کوئی بندۂ حق اپنی غفلت کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو انتباہ اس کو بیداری کی راہ تک پہنچا دیتا ہے اور یہ بیداری اس کو ہدایت کی راہ کی تلاش پر ڈال دیتی ہے (وہ راہ ہدایت کی تلاش شروع کر دیتا ہے) جب وہ اس کی جستجو میں پھرتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق کے راستہ پر ہے اس وقت وہ تلاش حق شروع کر دیتا ہے اور توبہ کے دروازے کی طرف رجوع ہوتا ہے (ویرجع الی باب توبتہ) اس وقت اس انتباہ کی بدولت اس کو حال بیداری میسر آ جاتا ہے۔

حال بیداری:

شیخ فارسؒ فرماتے ہیں کہ تمام احوال میں سب سے کامل حال بیداری اور حصول عبرت (اعتبار) ہے، بیداری راہ نجات کے مشاہدہ کے بعد خط سلوک کے ظہور کا نام ہے (التیقظ بتیان خط المسَلك بعَد مشاهدة سبیل النحاة) کہا گیا ہے کہ جب حال بیداری صحیح ہوتا ہے تو صاحب حال راہ توبہ کی ابتدائی منزل پر ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیداری متقی حضرات کے دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے جو ان کی طلب توبہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے جب حال بیداری کا تکملہ ہو جاتا ہے تو اس کو مقام توبہ کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ تین حالتیں ہیں جو مقام توبہ پر پہنچنے سے پہلے رونما

ہوتی ہیں، توبہ کے استقرار اور استقامت کے لئے (نفس کے) محاسبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اے لوگو! اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اپنے نفس کا تم خود محاسبہ کرو اور اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے تم اپنے اعمال کا وزن کر لو! تم خود کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی پیشی کے لئے تیار کر لو (آراستہ کر لو) کہ:

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○ (سورہ معارج پارہ 29)

"جب تم اس دن پیش ہو گے تو کوئی پوشیدہ بات، تم سے چھپی نہیں رہے گی۔"

محاسبہ کا تکملہ:

محاسبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ بندۂ حق، حفظ الناس، ضبط حواس، رعایت اوقات اور ایثار المہمات کرے۔ بندۂ حق کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خداوند عزوجل نے اپنی رحمت سے اس پر پانچ نمازیں شب و روز میں (باوقات مختلف) فرض کی ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کا بندہ غفلت میں مبتلا رہتا ہے، اس لئے ان کو نفسانی خواہشات اور دنیا کی غلامی سے نجات بخشنے کے لئے یہ نمازیں مختلف اوقات میں فرض کی ہیں۔

پس پانچوں نمازیں ایک ایسا سلسلہ ہیں جو بندوں کے نفوس کو حق ربوبیت ادا کرنے کے لئے مقامات عبودیت کی طرح کھینچ لیتی ہیں (بندگی اور عبودیت کے مقامات پر بندوں کو راسخ کر دیتا ہے اس طرح ہر شخص ایک نماز سے دوسری نماز تک اپنے نفس کے محاسبہ میں مشغول رہتا ہے اور اس محاسبہ کے شغل کی بدولت شیطان کی گزر گاہوں کو بند کر دیتا ہے، بندہ حق نماز اس وقت تک شروع نہیں کرتا جب تک وہ توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے دل کی گرہیں نہ کھول لے۔ اس لئے ہر وہ کلمہ اور ہر وہ حرکت جو خلاف شرع ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیتا ہے اور اس کے دل میں ایک گرہ پڑ جاتی ہے لیکن محاسبہ کرنے والا نماز کے لئے اپنے اعضا اور جوارح کے ضبط و نظم کے ذریعے مقام محاسبہ کو مستحکم کرتا ہے پس جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اس نماز کا نور دوسری نماز تک اس کے اجزائے وقت کو منور اور تاباں رکھتا ہے اسی طرح اس کی نماز اس کے اوقات کے نور سے منور اور تاباں رہتی ہے اور اس کا وقت اس کی نماز کے نور سے منور اور تاباں رہتا ہے۔

محاسبہ اور ضبط نفس کی افادیت:

ایک محاسبہ کرنے والے بزرگ کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنی نمازوں کو تحریر کیا کرتے تھے اور دو نمازوں کی تحریر کی جگہ کے درمیان سادہ جگہ چھوڑ دیتے تھے جب ان سے غیبت یا اور کسی غلطی کا ارتکاب (ان دو نمازوں کے مابین وقت میں ہوتا تو وہ سادہ جگہ پر ایک خط کھینچ دیتے تھے اور جب کوئی لغو اور فضول بات ان کی زبان سے نکلتی تو وہ ایک نقطہ ڈال دیتے تھے تاکہ ان لکیروں اور نقطوں سے وہ اپنی لایعنی باتوں اور گناہوں کا شمار کر سکیں، اور اس محاسبہ کے ذریعہ شیطان اور نفس (امارہ) کی گزر

گاہوں کو تنگ کر دیں اس طرح وہ بزرگ صدق دل کے ساتھ ضبط نفس کر کے بندگی حقیقی کے مقام تک پہنچنے کی سعی کرتے تھے مختصر یہ کہ یہ مقام محاسبہ اور ضبط نفس کی یہ کوشش صحت توبہ کی ضروریات سے ہے۔

شیخ جنیدؒ کا ارشاد:

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی نگرانی اچھی طریقہ پر ہوتی ہے اس کی ولایت ہمیشہ باقی رہتی ہے، حضرت شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کام افضل ہے؟ آپ نے جواب دیا "سر باطن کی حفاظت، ظاہر کا محاسبہ اور باطن کی نگہداشت! ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والا ہے، اور ان دونوں کے باعث توبہ کو استقامت حاصل ہوتی ہے۔

مراقبہ اور نگہداشت (ظاہر و باطن، دو پاکیزہ اور عمدہ حال ہیں (حالان شریفان) اور توبہ کی درستگی کے ساتھ ہی ساتھ یہ دونوں شریف حال اور مقام بھی درست رہتے ہیں، توبہ ان سے کمال کے درجہ پر پہنچتی ہے پس محاسبہ، مراقبہ اور ظاہر و باطن کی نگہداشت مقام توبہ کی ضروریات ہیں (مقام توبہ کے لئے ضروری ہیں)

شیخ ابو زرعہؒ اپنے مشائخ کے حوالوں سے شیخ جریری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "ہمارا کام (طریقت) ان دو فضیلتوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کی نگہداشت کرو، دوسرے علم کے ذریعہ اپنی ظاہری حالت کو اچھی صورت میں برقرار رکھو۔"

شیخ مرتعش رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ہر لحظہ اور ہر لفظ میں حق کے مشاہدہ کے لئے باطن کی نگہداشت کا نام مراقبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۝ "کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو نفس کے ہر عمل کی نگہداشت کرتا ہے۔"

یہ علم قیام ہے، اس کے ذریعے سے علم حال کی تکمیل اور اس کی کمی و بیشی کا علم ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندۂ حق یہ معلوم کرے کہ اللہ کے ساتھ اس کے تعلقات کا معیار کیا ہے، یہ تمام امور صحیح توبہ کے لئے ضروری ہیں اور صحیح توبہ ان کے لئے ضروری ہے (یہ صحیح توبہ لازم و ملزوم ہیں) اس لئے کہ خواطر (تصورات) عزائم کا مقدمہ ہوتے ہیں اور عزائم اعمال کا پیش خیمہ ہیں خواطر (تصورات) سے قلب کے ارادے کی تکمیل ہوتی ہے اور چونکہ قلب تمام اعضاء و جوارح حاکم ہے اس لئے بغیر قلب کے ارادے کے کوئی عضو حرکت نہیں کرتا اور مراقبہ ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ برے ارادوں کی جڑوں کا دل سے قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔ (جڑ سے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے) (لان بالمراقبة اصطلام عروق ارادة المكاره من القلب) اور مراقبہ سے اس تصفیہ میں جو کچھ رہ جاتا ہے اس کی تلافی محاسبہ سے ہو جاتی ہے (اور کوئی (ارادۂ بد یا تصور بد باقی بھی رہ جاتا ہے تو محاسبہ اس کو دور کر دیتا ہے)

صحت انابت:

شیخ ابو عثمان مغربیؒ کا ارشاد ہے کہ اس طریقہ کی ضروری چیزوں میں محاسبہ، مراقبہ، علم کے ذریعہ عمل کی سیاست (ضبط و نظم) شامل ہیں، صحت توبہ ہی پر صحت انابت موقوف ہے (یعنی صحیح طور پر اسی وقت رجوع الی اللہ ہو سکتا ہے، جب توبہ صحیح ہو اور صحیح توبہ کے لئے علم کے ذریعہ عمل کا ضبط و نظم، مراقبہ اور محاسبہ ضروری ہیں)

شیخ ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں اذا صدق العبد فی توبة صار بنیًا "بندۂ حق جب سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والا بن جاتا ہے" بے شک انابت توبہ کا دوسرا درجہ ہے۔

شیخ ابوسعید القرشیؒ فرماتے ہیں کہ منیب (اللہ کی طرف رجوع کرنے والا) تمام چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جو اس کو اللہ سے غافل کرنے والی ہے۔ ایک اور بزرگ کا ارشاد ہے کہ انابت اللہ تعالیٰ سوا ہر ایک شے سے رجوع ہوتا ہے اور جو کوئی اس کے غیر کی طرف سے رجوع ہوا۔ اس نے انابت کے ایک پہلو کو ضائع کر دیا۔ حقیقت میں منیب (صاحب انابت) وہ ہے جس کے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور مرجع نہ ہو، اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی کی طرف اسی سے رجوع ہوتا ہے کہ پھر وہ اس رجوع رجوع سے رجوع ہو جاتا ہے گویا سراپا انابت بن جاتا ہے، حق تعالیٰ کے سامنے اس کا کوئی ذاتی وصف باقی نہیں رہتا اور وہ عین جمع میں بھی مستغرق حق ہوتا ہے۔ وہ نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اعمال کے عیوب کا مشاہدہ کر کے ان کو ترک کرنے کے لئے) مجاہدہ کرتا ہے اور یہ تمام تر مساعی و عایت (نگہداشت) اور مراقبہ کے تحقق اور حصول کے لئے کی جاتی ہیں۔

شیخ ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب تک محاسبہ نہیں کر لیا اپنے کسی کام کو اچھا نہیں سمجھا (جو کام کیا اس کا محاسبہ کیا) شیخ ابوعبداللہ السنجریؒ فرماتے ہیں "جو بندہ مرید ہونے کے بعد اپنے احوال سے کسی حال کو اچھا سمجھتا ہے تو اس کی ارادت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر اور چارۂ کار نہیں کہ ابتدا سے روحانی منازل طے کرے، از سرنو ریاضت او مجاہدہ میں مشغول ہو اور جس نے اپنے نفس کو میزان صدق میں نہیں تولا اور مالہ اور ماعلیہ معلوم نہیں کیا، (یعنی اعمال کے محاسن و عیوب معلوم نہیں کئے) وہ مردان حق کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، صحت انابت کے لئے اپنے افعال کے عیوب کا مشاہدہ ضروری ہے اور اس کے ذریعہ مقام توبہ درست ہو سکتا ہے اور توبہ بغیر صدق مجاہدہ اور سچی ریاضت کے درست نہیں ہو سکتی اور بندۂ حق صدق دل سے مجاہدہ اسی وقت کر سکتا ہے جب اس میں صبر موجود ہو (یعنی صبر سے مجاہدہ اور مجاہدہ سے درستی توبہ اور درستی توبہ سے مقام توبہ اور مقام توبہ سے صحت انابت متحقق ہو سکتی ہے۔)

مجاہدہ صبر سے اور صدق مراقبہ قلب سے ہے:

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

اور یہ مجاہدہ نفس صبر کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا اور صبر میں سب سے بہتر صبر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے اور دل کی سچائی کے ساتھ نگہداشت اور نگرانی کی جائے اور تصورات بد کو دل سے نکال دے۔

صبر کے اقسام:

صبر دو طرح کا ہوتا ہے، فرض اور فضیلت! فرض صبر یہ ہے کہ فرائض کی تکمیل اور محرمات سے بچنے کے لئے (آرزوؤں اور خواہشات پر) صبر کیا جائے اور فضیلت صبر میں یہ پانچ شامل ہیں اول: فقر ضر صبر کرنا، دوم: پہلے صدمہ پر صبر کرنا، سوم اپنے مصائب اور تکالیف کو چھپانا اور شکوہ نہ کرنا۔ چہارم: فقر اور درویشی کو چھپانے پر صبر کرنا۔ پنجم: اپنے کمالات و کرامات اور فیوض کو چھپانا اور اس کوشش پر صبر کرنا اور آیات و عبر کا مشاہدہ کرنا۔

مذکورہ بالا اقسام صبر کے علاوہ صبر کی اور قسمیں بھی ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صبر کی ان قسموں پر عمل کرتے ہیں، لیکن صحت مراقبہ نگہداشت اور نفی تصورات پر محض اللہ کے لئے ان سے صبر نہیں ہوتا۔ (اپنے اندر ان امور پر صبر کرنے سے تنگی محسوس کرتے ہیں) حقیقی صبر بھی توبہ کے ذریعہ اسی طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح توبہ سے مراقبہ، صبر اہل ایمان کا معزز ترین مقام ہے اور یہ توبہ کے حقیقی مفہوم میں داخل ہے۔

ایک عالم کا قول ہے کہ صبر سے افضل کون سی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر قرآن حمید میں نوے مقامات سے زیادہ جگہ پر کیا ہے (مقصود کلام یہ ہے کہ اتنی تعداد میں کسی صفت کا ذکر قرآن کریم میں نہیں کیا گیا ہے جتنا صبر کا کیا ہے) یا۔نمہ اور اس شرف کے باوجود صحیح توبہ مقام صبر کو محتوی ہے (توبہ کا مقام افضل ہے)

ایک صبر یہ بھی ہے کہ اللہ کی نعمت پر صبر کیا جائے، وہ اس طرح کہ اس نعمت کو معصیت الٰہی میں صرف نہ کیا جائے، یہ قسم بھی صحیح توبہ کے مفہوم میں داخل ہے، شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے الصبر علی العافیۃ اشد من الصبر علی البلاد "یعنی آرام، عافیت پر صبر کرنا، مصیبت پر صبر کرنے سے زیادہ دشوار اور مشکل ہے۔"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "جب مصیبتوں میں ہم کو آزمایا گیا تو ہم نے صبر کیا" اور جب راحت و فراخی میں ہماری آزمائش ہوئی تو ہم صبر نہ کر سکے۔

ایک صبر یہ بھی ہے کہ رضا اور غضب (خوشی اور ناخوشی میں) اعتدال کی رعایت ملحوظ رکھی جائے، ہاں لوگوں کی تعریف سے بے نیازی، گمنامی میں رہنے اور ذلت و تواضع سہنے کو اگر توبہ میں داخل نہیں کر سکتے تو یہ پھر زہد میں داخل ہیں۔ وہ تمام روحانی مقامات اور احوال جو مقام توبہ میں داخل نہیں ہیں وہ زہد میں داخل ہیں اور زہد کا روحانیت کے چار مراتب میں سے مرتبہ سوم ہے۔

اظہار صبر:

صبر کی حقیقت کا اظہار طمانیت نفس سے ہوتا ہے اور نفس کی طمانیت تزکیہ سے وابستہ ہے اور تزکیہ کا مدار توبہ ہے' جب نفس توبتہ النصوح کے ساتھ پاک و صاف ہو جاتا ہے اس وقت اس سے طبعی سرکشی دور ہو جاتی ہے (اس صورت میں نفس کی سرکشی باقی نہیں رہتی) چنانچہ صبر کی قلت اور کمی' نفس کی سرکشی اور بدخوئی اس کی نافرمانی اور انکار کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔

توبتہ النصوح نفس کو نرم بنا دیتی ہے اور اس نرمی سے اس کی بدخوئی اور سرکشی دور ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جب نفس محاسبہ اور مراقبہ میں مشغول ہوتا ہے اور پاکیزہ اور صاف بن جاتا ہے' بلکہ اب تک خواہش نفسانی کی پیروی کے باعث اس کے اندر جو آگ شعلہ زن تھی وہ بھی بجھ جاتی ہے اس وقت وہ مطمئن ہو کر رضا کے محل اور مقام پر پہنچ جاتا ہے اور قضاو قدر کے فیصلوں اور احکام (مجاری الاقدار) پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

شیخ ابو عبداللہ بناجی فرماتے ہیں "اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو صبر کرنے سے بھی حیا کرتے ہیں اور قضاو قدر کے مواضع اور مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جب میں صبح دم اٹھتا ہوں تو قضاوقدر کے مواقع ہی میرے لئے مسرت بخش ہوتے ہیں۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت فرماتے وقت ارشاد فرمایا:

اعمل لِلّٰہ بالیقین فی الرضا فَاِن لَمْ یکُن فَاِنَّ فی الصبر خَیْرًا کثیرًا"

راضی برضا ہو کر یقین کامل کے ساتھ اللہ کے لئے کام کرو! اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو صبر کرو صبر میں بہت بڑی بھلائی ہے۔"

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

من خیرما اعطی الرحل الرضا بما قسم اللہ تعالی لہO

"بہترین چیز جو انسان کو عطا کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقسوم (قسمت) پر راضی و شاکر ہے۔"

بہرحال رضا کے شرف اور اس کی فضیلت میں بے شمار حکایتیں' آثار و اخبار موجود ہیں (جن کو یہاں بیان کرنا مشکل ہے) بہرنوع رضا توبتہ النصوح کا نتیجہ ہے' اگر کوئی بندہ رضا سے تخلف کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے توبتہ النصوح سے خلاف کیا اور پرخلوص توبہ میں صبر کا حال اور صبر کا مقام دونوں جمع ہوتے ہیں یعنی حال رضا اور مقام رضا اور یہ دونوں یعنی خوف و رجا توبتہ النصوح کے صلب سے پیدا ہوئے ہیں یعنی توبتہ النصوح میں داخل ہیں کہ خوف ہی بندے کو توبہ پر ابھارتا ہے اگر خوف نہ ہو تو انسان توبہ کیوں کرے اور اگر امید نہ ہو تو خوف بھی پیدا نہ ہو لولا رجاوہ ماخاف پس ثابت ہوا کہ قلب و ذہن کے لئے خوف و رجا دونوں لازم و ملزوم ہیں جو سچی توبہ کرتا ہے اور اس کے اندر یہ جذبہ امید و بیم حد اعتدال پر آ جاتا

ہے۔

بیم و رجا:

منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لے گئے، جو حالت نزع میں تھا، حضور ﷺ نے اسے فرمایا (تمہارا کیا حال ہے) اس شخص نے جواب دیا کہ میری حالت یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے خائف ہوں اور خدا کی رحمت کا بھی امید وار ہوں (یعنی حالت امید و بیم میں ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا جب ایسے حال (دم نزع) میں بندے کے دل میں یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی امید برلاتا ہے اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے اس سے مامون کر دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ○ "اپنے آپ کو خود بخود ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا اور کہے اور اب میرے لئے کوئی عمل بھی مفید نہیں میں تو تباہ ہو گیا اور اس وقت وہی بندہ توبہ کرتا ہے وہ خدا سے ڈر کر کرتا ہے اور تائب ہو کر مغفرت کا امیدوار ہوتا ہے کہ اسی امیدوبیم کی حالت کی توبہ مقبول ہوتی ہے اور تائب اپنے اعضاء اور جوارح کو برائیوں کی گرفت سے بچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہو کر اس کی اطاعت کرتا ہے، یہ تمام اعضاء بھی تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ان کا شکریہ ہے کہ ان کو معصیت سے محفوظ رکھ کر عبادت الٰہی میں مصروف رکھا جائے کہ سچی توبہ ہی سب سے بڑی شکر گزاری ہے۔

مقام توبہ:

جب مقام توبہ میں یہ تمام مقامات (جو اوپر مذکور ہوئے) جمع ہو جائیں تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس مقام میں، حال زجر (جھڑکنا) حال انتباہ، حال تیقظ، مخالفت نفس، تقویٰ، مجاہدہ، عیوب افعال کا مشاہدہ انابت صبر، رضا، محاسبہ، مراقبہ، رعایت، شکر اور امید و بیم کے تمام احوال جمع ہو گئے ہیں۔

جب توبتہ النصوح قبول ہو جائے اور نفس کا تزکیہ ہو جائے تو اس وقت قلب کا آئینہ جگمگا جاتا ہے اور اس کے ذاسطے سے دنیا کی ہر برائی ظاہر ہو جاتی ہے اور آخر کار وہ شخص مرتبہ زہد پر پہنچ جاتا ہے اور توکل کا جذبہ بھی اس میں پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ دنیا سے وہی کنارہ کش ہو سکتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اعتماد ہو اور جب اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن ہو گیا تو یہی توکل ہے، اگر توبہ کے مقام کے حصول کے بعد دوسرے مقامات کے حصول میں کچھ کمی اور کوتاہی رہ جائے تو وہ کمی زہد کے ذریعہ پوری ہو جاتی ہے، جو درجات اربعہ میں سے تیسرا درجہ ہے۔

زہد:

ہمارے شیخ ابو منصور محمد بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ باسناد مختلفہ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایکبار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے گھر میں پردہ لٹکایا ہے اور ان کے ہاتھوں میں کچھ زیادہ (از ضروریات) چیزیں بھی موجود ہیں' یہ حالت دیکھ کر آپ واپس ہو گئے اور مکان کے اندر تشریف نہیں لے گئے! اور زمین پر بیٹھ کر آپ زمین کو کریدتے جاتے اور فرماتے جاتے مالی وللدنیا مالی وللدنیا میرا دنیا سے کیا تعلق' میرا دنیا سے کیا تعلق!

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی یہ علم ہو گیا کہ آپ پردہ لٹکانے کی وجہ سے واپس تشریف لے گئے تھے' تو آپ نے وہ پردہ اور وہ زائد چیزیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ خدمت اقدس میں ارسال کر دیں اور ان سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کریں کہ میں نے ان تمام چیزوں کو صدقہ کر دیا ہے اب آپ جس طرح چاہیں انہیں استعمال کریں پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو لے کر حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ سب چیزیں پیش کر کے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ میں نے ان چیزوں کو صدقہ کر دیا ہے آپ جس طرح چاہیں ان کا استعمال کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا والدین کی قسم! میں نے ان کو خیرات کر دیا۔ والدین کی قسم میں نے ان کو خیرات کر دیا' انہیں لے جاؤ اور بیچ ڈالو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

"بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم آزمائیں کہ کون اچھے کام کرتا ہے۔"

یہی زہد فی الدنیا ہے:

بزرگان دین کے اقوال:

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ زہد یہ ہے کہ تم کو اس بات کی فکر نہ ہو کہ دنیا کو مومن استعمال کر رہا ہے یا کافر! شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا! تم پر افسوس مچھر کے ایک پر کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے (یعنی دنیا تو مچھر کے ایک پر کی طرح ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے)

شیخ ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم کب تک اس حقیر و ناکارہ چیز کو ترک کر کے اس کے اعراض پر کب تک حملہ کرتے رہو گے' اور کب تک اس سے کنارہ کشی کرو گے جب کہ اس کا وزن اللہ تعالیٰ کے نزدیک پر پشہ سے زیادہ نہیں ہے۔

بندۂ حق کا مقام زہد جب صحیح ہو جاتا ہے یعنی وہ صحیح طریقے پر زہد اختیار کرلیتا ہے تو پھر اس کا توکل بھی درست ہو جاتا ہے کیونکہ صحیح توکل ہی صحیح زہد کی طرف راہنمائی کرتا ہے پس جو شخص توبہ پر قائم رہے' دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور ان دو مقامات کو (صحیح طریقہ پر) حاصل کرے وہ باقی مقامات کی بھی تکمیل کرلیتا ہے (باقی مقامات کا حصول آسان ہو جاتا ہے)

استقامت توبہ کے مراحل:

توبہ کا مراقبہ کے ساتھ ایسا تعلق ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہیں کہ کوئی شخص توبہ کرے اور توبہ پر اس طرح استقامت دکھائے کہ کراماً کاتبین سے بائیں ہاتھ کا فرشتہ (برائی لکھنے والا) اس کے خلاف کچھ نہ لکھ سکے! اس کے بعد وہ بتدریج اپنے اعضاء کی معاصی سے تطہیر کرے (اعضا کو گناہوں سے پاک کرے) نہ کوئی فضول بات کہے اور نہ کوئی فضول اور بیکار حرکت کرے اور نہ کوئی فضول بات سنے! اس منزل پر پہنچ کر وہ اپنے ظاہر کا محاسبہ کرنے کے بعد باطن کے محاسبہ پر توجہ کرے اور پھر مراقبۂ باطن پر اس طرح چھا جائے کہ فضول باتوں اور گناہوں کے تصورات ہی اس کے باطن سے مٹ جائیں' جب اس کے تمام تصورات پاک ہو جائیں گے تو پھر اس کے اعضاء و جوارح بھی اس کی مخالفت نہیں کر سکیں گے' (خطاؤں اور گناہوں پر برانگیختہ نہیں کر سکیں گے) اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کی توبہ کو استقامت نصیب ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ "آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی ہے وہ سب استقامت اختیار کریں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ میں استقامت کا حکم آپ کو آپ کے متبعین اور امت کو دیا ہے امره الله تعالى بالاستقامة فی التوبة امراله ولا تباعه وامته [1]

صحیح مرید کون ہے:

کہا گیا ہے کہ کوئی مرید صحیح طور پر اسوقت مرید سمجھا جاتا ہے جب صاحب شمال (بائیں ہاتھ کا فرشتہ) ۲۰ سال تک اس کے خلاف کچھ نہ لکھے اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ ۲۰ سال تک بالکل معصوم رہے اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ سچی توبہ کرنے والا اگر بطور شاذ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو کسی پاکیزہ گھڑی میں ندامت باطنی کے باوجود سے اسکے باطن سے اس گناہ کا اثر محو ہو جاتا ہے' ندامت ہی کا دوسرا نام توبہ ہے اس لئے بائیں ہاتھ کا فرشتہ اسکے خلاف کچھ تحریر ہی نہیں کرتا۔

جب کوئی صدق دل سے توبہ کر کے دنیا سے کنارہ کشی کرے یہاں تک کہ دن کے کھانے کے وقت اس کو رات کے

(1) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت ص: 484' سطر: 6 قول شیخ المشائخ حضرت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (مترجم)

کھانے کی فکر نہ ہو اور نہ رات کے کھانے کے وقت صبح کے کھانے کی فکر ہو' نہ وہ سامان جمع کر کے رکھے اور نہ اس کا تعلق کل سے ہو (کل کی فکر سے آزاد ہو) ایسے شخص میں زہد اور فقر دونوں جمع ہیں بلکہ زہد ہر حالت میں فقر سے افضل ہے کیونکہ اس میں فقر سے زیادہ صفات موجود ہیں کہ فقیر اور درویش تو مجبوراً دنیا کے مال و دولت سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔ (مال و متاع پر ان کی دسترس ہی نہیں ہوتی) اور زاہد ان چیزوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے چھوڑتا ہے (جن کو فقیر نے مجبوراً چھوڑا تھا) اس کے زہد سے توکل درست ہوتا ہے اور توکل سے رضا اور رضا سے صبر اور ضبط نفس اور مجاہدہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے الغرض جب زہد اور توبہ کا اجتماع ہو جاتا ہے تو تمام مقامات اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔

عمل پیہم کی ضرورت:

اگر زہد اور توبہ صحت ایمان اور اس کے جیسے فرائض اور شرائط کے ساتھ جمع ہو جائیں تب بھی ان تین کے لئے ایک چوتھی چیز کی ضرورت رہتی ہے جو روحانیت کا تکملہ ہے اور وہ ہے عمل پیہم۔

ہرچند کہ زہد' توبہ اور صحت ایمان سے بہت سے اعلیٰ روحانی احوال منکشف ہو جاتے ہیں' مگر بعض خاص چیزیں اور احوال عمل پیہم کے بعد ہی حاصل ہوتے ہیں یعنی مسلسل نیک اعمال کئے جائیں' بہت سے ایسے زہاد جن کا زہد متحقق تھا اور مقام توبہ میں ان کو استقامت حاصل تھی لیکن وہ اس چوتھے درجے (عمل پیہم) میں پیچھے رہ جانے کے باعث بہت سے روحانی احوال سے پیچھے رہ گئے' حقیقت میں زہد فی الدنیا کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف ہے (ولا یراد الزهد فی الدنیا الا لکمال الفراغ المستعان به علی ادامة العمل لله تعالیٰ)

وہ کام جو اللہ کے لئے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لئے کام یہی ہیں کہ بندہ ہر وقت ذکر و تلاوت' نماز اور مراقبہ میں مشغول رہے اور اس کو ان مشاغل سے واجب شرعی کی ادائیگی اور طبعی ضرورت ہی روک سکے (یعنی فرض کی ادائیگی اور جوائج ضروریہ سے فراغت ہی کے لئے وہ اس عمل پیہم سے کچھ دیر کے لئے باز رہے) جب بندۂ حق قلبی عمل میں مصروف ہو اور اس کے ساتھ ہی شرعی مشغلہ میں بھی اس کو مشغول ہونا پڑے (ایسا کام شرعاً جس کا حکم دیا گیا ہے) تو اس وقت بھی اس کا باطن اس عمل سے باز نہ آئے۔ (اس کے باطنی عمل میں کوئی خلل نہ پڑے) اور وہ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ عمل پیہم میں سرگرم رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے فضیلت کی تکمیل کر لی اور عبودیت میں اس کی کوششوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

شیخ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بندگی کے قالب سے نکل جائے تو اس کے ساتھ پھر وہی کچھ کیا جاتا ہے جو بھگوڑے غلام کے گرفتار ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔

بندگی کا قائم مقام درجہ:

شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ وہ کونسی منزل ہے اور کون سا درجہ ہے جو بندگی کا قائم مقام بن سکتا ہے' انہوں نے فرمایا "تدبیر اور اختیار کا ترک" بندگی کا قائم مقام بن سکتا ہے۔ اگر کسی بندہ حق کا مقام توبہ اور زہد درست ہو جائے اور اللہ کے لئے وہ عمل پیہم میں مشغول رہے تو اس کا حال اس کو مستقبل سے بے نیاز کر دے گا اور وہ ترک تدبیر و ترک اختیار کے مقام پر پہنچ جائے گا۔ اس وقت وہ اسی چیز کو پسند کرے گا جو اللہ کو پسند ہو گی اور اس کی خواہشات باقی نہیں رہیں گی اور اس کے باطن سے جہل کا مادہ اس کا وفود علم منقطع کر دے گا۔ (باہر نکال دے گا)

عالم جبر و اختیار:

شیخ یحییٰ بن معاذ الرازیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک بندہ طلب معرفت میں مصروف رہتا ہے اس وقت تک اس سے یہی کہا جاتا ہے (لاتختر) تم کچھ اختیار نہ کرو (پسند نہ کرو) اور اپنے اختیار و ذاتی خواہش سے اس وقت تک کام نہ لو جب تک تم کو معرفت حاصل نہ ہو جائے' جب اس کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ عارف بن جاتا ہے تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے چاہو تو بااختیار بن جاؤ اور چاہو بے اختیار' دونوں صورتیں یکساں ہیں یعنی اگر تم بے اختیار بنو گے تو وہ اختیارات ہمارے ہی ہوں گے' اور اگر تم بااختیار بنو گے تو یہ بھی ہمارے ہی حکم اور اختیار کے مطابق ہو گا وجہ اس کی یہ ہے کہ اختیار اور ترک اختیار دونوں صورتوں میں تمہارا ہمارے ساتھ تعلق ہے۔

یہ ایسا بلند مقام اور معزز ترین حال ہے کہ بندہ اس مقام عالی اور معزز حال پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اختیار سے نکلنے اور تدبیر ترک کرنے کے بعد مالک اختیار نہ بن جائے اور ان مذکورہ چار درجات کو طے کرے کیونکہ ترک تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ ہستی کو فنا کر دیا ہے (یہ مقام فنا ہے) اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے تدبیر و اختیار اس کو دوبارہ عطا ہو جائیں تو یہ مقام بقا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی عارضی ہستی کو فنا کر کے حق کے ساتھ شامل ہو گیا (وھوا الانسلاخ عن وجود کان بالعبد الی وجود یصیر بالحق) اس منزل پر پہنچ کر بندۂ حق میں ذرہ برابر کجی باقی نہیں رہتی اور مقام عبودیت میں اس کے ظاہر اور باطن دونوں متحقق اور درست ہو گئے اور باطنی اور ظاہری علم و عمل سے وہ معمور ہو گیا ہے اور اب وہ بارگاہ قرب کے مقام پر پہنچ کر خداوند عزوجل کے روبرو عجز و فقر کا دامن پکڑے ہوئے ہے اور رسول خدا ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا اس پر اطلاق ہو رہا ہے:

لا تکلنی الی نفسی طرفۃ العین فاھلك ولا الی احد من خلقك فاضیع اکلانی کلاءۃ الولید ولا تخل عنی ○

"بار الہا! تو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس یا اپنی کسی مخلوق کے سپرد نہ فرما ورنہ میں ضائع ہو جاؤں گا۔ تو میری اسی طرح حفاظت فرما جیسے نوزائیدہ بچے کی فرماتا ہے اور مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔

باب: 60

مقامات کے بارے میں مشائخ کے اقوال

توبہ:

توبہ کے بارے میں شیخ رویمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ کے معنی ہیں کہ توبہ سے توبہ کی جائے معنی التَوبة اَن یتوب من التوبَة کہاجاتا ہے کہ اسی مفہوم میں حضرت رابعہ بصریؒ کا یہ قول داخل ہے:

اَستغفر اللّٰه العظیم مِن قِلَّة صِدقی فی قول اَستغفراللّٰه

"میں جب سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہی ہوں تو اس موقع پر استغفار نہ کرنے پر صدق دل سے خواستگار معافی ہوں۔"

توبہ کی قسمیں:

شیخ حسن المغازلیؒ سے کسی نے توبہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا تم مجھ سے کس توبہ کے بارے میں دریافت کر رہے ہو! توبۂ انابت یا تو استجابت! سائل نے کہا کہ توبہ انابت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ توبہ انابت یہ ہے کہ تم خداوند تعالیٰ سے اس لئے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے' سائل نے کہا کہ توبہ استجانت کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ توبہ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ تے اس وجہ سے شرماؤ کہ وہ تم سے قریب ہے!

توبہ استجابت ایسی توبہ ہے کہ اگر یہ کسی بندے کے دل میں درست ہو جائے تو وہ نماز میں بھی اللہ کے سوا ہر ایک وسوسہ سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے یہ توبہ استجابت مقربین بارگاہ کے دلوں میں لازمی طور پر موجود ہوتی ہے! کہ بزرگوں نے کہا ہے:

وَجودكَ ذنبٌ لا یقاس بهِ ذنبٌ ○

"تمہاری ہستی بذات خود ایک ایسا گناہ ہے جس کے ہوتے ہوئے دوسرے گناہ کا قیاس کرنا ہی عبث ہے۔"

عوام وخواص کی توبہ:

شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عوام تو گناہوں سے اور خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور انبیاء کرام (علیہم السلام)

اس وقت توبہ کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ غیر جن درجات پر پہنچ گئے ہیں ان پر پہنچنے سے وہ عاجز ہیں وتوبة الانبياء من رویة عجزهم عن بلوغ ما ناله غيرهم [1]

شیخ ابو محمد سہلؒ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کسی چیز سے توبہ کر کے اس چیز کو چھوڑ دیتا ہے لیکن جب کبھی اس چیز کا تصور اس کے قلب میں آتا ہے یا وہ اس چیز کو کبھی دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں سنتا ہے تو اس چیز کی حلاوت (باوجود توبہ) وہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے' ایسا کیوں ہوتا ہے؟ شیخ سہلؒ نے فرمایا حلاوت کا یہ احساس تقاضائے بشریت ہے اور رجحان طبعی ہے اور اس سے چھٹکارا اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ وہ خلوص دل سے اپنے مولیٰ سے اس کی شکایت کرے اور دل سے اسے برا سمجھے اور اپنے نفس کو بھی اس پر مجبور کرے کہ وہ بھی اس کو برا سمجھے! اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ اس کو فراموش کر دے (آئندہ وہ چیز یاد نہ آئے) اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی بندگی میں اس کے ذکر کے بغیر مشغول رہے' انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس شخص نے اس کو برا سمجھنے میں ایک لمحہ کی بھی غفلت کی تو مجھے ڈر ہے یہ حلاوت اس کے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہے گی۔ ہاں اگر حلاوت پانے کے باوصف اس کا دل اس کو برا سمجھے اور اس پر رنج کا اظہار کرے تو پھر اس کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اس طالب صادق کے لئے کافی ہے جو صحت توبہ کا خواہاں ہے البتہ وہ عارف جس کا حال قوی ہے وہ اس حلاوت کا اپنے باطن سے ازالہ بآسانی کر سکتا ہے کیونکہ عارف کو سہولت کے گوناگوں اسباب میسر ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ جس کے قلب میں یقین کامل اور مشاہدہ کو صفا کے باعث اللہ تعالیٰ کی خاص محبت کی حلاوت موجود ہو وہاں اور کسی حلاوت کی گنجائش نہیں ہوتی البتہ اس دل میں یہ حلاوت باقی رہ سکتی ہے جہاں اللہ کی محبت کی حلاوت نہ ہو اور خواہشات کی حلاوت موجود ہو۔

شیخ سوسی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ توبہ ہر اس چیز سے کی جاتی ہے جس کی علم نے تعریف کی ہو اور جس چیز کی علم نے تعریف کی ہو یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے اور اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو صریح علم سے بہرہ ور ہے اس لئے کہ علم کے سامنے جہالت اسی طرح غائب ہو جاتی ہے جس طرح سورج کے طلوع کے ساتھ ہی رات غائب ہو جاتی ہے' یہ تعریف جو شیخ سوسی علیہ الرحمتہ نے کی ہے توبہ کی تمام اقسام پر محیط ہے خواہ وہ توبہ کا کوئی عام مفہوم ہو یا کوئی خاص! ایک بات یہ بھی واضح رہے کہ علم سے یہاں مراد دونوں علوم ہیں یعنی ظاہری اور باطنی! تاکہ توبہ کے عام و خاص دونوں مفاہیم کے مطابق ظاہر کی بھی صفائی ہو سکے اور باطن کی بھی۔!

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ "توبہ یہ ہے کہ تم خدا کے سوا ہر چیز سے توبہ کر لو!

---

[1] عوارف المعارف مطبوعہ بیروت' دار الکتاب العربیہ ۴۸۷ سطر ۱۱

ورع یعنی پرہیز گاری:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "ملاك دينكم ورع" "تمہاری دینداری کی اصل اور مدار پرہیز گاری ہے۔
حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نہر پر بیٹھ کر وضو فرمایا جب آپ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپ نے وضو سے بچا ہوا پانی نہر میں ڈال دیا اور فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر یہ پانی ان لوگوں تک پہنچائے گا جن کے لئے یہ نافع ہو گا۔
حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اس شخص کو یہ بات شایان نہیں جس نے تقویٰ حاصل کیا اور پرہیز گاری کی ترازو میں اس کا وزن ہوا ہو (پرہیز گار ہو) کہ وہ کسی صاحب دنیا کے لئے ذلت گوارا کرے۔
حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنی زبان کو مدح سے اس طرح روکو جس طرح مذمت کرنے سے روکے ہوئے ہو، شیخ حارث بن اسد المحاسیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی انگشت وسطیٰ میں ایک رگ ایسی تھی کہ جب وہ کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے جو مشتبہ ہوتا تو وہ رگ پھڑکنے لگتی تھی۔
شیخ شبلیؒ سے ورع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "ورع یہ ہے کہ تمہارا دل ایک لحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے پراگندہ نہ ہو۔ شیخ ابو سلیمان درائیؒ فرماتے ہیں جس طرح قناعت رضا کا ایک پہلو ہے اسی طرح ورع زہد کا آغاز اور اس کا ایک پہلو ہے۔
شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ کسی تاویل کے بغیر علم کی حد پر ٹھیرا جائے۔ (القوف علی احد العلم من غیر تاویل) شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ سے ورع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ورع یہ ہے کہ بندہ حق خواہ غصہ کی حالت میں ہو یا رضامندی کی حالت، حق بات کے سوا اور کچھ منہ سے نہ نکالے اور اس کی ساری جدوجہد محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو۔
شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ شیوخ شیخ ابن جلا رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں ایک ایسے شخص سے واقف ہوں کہ جو مکہ مکرمہ میں بیس سال رہے مگر انہوں نے زمزم کا صرف وہی پانی پیا جو انہوں نے اپنے مشکیزے میں اپنی رسی اور ڈول سے بھر لیا تھا اور اسی طرح نہ انہوں نے وہ کھانا کھایا جو شہر سے لایا جاتا۔ "شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع خوف کی نشانی ہے اور خوف خدا شناسی کی علامت ہے اور معرفت حق کی دلیل ہے۔

زہد:

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہاتھوں کا املاک سے اور دلوں کا تلاش اور جستجو سے خالی ہونا" زہد ہے شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ زہد حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے کیوں کہ کوئی شخص اگر ایسی چیز سے احتراز

کرے جو اس کے پاس موجود ہے ہی نہیں تو حقیقت میں یہ زہد کہاں ہوا اور اگر وہ اپنی مملوکہ اشیاء سے کنارہ کشی اختیار کرے جو اس کی ملکیت میں ہیں، تو جب تک یہ چیزیں اس کے پاس موجود ہیں زہد اور ترک تعلق کا مفہوم صادق نہیں آسکتا، پس زہد اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ تلف نفس اور بذل مواسات ہے یعنی نفس کشی اور دوسروں کو غم خواری!

زہد کی مختلف تعریفیں:

مذکورہ بالا قول میں ان اقسام کی طرف اشارہ ہے جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن اگر یہ قول نافذ ہو جائے اور اس پر عمل ہونے لگے تو کسب و اجتہاد کی بنیادیں ڈھ جائیں میرے خیال میں شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول سے مقصود یہ ہے کہ جس کو زہد کا دعویٰ اس کی نگاہ میں زہد کی اہمیت کو گھٹایا جائے کہ کہیں اس کا حال متغیر نہ ہو جائے (تعریف سن کر) یا اس کو اپنے زہد پر غرور نہ ہونے لگے۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا رايتم الرحل قد اوتی زهدا فی الدنيا و منطقا فاقر بوامنه فانه يلقی الحكمة ○

"جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو دنیا سے کنارہ کش ہونے کے باوصف قوت گویائی رکھتا ہے تو تم اس کی قربت اختیار کرو کیونکہ وہ حکمت کی باتیں کرتا ہے (زاہد کی باتیں حکمت پر مشتمل ہوتی ہیں)

اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کے قصے میں زاہدوں کو علماء کے اسم سے موسوم فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوالْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ
(پارہ:20 سورہ قصص)

"اور ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا کہا کہ تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب بہتر ہے۔"

اس آیت کی تفسیر و تاویل میں کہا گیا ہے کہ لوگوں سے مراد زہاد ہے۔ شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عقل کے ہزار نام ہیں اور ہر نام کے پھر ہزار نام ہیں، ہر نام کا آغاز ترک دنیا سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک جگہ ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ○
(پارہ:17 سورہ:انبیاء)

"اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا اور ہمارے حکم سے وہ لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں جب کہ وہ صبر کریں۔"

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ صبر سے مراد دنیا سے صبر کرنا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے:

العُلمَاء اُمَنَا الرسل مَالَمْ يَدْ خُلوفی الدنيا فَاِذا دَخَلُوا فی الدنيا فَاحذ روهُم علٰی دينكم

"علماء پیغمبروں کے اس وقت تک امانت دار ہیں جب تک وہ دنیا میں مشغول نہ ہوں جب وہ دنیا میں مشغول ہو گئے تو تم ان سے اپنے دین کی حفاظت کرو!"

یعنی اس وقت وہ تمہارے دین کے لئے خطرہ ہیں۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ کلمہ لا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ..... بندگان حق سے اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کو اس وقت تک دور کرتا رہے گا جب تک وہ دنیا کے نقصان کی پرواہ نہیں کریں گے اور جب

وہ ایسا کرنے لگیں گے (دنیا کے نقصان کی ان کو فکر اور پروا ہو جائے گی) اور اس کے بعد وہ لاالہ الا اللہ کہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا تم جھوٹے ہو اور سچ نہیں بول رہے ہو (اس کلمہ پر تمہارا یقین نہیں ہے)

شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "نیک لوگوں کے اعمال زاہدوں کے میزان میں ہوں گے اور زہد کا ثواب اس پر مستزاد ہو گا۔" کہا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا میں زاہد کے نام سے موسوم ہوتا ہے وہ آخرت میں ایک ہزار اچھے ناموں سے موسوم ہو گا اور جو یہاں راغب دنیا سے مشہور ہوتا ہے وہ آخرت میں ایک ہزار برے ناموں سے پکارا جائے گا۔

حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد نام ہے جو کچھ بھی دنیا میں ہے اس سے حظ نفس کو ترک کر دینے کا' ان حظوظ مال' حظوظ جاہ و مرتبت' لوگوں میں بڑائی اور شہرت لوگوں سے اپنی تعریف سننا' یہ تمام خواہشات دنیاوی ہیں۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے زہد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک غفلت کا نام ہے کیونکہ دنیا ناچیز ہے اور کسی ناچیز شے سے کنارہ کش ہونا غفلت نہیں تو کیا ہے۔

ایک اور بزرگ زہد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ دنیا بہت ہی ذلیل و حقیر چیز ہے تو انہوں نے زہد فی الدنیا سے بھی زہد اختیار کر لیا' کیونکہ دنیا ان کے نزدیک بہت ہی ذلیل چیز تھی۔ میرے خیال میں زہد سے زہد اس سے الگ ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے ارادے اور مرضی سے زہد کو اختیار کیا جائے اور جب زاہد اپنے ارادے اور اختیار سے زہد کو اختیار کرتا ہے تو اس کے ارادے کا تعلق اس کے علم سے ہوتا ہے اور اس کا علم قاصر و کوتاہ ہے' پس جب اسے ترک ارادے کی منزل پر لایا جاتا ہے اور اس کے اختیارات سلب کر لئے جاتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس پر اپنے ارادے کا انکشاف فرما دیتا ہے۔ پس اس موقع پر وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دنیا کو ترک کرتا ہے' اس وقت اس کے زہد کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے' اس کے نفس سے نہیں ہوتا۔

اَب اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور لمشیت یہ ہے کہ وہ دنیا کی کسی شے سے وابستہ رہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس دنیاوی چیز سے اس کا تعلق پیدا ہوا تھا اس لئے اس بندۂ حق کے زہد موجودہ ہیں کچھ کمی نہیں ہو گی کیونکہ اس چیز سے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے یہی زہد در زہد ہے۔ اس زہد در زہد میں دنیا کا وجود اور اس کا عدم برابر ہوتا ہے اگر زاہد اسے ترک کرتا ہے تو اللہ کے لئے ترک کرتا ہے اور اگر اسے اختیار کرتا ہے تو بھی اللہ ہی کے لئے اختیار کرتا ہے اور یہی الزہد فی الزہد ہے۔ ہم نے بہت سے عارفوں کو اس مقام پر فائز دیکھا ہے لیکن یہ آخری مقام نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر ایک اور مقام ہے اور وہ مقام یہ ہے کہ جب زاہد اپنے علم کی وسعت اور نفس کی طہارت کے باعث مقام بقا میں پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اختیار اس کو پھر واپس فرما دیتا ہے اس وقت وہ زہد کے تیسرے مقام پر پہنچ کر پھر دنیا کو ترک کر دیتا ہے حالانکہ اب دنیا اس کے اختیار میں تھی اور اس کو بطور بخشش عطا کی گئی تھی۔

زہد کے تیسرے مقام کی نوعیت:

اس مقام پر زاہد دنیا کو اپنے اختیار اور مرضی سے چھوڑتا ہے اور اس کی یہ مرضی اور اختیار اللہ تعالیٰ کے اختیار اور مرضی کے بالکل مطابق ہوتا ہے اس کا اس وقت ترک دنیا کو اختیار کرنا انبیاء اور صالحین کی روش کی پیروی ہے' وہ یہ سمجھتا ہے کہ زہد در زہد کے مقام پر دنیا پر اس کو پھر اختیار دینا اس کے ساتھ ایک قسم کی رعایت اور آسانی ہے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے مقابلہ میں کمزور ہے وہ حضرت اس سے قوی تر ہیں اور وہ ان کے قدم بہ قدم (اس ضعف کے باعث) نہیں چل سکتا اس لئے وہ خداوند تعالیٰ کے اس کی عطا کردہ رعایت کو بھی حق کے ساتھ' حق کے لئے ترک کر دیتا ہے' البتہ کبھی کبھار وہ اس رعایت سے فائدہ بھی اٹھا لیتا ہے تاکہ علم صریح کی سہولت سے تدبیر نفس میں نرمی اور ملاطفت پیدا کر سکے' لیکن اس مقام پر صرف ان عارفین کا تصرف ہوتا ہے جو بہت ہی قوی الحال ہیں کہ انہوں نے پہلی بار بھی اللہ ہی کے لئے زہد اختیار کیا اور دوسری مرتبہ بھی اللہ کے حکم سے دنیا کی طرف متوجہ ہوئے اور تیسری بار بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دنیا سے ترک تعلق کیا۔

صبر

شیخ سہلؒ فرماتے ہیں کہ صبر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کشادگی کے انتظار کا نام ہے اور یہ افضل و اعلیٰ خدمت ہے ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے کہ صبر یہ ہے کہ صبر میں صبر کرے یعنی تنگی میں کشادگی کا انتظار نہ کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالصَّابِرِيْنَ فِى الْبَاسَآءِ والضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○
(پارہ:3 سورہ بقرہ)

"خوف میں' تکلیف میں اور مصیبت کے وقت یہی لوگ صبر کرنے والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اور یہی پرہیز گار ہیں۔"

صبر کی حقیقت:

کہتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے پس صبر کرنا نفس کا مقابلہ کرنا ہے' مقابلہ سے نفس میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ صبر صابر کے جسم میں سانسوں کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے کیونکہ اسے ہر ظاہری' باطنی' مذموم و مکروہ اور ممنوع چیز پر صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور علم ان چیزوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صبر ان کو قبول کرتا ہے (برداشت کرتا ہے) یہ واضح رہے کہ قبول صبر کے بغیر علم کی یہ رہنمائی نفع نہیں پہنچا سکتی ہے۔

علم اور صبر:

وہ شخص جس کا ظاہری اور باطنی محافظ علم ہو (علم کے لئے مدبر اور منتظم ہو) وہ اپنے فرائض کی تکمیل اسی وقت کر سکتا ہے۔ جب صبر اس کا مستقر اور مسکن ہو، علم اور صبر اسی طرح لازم و ملزوم ہیں جس طرح روح اور جسم کہ ایک کو دوسرے کے بغیر استقلال حاصل نہیں ہو سکتا چونکہ ان دونوں کا مرکز اور اصل قوت عقلیہ ہے اس بنا پر ان دونوں میں اتحاد اور قربت زیادہ پائی جاتی ہے' جب صبر کے ذریعہ نفس میں قوت برداشت پیدا ہوتی ہے تو علم کے ذریعہ روح کو ارتقا نصیب ہوتا ہے گویا یہ دونوں (صبر اور علم) روح اور نفس کے درمیان حد فاصل (یا عالم برزخ) کی طرح ہیں تاکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر قائم رہے اور عین انصاف اور اعتدال صحیح برقرار رہے' ورنہ اگر علم اور صبر میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا ہو جائے تو اس جدائی کے نتیجے میں روح اور نفس میں سے کوئی ایک دوسرے پر غالب آجائے اور اتحاد برقرار نہ رہے' ہم صرف اتنا ہی لکھتے ہیں کہ اس کی تفصیل بہت ادق ہے (دبیان ذالك ادق)

تمہارے لئے) صبر کی فضیلت و اہمیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت کافی ہے!

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ "صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بے حساب (اندازہ) دیا جائے گا۔"

یعنی ہر محنت کش (عبادت گزار) کا اجر حساب سے ہو گا (مزدور کو مزدوری حساب سے دی جائے گی) مگر صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ○ "آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر صرف اللہ کے ہاتھ ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فضیلت صبر کے اظہار کے لئے اس کو اپنی طرف نسبت دی اور اس سے نعمت الٰہی کی تکمیل ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو اس نے آپ سے پوچھا کہ کون سا صبر صبر کرنے والوں پر سب سے زیادہ مشکل اور گراں ہے' حضرت شبلی نے فرمایا (الصبر فی اللہ) (اللہ کے سوا سب سے رک جانا) اس شخص نے کہا نہیں! حضرت شبلی نے کہا (الصبر اللہ) (اللہ کے لئے صبر) اس شخص نے کہا نہیں' حضرت شبلی نے پھر فرمایا الصبر مع اللہ اس شخص نے کہا جی یہ بھی نہیں' یہ سن کر شیخ شبلی غصہ ہوئے اور فرمایا کمال ہے صاحب! پھر تم ہی بتاؤ وہ کون سا صبر ہے؟ اس شخص نے کہا کہ وہ الصبر عن اللہ (یعنی اللہ سے رک جانا) راوی کا بیان ہے کہ یہ جواب سن کر شیخ شبلی نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی جان ہی نکل جائے گی۔

صبر عن اللہ کیا ہے: میرا بھی یہی خیال ہے کہ تمام اقسام صبر میں "صبر عن اللہ" ایک اعتبار سے سب سے زیادہ دشوار ہوتا ہے اور دشوار ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ صابرین عن اللہ پر مشاہدۂ انوار ربانی کے دوران ایک خاص مقام ایسا بھی

آتا ہے کہ بندۂ حق حیا اور جلال ربانی کے باعث مشاہدۂ انوار تجلیات خداوندی سے رجوع کرتا ہے حیا و جلال خداوندی کو برداشت نہ کر سکنے کے باعث اس کی بصیرت محجوب اور گداز ہو کر عاجزی کے بیابانوں میں گم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کو تجلی خداوندی کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور یہ مقام صبر کا عظیم ترین مقام ہے کیونکہ بندۂ حق کا نفس تو یہ چاہتا ہے جلال خداوندی کے حق کی ادائیگی کے لئے یہ حال برقرار رہے اور روح [1] یہ چاہتی ہے کہ اپنی بصیرت کو نور تجلیات سے سرگیں بنائے۔ عام حالت میں تو یہ ہوتا ہے کہ نفس اور صبر کے درمیان کشمکش ہوتی ہے لیکن [2] اس خاص حال میں روح اور صبر میں کشمکش برپا ہوتی ہے لہٰذا ایسے موقع پر صبر عن اللہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

شیخ ابوالحسن بن سالم کا قول ہے کہ صابر تین طرح کے ہوتے ہیں (۱) متصبر (۲) صابر (۳) صبار۔ متصبر وہ ہے جو صابر عن اللہ ہے یعنی کبھی اللہ سے صبر کرتا ہے اور کبھی گھبرانے لگتا ہے۔ صابر وہ شخص ہے جو صبر فی اللہ اور صبر اللہ سے عہدہ برا ہو اور بے صبری نہ کرے، مگر اسکے بے صبری کرنے اور گھبرانے کا امکان بھی پایا جاتا ہے۔ صبار وہ ہے جو فی اللہ اور باللہ صبر کرے (اللہ میں، اللہ کیلئے اور اللہ کے ساتھ) صبار پر اگر تمام مصیبتیں نازل ہو جائیں وہ جب بھی نہیں گھبراتا اور نہ اسکے وجود اور اسکی حقیقت میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوتا ہے اور نہ ہیئت و خلقت کے اعتبار سے کوئی تبدیلی ہوتی ہے ولا تیغیر من جهة الوجود والحقیقة، لامن جهة الرسم والخلقة یہاں اس امر کی طرف ایک اشارہ ہے کہ اگرچہ اس میں فطری اور طبعی صفات موجود ہیں لیکن اسکے باوجود اسکا علم ان سب صفات پر غالب ہے۔ شیخ شبلی ان دو اشعار کو (بطور تمثیل) اکثر پڑھا کرتے تھے۔

ان صوات المحب من الم الشو	ق وخوف الفراق یورث ضدا
بیشک محبت کرنے والے کی آواز کا	شوق یا جدائی کے خوف سے نکلنا نقصان رساں ہے
صابرا الصبر فاستغاث به الصبر	فصاح المحب للصبر صبرا
جب وہ صبر اختیار کرتا ہے تو صبر سے مدد چاہتا ہے	جب صبر فریاد رسی کرتا ہے تو وہ صبر سے کہتا ہے کہ تو صبر کر!

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو صبر کرنے کا حکم دیا اور ان میں سے سب سے برتر حصہ رسول اکرم ﷺ کے لئے مقرر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صبر کو ان کی ذات مقدس سے نہیں بلکہ اپنی ذات لایزال سے منسوب کرتے ہوئے فرمایا:

وما صبرك الا بالله — آپ کے صبر کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے!

حضرت سری سقطیؒ سے صبر کے بارے میں دریافت کیا گیا اور وہ اس کے بارے میں (جواباً) گفتگو کر رہے تھے کہ اس اثنا میں ان کے پاؤں پر بچھو چڑھ گیا اور متعدد بار ان کے ڈنک مارا، لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ آپ اس کو ہٹا کیوں نہیں دیتے، حضرت نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں جس کیفیت (صبر) کے بارے میں بیان کروں اور پھر خود اپنے عمل سے اس کے خلاف اظہار کروں (بے صبری دکھاؤں)

---

(۱) الرّوح تودان تکحل بصیر تهابا سلماع نور الجمال (۲) فالروح فی هذا الصبر متازعة

شیخ ابوذرعہؒ نے باسناد شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کے ساتھ اکرم فرمایا اور ایمان کو عقل کے ساتھ معزز فرمایا اور عقل کو صبر سے اکرم کیا (عزت بخشی) پھر انہوں نے شیخ ابراہیم الخواصؒ کے یہ اشعار پڑھے:

صبرت علی بعض الاذی خوف کله ودافعت عن نفسی لنفسی فعزت
خوف سے کل کے کیا صبر کچھ آلام پر رہ گئی عزت دفاع نفس کچھ ایسا کیا
وجرعتها المکروه حتی تدریت ولولم اجرعها اذن لاشمازت
جام مکروہات کے میں نے پلائے پے بہ پے بن گیا عادی، وگرنہ ہوتی نفرت کچھ سوا
الارب ذل ساق للنفس عزة ویارب نفس بالتذلیل عزت
ہے اسی ذلت میں پنہاں اس کی عزت سربسر یعنی ذلت سے تفوق نفس کو حاصل ہوا
اذ ماولودت الکن التمس الغنی الی غیر من قال اسالونی فشلت
مانگ مجھ سے اے سوالی جس کا یہ ارشاد ہو ہاتھ شل ہوں ان کو پھیلاؤں اگر اس کے سوا
ساصبر جهدی ان فی البصرعزة وارضی بدنیا هاوان هی قلت
کام لوں گا صبر سے اور اصل ہے عزت یہی خواہ دنیا سے ملے کتنا ہی کم، ہے وہ سوا

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو نعمت عطا کر کے اگر اس نعمت کو واپس لیا ہے تو اس کے بدلے اس کو دولت صبر عطا کی ہے اور جو اس کو بدلہ میں دیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس سے لے لیا ہے، یہ فرمانے کے بعد آپ نے مجنون شاعر کے یہ اشعار پڑھے۔ ترجمہ:

میں نے عشرت اور عسرت دونوں حالتوں کا مزہ چکھا ہے جب زمانہ یہ جام پلاتا ہے تو میں ایک ایک گھونٹ کر کے پیتا ہوں
زمانے نے مجھے تکلیف کے بہت سے جام پلائے تو میں نے بھی اسکو اپنے صبر کے سمندر سے جام پلائے یعنی صبر کیا
صبر کو میں نے اپنی ورع بنایا اور گردش زمانہ کا مقابلہ کیا اور میں نے نفس سے کہا کہ یا تو صبر کر یا پھر غم کے مارے ہلاک ہو جا
میرے حوادث زمانہ ایسے تھے کہ اونچے پہاڑ بھی مقابلہ کرتے تو دھنس جاتے اور ان تک ہاتھ نہ پہنچ پاتے (ہاتھ چھو نہیں سکتے تھے)

فقر

فقر کی تعریف کرتے ہوئے شیخ ابن الجلا نے فرمایا کہ فقر یہ ہے کہ تیرے لئے کچھ نہ ہو اور جو کچھ تیرے پاس ہو اس کو تو ایثار کر دے اور تیرے پاس کچھ باقی نہ رہے۔

شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا صحیح طور پر محتاج بن جائے تو اللہ کی بدولت وہ غنی اور بے نیاز بن جاتا ہے (اس کو کوئی حاجت نہیں ہوتی) یہ دونوں ایسے روحانی حال ہیں کہ ایک کا تکملہ دوسرے کے بغیر نہیں ہوتا۔ شیخ نوری

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقراء کی تعریف یہ ہے کہ تنگدستی اور مفلسی میں مطمئن رہتے ہیں اور جب کچھ میسر آجاتا ہے تو ایثار کرتے ہیں۔ ایک بزرگ نے اس قول کے آخر میں یہ اضافہ اور فرمایا کہ جب کوئی چیز پاس موجود ہو تو مضطرب اور بے چین رہیں۔ یعنی تاوقتیکہ اس کو ایثار نہ کردیں ان کو قرار نہ آئے۔

فقر کی شان:

شیخ دراجؒ کا ارشاد ہے کہ میں نے سرمہ دانی نکالنے کے لئے اپنے شیخ کی تھیلی ٹٹولی تو اس میں چاندی کا ایک ٹکڑا موجود پایا میں حیران رہ گیا جب وہ تشریف لائے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی تھیلی میں یہ ٹکڑا پایا ہے، میرے شیخ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میں اس کو لوٹا دوں پھر فرمایا اچھا اس کو لے جاؤ اور اس کے بدلے کچھ خرید لو یہ سن کر میں نے عرض کیا "اس ٹکڑے کا آپ کے رب سے کیا تعلق ہے (جو اس طرح آپ نے اس کو رکھا ہے) آپ نے فرمایا کہ اس ٹکڑے کے سوا اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ چاندی دی ہے اور نہ سونا عطا کیا ہے، لہٰذا میرا خیال تھا کہ میں وصیت کر جاؤں کہ میرے مرنے کے بعد اس ٹکڑے کو میرے کفن سے باندھ دیا جائے تاکہ میں اس کو اللہ تعالیٰ کو واپس کر دوں۔

شیخ ابراہیم الخواصؒ کا قول ہے کہ فقر شرف اور بزرگی کی چادر، مرسلین (علیہم السلام) کا لباس اور صالحین کے اوڑھنے کی چادر ہے۔ شیخ سہلؒ بن عبداللہ سے ایک درویش کی حالت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ نہ تو سوال کرتے ہیں نہ رد کرتے ہیں اور نہ روکتے ہیں۔

درویش مستغنی اور بے نیاز ہیں:

شیخ علی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے شیخ دقاقؒ نے دریافت کیا کہ اے ابو علی! درویشوں نے اپنی ضرورت کے وقت بقدر ضرورت جو کچھ ان تک پہنچتا ہے لینا کیوں ترک کر دیا ہے میں نے کہا کہ وہ خداوند بخشندہ کے باعث اس قدر مستغنی اور بے نیاز ہیں کہ قبول ہدایا و بخشش کی ان کو ضرورت نہیں ہے انہوں نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ایک درجہ اور میرے خیال میں آتی ہے میں نے عرض کیا کہ شیخ محترم ضرور مستفید و بہرہ مند فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت ہے جس کے لئے کسی چیز کا وجود مفید نہیں، چونکہ ان کا فقر وفاقہ اللہ کے لئے ہوتا ہے اس لئے یہ فقر و فاقہ بھی ان کے لئے مضرت رساں نہیں ہے کیونکہ ان کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

ایک اور بزرگ نے فقر کی تعریف اس طرح کی ہے کہ "فقر یہ ہے کہ قلب حاجت اور ضرورت پر آکر ٹھہر جائے اور خداوند تعالیٰ کے سوا کسی اور کی محتاجی نہ رہے۔ شیخ مسوحیؒ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کو نہ نعمتیں خوشحال کر سکیں اور نہ تکالیف اس کو محتاج فقیر بنا سکیں!

شیخ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں "فقر کی حقیقت یہ ہے کہ درویش اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز رہے

بلکہ اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کے لئے عالم اسباب کے تمام اسباب معدوم ہو جائیں۔

شیخ ابوبکر طوسیؒ فرماتے ہیں کہ مدتوں سے یہ سوال برادران طریقت سے کرتا چلا آ رہا ہوں کہ ہمارے ارباب تصوف اور شیوخ نے فقر کو دوسری چیزوں پر کیوں ترجیح دی ہے، مگر مجھے تسلی بخش جواب کسی نے بھی نہیں دیا یہاں تک کہ شیخ نصر بن الحمامیؒ سے بھی میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "فقر منازل توحید کی پہلی منزل ہے۔" یہ جواب پاکر میں مطمئن ہو گیا

ایک درہم پاس ہونا بھی منافیٔ فقر ہے:

شیخ ابن جلاؒ سے فقر کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ خاموش رہے اس کے بعد نماز پڑھ کر وہ باہر گئے، پھر جب لوٹ کر آئے تو کہا کہ اس وقت میں یوں خاموش ہو گیا تھا (سوال کا جواب نہیں دیا تھا) کہ اس وقت میرے پاس ایک درہم موجود تھا لہٰذا میں نے باہر جاکر اسے خرچ کر دیا، اس لئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آئی کہ میں فقر کے مسئلہ پر گفتگو کروں اور یہ درہم میرے پاس موجود ہو پھر وہ بیٹھ گئے اور اس موضوع (فقر) پر انہوں نے گفتگو فرمائی۔

شیخ ابوبکر بن طاہرؒ نے فقر (صاحب فقر) کے بارے میں فرمایا "کہ فقیر کو کوئی خواہش اور رغبت نہیں ہوتی اور اگر کوئی رغبت ہوتی بھی ہے تو وہ حد ضرورت سے تجاوز نہیں کرتا۔"

شیخ فارسؒ فرماتے ہیں، میں نے ایک ایسے فقیر سے جس سے بھوک اور فاقہ کے آثار نمایاں تھے کہا کہ تم سوال کیوں نہیں کرتے، سوال کرو لوگ تم کو کھانا کھلا دیں گے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے لوگوں سے سوال کیا اور انہوں نے مجھے منع کر دیا تو وہ فلاح سے محروم ہو جائیں گے (اس خطرے کے پیش نظر میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتا ہوں) پھر اس درویش نے یہ چند اشعار پڑھے:

قالو عذاً عید ما ذا انت لا بسه

لوگوں نے مجھ سے کہا کل عید ہے تم کیا لباس پہنو گے

فقلت خلعَةٌ سَاق عبده الجرعَا

ایسے ساقی کا لباس جو اپنے بندے کو گھونٹ پلائے

فقر و صبر ثُوبَان تحت هَا

فقر اور صبر ایسے دو کپڑے ہیں جن کے نیچے

قلب بری رَبه الْاَعیَاد و الجُمُعَا

ایک دل ہے جس کو اس کا رب بہت سی عیدین اور جمعہ دکھاتا ہے

احری الملابس ان تلقی الحبیب بهِ

یومِ التذاور فی الثوب الّذی خلعَا

الدهربی مَاتم ان غیب یا آملی

وَالعِید ماذمت لی مرای وَمستعما

اے میری آرزو اگر مجھ سے غائب ہو جائے تو دنیا

میرے لئے تم کدہ ہے اور جب تک تو میرے لئے ہے عید ہی عید ہے

شکر

شکر کی تعریف ایک بزرگ نے اس طرح کی ہے کہ شکر یہ ہے کہ منعم کی رویت کے بعد ہر ایک نعمت نظروں سے غائب ہو جائے (نعمت کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔)

شیخ یحییٰ بن معاذؒ رازی فرماتے ہیں "اگر تم شکر کرتے ہو تو حقیقی طور پر شکر کا حق ادا نہیں کرتے اس لئے کہ انتہائے شکر حیرت ہے' تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور نعمت پر شکر کرنا واجب ہے!

حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ قول مروی ہے کہ الٰہی میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں جب کہ دوبارہ تیری نعمت مجھ پر نازل نہ ہو (نعمت اول پر شکر کی توفیق سے دوسری نعمت عطا ہو گی)۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کا نزول فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السلام) جب تم اس بات کو پہچان گئے ہو تو گویا میرا شکر ادا ہو گیا۔

شکر کے معانی:

لغت میں شکر کے معانی ہیں کھولنا' ظاہر کرنا' جب کوئی شخص ہنسی کے وقت اپنے دانتوں کو ظاہر کر دے تو عربی میں کہتے ہیں "شکر وکشر" پس نعمتوں کا تذکرہ اور ان کو مشہور کرنا' پھیلانا اور زبان سے ان کا شمار کرنا ظاہری شکر ہے اور باطنی شکر یہ ہے کہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر منعم حقیقی کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یہی شکر نعمت ہے۔

ہمارے شیخ محترم کسی بزرگ کے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

اوَلیتنی نعمًا ابوح بشکرھا وَکفیتِنی کُل اَلا سُورِبَا سرھا

الٰہی! تو نے مجھے نعمتیں عطا کی ہیں میں شکر کے ساتھ انکا اظہار کرتا ہوں! اور تو نے مجھے تمام معاملات میں کفایت بخشی ہے

فَلاَ شکرنکَ ماحیت وَان اُمت فلتشکم تلکَ اعظمی فی قبرھَا

پس جب تک میں زندہ ہوں تیرا شکر لازمی طور پر ادا کرتا رہوں گا' اور اگر مرجاؤں تو قبر میں میری ہڈیاں تیرا شکر ادا کریں گی

شکر کے سلسلہ میں احادیث:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَوَّل من یَدعی اِلی الجنَّةِ یوم القیامة الَّذِیْنَ یَحمدون اللّٰہ فی السرا وَالضَّراء

قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو راحت و تکلیف میں (ہر حالت میں) اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں!

رسول اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

"جو کوئی مصیبت میں مبتلا ہوا اور اس نے صبر کیا اور جب اس کو عطا کیا گیا تو اس نے شکر ادا کیا اور اس پر کسی نے ظلم کیا تو اس نے بخش دیا اور اگر اس نے ظلم کیا تو استغفار کی۔"

لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور ایسے شخص کا کیا حال ہو گا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

"ان لوگوں کے لئے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت سے بہرہ یاب ہیں۔"

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شکر کا فرض یہ کہ ہے دل اور زبان سے نعمتوں کا اقرار کیا جائے' حدیث شریف میں ہے:

افضل الذکر لا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه وَافضل الدعاء اَلحمدلِلّٰه ○ "سب سے بڑھ کر ذکر لاالہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمدللہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ○ (اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو مکمل کر دیا۔)

کے سلسلہ میں ایک بزرگ نے فرمایا کہ "ظاہری نعمتوں سے مراد عافیت اور دولت مندی ہے اور انعامات باطنی سے مراد مصائب اور فقر ہے کیونکہ یہی وہ اخروی نعمتیں ہیں جو جزا کا سبب بنتی ہیں۔"

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ ہر اس چیز کو جو نصیب میں رکھی گئی ہے نعمت الٰہی سمجھا جائے بجز ان چیزوں کے جو دین کو نقصان پہنچانے والی ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ اس کے حق میں ایک نعمت ہے خواہ وہ جلد سمجھ میں آئے (یا بدیر) خواہ وہ بظاہر تکلیف ہو اور انجام کار وہ نعمت ہو' اس بظاہر تکلیف کے ذریعہ یا تو بندے کا درجہ بلند ہوتا ہے یا اس تکلیف ظاہری سے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے پس اگر انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا مولیٰ اور رب اس سے زیادہ اس کا خیر خواہ اور اس کے مصالح اور بھلائیوں کا جاننے والا ہے تو وہ شکر کا حق بجا لایا (اس نے منعم کا شکر ادا کیا۔)

خوف

سرور کونین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے راسُ الحکمته مخافة اللّٰه اللہ کا خوف حکمت کا سرچشمہ ہے' رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔ داؤد نبی علیہ السلام کی خدمت میں لوگ عیادت کے لئے آئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی اکرمؑ بیمار ہیں حالانکہ ان کو اس کے سوا اور بیماری نہیں تھی کہ خدا سے خوف اور حیا دامن گیر تھی' (لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ بیمار ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیا فرماتے اور ڈرتے تھے)!

خوف کیا ہے:

شیخ ابو عمرو دمشقیؒ کہتے ہیں کہ "اپنے نفس سے ڈرنے والا اس شخص سے زیادہ ڈرنے والا ہے جو شیطان سے ڈرتا ہے۔"
ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ خائف وہ نہیں ہے جو خوف سے ڈرتا ہے اور اپنی آنکھوں سے آنسو پوچھتا رہے بلکہ حقیقی خائف وہ ہے کہ اس چیز کو ترک کردے جو اس کے لئے عذاب کا موجب ہو' کہتے ہیں کہ خائف وہی ہے جو اللہ کے سوا کسی اور چیز نہ ڈرے' یعنی اللہ تعالیٰ کے جلال اور بزرگی سے خوف کھائے اور اپنے نفس سے خوف نہ کھائے کہ نفس سے خوف کھانا تو عذاب سے ڈرنا ہے۔

شیخ سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ خوف مذکر ہے اور رجا (امید) مونث ہے ان دونوں کے ملاپ سے ایمان کے حقائق پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهِ ○ "ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو اور تم کو یہ ہدایت کی کہ اللہ سے ڈرو۔"

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت قطب القرآن ہے' تمام معاملات کا مدار اسی (تقویٰ) پر ہے۔"
کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں مومنوں کے لئے الگ الگ بیان فرمائی ہیں وہ خائفین (ڈرنے والوں) کے لئے یکجا بیان فرمادی ہے جیسے ہدیٰ' رحمت' علم' رضوان (مومنوں کے لئے ان نعمتوں سے بہرہ یابی کا ذکر الگ الگ فرمایا ہے) وہ آیات یہ ہیں:

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ○ "ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔"
(پارہ:9' سورہ:اعراف)

اللہ تعالیٰ کا ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ○ "اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبان علم ہیں۔"

مزید فرمایا ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ○ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

شیخ سہلؒ فرماتے ہیں' علم سے ایمان کا کمال ہے اور علم کا کمال خوف ہے' انہی کا یہ قول بھی ہے' علم ایمان سے اور خوف خدا شناسی سے حاصل ہوتا ہے (یا علم ایمان) کا اور خوف معرفت الٰہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عاشق کو جام محبت اس وقت دیا جاتا ہے جب خوف اس کے دل کو پختہ اور مضبوط بنا دیتا ہے۔

شیخ فضیلؒ بن عیاض فرماتے ہیں "جب تم سے کہا جائے کیا تم اللہ سے ڈرتے رہو اگر جواب میں تم نے کہا نہیں تو یہ کہنا کفر ہے (تم نے کفر کیا) اور اگر تم نے کہا ہاں ڈرتا ہوں تو تم نے جھوٹ بولا کہ تمہارا یہ کہنا ان لوگوں کے قول کے مطابق نہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں (پس جواب میں خاموش رہنا ہی بہتر ہے)

رجاء

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس بندے کے بدن میں ذرہ برابر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال دو' پھر ارشاد فرمائے گا:

"مجھے اپنے جلال و عزت کی قسم کہ میں اس شخص کو جو مجھ پر دن یا رات کی کسی ایک ساعت میں بھی ایمان لائے اس کو میں اس شخص کے برابر قرار نہیں دوں گا جو مجھ پر ایمان (بالکل) نہیں لایا۔"

ایک دہقانی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "مخلوق کا حساب کون لے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک و تعالیٰ" اس اعرابی نے کہا "وہ بذات خود حساب لے گا۔" حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں بذات خود وہ حساب لے گا۔" یہ سن کر وہ ہنسا! حضور ﷺ نے اس سے ہنسی کا باعث دریافت فرمایا! دہقانی نے کہا کہ میرے ہنسنے کا باعث یہ ہے کہ جب صاحب کرم کو اختیار حاصل ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے اور جب وہ حساب لیتا ہے تو حساب میں درگزر فرماتا ہے!

رجاء کی علامت:

شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رجا (امیدواری) کی علامت' حسن طاعت ہے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ رجا یہ ہے کہ جمال کی نگاہ سے جلال کو دیکھا جائے اور دل کی نزدیکی خداوند تبارک و تعالیٰ کی ملاطفت (نرمی) کے باعث ہوتی ہے۔

شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف اور رجا پرندے کے دو بازوؤں کی طرح ہیں جب دونوں بازو برابر ہوتے ہیں تو پرندہ اوپر چڑھتا ہے (اڑتا ہے) اور اس کی پرواز درست ہوتی ہے۔

شیخ ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "متوقع کرم سے دلوں کی امید کا نام رجاء ہے شیخ مطرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مومن کے خوف اور اس کی رجاء کا وزن کیا جائے تو دونوں وزن میں برابر ہوں گے۔

خوف اور رجا ایمان کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہیں' یعنی امید کے ساتھ خوف اور خوف کے ساتھ امید کا ہونا ضرور ہے اس لئے خوف کا موجب ایمان ہے اور ایمان ہی ہے امید و رجاء کا قیام ہے' اس لئے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

ایمان موجب خوف ہے' اس سلسلہ میں جناب لقمان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے بیٹے اللہ کا خوف اس طرح کرو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور اس کے خوف سے زیادہ اس سے امید رکھو! فرزند لقمان

نے کہا کہ مجھ سے یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ میرے سینے میں ایک دل ہے' لقمان نے کہا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مرد مومن کے (سینے میں) دو دل ہوتے ہیں ایک دل سے وہ خوف کرتا ہے اور دوسرے دل سے امید رکھتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایمان سے ہے۔

توکل

شیخ سری سقطیؒ کا ارشاد ہے "قوت اور اختیار کو ترک کر دینے کا نام توکل ہے۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "توکل یہ ہے کہ تم اللہ کے سامنے اس طرح رہو گویا کہ تمہارا وجود ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ابدی' ازلی صفات کے ساتھ ہے۔

حضرت سہل بن تستریؒ فرماتے ہیں کہ تمام مقامات کے لئے (جس قدر مقامات بیان کئے ہیں) ہر ایک کا چہرہ اور پشت ہے سوائے توکل کے کہ اس کی پشت نہیں ہے صرف چہرہ ہے۔ کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ اس توکل سے حضرت سہل تسریؒ کی مراد توکل عنایت ہے توکل کفایت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان سے مقرون و وابستہ کیا ہے' جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ "اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ "مومنوں کو تو صرف اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ○ "اور آپ اس زندہ ہستی پر بھروسہ کریں جس کو موت نہیں ہے۔"

شیخ ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں کہ نفس کی تدبیر کو ترک کر دینے اور قوت و اختیار سے دستبردار ہو جانے کا نام توکل ہے حضرت شیخ ابوبکر الزقاقؒ فرماتے ہیں کہ "توکل اس کا نام ہے کہ ایک دن کی روزی (یعنی آج کی) رکھی جائے اور کل کی فکر نہ کی جائے۔ شیخ ابوبکر واسطیؒ کا ارشاد ہے کہ فقروفاقہ کی سچائی اور خلوص کا نام توکل ہے اور توکل اس کی راہ میں حائل نہ ہو اور اس کا باطن ایک لمحہ کے لئے بھی فقروفاقہ اور خلوص کو چھوڑ کر توکل کی طرف توجہ نہ کرے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "اگر کوئی چاہے کہ توکل کا حق ادا کرے تو اس کو چاہئے کہ اپنے نفس کے لئے ایک قبر کھودے اس میں اس کو دفن کر دے! اور دنیا اور دنیاداروں کو فراموش کر دے اس لئے کہ توکل کی حقیقت اور اس کے کمال تک آج تک (مخلوق میں سے) کوئی بھی نہیں پہنچ سکا ہے۔

شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' توکل کے مقامات کی ابتداء یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہے جس طرح غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ (نعش) جس طرح چاہتا ہے اس نعش کو الٹتا پلٹتا ہے اس وقت نہ اس میں کوئی

حرکت پیدا ہوتی ہے اور نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتی ہے۔

شیخ حمدون القصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا (اعتصام باللہ) توکل ہے۔ شیخ سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم تمامتر عبادت و بندگی کا ایک دروازہ ہے اور بندگی از سرتاپا ورع کا دروازہ ہے اور ورع بہمہ وجوہ کا دروازہ ہے اور زہد مکمل طور پر توکل کا ایک دروازہ ہے (اللہ اللہ کیا شان توکل ہے)۔

کمال توکل:

یہ قول بھی آپ ہی کا ہے کہ "تقویٰ اور یقین ترازو کے پلڑوں کی طرح ہیں اور توکل اس کی زبان (ڈنڈی) ہے جو ہلکے اور بھاری کو بتاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ توکل خدائے کارساز کے علم کے بالکل مطابق ہوتا ہے (ویقع لی ان التوکل علی قدر العلم بالوکیل) جو معرفت میں کمال حاصل کر لیتا ہے (جس کو کمال معرفت کا حصول ہو جاتا ہے اس کا توکل بھی کامل ہو جاتا ہے اور جس کا توکل کامل ہو جاتا ہے تو وہ رویت وکیل (مشاہدہ خداوندی) میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ پھر اس کو اپنا توکل نظر ہی نہیں آتا۔

نفس کا ظہور نقصان توکل ہے:

قوت معرفت کے ذریعہ علم کی تقسیم عدل سے کی جاتی ہے اور ہر قسم کے حصے کو عدل اور انصاف کے ساتھ حصہ ملتا ہے جن لوگوں کی نظریں غیر اللہ کی طرف اٹھتی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نفس میں جہل موجود ہے اگر ان کو کسی ایسی چیز کا احساس ہو جائے جو ان کے توکل میں خارج ہو اس سے توکل میں خرابی پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا منبع نفس ہے' اس طرح توکل کا نقصان نفس کے ظہور کے باعث ہوتا ہے اور اس میں کمال نفسانیت کی فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے (جب غیبت نفس پیدا ہوتی ہے تو اس میں کمال پیدا ہوتا ہے) پس وہ لوگ جو روحانیت میں طاقتور ہوتے ہیں وہ اپنے توکل کی درستی کی طرف اس قدر توجہ نہیں کرتے بلکہ وہ مراد قلب کو تقویت پہنچا کر نفس کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ اس طرح جب نفس فنا ہو جاتا ہے تو جہل کا مادہ بھی خود بخود فنا ہو جاتا ہے اور توکل اس طرح درست اور صحیح ہو جاتا ہے کہ بندۂ حق اس سے باخبر بھی نہیں ہوتا۔ پھر بھی اگر احیاناً نفسانیت کا باقی ماندہ اثر تحریک پیدا کرتا ہے تو ان کا ضمیر فوراً اس ارشاد الٰہی پر غور و فکر کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ○ "اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے' وہ اللہ کے سوا جس کسی کو پکارتے ہیں۔"

بہرنوع جب حق تعالیٰ کا وجود تمام اعیان و اکوان (موجودات) پر غالب آ جاتا ہے تو وہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ سے جدا ہو کر بذات خود کوئی وجود نہیں رکھتی ہے ایسے موقع پر اضطراری طور پر توکل کا صحیح مفہوم اس کی سمجھ میں آ جاتا

ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ کمزور روحانی طاقت والوں کی طرح دنیا کے اسباب و وسائط اس کے پائیدار توکل میں کمزوری پیدا نہیں کر سکتے جس طرح کمزور روحانی طاقت والوں کے توکل میں وہ کمزوری پیدا کر دیتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا نگاہ میں اسباب و وسائط بالکل مردہ اور بے جان ہیں اور توکل کے بغیر دوبارہ وہ زندہ نہیں ہو سکتے' یہی توکل خواص، اہل عرفان کا توکل ہے (خاص ارباب معرفت کا توکل یہی ہے۔)

رضا

رضا کے سلسلہ میں شیخ حارثؒ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے تحت قلب کے اطمینان کا نام رضا ہے۔ شیخ ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں "قسمت کے فیصلہ پر دل کی مسرت کا نام رضا ہے! اور حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کی موجودگی میں کہا' بارالہا! ہم سے راضی ہو جا۔ یہ سن کر حضرت رابعہؒ نے ان سے کہا "تم کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ تم اس کی رضا کے طالب ہو جس سے تم خود راضی نہیں ہو (اس پر یہ کہتے ہو) حاضرین مجلس میں سے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ بندہ اللہ سے کب خوش اور راضی ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا اس وقت جب وہ مصیبت پر بھی اسی طرح خوش ہو جس طرح نعمت و راحت پر خوش ہوتا ہے۔

شیخ سہل بن عبداللہؒ کا ارشاد ہے۔" جب رضا رضوان (خوشنودی) سے مل جاتی ہے تو طمانیت کلی حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فطوبی لهم وحسن ماب ○ "پس ان کو یہ خوشخبری ہو کہ ان کا یہ اچھا انجام ہوا۔"

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربا "وہ شخص ایمان کا ذائقہ چکھتا ہے جو اللہ سے اس کو اپنا رب سمجھ کر راضی ہو۔"

حضرت سرور کونین ﷺ نے مزید فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے روح پیدا کی' رضا اور یقین میں مسرت و شادمانی کو پوشیدہ رکھا اور رنج و غم کو شک میں اور غصہ میں پنہاں فرمایا۔"

شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں "رضا دلوں تک پہنچنے والا صحیح علم ہے' جب دل اس علم کی حقیقت کو معلوم کر لیتا ہے تو وہ رضا تک پہنچ جاتا ہے' رضا اور محبت' خوف و رجاء کی طرح نہیں بلکہ وہ ایسے دو حال ہیں جو بندے سے نہ دنیا میں جدا ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ جنت میں بھی جب بندۂ مومن پہنچ جائے گا تو وہاں بھی رضا اور محبت سے بے نیاز نہیں رہے گا۔ (فانمها حالان لا یفارقان العبد فی الدنیا والاخرة لانهٔ فی الجنة لا یستغنی عن الرضا والمحبة)

شیخ ابن عطاؒ کا ارشاد ہے "رضا یہ ہے کہ اللہ نے بندے کے لئے جو کچھ اختیار کیا ہے (مقرر کر دیا ہے) اس پر قلب

پر سکون رہے اس لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے انتخاب کیا ہے اس سے بہتر اور انتخاب کیا ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر راضی ہونا اور ناگواری کا ترک کرنا رضا ہے۔

شیخ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں کر سکتا جس کے دل میں دنیا کی کچھ بھی قدر و قیمت ہے۔ حضرت سری سقطیؒ کا ارشاد ہے' پانچ چیزیں مقربین بارگاہ الٰہی کے اخلاق ہیں:

(۱) خداوند تعالیٰ سے ہر حال میں راضی برضا رہنا۔ خواہ وہ امر نفس کو پسند ہو یا ناپسند۔

(۲) اللہ سے محبت کرنا۔ (۳) اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا۔

(۴) ماسوا اللہ سے دور اور نفور ہونا۔ (۵) اللہ سے مانوس ہونا

حضرت فضیلؒ بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو بندۂ حق راضی برضا ہے اپنی حیثیت سے بڑھ کر کسی شے کا طالب نہیں ہوتا۔ شیخ شمعونؒ کا قول ہے کہ رضا بالحق بھی ہے اور رضا للحق اور رضا عن الحق بھی! رضا بالحق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے اختیار پر راضی ہے! رضا للحق یہ ہے کہ اس کے معبود اور پروردگار ہونے پر راضی ہے۔ رضا عن الحق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معطی (عطا کرنے والا) اور قاسم جانے (والرضا عنہ قاسما و معطیا)

شیخ ابو سعیدؒ سے دریافت کیا گیا "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ بندۂ حق سے راضی بھی ہو اور ناراض بھی۔ انہوں نے فرمایا' ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو اور اپنے نفس سے اور ہر اس شخص سے ناراض ہو جو اس کو اللہ سے منقطع کرنا چاہے (اس طرح رضامندی اور نارضامندی دونوں ایک شخص موجود ہو سکتی ہیں) حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ "مجھے غنی ہونے سے فقیر رہنا زیادہ پسند ہے اور بیماری میرے لئے صحت سے زیادہ اچھی ہے۔" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ! ابوذرؓ پر رحم فرمائے! مگر میری رائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حسن انتخاب پر توکل کرتا ہے تو اس کو اس حال کے سوا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے انتخاب کیا ہے کسی دوسری حالت کی تمنا اور آرزو نہیں ہوتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کوئی تسلیم و رضا کے فرش پر فروکش ہوا وہ پھر کبھی کوئی تکلیف اللہ کی طرف سے نہیں دیکھتا (اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی) اور جو سوالی بن کر بیٹھتا ہے (سوال کرنے کی عادت ڈال لیتا ہے) کسی حالت میں اللہ سے راضی نہیں رہتا۔

شیخ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رضا کے سلسلہ میں تمام باتیں ان دو بنیادوں کی طرف آتی ہیں (اس کی دو بنیادیں ہیں) ایک تو یہ کہ خدا تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے اور دوسری یہ کہ تمہاری روش خدا کے ساتھ کیا ہے! پس تمہارا عمل یہ ہونا چاہئے کہ تم خداوند تعالیٰ کے فعل پر راضی رہو اور اپنے کاموں پر خلوص اختیار کرو!

کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو راضی برضائے الٰہی ہے وہ اس پر کبھی غم نہیں کرتا کہ دنیا سے اس کو کچھ نہیں ملا اور نہ ان چیزوں کے ضائع ہونے پر پشیمان ہوا۔

شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ "بندۂ حق مقام رضا پر کب پہنچتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا اس وقت جب

اس کا نفس ان چار اصولوں پر اپنے معاملات میں کاربند ہو۔

۱- اس کا قول ہو کہ الٰہی جو کچھ تو مجھے عطا فرمائے مجھے قبول ہے۔
۲- اگر تو مجھے عطا نہ فرمائے تو میں اس پر بھی راضی ہوں۔
۳- اگر تو مجھے چھوڑ دے تو جب بھی میرا تیرا بندہ ہوں۔
۴- اگر تو مجھے قبول فرمائے تو میں ہمہ وقت حاضر ہوں۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے (لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ) پڑھا! حضرت جنیدؒ نے شیخ شبلیؒ سے فرمایا "تمہارا یہ قول (لاحول پڑھنا) تمہارے سینے کی تنگی پر دلالت کرتا ہے۔ شیخ شبلیؒ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں' حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ سینے کی یہ تنگی "رضا بالقضا" کے ترک کر دینے کے سبب سے ہے۔

حضرت جنیدؒ نے جو کچھ فرمایا اس میں رضا کی اصل کی طرف تنبیہہ کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ رضا کا مقام جب حاصل ہے جب قلب کو انشراح اور کشادگی حاصل ہو اور قلب کا یہ انشراح اور کشادگی حاصل ہو اور قلب کا یہ انشراح نور یقین سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ○ (پارہ: 23 سورہ زمر)

"اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے (قبول کرنے کے) لئے کھول دیا ہے اس کو پروردگار کی طرف سے نور عطا ہوتا ہے۔"

جب یہ نور باطن میں متمکن ہو جاتا ہے تو سینے کو کشادگی حاصل ہوتی ہے اور بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے حسن تدبر کا کرشمہ دیکھتا ہے اور اس کے دل سے ضجر و سخط (تنگ دلی اور ناگواری) کے جذبات دور ہو جاتے ہیں اور سینے کی کشادگی کے باعث وہ محبت کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوتا ہے اور پھر محب صادق' محبوب کے ہر فعل کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ محبوب کا ہر فعل اس کی مراد اور خواہش کے مطابق ہے پس وہ رضا و اختیار محبوب کی لذت میں اپنے اختیار اور ارادے کو فنا کر دیتا ہے' جیسا کہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

"محبوب کا ہر فعل پسندیدہ ہے۔"

باب:61

احوال---اور ان کی توضیح و تشریح

میرے محترم شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ نے باسناد مشائخ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی میں ہوں تو وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ (۱) اللہ اور اللہ کا رسول اسکو اوروں سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) وہ کسی سے محض اللہ کیلئے محبت کرتا ہو۔ (۳) جب اللہ نے اسکو کفر سے نجات عطا کردی تو پھر وہ کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا سمجھے جتنا اپنا آگ میں ڈالا جانا۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ یہ دعا مانگتے تھے۔

"خدایا! تو اپنی محبت مجھے میری جان اور میری سماعت و بصارت و اہل و عیال اور سرد پانی سے بھی زیادہ عطا فرما: اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خالص محبت کو طلب فرمایا ہے۔"

خالص محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سراپا محبت بن کر محبت کرے۔ کہ بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ روحانی علم کے تمام شرائط پورے کرتے ہوئے طالب حق اپنے روحانی حال میں غرق ہوتا ہے، مگر اس کی فطرت اس کے علم کے خلاف امور کی متقاضی ہوتی ہے یعنی علم ان باتوں کو پسند کرتا ہے لیکن اس کی فطرت و جبلت ان کو پسند نہیں کرتی اب خالص محبت یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ علم کا تابع ہو اور اپنی جبلت کی عصیاں شعاری کو خیال میں نہ لائے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنے ایمانی جذبہ اور حکم ایمانی سے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے اور حکم طبع کے تحت اہل و عیال سے محبت کرے۔

محبت کے محرکات:

محبت کے متعدد وجوہ ہیں اور انسان میں یہ محرکات گوناگوں اور رنگارنگ ہیں، مثلاً روح کی محبت، قلب کی محبت، نفس کی محبت اور عقل کی محبت! پس رسول اللہ ﷺ کے مذکورۂ بالا دعائیہ کلمات میں اہل و مال اور آب سرد کا جو ذکر ہے اس کے معنی یہ ہیں اور آپ کی یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے ذریعہ ہر قسم کی محبت کے ریشے دل سے نکل جائیں تاکہ اللہ کی محبت سب پر غالب آجائے اور دل جان کے ساتھ خدا سے محبت کرکے از سرتاپا بندۂ حق محبت بن جائے۔

خواص کی محبت:

یہ پاک اور صاف محبت صرف خواص کیساتھ مخصوص ہے اسکے نور سے نار طبع سرد ہو جاتی ہے، اسی محبت کا نام محبت ذات ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے جب کہ روح مواطن قرب میں اپنے پورے خلوص کیساتھ جاگزین ہو۔ شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ[1] کی تشریح و تفسیر میں فرماتے ہیں "جس طرح خدا بذات خود ان سے محبت کرتا ہے اسی

(1) وہ (بندگان حق) اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتا ہے۔

طرح وہ بھی بذاتِ خود اس محبت کرتے ہیں اس میں ضمیر (لا) کا مرجع ذات ہے صفات و کمالات کی طرف راجع نہیں ہے۔"

محبت عام اور خاص:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے "محب صادق کے لئے شرط یہ ہے کہ اس پر محبت کے سکرات طاری ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو اس کی محبت حقیقی نہیں ہے، اس طرح محبت کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں ایک محبت عام، دوسری محبت خاص! محبت عام کی تشریح حکم بجا لانے سے ہوتی ہے یعنی حکم بجا لانا محبت عام ہے۔ بسااوقات محبت عام مرکز علم سے نعمتوں اور احسانات کے باعث صادر ہوتی ہے ایسی محبت کا مخرج (سرچشمہ) صفات ہیں۔ بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں سے ایک مقام قرار دیا ہے، ایسی صورت میں یہ عام محبت وہ ہے جس میں انسان کی کوشش اور تدبیر کا دخل موجود ہے۔ یہ تو تھی محبت عام!

محبت خاص ذات کی محبت کا نام ہے جو مشاہدۂ روح سے پیدا ہوتی ہے اور اسی محبت میں سکرات لاحق ہوتے ہیں یہ بندۂ حق پر خداوند کریم کی جانب سے خاص احسان و عنایت ہے اس کا تعلق احوال سے ہے (یہ ایک حال ہے) کیونکہ یہ محض عطیہ ایزدی ہے اس میں بندے کی تدبیر اور کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہی رسول اکرم ﷺ کی مذکورہ دعا کا۔ مطلب ہے کیونکہ یہ کلام روح کے اس وجدان کا نتیجہ ہے جو محبت ذات سے بہرہ اندوز ہے بلکہ یہ خاص محبت روح ہے اور اس روح کا قالب وہ محبت ہے جو صفات الٰہی کے مطلع سے ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کے مطالع سے طلوع ہوتی ہے، جب یہ محبت صحیح طور پر رونما ہو جاتی ہے تو پھر اس دم یہ حضرات ارشاد خداوندی کے بموجب "مومنوں سے عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ (اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ) اس لئے کہ عاشق صادق محبوب اور اس کے پسندیدہ لوگوں کے سامنے عجز کا اظہار کرتا ہے اور اس طرح کہتا ہے:

لعين تفدى الف عين و نتقى	ويكرم الف للحبيب المكرم
ہزاروں آنکھ کی قربانیوں سے یہ ایک آنکھ بچاتی ہے	اور مکرم دوست کی خاطر ہزاروں لوگوں کی تعظیم کی جاتی ہے

یعنی وہ خالص محبت ہے جو اسی طرح تمام روحانی احوال کی بنیاد اور ان کا باعث ہے جس طرح توبہ روحانی مقامات کی اصل بنیاد ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے جو شخص مکمل طور پر توبہ کو درست کر لے تو اس کے لئے زہد، رضا اور توکل کے مقامات کا حاصل کرنا ممکن ہو سکتا ہے، اسی طرح جس بندۂ حق کی خاص محبت نقص سے بری ہے وہ فنا، بقا، صحو، محو وغیرہ کے تمام احوال سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

توبہ بمشابۂ جسم ہے:

اس محبت خاص کے لئے توبہ کی حیثیت دو جسموں کی سی ہے کیونکہ یہ محبت عام پر بھی مشتمل ہے کہ وہ اس محبت کے لئے جسد کی حیثیت رکھتا ہے اور جو کوئی محبوبین کا طریقہ اختیار کرے جو محبت کے راستوں میں سے ایک خاص راستہ ہے تو اس کو روحانی کمال حاصل ہو گا اور اب محبت خاص کی روح، محبت عام کے قالب کے ساتھ جس پر توبۃ النصوح مشتمل ہے، جمع ہو

جائے گی (اسی بنا پر شروع میں کہا گیا تھا (والتوبة لهذا الحب ايضا بمثابة الحسمان) جب بندۂ حق اس طریقے کو مکمل کرے گا تو پھر وہ روحانی مقامات کے مختلف اطوار میں منقلب نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ روحانی مقامات کو مختلف صورتوں میں منتقل ہونا اور ایک مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام پر پہنچنا ان عاشقوں اور مجاہدوں کے اطوار ہیں جنہوں نے اس راہ میں ابتدا کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ○ "جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرنے والے ہیں' ان کو ہم اپنا راستہ دکھاتے ہیں۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (پارہ:25سورہ:شوریٰ) "اس کی طرف جو رجوع کرتا ہے اس کو وہ ہدایت یاب کرتا ہے۔"

اس آیت بالا میں عاشق کے حق کی طرف رجوع کرنے کو ہدایت کا اصل ذریعہ اور سبب بتایا گیا ہے اور محبوب کے حق میں یہ صراحت کی ہے کہ:

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ "اللہ جسے چاہے برگزیدہ کر لے۔"

اس ارشاد میں کوشش و اجتہاد کو برگزیدگی کا سبب اور موجب نہیں بتایا گیا۔

محبوبین کے طریقہ کا کمال:

پس جو کوئی محبوبین کے طریقے کو اختیار کر لیتا ہے وہ مقامات کے تمام اطوار و تغیرات کی بساط کو طے کر لیتا ہے (مقامات کے تمام مختلف اطوار کے مراحل کو وہ طے کر لیتا ہے) اور روحانی مقامات کے تمام و کمال اوصاف بھی اس کے پابند ہوتے ہیں اور بندۂ حق مقامات کے تمام اوصاف کو نکال کر اپنا لیتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں محبت خاص کے انوار کی تابانیاں ہوتی ہیں پس وہ اپنے اندر سے نفس کے ملبوس (لباس) کو تمام اوصاف نفسانی کے ساتھ اتار ڈالتا ہے اور اسدم یہ مقامات کلی طور پر صفات نفسانیہ سے صاف و پاک ہو جاتے ہیں یعنی زہد سے رغبت کا تصفیہ کہا جاتا ہے اور توکل اس قلت اتحاد کو دور کرتا ہے جو جہل نفس سے پیدا ہوا تھا اور رضا کشمکش اور منازعت کی رگوں کو بھڑکنے سے باز رکھتی ہے یہ منازعت اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ نفس میں جمود باقی رہے تاکہ محبت خاص کا آفتاب تاباں ہو کر اس جمود اور اس کی ظلمت کو دور کر دے' اس طرح اس وقت تک نفس جمود اور ظلمت میں رہتا ہے۔

محبت خاص کے نتائج:

جب محبت خاص متحقق ہو جاتی ہے تو نفس میں لینت (نرمی) پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا جمود ختم ہو جاتا ہے پس اس مرحلہ پر زہد اس کی نفسانی رغبت کو کس طرح دور کر سکتا ہے جب کہ محبت کی رغبت نے اس کی تمام نفسانی رغبتوں کو جلا ڈالا

ہو' (فمااذ اینفرع الزهدمنه من الرغبة و رغبة الحب احرقت رغبته) اسی طرح جب کہ خداوند کار ساز (وکیل) کے مشاہدہ سے اس کے اندر بصیرت پیدا ہو چکی ہے تو اس مرحلے پر توکل کیا اصلاح کرے گا۔ رضا عروق کی کشمکش کو کیا دور کر سکے گی جب کہ اس کا سراپا ہی اس منازعت کے باعث درست نہ ہو۔

شیخ روز باری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک تم اپنی ہستی (کی قید) سے باہر نہیں نکلو گے اس وقت تک تم محبت کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتے! شیخ ابو یزید کا قول ہے کہ جس کو کسی کی محبت قتل کر دے اس کو اس قتل کا خوں بہا یہ ملتا ہے کہ وہ محبوب کا دیدار کرے اور جس کو کسی کا عشق قتل کر دے تو اس کا فدیہ یہ ہے کہ محبوب اس کو اپنا ہم نشین بنا لیتا ہے (بروایات شیوخ) بہر حال مقامات کے اطوار کی سیر عام عاشقوں کا طریقہ ہے اور اطوار کی بساط کو لپیٹ دینا خاص عاشقوں کا شیوہ ہے' یہی وہ محبوب ہیں جن کے بلند عزائم مقامات کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ مقامات طبقات سماوی کے مدارج ہی میں کیوں نہ ہوں' یہ روحانی مقامات ان لوگوں کے مواطن ہیں جو اپنی ہستی کے باقیات کے دامنوں سے الجھ الجھ کر گر پڑتے ہیں (یعنی لوث ہستی جن میں موجود ہے)

ایک محترم شیخ نے شیخ ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کو تصوف نے کہاں تک پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "توکل تک" یہ سن کر انہوں نے فرمایا "ابھی تم تو اپنے باطن کو آباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو' ابھی تم اس منزل سے دور ہو جہاں منزل توکل میں فنا ہو کر وکیل کا مشاہدہ کر سکو! (دیدار الٰہی کر سکو)۔

نفس اور زاہد کی کشمکش:

جب نفس اپنی صفت کو برجا رکھتے ہوئے زہد کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو زاہد اس کو اپنے زور سے پھر اسی دائرے میں واپس کر دیتا ہے' یہی کچھ حال متوکل کا ہے کہ جب اس کا نفس جنبش کر کے نکلنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے دائرے میں لوٹا دیا جاتا ہے' نفس کی یہ حرکات وجود کے وہ آثار ہیں جو باقی رہ گئے ہیں جن کی اصلاح علم کی سیاست کے ذریعہ ہو سکتی ہے!

ایسی حالت میں وجود روح قرب کی نسیم سے دور ہی سے محظوظ ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق حق بندگی ادا کرتا ہے اور اسی کے بقدر اس کی جدوجہد ہوتی ہے' لیکن جو شخص محبت کے اطوار میں تبدیل ہوتے رہنے کا خاص طریقہ اختیار کرتا ہے وہ ان آثار باقیہ وجود سے فضل ربی کے تجلیات میں چھپ کر' چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے بلکہ جو کوئی اہل قرب کے نور کے لباس کو پہن لیتا ہے اس کی روح اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو ہمیشہ کے لئے حوادث و انقلاب سے محفوظ و مصئون کر دیتی ہے! یہاں نہ اس کو کسی چیز کی طلب پریشان کرتی ہے اور نہ کسی چیز کے زیاں سے اس کو پریشانی ہوتی ہے یہاں تک کہ مقامات زہد و توکل و رضا تو اس کے اندر موجود ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ (فالزهد والتوكل و الرضا كائن فيه وهو غير كائن فيها) اس کا مقصد یہ ہے کہ خواہ وہ کسی حال میں زندگی بسر کرے وہ زاہد ہے (زہد کا مقام تبدیل نہیں ہو گا) اور اگر کبھی دنیا کی طرف اس کی رغبت ہو گی بھی تو اللہ کے لئے ہو گی اس کے اپنے نفس کے لئے نہیں ہو گی یا اگر

...ا باب کی طرف توجہ کرے جب بھی وہ متوکل رہے گا۔ اگر اس کے اندر کراہیت کا جذبہ بھی عود کر آئے جب بھی وہ راضی برضا رہے گا (وان وجد منه الكراهة فهو راض) اس لئے کہ اس کے نفس کے لئے ہی اور اس کا نفس حق کے لئے ہے اس ئے اس کی یہ کراہیت بھی حق کے لئے ہے۔ بہرحال اس کو اس حال پر پہنچنے کے بعد اس کا نفس لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے عام و داعی (خواہشات) اور پاکیزہ صفات جو عطیہ خداوندی ہوتے ہیں اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (نفس ان تمام لوازم و صفات کے ساتھ اس کو لوٹا دیا جاتا ہے) اس مقام پر اس کا ورد اس کی دوا اور اس کی بیماری اس کی شفا بن جاتی ہے' اب صرف طلب خداوندی ہی اس کے لئے زہد و توکل و رضا کے روحانی مقامات کی قائم مقام ہو جاتی ہے (زہد و توکل و رضا کے بجائے اس میں مولیٰ کی طلب پیدا ہو جاتی ہے)۔

ارباب طریقت کے اس خصوص میں ارشادات:

رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ اللہ کے عاشق کی آہ و فغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہو جائے۔ شیخ ابو عبداللہ القرشیؒ فرماتے ہیں محبت کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے محبوب پر اپنی ہر چیز قربان کر دو اور تمہارے پاس کوئی چیز باقی نہ رہے! شیخ ابوالحسین الوراق فرماتے ہیں اللہ کی شدید محبت سے ایک سرور خاص حاصل ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ محبت دل میں اس آگ کے مانند ہے جو ہر گندگی (کوڑے کرکٹ) کو جلا دیتی ہے' شیخ یحییٰ بن معاذؒ کا ارشاد ہے عاشقوں کا صبر زاہدوں کے صبر سے زیادہ سخت ہے اور یہ بھی تعجب کی بات کہ انسان اپنے محبوب سے کیونکر صبر کر سکتا ہے!

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور گناہوں اور حرام چیزوں سے پرہیز نہ کرے وہ سب سے بڑا جھوٹا ہے! اسی طرح وہ بھی جھوٹا ہے جو اپنی ملک کو خرچ کئے بغیر جنت کی محبت کا دعویٰ کرے اور وہ بھی جھوٹا ہے جو فقیروں سے محبت نہ کرتا ہو اور رسول اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو۔ حضرت رابعہ بصریہؒ یہ اشعار پڑھتی رہتی تھیں:

تَعصی الالٰهَ وَاَنت تظهر حبه ہٰذَا العمری فی الفعال بدیع
الفت حق کا ہے دعویٰ' اس پہ نافرمانیاں اللہ اللہ! کس قدر دیکھو تو ہے حیرت کی بات
لَو کان حُبکَ صَادقًا لَاَطعتَهٗ اِنَّ المحب لمن یحب مُطیع
دعویٔ الفت اگر سچ تھا تو ہونا تھا مطیع عاشق صادق تو کرتا ہے سدا اطاعت کی بات

یہ محبت روحانی احوال کے لئے وہی مرتبہ اور حیثیت رکھتی ہے جو توبہ مقامات کے لئے رکھتی ہے' پس اگر کوئی۔ روحانی حال کا مدعی ہو تو اس کی محبت کو پرکھا جائے اور جو محبت کا داعی ہو اس کی توبہ کو پرکھنا چاہئے اس لئے کہ توبہ محبت کی روح کا قالب ہے اور اسی کی بنا پر تمام احوال جو امراض ہیں جو ہر روح کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ سے محبت کرنے والوں نے دنیا اور آخرت کا تمام شرف سمیٹ لیا ہے اور جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا المرء مع من احببه انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔" پس یہ محبان خدا' خدا کے

ساتھ ہیں۔

شیخ ابو یعقوب السوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! صحیح محبت اسی وقت پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے جب تم محبت کے مشاہدے سے نکل کر محبوب کے مشاہدہ کے دائرے میں پہنچ جاؤ اور یہ اس وقت تک ممکن ہے کہ محبت کا علم فنا ہو جائے جب کہ اس کا محبوب غائب ہو اور اس کا تعلق محبت سے نہ رہے۔ جب اس طرح محب اس محبت کی قید سے نکل جاتا ہے (قید محبت باقی نہیں رہتی) تو اس وقت وہ ایسا عاشق ہوتا ہے جو بغیر محبت کے ہے (کان محبًا من غیر محبّة)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ محبت:

حضرت جنید بغدادیؒ سے محبت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "کہ عاشق کا اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات کا قبول کر لینا محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم و مطلب ہے (فَإذا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَه سَمعًا وبصراً) (جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت اور بینائی بن جاتا ہوں)

جب محبت صفا اور کمال کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ اپنے محبوب کی طرف مائل ہو جاتی ہے لیکن جب وہ جدوجہد کے غایت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ ٹھہر جاتی ہے اور اس محبت کی دستگیری کرتی ہے جو سچی محبت اور انتہائی جدوجہد کے باوصف اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہا ہے' اس منزل پر پہنچ کر محبت ازراہ ہمدردی محبوب کی صفات کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے' اس وقت صفات محبوب کو اکتساب کر کے اس کے فوائد حاصل کر لیتا ہے اور یہ کہنے لگتا ہے۔

انا من اَهوی ومن اهوی اَنا	نحن روحان حَللَنَا بَدَنا
مٹا کے فرق روئی' ایک ہو گئے ہیں بدن	جو روحیں دو تھیں' ہے ان کے لئے یہی اک تن
فَاِذَا اَلْبصَرتَنِیْ اَلْبَصَرتهٗ	وَ اِذَا اَلْبَصَرتُهٗ اَلْبصَرتَنَا
مرا یہ دیکھنا' ہے اس کا دیکھنا گویا	اور اس کا دیکھنا میرا نظارہ ہے "بے من"

(شمس)

اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ حقیقت میں رسول اکرمؐ کے اس ارشاد کی تشریح و تفسیر ہے کہ (تخلقوا باَخلاق اللّٰہ) (تم اللہ کے اخلاق کے سانچے میں ڈھل جاؤ)۔ بہر نوع جب نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس میں کمال تزکیہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں محبت الٰہی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے لیکن قانون قدرت کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے محبین کا تزکیہ نفس توفیق اور غیبی امداد سے کرتا ہے چنانچہ جب انکا نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور کامل طہارت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ روح کو محبت کی کشش سے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور اسکو اپنی صفات و اخلاق کا خلعت پہنا دیتا ہے' اسطرح وہ مرتبۂ وصول میں پہنچ جاتا ہے' کبھی عاشق کا شوق اس مرتبہ وصول سے بھی آگے کی چیزیں طلب کرتا ہے (کہ عطایائے الٰہی غیر متناہی ہیں) اور کبھی وہ اسی موجودہ عطیہ خداوندی ہی پر قانع رہتا ہے' اسوقت اسکی آتش شوق سرد پڑ جاتی ہے لیکن اسی ذوق و شوق سے حاصل کردہ صفات کے باعث وہ اس

مرتبہ پر اچھی طرح جاگزیں رہتا ہے ورنہ اگر یہ ذوق و شوق محرک نہ ہوتا تو محب کو اس درجہ سے رجعت قہقری (الٹے پاؤں ہونا) کرنا پڑتی' اور اسکے نفس کے صفات دوبارہ ظاہر ہو جاتے اور محب اور قلب محب کے درمیان حائل ہو جاتے۔

ہم نے مرتبۂ وصول کا جو مفہوم پیش کیا ہے اگر کوئی شخص اس کے خلاف کوئی اور مفہوم مراد لیتا ہے اور کوئی اور نظریہ اس کے پیش (نظر ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ نصرانیوں کے نظریہ ناسوت و لاہوت سے متاثر ہے (اور اس کو صحیح سمجھتا ہے)

قیام محبت نور یقین کے غلبہ سے حاصل ہوتا ہے:

استغراق و فنا کے مسئلہ میں تمام شیوخ یہی کہتے ہیں (بہ تغیر الفاظ) کہ مقام محبت' نور یقین کے غلبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ نفس کی باقی ماندہ کجرویوں کے زوال سے پاک و صاف ہو جائے تو اس وقت قلب پر ذکر کے اثر سے مقام حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے اور جو صفات نفس باقی تھیں ان کی آلائشوں سے انسان پاک و صاف ہو جاتا ہے جب محبت صحت کی درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اس پر احوال مرتب ہونے لگتے ہیں۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک ایسا جام شراب ہے کہ اگر حواس اس سے متاثر ہو جائیں تو ان میں سوزش برپا ہو جاتی ہے اور اگر وہ نفوس میں جاگزیں ہو جائے تو وہ نیست ہو جائیں۔

محبت کا ظاہر و باطن:

کہا جاتا ہے کہ محبت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی! اس کا ظاہر تو رضائے محبوب ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ محبوب پر اس طرح فریفتہ ہو کہ سوائے محبوب کسی چیز کا ہوش نہ رہے' نہ دوسروں سے اس کا تعلق باقی رہے اور نہ اپنی ذات سے اس کا کچھ تعلق رہے!

شوق محبت کا اعلیٰ ترین جذبہ ہے اور عاشق صادق میں ہمیشہ یہ ذوق و شوق موجود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ قدرت لانہایت ہے پس جب عاشق صادق کسی روحانی حالت پر فائز ہوتا ہے تو وہ موجودہ حالت کو ناقص سمجھتے ہوئے دوسری ماورائی (آگے پیش آنے والی) حالت کو زیادہ مکمل حالت سمجھتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حزنی کحسنك لا لذا امد ینھی الیه ولالذا امد

حزن میرا' حسن تیرا دونوں ہیں لاانتہاء ایک ہی منزل پہ گویا حق نے انکو کردیا

محبت کا یہ شوق جو دل میں پیدا ہوتا ہے وہ کسبی نہیں ہے (کوشش و تدبیر سے اس کا تعلق نہیں ہے) بلکہ ایک خدائی دین ہے جو اللہ کے خاص محبین کے لئے مخصوص ہے! شیخ احمد بن ابوالحواریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ دارائیؒ کے پاس پہنچا تو انہیں روتے ہوئے پایا' میں نے ان سے کہا کہ آپ کیوں روے رہے ہیں' اللہ آپ پر رحم فرمائے! انہوں نے کہا کہ اے احمد! جب یہ رات چھا جاتی ہے تو محبت کرنے والوں کے قدم بچھ جاتے ہیں اور ان کے رخساروں پر ان کے آنسو بہنے لگتے ہیں! اس پر خداوند

تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے:

"وہ لوگ میری نظروں کے سامنے ہیں۔ جو میرے کلام سے لذت یاب ہوئے ہیں اور میری مناجات سے استراحت پاتے ہیں، میں ان کے خلوت کدوں سے واقف ہوں اور میں ان کی گریہ و زاری کو سنتا ہوں۔ اے جبرئیل (علیہ السلام) ان سے پکار کر کہہ دو کہ میں تم کو روتے ہوئے کیوں دیکھتا ہوں، یہ کس مخبر نے تم کو بتایا ہے کہ محبوب اپنے دوستوں کو آگ میں جلاتا ہے، پھر میں کس طرح ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کروں گا کہ جب رات بھیگ جاتی ہے تو وہ لوگ میری خوشامد[1] کرتے ہیں میں قسم سے کہتا ہوں کہ جب قیامت کے دن یہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے چہرے سے پردہ ہٹاؤں گا اور جنت کے باغات ان کے لئے وقف کر دوں گا۔"

یہ ان محبین صادق کا حال ہے جو شوق کے مقام پر پہنچ چکے ہیں اور محبت میں ذوق و شوق کا وہی مقام ہے جو توبہ میں زہد کا جب توبہ درست ہو جاتی ہے تو زہد کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح جب محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو شوق ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ هُمْ اُولَاءِ عَلٰی اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی (پارہ: 16 سورہ طٰہٰ)

حضرت موسیٰ نے کہا کہ وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے ہیں! اے رب میں جلدی سے تیری طرف آیا ہوں تاکہ تو راضی ہو جائے!

شیخ واسطیؒ اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں کہ اس آیت سے محبت کا ذوق اور دوسری چیزوں سے گریز اور استہانت کا جذبہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ مکالمۂ الٰہی کا شوق اس قدر ان میں موجزن تھا کہ انہوں نے الواح توریت پھینک دیں۔[2] کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمکلامی نکل جائے۔ شیخ ابو عثمان فرماتے ہیں کہ "الشوق ثمرہ المحبۃ" کہ شوق محبت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، پس جو کوئی اللہ سے محبت کرتا ہے اس کے دل میں شوق ملاقات بھی پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ" یعنی (مدت الٰہی ضرور آنے والی ہے) اس قول کی تشریح کرتے ہوئے شیخ ابو عثمان نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ارشاد الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ "مجھے معلوم ہے کہ میرا شوق دید تم پر غالب ہے اس لئے میں تمہاری ملاقات کے لئے ایک وقت مقرر و مخصوص کر دیا ہے اور عنقریب تم اس کے پاس پہنچ جاؤ گے جس کی ملاقات کا تم کو اشتیاق ہے۔

میرا نظریۂ شوق:

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں شوق ایک اعلیٰ درجہ اور اعلیٰ مقام ہے! جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا تو پھر شوق ملاقات میں موت کی تاخیر کو پسند نہیں کرتا اور میرا خیال یہ ہے کہ وہ شوق جو دنیا میں حصول مراتب روحانی کے لئے محبت

---

(1) اِذا جنّ عَلیهم للّیل تَملّقُوا (2) وَرَی بالالواح لمافاته من وقته، ص 510 عوارف المعارف، مطبوعہ بیروت!

کرنے والوں کے اندر پیدا ہوتا ہے' اس شوق سے مختلف ہے جس میں مرنے کے بعد دیدار الٰہی کی امید ہے! اور اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اہل محبت کو ان نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے جن کا تعلق روح سے ہے اور جن کو وہ بڑے شوق سے طلب کرتے ہیں اور یہ بات ان کے علم میں ہوتی ہے بلکہ ان کا شوق اس مرحلے پر علم میں تبدیل ہو جاتا ہے اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ مقام شوق میں موت کی تاخیر کو برا سمجھا جائے بلکہ اکثر ہوش مند عشاق محض اللہ کے لئے دنیاوی زندگی سے لطف اٹھاتے ہیں (یتلذ ذون بالحیاۃ للّٰہ تعالی)

رب جلیل (عزوجل) نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O (پارہ: 8 سورہ انعام)

"اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز' قربانی' میری زندگی اور میری موت (ہر چیز) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

پس جو اللہ تعالیٰ کیلئے زندہ ہے اسکو اللہ تعالیٰ مناجات اور محبت کی لذت عطا فرماتا ہے اور اس کی چشم حقیقت بین اس نورانی دولت اور نقدی سے مملو اور مسحور ہو جاتی ہے' اس مرحلے کے بعد اس کو ایسی روحانی نعمتیں دنیا ہی میں عطا کر دی جاتی ہیں جو مقام شوق پر متمکن ہونے کے بعد عطا کی جاتی ہیں اور انکا اس شوق کی زندگی سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو موت کے بعد کی زندگی میں پیدا ہو گا۔ اس بزرگ نے مقام شوق کا بالکل انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ شوق تو غائب کا ہوتا ہے ایک دوست دوسرے دوست سے غائب ہی کب ہوتا ہے جو شوق پیدا ہو۔ شیخ انطاکیؒ سے شوق کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا شوق تو غائب کا ہوتا ہے اور میں نے جب سے اسے پایا ہے اس سے غائب ہی نہیں ہوا! پھر شوق کیسا؟

میری رائے میں شوق سے علی الاطلاق انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ روحانی نعمتوں اور عطیوں کے مراتب جو قرب الٰہی کی نشانیاں ہیں' جب غیر محدود ہوں تو ایسی صورت میں محبت کے شوق کا انکار کیونکر ممکن ہے' جہاں تک وجود کی نسبت کا تعلق ہے وہ (محبوب حقیقی) نہ تو وہ غائب ہے اور نہ مشتاق لیکن بایں ہمہ طالب حق ان مراتب کا مشتاق ضرور ہے جو قرب کی نشانیوں میں موجود نہیں ہیں (ان کا مشتاق، اور خواہاں ہے) جب یہ بات ہے تو پھر کس طرح شوق کا انکار ہو سکتا ہے (جب کہ ذوق و شوق کی موجودگی ثابت ہے۔

جذبۂ شوق کا انکار ممکن نہیں ہے:

اس جذبۂ شوق کے پیدا ہونے ایک دوسری وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان میں بشریت اور طبیعت و جہالت و نادانی اور اس کے علاوہ بھی ایسی باتیں موجود ہیں جو علم کے معیار پر کامل نہیں ہیں' ان امور کا وجود اس کی آتش شوق کا بھڑکاتا ہے کیونکہ شوق ایک ایسا باطنی مطالبہ ہے جو ادنیٰ اور اعلیٰ منازل قرب کی طرف رسائی پر آمادہ کرتا ہے اور یہ طلب اور تڑپ

محبین صادق میں پائی جاتی ہے اس لئے جذبۂ شوق جب پیدا ہو گیا تو پھر انکار کی گنجائش کہاں ہے!

اکابر صوفیہ اور نظریۂ شوق:

ارباب تصوف میں سے کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور دیدار کا شوق' دوری اور جدائی کے شوق سے زیادہ شدید ہوتا ہے اس لئے کہ غیوبت کے حال میں تو صرف دیدار کا شوق ہوتا ہے' مگر جب دیدار اور مشاہدہ کی حالت ہوتی ہے تو محب' محبوب کے فضل و کرم کا مشتاق ہوتا ہے' یہ رائے میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

شیخ فارسؒ فرماتے ہیں مشتاق لوگوں کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں پس جب ان میں جذبہ شوق کی تحریک پیدا ہوتی ہے تو ان سے جو نور پھوٹتا ہے اس سے مشرق و مغرب کے بین جو کچھ بھی ہے جگمگا جاتا ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ ان ارباب شوق کو فرشتوں کے روبرو کر کے فرماتا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں' اے فرشتو! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

شیخ ابو یزیدؒ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم کر دے تو اہل جنت بہشت میں جانے کے خلاف اسی طرح فریاد کریں جس طرح دوزخی دوزخ میں جانے سے فریاد کریں گے۔ (یعنی دیدار و مشاہدہ کے بغیر جنت ان کے لئے کوئی کشش' نہیں رکھتی ہے)۔ شیخ ابن عطاؒ سے شوق کے بارے میں سوال کیا گیا کہ شوق کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ شوق دل کی آگ اور جگر کی سوزش' جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا نام ہے جو قرب کے بعد جدائی سے پیدا ہوتا ہے۔

شیخ ابن عطاؒ سے کسی نے سوال کیا کہ شوق اعلیٰ ہے یا محبت؟ انہوں نے جواب دیا! محبت! کہ شوق تو اسی سے پیدا ہوتا ہے اور کوئی مشتاق ایسا نہیں جس پر محبت کا غلبہ نہ ہو پس ثابت ہوا کہ محبت اصل ہے اور شوق اس کی فرع ہے!

شیخ نصر آبادیؒ کا قول ہے تمام مخلوق کے لئے مقام شوق ہے' مگر ہر شخص مقام اشتیاق پر فائز نہیں ہو سکتا اور جو کوئی حال اشتیاق میں داخل ہو گیا تو پھر وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا!

حال انس

انس بھی ایک حال روحانی ہے' شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ سے جب انس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ہیبت کے وجود کے ساتھ حشمت کا اٹھا دینا انس ہے' حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے انس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ عاشق اور معشوق ایک دوسرے سے کھل جائیں (تکلف درمیان میں نہ رہے) جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا:

اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی "بار الٰہا مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے"

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ:

اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ○ "الٰہی میں تیرا دیدار کرنا چاہتا ہوں' اپنا جلوہ دکھا!

حضرت شیخ رویمؒ کے یہ اشعار اسی موضوع پر ہیں:

اے دوست تو نے میرے دل کو اپنی یاد میں مشغول کر دیا ہے — اب عمر بھر تیرے خیال سے میری زندگی الگ نہیں رہ سکتی
مجھے تو نے اپنی محبت سے اس قدر مانوس کر دیا ہے — کہ اب مجھے تمام انسانوں سے وحشت ہونے لگی ہے
تیرا ذکر میرا مونس و غم خوار ہے اب وہی ہر وقت — تیری جانب سے مجھے مژدۂ کامیابی سناتا رہتا ہے
میں جہاں کہیں بھی ہوں' اے میرے ارادوں کے مالک — میری نگاہیں ہمیشہ تیری ہی طرف لگی رہیں گی!

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک نصیحت!

روایت ہے کہ شیخ مطرف بن الشخیرؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ تم ہمیشہ اللہ سے انس رکھو! اور بس اس سے تعلق رکھو (اس کے ہو جاؤ) کہ اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو اللہ سے محبت کرتے اور اپنی خلوتوں میں انسانوں کی محفلوں سے زیادہ اللہ سے مانوس ہوتے ہیں اور لوگوں کو جن چیزوں سے زیادہ وحشت ہوتی ہے انہیں چیزوں سے وہ زیادہ مانوس ہوتے ہیں' اور جن چیزوں سے یہ عوام سب سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں ان چیزوں سے ان کو سب سے زیادہ وحشت ہوتی ہے۔

شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' وہ شخص مقام و محل انس تک نہیں پہنچ سکتا جو کائنات سے بیزار نہ ہو۔ (سبحان اللہ سبحان اللہ) شیخ ابوالحسین الوراق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جو اللہ تعالیٰ سے انس رکھتا ہے وہی اس کی تعظیم بھی کرتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام مانوس چیزوں کی تعظیم اور ہیبت اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے کہ اس کی ذات ایسی ہے کہ جس قدر تم اس سے انس کرتے جاؤ گے اس کی عظمت و ہیبت بڑھتی جائے گی۔

جناب رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ ہر دل لگانے والا فرمان پذیر ہوتا ہے اور پھر یہ اشعار پڑھے۔

ولقد جعلتك فی الفواد محدثی — وابحت جسمی من اراد جلوسی
دل میں تجھ سے کلام کرتی ہوں — جسم ہو لاکھ ہم نشیں کے قریب
فالجسم منی للجلیس موانس — وحبیب اقلبی فی الفواد انیسی
جسم گو قرب ہم نشیں میں سہی — تو ہے دل کا انیس' غیر نہیں

حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مخلوق کی ہمکلامی کو چھوڑ کر اللہ کی ہمکلامی سے مانوس نہیں ہوتا اس کا علم کم ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی بصارت ضائع ہو جاتی ہے اور عمر برباد ہوتی ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ آپ کے ساتھ گھر میں کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اور مجھے

اپنے رَبّ کے انس سے کبھی وحشت نہیں ہوتی۔ شیخ خرازؒ فرماتے ہیں کہ انس یہ ہے کہ مجالس قرب میں پہنچ کر ارواح محبوب سے ہمکلام ہوں۔

محبت کی تازگی:

ایک عارف کامل نے واصلین اہل محبت کی تعریف اس طرح کی ہے "اور محبت ہر لمحہ ان سے پیوستہ ہو کر تازہ ہو گئی ہے بلکہ حقائق سکون کے ساتھ ان محبت کرنے والوں کو اس نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے' یہاں تک ہوا کہ ان کے دل فریاد کرنے لگے اور ارواح شوق میں مشغول ہو گئیں۔

ان لوگوں کی یہ محبت اور یہ شوق حق کی طرف سے حقیقت توحید کی جانب ایک اشارہ ہے جس کو "الوجود باللہ" کہتے ہیں اس وقت ان کی امیدیں اور ان کی آرزوئیں منقطع ہو جاتی ہیں اور ان پر خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اگر تمام پیغمبروں (علیہم السلام) کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا کہ اچھا جو مانگنا چاہو وہ مانگ لو تب بھی یہ حضرات وہ چیزیں نہ مانگتے جو ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے اپنے علم کامل کے ذریعہ مخصوص کر دی ہیں چونکہ ان حضرات کو معرفت الٰہی حاصل ہے اس لئے ان کی پوری پوری توجہ اس کی ذات پر مرکوز و مبذول رہتی ہے' عوام ان پر اسی لئے حسد کرتے ہیں کہ ان کے دلوں سے تمام ہجوم اور خواہشیں نکال دی گئی ہیں (فصار یحسدهم من عبیده العموم ان رفع عن قلوبهم جمیع الهموم) مندرجہ ذیل اشعار اسی مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ ترجمہ اشعار:

متفرق خواہشیں میرے دل میں جمع تھیں ❊ جب میرے نفس نے تجھے دیکھا تو تمام خواہشیں یکجا ہوگئیں

اب وہ لوگ بھی مجھ پر حسد کرنے لگے جن پر ❊ میں حسد کرتا تھا' جب سے تو میرا مولیٰ بنا میں مخلوق کا آقا بن گیا

میں نے عام لوگوں کیلئے ان کے دین اور ان کی ❊ دنیا کو چھوڑ دیا اب میرا شغل تیرا ذکر ہے' اے میرے دین اے میری دنیا

انس کن امور پر مشتمل ہے:

اللہ کی اطاعت' اس کے ذکر' اس کے کلام کی تلاوت اور تمام عبادات انس میں شامل و داخل ہیں انس اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ اور اس کی نعمت ہے' مگر یہ انس وہ حال نہیں ہے جو مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے' انس بھی ایک روحانی حال ہے۔ اس وقت ظہور میں آتا ہے جب باطن بالکل پاک اور صاف ہو اور صدق زہد' کمال تقویٰ' دنیاوی اسباب و علائق سے قطع تعلق' وسوسوں اور خواہشات سے خود کو پاک وصاف کرنے سے اس میں صفا پیدا ہوتی ہے۔

میرے نزدیک انس کی حقیقت یہ ہے کہ عظمت الٰہی کی درخشانی اور تابانی سے وجود کو صاف کیا جائے اور روح فتوحات کے میدانوں میں پھیل جائے۔ انس کو استقلال بذات خود حاصل ہے اور اس میں قلب بھی شامل ہے اور یہ استقلال کے

ساتھ ہیبت میں داخل ہوتا ہے اور روح جب ہیبت میں جمع ہو جاتی ہے تو نفس کے مقام میں تہ نشین ہو جاتی ہے اسی کا نام انس ذلت ہے چونکہ ہیبت ذات مقام بقا میں ہوتی ہے اس لئے کہ وہ گزرگاہ فنا سے عبور کر چکی ہے اسی لئے یہ دونوں قسمیں یعنی انس و ہیبت اس انس ذات سے مختلف ہیں جو فنا کے وجود کو ختم کر دیتے ہیں (اور بقا حاصل ہوتی ہے) اس لئے کہ ہیبت اور انس فنا سے پہلے جلال و جمال کی صفات کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے جس کو مقام تلوین کہا جاتا ہے یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ فنا کے بعد مقام تمکین و مقام بقا میں پہنچ کر مشاہدۂ ذات سے حاصل ہوا کرتی ہیں۔ [1]

انس سے نفس مطمئنہ کو خضوع اور ہیبت سے خشوع حاصل ہوتا ہے اور خضوع و خشوع تقریباً ایک ہی جیسے ہیں ہاں دونوں میں ایک لطیف فرق موجود ہے جس کو روح کے اشارے کی بنا پر سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(۱) مقام تلوین، تمکین اور دوسری مصطلحات صوفیہ کی تشریح اس کتاب کے آخری میں خود شیخ الشیوخ حضرت سہروردی نے بیان فرمائی ہیں قارئین ترجمہ آخری باب میں ان وضاحتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

حال قرب

قرب بھی ایک روحانی حال ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞ "سجدہ کیجئے اور قریب ہو جائیے۔"

حدیث شریف میں وارد ہے اَقرَب مَایکون العَبد من رَبہٖ فی سجُودہٖ (بندہ سجدے میں اپنے رب کے قریب ترین مقام پر ہوتا ہے)

پس جب سجدہ کرنے والے کو سجدے کا مزا چکھا دیا جائے تو وہ خداوند تعالیٰ کے قریب پہنچتا ہے اور اپنے سجدوں سے ماکان ومایکون کی بساط کو جلد طے کرلیتا ہے اور پھر چادر عظمت کے ایک کونے پر سجدہ کرنے کا شرف حاصل کرلیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے۔

ہم نشین، ہم نشین کو نہیں پکارتا:

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ جب میں حضوری محسوس کرتا ہوں تو یا رب، یا اللہ کہتا ہوں لیکن ان کا بوجھ مجھے پہاڑوں سے بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے، ان سے پوچھا گیا کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ندا تو پردے کے اس طرف سے کی جاتی ہے (اور اسے حجاب) سے پکارتا ہوں اور کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی ہمنشین اپنے ہم نشین کو پکارتا ہے، یہ ساری راز و نیاز کی باتیں ہیں اور ارشادات و کنایات ہیں (جن کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا)۔

سکر و محویت پر مشتمل مقام:

مذکورۂ بالا تصریحات میں ایک بہت ہی بلند مقام کا ذکر کیا گیا ہے جس کا قرب سے خاص تعلق ہے (جس میں حال قرب پنہاں ہے) جو محویت اور سکر کی کیفیات پر مشتمل ہے، یہ مقام مذکورہ اس بندۂ حق کو حاصل ہوتا ہے جس پر محویت اور سکر کے اثرات اس قدر غالب ہوتے ہیں کہ اس کے اثرات سے وہ خود اپنی روح کے نور میں غائب ہو جاتا ہے (یکون ذلك لمن غابت نفسه فی نور روحه لغلبة سکرہ و قوة محوہ) جب اس کو ہوش آتا ہے اور محویت میں کمی آتی ہے تو اس کی روح نفس سے اور نفس روح سے آزادی حاصل کرلیتا ہے بلکہ بندے کی ہر حالت و کیفیت اپنے محل اور مقام کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یعود کل من العبد الی محله و مقامه تو اس وقت وہ اپنے نفس مطمئنہ کی زبان سے (جو اپنے مقام حاجت اور محل بندگی کی طرف لوٹ آئی ہے) یا اللہ اور یا رب کہنے لگتا ہے اور روح اپنی فتوحات اور کمال احوال میں مصروف ہو جاتی ہے، یہ

صورت پہلی صورت سے زیادہ مکمل اور اقرب ہے' اس لئے کہ اس صورت حال میں قرب کا پورا حق اس طرح ادا کیا گیا ہے کہ روح اپنی فتوحات کے لئے آزاد ہے اور چونکہ نفس بھی مقام عبودیت پر لوٹ آیا ہے اس لئے وہ مراسم بندگی بھی خوب ادا کر رہا ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ نفس جس قدر رسم عبودیت بجالاتا ہے اسی قدر روح کو زیادہ حصہ ملتا ہے' قرب لایزال کے حظ سے بطور وافر بہرہ مند ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر بندگی کی جاتی ہے اسی قدر روحانی حال اور اقرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ بغدادی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں سے اتنا ہی قریب ہوتا ہے جتنا وہ بندوں کے دلوں کو اپنے سے قریب پاتا ہے اور تم یہ دیکھو کہ وہ تمہارے دل سے کتنا قریب ہے۔

شیخ ابو یعقوب السوسیؒ کہتے ہیں کہ جب تک بندہ حق قرب کے خیال میں رہتا ہے اس وقت تک اس کو قرب حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر وہ مقام قرب میں پہنچ کر قرب کے مشاہدے کا خیال ترک کر دے تب وہ رویت قرب سے قرب میں پہنچ جائے گا اسی کا نام قرب ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

1- میں زبان سے تیری مناجات میں اس لئے محو ہوں کہ میں نے تجھے اپنے باطن میں پالیا ہے
اس طرح ایک اعتبار سے ہم یکجا ہیں اور ایک اعتبار سے الگ الگ ہیں

2- تیری عظمت و جلال نے میری آنکھوں کو تیرے دیدار سے محفوظ نہیں ہونے دیا
پس میری محبت نے تجھے میرے دل کے قریں کر دیا ہے

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو بندہ حق اللہ تعالیٰ سے جس قدر قریب ہو جاتا ہے اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اس پر چھائی رہتی ہے' جناب سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں' مقامات قرب میں سب سے قریب مقام حیا ہے (یعنی حیا مقامات قرب سے سب سے زیادہ نزدیک مقام ہے) شیخ النصر آبادیؒ کہتے ہیں "اتباع سنت سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور ادائے فرض سے قربت ملتی ہے اور نوافل ہمیشہ ادا کرنے سے محبت کا حصول ہوتا ہے۔

حیال حیاء

حیا بھی ایک روحانی حال ہے' حیا کا ایک وصف عام ہے اور ایک وصف خاص ہے (یعنی حیال کا عام و خاص دو طرح پر اطلاق ہوتا ہے) عام حیا' یا وصف عام تو وہ ہے جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دیا ہے:

استحیوا من اللّٰہ حق الحیا (اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے)

اصحابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم حیا تو کرتے ہیں! حضور ﷺ نے فرمایا! نہیں اس طرح نہیں یہ کامل حیا نہیں ہے! بلکہ اللہ سے حیا کرنے کا پورا حق جو شخص ادا کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے سر کی اور جو کچھ اس میں موجود ہے (عقل و دانش فکر و خیال' تذکرہ تحفظ وغیرہ) پوری پوری حفاظت کرے اور اسی طرح اپنے پیٹ کی بھی اور اس کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرے۔ وہ موت اور مصیبت کو بھی یاد کرے اور جو اپنی آخرت کا ارادہ رکھتا ہے (اس کو بہتر بنانا چاہتا

ہے) اس کو دنیا کی زینت ترک کر دینا چاہئے! جس نے ان تمام باتوں پر عمل کیا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کا پورا پورا حق ادا کر دیا؛ اس حیا کا تعلق مقامات سے ہے (وھذا الحیا من المقامات) یعنی عام حیا کا تعلق مقامات سے ہے)۔

حیائے خاص کا تعلق احوال سے ہے (یعنی خاص حیا ایک حال ہے) اس کی ایک مثال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "میں تاریک جگہ پر بھی جب غسل کرتا ہوں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہوں۔"

شیخ ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت سری سقطیؒ نے شیخ ابو العباس مودب سے بطور نصیحت فرمایا کہ میری یہ بات خوب یاد رکھو کہ حیا اور انس دونوں دل کا طواف کرتے ہیں، جب وہ کسی دل میں زہد و ورع کو پاتے ہیں تو وہاں اتر جاتے ہیں

ورنہ آگے روانہ ہو جاتے ہیں۔

حیا کی عام تعریف:

حیا کی تعریف یہ ہے کہ بندے کی روح عظیم الجلال کے اجلال کے لئے سرنگوں ہو جائے اور انس یہ ہے کہ روح کمال جمال سے محظوظ اور لذت یاب ہو، اور جب یہ دونوں حیا اور انس جمع ہو جاتے ہیں تو یہ عطائے الٰہی کا منتہا اور غایت کرم ہے۔

جیسا کہ شیخ الاسلام نے ان اشعار میں فرمایا ہے:

اشتاقه فِاذا بَدا اطرفت مِن اجلالہِ
ہے شوق دید تاب نظارہ نہیں مگر عالم ہے کچھ عجیب ہی رعب جمال کا
لاَ خیفة بَل ھیَبة وَصیانة لحمالِہِ
محرومی نظارہ کا باعث نہیں ہے خوف ہیبت زدہ ہوں دوست کی شان جمال کا
اَلموت فی ادبَارہِ وَالعیش فی اقبالِہِ
چھنا وہ ان کا موت کا سامان ہو گیا دیدار میں گذر نہیں رنج و ملال کا
وَاصَدٌعنه اِذَابدا واَروم طیف خیَالہ
وہ سامنے ہے میرے پر اٹھتی نہیں نظر پھر پہروں سامنا ہے اسی کے خیال کا
(شمس)

ایک دانشمند کا قول ہے کہ جو شخص حیا کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن باتوں میں اللہ سے حیا نہیں کرتا وہ فریبی اور شعبدہ باز ہے۔ شیخ ذوالنونؒ مصری فرماتے ہیں کہ حیا نام ہے دل میں ہیبت الٰہی کی موجودگی کا، اللہ تعالیٰ کی اس حشمت کے ساتھ جو تمہارے دل میں پہلے سے موجود تھی۔

شیخ ابن عطاؒ فرماتے ہیں علم، ہیبت و حیا کے ساتھ علم ہے اگر علم سے ہیبت و حیا نکل جائے تو ایسے علم میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ شیخ ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بندوں نے ان چار درجات پر عمل کیا ہے۔ (1) خوف پر (2) امید پر (3) تعظیم پر (4)

حیاء پر۔ ان بندوں میں سب سے زیادہ بزرگی اور شرف اس کا ہے جو حیا پر عمل کرے اور اس کو اس امر کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دیکھتا ہے اس لئے ایسا بندہ اپنی نیکیوں پر ان گناہ گاروں سے زیادہ شرماتا ہے جس قدر وہ اپنے گناہوں پر شرماتے ہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے "جب اللہ تعالیٰ حیا والے انسانوں کی طرف نظر فرماتا ہے تو اس کا اجلال و تعظیم ان کے دلوں پر چھا جاتا ہے اور یہ کیفیت دوامی ہوتی ہے۔"

حال اتصال

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مکاشفات قلوب اور مشاہدات اسرار کا نام حال اتصال ہے ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ اتصال کا مفہوم یہ ہے کہ اسرار باطنی کو مقام نسیان میں پہنچا دیا جائے (انسان اسرار باطنی کو فراموش کر دے) ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ اتصال یہ ہے کہ بندہ حق غیر خالق اور کسی کو موجود نہ پائے اور اس کا خیال سوائے ضائع حقیقی کے اور کسی طرف نہ ہو!

حالت اتصال:

شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ان کو آزمائش کے لئے حرکت دی جاتی ہے تو وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور جب ان کو سکون ملتا ہے تو وہ حالت اتصال میں آجاتے ہیں۔

جناب یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عامل چار قسم کے ہوتے ہیں (1) تائب (2) زاہد (3) مشتاق (4) واصل اور تائب پر توبہ کا اور زاہد پر زہد کا پردہ پڑا ہے۔ مشتاق پر حال کا پردہ ہوتا ہے' صرف واصل ایسا ہے کہ کوئی شے حق کو اس سے نہیں چھپا سکتی (اللہ تک پہنچنے سے کوئی چیز حارج و مانع نہیں ہو سکتی)۔

واصل اور متصل کا فرق:

شیخ ابو سعید" القرشی کا ارشاد ہے کہ واصل وہ ہے جس کے پاس خدا خود پہنچے (الواصل الذی یصلہ اللّٰہ) اس لئے ایسے واصل کو قطع کا قطعی خوف نہیں ہوتا (وہ اسباب سے نہیں ڈرتا کہ یہ وصل قطع ہو جائے گا) متصل وہ ہے جو ملنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جیسے ہی قریب ہوتا ہے تو تعلق قطع ہو جاتا ہے ایسا خیال ہوتا ہے کہ واصل اور متصل کی تعریف میں مرید اور مراد کا ذکر کنایتاً گیا گیا ہے کہ ان میں سے ایک (شیخ) کو مکاشفہ کے ذریعہ ہدایت ملی اور دوسرے کو اس لئے لوٹا دیا گیا تاکہ وہ مزید سعی و اجتہاد کرے۔

شیخ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واصلین کے تین شغل ہیں (1) ان کی توجہ تمامتر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو (2) ان کا شغل

صرف اللہ کی یاد ہو۔ (3) اور وہ اللہ ہی کی طرف رجوع کریں۔

شیخ سباریؒ کہتے ہیں کہ وصول ایک جلیل و عظیم مقام ہے جب اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اس سے قریب ہو جائے تو اس وقت وہ اس کے راستے کو مختصر کر دیتا ہے اور اس کے بعد کو قرب سے بدل دیتا ہے۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واصل وہ ہے جس کو قرب رب حاصل ہے (جس کو اپنے رب کی نزدیکی حاصل ہے) حضرت رویمؒ فرماتے ہیں کہ اہل وصول وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا ہے اس لئے ان کی تمام قوتیں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں اور مخلوق کو ان کے ربط و ضبط سے بالکل روک دیا جاتا ہے۔

شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو راہ حق سے لوٹ آیا وہ پھر اس راہ پر واپس نہیں جاتا اور جو اس کے قریب پہنچ گیا وہ پھر وہاں سے واپس نہیں آتا۔

اتصال و مواصلت:

شیوخؒ نے اتصال اور مواصلت کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ جو بندۂ حق اپنے ذوق و وجدان کی راہ سے یقین کامل کی منزل پہ پہنچ جائے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ مرتبہ وصول سے متعلق ہو گیا (مرتبہ وصول پر پہنچ گیا) اس صورت حال میں بھی فرق مراتب موجود ہے، کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو طریق اعمال سے پالیتے ہیں اور یہ ایک مرتبۂ تجلی ہے۔ اس حالت میں ان کو فعل الٰہی سے موقوف حاصل ہو جاتا ہے اس لئے وہ اپنے فعل کو اور غیر کے فعل کو فنا کر دیتے ہیں اس صورت میں وہ دائرہ تدبیر و اختیار سے نکل جاتے ہیں اور یہ وصول کا ایک مرتبہ اور درجہ ہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مقام انس اور ہیبت پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مطالعۂ جلال و جمال سے ان کے قلوب پر انکشاف ہوتا ہے اس کو تجلیٔ طریق صفات کہتے ہیں اور یہ مقام بھی مرتبہ وصول سے ایک اور درجہ ہے (یہ دو درجے ہوئے)۔

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو مقام فنا کی طرف ترقی کرتے ہیں اور ان کے بطون پر یقین و مشاہدہ کے انوار کا نزول ہوتا ہے اور وہ اس شہود میں پہنچ کر اپنے وجود سے بھی غائب ہو جاتے ہیں اور یہ وصول کا تیسرا درجہ ہے جو خواص اور مقربین تجلی ذات کے لئے مخصوص ہے، اس درجہ سے بلند درجہ صرف حق الیقین کا ہے اور دنیا میں صرف خواص کے لئے اس کی ایک جھلک ہوتی ہے (صرف ایک جھلک دکھائی جاتی ہے) اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ نور مشاہدہ بندہ کے سراپا میں سرایت کر جاتا ہے جس سے اس کی روح، قلب اور نفس یہاں تک کہ جسم بھی محظوظ ہوتا ہے۔ یہ وصول کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے!

جب کوئی بندۂ حق ان تمام شریف احوال کے ساتھ علم حقائق کو معلوم کرلیتا ہے تو اس وقت بھی وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ اس اول منزل ہی میں ابھی ابتداء پر ہے، مرتبہ وصول کہاں! ہائے ہائے وصول کے راستے کی منزلیں اتنی ہیں کہ آخرت کی لافانی عمروں سے بھی یہ منزلیں طے نہیں ہو سکتی ہیں چہ جائے کہ ان کو دنیا کی مختصر عمر میں طے کیا جائے! (یہ بھلا کس طرح ممکن ہے)

حال قبض و حال بسط

قبض و بسط دونوں ہی عمدہ روحانی احوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ "اللہ تعالیٰ کم بھی کرتا ہے اور بڑھاتا بھی ہے!"

مشائخ کبارؒ نے اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت کچھ اشارات کئے ہیں لیکن ان اشارات سے مجھ پر ان دونوں کی حقیقت واضح نہیں ہو سکی! دوسرے ارباب حق کے لئے یہ ارشادات کافی ہوں گے؟ اس لئے میں یہاں ان کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں! شاید کسی طالب حق کو اس کی ضرورت لاحق ہو اور اس کو میری یہ وضاحت پسند آئے۔ (لعله يتشوق الى ذلك و طالب و يحب بسط القول فيه)

قبض و بسط کا مفہوم:

پہلے یہ ملحوظ خاطر ہونا چاہئے کہ قبض و بسط کا ایک معلوم زمانہ و معین وقت ہوتا ہے کہ نہ اس سے قبل ان کا ظہور ہو سکتا ہے اور نہ بعد میں! ان کا زمانہ اور معین وقت' محبت خاص کے ابتدائے حال میں ہوتا ہے' آخر میں نہیں اور نہ ابتدائے حال سے قبل! وہ لوگ جو بحکم ایمان محبت عامہ ثابتہ کے مقام پر ہیں (عام محبت کے مقام پر جو لوگ ہیں اور صاحبان ایمان ہیں) ان کے لئے نہ قبض ہے نہ بسط! بلکہ ان کو امید و بیم کے حال سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان پر قبض اور بسط کے احوال سے ملتی جلتی حالتیں گزرتی ہیں، غلطی سے ان کو قبض و بسط خیال کر لیا جاتا ہے اور نفسانی اہتزاز اور طبیعی نشاط کو بسط سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ رنج و نشاط کا سرچشمہ صرف نفس ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس کی یہ صفات جو ہر نفس کی بقا کے ساتھ موجود ہیں اور جب تک نفس امارہ کی یہ صفات موجود ہیں یہ اہتزاز اور نشاط بھی باقی ہے۔ رنج و آلام بھی نفس کے گلے کے پٹے ہیں (نفس ہی کے صفات ہیں) نشاط کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بحر طبع میں تلاطم کے وقت نفس کی موجوں کی مد کا نام ہے (یا ارتفاع کہہ لیجئے) جب کوئی بندۂ حق عام محبت سے ترقی کر کے خاص محبت کی ابتدائی منزل میں پہنچتا ہے تو وہ صاحب حال' صاحب قلب اور صاحب نفس لوامہ بن جاتا ہے اس وقت سے اس پر قبض و بسط کی کیفیات یکے بعد دیگرے طاری ہونا شروع ہو جاتی ہیں' حالانکہ وہ ایمان کے مرتبہ سے ایقان کے رتبہ پر فائز ہوتا ہے اور محبت خاص کا حال اس کو حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر کبھی قبض کی کبھی بسط کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ واسطیؒ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ قبض سے تمہارے فائدے میں کمی کرتا اور بسط سے اس کو بڑھاتا ہے۔ شیخ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبض کے ذریعہ تمہاری ذات کو سمیٹتا ہے (کوتاہ کرتا ہے) اور بسط کے ذریعہ اپنے واسطے تم کو بڑھاتا ہے۔

قبض وبسط کے اسباب:

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ قبض کا وجود صفات نفس کے غلبہ کے باعث ہوتا ہے اور بسط صفات قلب کے غلبہ سے ظہور میں آتا ہے' جب تک نفس لوامہ رہتا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ مغلوب ہوتا ہے اور کبھی غالب اور اس کشمکش کے نتیجے میں قبض وبسط کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور جو صاحب نفس ہے وہ اپنے نفس کی وجہ سے تاریک پردے (ظلماتی حجاب) کے تحت ہوتا ہے اور صاحب قلب اپنے قلب کی بدولت حجاب نورانی کے تحت ہوتا ہے (اور اسی اعتبار سے قبض وبسط کی کیفیات کا ورود ہوتا ہے) لیکن جب کوئی صاحب دل قلب کے حجاب سے نکل کر ترقی کرتا ہے تو پھر وہ حال کی قید میں نہیں رہتا (پابند حال نہیں ہوتا) اور اس جگہ پہنچ کر وہ قبض اور بسط کے تصرف سے بھی نکل جاتا ہے اور جب تک وہ قلب کے نورانی وجود سے آزاد رہ کر بارگاہ قرب میں رہتا ہے تو حجاب نفس اور حجاب قلب سے بھی اس کو آزادی حاصل رہتی ہے۔

جب وہ فنا اور بقا کے مقام سے لوٹ کر پھر وجود کی جانب آجاتا ہے تو اس وقت وجود نورانی بھی جس کا نام قلب ہے لوٹ آتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قبض وبسط کی کیفیات بھی نمودار ہونے لگتی ہیں اور جب وہ پھر فناوبقا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو قبض وبسط کی کیفیات مفقود ہو جاتی ہیں۔

شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبض پہلے ہے اور بسط اس کے بعد ہے اور پھر ایسا حال آتا ہے کہ نہ قبض رہتا ہے اور نہ بسط! اس لئے قبض وبسط کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وجود کی حالت پائی جائے اور فناوبقا کی حالت میں نہ قبض ہوتا ہے نہ بسط!

قبض' افراط بسط کی سزا ہے:

قبض کی کیفیت' بسط میں افراط کی سزا کے طور پر پیدا ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب واردات غیبی کا نزول ہوتا ہے تو قلب بسط سے معمور ہو جاتا ہے ایسے موقع پر نفس بھی اس بسط سے کچھ چرا لیتا ہے اور جب اس روحانی جذبہ کا اثر نفس پر پڑتا ہے تو وہ بالطبع باغ باغ ہو جاتا ہے اور بسط کی یہ افراط نشاط کی شکل اختیار کرلیتی ہے پس اس کے مقابل قبض کی کیفیت پیدا کر کے اس کو سزا دی جاتی ہے [1]

ہر قبض کی کیفیت کی اگر تحقیق کی جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ وہ حرکت نفس اور اسکی صفات کے ظہور کا نتیجہ ہے پس اگر نفس کی اصلاح کر کے اسکو حالت اعتدال پر رکھا جائے یعنی وہ سرکشی اور بغاوت سے باز رہے تو کوئی صاحب دل قبض کی کیفیت میں مبتلا نہ ہو بشرطیکہ اسکی روح انس کے ساتھ اعتدال کی رعایت کو پیش نظر رکھے اور اللہ کے اس ارشاد پر کاربند رہے۔

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَافَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتَاکُمْ ۝ "تم گزری ہوئی چیزوں پر غم نہ کھاؤ اور نہ حاصل شدہ چیزوں پر (بے تحاشہ) خوشی کرو۔"

---

(1) اس توضیح سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ بسط پہلے ہے اور قبض بعد کو ہے لیکن شیخ فارس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ قبض پہلے ہے

اگر خوشی کے موقع پر خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر جذبہ مسرت کو لطیف بنا دیا جائے تو وہ کشف بن کر قبض کا باعث نہیں ہو گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا تو نفس نمودار ہو کر اپنی خوشی کا حصہ اس میں سے، لے لیتا ہے اور یہ وہ فرح ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے' یہ قبض بسااوقات مذکورۂ بالا سبب سے پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک لطیف ترین گناہ ہے جو موجب قبض ہے وھذا من الطف الذنوب الموجبة القبض اور نفس اپنی متعدد حرکات و صفات کے باعث قبض کا باعث بنتا ہے۔

اہل قبض و بسط اور امید و بیم:

اہل قبض و بسط میں امید و بیم کا وجود بھی پایا جاتا ہے اور اسی طرح امید و بیم صاحبان انس و ہیبت میں بھی موجود ہوتی ہے اور اس لئے کہ امید و بیم ضروریات ایمان سے ہیں (ایمان کا حصہ ہیں) لیکن قبض و بسط عام اہل ایمان میں نہیں پائے جاتے کیونکہ اس کا فیضان قلب کم ہوتا ہے' اسی طرح امید و بیم اہل فنا و بقا اور مقربین میں بھی معدوم ہوتے ہیں اسی لئے وہ قلب کے دائرہ عمل سے باہر ہوتے ہیں۔

کبھی طالبان حق کے باطن پر قبض و بسط کی کیفیات طاری ہوتی ہیں لیکن وہ ان کے اسباب کا پتہ نہیں چلا سکتے ان کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ (جن کے دلوں پر قبض و بسط کی کیفیتیں طاری ہیں) روحانی حال و مقام سے بہت کم واقف ہوتے ہیں البتہ جو حال و مقام کا علم رکھتے ہیں ان سے قبض و بسط کے اسباب پوشیدہ نہیں رہتے' لیکن کچھ لوگوں پر قبض و بسط کے اسباب بھی ایسے ہی مشتبہ ہو جاتے ہیں جس طرح رنج و غم کو بربنائے اشتباہ قبض سمجھ لیا جاتا ہے اور نشاط کو بسط' البتہ جس کا قلب استقامت پر فائز ہے وہ اس اسباب سے ناواقف نہیں رہتا۔

قبض و بسط کی کیفیات طاری ہوئے بغیر وہی لوگ ترقی کرتے ہیں جن کے نفوس' نفوس مطمئنہ ہیں' ان حضرات کے جو ہر نفس سے ایسی آتش بلند نہیں ہوتی جو قبض کا سبب ہونی چاہئے اور نہ مختلف خواہشات سے ان کے نفس میں تلاطم برپا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بسط کی کیفیت پیدا ہو۔

نفس کا قبض و بسط:

کبھی یہ قبض و بسط صرف نفس میں ہوتا ہے نفس سے نہیں ہوتا (ربما صار المثل ھذا القبض وابسط فی نفسه لا من نفسه) چونکہ نفس مطمئنہ قلب سے ہے اس لئے قبض و بسط نفس مطمئنہ میں تو ہوتا ہے لیکن قلب میں نہیں ہوتا اور سبب اس کا یہ ہے کہ قلب روحانی شعاعوں سے گھرا ہوا ہے اور اس طرح محفوظ ہو کر قرب کی آرام گاہ میں پہنچ جاتا ہے پھر نہ قبض ہے نہ بسط ہے (دونوں سے محفوظ رہتا ہے)۔

حال فنا و حال بقا

کہا جاتا ہے کہ فناء کا مطلب یہ ہے کہ لذات کو فنا کر دینا اس طرح کہ بندۂ حق کے لئے کسی چیز میں کوئی حظ باقی نہ رہے صرف یہی نہیں بلکہ خدا کی ذات میں اس طرح فنا ہونا کہ ہر چیز سے مشغولیت فنا ہو جائے جیسا کہ شیخ عامر بن عبداللہؒ نے ارشاد فرمایا مجھے اس کی پراوہ نہیں ہوتی کہ میں نے عورت کو دیکھا یا کسی دیوار کو! پس ایسا شخص ہر وقت تمام مخالفتوں سے کٹ کر یاد الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔

بقا کیا ہے:

بقاء اسی فنا کے پیچھے پیچھے ہوتی ہے اور بقاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو فنا کر دے اور خود کو صرف اللہ کے لئے باقی رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ باقی وہ ہے جس کے لئے تمام اشیاء شئے واحد بن جائے اور اس کی تمام حرکات حق کو موافقت میں ہو جائیں بغیر کسی اختلاف کے یعنی وہ مخالفتوں کو فنا کر کے موافقات کے لئے باقی رہ جائے۔ میرے نزدیک یہ جو کچھ کہا گیا ہے توبتہ النصوح کے لئے اس کا اطلاق صحیح ہے' فنا اور بقاء سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مشائخ کبار کے اقوال:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں فنا کے سلسلہ میں وضاحت ملتی ہے کہ وہ طواف میں مشغول تھے اس وقت ایک شخص نے ان کو سلام کیا' انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' اس نے اس امر کی شکایت ان کے کسی دوست سے کی' انہوں نے اس کا جواب دیا کہ ہم وہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہے تھے (اس شخص کو کس طرح دیکھتے اور سلام کا جواب دیتے)

یہ بھی کہا گیا کہ تمام اشیاء کا نظروں سے غائب ہو جانا فناء ہے جس طرح دیدار الٰہی کے وقت کوہ طور پر حضرت موسیٰ ہو گئے تھے۔ [1] (انکے سامنے کوئی چیز موجود نہیں تھی)۔ شیخ خرازؒ فرماتے ہیں "فنا نام ہے حق کیساتھ معدوم رہنے کا اور حق کیساتھ موجود رہنا بقا ہے۔

شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ تمام لوگ تمہارے اوصاف کے بیان سے عاجز رہیں اور تم سے الگ رہ کر دوسرے کاموں میں مشغول رہیں (تمہاری ذات سے انکا کوئی تعلق نہ رہے) شیخ ابراہیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں کہ علم فنا و بقاء کا دارومدار مخلصانہ وحدانیت اور صحیح بندگی پر ہے اور اگر اس کے علاوہ کچھ بیان کیا جائے تو وہ محض مغالطہ اور کفر و الحاد ہے۔

وَخَرَّ موسٰی صَعِقًاO

شیخ خراز رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ فانی کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس نے فنا کا دعویٰ کیا اس کا سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے دنیا اور آخرت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا!

شیخ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اہل فناء کی فناء میں صحت مقام یہ ہے کہ وہ علم بقاء سے باخبر ہوں اور اسی طرح اہل بقاء کی مقام بقاء میں صحت مقام یہ ہے کہ وہ علم فناء سے آگاہی رکھتے ہوں!

بہرحال فناء اور بقاء کے سلسلہ میں شیوخ حضرات کے اقوال بہت کچھ موجود ہیں اور ان میں سے بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ مخالفات کی فناء اور موافقات کی بقاء یعنی خدا کی مخالفت کو فناء کیا جائے اور موافقات کو باقی رکھا جائے اور یہی بات توبۃ النصوح میں پائی جاتی ہے کہ اسکی بھی یہی خصوصیت ہے! بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ فنا کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی رغبت حرص اور امید ختم ہو جائے اور یہی تعریف زہد کی ہے (زہد کی بھی یہی خصوصیت ہے) بعض نے اوصاف مذمومہ کو فناء کر دینے کا نام بقاء سے اوصاف محمودہ کو باقی رکھنے کا نام فنا رکھا ہے، اور یہ تزکیہ النفس ہے بعض حضرات نے فنائے مطلق کی طرف بھی اپنے اقوال میں اشارہ کیا ہے، ان تمام اقوال سے فنا کے بعض پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے (یعنی کسی نہ کسی اعتبار سے فنا کا پہلو موجود ہے) مگر فنائے مطلق وہ ہے کہ جو خداوند تعالیٰ کیطرف سے بندے پر مسلط ہو جائے اور خدا کا وجود بندے کے وجود پر غالب آجائے۔ (فيغلب كون الحق سبحانه و تعالٰی علی کون العبد) اور اس فنائے مطلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فناء ظاہر دوسری فناء باطن!

اس اعتبار سے ظاہری فنا یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کی تجلیات بندۂ حق کے افعال سے نمودار ہوں اور وہ بندے سے اسکے ارادوں اور اختیارات کو سلب کرلے، یہاں تک کہ وہ حق کے سوا نہ اپنا کوئی فعل دیکھ سکے اور نہ غیر کا! پھر اللہ تعالیٰ کیساتھ اسکے معاملہ کا آغاز ہو!

مطلق فناء کا مقام:

میرے سننے میں آیا ہے کہ جو بندۂ حق اس مقام سے سرفراز و سربلند ہوتا ہے وہ کئی کئی روز بغیر کھائے پیئے گزار دیتا ہے۔ تاوقتیکہ اس معاملہ میں بھی خداوند تعالیٰ کا کوئی فعل نمودار نہ ہو اور یہ اس وقت تک نہیں کھاتا پیتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شخص اس کے کھلانے پلانے پر متعین نہیں ہو جاتا۔ حقیقت میں فنا اسی کا نام ہے کیونکہ اس فنا ہونے والے نے اپنے نفس کو اپنے سے غیر سب کو فنا کر دیا ہے اور اس کی نظریں ہر دم اللہ تعالیٰ کے فعل پر مرکوز رہتی ہیں اور غیر کے تمام افعال اس کی نظر میں فنا ہو جاتے ہیں۔

باطنی فناء یہ ہے کہ بندۂ حق کو کبھی صفات کے ذریعہ مکاشفات حاصل ہوں اور کبھی عظمت ذات کے آثار کا اس کو مشاہدہ ہو اور اس کے باطن پر امر حق اس طرح مستولی ہو جائے کہ کوئی وسوسہ اور کوئی تصور باقی نہ رہے اور فنا میں غیوبت احساس ضروری نہیں ہے ہرچند کہ اس موقع پر بعض حضرات کے احساس بھی غائب ہو جاتے ہیں تاہم یہ صورت بطور کلی (علی الاطلاق) فنا کے لئے ضروری نہیں ہے!

میں نے شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصریؒ سے دریافت کیا "کیا سرباطن میں خیالات اور وسواس کا باقی رہنا شرک خفی ہے؟ میں

تو اس کو شرک خفی ہی سمجھتا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ایسی صورت فناء کے مقام پر پیش آتی ہے، مگر انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ شرک خفی ہے یا نہیں! اس کے بعد انہوں نے شیخ مسلم بن یسارؒ کا واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ وہ جامع مسجد میں نماز میں مصروف تھے کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا، اس کے گرنے کی آواز سن کر بازار کے لوگ جمع ہو گئے، جب لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ شیخ مسلم بن یسارؒ نماز میں مصروف ہیں اور ستون کے گرنے کی ان کو کچھ خبر نہیں ہے، ایسی ہی حالت استغراق اور باطنی فنا کی ہوتی ہے۔

فنا کی مزید وضاحت:

اہل حق کا ظرف کبھی اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ اس پر روحاً اور قلباً فنا کا اطلاق ہوتا ہے بایں ہمہ وہ اپنے اردگرد وقوع میں آنے والے افعال و اقوال سے بے خبر نہیں ہوتا۔ فنا کی ایک صورت اور نوعیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام افعال و اقوال کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور وہ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر رہے تاکہ کاموں کا ذمہ دار وہ نہ بنے بلکہ اللہ تعالیٰ ہو! ایسا شخص جو اپنے اختیار کو ترک کر کے فعل خداوندی کا منتظر رہے اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے باطن میں تمام تر امور کو بھی اسی کی طرف رجوع کرے وہ بھی فانی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اس فنا کے بعد اپنے اس بندے کے اختیار کو بحال کر دے اور اس کو امور متعلقہ کی انجام دہی میں تصرف حاصل کرنے پر اس کو مختار بنا دے یعنی وہ اپنے کاموں کو جیسا چاہے انجام دے اور وہ فعل خداوندی اور اس کی اجازت کا منتظر نہ رہے تو وہ بندۂ حق باقی ہے۔

باقی کا مقام:

باقی ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں حق اور مخلوق میں حجاب باقی نہیں رہتا (خلق حق سے محجوب نہیں ہوتی) لیکن اس کے برعکس محجوب حق جو فانی ہے وہ خلق کے حق سے محجوب ہے۔

یہ فنائے ظاہری ارباب قلوب اور ارباب حال کے لئے مخصوص ہے لیکن فنائے باطنی اس بندۂ حق کے لئے ہے جو احوال کی بیڑیوں سے رہائی پاکر (احوال سے ترقی کر کے) اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گیا ہے اور احوال کا مقید و پابند نہ رہا ہو بلکہ وہ اپنے دل کے دائرہ عمل سے نکل کر اس ذات تک پہنچ گیا ہو جو مقلب ہے اور قلب کے ساتھ نہ رہا ہو!

باب:62

بعض مصطلحات تصوف کی توضیح و تشریح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا "یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی کانیں ہیں جن کے ذریعہ تم اپنے علم میں اضافہ کرتے ہو۔ اس علم کا جسکو تم نہیں جانتے اور تم کو بھی آگاہی ہو جاتی ہے کہ تمہارے علم میں کتنی کمی ہے اور کس قدر کمی کے ساتھ اس میں اضافہ ہوا ہے، جو علم انسان میں پرہیز گاری پیدا نہ کرسکے اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔"

مشائخ صوفیہ کا علم:

مشائخ الصوفیہؒ اسی بنا پر تقویٰ کی بنیاد کو مضبوط کرتے ہیں اور محض اللہ کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اور اپنی پرہیز گاری اور تقویٰ کی بنا پر جو کچھ علم انہوں نے حاصل کیا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عمل خیر کی بدولت باطنی علوم کے ان عجائب و غرائب، دقیق نکات و اشارات سے مطلع کرتا ہے جن سے وہ آگاہ نہ تھے ان دقیق نکات و ارشارات سے آگاہی کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن مجید) سے غرائب علوم اور عجیب و غریب رازوں کو اخذ کر لیتے ہیں، اس کی بدولت علم باطنی میں ان کے قدم جم جاتے ہیں (لغزش کا اندیشہ نہیں رہتا)

شیخ ابو سعید الخرازؒ فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کے فہم کی ابتدا یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اسی طرح علم، فہم اور اخذ کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور فہم کی ابتدا سمع اور مشاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ○ (پارہ:26)

"بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ توجہ سے حاضر ہو کر سنے۔"

شیخ ابوبکر واسطیؒ نے کہا ہے "علم میں راسخوں اور ماہر وہ ہوتے ہیں جن کی ارواح غیب الغیب اور سر السر میں راسخ ہوں ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کو جس قدر چاہتا ہے علم و معرفت عطا کر دیتا ہے (فعر فسم ماعر فسم) اور اپنی آیات کے اقتضا سے ان سے ان چیزوں کا طلبگار ہوتا ہے جو غیر سے نہیں طلب فرماتا، اس طرح یہ حضرات اپنے فہم اور اپنی بصیرت کے ساتھ بحر علم میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں تاکہ اپنی معلومات میں اضافہ کریں، اس وقت ان کو ہر حرف اور آیت کے نیچے فہم و بصیرت کا پوشیدہ خزانہ نظر آتا ہے جس سے یہ حضرات موتی اور جواہر نکال لاتے ہیں اور پھر ان کی گفتگو تمام تر حکمت ہوتی ہے۔

علم اللہ کا راز ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم ایک چھپے ہوئے خزانے کی مانند ہے اس سے

علمائے ربانی کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہوتا' جب یہ لوگ گفتگو کرتے ہیں تو اس سے مغرور انسانوں کے سوا کوئی اور انکار نہیں کرتا۔

شیخ قرشیؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم باطنی اللہ کے اسرار ہیں جنہیں وہ اپنے اولیاء معتبرین اور بندگان خاص کو بغیر سماعت اور تعلیم کے عطا فرمادیتا ہے [1] اور اس میں جو راز پنہاں ہیں ان سے صرف خواص ہی آگاہ ہیں۔

شیخ ابوسعید الخرازؒ فرماتے ہیں کہ عارفین کے پاس ایسے خزانے موجود ہیں جن میں انہوں نے علوم دفنون عجیبہ و غریبہ کو محفوظ کر رکھا ہے' ان خزانوں کا اظہار وہ ابدیت کی زبان سے کرتے ہیں اور ان کا اظہار ان کی عبارت ہوتی ہے یہ وہ علم ہے جس سے عوام بے بہرہ ہیں' مذکورہ بالا قول میں لسان ابدیہ اور عبارت ازلیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ (فقولَه بلسان الابدية وعبارة الازليّة' اشَارة اِلى انَّهُم بِاللّٰه يَنْطِقُوْنَ O) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی لسان مبارک سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے۔ بی ینطق وہ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔" یہی وہ علم لدنی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں اس طرح کرتا ہے۔

اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا (پ:15)

"ان کو یہ (علم) اپنی رحمت سے ہم نے عطا کیا ہے اور ان کو اپنی طرف سے علم سکھایا ہے۔"

مشائخ کرام کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے واردات' احوال اور وجدانیات کو ایک دوسرے کو سمجھانے اور ظاہر کرنے کے لئے بہت سے کلمات اور اشارات (اصطلاح) استعمال کرتے ہیں' ان متعدد اصطلاحات میں سے ایک مخصوص کلمہ یا اصطلاح جمع و تفرقہ ہے!

جمع اور تفرقہ کیا ہے؟

حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ جمع و تفرقہ کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ O

"اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے!"

(پ:3'سورۃ: آل عمران)

یہ ارشاد ربانی جمع پر دلالت کرتا ہے اور تفرقہ (فرق) اس ارشاد پر مبنی ہے:

وَالۡمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ [2]

"اور اس کے معبود ہونے پر (فرشتے اور اہل علم بھی گواہی دیتے ہیں۔"

جمع کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (ہم اللہ پر ایمان لائے) اور یہ بطور جمع فرمایا وَمَا اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا (اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا) بطور تفرقہ ارشاد کیا گیا!

---

(1) اسی علم کو علم لدنی کہتے ہیں۔

(2) پوری آیت یوں ہے: شَهِدَ اللّٰه اَنَّه لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلٰۤئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ (پ 3' سورہ آل عمران)

واضح رہے کہ اس اصطلاح میں اصل جمع ہے اور تفرقہ اس کی فرع ہے لیکن ہر وہ جمع جس میں تفرقہ موجود نہ ہو وہ زندقہ ہے اور وہ تفرقہ جو بغیر جمع ہو وہ تعطل اور بیکار ہے (فکل جمع بلا تفرقة زندقة و کل تفرقة بلا جمع تعطیل) (3)

جمع اور تفرقہ کے سلسلہ میں مشائخ کے اقوال:

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "القرب بالوجد" جمع ہے "وغیبة فی البشریت" تفرقہ ہے یعنی وجد کے ساتھ قریب ہونا جمع ہے اور "بشریت میں غائب ہو جانا" تفرقہ ہے!

بعض مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جمع وہ نقطہ اتصال ہے جہاں صاحب دل سوائے حق کے اور کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا اور اگر وہ غیر کا مشاہدہ کرے تو وہ جمع نہیں ہے اور تفرقہ یہ ہے کہ غیر حق کے ساتھ جس کا چاہے مشاہدہ کرے (والتفرقة شهود لمن شاء باطبانية)۔

جمع و تفرقہ کے سلسلہ میں، بہت کچھ کہا گیا ہے ان سب کا یہ حاصل یہ ہے کہ جمع سے مراد خالص توحید (تجرید التوحید) ہے اور تفرقہ سے مراد عمل و اکتساب ہے لیکن جمع کے ساتھ تفرقہ ضرور ہوتا ہے (لا جمع الا بتفرقه) اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ "عین جمع" کی حالت میں ہے تو اس سے کہنے والے کی مراد یہ ہوتی ہے کہ "فلاں شخص کے باطن پر مراقبہ حق کا غلبہ ہے" اس کے بعد اگر وہ اس حال سے واپس آکر کسی کام میں مصروف ہو جائیں تو یہ تفرقہ کہلاتا ہے پس صحیح جمع تفرقہ کے ساتھ ہی اسی طرح تفرقہ بھی جمع ہی کے ساتھ درست اور صحیح ہوتا ہے ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ جمع اللہ کا علم ہے اور تفرقہ اللہ کے حکم کے مطابق کا علم ہے (الجمع من العلم باللّٰه والتفرقة من العلم بامر اللّٰه) پس یہ دونوں ضروری ہیں (ایک کا دوسرے کے ساتھ ہونا ضروری ہے)

شیخ مزینؒ کا قول ہے کہ بعینہٖ اللہ کے ساتھ فنا ہو جانا جمع ہے (الجمع عین الفناء باللّٰه) اور عبودیت اور بندگی تفرقہ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں (ان میں فصل نہیں ہے)

وہ لوگ غلطی پر ہیں جو عین الجمع سے مراد یہ لیتے ہیں اور اس طرح اشارہ کرتے ہیں کہ "خالص توحید میں رہ کر اکتساب کو معطل کر دیتا ہے" یہ زندقہ ہے (انهم فی عین الجمع و اشاروا الی صرف التوحید وعطلوا الاکتساب فتزندقوا) جمع روح کے مانند ہے اور تفرقہ قالب کی طرح ہے، جب تک یہ روح و جسم کی ترکیب باقی ہے اس وقت تک جمع و تفرقہ باقی ہے۔

شیخ واسطیؒ فرماتے ہیں "جب تمہاری نظر اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے تو یہ تفرقہ ہے اور جب رب کی طرف متوجہ ہو تو یہ جمع ہے اور اگر تم قائم بالغیر رہو تو تم فنا میں ہو، تو یہ حال نہ جمع ہے اور نہ تفرقہ ہے (واذ کنت قائما بغیرك فانت فان فلا جمع ولا تفرقة) ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اگر ذات سے تعلق ہے تو جمع ہے اور، اگر صفات سے تعلق ہے تو تفرقہ ہے اور کبھی جمع و تفرقہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اگر اعمال کی طرف توجہ ہو اور نفس کے لئے کسب ثابت ہو تو وہ تفرقہ ہے اور اگر

(3) عوارف المعارف مطبوعہ بیروت صفحہ 524 سطر 19

اشیاء کا تعلق خدا ے قائم ہو تو وہ جمع ہے' بہرحال اس سلسلہ میں تمام اقوال کا خلاصہ یا ماحصل یہ ہے کہ:

"کون یعنی کائنات باعث تفرقہ ہے اور مکون یعنی خالق کائنات موجب جمع ہے' پس جو خالق کے لئے ہو گیا اور وہ حالت جمع ہے اور جو کائنات کا ہو گیا وہ تفرقہ میں ہے یعنی توحید جمع کا نام ہے اور بندگی تفرقہ کا۔"

پس جو شخص اپنے کسب و عمل پر نظر رکھتے ہوئے بندگی پر قائم ہو تو تفرقہ میں ہے اور اگر یاد الٰہی میں مستغرق ہو جائے تو یہ جمع ہے اور اگر ذات الٰہی میں بالکل فنا ہو جائے تو یہ جمع الجمع ہے۔ ہم اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مشاہدۂ افعال تفرقہ ہے اور مشاہدۂ صفات جمع اور مشاہدۂ ذات جمع الجمع ہے۔

کسی شخص نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کے وقت موسیٰ علیہ السلام کس حال میں تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے وجود ظاہری کو فنا کر دیا تھا اور موسیٰ سے موسیٰ کو کوئی خبر نہیں ملی (ان کو اپنے وجود ظاہری کا ہوش نہیں تھا (افنی موسٰی عن موسٰی فلم یکن لموسی خبر من موسٰی) پھر جب انہوں نے کلام شروع کیا تو اس دم متکلم و مکلم دونوں ایک ہو گئے یعنی کلام سننے والا اور کلام کرنے والا دونوں ایک ہو گئے (ثم کلم فکان الملکم و المکلم هو) اگر یہ حالت نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام میں یہ تاب و تواں پیدا نہیں ہو سکتی تھی کہ خطاب الٰہی کے بار کو برداشت کریں اور پھر اس کا جواب دیں۔ اگر یہ قوت اور تاب و توانائی نہ ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن ہی نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوت سمع کے ساتھ قوت جواب بھی ان کو عطا فرمادی تھی۔ اگر یہ قوت عطا نہ ہوتی تو ان میں قدرت سماعت بھی نہ ہوتی۔ اس جواب کے بعد ان بزرگ نے یہ اشعار پڑھے:

وبداله من بعد ما اندمل الهوی ... برق تالق موهنا لمعانه
زخم ہائے عشق جب کہ ہو گئے سب مند مل ... نصف شب تھی' برق کی ہونے لگیں تابانیاں
یبدو کحاشیة الرداء و دونه ... صعب الذری متمنع ارکانه
گوبظاہر دیکھنے میں گوشۂ چادر تھی وہ ... اس کے پا لینے میں حائل تھیں بہت دشواریاں
فبد الینظر کیف لاح فلم یطق ... نظراً الیه و رده اشجانه
برق کی چشمک کے لائق تاب نظارہ نہ تھی ... پھر وہی غم تھے وہی ناکامیاں محرومیاں
فالنار ما اشتملت علیه ضلوعه ... والماء ماسمعت به اجفانه
شعلہ زن ناکامیوں سے عشق کی آتش ہوئی ... بہہ چلیں مژگاں غم سے آنسوؤں کی نالیاں (شمس)

تجلی و استتار

تجلی و استتار کے بارے میں حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے' "تجلی و استتار کا مقصد ہے تادیب' تہذیب اور تذویب (یعنی ادب سکھانا' آراستہ کرنا اور سوزوگداز پیدا کرنا) یعنی تادیب تو اصلاح عوام کے لئے ہے اور اس کا تعلق استتار سے ہے' تہذیب

(یہ نفس) خواص کے لئے مخصوص ہے' یہ تجلی ہے اور تذویب (سوزوگداز) اولیائے کرام کے لئے ہے اور یہ مشاہدہ ہے۔
استتار تجلی کے بارے میں مشائخ کبار کی جو تصریحات اور ان کے اقوال ہیں وہ تمام کے تمام صفات نفس اور اس کے ظہور سے متعلق ہیں یعنی صفات نفس' صفات قلب کے زور سے غائب ہو جائیں تو یہ استتار ہے اور تجلی کی کئی صورتیں اور طریق ہیں' تجلی بطریق افعال تجلی بطریق صفات اور تجلی بطریق ذات!

اللہ تعالیٰ نے اپنے خواص بندوں کے لئے مقام استتار کو باقی رکھا ہے کہ ان کے لئے موجب رحمت ہو اور ان کے سوا دوسروں کے لئے بھی! خواص کے لئے تو اس کا فائدہ یا رحمت یہ ہے کہ اس استتار کے ذریعہ اپنے نفوس کی بہتری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے اس اعتبار سے کہ اگر استتار کا یہ مقام نہ ہوتا تو عوام اس سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے اور بصورت دیگر وہ جمع الجمع ہی کے مقام پر رہتے اور اللہ واحد القہار کی حضوری میں حاضر رہتے (فلانه لولا مواضع الاستتار لم ينتفع بهم والاستقراهم فى جمع الجمع وبروزهم لله الواحد القهار)

علامت تجلی الٰہی:

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اسرار کے لئے تجلی الٰہی کی علامت یہ ہے کہ وہ اسرار ایسے نہ ہوں جن کی تعبیر ہو سکے یا جو سمجھ میں آسکیں (فہم ان کا احاطہ کر سکے) اس لئے کہ اگر اسرار ایسے ہوں جن کی تعبیر ہو سکے یا فہم میں آسکیں تو ایسا شخص صاحب استدلال بن جائے گا۔ ناظر اجلال (الٰہی) نہیں رہے گا۔

تجلی کیا ہے؟:

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ تجلی یہ ہے کہ حجابات بشری تمام کے تمام اٹھ جائیں لیکن اس طرح کہ وہ ذات حق کے رنگ میں نہ رنگ سکے! اور استتار یہ ہے کہ بشریت تمہارے اور شہود الغیب کے درمیان حائل رہے۔

تجرید و تفرید

تجرید و تفرید بھی ایک اصطلاح ہے! تجرید سے مراد یہ ہے کہ بندۂ حق اپنے افعال میں اغراض سے بے نیاز ہو جائے اس کے کسی فعل کی کوئی غرض نہ ہو' نہ دنیاوی نہ اخروی! بلکہ اس کو عظمت الٰہی سے جو کشف حاصل ہو اس کو اپنی امکانی قوت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی بندگی' عبودیت اور اطاعت میں کام میں لائے۔

تفرید: تفرید کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کو نفسانی تحریک کا نتیجہ نہ سمجھے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھے! تفرید میں تو غیر کی نفی ہوتی ہے لیکن تجرید میں اپنے نفس کی نفی کی جاتی ہے اور صاحب تجرید اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتا

ہے اور کسب سے اس کو غیبت حاصل ہو جاتی ہے' ذاتی ارادہ اور اختیار فنا ہو جاتا ہے۔

وجد' تواجد و وجود

وجود: وجد ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطن انسانی پر وارد ہو خواہ اس کا نتیجہ فرحت ہو یا حزن ہو' اس جذبہ کے وارد ہونے سے بطن کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے اور اس کے اندر رجوع الی اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا وجد ایک قسم کی فرحت ہے یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس سے صفات نفس مغلوب ہیں اور اس کی نظریں اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہیں' یہ تو تھا وجد' تواجد یہ ہے کہ ذکر اور فکر سے وجد کو حاصل کرنا (والتواجد: استجلاب الوجد بالذکر والتفکر)

وجود: وجود یہ ہے کہ وجدان کی فضا میں نکل کر وجد کے دائرے کو وسیع کرنا کہ وجد وجدان کے ساتھ باقی نہیں رہتا یعنی جب مشاہدہ کا عالم ہو تو خبر کی ضرورت نہیں ہوتی (اسی طرح وجد ان کے عالم میں وجد کی ضرورت باقی نہیں رہتی) پس وجد ایک زوال پذیر حال ہے اور وجود پہاڑ کی طرح اٹل اور ثابت ہے' جیسا کہ کہا گیا ہے۔

قد کان یطربنی وجدی فاقعدنی عن رویة الوجد من الوجد موجود
کبھی وہ دن تھے اپنے وجد سے مسرور ہوتا تھا کروں کیا وجد کا حاصل مجھے مقصود ہے اپنا
والوجد یطرب من فی الوجد راحمته والوجد عندی حضور الحق مفقود'
تھی راحت وجد سے اپنے' مسرت تھی مجھے اس سے وجود حق ہوا جب' وجد پھر مفقود ہے اپنا (شمس)

غلبہ

وجد متواتر کا نام غلبہ ہے' وجد برق کی طرح ظاہر ہو کر فنا ہو جاتا ہے لیکن غلبہ کی صورت میں برق تجلی متواتر نمودار ہوتی ہے اور اس وقت سالک کی قوت تمیز باقی نہیں رہتی' وجد تو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے لیکن غلبہ باقی رہتا ہے اور وہ اسرار کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔

مسامرہ

مسامرہ کا مطلب یہ ہے کہ ارواح سراسر میں پوشیدہ طور پر مناجات اور مناغات (حمد سرائی) میں مصروف رہیں اور قلب کو اس کا صرف ایک لطیف ادراک ہو کیونکہ یہ پوشیدہ مناجات ایسی ہوتی ہے کہ روح اس سے بغیر قلب کے لذت یاب ہوتی ہے۔

سکر و صحو

سکر: روحانی حال کے غلبہ کا نام سکر ہے اور تہذیب اقوال و ترتیب افعال کی جانب سکر سے واپس آجانے کا نام صحو ہے' شیخ خفیف ؒ فرماتے ہیں "سکر وہ جوش و خروش قلب ہے جو ذکر محبوب کے معارضات کے موقع پر پیدا ہوتا ہے (جب محبوب حقیقی کا ذکر کیا جاتا ہے اس ذکر سے دل میں جو جوش و خروش پیدا ہوتا ہے وہ سکر ہے) (السکر غلبان القلب عند معارضات ذکر المحبوب)۔

شیخ واسطی ؒ فرماتے ہیں کہ "وجد کے مقامات چار ہیں (1) ذھول (2) حیرت (3) سکر (4) صحو۔ ان مراتب و مقامات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کا حال سنے' پھر وہ سمندر کے قریب جائے۔ پھر وہ سمندر میں داخل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سمندر کی لہروں میں گھر جائے۔ اسی تمثیل کے مطابق جس کسی میں حال کا کچھ اثر باقی رہتا ہے اس پر سکر کا اثر باقی رہتا ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مقام پر لوٹ آئے تو اس کی اس وقت حالت' صحو' کی ہوتی ہے' پس سکر (ہر ایک کے لئے نہیں) صرف ارباب قلوب کے لئے ہے اور صحو ان کو نصیب ہوتا ہے جن پر غیبی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

محو و اثبات

محو: نفس کے اوصاف کو دور کر دینا محو ہے اور جب اہل محبت کے لئے محبت کے جام گردش میں لائے جائیں تو یہ اثبات ہے (والا ثبات بماد یر علیھم من آثار الحب کووس) محو و اثبات کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے کہ رسوم اعمال کو فنا کے نقطۂ نظر سے نفس کی طرف سے محو کر دیا جائے اور اثبات کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی طرف سے جو کیفیات بندے میں پیدا کی ہیں' ان کو برقرار رکھا جائے جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو بندۂ حق کا اپنے نفس کے بجائے خداوند تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے اوصاف (سابقہ) کو محو کر کے از سر نو اس کی ذات کو استقرار عطا فرماتا ہے (ایاہ مستانفًا بعد ان محاہ عن اوصافہ) شیخ ابن عطا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوصاف کو مٹاتا ہے (محو) اور ان کے اوصاف کو برقرار رکھتا ہے (اثبات)

علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین

علم الیقین: علم الیقین اس علم کو کہتے ہیں جو غور و فکر کے طریقے اور استدلال سے حاصل کیا جائے اور عین الیقین وہ علم ہے جو بطریق کشف اور بفیض خداوندی سے۔ بندے کو حاصل ہو اور حق الیقین وہ علم ہے' جو کھنکناتی مٹی کی لوث سے آزاد ہونے کے بعد (جسم کے لوث سے آزادی کے بعد) وصال کے قاصد کی آمد پر بندۂ حق کو حاصل ہو۔

شیخ فارس ؒ فرماتے ہیں کہ علم الیقین میں اضطراب کا دخل نہیں ہے۔ (کسی قسم کی بے چینی اس میں نہیں ہوتی) اور عین الیقین ایسا علم ہے جس میں اللہ نے اپنے اسرار محفوظ رکھے اور اگر علم الیقین کی صفت سے خالی ہو جائے تو وہ پھر علم مشتبہ بن

جاتا ہے اور جب یقین اس میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ علم مشتبہ بے شک و شبہ علم بن جاتا ہے، حق یقین وہ ہے جسکی طرف علم یقین اور عین الیقین اشارہ کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت جنیدؒ بغدادی کا قول ہے کہ حق الیقین وہ ہے کہ انسان کو اس کے ذریعے سے تحقیق کی صورت میں حاصل ہو اور وہ غیبی خبروں کا اسی طرح مشاہدہ کرے جس طرح وہ اپنے آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ غیب کی خبر دے اور جو کچھ خبر دے وہ صدق پر مبنی ہے (یحکم علی الغیب فیخبر عنه بالصدق) جسطرح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرمؐ کے دریافت فرمانے پر خبر دی تھی جبکہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم اپنے عیال کیلئے کیا باقی چھوڑ آئے تو انہوں جواب میں ارشاد کیا کہ "اللہ اور اس کے رسول کو [1]

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ علم الیقین تفرقہ کی حالت کا نام ہے اور عین الیقین حال جمع ہے اور حق الیقین جمع الجمع بزبان توحید ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یقین کے متعدد درجات ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اسم، رسم، علم، عین و حق۔ ان میں سے اسم اور رسم تو عوام کے لئے ہیں۔ اور علم الیقین اولیاء اللہ کے لئے ہے اور عین الیقین خاص اولیاء کرام کے لئے ہے (ان اولیائے کرام کے لئے جو خواص شامل ہیں) اور حق الیقین انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے اور حق الیقین کی حقیقت ہمارے نبی اکرم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے (انبیاء علیہم السلام میں صرف آپ ہی کو حق الیقین کی حقیقت کا علم ہے)۔

وقت

وقت سے مراد کیفیت ہے جو بندے پر غالب ہے اور انسان پر سب سے زیادہ وقت ہی غالب ہوتا ہے جو اس کے حکم سے تلوار کی طرح رواں ہو کر اس کو کاٹتا ہے، وقت سے یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ وقت وہ چیز ہے جو انسان بغیر اس کے ارادے کے یکبارگی طاری ہو جائے اور پھر انسان اس کا تابع ہو جاتا ہے اور وقت اس کی ہر چیز پر متصرف ہو جاتا ہے چنانچہ اکثر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو وقت کا محکوم ہے یعنی اس سے مغلوب ہو کر حق کا تابع بن گیا ہے (فلاں بحکم الوقت یعنی ماخوذ عما منه بما للحق)۔

غیبت و شہود

شہود: شہود کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں مراقبہ کے ساتھ رہے، کسی وقت مراقبہ کے وصف کے ساتھ اور کبھی وصف مشاہدہ کے ساتھ رہے، پس جب تک بندۂ مومن شہود کے ساتھ موصوف ہوتا ہے یعنی شہود اس پر غالب رہتا ہے وہ حاضر رہتا ہے اور جب یہ حالت مراقبہ، مشاہدہ ختم ہو جاتی ہے تو وہ دائرہ حضوری سے نکل کر غائب ہو جاتا ہے! یہی

(۱) حبش عسرت یا غزوۂ تبوک کا مشہور واقعہ ہے، قارئین تفصیل کے لئے تاریخ اسلام ملاحظہ فرمائیں۔

ثابت ہے اور کبھی غیبت سے یہ بھی مراد ہوتی ہے کہ انسان دنیاوی اشیاء سے غائب ہو کر حق میں مشغول ہو جائے اگر اس مفہوم و پیش نظر رکھا جائے تو یہ مقام فنا کے مترادف ہو گا!

ذوق و شرب

ارباب تصوف ذوق سے مراد ایمان لیتے ہیں اور شرب سے مراد علم ہے اور زی سے مخصوص روحانی مراد ہے ذوق کا تعلق ارباب الهواره (ارباب ہدایت) سے ہے اور شرب کا واسطہ ارباب طوالع و لوائح سے ہے اور زی ارباب حال سے متعلق ہے' یہ تمام روحانی احوال برقرار رہتے ہیں اور جو برقرار نہ رہے وہ حال نہیں ہے بلکہ اس کو لوائح اور طوالع کہتے ہیں' بعض ارباب تصوف و مشائخ کا یہ خیال ہے کہ یہ روحانی حال بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ اگر ان کی کیفیت و نوعیت یکساں رہے تو وہ حال نہیں بلکہ مقام ہو گا!

محاضرہ' مکاشفہ اور مشاہدہ

محاضرہ ارباب تلوین کے لئے مخصوص ہے اور مشاہدہ ارباب تمکین اور مکاشفہ ان دونوں فریقوں میں مشترک ہے! یہ تمام الفاظ اصطلاحی قریب المعنی ہیں (ان کے معانی میں زیادہ اختلاف نہیں ہے) مشاہدہ اور محاضرہ اہل علم کے لئے ہے اور یہ مکاشفہ عین الیقین والوں کے لئے ہے اور مشاہدہ اہل حق کے لئے یعنی ارباب حق الیقین کے لئے مخصوص ہے!

طوارق و بوادی

طوارق و بواوی کے علاوہ بادہ' واقع' قادح' طوالع' لوامع و لوائح یہ سب قریب المعنی الفاظ ہیں اور ان تمام الفاظ کے معنی واحد ہیں لہٰذا ہر ایک اصطلاح کی تشریح سے کوئی فائدہ نہیں ہے' ان تمام اسماء یا مصطلحات کے معنی مبادی حال اور اس کے مقدمات ہیں یعنی یہ حال کا پیش خیمہ ہیں' حال جب صحیح ہوتا ہے تو وہ ان تمام الفاظ کے مفہوم کو احاطہ کر لیتا ہے اور ان کے معانی کا بھی!

تلوین و تمکین

تلوین: تلوین [1] ارباب قلوب کے لئے ہے کیونکہ وہ دلوں کے پردوں کے تحت ہوتے ہیں اور قلوب صفات کی طرف

---

(1) تلوین کے لغوی معنی ہیں: گوناگوں بنانا' رنگ برنگ کرنا۔

بھاگتے ہیں اور صفات میں متعدد جہات پائی جاتی ہیں پس ارباب قلوب کے لئے صفات کے تعدد کے لحاظ سے تلوینات ہوتی ہیں کیونکہ قلوب اور ارباب قلوب عالم صفات کے دائرے سے باہر نہیں ہیں (اس لئے یہ صفات تلوینات بن کر ان پر نمودار ہوتی ہیں)۔

تمکین: ارباب تمکین، ارباب تلوین کی طرح نہیں بلکہ وہ روحانی احوال کے پردوں سے نکل چکے ہیں اور انہوں نے حجابات قلوب کو چاک کر ڈالا اور ان کی ارواح میں انوار ذات کی تجلیات سما چکی ہیں اس لئے تلوین کی کیفیت ان سے زائل ہو چکی ہے اس لئے ذات باری تعالیٰ حوادث اور تغیرات کے حلول سے پاک اور منزہ ہے بنابریں وہ لوگ جو مواطن قرب میں تجلی ذات سے گزر کر پہنچ گئے ہیں ان سے تلوین کو اٹھالیا جاتا ہے لیکن تلوین اب بھی ان کے نفوس میں ہوتی ہے کیونکہ قلوب تو طہارت و قدس کے مقام پر پہنچ گئے ہیں (فالتلوین مینئذ یکون فی نفوسھم لانھا فی قلوب لموضع طھارتھا وقدسھا) اور نفوس میں تلوین کی موجودگی صاحب تمکین کو حالت تمکین سے خارج نہیں کرتی (وہ اسی طرح حالت تمکین میں رہتا ہے) اس لئے کہ نفس انسان میں تلوین کا جاری رہنا رسم انسانیت کی بقا کی ایک ضرورت ہے۔ عالم تمکین میں قدم کا مطلب یہ ہے کہ صاحب تمکین پر حقیقت کا کشف ہو جائے۔ اس (ثبوت القدم) کے یہ معنی مراد نہیں لینا چاہئے کہ اب بندہ (صاحب تمکین) میں تغیر برپا نہیں ہو گا ایسا خیال کرنا غلط ہے کہ وہ بہرحال بشر ہے بلکہ ثبوت القدم کا مقصد یہ ہے کہ صاحب تمکین پر جو حقیقت منکشف ہوتی ہے وہ پھر کبھی ابد تک اس سے پوشیدہ نہیں ہوتی! اور نہ اس میں نقص و کمی ہوتی ہے بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اس کے برعکس اہل تلوین کے یہاں جب صفات نفس کا ظہور ہوتا ہے تو اس شے میں کمی واقع ہوتی ہے اور بعض احوال میں حقیقت بھی اس سے پوشیدہ ہو جاتی ہے ہرچند کہ وہ مرکز ایمان پر قائم رہتا ہے (اس کو مستقر ایمان ثبات حاصل ہوتا ہے) اور اب اس کی تلوین زوائد احوال بن جاتی ہے۔

نفس

نفس: نفس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نفس منتہی کے لئے ہے اور وقت مبتدی کے لئے اور حال متوسط کے لئے ہے" گویا ارباب تصوف یہ کہتے ہیں کہ اور اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مبتدی کو روحانی واردات میسر آتی ہیں لیکن وہ مستقل نہیں رہتیں اور متوسط ایک ایسا صاحب ہے جس پر حال غالب رہتا ہے اور منتہی صاحب نفس ہے جو حال پر متمکن ہے اور اس کے ساتھ یہ نہیں ہوتا کہ اس کا حال کبھی غائب ہو جائے اور کبھی موجود ہو' بلکہ یہ وجدانی کیفیت اور احوال اس کے انفاس میں شامل ہو کر مقیم بن جاتے ہیں اور اس میں تغیر و تبدیلی نہیں ہوتی یا بار بار نہیں آتا جاتا۔ بہرحال یہ سب ارباب تصرف کے

روحانی احوال ہیں جو ان پر طاری اور وارد ہوتے رہتے ہیں اور ان کے لئے ان میں ذوق و خوف ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے فائدہ پہنچائے۔ (آمین)

---

(1) قارئین کرام عوارف المعارف کا یہ باب 62 مصطلحات کے عنوان سے معنون ہے جیسا کہ صاحب عوارف المعارفؒ نے اپنے دیباچے میں پیش کردہ ابواب کی صراحت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں الباب الثانی والستون۔ فی شرح کلمات' اصطلاح الصوفیہ مشیرہ "الی الاحوال"۔ ص 10 عوارف المعارف مطبوعہ بیروت یہ تمام مصطلحات صوفیہ باب 62 میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ' نے اس باب کی ابتداء میں اصطلاح کے سلسلے میں کافی وضاحت فرما دی ہے۔ آپ نے ان اصطلاحات کی ابتداء "الجمع و التفرقہ" سے فرمائی ہے اور اس باب کا اختتام اصطلاح حفس پر فرمایا ہے۔

یہ صراحت اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ مصطلحات "اصطلاحات" کا ترجمہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی تشریح کر دی جاتی ہے اور تشریح ان معانی و مفاہیم پر مشتمل ہے جن کے لئے وہ اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ پس ان تمام اصطلاحات کو عنوان میں "بعینہ" پیش کیا گیا ہے۔ ان کا ترجمہ کرنا ایک زبردست غلطی ہوتی۔ مصنف علام نے ہر اصطلاح کی جو تشریح کی ہے اور اس کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے اور اصطلاح کو اس کی اصل صورت میں زیب عنوان کیا گیا ہے۔ (مترجم)

باب:63

بدایات ونہایات ارباب تصوف

صوفیہ کے ابتدائی اور انتہائی مراحل اور ان کا صحیح حل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

"انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی' فمن کانت ھجرتہ' الی اللّٰہ ورسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ ومن کانت الی دنیا یصیبھا اوالی امراۃ ینکحھا فھجرتہ' الی ماھاجر الیہ"

"یعنی حقیقت میں تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے' ہر شخص جیسی نیت کرتا ہے ویسا ہی اس کو پھل (اجر) ملتا ہے' اگر اس کی ہجرت کی نیت' اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہو گی اور اگر کسی ہجرت کی نیت حصول دنیا یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہو گی تو اس کی ہجرت اسی مقصد و مطلب کے لئے ہو گی جس ارادے سے اس نے ہجرت کی ہے۔"

عمل کا آغاز نیت سے ہے:

نیت ہی سے عمل کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے' اس لئے مرید کے لئے ابتدائے امر سلوک) میں یہ بات بہت اہم ہے کہ جب وہ طریق صوفیہ میں داخل ہو تو وہ ان کے جیسا لباس پہنے اور اللہ تعالیٰ کی کے حصول کے لئے ان کے صحبت میں بیٹھے اور جب ان کے طریقے (راہ سلوک) میں داخل ہو گا تو یہ اس کے حال کی ہجرت ہو گی' جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "المھاجر من ھجر مانہاہ اللّٰہ عنہ" "یعنی مہاجر وہ ہے جو ال ترک کردے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے)۔ قرآن کریم میں ارشاد کیا گیا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مهَاجِراً اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ، فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ○

"اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ اور رسول کی ہجرت کرتا پھر نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا۔"

(پ 5) سورۃ النساء)

پس مرید کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ کے لئے صوفیائے کرام کے راستے پر قدم اٹھائے اگر وہ زندگی میں حضرات صوفیہ کی آخری منزل تک پہنچ گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس نے ان حضرات کے ساتھ رہ کر اپنی منزل پالی اور اگر حصول مقصود سے پہلے موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ بہرحال جس کا آغاز مستحکم ہے اس کا انجام بھی اتم اور مستحکم ہے۔

ابتدائی خرابی برائیوں کی بنیاد ہے:

شیخ جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ "علائق اور مشکلات ابتدا کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں' پس مرید کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ روحانیت کے راستے پر چلنے کا آغاز کرے تو نیت کو پختہ کرلے' نیت کی یہ پختگی نفسانی خواہشات سے پاک کر دیتی ہے اور نفس کے ایسے حظوظ کو جو فنا ہو جانے والے ہیں ترک کرنے سے اس کا یہ خروج خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے۔

شیخ سالمؒ بن عبداللہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو تحریر کیا "اے عمرؒ! یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بندہ کی نیت کے مطابق ہوتی ہے اگر بندے کی نیت کامل ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہوتی ہے اور اگر نیت میں قصور و کوتاہی ہے (ناتمام و ناقص ہے) تو اس کی مدد بھی اسی قدر نامکمل ہو گی۔"

ایک بزرگ نے اپنے بھائی کو ایک دفعہ تحریر کیا "اگر تم اعمال میں اپنی نیت خالص رکھو گے (خلوص کے ساتھ اعمال ہوں گے) تو تھوڑا سا عمل بھی تمہارے لئے کافی ہو گا اور اگر کوئی بذات خود نیک نیتی پر عمل پیرا نہ ہو سکے تو اس کو چاہئے کہ ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے جو اس کو حسن نیت سکھا دے۔

شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں "شیخ اپنے مرید کو سب سے پہلا حکم جو دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حرکات مذمومہ سے بیزاری کا اعلان کرے اور حرکات محمودہ کو اپنائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے کاموں (عبادت) کے لئے خود کو وقف کر دے! اس کے بعد ہدایت کے راستے پر گامزن ہو کر ثابت قدمی دکھائے پھر علی الترتیب بیان' قرب' مناجات' مصافات' سوالات کے منازل طے کرے' ان کے طے کرنے میں تسلیم و رضا اس کا مقصد رہے اور تفویض و توکل اس کا حال بنا رہے' ان مقامات کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی معرفت سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کا مقام ان لوگوں کے مقام کے مانند ہو گا جو اپنی قوت اور قدرت سے دستبردار ہو گئے ہیں (مقام متبرئین) یہ مقام حاملین عرش کا ہے اور اس کے بعد کوئی مقام نہیں ہے شیخ سہل تستریؒ نے اس کلام میں سلوک کی ابتداء اور انتہاء دونوں کو نہایت اختصار کے ساتھ) جمع کر دیا ہے۔

رجل طریقت:

جب مرید صدق و اخلاص کو اپنا لیتا ہے تو اس وقت وہ رجل طریقت و روحانیت (روحانیت کا مرد) بن جاتا ہے اس کے اس صدق و اخلاص کی حقیقت اس طرح ظاہر ہو سکتی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ امر شرع کی اتباع کرتا ہے یا نہیں اور مخلوق سے اس نے قطع تعلق کیا ہے یا نہیں' اس لئے کہ ابتدائے حال میں مبتدی مریدوں پر جو آفات و مشکلات نازل ہوتی ہیں

ان سب کی جڑ یہی ہے کہ اس کی نگاہیں مخلوق کی طرف لگی ہیں (ان سے قطع تعلق نہیں کیا ہے)
رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے:

لایکمل ایمان المراء حتی یکون الناس عنده کالا عرثم یرجع الی نفسه فیواها اصغر صاغر

"ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نزدیک عوام بکری کے مینگنیوں کی طرح (بے حقیقت) نہ ہو جائیں اس کے بعد جب وہ اپنے نفس کو دیکھے تو اس کو کمترین سے بھی کمتر دیکھے!"

اس ارشاد گرامی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ مخلوق سے انسان کو قطع تعلق کرنا چاہئے اور ان کی عادات کی پابندی کو ترک کر دیا جائے! شیخ احمد بن خضرویہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کے ساتھ رہے اس کو چاہئے کہ صدق کو اپنالے" کہ اللہ تعالیٰ صادقین کے ساتھ ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "الصدق یهدی الی البر" صدق نیکی کا راستہ دکھاتا ہے) پس مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال و جاہ کو ترک کر دے اور مخلوق سے اس وقت تک قطع تعلق رکھے جب تک اس کی بنیاد (طریقت) مستحکم و مضبوط نہ ہو جائے اور وہ خواہشات کے وقائق اور نفس کی پوشیدہ خواہشوں سے آگاہی حاصل نہ کر لے۔

معرفت نفس:

مرید کے لئے سب سے زیادہ مفید "معرفت نفس" یعنی خود شناسی ہے اور جس کو دنیا کی فضول باتوں اور حاجتوں کی طرف رغبت ہے یا نفسانی خواہشات کا کچھ حصہ باقی ہے اور وہ معرفت نفس کا واجبی حق ادا نہیں کر سکتا۔ شیخ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں "دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے تم کمال حاصل کر سکتے ہو وہ یہ ہیں کہ تم نہ صبح کو معصیت کا خیال کرو اور نہ شام کو تم گناہ سے متہم ہو (یعنی صبح و شام تم سے معصیت سرزد نہ ہو)۔

جب مرید کا زہد و تقویٰ مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے نفس سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے اور جو پردے خود شناسی پر پڑے تھے ان سے نکل آتا ہے اور وہ اس کی حرکات سے، اس کی پوشیدہ خواہشوں، مکاریوں اور فریب کاریوں سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے، بہر نوع جو صدق کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے "عروة الوثقیٰ" ایک مضبوط سہارا بن جاتا ہے۔

شیخ ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی زمین پر ایک تلوار ہے جو جس چیز پر پڑتی ہے اس کو کاٹ دیتی ہے اور وہ تلوار "صدق کی تلوار" ہے۔

صدق کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا، اس کو ایک ملکہ نے ورغلایا اور اپنی خواہش نفس اس سے پوری کرنی چاہی۔ عابد نے کہا کہ ایک خالی مقام پر میرے لئے پانی رکھوا دو تاکہ میں غسل کر لوں، چنانچہ اس ترکیب سے وہ ایک اونچی جگہ پر چڑھا اور وہاں سے اس نے اپنے آپ کو گرا دیا۔ اسی دم اللہ تعالیٰ نے فرشتہ باد کو حکم دیا کہ میرے بندے کو فضا میں تھام لے، فرشتے نے حکم الہی کے بموجب اس کو فضا میں روک لیا اور زمین پر لا کر رکھ دیا، اس موقع

پر ابلیس سے کہا گیا کہ تم نے اس بندے کو کیوں نہیں بہکایا؟ شیطان نے جواب دیا میرا اس شخص پر قابو نہیں چلتا جو اپنی خواہشوں کے خلاف چلتا ہے اور اللہ کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔

مرید کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ہر کام میں اللہ کے لئے نیت کرے (کہ میں یہ کام خالصاللہ کر رہا ہوں) یہاں تک کہ اپنے کھانے' پینے اور پہننے تک میں اس کا التزام رکھے' پہنے تو اللہ کے لئے' کھائے تو اللہ کے لئے کھائے......... پیئے تو اللہ کے لئے پیئے! سوئے تو اللہ کے لئے سوئے۔ (یعنی اس کا کھانا' پینا' پہننا اور سونا سب کچھ اللہ کے لئے ہو) چونکہ مذکورہ تمام افعال نفس کی راحت کے لئے ہیں لہٰذا اگر ان کاموں میں "اللہ کے لئے" کی نیت رکھے تو اس صورت میں نفس معصیت سے محفوظ رہتا ہے بلکہ مخلصانہ کاموں اور اللہ کے کاموں میں وہ تعاون کرتا ہے۔ اگر نفس کو رعایت اور ڈھیل دے دی جائے اور نت غیر صالحہ اور "لغیر اللہ"! وہ کام کیا جائے تو وہ کام اس پر وبال بن جاتا ہے جیسا کہ خبر میں وارد ہے کہ:

مَنْ تطيب لِلّٰهِ تعَالٰى جاء يوم القيامَةِ وَريحه اطيب مِن المِسْكِ الاذفر' وَمَن تطيب بغير اللّٰه عَزوجَلّ جَاء يوم القيامَة وريحه انتن من الجِيْفة ○

"جس نے اللہ تعالٰی کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک اذفر سے زیادہ اچھی ہو گی اور جس نے غیر اللہ کے لئے خوشبو لگائی یعنی اللہ کے سوا دوسرے کے لئے خوشبو لگائی تو قیامت کے دن اس کی بدبو مردار سے بھی زیادہ ہو گی۔"

یہ روایت منقول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو مشک سے معطر کر دو کیونکہ ثابتؒ مجھ سے مصافحہ کرتا ہے اور میرے ہاتھوں کو چومتا ہے' مقربین بارگاہ الٰہی نماز کے لئے اچھا اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے' اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس طرح وہ اللہ کا قرب حاصل کریں۔

احوال و اعمال کا جائزہ:

پس مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے احوال' اعمال اور اقوال کا جائزہ لے اور یہ خیال رکھے کہ اس کا نفس اللہ تعالٰی سے الگ رہ کر کوئی حرکت نہ کرے یا کوئی کلمہ نہ کہے۔ ہم نے اپنے شیخ محترم کے ایک ساتھی کو دیکھا کہ وہ ہر لقمہ پر نیت کیا کرتے تھے اور اپنی زبان سے بھی یہ جملہ ادا کرتے تھے (اكل هذه اللقمة للّٰه تعالٰى) (میں یہ لقمہ اللہ تعالٰی کے لئے کھا رہا ہوں) یہ خیال رہے کہ جب تک نیت دل میں موجود نہیں ہوتی اس وقت تک قول سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا (نیت دل سے ہے' دلی نیت کے بغیر قول نیت بیکار ہے) اس لئے کہ عمل قلب کا نام نیت ہے۔ زبان تو صرف اس کی ترجمان ہے۔ پس جب تک اللہ کے لئے عزیمت قلب نہ ہو نیت نہیں ہو سکتی!

ایک عجیب ماجرا:

ایک بزرگ نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ کنگھا لاؤ! یہ بزرگ اپنے بالوں کو صاف کرنا (سلجھانا) چاہتے تھے' ان کی بیوی

نے کہا: کیا کنگھے کے ساتھ آئینہ بھی لاؤں؟ یہ بزرگ خاموش رہے پھر انہوں نے بیوی سے کہا کہ "لے آؤ" ایک دوسرے صاحب نے یہ سن کر ان بزرگ سے کہا کہ پہلے تو تم نے آئینہ کے بارے میں توقف کیا اور پھر اس کو منگالیا! ایسا کیوں کیا؟ ان بزرگ نے فرمایا میں نے نیت کر کے بیوی سے کنگھا لانے کے لئے کہا تھا (کنگھا نیت کر کے منگایا تھا) اور بیوی نے اس میں آئینہ بھی شامل کر دیا اور میں نے آئینہ کے لئے نیت نہیں کی تھی' اس لئے میں نے توقف کیا' اس وقفہ میں اللہ تعالیٰ نے (آئینہ کے لئے) نیت کرا دی' تب میں نے ہاں کہا۔

ہر وہ مبتدی سالک جس نے اپنے ابتدائے حال میں دوستوں اور یگانوں کو چھوڑ کر اپنی بنیاد مضبوط و استوار نہیں کرلی اور وحدت (تنہا نشینی) کا عادی نہیں بنایا اس نے اپنی ابتداء اچھی نہیں کی (اس کے آغاز کار میں خامی رہ گئی) اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ دوستوں کی کثرت قلت صدق کی دلیل ہے (جس کے دوست زیادہ ہیں اس میں صدق کم ہے) مبتدی کے لئے خاموش رہنا بھی بہت مفید ہے تاکہ دوسروں کی باتیں اس کے سننے میں نہ آئیں' کیونکہ مختلف اقوال سن کر باطن کے متاثر اور متغیر ہونے کا قوی امکان ہے!

زہد و تقویٰ کمال انسانی ہے:

جو شخص زہد و تقویٰ اور حقائق تقویٰ کے تمسک و حصول کو کمال نہیں سمجھتا اسے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب معرفت حاصل نہیں ہوئی تو اس پر بھلائی کا دروازہ بھی نہیں کھلے گا مبتدیوں کے قلوب موم کی طرح ہیں جو ہر نقش کو قبول کر لیتا ہے' اگر ایسا ہوتا ہے کہ مبتدی کا لوگوں کو دیکھنا بھی اس لئے مضر ہوتا ہے' اسی طرح فضول دیکھنا' بے مقصد چلتا پھرنا تو اور بھی مضرت رساں ہے اس کو یہاں تک احتیاط کرنی چاہئے کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے اس کی نگاہ صرف اسی راستہ ہی پر رہے دائیں بائیں نہ دیکھے' اس کے بعد اس کو چاہئے کہ لوگوں کی نگاہوں اور ان کے احساسات واقفیت سے بھی بچتا رہے یعنی لوگوں کو اس کے اس کردار کا علم نہ ہو اگر ان کو علم ہو گیا تو یہ اس فعل سے بھی زیادہ مضرت رساں ہے!

بیکار چلنے پھرنے کو بھی بے مقصد نہ سمجھے اس لئے کہ قول' نظر' سماعت کے عمل اگر ضرورت کی وجہ سے بڑھ جائیں تو وہ فضول و عبث خیال کئے جاتے ہیں اور اس سے روحانی اصول ضائع ہو جاتے ہیں۔ شیخ سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ لوگ اصول کو کھو کر وصول سے محروم ہو جاتے ہیں! جو شخص قول و فعل میں حد ضرورت کا لحاظ نہیں رکھتا وہ کھانے پینے اور سونے میں بھی ضرورت کی حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور جب کوئی ضرورت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو ایسے صاحب احتیاج کے عزائم قلبی متزلزل ہو کر یکے بعد دیگرے ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا ارشاد ہے "من لم یعبد اللّٰہ اختیارا یعبد الخلق اضطرار" "یعنی جو اللہ تعالیٰ کی بندگی' مرضی اور اختیار سے نہیں کرتا (بجبر و اکراہ کرتا ہے) تو وہ مجبور ہو کر خلق خدا کی بندگی کرتا ہے! اس طرح اس بندے پر رخصت اور آسانی کے بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوسرے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔

دنیا سے پرہیز:

سالک مبتدی کو اس بات سے بھی گریز کرنا چاہئے کہ وہ کسی دنیا دار سے تعلق رکھے' دنیا داروں سے تعلق رکھنا ان کے حق میں سم قاتل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے!

الدنیا مبغوضة الله فمن تمسك بحبل منها قادته' الی النار O

"دنیا اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ ہے جو اس کی ایک رسی کو بھی پکڑ لے تو وہ اس کو دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔"

وہ رسیاں کون سی ہیں' یہی رشتہ دار' طالب دنیا اور اس سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ لہٰذا جو ان میں سے کسی سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔

بعض فقراء کی ہمنشینی کی ممانعت:

سالک مبتدی کو ان فقراء کی ہم نشینی سے بھی احتراز کرنا چاہئے جو ان کو شب بیداری (عبادت شبانہ) اور ان کے روزوں کے لئے تاکید نہ کریں ایسے درویشوں کی صحت سے ان میں ایسے بداثرات نفوذ کر جاتے ہیں جو دنیاداروں کی صحبت سے بھی نفوذ نہیں کرتے' ایسے درویش اور فقراء ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ اعمال میں مشغولیت عابدوں کا مشغلہ ہے اور ارباب حال اس سے بالاتر ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ درویش کو فرائض ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا کافی ہے' مبتدی مرید کو چاہئے کہ ایسے کلام پر بالکل توجہ ہی نہیں دینا چاہئے (ایسا کلام سننا ہی نہیں چاہئے) کیونکہ ہم ایسی باتوں کا تجربہ رکھتے ہیں اور متعدد بار ہم نے اس کو آزمایا بھی ہے اور ایسے فقراء اور صالحین کی صحبت میں بیٹھے بھی ہیں اور ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں اور نوافل وغیرہ کو چھوڑ کر صرف فرائض کی ادائیگی کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کے کاموں میں کوتاہی واقع ہوتی ہے حالانکہ ان کے احوال خاصے درست ہوتے ہیں۔

مبتدی کالائحہ عمل:

پس طالب کو چاہئے کہ وہ تمام فرائض اور نوافل (فریضته و فضیلة) کی پابندی کرے تاکہ ابتدا ہی میں اس کے قدم مضبوطی سے (اس راہ پر) قائم ہو جائیں بلکہ اس کو یوم جمعہ کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے اور اس دن کو اللہ کے لئے مخصوص کردے اور ذاتی کاموں کو پس پشت میں ڈال دے' جمعہ کا غسل کر کے سورج نکلنے سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ جائے' مگر بہتر یہ ہے کہ جمعہ کا غسل نماز جمعہ کے وقت سے قریب کرے تو یہ زیادہ اچھا ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے ابو ہریرہ! جمعہ کے لئے غسل کرو خواہ تم کو رات کے کھانے کے عوض پانی خریدنا پڑے' کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لئے غسل کرنے کا حکم نہ دیا ہو' کیونکہ جمعہ کا غسل دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (دو جمعوں کے مابین ایام کا کفارہ ہے) مسجد میں (قبل نماز جمعہ) پہنچ کر نماز' تضرع و زاری' دعا' تلاوت اور نوع بہ نوع اذکار میں لگاتار مصروف رہے اینکہ جمعہ کی نماز کا وقت آجائے' نماز جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں ہی معتکف رہے یہاں تک کہ نماز عصر وہاں ادا کرے اور دن کا جو حصہ باقی رہے اس کو تسبیح و استغفار اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے میں صرف

کرے! اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پورا ہفتہ مبارکی کے ساتھ گزرے گا اور آئندہ جمعہ کو بھی اس ذکر و اذکار کے فیضان کا مشاہدہ کرے گا۔

جمعہ کا اہتمام:

صالحین میں سے ایک صاحب اپنے روحانی احوال' اقوال و افعال کو پورے ہفتہ صرف جمعہ کے لئے ترتیب دیتے رہتے تھے کہ جمعہ تمام صالحین کے لئے یوم المزید (اضافہ اور ترقی کا دن) ہے اور جمعہ کے روز جو کچھ حاصل ہوتا ہے (از قسم ترقی و کشادگی مال و مرتبہ) وہ ایک معیار بن جاتا ہے جس سے بندۂ حق اپنے گزشتہ ہفتے کے کاموں کا اندازہ لگالیتا ہے اگر وہ ہفتہ سلامتی کے ساتھ گزر جائے (اور کسی قسم کی کوتاہی اوراد ذکر میں واقع نہ ہو) تو پھر اس کے لئے جمعہ کا دن مزید انوار و برکات کا دن بن جاتا ہے اور اگر اس ہفتہ سابقہ کو کھو دیا ہے اور ضائع کر دیا ہے تو جمعہ کے دن طبیعت پر مایوسی اور ظلمت چھائی رہتی ہے اور انشراح قلب میں کمی آجاتی ہے۔

لباس کا طریقہ:

اس بات سے قطعی گزیر کیا جائے کہ لباس محض دکھاوے کے لئے پہنا جائے' لباس نہ تو بہت اونچا ہونا چاہئے جیسا کہ زاہدان خشک کا لباس ہوتا ہے (سخت گیر اور سخت طبع زاہد لباس میں جس قسم کی احتیاط کرتے ہیں ایسی احتیاط صوفیہ کو نہیں کرنا چاہئے) اماالمر تفع من ثیاب او ثیاب المنقشقین لیری لعین زھد) کہ لوگ دیکھتے ہی زاہد سمجھنے لگیں علاوہ ازیں اونچا لباس پہننے میں خواہشات نفسانی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح موٹے اور کھردرے کپڑے کے لباس سے ریا ظاہر ہوتا ہے پس جو لباس بھی زیب تن کیا جائے وہ محض اللہ کے لئے ہو (نہ اظہار زہد کے لئے نہ ریا اور دکھاوے کے لئے)۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک دن الٹی قمیص پہن لی اور انہیں اس کا کوئی پتہ نہیں چلا' یہاں تک کہ دن نکل آیا' کسی شخص نے انہیں اس بات پر ٹوکا پہلے تو انہوں نے خیال کیا کہ اس کو اتار کر رخ بدل کر پہن لیں (سیدھی کر کے پہن لیں) لیکن پھر وہ رک گئے اور کہا کہ میں نے یہ قمیص اللہ کی نیت سے پہنی تھی للذا اس میں اس کو لوگوں کے خیال سے نہیں پلٹوں گا پس طالب حق کو ایسی باتوں کا بھی لحاظ و پاس رکھنا چاہئے۔

تلاوت قرآن:

مبتدی سالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تلاوت قرآن کرے اور قرآن پاک کو حفظ بھی کرے' حفظ قرآن کا آغاز منزل سے کرے اور اس منزل کو پورا حفظ کرے' جہاں تک ممکن ہو اس میں سے حفظ کرے (یعنی کم و بیش ایک منزل سے حفظ قرآن کا آغاز کر دے) اور اس شخص کے قول پر توجہ نہ کرے جو یہ کہتا ہے کہ ذکر واحد کا پابندی یا دوامی طور پر ورد کرنا

قرآن پاک کی تلاوت سے افضل ہے! بندۂ حق (مبتدی سالک) تلاوت قرآن ہی سے خواہ وہ نماز میں ہو یا خارج نماز ہو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ سب کچھ پا سکتا ہے جس کا وہ متمنی ہے۔

بعض مشائخ کا یہ دستور ہے کہ انہوں نے مریدوں کے لئے صرف ایک ذکر پسند کیا ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ مرید میں یکسوئی جمعیت خاطر پیدا ہو جائے۔ تاہم اگر کوئی مبتدی سالک خلوت نشین ہو کر تلاوت قرآن کریم پابندی سے کرے اور نماز ادا کرے تو یہ اس کے لئے ایک ذکر کی پابندی سے بہتر ہے' اگر کسی وقت وہ تلاوت سے تھک جائے تو تلاوت کے بجائے ذکر کو اختیار کر سکتا ہے اس لئے کہ ذکر تلاوت کے مقابلہ میں نفس کے لئے زیادہ آسان اور سبکبار ہے' اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کہ ہر چیز کے لئے قلب کی اہمیت ہے اس لئے ہر عمل میں خواہ وہ تلاوت ہو یا نماز ہو یا ذکر ہو' زبان اور قلب میں ہم آہنگی اور تطابق ہونا چاہئے اگر دل و زبان کی یہ ہم آہنگی موجود نہیں ہے تو عمل' ناقابل اعتبار اور ناقص ہے۔

مبتدی سالک کو چاہئے کہ وہ وسوسوں اور حدیث نفس کو حقیر نہ سمجھے' ان کو حقیر سمجھنا بہت ہی مضر اور ایک خطرناک بیماری ہے اس کو چاہئے کہ حدیث نفس کے بجائے قرآن حکیم کے معانی اس کے دل میں سرایت کر جائیں یعنی جس طرح زبان جب تلاوت میں مشغول ہوتی ہے تو کوئی دوسری بات اس میں سے ادا نہیں ہو سکتی اسی طرح جب قرآن کریم کے معنی قلب میں سما جائیں گے تو پھر حدیث نفس کے سمانے کی گنجائش نہیں ہو سکے گی!

غیر عرب مبتدی:

اگر مبتدی سالک غیر عرب ہے اور معنی قرآن کریم سے آگاہ نہیں ہے تو اس کو باطنی مراقبہ اختیار کرنا چاہئے اور اس کا باطن حدیث نفس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اس خیال میں مستغرق رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھ رہا ہے' اگر اس چیز پر مبتدی مزادات کرے اور دوامی طور پر اختیار کرے تو اس تصور کی بدولت "ارباب مشاہدہ" میں سے ہو جائے گا۔

دوامی نیاز موجب خیر و برکت ہے:

حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ صدیقین کے دل جب قرآن مجید سنتے ہیں تو ان میں آخرت کے لئے خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے' اگر مرید اس اصول کو اپنائے اور اس پر قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کا نیازمند بن کر ہمیشہ اس سے مدد کا طالب رہے تو اس میں ثبات قدم پیدا ہو جائے گا۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ کہتے ہیں کہ بندہ حق' اللہ تعالیٰ سے جس قدر التجاء اور افتقاد کا اظہار کرتا ہے اسی قدر وہ آزمائشوں اور بلاؤں سے واقف اور آگاہ ہوتا ہے اور جس قدر اس کو آزمائشوں اور بلاؤں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس کی نیازمندی میں اضافہ ہوتا ہے' اس لئے دوامی نیازمندی خیر و برکت کی بنیاد ہے اور طریقت کے ہر دقیق علم کی کلید ہے یہ افتقار و نیازمندی ہر سانس کے ساتھ رہنا چاہئے کسی حرکت میں بھی اس کو الگ نہیں ہونا چاہئے اور کوئی کلمہ بغیر نیاز الٰہی کے زبان سے ادا نہیں ہونا چاہئے' وہ حرکات اور کلمات جن میں یہ افتقار الی اللہ موجود نہیں ہے ان میں

خیر کی قطعاً امید نہیں رکھنا چاہئے یہ بات ہم تحقیق کر چکے ہیں اور آزما چکے ہیں!

شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں جس کا کوئی سانس بھی بغیر ذکر کے باہر نکلا اس نے اپنے حال کو ضائع کر دیا اور اس کی اس تباہ حالی کی معمولی سی نشانی یہ ہے کہ وہ بامقصد کو ترک کر کے فضول ولایعنی باتوں میں مشغول رہے۔

جناب حسان بن سنانؒ کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ایک روز وہ کہنے لگے "یہ گھر کس کا ہے؟" پھر کچھ دیر بعد جب ان کو ہوش ایا تو وہ کہنے لگے کہ میں یہ سوال کیوں کر رہا ہوں؟ کیا یہ بات جو میری زبان سے نکلی فضول گوئی نہیں ہے اور اس کا باعث غلبہ نفس اور کوتاہیٔ ادب ہے! اس کے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ اس فضول گوئی کے کفارہ میں ایک سال تک روزے رکھیں گے! حقیقت میں بزرگان کرام اسی صدق کے ذریعہ ان مقامات تک پہنچے جہاں پہنچنا تھا اور اپنے عزائم کی قوت سے! مردانہ عزائم سے! جہاں متمکن ہونا تھا وہاں متمکن ہو گئے۔

شیخ جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے (جو ابو عمرو الاغاطیؒ سے مروی ہے) کہ ایک صادق اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ہزار سال تک متوجہ رہے اور پھر ایک لحظہ کے لئے اس سے غافل ہو جائے تو اس کا نقصان (ایک ہزار سال کے) فائدے سے زیادہ ہو گا (جو اس نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے) یہ جملہ ایسا ہے جو مبتدی سالک کے ذہن میں محفوظ رہنا چاہئے، منتہی سالک اس نکتہ کے حقائق سے واقف اور آگاہ ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے، اس لئے اگر مبتدی صادق ہے تو منتہی صدیق ہے۔

صادق اور صدیق کا فرق:

شیخ ابو سعید القرشیؒ فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے جس کا ظاہر درست ہو اور اس کا باطن کبھی کبھار خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہو جاتا ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی بعض طاعتوں اور بندگیوں میں حلاوت محسوس کرے اور بعض اوراد واذکار اور بندگیوں میں اس حلاوت کو محسوس نہ کرے، علاوہ ازیں جب وہ ذکر میں مشغول ہو تو اس کی روح منور ہو جائے اور جب خواہشات نفسانی کی طرف میلان ہو تو ان اذکار کا خیال مٹ جائے (دل سے خیال جاتا رہے)۔

صدیق وہ ہے جس کا ظاہر باطن دونوں درست ہیں اور وہ احوال تلوین (رنگارنگی) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ اس کو کھانا، پینا اور سونا، اذکار الٰہی سے نہ روک سکیں، (یہ چیزیں ذکر الٰہی میں مانع نہ ہوں) صدیق اپنا نفس اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیتا ہے (والصدیق یریہ نفسہ للّٰہ) صدیقت نبوت کے درجے سے قریب ترین ہے۔ (واقرب الحوال الی النبوة الصدیقیة) جیسا کہ شیخ ابو یزیدؒ کا ارشاد ہے۔

اخر نہایات الصدیقین اول درجة الانبیاء "صدیقین کا مرتبہ کمال یا منتہائے کمال، پیغمبروں کا اولین درجہ ہے۔"

یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ جو ارباب النہایات ہیں (وہ سالکان طریقت جو منتہائے کمال کو پہنچ چکے ہیں) ان کا ظاہر و باطن دونوں درست ہوتے ہیں اور ان کی ارواح نفس کی تاریکیوں سے آزاد ہو کر بساط قرب پہ پہنچ جاتی ہیں۔ ان کے نفوس

مطیع و منقاد اور صالح بن جاتے ہیں اور ان کے قلوب ان کو طلب کرتے ہیں وہ دل کی آواز پر لبیک کہتے ہیں (جواب دیتے ہیں) ان کی ارواح کا تعلق مقام اعلیٰ سے ہوتا ہے' ان میں خواہشات کی آگ بجھ جاتی ہے اور ان کے بطون (بواطن) علم صریح سے معمور ہو جاتے ہیں اور آخرت ان پر منکشف ہو جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا۔

"من ارادان ينظر الى ميت يمشى على وجه الارض فلينظر الحابى بكر" "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ روئے زمین پر میت کو چلتا پھرتا دیکھے وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے (کہ وہ زمین پر ایک چلتی پھرتی میت ہیں)۔"

اس ارشاد نبوی ﷺ میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہ روحانی علم حاصل ہو چکا تھا جو عام مومنین کو مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ (پ: 26' سورة: ق) "ہم نے تم سے تمہارے پردے کو مٹا دیا ہے کیونکہ آج کے دن تمہاری نظر لوہے کی طرح (تیز) ہے۔"

پس جو ارباب نہایات ہیں ان کی خواہشیں مردہ ہیں اور ان کی ارواح آزاد ہیں (فارباب النهايات ماتت اهوتيهم وخصلت ارواحهم ۝)

شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ نے عارف کی تعریف اس طرح کی ہے:

شیخ یحییٰ بن معاذ رازیؒ قدس سرہ سے جب عارف کی تعریف دریافت کی گئی' تو آپ نے فرمایا "ایسا شخص عارف ہے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ ہے لیکن اس معیت میں بھی ان سے جدا ہے۔ عارف کی تعریف آپ نے ایک بار اس طرح بھی کی ہے وہ ایک بندہ جو دوسرے سے الگ ہو گیا۔ (عبد كان فبان)۔

وہ لوگ جو ارباب النہایات ہیں حقیقت میں اللہ کے ساتھ ہیں گو بظاہر مقررہ زندگی ان کے راستے میں حائل ہے (بقید زندگی وہ اللہ سے واصل ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلوق میں اپنا لشکری بنا دیا ہے۔

شیخ ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کی تین علامتیں ہیں' یہ تین باتیں اس میں موجود ہونا چاہئے (1) ان کا نور معرفت' ان کے ورع و پرہیز گاری کے نور کو نہ بجھائے۔ (2) ان کے علم باطنی کے معتقدات ان کے احوال ظاہری میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ کریں۔ (3) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت اور کرامتوں کی بہتات' اللہ تعالیٰ کے محرمات کی پردہ پوشی کی۔ ہتک پر ان کو آمادہ نہ کرے (کثرت نعم اور کرامات پر نازاں ہو کر وہ آلودہ عصیاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے محرمات سے اسی طرح گریزاں رہتے ہیں اور آلودہ عصیاں ہو کر محرمات کی پردہ دری نہیں کرتے) بلکہ ارباب النہایات کی حالت تو یہ ہوتی کہ جس قدر ازدیاد نعمت ہوتا ہے اتنی ہی ان کی بندگی و عبودیت میں اضافہ ہوتا ہے' جیسا کہ کہا گیا ہے کہ:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۝ "وہ مومنین کے سامنے حد سے زیادہ متواضع ہیں لیکن کافروں کے سامنے بہت ہی زیادہ معزز ہیں۔"

یہ حضرات اپنی خواہشات کی کامیابیوں پر شکر خالق بجا لاتے ہیں، کبھی یہ اپنے نفوس کو خواہشات سے اس طرح بھلاوا دیتے ہیں جس طرح کسی بچے کو کچھ دے کر بہلایا جاتا ہے اور کوئی چیز اس کو تحفہ دے دی جاتی ہے (کہ وہ بہل جائے) اس کا سبب یہ ہے کہ نفس چونکہ ان کا مقہور اور ان کی زیر سیاست ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اس کے ساتھ لطف و مدارا سے پیش آتے ہیں۔ کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ یہ اپنے نفوس کو خواہشات سے بالکل روک دیتے ہیں تاکہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی ہو سکے کہ انبیاء علیہم السلام نے دنیاوی خواہشات کو بہت ہی کم اختیار کیا ہے۔

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ فرماتے ہیں (الدنیا عروس تطلبها ماشطتها الاخر) دنیا ایک دلہن ہے جسے اس کو سنوارنے والی ماشطہ (مشاطہ) طلب کر رہی ہے لیکن زاہد اور خدا دوست اس کی صورت بگاڑ کر اس کے بال کھسوٹ کر اور اس کا لباس تار تار کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے بلکہ عارف باللہ تو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا او اپنے آقا کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔

باکمال منتہی کون ہے:

منزل سلوک میں ایک منتہی باکمال بھی سیاست نفس سے، منع خواہشات، کثرت صوم سے زیادہ لطف اندوزی، قیام اللیل اور گوناگوں امور خیر کے عمل سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ مخلوق کا یہ خیال غلط ہے کہ منتہی باکمال کے لئے کثرت عبادات و نوافل کی ادائیگی ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے لئے لذت طلبی اور خواہش دوستی پر کوئی قدغن ہے۔ (ایسا خیال کرنا غلط ہے) ایسی خطا اور غلطی سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ عارف معرفت سے محجوب ہو جاتا ہے بلکہ اس کی ترقی عرفان بھی رک جاتی ہے، یہ نظریہ اس طرح ظہور میں آیا کہ جب کچھ عرفاء نے یہ دیکھا کہ ان امور سے نہ تو ان میں قساوت قلب پیدا ہوئی اور نہ کوئی حجاب آڑے آیا تو وہ اس کی طرف مزید مائل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ صرف ادائے فرائض پر قانع ہو کر رہ گئے اور انہوں نے اپنے اکل و شرب کا دائرہ اور وسیع کر دیا اور اس کے بعد ان میں جو کچھ انبساط روحانی پایا جاتا ہے (یہ ان کے ان افعال کا نتیجہ نہیں ہے) بلکہ ان کے اس سکر احوال کا نتیجہ ہے (جس پر وہ اس سے قبل فائز تھے) اور وہ نور حال میں مقید ہیں اور ابھی کلیتاً وہ نور حق سے مستخلص (رہائی یافتہ) نہیں ہوئے ہیں (نور حق نے کلیتاً ان کو محروم اور خود سے وارستہ و آزاد نہیں کیا ہے) کیونکہ جو کوئی نور حال سے کلیتاً وارستہ ہو کر نور حق تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس راستے (حال) سے دور ہو جاتا ہے اور عام مومنین کی حالت ظاہری پر لوٹ آتا ہے اور انہی کی طرح اظہار عبودیت کرتا روزہ، نماز اور دوسرے نیکی کے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ راستے سے ایذاء پہنچانے والی چیزوں کو اٹھاتا ہے (ہر ایک نیک کام کی طرف نیک بندوں کی طرح مصروف ہو جاتا ہے) اور عوام (مومنین) کی اس صورت حال پر لوٹ آنے سے نہ اس میں ناگواری پیدا ہوتی ہے اور نہ امور خیر کے انجام دینے سے تکبر اور بڑائی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

چونکہ اس کا پاکیزہ اور مزکی نفس اس کا مطیع و منقاد ہوتا ہے اس لئے کبھی کبھار وہ اس کی خواہش ازروئے لطف و مدارا

پوری کر دیتا ہے اور کبھی اس کو خواہشات سے روک بھی دیتا ہے جب کہ اس میں نفس کی بھلائی اور بہتری ہوتی ہے اس حال کو ایک بچہ کی حالت سمجھنا چاہیئے کہ کبھی تو اس کی خواہشات اس طرح پوری ہوتی ہے کہ وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور کبھی بچے کو خواہشات کے پورا کرنے سے روک دیا جاتا ہے تاکہ اس کی طبیعت میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ جبلت کی اصلاح یا اس کا قلع قمع علم کی سیاست ہی ہوتا ہے پس جب تک یہ جبلت باقی ہے' سیاست علم کی ضرورت ہے یہ ایک بہت ہی باریک نکتہ ہے جو ایک منتہی کو نہایات کے حال میں پیش آتا ہے۔ جس کے دخول و وقوع سے اس کی ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے' پس اخذ و ترک کے معاملہ میں عنان اختیار منتہا کے ہاتھ میں ہے (خواہ ترک کرے خواہ اختیار کر دے)۔

اعمال و حظوظ کا اخذ و ترک:

منتہی سلوک کو جس طرح بھی اعمال و حظوظ کے اخذ و ترک کی ضرورت پیش آتی ہے چنانچہ کبھی وہ ایک صادق و مخلص بندے کی طرح اعمال بجا لاتا ہے (نوافل وغیرہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول رہتا ہے) اور کبھی نفس کی مروت کی خاطر زیادت اعمال کو چھوڑ کر حظوظ و مطالبات نفس کو پورا کرتا ہے اور کبھی حسن سیاست سے کام لیتے ہوئے ان خواہشات سے نفس کو روک دیتا ہے پس وہ اس بارے میں کلی اختیار رکھتا ہے' پس جو کوئی حظوظ کو کلیتاً ترک کر دے پس وہ پورے طور پر زاہد تارک ہے جو کوئی خواہشات کے پورا کرنے میں نفس کو پوری پوری ڈھیل دے دے وہ پورا راغب یا دنیا دوست ہے لیکن منتہی سالک حد اعتدال پر گامزن ہوتا ہے' وہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال پر چلتا ہے۔ اگر کسی منتہی سالک کو نہایات کی بعض صورتوں میں لوٹنا پڑے (جن سے وہ گزر کر اس مقام تک پہنچا ہے اور وہ زاہد الزہد کی منزل پر آجائے تو وہ روحانی حال کا پابند ہو کر اختیار کو ترک کر دیتا ہے (پھر ترک و اختیار اس کے بس کی بات نہیں رہتی) اس وقت تارک الاختیار حال سے مقید ہو کر فعل الٰہی کا پابند ہوتا ہے جس طرح ایک زاہد کہ وہ تارک الاختیار ہے جو ترک سے مقید ہے (ترک پر مجبور ہے) اسی طرح زاہد فی زہد اختیار میں بھی اس اخذ و اختیار میں مشیت الٰہی کا پابند ہے۔ جب حال نہایت پر کسی کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اخذ و ترک کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے کبھی وہ ترک پر عمل پیرا ہوتا ہے اور کبھی اخذ پر کاربند ہوتا ہے اور یہ دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار سے ہوتی ہیں سالک منتہی کا اس میں کچھ اختیار نہیں ہوتا چنانچہ صوم نافلہ اور نماز نافلہ کی کبھی پابندی کرتا ہے اور کبھی پابندی نہیں کرتا (کبھی نفس کے آرام کی خاطر چھوڑ دیتا ہے) بہرحال دونوں حالتوں کے اختیار کرنے میں وہ درست کار اور صحیح ہے اور اسی کا نام "نہایت النہایت" ہے۔ یہ صحیح حال رسول اکرم ﷺ کے حال والا منزلت سے مشابہ ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ کبھی تمام رات عبادت میں بسر فرماتے تھے اور کبھی رات کے کچھ حصہ میں مصروف عبادت رہتے تھے۔ اسی طرح غیر رمضان میں آپؐ مہینے کے کچھ دنوں کے روزے رکھتے تھے پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے اور اپنے نفس کی ضروریات بھی پوری فرماتے تھے۔ اسی بنا پر جب ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں گوشت نہ کھاؤں تو حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا میں تو گوشت کھاتا ہوں اور مجھے گوشت پسند ہے اور اگر میں اپنے رب

سے خواستگاری کروں کہ وہ مجھے ہر روز (گوشت) کھلائے تو وہ ضرور مجھے کھلائے گا۔" حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کو اس امر میں کلی طور اختیار حاصل تھا (یعنی آپ پسند فرمائیں تو گوشت تناول فرمائیں اور پسند فرمائیں تو استعمال ترک فرمادیں) مگر خود آپ نے اپنی مرضی مبارک سے گوشت کا کھانا ترک فرمادیا تھا۔ کچھ لوگ اس سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے (گوشت تناول فرمایا ہے اور ترک استعمال بھی کیا ہے) تو وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ تو خود شارع (صاحب شریعت) تھے اگر ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ کے ترک و اختیار کی اتباع ضروری نہیں تو یہ محض جہالت ہو گی) اس لئے کہ اس سلسلہ میں رخصت صرف آپ کے ارشاد گرامی کی حد تک ہے اور اسی طرح عزیمت کا مدعا یہ ہے کہ آپ کے فعل کی اتباع کی جائے' پس حضور والا کے قول و فعل میں ارباب ہمت اور راحت طلب حضرات دونوں کے لئے دلیل موجود ہے (دونوں نصب العین رکھنے والے حضرات کے لئے ہے)۔

ارباب عزائم اور ارباب رخصت کے لئے دلیل:

وہ ارباب حق جو درجۂ نہایت پر فائز ہیں ان کا حال رسول اکرم ﷺ کے حال اقدس سے مشابہہ ہے کہ حضور والا کی طرح وہ بھی مخلوق کی طرف بلاتے ہیں' پس اس صورت میں جس امر پر حضور ﷺ نے اعتماد فرمایا (عمل فرمایا اور قابل اعتماد سمجھا) ان کو بھی اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے (ینبغی ان یعتمده) یعنی ان کے لئے شایان اعتماد ہے' حضور اکرم ﷺ کی شب بیداری اور قیام لیل و نفلی روزوں کی غرض و غایت یہ تھی کہ یا تو امت اس کی پیروی کرے یا محض اپنی ذات گرامی کو مزید فیض یاب بنائیں' پس اگر آپ کا مقصود اس سے یہ تھا کہ اس امر میں آپ کی اقتدا کی جائے تو منتہی کے لئے اس کی اقتدا ضروری ہے اور اگر مزید فیض یابی مقصود تھا تھا تو اس صورت بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے اقتدا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ قیام لیل اور نفلی روزوں پر محض اس لئے عمل نہیں فرماتے تھے کہ امتی آپ کی پیروی کریں بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کا مقصود یہ بھی تھا کہ آپ مزید فیض و برکت حاصل فرمائیں' اس سے قبل ہم "تہذیب جبلت" کے سلسلے میں یہ بیان کر چکے ہیں۔

ایک عجیب و غریب راز:

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا واعبد ربك حتی یاتیك الیقین (آپ اپنے رب کی عبادت نفس بازپسیں تک فرماتے رہئے) بے شک آپ نے اس طرح بارگاہ الٰہی سے استمداد افزوں حاصل فرمائی اور اس کے کرم کے دروازے پر دستک دی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس کے مزید فضل و کرم کے حاجتمند اور اس کے لطف مزید سے مستغنی نہیں تھے' اس میں ایک عجیب و غریب راز ہے اور وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ اس طرح نفس انسانی کے رابطہ کی بنا پر

مخلوق کو حق کی طرف بلاتے تھے اگر (مخلوق اور آپ کی ذات گرامی کے مابین) یہ رابطہ جنسیہ نہ ہوتا تو نہ آپ کی ذات گرامی تک لوگوں کی رسائی ہوتی اور نہ لوگ آپ سے نفع اندوز ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ کے نفس طاہرہ اور امت کے نفوس (نفوس الاتباع) کے درمیان ایسا رابطۂ تالیف موجود تھا جیسا کہ آپ کی روح طیبہ اور ارواح امت کے مابین رابطہ تالیف موجود ہے' رابطہ تالیف سے مراد یہ ہے کہ نفس بھی اسی طرح باہم وگرمالوف ہیں جس طرح ارواح میں باہم دگر پہلی پہل الفت قائم ہوئی تھی' ہر روح کو اپنے نفس کے ساتھ ایک تالیف خاص حاصل ہے گویا تمام ارواح اور نفوس کے مابین سکون' تالیف اور امتزاج واقع ہے (الفت و محبت کے رشتے اور تعلقات تمام ارواح اور نفوس میں موجود ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ کا ہر وہ عمل پاک جو آپ بطور دوام فرماتے تھے وہ ذات خاص کی مزید صفا اور امت کے تصفیہ نفوس پر مبنی ہوتا تھا' اس صورت میں آپ کی ذات خاص بقدر ضرورت اس فیض مزید کو اخذ کر لیتی تھی اور جو کچھ اس کے سوا ہوتا تھا وہ نفوس امت کو پہنچ جاتا تھا' اسی طرح جو ارباب انتہا ہیں ان کو اپنے رفقاء کے ساتھ ایسی راہ پر گامزن ہونا چاہئے اور ان کو زیادت عبادت اور نوافل کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور لذت کوشی اور خواہشات نفس کی طرف توجہ نہیں دینا چاہئے بجز اس کے کہ وہ خواہش نفس کے لئے ضروری ہو (بقائے نفس کے لئے اس کا بجالانا ضروری ہو) تب اس میں مصروف ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اعتدال کا حق تائید ایزدی اور نور حکمت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا اور جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کے سامنے اپنا صحیح نمونہ (صحت جلوہ) پیش کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی خلوت کے معاملات حق کے ساتھ درست اور صحیح ہوں تاکہ اس کی جلوت' اس کی خلوت کا نمونہ بن جائے۔ (حتی تکون جلوۃ فی حمایتہ خلوتہ)

حال صحیح:

جو کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے تمام اوقات "خلوت ہی خلوت ہیں" اور اس کی خلوت میں کوئی حجاب مانع نہیں ہے اور اس کے تمام اوقات اللہ کے ساتھ اور اللہ ہی کے لئے (وقف) ہیں اور اس میں کسی کمی کے وقوع کا امکان نہیں ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو اس حقیقت مزید کے سمجھنے کے لئے عقل و فہم عطا نہیں فرمایا ہے' بظاہر ان کا یہ حال روحانی درست ہے لیکن میں کوتاہی کا شائبہ ضرور موجود ہے (غیر انہ تحت قصور) کیونکہ وہ اپنی جبلت کی تادیب و اصلاح نہیں کر سکے اور نہ صرف یہ کہ وہ تملیک اختیار کے راز سے ناآشنا ہیں بلکہ وہ فروزاں پاکیزگی کے بیان سے بھی ناآشنا ہیں (روحانی پاکیزگی کی درخشانی اور جلوہ آرائی سے بھی بے خبر ہیں)۔

بعض مشائخ سے اس سلسلہ میں بہت سے ایسے کلمات منقول ہیں جن سے شبہ پیدا ہوتا ہے (طالب حق تردد میں پڑ جاتا ہے) مگر لوگ سنتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں' اس سلسلہ میں اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ جو کچھ وہ سنے اس کی وضاحت کا بارگاہ الٰہی سے طالب ہو تاکہ بارگاہ الٰہی سے اس سلسلہ میں راہ صواب اس پر واضح ہو جائے۔ کسی بزرگ سے کمال معرفت کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ "جب انتشار و پراگندگی دور ہو جائے اور احوال و مقامات یکساں

اور درست ہو جائیں اور تمیز کا ہوش باقی نہ رہے تو اس کو کمال معرفت کہا جائے گا۔" اس طرح کے قول سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ کمال معرفت کی منزل پر جلوت و خلوت کا تمیز باقی نہیں رہتا اور عمل کرنے اور عمل نہ کرنے کا فرق بھی مٹ جاتا ہے۔

اس قول بالا سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قائل نے اپنے قول سے کوئی خاص معنی مراد لئے ہیں یعنی یہ کہ حظ معرفت میں احوال میں سے کسی حال میں بھی متغیر نہیں ہوتا (یعنی تمام روحانی احوال یکساں رہتے ہیں) یہی صحیح اور درست ہے کہ حظ معرفت تبدیل نہیں ہوتا اور نہ اس کو فرق اور تمیز کرنے کی حاجت پیش آتی ہے (وہ ان سے بے نیاز ہے) اور اس میں تمام روحانی احوال برابر ہوتے ہیں! ہاں حظ مرید ضرور بدلتا ہے اور تمیز اور فرق کا محتاج ہے اور یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ مذکورۂ بالا قول کے منافی نہیں ہے۔

عارفوں کی حاجت:

شیخ محمد بن فضل قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ عارفوں کو کس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ان کو ایک ایسی فضیلت کی احتیاج ہے جو تمامی محاسن کو مکمل کر دے اور وہ خصلت ہے استقامت! چنانچہ جو فرد معرفت میں درجۂ کمال پر ہوتا ہے اس میں استقامت بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے چنانچہ ارباب النہاتیہ میں استقامت بدرجہ کمال ہوتی ہے۔

بندہ یعنی مرید کا ابتدائے حال میں اعمال سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور وہ احوال سے محجوب ہوتا ہے اور جب وہ درمیانی درجہ اور منزل پر پہنچ جاتا ہے تو احوال کے توسط سے محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اور اعمال سے محجوب ہو جاتا ہے اور مرتبہ نہایت میں نہ وہ اعمال اس کے احوال کا حجاب بنتے ہیں اور نہ احوال اس کے اعمال کے حجاب کا موجب ہوتے ہیں (اعمال و احوال کے حجاب سے نکل آتا ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا نہایت کے سلسلہ میں ارشاد:

حضرت جنید بغدادیؒ سے نہایت کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ھی الرجوع الی البدایة آغاز کی طرف لوٹ جانا نہایت ہے۔" بعض حضرات نے حضرت جنیدؒ قدس سرہ کے اس قول کی تشریح میں کہا ہے کہ مرید ابتداء میں یعنی آغاز سلوک میں جہل میں مبتلا تھا اس کے بعد اس کو معرفت کا حصول ہوا اور اس کے بعد وہ پھر تحیر و جہل کی منزل پر آگیا اس کی مثال ایک بچہ سے دی جا سکتی ہے کہ ابتداء میں نادانی، پھر علم اور پھر جہل۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "تاکہ علم کے بعد وہ کچھ اور نہ جان سکے۔" (لکیلا یعلم بعد علم شیئا)

ایک اور بزرگ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے اعرف الخلق باللہ اشدھم تحیراً فیہ میں سب سے زیادہ صاحب معرفت وہ شخص ہے جو اس کے بارے میں سب سے زیادہ متحیر ہو، اس قول کا بھی وہی مفہوم ہے جو اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں۔ یعنی سالک اعمال سے آغاز کرتا ہے پھر وہ ترقی کر کے احوال تک پہنچتا ہے، پھر اعمال و احوال دونوں کو وہ جمع کر لیتا

ہے اور یہ آخری منزل اور مرتبہ "منتہی المراد" کا ہوتا ہے جو محبوبین کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے اور بارگاہ الٰہی کی جانب اس کی روح کی کشش ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ اپنے قلب کو اپنا مطیع بناتا ہے اور قلب و نفس کو تابع بناتا ہے اور نفس جسم کو اپنا تابع بنالیتی ہے اس طرح وہ پورے طور پر قائمًا باللّٰہ ہو کر باری تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے (سجدلك سوادی و خیالی) میرا خیال اور میرا دل بھی تجھے سجدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○

"جو بھی زمین و آسمان میں ہیں وہ بخوشی خاطر اور بادل ناخواستہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام اس کے حضور میں سجدہ ریز ہیں۔

یہ ظلال، اجسام ہیں جو ارواح کی سجدہ ریزی کے ساتھ ساتھ سجدہ کناں ہیں اور پھر محبت کی روح ان کے تمام اجزاء یعنی ہر ایک جسم میں سرایت کر جاتی ہے پس وہ تمام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے متمتع اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور محبت و وراء کے ساتھ اس کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرماتا ہے اور اپنے فضل و کرم اور لطف عمیم سے مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرمادیتا ہے، ہمارے شیخ محترم ابوالنجیب سہروردی قدس سرہ نے باسناد مشائخ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے فرماتا ہے کہ اللہ (تعالیٰ و جل) اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے پس اے جبرئیل تم بھی اس سے محبت کرو، پس حضرت جبرئیل (علیہ السلام) اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر (حضرت) جبرئیل علیہ السلام تمام آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے اے ساکنان افلاک تم بھی اس سے محبت کرو پس تمام اہل سموات اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ زمین پر بھی مقبول ہو جاتے ہیں۔" وَبِاللّٰہِ العَوْنَ وَالعصمة والتوفیق

(وتمت بحمد المعید المبدی کتاب عوارف المعارف للامام السہروردی)

ترجمہ: عوارف المعارف، از قلم بندۂ ناچیز شمس بریلوی ابن حضرت ابوالحسن صدیقی

نور اللہ مرقدہ، تمام گشت

عُمْدَةُ المتکلمین زُبْدَةُ العارِفِین قُدْوَةُ السالِکِین حُجَّةُ الاِسْلام اِمام

ابُو حامِد بِنْ مُحَمَّد غزالی رحمته اللہ علیہ

کی تحقیقِ انیق اَور علوم مَعارف کا بے بہا خزانہ

مکمل چار جلدیں

احیاءِ عُلوم الدّین

المعروف احیاء العلوم کا با محاورہ مستند اردو ترجمہ

مِصْبَاحُ السّالِکِین

مترجم: علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی دامت برکاتہم عالیہ

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 7352795-7124354


پروگریسو بکس
7358705

عُمدۃ المتکلمین زُبدۃ العارفین قُدوۃ السالکین حُجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ

کی تحقیق انیق اور علوم و معارف کے بے بہا خزانہ

احیاءِ علوم الدّین

المعروف احیاء العلوم کا با محاورہ مستند اُردو ترجمہ

مِصباحُ السّالِکین

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس

۴۰-بی، اُردو بازار لاہور - فون: ۷۳۵۲۷۹۵